

مُسلم گھرانوں کے لیے لازمی کتاب

اسلامی فقہ

کا

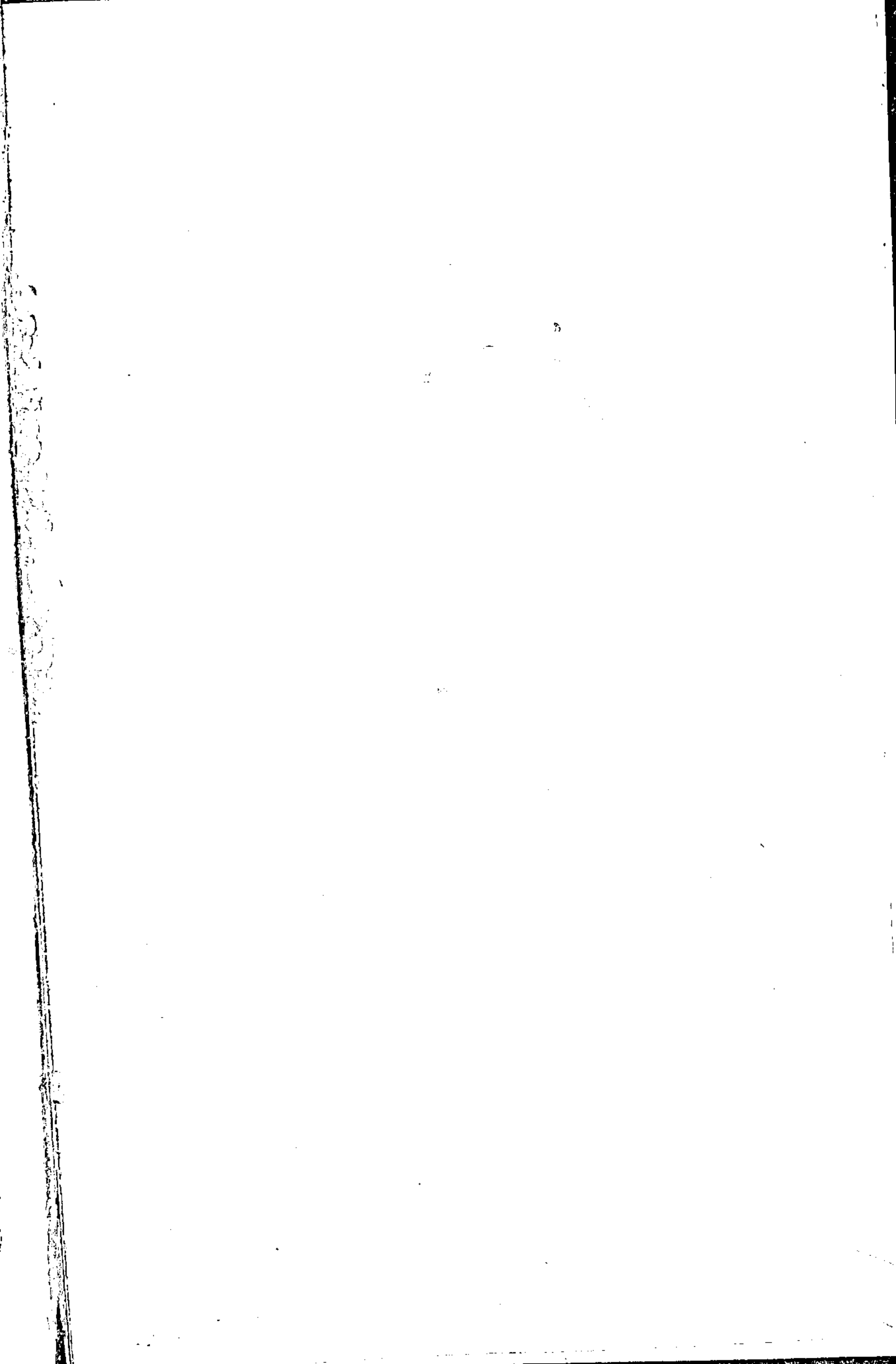
انسائیکلو پیڈیا

تقریباً 2000 مسائل کے شرعی جوابات



مولانا منہاج الدین مینائی





اسلامی فقہ کا انسائیکلو پیڈیا

مولانا منہاج الدین مینائی

نگارشات پبلشرز

حبیب ایجوکیشنل سنٹر 38- مین اردو بازار لاہور | 24- مزنگ روڈ لاہور
فون 7240593 فیکس 042-7354205 | ڈون 7322892 فیکس 042-7354205
e-mail:nigarshat@yahoo.com

۲۹۷/۳۳
م ۵۵۹
۷۰۱۸۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: اسلامی فقہ کا انسائیکلو پیڈیا

مصنف: مولانا منہاج الدین مینائی

ناشر: آصف جاوید

برائے: نگارشات پبلشرز

24- مزنگ روڈ، لاہور۔

PH:0092-42-7322892 FAX:7354205

فرسٹ فلور، حبیب ایجوکیشنل سنٹر، 38- مین اردو بازار لاہور

PH:0092-42-7240593 FAX:7354205

المطبعة العربية لاہور

مطبع:

215921
JEREMEN

پانی کی قسمیں

54	آبِ طہور	
54	آبِ طاہر	
55	غیر طہور	23
56	وہ پانی جو پینے سے جھوٹا ہو گیا	33
56	جن جانوروں کا جھوٹا پانی ناپاک ہو جاتا ہے	
56	وہ جانور جن جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے	39
	کنوین کے پانی کے مسائل	40
58	انسانی جسم اور لباس کو نجاست سے پاک رکھنا	40
59	استنجاء کی تعریف	41
59	استنجاء (طہارت) کا طریقہ	
59	استنجاء کے ارکان	42
59	استنجاء کا حکم	43
60	رفع حاجت کے آداب	44
63	وضو کے معنے اور تعریف	45
63	وضو کا حکم اور اس سے متعلق امور	45
64	قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا	45
64	شرائط وضو	45
65	وضو واجب ہونے کے شرائط	46
65	وضو صحیح ہونے کے شرائط	47
66	وضو واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں	47
66	وضو کے فرائض	47
68	وضو کی سنتیں	49
70	وضو کے مندوب و مستحب	50
71	وضو کی مکروہات	51
71	نواقض وضو	

فہرست

	پیش لفظ
	دیباچہ
	فقہ کے معنی
	علم فقہ
	فقہ
	علم فقہ کی ضرورت
	احکام دین کی تقسیم
	عبادت
	عبادت کے معنی
	طہارت کے معنی و تعریف
	نجاست کی تعریف
	نجاست حکمی
	حدث اصغر کا حکم
	حدث اکبر کا حکم
	نجاست حقیقی
	نجاست غلیظہ کا حکم
	نجاست خفیفہ
	نجاست خفیفہ کا حکم
	نجاست کے متعلق عام ہدایات
	اعیان طاہرہ
	اعیان نجسہ
	نجاست کا ازالہ

تعمیر

A. P. P.

89	تیمم کی قسمیں	75	غسل کے معنی اور تعریف
89	تیمم کی شرطیں	75	موجباتِ غسل
90	تیمم کرنے کے شرعی اسباب	77	غسل کی شرطیں
90	تیمم کے ارکان یا فرائض	77	غسل کے فرائض
91	تیمم کی سنتیں	79	غسل کی سنتیں
91	تیمم کے مستحباب	79	غسل کے مستحباب
91	تیمم کے مکروہات	80	غسل کے مکروہات
91	تیمم کو باطل کرنے والے امور	80	غسل مسنون
92	فاقد الطہورین	80	حالت جنابت کے متعلق احکام
	نماز یا صلوٰۃ	81	حیض کے متعلق مسائل
		81	حیض کی مدت
94	صلوٰۃ کی تعریف	81	طہر کی مدت
94	صلوٰۃ (نماز) کی غایت	82	استحاضہ اور اس کی کیفیت
94	نماز کی قسمیں	83	نفاس اور اس کی کیفیت
95	نماز کی شرطیں	83	حیض و نفاس والی عورتوں کا حکم
95	فرض نمازوں کی تعداد اور ان کی فرضیت کا حکم	84	پانی سے طہارت حاصل کرتے وقت
96	نماز کے اوقات	84	مسح کرنے کی اجازت
97	اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت	85	جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم
98	نماز میں تاخیر کرنا	85	جبیرہ پر مسح کے صحیح ہونے کی شرطیں
98	دو نمازیں ملا کر پڑھنا	86	جبیرے کے مسح کو باطل کرنے والے امور
98	نماز میں ستر ڈھلنا	86	خف (موزے) پر مسح جائز ہونے کی دلیل
99	اشائے نماز میں ستر کھل جانے کا حکم	86	موزوں پر مسح کا مسنون طریقہ
99	حالت نماز کے بغیر ستر ڈھانکنا	88	موزوں پر مسح کی میعاد
100	نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا	88	مسح کا مکروہ ہو جانا
100	قبلہ کی تعریف	88	مسح باطل کرنے والے امور
100	نماز میں قبلہ رو ہونے کی دلیل	88	تیمم کا بیان
101	قبلہ کا رخ متعین کرنے کا طریقہ	88	تیمم کا حکم اور اس کی مشروعیت کا حکم
		89	

119	اقامت کی سنتیں اور مستجاب	102	تحریر کے بارے میں کچھ مسائل
119	اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ	103	استقبال قبلہ واجب ہونے شرطیں
119	اذان کی اجرت	103	کعبے کے اندر نماز پڑھنا
120	نماز کے علاوہ اذان دینا	104	سواری پر نماز پڑھنے کے احکام
120	اذان کے بعد درود بھیجنے کا حکم	104	ادائے نماز کے فرائض
120	نماز تطوع (حصول ثواب)	104	نماز کے ارکان
121	نماز پڑھنے کی مکمل صورت	105	نماز کے واجبات
124	نماز ختم ہونے کے بعد اذکار	106	نماز کی سنتیں
125	صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت)	108	نماز کے مستحبات
126	نماز اشراق	109	سترہ یعنی آڑ
126	صلوٰۃ التبیح	109	سترہ کے شرائط
126	نماز تحسینۃ المسجد	109	نمازی کے آگے سے گزرنا
	نماز تحسینۃ الوضو اور سفر سے واپسی یا سفر کو	110	مکروہات نماز
126	روانگی کے وقت نماز پڑھنا	112	مسجد میں کیا کیا باتیں مکروہ ہیں
127	نماز تہجد	114	مہطلاتِ صلوٰۃ
127	نماز استخارہ	115	وہ امور جن کے سبب نماز توڑ دینا چاہیے
128	استخارے کی دعا		اذان کا بیان
128	نماز حاجت اور اس کی دعا	116	اذان کی تعریف
129	نماز وتر	116	اذان کا حکم اور اس کی مشروعیت
131	نماز تراویح	117	اذان دینے کا طریقہ اور اس کے الفاظ
132	تراویح کے مستحبات	117	موذن کی اذان کا جواب دینا
132	تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا	117	اذان کی شرائط
133	جمعہ کا حکم اور اس کا ثبوت	118	اذان دینے والے کی شرائط
	نماز جمعہ کے لیے روانہ ہونے اور	118	اذان کی سنتیں اور مستجاب
133	خرید و فروخت بند کرنے کا وقت	118	اذان میں کیا کیا باتیں منع یا مکروہ ہیں
134	جمعہ کی شرطیں	119	اقامت کی تعریف
134	شرائط وجوب		

144	نماز کسوف شروع ہونے کی حکمت	134	شرائط صحت نماز
145	نماز کسوف کا طریقہ	135	جماعت جس کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے
145	نماز کسوف کی سنتیں	135	جمعہ کا خطبہ اور اس کے ارکان
145	نماز کسوف کا وقت	135	جمعے کے دونوں خطبوں کے شرائط
145	نماز خسوف	136	خطبہ جمعہ کی سنت
145	نماز کسوف و خسوف کی قضاء	136	خطبے کی مکروہات
146	نماز خوف	136	جمعہ کے مستحبات
146	وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے	137	جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہونا
147	نوافل کی قضاء	137	جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز
147	نفل پڑھنے کا افضل مقام		جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا
	نماز کی امامت	138	
			عیدین کی نماز کا حکم اور وقت
148	امامت نماز کی تعریف		نماز عید کی مشروعیت
148	صحت امامت کے لیے مقتدیوں کی تعداد	139	نماز عیدین کا طریقہ
148	امامت کا حکم نماز پنجگانہ کے لیے	139	نماز عیدین کی جماعت اور ان کی قضاء
149	امامت نماز جمعہ و عیدین میں	140	عیدین کی سنتیں اور مستحبات
149	امام بننے کی شرطیں	140	نماز عید کی مکروہات
149	امامت کن لوگوں کی مکروہ ہے	141	عیدین کی نماز کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہے
150	امام بنانے کی ترجیحات		عیدین کے خطبوں کا بیان
150	مقتدی کے لیے احکام	141	ایام تشریق
152	مبسوق نماز کیسے پوری کرے	141	نماز استسقاء
152	لاحق نماز کیسے پوری کرے	142	نماز استسقاء کا حکم
152	تنہا فرض پڑھنے والے کے ساتھ شامل ہونا	142	نماز استسقاء کا وقت
153	جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب	143	نماز استسقاء کو جانے سے پہلے مستحب امور
	وضو کرنے والے کا تیمم کرنے والے	143	نماز کسوف
153	کے پیچھے نماز پڑھنا	144	
	وہ معذوریوں جن سے جماعت ساقط	144	

166	شرائط غسل میت	153	ہو جاتی ہے
167	میت کا ستر دیکھنا اور ہاتھ لگانا	154	استحلاف فی الصلوٰۃ
168	مستحبات غسل میت	154	استحلاف کا سبب
	غسل دینے کے بعد میت سے	155	استحلاف کی شرعی حیثیت
168	نجاست خارج ہونا	155	عورتوں کی جماعت
168	میت کو غسل دینے کا طریقہ	155	سجدہ سہو کا بیان
169	کفنانے کا بیان	155	سجدہ سہو کا طریقہ
170	مرد کا کفن	156	سجدہ سہو کے اسباب
170	عورت کا کفن	158	سجدہ تلاوت
170	کفن دینے کا طریقہ	158	سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت
171	نماز جنازہ	158	سجدہ تلاوت واجب ہونے کی شرائط
171	نماز جنازہ کا طریقہ	159	سجدہ تلاوت کا طریقہ
171	نماز جنازہ کے ارکان	159	وہ آیات جن پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے
172	نماز جنازہ کی شرطیں	160	سجدہ شکر
173	نماز جنازہ میں ثنا اور دعا	160	مسافر کے لیے نماز میں قصر کرنے کی اجازت
174	نماز جنازہ کی تکبیریں	160	نماز قصر کا ثبوت
175	مکرر نماز جنازہ پڑھنا	161	قصر کے صحیح ہونے کی شرط
175	مسجد میں نماز جنازہ	162	مسافر کا متیم کے پیچھے نماز پڑھنا
175	شہید کا بیان	162	قصر باطل ہونے کی صورت
176	جنازہ اٹھانے کا طریقہ	162	قصر نماز کی قضا
177	جنازے کیساتھ چلنے اور اس کے متعلقہ مسائل	162	مریض کی نماز کا بیان
177	میت کی تدفین	163	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ
177	قبر بنانے کا طریقہ	163	رکوع اور سجدے سے معذوری کا بیان
179	قبر پر عمارت تعمیر کرنا	164	مریض کی عیادت
	جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے کسی	165	موت کی بیماری
179	اور علاقے میں میت کو لے جانا	165	میت کے اعضاء کو درست کرنا
179	ایک قبر میں کئی میتوں کا دفن کرنا	166	غسل میت

195	بعض روزے جو مکروہ تہذیبی ہیں	180	متفرق مسائل
196	مفسداتِ صوم	180	تعزیت (پرسہ)
196	قضا واجب ہونے کی صورتیں	181	قبروں کی زیارت کرنا
197	قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے کی صورتیں		ذکر اور دعا
198	روزہ جو قضا ہوا سے ادا کرنے کا وقت	187	استغفار
198	روزہ توڑ دینے کا کفارہ	187	نبی پر درود
199	روزہ توڑنے کے جائز عذر		صوم (روزہ)
199	روزہ ترک کرنے کی جائز صورتیں		صوم کی تعریف
200	روزے میں سخت بھوک یا پیاس کا غلبہ	189	فرض روزے
200	ضعیف العمری کے باعث ترکِ صوم	189	رمضان کا روزہ اور اس کا ثبوت
200	فدیہ کی مقدار	189	روزے کے ارکان
201	میت کے قضا شدہ روزے	190	روزے کی نیت کرنے کا وقت
201	اعتکاف کی قسمیں اور میعاد	191	ماہ رمضان کا تحقق
203	اعتکاف کے آداب	191	کسی ایک علاقے میں رویت ہلال ثابت کرنا
203	اعتکاف کے مکروہات	192	رویت ہلال کے بارے میں منجم کا قول سند نہیں
203	شب قدر	192	چاند دیکھنے کی کوشش کرنا
204	صدقہ فطر	192	جدید ذرائع خبر رسانی سے چاند ہونے کی خبر
205	صدقہ فطر میں دی جانے والی چیزیں	193	سحری
	زکوٰۃ	193	افطار
207	زکوٰۃ کے معنی اور اس کی تعریف	193	حالت روزہ
207	ادائے زکوٰۃ کا حکم اور اس کا ثبوت	194	ماہ شوال کا تحقق
208	اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت	194	یوم الشک یعنی مشکوک دن کا روزہ
208	وجوب زکوٰۃ کی شرطیں	194	ممنوع روزوں کا بیان
209	نصاب اور ایک سال کی مدت	194	نفل روزے
210	صاحب مال کا آزاد ہونا اور قرض سے بری ہونا	195	یوم عرفہ کا روزہ
210	وہ اموال جن پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی	195	نفل روزہ رکھ کر توڑ دینا

227	حج کے معنی اور تعریف	210	اشیاء کی قسمیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے
227	حج کی اہمیت اور فضیلت	211	چوپائیوں کی زکوٰۃ
227	حج کے مسائل اور اس کا ثبوت	213	سونے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان
228	حج سے مقصود	213	سونے چاندی کی مخلوط اشیاء کی زکوٰۃ کا بیان
229	حج کب فرض ہو جاتا ہے	213	سکوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ
229	حج واجب ہونے کی شرطیں		کاغذی سکوں اور دوسرے دھاتوں
230	استطاعت کے مسائل	214	سے بنے سکوں کا بیان
231	حج کے صحیح ہونے کی شرطیں	214	ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب
232	ارکان حج	215	سال گزرنے کا مطلب
232	احرام کی تعریف	217	قرض میں دیے ہوئے مال پر زکوٰۃ
232	احرام کے مواقیت	216	تجارتی مال پر زکوٰۃ
233	احرام باندھنے سے پہلے جو امور مطلوب ہیں	217	کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ
234	حالت احرام میں کیا کیا کرنا منع ہے	217	زمین کی پیداوار میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں
	عورت کے لیے حالت احرام میں منہ	218	عشر اور زکوٰۃ میں فرق
236	اور سر ڈھکنے کا مسئلہ	219	بیانی کا حکم
236	رنگین یا خوشبودار کپڑے	219	عشر نکالنے کا طریقہ
237	بالوں کا کٹوانا نہیں کسی اور طریقے سے دور کرنا	220	ہدایات
237	حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کے مسائل	220	استدراک
	فصد کھلوانا، سچنے لگوانا، غسل کرنا	221	مصارف زکوٰۃ
237	اپنے اوپر سایہ کرنا	223	کن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہیے
	احرام والے کو مکے میں داخل ہونے	223	زکوٰۃ لینے کے حقدار
238	کے لیے کیا کرنا چاہیے	224	مال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا
239	طوافِ قدوم	224	عشر و زکوٰۃ کی وصولی کا حکومتی ادارہ
239	ارکان حج میں سے دوسرا رکن	224	زکوٰۃ کے مال کی حیثیت
239	طوافِ افاضہ	226	کان اور دینوں کا بیان
239	طوافِ افاضہ کا وقت		حج
239	طوافِ صدر یا طوافِ وداع		

261	ہدی کی شرطیں	240	طواف کا مسنون طریقہ
262	احصار اور فوات	240	طواف کی شرطیں
263	حج بدل	241	طواف کے واجبات اور سنتیں
263	حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں	242	طواف کی نیت
265	حج کرنے کی وصیت کو پورا کرنا	243	حج کا تیسرا رکن (سعی)
265	زیارتِ روضہ اطہر		صن او مروہ کے درمیان سعی
272	اُضحیہ کا بیان یعنی قربانی کا	244	کی شرائط، سنتیں اور مستحبات
272	قربانی کا حکم	244	حج کا چوتھا رکن (عرفات میں وقوف)
273	شرائط پر قربانی	246	حج کے عام واجبات
274	قربانی کرتے وقت بسم اللہ کہنا	247	حج کی سنتوں کا بیان
274	قربانی کے مستحباب اور مکروہات	248	آداب حج
276	ذکات (جانور کی قربانی کا طریقہ)	251	ممنوعات حج کا بیان
		251	مفسدات حج کا بیان
		251	وہ باتیں جن پر فدیہ واجب ہوتا ہے
		253	حالت احرام میں شکار کا تاوان
		254	عمرہ
281	سلام کو عام کرنے کا بیان	254	عمرہ کی حیثیت
283	سلام میں پہل کرنا اور جواب دینا	255	عمرہ کی شرائط اور ارکان
284	وہ صورتیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے	255	عمرہ کی میقات
284	چھینکنے والے کو دعائے عادی نے کا بیان	256	عمرے کے واجبات و سنن اور مفسدات
		254	حج قرآن، تمتع اور افراد کے متعلقہ مسائل
		257	قرآن کے مسائل
285	نکاح کے معنی	259	تمتع کے مسائل
285	نکاح کا رشتہ	260	ہدی کی تعریف
288	نکاح کی فقہی تعریف	261	ہدی کی قسمیں
289	نکاح کی شرعی حیثیت	261	قربانی کے وقت اور جگہ کا بیان
293	نکاح کے ارکان	261	قربانی کے گوشت میں سے کچھ کھانے کا بیان
294	نکاح کی شرطوں کا بیان		

معاشرت

اسلام کے معاشرتی احکام

311	مصاحرت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرمت	294	صیغہ (ایجاب و قبول)
312	ایک سے زیادہ بیویاں	296	فریقین نکاح
312	کن عورتوں کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے	296	شہادت یعنی گواہوں کی موجودگی
313	مختلف مذہب کی عورت سے نکاح	297	نکاح بذریعہ وکالت
314	تین طلاق والی عورت کی حرمت	297	ولی کا بیان
314	وقتی نکاح یا متعہ	297	ولیوں کی ترتیب
316	رضاعت کی وجہ سے نکاح کا حرام ہونا	298	ولی کی قسموں کا بیان
316	رضاعت کے اصطلاحی معنی	298	ولایت اجبار کے شرائط
317	دودھ کی شرکت سے نکاح کی حرمت کا حکم	298	ولایت اجبار کی وجہ
317	رضاعت کی مدت اور اس کا حکم		قریب ترین ولی کی موجودگی میں دوسرے
	منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے	299	ولی کو اختیار
318	دودھ پہنچنے کا حکم	299	نکاح میں کفو کا لحاظ
318	رضاعت کا ثبوت	300	کفایت کن باتوں میں ہونا چاہیے
321	دودھ پلانے والی کی شہادت	304	نسب میں کفو دیکھنے کا طریقہ
321	رضیع کے حقیقی بہن بھائی کا حکم		
322	بیوہ اور مطلقہ سے نکاح		صداق (مہر) کا بیان
322	زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم	304	مہر کی تعریف
323	نکاح کے باب میں مستحب امور	304	مہر کی شرطیں
323	خطبہ (منگنی)	305	مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہیے
324	شادی کے سلسلے میں رائے دینا	306	مہر کی کم سے کم مقدار
324	کسی کے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں ہے	306	مہر مثل
325	عقد نکاح کے لیے اعلان	307	مہر کے متعلق بعض ضروری مسائل
325	مقام نکاح	308	خلوت صحیحہ کی تعریف
326	نکاح کے لیے بلاوا	308	موانع مباشرت
326	ولی کو لڑکی سے اجازت لینے کا طریقہ	309	چڑھاوے اور جہیز کا بیان
326	وکیل کے ذریعہ اجازت لینا	310	محرمات نکاح
327	قبول کرنے کا طریقہ	311	عارضی طور پر نکاح کو حرام کر دینے والی صورتیں

352	مردوں کے حقوق ان کی بیویوں پر	327	نکاح کا خطبہ
353	شوہر کی اطاعت	329	دعا
355	ضروریات زندگی کی طلب میں اعتدال	329	دعوت ولیمہ
355	احسان شناسی	331	دعوت ولیمہ کا وقت
355	شوہر کو تنبیہ و تاویب کا حق	331	دعوت ولیمہ میں لوگوں کو بلانا
357	ایلاء کا بیان	331	دعوت ولیمہ وغیرہ کا قبول کرنا
357	ایلاء کی شرعی تعریف	332	دعوت قبول کرنے کی شرطیں
358	ایلاء کے ارکان اور شرطیں	332	تصویر کے احکام
359	احکام متعلقہ ایلاء	333	گانے کے مسائل
	طلاق کا بیان	336	بالوں کو رنگنے یعنی خضاب کا بیان
	طلاق کی تعریف	337	زفاف (سنت کی روشنی میں)
361	طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے	337	شوہر و بیوی کے حقوق و فرائض
362	طلاق کے ارکان یعنی اجزاء لازمی	338	قوام کے معنی
364	طلاق کی شرطیں	338	عورتوں کے حقوق جن کا ادا کرنا واجب ہے
364	غصہ میں طلاق دینا	339	نفقہ کا معیار
366	طلاق کی قسمیں	343	سکنی کے مسائل
366	واجب اور حرام	344	حسن سلوک
367	سنی اور بدعی	346	ظلم اور ایذا رسانی
367	طلاق صریح	346	عورت کا حق اور دینی فرائض
368	طلاق رجعی کی صورت	346	ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی شرط
369	طلاق رجعی کب بائن ہو جاتی ہے	348	قسم بین الزوجات
369	طلاق کس صورت میں مغلظہ ہو جاتی ہے	348	نفقہ کی تقسیم
369	طلاق بالکناہ	348	وقت کی تقسیم یعنی باری مقرر کرنا
370	وہ الفاظ جن کے لیے نیت کا جاننا ضروری ہے	349	باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق
371	مبہم لفظوں میں دی گئی طلاق کا صریح بن جانا	350	عورت کو اپنی باری سے دستبرداری کا حق
371	طلاق کی تعداد	350	سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کا مسئلہ
		351	مرد کا فرض

389	رجعت کے ارکان و شرائط	371	طلاق رجعی کے بارے میں ہدایات
390	رجوع کا حق کب ختم ہو جاتا ہے؟	372	طلاق بائن کے بارے میں ہدایات
	عدت کا بیان	372	وہ الفاظ جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی
393	عدت کی تعریف	373	تعلیق یعنی طلاق میں شرط لگا دینا
393	عدت واجب ہونے کے اسباب	373	تفویض طلاق
394	عدت کی صورتیں اور ان کے اقسام	373	طلاق کے لیے نائب بنانا
394	حمل کی عدت	374	طلاق کے لیے تحریر کے ذریعہ نائب بنانا
395	غیر حاملہ کی عدت		خلع کا بیان
396	طلاق یافتہ بیوی کی عدت	375	خلع کے معنی
396	آنسہ کی عدت	376	خلع اور طلاق میں فرق
397	زانیہ کی عدت	376	خلع کب درست ہے
397	عدت کا شمار طلاق کی صورت میں	379	خلع کے ارکان و شرائط
398	معتدہ کو نکاح کا پیام دینا	380	خلع طلاق بائن ہے فسخ عقد نہیں ہے
398	حلالہ	381	فسخ عقد
400	ثبوت نسب	381	ان عیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں
400	لعان	382	تفریق
401	ظہار		فسخ نکاح اور تفریق کے
402	ظہار کا شرعی مفہوم	383	بارے میں فقہاء کا مسلک
403	ظہار کے بارے میں احکام شرعی	384	تفریق کا حکم اور اس کا اثر
405	کفارہ ظہار ادا کرنے کے طریقے	384	مفقود و الخمر
405	نفقة کا بیان	386	تفریق کا اثر
406	فقہی تعریف		دوسرا نکاح ہو جانے کے
406	نفقہ کی شرعی حیثیت	386	بعد مفقود شوہر کی واپسی
407	بیوی کا نفقہ اور اس کے مسائل	387	غائب غیر مفقود
409	مقدار نفقہ کا تعین	388	تفریق کے بعد شوہر کی واپسی
409	نقد رقم نفقہ میں دینا	389	رجعت

433	نذر کی قسمیں	410	وجوب نفقہ کی شرائط
	وراثت	411	نفقہ عائد ہونے کے بارے میں
435	وراثت کے معنی	412	نفقہ کو ساقط کرنے والی باتیں
436	مورث کی وفات کے بعد	413	دوران عدت نفقہ کا بیان
	وارث کے علاوہ کسی شخص کی	415	غیر موجود شوہر پر نفقہ عائد ہونا
437	طرف سے تجہیز و تکفین کی پیش کش	416	شوہر کا ادائے نفقہ سے عاجز ہونا
438	بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ	418	نفقہ اولاد کے لیے
	جس نے ترک نہ چھوڑا ہو اس کی	418	باپ دادا اور قرابت داروں کا نفقہ
	تجہیز و تکفین کا خرچ	420	حضانت (بچے کی پرورش)
438	لا وارث کی تجہیز و تکفین	420	حضانت کے لیے شرائط
438	مورث کے ذمہ قرض	421	حضانت کی مدت
438	ترکے کی تقسیم	421	حضانت کی اجرت
439	محروم ہونے کے اسباب		کتاب الیمین
439	محبوب ہو جانے والے وارث	426	یمین کی تعریف
	وہ وارث جو دوسرے وارث	422	یمین (قسم) کا حکم
439	کے باعث محبوب نہیں ہوتے	424	قسم کا شرعی ثبوت
440	جب نقصان کی تفصیل	424	قسم کی قسمیں
440	جب حرمان کی تفصیل	426	قسم واقع ہونے کی شرطیں
441	محبوب پوتے کا مسئلہ	427	وہ الفاظ جن سے قسم پڑ جاتی ہے
	یتیم اور بے سہارا لوگوں کے بارے میں	428	اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کا حکم
441	قرآن و حدیث کی ہدایات	429	دوسرے کی قسم کھانا یا دلانا
443	کم عمری اور بیوگی حق وراثت کے لیے مانع نہیں	429	قسم کا کفارہ کب واجب ہوگا
444	نافرمان اولاد اور حق وراثت	430	قسم کا کفارہ ادا کرنے کا طریقہ
444	میت کے رشتہ دار جو وارث نہیں ہوتے		نذر کے مسائل
444	شوہر اور بیوی کے قرابت داروں کا ترکہ	432	نذر کی تعریف
445	میراث کی بنیاد خدمت و احسان نہیں ہے	432	نذر کی حیثیت اور ثبوت

459	بیٹے کا حصہ	445
460	پوتے کا حصہ	445
461	دوسرے درجہ کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں	445
461	باپ کا حصہ	
462	دادا کا حصہ	
462	تیسرے درجہ کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں	446
462	حقیقی بھائی	446
463	علائی بھائی	447
463	حقیقی بھتیجا	448
463	علائی بھتیجا	449
463	حقیقی اور علائی بھائیوں کے پوتے	450
464	چوتھے درجہ کے عصبات کا ترکہ میں حصہ	451
464	چچا کا حصہ	451
464	علائی چچا	452
464	حقیقی اور علائی چچا کے لڑکے	452
464	باپ کے حقیقی اور علائی چچا	453
465	ذوی الارحام اور میت کے ترکہ میں ان کے حصے	453
465	ذوی الارحام کی حیثیت	455
466	ذوی الارحام کی درجہ بندی	456
	ذوی الفروض کے حصوں کا مختصر نقشہ	456
466	پہلی قسم کے ذوی الارحام	457
466	دوسری قسم کے ذوی الارحام	458
467	تیسری قسم کے ذوی الارحام	458
468	چوتھی قسم کے ذوی الارحام	458
469	میراث کے حصے لگانے کا طریقہ	458
470	عول کے معنی	459

متبنی کا میراث میں حق نہیں

ناجائز اولاد وارث نہیں

وہ میت جس کا وارث نہ ہو

ترکہ کی تقسیم کے مسائل

ذی الفروض

باپ کی حیثیت اور اس کا حصہ

دادا کی حیثیت اور اس کا حصہ

ماں کی حیثیت اور اس کا حصہ

بیٹی کی حیثیت اور اس کا حصہ

پوتی اور پرپوتی کا ترکہ میں حصہ

استدراک

شوہر کی حیثیت اور اس کا حصہ

بیوی کی حیثیت اور اس کا حصہ

اخیانی بھائی

اخیانی بہن

حقیقی بہنیں

علائی بہنیں

دادی نانی کا ترکہ میں حصہ

جدہ صحیحہ کا حکم

عصبات کا بیان

تقسیم ترکہ میں عصبات کی درجہ بندی

پہلے درجہ کے عصبات

دوسرے درجہ کے عصبات

تیسرے درجہ کے عصبات

عصبات میں تقسیم ترکہ کے اصول

پہلے درجہ کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں

	وہ چیزیں جن کا استعمال حرام ہے لیکن	470
492	خرید و فروخت حرام نہیں	471
493	اسپ دوانی اور تیر اندازی کے مقابلے	471
	وہ چیزیں جو حالات کی تبدیلی سے	472
495	جائز یا ناجائز ہو جاتی ہیں	472
495	چند اصطلاحیں	473
	تجارت	473
497	تجارت یا بیع کی تعریف	
498	باطل اور فاسد کی تعریفیں	
498	تراضی کی تعریف	
498	تجارت کی حیثیت	478
498	خرید و فروخت	478
500	بیع تعاظمی	480
500	سودے اور قیمت کا بیان	480
501	دریا کی مچھلی اور گھاس وغیرہ کی خرید و فروخت	481
501	ملکیت کی تعریف	483
502	ملکیت میں آنے کی صورتیں	483
	وہ چیزیں جو بلاصراحت بیع میں	485
504	داخل ہو جاتی ہیں اور جو نہیں ہوتیں	485
504	خرید و فروخت میں جن باتوں کی آزادی ہے	486
505	شمن کا بیان	487
507	بیع کا واقع ہونا	487
507	بیع کا فسخ کرنا	489
508	اقالہ یعنی واپسی کی شرطیں	490
508	بیع ٹائمن واپس کرنے کی دوسری صورتیں	492
508	خیار شرط	492

عول کی ضرورت

عول کا طریقہ

عول کا نتیجہ

عول کس صورت میں نہیں ہوتا

رد کا بیان

وہ ذوی الفروض جن پر رد نہیں ہو سکتا

رد کی صورت میں تقسیم

معاملات

کاروبار اور حلال و حرام

اسلامی ہدایات

اسلامی شرعی ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ

حلال کمائی کی ترغیب

حلال اور حرام چیزیں

حلال اور حرام جانور

دوسری حلال و حرام اشیاء

پینے کی اشیاء جو حرام ہیں

زہریلی چیزیں حرام ہونا

حرام و حلال لباس

سونے چاندی کا استعمال

شکار اور ذبیحہ اور ان میں حلال و حرام

شکار کی اجازت

شکاری سے متعلق شرائط

آلات شکار کے شرائط

حرام جانور

چند اور حرام چیزیں

528	بیع منابذہ	509	خیار وصف
528	بیع الملامہ اور بیع الحساة	509	خیار ویت
529	بیمہ	511	خیار عیب
529	رشوت	513	خیار غبن
530	مستقبل کے سودے	513	خیار نقد
530	بیع الحبلہ کی بعض اور صورتیں	513	بايع اور مشتری کے لیے شرائط
531	کاروبار میں دھوکہ اور فریب	514	قیمت کی ادائیگی اور بیع کے اخراجات
531	غیر موجود مال یا قیمت پر ادھار کاروبار	516	بیع کے جائز طریقے
532	بیع سے فائدہ اچک لینا	517	بیع نسبه
533	بیع میں ناجائز شرائط	519	بیع سلم
533	شرط لگانے کا قاعدہ کلیہ	521	بیع استصناع
534	ممنوعات بیع	521	بیع کے ناجائز طریقے
535	تصویر کی بیع	521	بیع باطل
535	ایسے سامان کو بیچنا جن سے جرائم کو بڑھاوا ملے	521	بیع فاسد
535	بیع عینہ	521	بیع مکروہ
535	بیع نجش (دام پر دام لگانا)	522	سودی کاروبار
536	بیعانہ یا ایڈوانس	523	سود اخلاقی حیثیت سے ناپسندیدہ
536	دام کے دام یا نفع لے کر بیچنا	523	بینک اور ڈاک خانے سے ملنے والا سود
537	کمیشن یا اجرت پر ایجنٹ مقرر کرنا	524	سودی کاروبار کی برائی معاشی حیثیت سے
540	احتکار (ذخیرہ اندوزی)		ادھار خریدنے اور بیچنے اور چیزوں میں کمی
541	تسعیر (بھاؤ مقرر کرنا)	524	بیشی کی وجہ سے سود
	مضاربت	524	چاندی اور سونے کا حکم
543	مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح	526	تل کر بکنے والی چیزوں کا بیان
543	مضاربت کا معاہدہ	526	پیمانے سے بکنے والی چیزوں کا بیان
543	مضاربت کی قسمیں	527	گزیافت اور کنتی سے بکنے والی چیزیں
544	معاہدہ توڑنے کا اختیار	527	جوئے اور شرط لگانے کی حرمت
		528	میسر یعنی جوئے کی تعریف

571	کفالت کا طریقہ	544	مضاربت کے شرائط
571	کفالت صحیح ہونے کی شرطیں	545	مضاربت فاسد ہو جانے کی صورتیں
571	کفیل کی ذمہ داریاں	546	رب المال اور مضارب کے حقوق و اختیارات
573	کن چیزوں میں کفالت ہو سکتی ہے	549	مضاربت سے بینک قائم کرنا
574	چیز کو پہنچانے کا بیمہ		شرکت
574	مردے کی طرف سے کفالت	551	شرکاء کی حیثیت
	حوالہ	551	شرکت کی قسمیں
575	حوالہ کے معنی اور شرعی تعریف	552	شرکت املاک کا حکم
575	حوالہ ایک اخلاقی ذمہ داری	552	شرکت عقود کی کیفیت
575	حوالہ سے متعلق بعض اصطلاحیں	553	شرکت عقود کی قسمیں
576	کفالہ اور حوالہ میں فرق	553	مجلس انتظام
577	حوالہ کی قسمیں		شرکت کی قسمیں اور اس کے احکام و شرائط
577	حوالہ کے ارکان	557	شرکت اعمال یا شرکت صنایع
577	حوالہ صحیح ہونے کی شرطیں	559	شرکت الوجوہ
577	حوالہ کے احکام		قرض
578	غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالہ	561	شریعت اسلامی کی ہدایات
	رہن	564	قرض کے سلسلہ میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری
579	رہن ایک اخلاقی ذمہ داری	565	قرض کے معنی اور تعریف
580	رہن کے معنی اور شرعی تعریف	566	قرض اور ادھار کا معاملہ لکھ لینا چاہیے
580	رہن کے ارکان و شرائط	566	قرض دینے والے کو ہدایات
581	مرہون کی حیثیت	568	قرض لینے والے کو ہدایات
582	رہن کی ذمہ داریاں اور حقوق	568	قرض دی جانے والی چیزیں
583	مرہن کی ذمہ داریاں اور اس کے حقوق	569	ہدایات
584	مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھانا		کفالت
585	رہن سے متعلق متفرق مسائل	570	اصطلاحات

598	معیر و مستعیر کے لیے ضروری ہدایات	امانت	امانت کے بارے میں قرآن و حدیث
	ہبہ اور ہدیہ		امانت کے ارشادات
600	ہدیہ کا بدلہ	586	امانت کا حکم
600	غیر مسلم کو ہدیہ دینا اور لینا	586	لقطہ کا حکم
600	ہبہ ہدیہ اور عاریت میں فرق	588	امانت کا دائرہ کتنا وسیع ہے
601	ہبہ ہدیہ اور صدقہ میں فرق	588	ودیعت کی تعریف
601	ہدیہ کی تعریف	588	ودیعت کا حکم
601	صدقہ کی تعریف	589	معاہدہ و ودیعت ہونے کی مدت
601	ہبہ کی تعریف	589	چند شرعی اصطلاحیں
601	ہبہ کی اصطلاحات	589	ودیعت رکھنے کے طریقے
601	ہبہ کے ارکان و شرائط	589	ودیعت کے لیے شرطیں
603	بچوں کو ہبہ	589	امین کی ذمہ داریاں
604	ہبہ اور ہدیہ کی واپسی	590	امانت کی نگرانی کی اجرت
604	کن صورتوں میں ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی	591	بینک اور ڈاک خانہ میں امانت رکھنا
605	ہدیہ اور صدقہ کی واپسی	591	امانت کے مال سے تجارت
605	ضروری ہدایات	591	تاوان کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی صورتیں
	اجارہ	592	ودیعت کی واپسی کا اختیار
605	کرایہ پر لینا یا دینا	593	ودیعت کی واپسی سے انکار
607	کرایہ کا معاملہ ختم کر دینا	594	امانت رکھنے اور لیتے وقت گواہ کی ضرورت
607	کرایہ کے بعض ضروری مسائل	594	تحریر
609	ریل اور دوسری سواریوں کے احکام	594	تاوان ادا کرنا
609	اجیروں کی قسمیں	594	
	اجیر مشترک		عاریت
611	بعض اور شرطیں	595	ماعون
611	اجیر مشترک کی اجرت اور دوسرے مسائل	596	عاریت کی تعریف
		596	عاریت کا حکم

635	مزارعت کا خاص حکم	612	اجیر مشترک اجیر خاص بھی ہو جاتا ہے
636	مزارعت کے ارکان و شرائط	612	چند اصطلاحیں
638	اجارہ ارض کی شرائط	613	مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت
638	مساقات	614	اجرت کے بارے میں قرآنی ہدایات
638	مساقات کے معنی اور تعریف		اجرت کا معاملہ مستاجر اور اجیر کے حقوق
639	مساقات کے شرائط	618	اجرت ایک معاہدہ
639	مزارعت و مساقات اور اجارہ ارض کے بعض ضروری مسائل	618	معاہدہ کا فائدہ
642	مزارعت کا معاملہ فسخ ہو جانا	620	ایک معاہدہ کے بعد دوسرا معاہدہ
642	مالک یا مزارع معاملہ کو فسخ کر سکتے ہیں	621	معاہدہ کب فسخ ہو سکتا ہے
643	فسخ ہونے کی صورت میں کس کو کیا ملے گا	621	اسٹرائیک اور کارخانہ بندی
	ملکیت	622	معاہدہ اجرت کے صحیح ہونے کی قانونی شرطیں
643	کسی چیز کا مالک ہونے کی حیثیت	623	معاہدہ اجرت کا فاسد ہونا
644	کن صورتوں سے ملکیت قائم ہوتی ہے	623	اسلامی قانون اجرت
644	مباح چیزیں	623	مستاجر کے حقوق اور ذمہ داریاں
644	ان چیزوں پر کب اور کیسے ملکیت قائم ہوتی ہے	625	مزدوروں اور اجیروں کے حقوق اور ذمہ داریاں
645	پانی	626	اسٹرائیک
646	پانی میں شکار	627	کون سی اجرتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟
647	رکاز اور کنز	628	محنت کش جانوروں کے حقوق
647	موات	630	جانوروں سے سلوک کی قانونی حیثیت
648	موات کا مالک بننے کی شرطیں		زراعت
649	بعض دوسرے ضروری مسائل	631	زراعت زیادہ بہتر ہے یا تجارت
650	غیر مسلم کا حکم	632	زراعت کی لغوی تعریف
650	آب رسانی کا انتظام	634	زراعت کرنے کے طریقے
650	کنویں کے اطراف کی زمین	634	اپنے ہاتھ سے کھیتی کرنے کے فائدے
	حجر	635	اجارہ ارض
		635	مزارعت

666 جانوروں سے نقصان ہو جانے کا تاوان

667 بے جان سواریوں سے نقصان پہنچنے کا تاوان

وکالت

668 وکالت کے معنی اور اس کی ضرورت

669 وکالت کی فقہی تعریف اور وکیل کی حیثیت

669 وکالت دو قسم کی ہوتی ہے

670 وکالت کے ارکان و شرائط

672 وکیل کی برطرفی

وقف

673 وقف کے لغوی اور اصطلاحی معنی

676 وقف کا حکم

676 ضروری مسائل

وصیت

677 وصیت کی تعریف

678 وصیت کا ثبوت

678 وصیت کے ارکان و شرائط

680 موصیٰ لہ سے تعلق رکھنے والی شرطیں

681 مال وصیت کے متعلق چند شرطیں

682 عمل وصیت کی شرعی حیثیت

683 حج کرانے اور قرآن خوانی کے لیے وصیت

684 دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہنچانے والی وصیتیں

685 وصیت سے رجوع کر لینا

685 وصی کا بیان

686 دو اشخاص کو وصی مقرر کرنا

☆☆☆

651 تصرف سے روکنے کا سبب

651 حجر کا حق کس کو ہے

653 حجر کی کچھ اور صورتیں

653 حجر کا حکم دیتے وقت مجبور کی موجودگی

653 حجر کے متعلق بعض ضروری مسائل

654 بالغ ہونے کی عمر

654 حجر کے سلسلے میں ولی کس کو قرار دیا جائے گا

655 سفیہ اور مدیون کی حیثیت

شفعہ

656 شفیعہ کے معنی اور تعریف

656 متعلقہ اصطلاحیں

656 شفیعہ کا حق

657 شفیعہ کے اسباب

657 حق شفیعہ میں ترتیب

658 شفیعہ کے شرائط اور ضروری مسائل

659 مسلم اور غیر مسلم کا حق برابر ہے

غصب

661 اصطلاحات

661 غصب کی شرعی تعریف

661 غصب کا حکم

اتلاف مال

663 براہ راست نقصان کرنا

665 نقصان کے بدلے میں نقصان کرنا جائز نہیں

665 نقصان کرنے پر تاوان ہے

665 نقصان کا سبب بننا

20189

پیش لفظ

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ عقائد و نظریات اور عبادات سے لے کر زندگی کے اخلاقی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی اور تہذیبی مسائل تک ہیں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کے لئے جن اصولوں اور قوانین کی تعلیم دی ہے ان کی تفصیل و توضیح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد و عمل سے فرمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام کی توضیح بھی فرماتے تھے اور ان کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے۔ نزول احکام میں جو اصول کار فرما نظر آتا ہے وہ ہے قلت تکلیف اور عدم حرج کا لحاظ یعنی لوگوں پر کم سے کم بار ڈالا جائے اور زندگی میں تسلی کے بجائے کشادگی اور فراخی پیدا کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعلیم تبیین میں اس کا لحاظ فرماتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارے بھی کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے :-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ
يَأْمُرُهُمْ بِالْعَمْرِوِّ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ
عَنَهُمْ أَثْقَالَهُمْ وَالْأَعْلَىٰ الَّتِي كَانَتْ
عَلَيْهِمْ ط (الاعراف : ۱۵۷)

جو اس رسول امی نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے یہاں توراہ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں اور جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا اور بُرائی سے روکتا ہے ان کے لئے اچھی پاکیزہ چیزوں کو حلال اور بُری ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اب تک ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ سننے یا جس طرح آپ کو عمل کرتے دیکھتے اس کی پیروی کرتے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسائل کم ہی دریافت کرتے۔ جن باتوں کی رہنمائی

کی انہیں ضرورت ہوتی خدا اور اس کا رسول خود ان میں ان کی رہنمائی فرمادیتے تھے ضرورت پڑنے پر صحابہ اجتہاد کے بھی مجاز تھے۔ اس کی اجازت خود رسول خدا نے انہیں مرحمت فرمائی تھی حضور علی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صحابہ میں تو اجتہاد کی ضرورت خاص طور سے پیش آئے گی۔ صحابہ کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ آتا تو سب سے پہلے وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں ان کو اس سلسلہ میں کوئی حکم نہ ملتا تو وہ سنت رسول میں اس کو تلاش کرتے اور اگر سنت رسول میں بھی انہیں اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہ ملتی تو وہ خود کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرتے، پھر اگر کسی امر میں ان کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ اجماع شرعی حجت کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ اجماع نہ ہونے پر اہل افتاء صحابہ اپنے اپنے اجتہاد سے مسئلہ کا استنباط کرتے۔ اس صورت میں کسی ایک کے فتویٰ پر عمل کر لینا کافی تصور کیا جاتا تھا۔ بالعموم لوگ اپنے اپنے شہر کے صاحب افتاء صحابہ اور ان کے اکابر شاگردوں کی پیروی کرتے تھے۔

عہد نبوی کے بعد خلفاء راشدین اور جن دوسرے اہل افتاء صحابہ نے فتوے دئے ہیں ان میں سے جن مجتہدین صحابہ کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان کی تعداد ۴۹ ہے، ان میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہیں۔ صحابہ میں سے سات ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ وہ صحابہ جن میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک چھوٹی سی جلد مرتب کی جاسکتی ہے ان کی تعداد بیس ہے۔ ایسے صحابہ جن کے فتاویٰ تعداد میں بہت کم ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں، ان سب کے فتاویٰ کو ایک چھوٹی کتاب میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ ایسے صحابہ کی تعداد ۱۲۲ تک پہنچتی ہے۔

صحابہ کرام کے عہد میں فتوحات اسلامی کی وجہ سے اسلام کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا اور اکثر ایسے واقعات سے سابقہ پیش آنے لگا جن میں اجتہاد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ صحابہ نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور اس سلسلہ میں ان کے درمیان اختلافات بھی ہوئے۔ اس اختلاف کی وجہ درحقیقت وہ اختلاف ہے جو ان کے درمیان منصوص علم کی واقفیت، قرآن و حدیث کے الفاظ کے معنی کے تعیین اور طریق استنباط میں واقع ہوا ہے۔

شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے عہد خلافت تک امت میں افتراق نہیں پیدا ہوا لیکن آگے چل کر حالات میں غیر معمولی انقلاب آیا۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے وسطی دور میں علماء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت وہ تھی جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کو لازم قرار دیتی تھی

جو مسائل خارج میں واقع نہ ہوئے ہوں ان پر غور و فکر کرنے کو بھی وہ جائز نہیں سمجھتی تھی۔
 علماء کی دوسری جماعت وہ تھی جو قرآن و سنت کے ساتھ درایت پر عمل کو ضروری خیال کرتی تھی۔

پہلی صدی کے آخر میں واضعین حدیث کے فتنے بھی اُٹھے۔ اس موقعہ پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ نے حدیث کے تحفظ کے لئے تدوین حدیث کا فرمان جاری کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی۔ دوسری صدی کے آغاز میں فقہی اختلافات زور پکڑتے ہیں۔ اہل علم میں مختلف احادیث کے درمیان ترجیح و تطبیق ہیں اور قیاس و استحسان سے استخراج مسائل کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوا۔
 اجماع کے اصل دین ہونے اور امر و نہی کے صیغوں

سے احکام کی حیثیت متعین کرنے میں بھی ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نہیں پایا جاتا تھا۔ ان وجوہ سے فقہی اختلافات بڑھتے گئے۔ ان حالات میں جب کہ تمدنی مسائل بڑھتے جا رہے تھے اور نظریہ اجتہاد اور اصولی و فروعی مسائل میں غیر منظم اختلاف میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا، ضرورت تھی کہ احکام و قوانین کی باقاعدہ تدوین ہو اور فقہ کے اصول و ضوابط مرتب کر دئے جائیں۔ اس موقعہ پر امام ابوحنیفہؒ کو اس ضرورت کا شدید احساس ہوا، چنانچہ وہ بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد ہی اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ تدوین فقہ کے گراں قدر کام میں مصروف ہو گئے۔

امام ابوحنیفہؒ کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے۔ وہ ستہ ھ میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں وہ تحصیل علم کی جانب متوجہ ہوئے اور قرآن فہمی میں انھیں جلد ہی عبور حاصل ہو گیا۔ لیکن عمل کی دنیا میں فقہ کی بڑی اہمیت تھی۔ عوام ہوں یا خواص یا حکومت کے سربراہ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے بھی عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ خلافت میں فقہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم و فتاویٰ اپنے استاد ابراہیم نخعی کے ذریعہ حاصل کئے۔ فقہ میں مجتہدانہ تحقیق کے لئے تحصیل احادیث کی ضرورت تھی۔ امام ابوحنیفہؒ فقہ کی تحصیل ہی کے زمانہ میں حدیث کی طرف بھی متوجہ ہوئے، اور کوفہ کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ تجارت کے سلسلہ میں انھیں بصرہ، شام اور دوسرے ممالک اور امصار بھی جانا ہوتا تو وہاں کے مشائخ سے بھی حدیث کی سماعت فرماتے۔ اسی طرح حج کے سلسلہ میں حرمین شریفین لے جاتے تو وہاں کے ائمہ حدیث سے بھی حدیث کی

لے استحسان یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلہ میں اس کے نظائر کے مطابق حکم نہ لگا کر کسی قوی تر سبب کی بنا پر ان نظائر کے خلاف فتویٰ دے

سماعت فرماتے۔ امام ابو حنیفہؒ نے جن محدثین اور ائمہ مشاہیر سے حدیث کی سماعت کی ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ تحصیل حدیث کے ساتھ دوسرے ضروری علوم کی طرف سے بھی وہ غافل نہیں ہوئے۔

امام ابو حنیفہؒ نے جب تدوین فقہ کی طرف توجہ دی تو ایسے مسائل ہزاروں کی تعداد میں ان کے سامنے آئے جن کے بارے میں صحیح حدیث کیا قول صحابہؓ بھی موجود نہ تھا۔ اس لئے قیاس سے کام لینا انہوں نے ضروری سمجھا۔ اور اس کے لئے انہوں نے اصول و ضوابط مرتب کئے۔ حدیث و روایت میں بھی انہوں نے درایت سے کام لینا ضروری خیال کیا اور اس کے اصول و قواعد بھی مدون کئے۔ انہوں نے کتنی ہی ایسی احادیث کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ وہ اصول و روایت کے منافی تھیں۔

تدوین فقہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ شراعی سے متعلق کتاب و سنت کی جو چیزیں اہل علم میں متفرق طور پر شائع تھیں ان میں ترتیب اور نظام قائم کیا جائے اور جو جدید مسائل پیدا ہوں ان کے سلسلہ میں شرعی احکام معلوم کئے جائیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اتنے عظیم اور ذمہ داری کے کام کو صرف اپنی رائے اور اپنی علمی معلومات پر منحصر کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چند قابل قدر اشخاص کو منتخب کیا۔ اس طرح تدوین فقہ کی ایک مجلس وجود میں آئی۔ اس مجلس میں تمام ہی فقہی مسائل پر غور کیا جاتا۔ اور جب تک مجلس کے تمام اراکین جمع نہ ہو جاتے کوئی مسئلہ طے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بحث و مباحثہ کے بعد آخر میں جب امام ابو حنیفہ فیصلہ فرماتے تو بالعموم وہ فیصلہ اتنا صائب ہوتا کہ سمجھی لوگ اس کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تو سب کے اقوال قلم بند کر لئے جاتے تھے۔ تقریباً ۲۲ سال کی مدت میں مجلس نے فقہ کا مجموعہ تیار کر لیا۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار مسائل پر مشتمل تھا جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے۔ باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات، عقوبات وغیرہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تھا۔ یہ مجموعہ یوں تو مکمل ہو گیا تھا مگر اس کے بعد بھی برابر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ جب جیل خانہ میں قید کر دئے گئے تو اس زمانہ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد ۵ لاکھ تک پہنچ گئی۔ قوانین مرتب ہو جانے اور عدلیہ پر سے حکومت کا دباؤ ختم ہو جانے کے بعد امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کو عہدہ قضا قبول کرنے کی اجازت دی چنانچہ امام صاحب کے

تفریباً پچاس شاگردوں نے مختلف اوقات میں یہ عہدہ قبول کیا۔

امام ابو حنیفہ کی فقہ کی قدر و قیمت کا اندازہ مشہور محدث و کعب بن الجراح کے بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے جب کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے اشخاص تھے جو قیاس و اجتہاد میں مہارت رکھتے تھے۔ اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے۔ لغت و عربیت کے ماہرین میں فہم بن معن یعنی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے حضرات شریک مجلس تھے۔ اور داؤد بن نصیر طائی، اور فضیل بن عیاض جیسے زہد ورع کے حاملین بھی موجود تھے۔ پس جس کے رفقا رکھ اور ہم نشین اس قسم کے ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ (جامع المسانید ص ۳۴ و خطیب)

امام ابو حنیفہ کا طریق استنباط یہ تھا کہ پہلے کتاب اللہ سے استنباط کی کوشش کی جاتی اگر کتاب اللہ کی عبارت النص یا دلالت النص سے یا اشارۃ النص اور اقتضای النص سے دریافت طلب امور میں رہنمائی حاصل ہو جاتی تو فیصلہ ہو جاتا اور اگر کتاب اللہ سے براہ راست فیصلہ کرنے میں ناکامی ہوتی تو پھر احادیث میں تفتیش کی جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل جس پر آپ کی وفات ہوئی اس پر امام صاحب خاص طور پر نظر رکھتے اور اسی کو اختیار کرتے۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع احادیث میں اختلاف ہوتا تو اس راوی کی روایت کو ترجیح دیتے جو تفقہ میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا۔

اگر احادیث نبوی سے فیصلہ نہ ہو پاتا تو اہل افتاء صحابہ اور تابعین کے اقوال اور ان کے فیصلوں کا جائزہ لیا جاتا۔ اجماع کی طرف رجوع کرتے۔ ایسے مواقع پر عراقی صحابہ اور تابعین کے مسلک کو ترجیح دیتے، اور اگر یہاں بھی مسئلہ کی تفتیش میں کامیابی حاصل نہ ہوتی تو پھر قیاس اور استحسان سے مسئلہ کو حل کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی دیکھتے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی کیا حیثیت ہے۔ وہ تشریحی ہے یا غیر تشریحی۔ نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ کے درمیان اگر تعارض پایا جاتا تو ضابطہ کی نص کو ترجیح دیتے اور جزئی واقعہ کی توجیہ کرتے۔ امکانی مسائل پر بھی غور و خوض کیا جاتا اور ان کے سلسلہ میں احکام متنبط کرنے کی کوشش کی جاتی۔

امام ابو حنیفہ کی فقہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ دوسرے بڑے ائمہ اور ان کی فقہ کے بارے میں بھی مختصراً گفتگو کر لی جائے۔

سب سے پہلے امام مالک کو لیجئے۔ امام مالک کی ولادت ۱۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ انہوں نے مدینہ ہی میں تعلیم پائی۔ امام مالک کا کم و بیش پچاس سال تک درس اور افتاء سے تعلق رہا۔ امام مالک

سے جو مسائل دریافت کئے جاتے وہ ان کے جوابات دیتے تھے۔ امام صاحب کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے فتاویٰ کو مرتب کیا۔ اسی مجموعہ کا نام درحقیقت فقہ مالکی ہے۔

فتاویٰ کے معاملہ میں امام مالکؒ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ پر، پھر ان احادیث پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد فرماتے۔ اس سلسلہ میں ان کا دار و مدار حجاز کے علماء میں محدثین کبار پر تھا۔ اہل مدینہ کے عمل کو وہ نہایت اہمیت دیتے تھے۔ وہ صحیح حدیث کو بھی اگر اس پر اہل مدینہ کا عمل نہ پائے رد کر دیتے۔ تعامل اور اجماع اہل مدینہ کے بعد وہ قیاس کو درجہ دیتے تھے۔ لیکن ان کے یہاں قیاس کی کثرت نہ تھی۔ احناف کے استحسان کی طرح مصالح مرسلہ پر ان کا عمل تھا۔ مصلح مرسلہ یا استصلاح سے مراد درحقیقت وہ مصلحت ہے جس سے کسی شرعی مقصد کی حفاظت کی جائے۔ جس کا مقصود ہونا کتاب و سنت کی کسی دلیل واحد سے نہیں بلکہ متفرق علامات قرآن اور دلائل سے معلوم ہوتا ہو۔

امام شافعیؒ عسقلان میں بمقام غزہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعیؒ نے علماء حدیث سے ان کے طریق کی واقفیت ہم پہنچائی، طریقہ اہل حجاز کی تعلیم امام مالک اور طریقہ عراق کی تعلیم امام محمد کے ذریعہ حاصل کی۔ پھر مکہ میں انہیں مختلف انصار سے آنے جانے والے علماء سے بھی استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے۔ امام شافعیؒ نے قیام عراق کے دوران محدثین اور اہل حجاز اور اہل عراق سے ملتا جلتا ایک مسلک مدون کیا۔ اس پر کتابیں بھی لکھیں، اور اس کے مطابق فتوے بھی دئے لیکن آگے چل کر مصری ماحول کے اثر سے ان کے فقہی نظریہ میں کچھ تبدیلی ہوئی جس کے پیش نظر انہوں نے اپنی عراقی فقہ سے قدرے مختلف ایک جدید فقہ مرتب کی۔

امام شافعیؒ نے نئے مسلک کے اساسی اصول خود اپنے رسالہ اصولیہ میں قلم بند کئے ہیں۔ وہ ظاہراً قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں خواہ وہ حدیث کسی بھی مقام کے علماء سے حاصل ہوئی ہو۔ بشرطیکہ وہ متصل ہو اور رواۃ ثقہ ہوں۔ کسی حدیث کے بارے میں وہ کسی ایسے تعامل کی قید نہیں لگاتے جس سے اس حدیث کی تائید و توثیق ہوتی ہو۔ حدیث کے بارے میں وہ اس کی فہرت کی قید بھی نہیں لگاتے۔ حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں، اور جب قرآن و حدیث اور اجماع سے کام نہیں چلتا تو پھر وہ قیاس سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ کوئی اصل ضرور موجود ہو۔ استحسان اور استصلاح کی انہوں نے مخالفت کی ہے۔ البتہ استدلال پر جو تقریباً اس کے مشابہ ہے ان کا عمل تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حدیث کی تحصیل کی طرف خصوصی توجہ دی۔ امام شافعیؒ عراق آئے تو ان سے فقہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فقہ حنفی کی واقفیت انھوں نے امام ابو یوسف سے ہم پہنچائی۔ تکمیل علم کے بعد وہ درس و تدریس کے کام میں مصروف ہوئے اور اسی زمانہ میں انھوں نے اپنا خاص نظریہ فقہ قائم کیا۔ اور اس کے مطابق فتوے بھی دینے لگے۔

امام حنبلؒ کی فقہ انتہائی سادہ ہے۔ ان کا طریقہ اصحاب حدیث سے ملتا جلتا ہے جس میں درایت اور عقل و جدل سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ قرآن اور حدیث پر عمل کا دار و مدار رکھا جائے۔ درایت، تفتیح اور قیاس سے حتی الامکان انھوں نے احتراز ہی کیا ہے بلکہ تعامل اہل مدینہ کے اصول کو بھی وہ حجت قرار نہیں دیتے۔ وہ مرفوع و موقوف احادیث کو ہر موقع پر معمول بہ قرار دیتے ہیں۔ یہی خاص وجہ ہے کہ احادیث مختلفہ کی صورت میں ان کی فقہ میں ہمیں جوابات بھی مختلف ملتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ قیاس سے انتہائی مجبوری کی حالت ہی میں کام لیتے ہیں۔ امام حنبلؒ نے درحقیقت امت کے سامنے مصالحت کی راہ پیش کی ہے۔ تقریباً ہر اختلافی پہلو کے جواز کی گنجائش اپنی وسیع معلومات کی روشنی میں انھوں نے پیدا کی۔ فقہی اختلاف اگر خطرناک صورت اختیار کرنے سے محفوظ رہے تو اس میں امام احمد بن حنبلؒ کا بڑا دخل ہے۔

تدوین فقہ اسلامی کی تاریخ کے اس سرسری جائزے سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں ائمہ کی کیا کوششیں رہی ہیں اور ان میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ فقہ کی تدوین میں امام ابو حنیفہؒ کا کارنامہ نہایت عظیم ہے جسے کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن دوسرے ائمہ امت کی خدمات بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں اور وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں تنگی کے بجائے وسعت اور فراخی پائی جاتی ہے اور ذہن انسانی کے لئے اس کے اندر وسیع میدان ہے۔ یہ وسعت امت کے لئے رحمت بھی ہے اور فکر انسانی کی ترقی کا ذریعہ بھی۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: الناس کلہم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ "تمام لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے تابع ہیں"۔

امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد مزنی فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی، انھوں نے احادیث کے درمیان فقہ کی مستقل کتاب تالیف کی، اس کی تبویب کی، اس کی

ابتدا طہارت سے، پھر نماز، پھر دوسری عبادات، پھر معاملات کے مسائل مرتب کئے۔ یہاں تک کہ فرائض (وراثت کے مسائل) کے ساتھ کتاب ختم کی۔

فقہ حنفی کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ یوں تو اس فقہ کو امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ ہی میں مقبولیت حاصل ہو گئی تھی اس کے اجزائے جزا جس قدر تیار ہوتے تھے ملک میں اس کی اشاعت اسی وقت ہو جاتی تھی لیکن تیسری ہجری سے دنیائے اسلام میں اسے عام مقبولیت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس کے بعد تو بالعموم ہر زمانے میں حکومت اور عام لوگوں کی اکثریت کا یہی مسلک رہا ہے۔ ملا علی قاری دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی کے آغاز میں لکھتے ہیں:

الحنفیة ثلثی المومنین احناف کل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں

(مرقات ص ۴۴ ج ۲)

فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو اس میں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں چند خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔

- فقہ حنفی کی تدوین کا عظیم کارنامہ حکومت کے دباؤ اور اثرات سے آزاد رہ کر انجام دیا گیا۔
- فقہ حنفی میں معاملات کے باب میں وسعت اور باقاعدگی دوسری فقہوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ تمدن معاشرے کیلئے یہ چیز ضروری بھی ہے۔
- امام ابوحنیفہؒ نے دلائل کی قوت پر وزن دیا ہے اور اس کا پورا الحاظ بھی رکھا ہے جس کی وجہ سے غور و فکر سے کام لینے والوں کے لئے ان کی فقہ بڑی قدر و قیمت کی حامل ٹھہرتی ہے۔
- فقہ حنفی کے مسائل مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں۔ وہ روایات کے ساتھ اصول درایت سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔

- اس فقہ میں غیر مسلم رعایا کے حقوق نہایت فیاضی کے ساتھ مقرر کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے نظم مملکت میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔
- مجموعی اعتبار سے یہ فقہ آسان اور قابل عمل ہے۔

ایمان کے بعد اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عمل کی ہے۔ زندگی کے عام مسائل میں علم فقہ سے واقفیت کے بغیر عمل ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف ہمیشہ خصوصی توجہ دی گئی۔ عربی زبان میں فقہ کی متعدد کتابیں موجود ہیں۔ ضرورت تھی کہ عام ضروریات کا لحاظ

کرتے ہوئے آسان اردو زبان میں فقہ کی کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس سے عام مسلمان باسانی استفادہ کر سکیں۔

مولانا منہاج الدین مینائی صاحب نے کوشش کی ہے کہ تمام ہی ضروری اور عملی مسائل اس میں آجائیں۔ چنانچہ کم و بیش دو ہزار مسائل پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ کتاب کی ترتیب کے وقت مؤلف کے سامنے فقہ کی بیشتر مستند کتابیں رہی ہیں۔ لیکن جس کتاب سے خاص طور سے انہوں نے استفادہ کیا ہے وہ علامہ جزیری کی کتاب ”کتاب الفقہ علی المذاہب اربعہ“ ہے۔ چونکہ یہاں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیرو ہے اس لئے انہوں نے اپنی کتاب میں متفق علیہ مسائل میں صرف حنفی فقہاء کے مسلک کو اختیار کیا ہے، اور جہاں ائمہ کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے وہاں دوسری رائے بھی نقل کر دی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اس میں انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح تشنگی محسوس نہیں ہوگی جو اس طرح کی تالیفات میں بالعموم لوگوں کو محسوس ہوتی ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

خاکسار

محمد فاروق خان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

اللہ تعالیٰ نے آخری اور مکمل دین جو اپنی انسانی مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے وہ اسلام ہے (مانندہ، آیت ۳) اس دین کی تعلیمات بڑی وسیع اور جامع ہیں، ہر زمانے کے مقتضیات اور اور حوادث کے لئے ان میں رُشد و ہدایت ہے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی گزارنے کا دستور العمل ہے۔ معاشی، معاشرتی اور کاروباری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہدایات ہیں، حلال و حرام اور معروف و منکر اور اخلاقِ حسنہ و سبیئہ کی تفصیل ہے، جسم اور روح کی طہارت اور پاکیزگی کی تعلیم ہے، اللہ سے رشتہ جوڑا رکھنے اور اُس کا قرب تلاش کرنے اور اُس کے اوامر کو بجالانے اور نواہی سے اجتناب کرنے کے واضح احکام ہیں۔

دین کا علم ہر مسلمان مرد و عورت کو ہونا تمام علوم سے افضل و اشرف ہے کیونکہ اس کے بغیر اللہ کے پسندیدہ طریقے پر زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے، باقی تمام علوم اس سے فروتر ہیں۔ بدقسمتی سے آج کل مسلمانوں نے اپنی توجہ اس علم سے ہٹالی ہے اور مختلف دنیاوی علوم کی طرف انہماک زیادہ ہے، دین کے علم کی اہمیت اُن کی نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ علمائے صالحین نے اپنی عمر میں اسی علم کو سیکھنے اور سکھانے میں صرف کر دیں اور ہمارے لئے کتاب و سنت کی روشنی میں تفصیلی قوانین مرتب کر گئے، جو صدیوں تک نافذ رہے۔ عربی مدارس میں اُن کا درس دیا جاتا رہا۔ پھر عربی سے اردو زبان میں ان کی کتابوں کے ترجمے گئے۔ آج بھی مختصر و مطول کتابیں موجود ہیں۔ یورپی استعمار کے نتیجے میں دنیا کے اسلام میں مغربی قانون رائج ہو گیا، نظامِ تعلیم بھی بدل گیا۔ فقہ کی تعلیم صرف اُن مدارس میں باقی رہ گئی جو حکومت کے اثر سے باہر تھے۔ حکومت کے زیر اثر مدارس

میں فقہ اسلامی کی تعلیم یا تو یکسر ختم کر دی گئی یا اُس کا کھوڑا سا حصہ باقی رکھا گیا اور اُسے بھی اختیاری
 مضمون بنا دیا گیا کہ جو چاہے اس مضمون کو اختیار کرے رفتہ رفتہ اُس کی ضرورت کا احساس بھی
 کم ہوتا چلا گیا، اب حالت یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے جو مسلمان تعلیم پا کر نکل رہے ہیں
 اُن میں تمام طبیعی علوم ریاضی و مساحت اور علم النفس حتیٰ کہ مصوری و موسیقی تک کے جاننے
 والے تو ملیں گے لیکن فقہ یعنی دینی مسائل کے جاننے والے مشکل سے ملیں گے۔ درس گاہوں میں
 مسلمان معلمات اور معلمین مختلف علوم میں مہارت کی ڈگریاں حاصل کر کے درس و تدریس میں
 مصروف نظر آئیں گے لیکن دینی مسائل کو سمجھانے کی صلاحیت سے عاری ہوں گے، علم دین
 باوجود اپنی اہمیت اور جلالت کے بے اعتنائی کی دیر چادر میں روپوش ہوتا جا رہا ہے، ہونا تو یہ
 چاہیے تھا کہ ہمارے مسلمان معلم سب سے پہلے اسلامیات میں بالغ نظر ہوتے اور اُس کے بعد
 دوسرے علوم پر اُن کی نظر ہوتی۔ اس صورت حال کا افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ درس گاہوں سے
 فارغ ہونے والے طلباء دین سے اتنے ہی دور ہیں جتنے بے پڑھے لوگ، لڑکے ہوں یا لڑکیاں جب
 وہ اپنے اُستادوں اور اُستانیوں کو غیر اسلامی روش پر پاتے ہیں تو وہ بھی وہی طریقے
 اپناتے ہیں، اسلام کی اخلاقی قدروں سے ناواقف حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تفریق سے
 نابلد مغرب کی مادہ پرستانہ زندگی جو اسلامی طرز زندگی سے قطعاً مختلف ہے اُسے اختیار کرنے
 میں کوئی قباحت اُنھیں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ اب مغربی معاشرت خود اہل مغرب کے لئے عذابِ عظیم
 بن چکی ہے اور اسلامی زندگی میں ہی عافیت نظر آ رہی ہے، یورپ اور امریکہ کا باشعور طبقہ اسلام
 کے دامن میں پناہ ڈھونڈ رہا ہے، وہاں کے نو مسلم ایشیائی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں
 سے زیادہ اچھے مسلمان بن رہے ہیں اُن کی عورتیں مسلمان ملکوں کی خواتین سے زیادہ باحیا اور
 سائتر لباس میں رہتی ہیں، اللہ نے مسلمانوں کو دنیا کی پیشوائی کا منصب عطا کیا تھا کیونکہ وہ دینِ
 اسلام کے حامل تھے۔ مقامِ عبرت ہے کہ اسلام کی تعلیمات سے اعراض کر کے وہ خود اس
 منصب سے معزول ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے جس کو بدلنا چاہیے
 ہر وہ شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہے اُسے علم دین کو سیکھنا اور اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں
 مددِ ہمت اور سچل پوری اُمت کے لئے تباہ کن ہے، ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ نَفْسِهِ ۗ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِن تَوَلَّوْا يَتَّبِعِدْ قَوْمًا

غَيْرِكُمْ ذَلِكُمْ لَا يَكُونُوا آمثالَكُمْ ۝ (سور محمد آیت - ۳۸)

جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں ہاں تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ دین کی تعلیم دوسروں تک پہنچانا ان کا فرض منصبی ہے، انہیں اپنے کو اس منصب سے معزول نہ سمجھنا چاہیے اور خود کو اسلامی تعلیم کا نمونہ بنا کر غیر مسلموں اور اپنوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے، ان ان تقریر سے زیادہ عمل سے متاثر ہوتا ہے یہ مانی ہوئی نفسیاتی حقیقت ہے کہ عملی نمونے اصلاح و تربیت کے لئے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

اردو زبان میں اسلامی فقہ پر کتابیں موجود ہیں اور اہل علم حضرات حسب توفیق اس علم کو پھیلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ موجودہ صدی میں مصر کے نامور فقیہ علامہ عبدالرحمن الجزیری کی کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ "کامیاب ترین کوشش ہے" اس میں فقہ کے چاروں ساطین (حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم) کی کاوش و تحقیق کو جو انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں کی ہے تفصیل سے تحریر کیا ہے، اس کتاب کا ترجمہ جناب منظور احسن صاحب عباسی نے اردو میں کیا ہے، پانچ ضخیم جلدوں میں یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے، ہم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن چاروں ائمہ کے مسالک علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بجائے حنفی مسلک کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ برصغیر کے مسلمان زیادہ تر حنفی مسلک کے پیرو ہیں، ساتھ ہی ساتھ اہم اور اصولی مسائل میں دوسرے تینوں ائمہ کی رائے بھی تحریر کر دی ہے، ایسا اس لئے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج (اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی) سورہ حج، آیت ۷۸) تو اہل علم حضرات کتاب و سنت کی واضح دلالت اور مسئلہ کی نصوص و روایت کے پیش نظر کسی کی رائے کو راجح یا مرجوح قرار دینے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں البتہ عام لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ پیچیدہ مسائل (مثلاً مفتودا لبحر شوہر کی بیوی کا نکاح یا خلع اور طلاق کی بعض مشکل صورتوں) میں محض اس

کتاب کو پڑھ کر کوئی فیصلہ کر لیں ایسے مسائل ہمیشہ قاضی کی عدالت سے یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو کسی مستند دارالافتا سے رجوع کرنا چاہئیں اور تحریری حکم یا فتویٰ حاصل کرنے کے بعد عملدرآمد کرنا چاہیے، جیسے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیع سلم وغیرہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔

تمام فقہی مسائل کا ماخذ اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ہے، اس لئے ہر بیان کی ابتدا میں قرآن اور حدیث سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ کتاب کی زبان آسان اور سلیس استعمال کی گئی ہے تاکہ معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھنے میں دقت محسوس نہ کریں۔

اصطلاحی الفاظ کے معنی اور مطلب کو جہاں وہ آئے ہیں بیان کر دیا گیا ہے ان کا صحیح تلفظ زیر زبر اور پیش کے ساتھ لکھا گیا، لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت بھی بتادی گئی ہے۔ ابواب کی ترتیب میں علامہ عبدالرحمن الجزیری کا تتبع کیا گیا ہے، شکار کا بیان حلال و حرام کے ضمن میں اور قربانی کا ذکر حج کے ضمن میں کیا گیا ہے اور نماز تراویح کا بیان نماز ہی کے ضمن میں کیا ہے روزہ کے ضمن میں نہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ نماز ہی کی صورت ہے اگرچہ وہ صرف ماہِ صیام میں پڑھی جاتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے محرک حضرات نے مجھ سے فرمائش کی اور یہ خواہش ظاہر کی

کہ میں ایک ایسی کتاب مدون و مرتب کروں

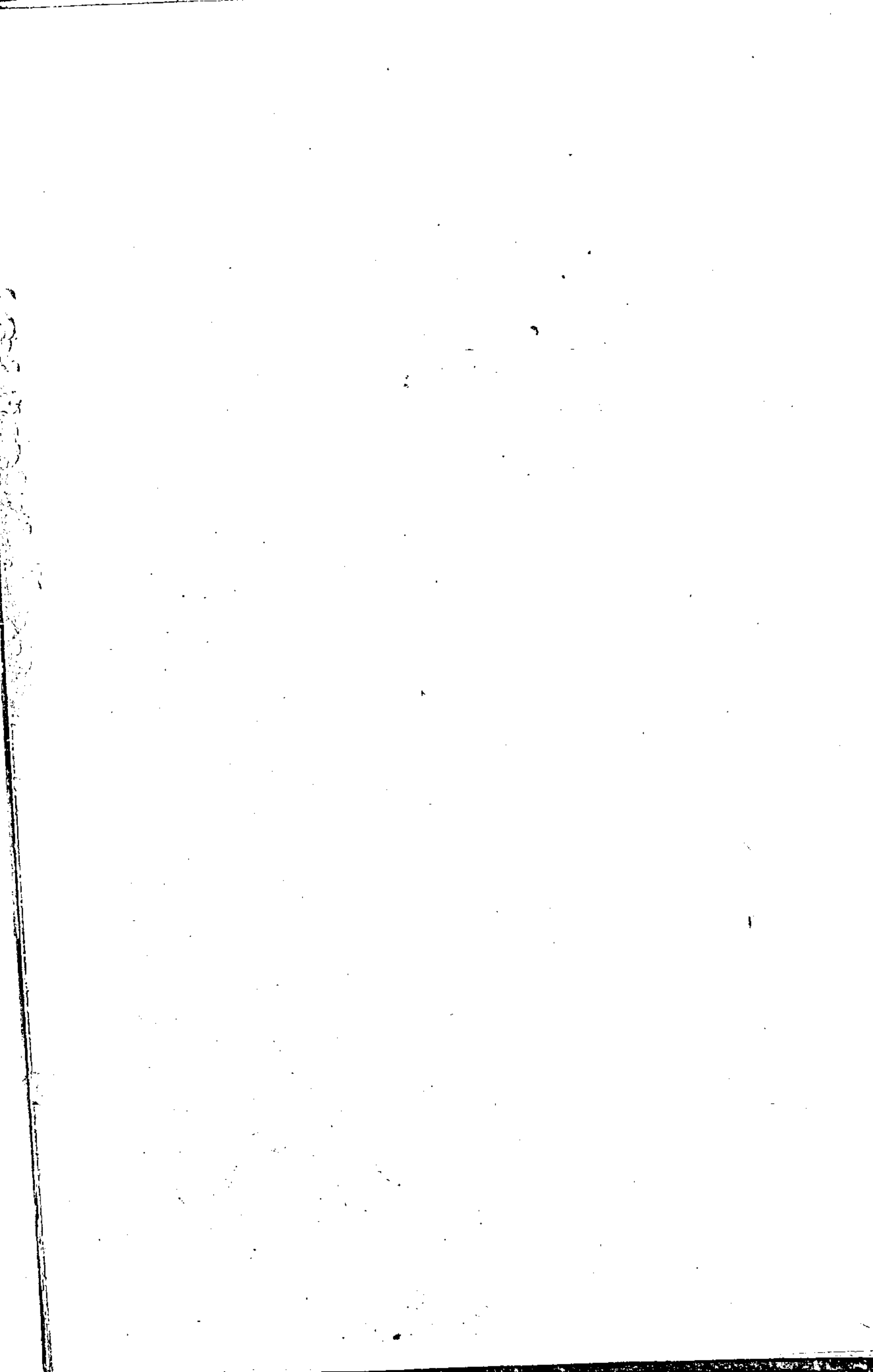
جس میں تمام فقہی مسائل عام فہم اردو زبان میں بیان ہو جائیں۔ اور کوئی بھی مسئلہ جو انسانی زندگی میں پیش آسکتا ہے چھوٹے نہ پائے۔ انسانی دسترس کی حد تک میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو فرمائش اور ضرورت کے مطابق پورا کر سکوں۔

آخر میں خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمارے بھائیوں بہنوں بیٹوں اور بیٹیوں کو دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق دے اور انھیں ہدایت دے کہ وہ دین حنیف کے راستے کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر نہ چلیں اور زندگی کے ہر موڑ پر خدا اور رسولؐ کے حکموں کی پیروی کریں۔

اے اللہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کے دلوں میں اطاعت الہی اور اطاعت رسول کا جذبہ
پیدا فرمادے اور جو کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں انہیں معاف فرمادے، ناشر و معاونین کتاب اور
راقم السطور کی سعی کو شرف قبولیت عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

اللہ کی رحمت کا امیدوار
منہاج الدین مینائی





فقہ کے معنی

فقہ عربی زبان کا لفظ ہے اور علم کا مرادف ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم محض جانتے کو کہتے ہیں اور فقہ سمجھ بوجھ کر اور حقیقت سے پوری طرح واقف ہو کر جاننے کو کہتے ہیں لغت میں الفقه کے معنی الحدق والفظنۃ اور فقیہ کے معنی شدید الفہم اور عالم ذکی کے ہیں، فقہ الکلام ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جس نے بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو۔

علم فقہ

اسلامی شریعت کی اصطلاح میں علم الفقہ کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے "العلم بالاحکام الشرعیۃ العلمیۃ من أدلتہا التفصیلیۃ" یعنی احکام دین کا تفصیلی علم حاصل کرنا اور ان کی دلیلوں اور حکمتوں سے واقف ہونا۔ اس علم کے ذریعے وہ قوانین اور ضابطے جو اللہ اور اس کے رسول نے اللہ کے حقوق ادا کرنے اور صحیح طریقے سے اس کی اطاعت کرنے کے مقرر فرمائے ہیں اور جو ہدایات اپنے نفس کا حق ادا کرنے، اپنے گھردالوں اور گھرسے باہر کے لوگوں کے حقوق ادا کرنے، ان کے ساتھ معاملات کرنے اور آپس میں تعلقات قائم رکھنے کے لئے دی ہیں اور ان سب باتوں کے لئے جو آداب و شرائط مقرر کیے ہیں ان کا تفصیلی علم حاصل ہونا ہے۔ یہ الفاظ دیگر سارے انفرادی و اجتماعی معاملات سے متعلق قرآن و سنت نے جو احکام دیئے ہیں اور اسلامی زندگی بسر کرنے کا جو ضابطہ ہمارے لئے منظور فرمایا ہے، اسی کے جاننے کا نام علم فقہ ہے۔

فقہیہ

یہ نام اصطلاح میں اُس شخص کا ہے جو علم فقہ کا جاننے والا ہو، قرآن و سنت پر گہری نظر رکھتا ہو، شریعت کی حکمتوں اور اُس کے مزاج سے واقف ہو اور زندگی میں پیش آنے والے سارے معاملات میں قرآن و سنت کے احکام و ہدایات کے مطابق عمل کرنا جانتا ہو۔

علم فقہ کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”مَنْ يَدْرِ اللهُ خَيْرٌ أَلْفِ قَهْرَةٍ فِي الدِّينِ“ (اللہ جس بندے کی بھلائی چاہتا ہے اُسے دین کی سوجھ بوجھ عطا کرتا ہے) دین ہی دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ اور آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول اور اُس کی ناراضی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے تو جو شخص دین کا علم حاصل نہ کرے دین کے مزاج اور اُس کی روح کو نہ جانے تو وہ ہر خیر سے محروم ہے کیونکہ اس کے جانے بغیر نہ اسلام کے احکام پر صحیح عمل کرنا ممکن ہے اور نہ وہ اپنے مقصد پیدا کُنش کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انسان کی پیدا کُنش کا مقصد:

عبادت

ہے قرآن مجید میں ہے ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، یعنی زندگی گزارنے کے جو طریقے اور جو راہیں میں نے بتادی ہیں صرف اُنہیں راستوں پر چلیں، تو ہر انسان پر واجب ہو گیا یہ جانتا کہ عبادت کسے کہتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے، یہ جانے بغیر وہ اپنے دنیا میں آنے کا مقصد ہی پورا نہیں کر سکتا۔

عبادت کے معنی لغت میں عبادت کے معنی بندگی، فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر وہ کام عبادت ہے جو دین کا حکم سمجھ کر قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق اللہ کی اطاعت گزاری کے جذبے سے انجام دیا جائے،

کیونکہ اللہ کی خوشنودی اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ حج ہو یا زکوٰۃ، خانگی تعلقات ہوں یا معاشی مصروفیات، محنت مزدوری ہو یا کھیتی باڑی، تجارتی کاروبار ہو یا دستکاری حتیٰ کہ کھانا پینا اور صاف ستھری زندگی گزارنا سبھی کچھ عبادت ہے، اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق انہیں انجام دیا جائے۔ آدمی اگر اپنے ہر معاملے میں اور ہر عمل میں خدا کی رضا اور اجر و ثواب کو مقصود بنا لے تو وہ اپنے سونے جاگنے اور نفسانی خواہش کی تکمیل کو بھی عبادت بنا سکتا ہے اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے، احادیث میں یہ بات متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے جو ”الادب المفرد“ میں ہے:

اگر وہ حرام جگہ اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا
اُس پر گناہ نہیں ہوتا تو اسی طرح اگر
وہ حلال جگہ اپنی خواہش پوری کرے تو
اس کا اجر و ثواب ہوگا۔

كُوْ وَضَعَ فِي الْحَرَامِ الْكَيْسَ كَانَ
عَلَيْهِ وَثْرًا فَعَدَّ الْكَلْبَ
اِنْ وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ
كَانَ لَهُ اَجْرٌ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور کتاب و سنت کے مطابق زندگی کے ہر معاملے میں کس طرح عمل کرنا چاہیے یہ علم فقہ سے معلوم ہوتا ہے، علم فقہ کی تعریف اور پر بیان کی جا چکی ہے کہ ”احکام دین کا تفصیلی علم قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔“

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ دین کے احکام بجالانا ہی عبادت ہے، اسلام نے اس کا ایک ہمہ گیر پروگرام دیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس پروگرام کا ایک حصہ وہ ہے جس میں انسان اپنی ذات یعنی اپنی روح اور قلب و دماغ میں یک سوئی، اعتماد اور سکون پیدا کر کے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی عبادت اور اطاعت میں گزار دینے کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے، اس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اعمال شامل ہیں، اس حصے کو فقہ کی اصطلاح میں عبادات کہا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انسان آپس کے رابطے اور تعلقات مثلاً ماں باپ کی خدمت، اولاد کی تربیت، نکاح، طلاق، خاندان اور معاشرے کے حقوق و فرائض ادا کرنے میں دین کے

احکام بجالاتا ہے، اور تیسرا حصہ ان باتوں سے متعلق ہے جو انسان کو معاشی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کرنا پڑتی ہیں مثلاً: خرید و فروخت، کاروباری لین دین، کھیتی باڑی، محنت مزدوری، رہن، قرض، ہبہ اور دوسرے تمام مل جل کر کرنے والے کام احکام شریعت کے مطابق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان دونوں حصوں کو فقہ کی اصطلاح میں معاملات کہا جاتا ہے۔

اس کتاب میں پہلے عبادات پھر معاشرتی معاملات اور بعد میں کاروباری معاملات سے متعلق احکام اور ان کے شرائط و آداب قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ مسائل عام طور پر حنفی مسلک کے مطابق مذکور ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک میں اگر کسی خاص مسئلہ میں کوئی جداگانہ موقف اختیار کیا گیا ہے تو اس کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ ذرائع آمد و رفت اور موصلاتی سہولتوں کے پیش نظر متاخرین فقہاء نے جو موقف رویت ہلال کی شہادت اور مفقود الخیر شوہر کے انتظار کی مدت میں اختیار کیا ہے اس کو متقدمین کی رائے پر ترجیح دی گئی ہے۔

عبادات

عبادات میں سب سے مقدم اور اہم نماز ہے، قرآن میں جس تکرار کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تاکید نماز کو قائم کرنے یعنی کسی حال میں ترک نہ کرنے کی کی ہے اُس سے اس فرض عین کی اہمیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”نماز دین کا ستون ہے اور جس نے اس ستون کو گرا دیا اُس نے گویا دین کی عمارت کو ڈھا دیا۔“ دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ ”کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔“ تو اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو مگر نماز نہ پڑھتا ہو تو وہ اور کافر ایک جیسے ہیں۔ نماز ادا کرنے کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے لہذا قبل اس کے کہ نماز کے مسائل بیان کریں ان شرائط کا ذکر ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط طہارت ہے۔

طہارت کے معنی اور تعریف
طہارت کے لغوی معنی نجاست و کثافت سے پاک صاف ہونے کے ہیں خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ حضرت ابن عباسؓ

سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مریض کی مزاج پرسی کو جاتے تو فرماتے: ”لا باس طہور ان شاء اللہ“ یہاں طہور کے معنی ہیں گناہوں سے پاک کرنے والا۔ ترجمہ یہ ہوا ”کوئی بات نہیں بیماری انشاء اللہ گناہوں سے پاک کرنے کا سبب ہوگی۔“ گناہ باطنی نجاست ہے۔ طہارت ضد ہے نجاست کی، نجاست کے معنی گندگی کے ہیں خواہ ظاہری ہو یا باطنی، قرآن میں آیا ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (مشرکین نجس ہیں) یعنی باطن گندہ ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں طہارت کی تعریف حَدَثٌ یَاخُثُّ سے پاک ہونا ہے یعنی گندگی نظر آرہی ہو اُسے پانی سے دھو کر پاک کر لیا جائے یا نظر نہ آ رہی ہو مثلاً ریاح کا خارج ہونا یا جسم سے خون نکل آنا تو یہ حَدَثٌ اصغر کہلاتا ہے جو وضو کرنے سے یعنی ہاتھ پیر اور منہ کو دھو لینے اور سر پر مسح کر لینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر مادہٴ تولید کا اخراج سوتے یا جاگتے میں ہو جائے تو اس سے پورا جسم متکلیف ہوتا ہے، اسے حَدَثٌ اکبر کہتے ہیں جو پورا غسل کر لینے سے پاک ہو جاتا ہے تو دونوں قسم کی (ظاہری اور باطنی) پاکی حاصل کرنے کو شریعت میں طہارت کہتے ہیں اور جب تک دونوں طرح کی طہارت حاصل نہ ہو نماز نہیں پڑھی جاسکتی، پاک و صاف رہنے کو نبی علیہ السلام نے نصف ایمان فرمایا ہے، قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُنْتَهَرِينَ
پاک و صاف رہنے والوں کو خدا پسند فرماتا ہے

چونکہ طہارت نام ہے نجاست کو دور کرنے کا اس لئے نجاست کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

نجاست کی تعریف
لغت میں نجاست ہر گندگی کو کہتے ہیں، جیسا کہ طہارت کے ضمن میں ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اصطلاح شریعت میں یہ دو طرح کی ہوتی ہے (۱) نجاست حکمی اور (۲) نجاست حقیقی یا نجاست عینی۔ نجاست حقیقی یا عینی وہ گندگی ہے جس میں رنگ و بو بھی ہو اور ذائقہ بھی ہو، اور نجاست حکمی وہ گندگی ہے جس میں رنگ و بو نہ ہو، جسامت و ذائقہ نہ ہو جیسے پیشاب جو خشک ہو گیا ہو اور اس کا رنگ بھی محسوس نہ ہوتا ہو، یہ وہ تعریف ہے جو شافعی فقہانے کی ہے۔ حنبلی اور مالکی فقہاء کے نزدیک نجاست حکمی وہ ہے کہ پہلے سے کسی پاک چیز میں لگ کر اُسے گند کر دے۔ حنفی فقہاء کے یہاں نجاست حکمی حَدَثٌ اصغر اور حَدَثٌ اکبر کو کہتے ہیں یہ ایک عارضی کیفیت ہے جو بعض اعضاء جسم کو لاحق ہو تو حَدَثٌ اصغر کہلاتی ہے اور تمام بدن کو لاحق ہو تو حَدَثٌ اکبر کہلاتی ہے۔ رہی نجاست عینی یا حقیقی تو یہ نفس گندگی ہے جس کو نجس (جیم پر زبر کے ساتھ) کہتے ہیں، اس لفظ کا اطلاق مارضی نجاست پر نہیں ہوتا لیکن نجس (جیم کو زیر کے ساتھ) کا اطلاق عارضی اور ذاتی دونوں نجاستوں پر ہوتا ہے مثلاً کپڑا جو نجاست لگنے سے ناپاک ہو گیا ہو اُسے صرف نجس (جیم کے زیر سے) کہتے ہیں لیکن خون نجس بھی ہے اور نجس بھی۔

نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں (۱) غلیظہ اور (۲) خفیفہ۔ اسی طرح نجاست حکمی کی دو قسمیں

ہیں (۱۱) حدّث اکبر اور (۱۲) حدّث اصغر۔ اب ان کی الگ الگ تفصیلی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔
نجاست حکمی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ وہ نجاست ہے جو نظر سے نہ دکھے بلکہ شریعت کے حکم سے اس کیفیت کو نجس قرار دیا گیا ہو مثلاً بے وضو ہو جانا غسل واجب ہونا، بے وضو ہونے کی کیفیت کو:

۱۔ حدّث اصغر کہتے ہیں، یہ کیفیت چھ صورتوں میں پیدا ہوتی ہے (۱) پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد (۲) ریح خارج ہونے کے بعد (۳) بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ بہنے کے بعد (۴) نماز میں آواز سے ہنسنے کے بعد (۵) چار پائی یا زمین پر لیٹ کر یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر سو جانے کے بعد (۶) منہ بھر کر قے ہو جانے کے بعد۔ ان سب صورتوں میں حدّث اصغر والی نجاست عائد ہوتی ہے۔

حدّث اصغر کا حکم اس صورت میں نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے نہ قرآن پاک کو پاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے تا وقتیکہ وضو نہ کر لیا جائے، وضو کر لینے سے حدّث اصغر والی نجاست دور ہو جاتی ہے، پھر وہ نماز بھی پڑھ سکتا ہے اور قرآن پاک کو ہاتھ سے چھو سکتا ہے، بے وضو کی حالت میں زبانی قرآن پڑھے تو اس کی اجازت ہے، چھونے کی اجازت بھی ان بچوں کو ہے جو قرآن کا پڑھنا سیکھ رہے ہوں۔

۲۔ حدّث اکبر: وہ کیفیت ہے جو عورت سے مباشرت کرنے پر یا سونے میں مادہ منویہ خارج ہو جانے پر یا عورت کو حیض و نفاس کا خون آجانے پر پیدا ہوتی ہے۔

حدّث اکبر کا حکم جب تک غسل نہ کر لے یا غسل سے نقصان پہنچنے کی صورت میں تیمم نہ کر لے تو نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ قرآن کو چھوا جاسکتا ہے نہ اسے زبانی پڑھا جاسکتا ہے۔ مسجد کے اندر داخل ہونا بھی منع ہے، سوائے اس صورت کے کہ غسل خانے میں جانے کا راستہ مسجد کے صحن یا اس کے کسی حصے سے ہو تو اس صورت میں تیمم کر کے مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔

نجاست حقیقی اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عینی یا حقیقی نجاست وہ ہے جو بذات خود گندگی ہو اور نظر میں آنے والی ہو۔ یہ ایسی چیز ہے جس سے فطرۃ انسان کو نفرت

ہوتی ہے اور وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بچاتا ہے۔ ایسی گندگی کو نجاست غلیظہ کہتے ہیں۔ مثلاً
انسانی پیشاب یا پاخانہ، خون، مادہ تولید، شراب، تازمی، سور کی ہر چیز، کتے کا لعاب دہن۔
چرندوں کا پاخانہ جیسے بیل، بھینس اور گائے کا گوبر، بھیڑ بکری کی میٹھی گھوٹے گدھے وغیرہ کی
لید، کتے بلی اور دوسرے تمام حرام جانوروں کا پیشاب پاخانہ، مرغی اور بٹ کی بیٹ، تو ایسی
گندگیوں کو نجاست غلیظہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

نجاست غلیظہ کا حکم پیشاب، شراب، خون وغیرہ جہاں لگ جائے تو وہ اُس وقت
تک پاک نہ ہوگا جب تک اُسے کسی پاک سیال چیز سے نہ
دھویا جائے۔ اگر یہ نجاست کمتر مقدار میں یعنی ایک درہم کی گولائی سے کم لگی ہو اور بغیر دھوئے
نماز پڑھ لی تو نماز تو ہو جائے گی مگر قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو بغیر دھوئے
نماز نہیں ہوگی اور دھونے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

اگر گاڑھی نجاست مثلاً پاخانے یا گوبر کی چھینٹ پڑ گئی تو اگر وہ چوٹی بھر سے زیادہ نہ ہو
اور بغیر دھوئے نماز پڑھ لی گئی تو نماز ہو جائے گی مگر قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اگر اس سے
زیادہ ہے تو نماز نہیں ہوگی اور دھونے کے بعد دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ نجاست غلیظہ بعض صورتوں
میں کھرج دینے سے بھی زائل ہو جاتی ہے مثلاً جوتے میں گاڑھی نجاست پاخانہ یا گوبر لگ
جائے اور اُسے رگڑ کر صاف کر دیا جائے یا خشک ہو جانے پر کھرج دیا جائے تو جوتے پاک
ہو جائیں گے اور انھیں پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر پیشاب یا گندی نالی کا پانی
لگ گیا ہو تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوں گے۔

کپڑوں کا بدن کا یا برتن وغیرہ کا بہر صورت دھونا ضروری ہے خواہ نجاست گاڑھی ہو
یا پستلی۔ جس جگہ نجاست لگی ہو اُس کو خوب رگڑ کر اور مل کر دھویا جائے تاکہ دھبہ بھی باقی نہ
رہے لیکن اگر اچھی طرح دھو کر چوڑنے کے بعد بھی دھبہ کا نشان رہ جائے تو کوئی کھرج نہیں
ہے، بہتر یہ ہے کہ نجاست کو دور کرنے کے بعد اُس جگہ کو تین بار اچھی طرح سے دھویا جائے،
کپڑا ہو تو تین دفعہ چوڑ کر دھویا جائے محض شک کی وجہ سے بار بار دھوتے رہنے سے پرہیز
کیا جائے کیونکہ پانی کے استعمال میں اسراف ناپسندیدہ ہے۔ نجاست غلیظہ کھانے کے برتن

یا پانی کے گھڑے میں ذرا سی بھی پڑ جائے تو وہ نجس ہو جائے گا۔

نجاست خفیفہ ایسی نجاستیں جن کا حکم ہلکا اور نرم ہے وہ نجاست خفیفہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً گائے، بیل، بھینس، بکری جیسے حلال جانوروں کا پیشاب، مرغی اور بٹ کے علاوہ دوسرے پرندوں کی بیٹ۔ چمگادڑ، کوا، چیل اور دوسرے حرام پرندوں کا پیشاب اور بیٹ اگر لگ جائے تو ہلکی ناپاکی واقع ہوتی ہے۔

نجاست خفیفہ کا حکم اگر نجاست خفیفہ بدن، کپڑے یا کسی اور چیز کے چوتھائی حصے سے کم لگی ہو اور نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس سے زیادہ لگی ہو تو دھونا ضروری ہے۔ یہ حکم بدن یا کپڑے وغیرہ کا ہے لیکن اگر نجاست خفیفہ کا کوئی حصہ کھانے یا تھوڑے پانی میں پڑ جائے تو وہ بہر صورت ناپاک ہو جائے گا۔

نجاست کے متعلق عام ہدایات وہ کپڑے جن میں جوڑے ہوتے ہیں ان میں ہر جوڑے ایک الگ حصہ سمجھا جائے گا مثلاً کرتے کی آستین، کلی اور دامن، اسی طرح پانچامے کے پانچے یا مہریاں الگ الگ حصے ہیں، اسی طرح بدن کا ہر عضو بھی ایک حصہ ہے، تو کسی ایک حصے یا ایک عضو میں نجاست خفیفہ لگ جائے جو اس حصے یا عضو کے چوتھائی سے کم ہو تو وہ معاف ہے لیکن اگر پورے بدن یا پورے کپڑے کا چوتھائی حصہ اس نجاست سے آلودہ ہو جائے تو معاف نہیں ہے۔

۲۔ غلے سے بھوسا جدا کرنے کے لئے اس پر بیل چلائے جاتے ہیں اگر اس حالت میں وہ پیشاب کر دیں تو غلہ ناپاک نہیں ہوتا لیکن اگر بھوسا الگ کر دینے کے بعد پیشاب کریں تو ناپاک ہو جاتا ہے۔

۳۔ پانی کی طرح پتلی چیز سے (اگر پانی موجود نہ ہو) تو نجاست دھوئی جاسکتی ہے لیکن وضو اور غسل صرف پانی ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ گوبر سے لپی ہوئی زمین ناپاک ہے، اس پر کچھ بچھائے بغیر بیٹھنا اور نماز یا قرآن پڑھنا درست نہیں ہے۔

۵۔ کوئی کپڑا دو تہہ کا ہے اور ایک تہہ میں نجاست لگ گئی، تو اگر دونوں تہیں سلی ہوئی ہیں تو اس پر نماز پڑھنا درست نہیں اگر سلاہوا نہیں ہے تو جو تہ پاک ہے اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۶۔ اگر زمین پر کوئی نجاست لگ گئی ہو اور خشک ہو کر اس کا نشان مٹ گیا ہو تو اس پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، مگر اس جگہ کی مٹی سے تیمم نہیں کیا جاسکتا۔

۷۔ اگر ایسی چیزوں پر نجاست لگ جائے جن کو نچوڑا نہیں جاسکتا مثلاً تخت، چارپائی، چبوترہ، زمین وغیرہ تو اس کو رگڑ کر پانی بہا دینا کافی ہے، احتیاطاً تین دفعہ بہا دینا چاہیے۔

۸۔ مکھی، مچھر اور کٹھنل کا خون نجس نہیں ہے۔ مچھلی کا خون اگر لگ جائے تو وہ بھی نجس نہیں ہوتا۔

۹۔ گوبر، لید اور مینگنی گونا پاک چیزیں ہیں لیکن وہ آگ میں جل کر راکھ بن جائیں تو راکھ ناپاک نہیں ہوتی۔

۱۰۔ اگر تیل یا گھی میں ناپاکی پڑ جائے تو اس میں پانی ڈال کر ہلایا جائے جب چکنائی اوپر آجائے تو اسے اوپر سے پسا لیا جائے۔ ایسا تین بار کرنے سے پاک ہو جائے گا۔

۱۱۔ پیشاب کی باریک چھٹیوں جو دکھائی دینے والی نہ ہوں اگر کپڑے پر پڑ جائیں تو وہ ناپاک نہیں ہوگا، محض شک کی بنا پر دھونے کی ضرورت نہیں ہے (شرح النقاہ)۔

۱۲۔ روئی کا گدّا، توشک یا لحاف پر اگر بچے کا پیشاب، پاخانہ یا کوئی اور گندگی لگ جائے تو اس کو پانی سے دھونا چاہیے اگر نچوڑنے میں دقت ہو تو اس پر تین دفعہ اچھی طرح سے پانی بہا دینا چاہیے۔ روئی نکال کر دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳۔ کتے کا لعاب ناپاک ہے اگر کسی خشک چیز میں وہ منہ ڈال دے تو جہاں تک منہ ڈالا ہے وہ حصہ نکال کر پھینک دینا چاہیے اور باقی کا استعمال جائز ہے۔ کتے کا بدن اگر گیلانا ہو اور وہ کپڑے یا بدن سے چھو جائے تو نہ جسم ناپاک ہوگا نہ کپڑا، اگر اس کا بدن گیلا ہو تو جس جگہ وہ چھو گیا ہے اسے دھو ڈالنا چاہیے۔ اگر کتا کسی سیال چیز میں منہ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جائے گی اور برتن جس میں منہ ڈالا تھا اسے سات بار

دھوتا چاہیے اور ایک بار مٹی سے ملنا چاہیے۔

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ یہ تھا کہ نجاست غلیظہ اگر لگ جائے تو اُسے کس طرح پاک کیا جاسکتا ہے، اسی طرح نجاست محکمہ کے بارے میں بتایا گیا کہ حدثِ اصغر وضو کرنے سے اور حدثِ اکبر غسل کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور آدمی پاک ہو جاتا ہے، طاہر چیزوں اور نجس چیزوں کے فرق کو یوں بھی جان لینا چاہیے کہ بعض چیزیں اللہ نے پاک پیدا کی ہیں وہ اُس وقت تک ناپاک نہیں ہوتیں جب تک نجاست (حقیقی یا حکمی) نہ لگ جائے، ایسی چیزوں کو اعیانِ طاہرہ کہتے ہیں اور بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے نجس ہی پیدا کی ہیں وہ ہمیشہ نجس رہتی ہیں اور پاک چیزوں کو ناپاک کر دیتی ہیں، ایسی چیزوں کو اعیانِ نجسہ کہتے ہیں۔

وہ چیزیں جو اصل میں پاک ہیں یعنی اُن کا نجس ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے یہ ہیں:-

۱۔ انسان زندہ ہو یا مردہ پاک ہے خدا نے فرمایا "لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (ہم نے انسان کو مکرم بنایا) تو انسان بحیثیت بنی آدم پاک ہے، اب اگر وہ خدا کا بندہ اپنے کو نہ سمجھے تو یہ ناپاکی اُس کے دل و دماغ میں پیدا ہوئی، جسم خدا کا بنایا ہوا تو پاک ہے کیونکہ وہ بنی آدم کا جسم ہے، سور کا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ "إِنَّمَا الْمَشْرِكُونَ نَجَسٌ" (مشرک نجس ہیں) تو یہاں نجاست معنوی مراد ہے، نجاست جسمانی نہیں۔

۲۔ جمادات۔ ہر وہ جسم جس میں جان نہ ہو خواہ وہ جامد (نہ پہنے والا) ہو یا مائع (پہنے والا) اس میں تمام زمینی اجزاء خواہ وہ معدنی ہوں یا اُگنے والے شامل ہیں۔ جامد کی مثال سونا، چاندی، تانبہ، سیسہ، لوہا، کوئلا پتھر وغیرہ اور مائع کی مثال پانی، تیل، ہر جاندار کا آنسو، پسینہ اور دودھ انسان کا یا کسی حلال جانور کا۔ منجملہ پاک جمادات کے اٹڈا بھی ہے جو گندہ نہ ہوا ہو۔

۳۔ نباتات اُگنے والی چیزوں کو کہتے ہیں یہ سب پاک ہیں خواہ وہ خشک ہوں جیسے ہر قسم کا غلہ، یا تر جیسے پھل جن سے عرق نکالا جاتا ہو مثلاً گنے، کارس، سرکہ، پھولوں کا عرق، عطر وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں پاک ہیں لیکن انہیں چیزوں میں جب کوئی چیز ایسی ہو جو عقل و

اس کو خراب کر دے تو وہ حرام ہو جاتی ہے، اور یہ حرمت مفسد ہونے کی وجہ سے ہے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

شراب جو سرکہ بن جائے یعنی اُس کی ماہیت بدل جائے تو پاک ہو جاتی ہے اور وہ برتن بھی جس میں وہ رکھی تھی پاک ہو جاتا ہے۔ مالکی اور حنفی فقہاء کا اتفاق ہے کہ شراب خواہ از خود سرکہ بن جائے یا کسی پاک چیز مثلاً نمک یا پانی وغیرہ ملانے سے بنے تو وہ پاک ہو جاتی ہے لیکن شافعی اور حنبلی فقہاء کی رائے میں جب تک از خود سرکہ نہ بن جائے وہ پاک نہ ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "أَحَلَّتْ لَنَا مَيْتَاتَانِ وَدَمَانِ الشَّمَكُ وَالْجِرَاءُ وَالْكَبِدُ وَالْبَطْحَالُ" یعنی دو مردار اور دو خون ہمیں حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ جگر اور تلی۔ ایسے مرے ہوئے جانور بھی پاک ہیں جن میں بہتا ہوا خون نہ ہو جیسے مکھی، دیک، چوینٹی، پسو، ہر جانور سوائے سور کے اور کتے کے پاک ہے، کتے کی ناپاکی سور سے کم ہے، کتے کا جسم اگر بھیکا ہوا نہ ہو اور کسی چیز سے مس ہو جائے تو وہ چیز نجس نہیں ہوگی بخلاف سور کے جو نجس العین ہے۔

منجملہ پاک اشیاء کے وہ جانور ہیں جن کا گوشت کھانا حلال ہے، پر، بال، روئیں اور اون حلال جانور کے ہوں یا حرام جانوروں کے زندہ کے ہوں یا مردہ کے پاک ہیں جبکہ یہ بال و پر وغیرہ قلنجی سے کاٹے گئے ہوں، ہونڈ کر یا بال صفاد والگا کر علیحدہ کیے گئے ہوں لیکن نیچے ہوئے نہ ہوں۔ نوچنے سے اُن کی جڑیں پاک نہیں ہوں گی۔

اعیانِ نجسہ نجاست کی تعریف اور اُس کی قسمیں بیان کی جا چکی ہیں، وہ چیزیں جن کا ناپاک ہونا نص صریح سے ثابت ہے بیان کی جاتی ہیں۔

- ۱۔ خون خواہ وہ انسان کا ہو یا کسی اور جاندار کا ناپاک ہے۔
- ۲۔ تمام مردہ جانور جو خشکی میں زندگی گزارتے تھے اور جن کے جسم میں خون تھا اور زخم لگنے سے بہتا تھا۔ ناپاک ہیں۔ اس تعریف سے مردہ انسان، ٹڈی، چوینٹی، دیک مکھی اور پسو خارج ہو گئے جو پاک ہیں۔

۳۔ کتا اور سور زندہ اور مردہ اور اُن سے خارج ہونے والی ہر چیز (لعاب، رینٹ، بسینہ، انسوا)

۴۔ قیح (پیپ) اور صدید (کچ لہو)

۵۔ آدمی زخوہ بڑا ہو یا بچہ، کا فضلہ یعنی پیشاب یا خانہ اسی طرح اُن جانوروں کا فضلہ جو خون والے ہیں۔

۶۔ انسان اور دوسرے جاندار کا مادہ تولید مندی اور ودی۔

۷۔ قے یعنی وہ غذا جو معدے میں جا کر پھر منہ سے نکل آئے، یا پانی جسے معدہ متلی کے ساتھ اُلٹ دے، جگالی کرنے والے جانوروں کی جگالی بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ بھی معدے سے نکلی ہوئی چیز ہے۔

۸۔ زندہ جانور کا گندا انڈا اور اُن کے بدن کا کوئی حصہ جو جسم سے الگ کر لیا جائے (لیکن مشک اور اُس سے وابستہ کھال (نافہ) دونوں پاک ہیں)

۹۔ حرام جانوروں کا دودھ۔

۱۰۔ نجس اشیاء کا ڈھواں جب وہ جلانی جا رہی ہوں۔

۱۱۔ شراب جس کو اللہ تعالیٰ نے رَجَس فرمایا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ مُسْكِي خَمْرٍ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ

نجاست کا ازالہ
نجاست حقیقی اور نجاست حکمی کے بارے میں شریعت کا حکم اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ نجاست کو زائل (دور) کرنے والی چند چیزیں ہیں جن سے مختلف طریقوں سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔

۱۔ پاک کرنے والا پانی۔ پاک پانی اور پاک کرنے والے پانی میں فرق ہے جس کو عن قریب بیان کیا جائے گا۔

۲۔ پاک مٹی۔ دکھائی دینے والی نجاست مٹی سے دور کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ ایسی چیزیں لگی ہو جو جذب نہ کر سکتی ہو۔

۳۔ دھوپ یا ہوا میں خشک کرنا۔ فرش زمین اور اُس پر اُگی ہوئی گھاس وغیرہ پر پڑی نجاست کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

۴۔ تپانا۔ مٹی یا پتھر کا برتن دھونے کے بعد تپا لیا جائے تو نجاست بھاپ بن کر دور ہو جائے گی۔

- ۵۔ چھیلنا (کھرچنا) لکڑی پر لگی ہوئی نجاست چھیلنے سے دور ہو جائے گی۔
 ۶۔ رگڑنا (گھسنا) لوہے پتیل تانے یا شیشے پر لگی نجاست کو رگڑنے سے دور کیا جاسکتا ہے۔
 ۷۔ جوش دینا۔ شہد میں نجاست پڑ جائے تو اتنا حصہ نکال دینا چاہیے۔ باقی اثر پانی ڈال کر جوش دینے سے دور ہو جائے گا۔
 ۸۔ پونچھنا۔ تلوار، آئینہ، ناخون اور ہڈی اور کوئی چکنی چیز جس پر نجاست لگ گئی ہو پونچھنے سے پاک ہو جائے گی۔

۹۔ دھکننا۔ ناپاک روئی دھکننے سے پاک ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں خاص خاص باتیں یہ ہیں۔

(۱) کپڑا یا ایسی چیز جس کو نچوڑا جاسکتا ہے، اگر پانی سے کسی برتن میں دھویا جائے گا تو پاک نہ ہوگا۔ بلکہ وہ پانی اور برتن دونوں ناپاک ہو جائیں گے۔ پانی سے تین بار دھونا اور ہر بار نچوڑنا ضروری ہے۔ یا تو بہتے ہوئے پانی میں دھویا جائے یا ہر بار صاف ستھرا پانی اُس پر بہایا جائے، یہاں تک کہ نجاست کا رنگ اور بوباقی نہ رہے۔

۲۔ کپڑے کے علاوہ فرش یا زمین پاک کرنا ہو تو اس پر تین بار پانی بہایا جائے اور ہر بار پاک کپڑے سے پونچھ لیا جائے یا اُس پر اتنا پانی بہا دیا جائے کہ نجاست کا کوئی ظاہری اثر باقی نہ رہے۔

۳۔ وہ برتن جس پر سے نجاست دھوی گئی ہو لیکن یہ احتمال ہو کہ اس میں جذب بھی ہو سکتی ہے تو تپا کر اُسے پاک کرنا ہوگا۔

۴۔ جوتے یا موزے پر لگی نجاست کو زمین پر رگڑ کر دور کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو اُسے اپنے جوتوں کو پلٹ کر دیکھ لینا چاہیے۔
 اگر ان میں نجاست لگی ہوئی ہو تو اُسے زمین پر رگڑ کر صاف کر لینا چاہیے کیونکہ زمین

اذا اتی احدکم المسجد فليقلب نعليه فان كان بهما اذى يمسحهما بالارض فان الارض

لہما طہورا۔ انہیں پاک کرنے والی چیز ہے۔

۵۔ زمین کی ناپاکی سوکھنے سے دور ہو جاتی ہے جو آنحضرتؐ کے ارشاد سے ثابت ہے:

ذکاة الارض یبسہا فتصح
الصلوة علیہا ولکن لا یجوز
منہا التیمم۔
نجاست آلودہ زمین خشک ہو کر پاک
ہو جاتی ہے، اُس پر نماز درست ہے لیکن
اُس سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

بعض زمین جو نجس ہو گئی ہو سوکھنے سے خود پاک ہو جاتی ہے لیکن پاک کرنے والی
نہیں ہوتی۔ جیسے استعمالی پانی سے وضو نہیں ہو سکتا جبکہ وہ خود پاک ہوتا ہے۔

۶۔ خشک مادہ تولید کو مل کر صاف کیا جاسکتا ہے لیکن گیلے کو دھونا واجب ہے۔ آنحضرتؐ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے فرمایا تھا:

فاغسلیہ ان کان رطبا وافرکیہ
ان کان یابسًا۔
اُسے دھو ڈالو اگر تر ہے اور خشک ہو تو
مل کر جھاڑ دو

اس اجازت کا صرف آدمی کے مادے سے تعلق ہے ہر جاندار سے نہیں۔

۷۔ نجاست خفیفہ (جیسے دو سال سے کم عمر لڑکے کا پیشاب) اگر تھوڑا سا لگ جائے تو اُس جگہ
پر پانی چھڑک کر خشک کر لینے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔ لیکن دودھ پیتی بچی کے پیشاب
کو بہر حال دھونا ضروری ہے، ارشاد نبوی ہے:

یغسل من بول الجاریۃ
ویریش من بول الغلام۔
لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور
لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے۔

یہ اسی صورت میں ہے جب صرف دودھ پیتا بچہ ہو، غذا کھانے والے بچے کا پیشاب

بھی نجاست غلیظہ ہے۔

۸۔ شراب کی ماہیت بدل کر سرکہ ہو جائے یا خون بہرن کا مشک بن جائے تو دونوں
چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

۹۔ مردار جانور کی کھال مسالہ وغیرہ لگا کر دباغت کر لینے سے پاک ہو جاتی ہے مگر سور کی
پاک نہیں ہوتی۔ امام مالک اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما صرف سوکھی چیزوں کے لئے

مدبوغ کھال کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں۔

پانی کی قسمیں

کس پانی سے نجاست دور کرنا درست ہے اور کس سے نہیں؟ اس لحاظ سے پانی کی تین قسمیں ہیں:

- ۱- ٹھور۔ (پاک کرنے والا) پانی
- ۲- طاہر۔ (پاک) پانی
- ۳- غیر ٹھور متنجس (پاک نہ کرنے والا گندہ) پانی۔

آبِ ٹھور پاک کرنے والا پانی وہ ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہو یا زمین کی سوت سے جاری ہوا ہو اور اس کی تین علامتوں میں سے کسی علامت میں فرق نہ آیا ہو یعنی رنگ، ذائقہ اور بو میں۔

آبِ طاہر وہ پانی جو پاک کرنے والا تھا اگر اسے استعمال میں اس طرح لایا جائے کہ رنگ یا خوشبو یا ذائقہ کسی پاک شے کے شامل ہو جانے سے بدل جائے جیسے دودھ، گلاب کا عرق، آٹے کا دھوون تو پانی تو پاک رہے گا لیکن وصفِ ٹھوریت جاتا رہے گا اس سے وضو یا غسل صحیح نہیں ہے پینے یا کھانا پکانے میں استعمال کیا جاسکتا ہے، چنانچہ دودھ ملا ہوا یا عرق گلاب ملا ہوا پانی پیا جاسکتا ہے اس سے آٹا گوندھا جاسکتا ہے لیکن وضو اور غسل نہیں کیا جاسکتا ایسے پانی کے ٹھور ہونے کی صفت تب ہی زائل ہوگی جب ذائقہ رنگ یا بو میں سے کوئی وصف بدل جائے۔ یہ تو طاہر غیر ٹھور پانی کی ایک قسم تھی۔

دوسری قسم وہ استعمال شدہ پاک پانی جو کم مقدار میں ہو، یعنی دو قلوں سے مقدار میں کم ہو، اس جگہ کا رقبہ جس میں دو قلو پانی آتا ہے، مربع ہونے کی صورت میں سوا ہاتھ مکعب کے برابر۔ گول ہونے کی صورت میں چوڑائی ایک ہاتھ، گہرائی ڈھائی ہاتھ اور دوسرا ہاتھ۔ مثلث ہونے کی صورت میں ڈیڑھ گز چوڑائی اتنی ہی لمبائی اور دو گز گہرائی۔

تو استعمال شدہ پانی اگر دوقلوں سے کم ہو تو وہ پاک کرنے والا نہیں ہے یعنی وضو یا غسل میں اُس کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

طاہر غیر طہور پانی کی تیسری قسم وہ پانی ہے جو سبزیوں میں سے نکلے خواہ وہ عرق کشید کرنے کے طریقے سے نکالا جائے یا اس کے بغیر جیسے تربوز کا پانی تو یہ پانی طاہر ہے اسے پیا جاسکتا ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے وضو اور غسل نہیں کیا جاسکتا۔

استعمال شدہ پاک پانی وہ ہے جس سے کسی قسم کی نجاست نہ دھوئی گئی ہو نہ اُس پانی میں نجاست ملی ہو بلکہ اُس پانی سے نماز پڑھنے، حج کی نیت کرنے، قرآن شریف کو چھونے یا کسی عبادت کرنے سے پہلے اعضائے وضو دھوئے گئے ہوں یا جسم پر پانی بہایا گیا ہو اور وہ ایک جگہ جمع ہو گیا ہو تو ظاہر ہے کہ پانی اپنی جگہ پاک ہے لیکن اُس سے دوبارہ پاک کرنے کا کام نہیں لیا جاسکتا اسی لئے اُسے طاہر غیر طہور کہتے ہیں۔

نجاست آلود پانی پاک نہیں ہے۔ لیکن نجاست اگر کثیر پانی میں مل جائے اور **غیر طہور** اور اس سے اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں فرق نہ آئے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کم مقدار میں پانی نجس شے کی آمیزش سے ناپاک ہو جائے گا خواہ رنگ و بو اور ذائقے میں فرق آئے یا نہ آئے۔ دریا یا چشمنے کا پانی جو ہمیشہ بہتا رہتا ہے اور سمندر کا پانی جو بہت زیادہ ہوتا ہے نجاست گر جانے سے گندا نہیں ہوتا۔

اوپر پانی کی تینوں قسموں کی تعریف اور اُن کا حکم بیان کیا گیا، اب اسی سے متعلق عام باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر پانی کا مزہ، بو یا رنگ صرف رکھے رہنے کی وجہ سے بدل جائے یا پتیاں گر جانے کی وجہ سے مزہ یا رنگ بدل گیا ہو تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، اسی طرح اگر ذرا سی مٹی مل جانے سے پانی کا رنگ مٹیلا ہو جائے تو بھی طہارت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اگر ان چیزوں کی وجہ سے پانی گاڑھا ہو جائے تو اس سے پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ کھیتوں کی سینچائی کے لئے جو پانی کنودں یا ٹیوب ویل سے نالیوں کے ذریعے لیا جاتا ہے اُس کا حکم بھی جاری پانی کا ہے اگر اس میں نجاست گر جائے تو ہٹ کر دوسری

جگہ وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے البتہ اگر اتنی نجاست ہو کہ رنگ وغیرہ بدل جائے تو اُس سے طہارت ناجائز ہوگی۔

۳۔ اگر کوئی پاک چیز مثلاً صابن، زعفران، کپڑا رنگنے کا رنگ پانی میں مل جائے اور ہلکا سا رنگ آجائے لیکن پانی کا پتلا پن جوں کا توں رہے تو پاکی حاصل کرنے میں مانع نہیں ہے البتہ اگر رنگ شوخ ہو گیا یا سرکہ اور دودھ ملانے سے اُس کا رنگ نظر آنے لگا تو وضو اور غسل درست نہیں ہے۔

۴۔ پانی میں بیر کی پتی ڈال کر پکایا گیا ہو تو اگر ہلکا سا رنگ آگیا اور پانی گاڑھا نہیں ہوا تو اُس سے غسل اور وضو کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ گلاب اور دواؤں کا عرق، سوڈا واٹر، گنے کا رس یا کسی قسم کا شربت اور پھلوں کا پانی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو پی جاسکتی ہیں لیکن وضو اور غسل کرنا درست نہیں۔

۶۔ غیر مرد کا جھوٹا پانی عورت کے لئے یا غیر عورت کا جھوٹا پانی مرد کے لئے مکروہ ہے۔

وہ پانی جو پینے سے جھوٹا ہو گیا انسان مسلمان ہوں یا غیر مسلم اُن کا پیا ہوا پانی پاک ہے سوائے اس صورت کے کہ کوئی ناپاک چیز

مثلاً سور یا مردار کھا کر یا شراب پی کر پانی جھوٹا کر دیا ہو۔ چرند یا پرند حلال جانور نے اگر کسی برتن سے پانی پی لیا تو اُس کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے بشرطیکہ کوئی نجس چیز منہ کو لگی ہوئی نہ ہو، گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے، دریائی جانوروں کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے خواہ وہ حلال جانور ہوں یا حرام۔ اگر یہ یقین ہو کہ منہ یا پیچہ جو پانی کو لگا اُس میں گندگی تھی تب ہی پانی ناپاک مانا جائے گا۔

جن جانوروں کا جھوٹا پانی ناپاک ہو جاتا ہے کتے، سور اور درندے جیسے شہیر

بھیر یا وغیرہ کا پیا ہوا پانی مکروہ

تحریمی یا ناپاک ہے لیکن بہتا ہوا پانی اگر پی لیں تو اُس جگہ سے ہٹ کر پانی سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

وہ جانور جن کا جھوٹا مکروہ تشریحی ہے حرام جانور جو عام طور پر مکانوں میں رہتے ہیں جیسے بلی، چوہا، چھپکلی یا حرام پرندے جیسے کوا

چیل، شکر ایا باز وغیرہ یا ایسے حلال جانور جو آزادانہ گندی چیز کھانے کے عادی ہوں جیسے مرغیاں، گائے، بیل، بھینس وغیرہ تو یہ اگر پانی میں منہ ڈال دیں تو کراہت تنزیہی آجائے گی اور اگر منہ میں نجاست لگی ہو تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔

کنویں کے پانی کے مسائل

نجاست خفیفہ ہو یا غلیظہ اگر کنویں میں گر جائے تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہو جائے گا، مثال کے طور پر گائے، بھینس کا گوبر، گھوڑے کی لید، آدمی کا پاخانہ، پیشاب، خون، پیپ، مرغی یا بٹ کی بیٹ اور شراب۔

اسی طرح اگر کوئی جاندار پانی میں گر پڑے جس کے جسم میں خون ہو تو بھی کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے گا، جاندار کے گرنے کے بعد تین حالتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی حالت یہ کہ مر کے جسم بھول اور پھٹ گیا یا اعضاء بکھر گئے اور پروبال جھڑ گئے۔ دوسری حالت یہ کہ مر گیا لیکن بھولا بھٹایا بکھرا نہیں۔

تیسری حالت یہ کہ جو جاندار گرا وہ مرا نہیں بلکہ زندہ نکال لیا گیا۔

اب ہر حالت کی تفصیل اور اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے:

پہلی حالت میں کنواں نجس ہو جائے گا اور جو ڈول اس میں ڈالا گیا وہ اور اس کی رسی بھی ناپاک ہو گئی، اگر کنویں کا تمام پانی نکالنا ممکن ہو تو اس کے بغیر وہ پاک نہ ہوگا لیکن جب تک اس مرے ہوئے جسم کو پہلے نہ نکالا جائے، پانی نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول پانی نکالنے کے بعد کنواں پاک ہو جائے گا، ڈول وہ ہوتا چاہیے جو بالعموم استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح پانی نکال دینے سے تمام کنواں اس کی دیواریں، ڈول رسی اور نکالنے والے کے ہاتھ سب چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

دوسری حالت میں اگر مرنے والا انسان یا بکری ہے تو اس کی لاش نکالنے کے بعد پانی نکالنے کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ جب تک سارا پانی یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو سو

ڈول نہ نکالے جائیں وہ کنواں پاک نہ ہوگا نہ ڈول اور رستی پاک ہوگی۔ اگر گر کر مرنے والا چھوٹا جانور ہو جیسے بلی، مرغی یا کبوتر لیکن سڑا گلا نہیں اور پر و بال بھی الگ نہیں ہوئے تو کنویں کا پانی نجاست آلود متصور ہوگا اور جب تک اس جانور کو نکالنے کے بعد چالیس ڈول پانی نہ نکالا جائے وہ پاک نہ ہوگا۔ اگر گونے والا جانور چڑیا یا چوہا جیسا ہو تب بھی کنویں کا پانی نجاست آلود ہو جائے گا اور مری ہوئی چیز کو نکالنے کے بعد بیس ڈول پانی نکالے بغیر پاک نہ ہوگا۔

تیسری حالت گرے ہوئے جاندار کا زندہ نکلنا ہے اگر تو اگر وہ جانور نجس العین ہے تو سارا پانی نکالنا یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول نکالنا ضروری ہے جیسے پہلی حالت میں بیان کیا گیا۔ اگر وہ جانور نجس العین نہیں ہے تو اگر اس کے بدن پر نجاست غلیظہ، فضلہ وغیرہ لگا رہتا تو نجس العین کی طرح سے کنویں کو پاک کرنا ہوگا لیکن اُس کے بدن پر اگر نجاست نہیں تھی تو بیس ڈول پانی نکال دینا مستحب ہے۔

ایسے جانور جن میں خون نہیں ہوتا یا میڈک یا مچھلی وغیرہ اگر کنویں میں مر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مالکی فقہاء کے نزدیک خشکی کا ہر جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اگر اس کے مرنے سے پانی میں تبدیلی آگئی تو کنویں کا پانی نجس ہو جائے گا، تبدیلی سے مراد اوصاف تہ گانہ کا تغیر ہے یعنی مزہ، رنگ اور بو۔

انسانی جسم اور لباس کو نجاست سے پاک رکھنا انسان برخلات دوسرے جانداروں کے اس بات کا مکلف ہے کہ اپنے جسم کو اور کپڑوں کو ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پاک رکھے اور اس کا خاص اہتمام کرے کیونکہ یہ عبادات کی بجا آوری کی اولین شرط ہے، پیشاب اور فضلہ خارج ہونا ایک فطری عمل ہے اور اس کی حاجت ہر جاندار کو پیش آتی ہے۔ انسان پر یہ خاص ذمہ دار ہے کہ رفع حاجت کے بعد گندگی خارج ہونے کے مقامات کو آلودہ نہ رہنے دے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو جسم کے ساتھ لباس بھی نجاست آلود ہو جائے گا۔ لہذا یہ لازم ہے کہ جہاں جہاں سے گندگی خارج ہوئی ہے اُس کو خشک اور پاک کیا جائے اس عمل کو اصطلاح میں استنجاء، استطابت اور استجمار کہتے ہیں۔

لفظ استنجاء عربی زبان کے ایک فقرے سے ماخوذ ہے نجوت الشیخ
استنجاء کی تعریف

(میں نے درخت کو جڑ سے کاٹ دیا) استنجاء کا مفہوم بھی یہ ہے کہ پلیدی کو جڑ سے کاٹ دیا جائے۔ استطابت کے معنی ہیں راحت اور خوشی حاصل کرنا۔ گندگی دور ہو جانے سے بھی راحت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ استجمار جمار سے ماخوذ ہے یعنی چھوٹی کنکریاں، یہ اصطلاح ڈھیلے یا پتھر کے ٹکڑے استعمال کرنے کے لئے بولی جاتی ہے۔

اصل طریقہ استنجاء کا پانی سے کسی جگہ کو پاک کر دینا ہے پہلی
استنجاء (طہارت) کا طریقہ۔ امتوں کی شریعت میں پانی سے طہارت کرنے کا حکم تھا۔

چنانچہ روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے پانی سے طہارت حاصل کی وہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اسلام نے سہولت کے پیش نظر ڈھیلے وغیرہ جیسی چیزوں سے جن میں کوئی ضرر نہ ہو طہارت کی اجازت دی ہے۔

استنجاء کے ارکان (۱) مُسْتَجِی۔ یعنی گندگی کو دور کرنے والا شخص (۲) مُسْتَجِی مَنْہ۔ وہ گندگی جس سے جسم آلودہ ہو۔ (۳) مُسْتَجِی بَہ۔ وہ چیز جس سے گندگی کو دور کیا جائے۔ (۴) مُسْتَجِی فِیہ۔ وہ جگہ جس کو پاک و صاف کرنا ہے۔

استنجاء کا حکم ہر نجس شے یا ہر نجاست جو انسان کے جسم سے خارج ہو جیسے پیشاب یا پاخانہ جو معمول کے مطابق خارج ہوتا ہے۔ یا غیر معمولی جیسے خون و دمی، یا مذی تو اس سے پاک ہونا واجب ہے، یہ استنجاء اسی وقت ضروری ہے جب نجاست کا خارج ہونا بند ہو ورنہ استنجاء بیکار ہوگا۔ جو نجاست مخرج کے دہانے پر ہو اور آگے نہ بڑھی ہو خواہ وہ پیشاب یا پاخانہ ہو یا مذی، دمی اور خون وغیرہ تو اُسے زائل کرنا سنت مؤکدہ ہے، اسی کو استنجاء اور استجمار کہتے ہیں، یہ ڈھیلے سے بھی دور ہو جاتی ہے اور پانی سے بھی لیکن اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا ازالہ فرض ہوتا ہے، اُس کو استنجاء نہیں بلکہ ازالہ نجاست کہتے ہیں، متجاوز نجاست کو پانی سے دھونا واجب ہے خواہ اس کی مقدار ایک درہم کے برابر نہ ہو، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست کی مقدار ایک درہم سے زیادہ نہ ہو تو پانی سے دھونا بہتر ہے البتہ واجب نہیں ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے یہی حکم

ہے، مرد پر استبرار بھی واجب ہے عورت پر نہیں ہے، استبرار سے مراد پیشاب کا وہ آخری قطرہ جو فراغت کے بعد مخرج پر رکا ہوا ہو اُسے پورے طور پر خارج ہونے دیا جائے۔ عورت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے، البتہ بیٹھنے میں جو حصہ نمایاں ہوتا ہے اُسے پورا دھونا ضروری ہے

رفع حاجت کے آداب

رفع حاجت فطری اعمال میں سے ہے اور ہر جاندار اُسے

فطرت کے مطابق ہی انجام دیتا ہے لیکن انسان اور

غیر انسان میں فرق ہے، شریعت نے انسانوں کے لئے جو آداب مقرر فرمائے ہیں وہ حفظانِ صحت اور ستھرائی کے تقاضوں کے مطابق ہیں شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں وہ نامتحرر معاشرے کی بہبود اور انسان کی بھلائی کے لئے ہیں ایک اُن میں سے استبرار ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا، بعض اشخاص کی عادت ہوتی ہے کہ پیشاب کر کے فوراً کھڑے ہو جانے یا چلنے پھرنے یا کوئی کام کرنے سے پیشاب کے رُکے ہوئے قطرے نکل جاتے ہیں تو ایسے لوگوں پر بطور خود استبرار واجب ہے یعنی جب گمان غالب ہو جائے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تب ہی استنجہ کرے۔

۲۔ جہاں ٹھہرا ہو پانی ہو وہاں پیشاب یا پاخانہ کرنے کی ممانعت ہے۔ طبی نقطہ نظر سے اس کی افادیت ظاہر ہے اس کے علاوہ پانی کو گندہ کرنا بذاتِ خود ایک مذمومِ خصلت ہے۔

۳۔ ایسی جگہوں پر جہاں سے پانی بہ کر آتا ہو یا جہاں لوگوں کی آمد و رفت ہو یا کوئی سایہ دار جگہ ہو جہاں لوگ آرام لینے بیٹھ جاتے ہوں رفع حاجت کرنا حرام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القوا الملا عن الثلات

البراز فی الموارد وقارعة

الطریق والنزل۔

سیرے یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ پیشاب

(ابوداؤد)

(کرنے سے)

معلوم ہوا کہ ان مقامات پر رفع حاجت کرنا گویا اپنے آپ کو ہدفِ لعنت بنانا ہے۔ مقبروں پر۔ یعنی وہ جگہ جہاں لوگ اس لئے جاتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں اور آخرت کو یاد کریں ایسے مقامات کو پیشاب یا پاخانہ کی جگہ بنانا منع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

لَا نَ يَجْلِسُ أَحَدٌ كَعَلِي
جَهْرَةً فَتَحْرَقَ ثِيَابُهُ فَتَخْلَصَ
إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ
أَنْ يَجْلِسَ عَلَى قَبْرِ
کوئی انکارے پر بیٹھ جائے جس سے کپڑے
جل جائیں اور کھال جھلس جائے یہ اس
سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔

تو جب کسی قبر پر بیٹھ کر گپ شپ کرنا اس درجہ مبغوض ہے تو پھر بول و براز کرنا تو اس
سے کہیں زیادہ برا ہے۔

۵۔ قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے رفع حاجت کرنا گناہ ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام
حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک میدان میں ایسا کرنا گناہ ہے۔ لیکن گھروں میں بنے ہوئے
پاخانوں میں ایسا کرنا حرام نہیں ہے، استنجا کرتے یا ڈھیلا استعمال کرتے وقت بھی ایسا
کرنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو ہر حالت میں مکروہ
تحریمی فرماتے ہیں چاہے میدان ہو یا گھر۔ رسول اللہ کی یہ حدیث کہ،
اِذَا اتَيْتُمُ الْعَائِلَةَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا (یعنی جب پاخانے جاؤ تو پیشاب یا پاخانہ
القبلة ولا تستدبروها کرنے میں قبلے کی جانب نہ منہ کرو
بول ولا غائط۔ نہ پیٹھ۔

اپنے مفہوم میں عام ہے لہذا امام صاحب اس میں جگہ کی تخصیص نہیں فرماتے۔
۶۔ ہوا کے رخ منہ کر کے فراغت کرنا مکروہ ہے۔ جدھر سے ہوا کا جھونکا آ رہا ہو تو پیشاب کی
چھینٹ الٹ کر آسکتی ہے اور رفع حاجت کرنے والے کو نجس کر سکتی ہے۔ شارع
علیہ السلام نے اسی مصلحت کے پیش نظر اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ لوگوں کو پاک
صاف رہنے کی ترغیب ہو۔

۷۔ رفع حاجت کی حالت میں بولنا مکروہ ہے۔ یہی نہیں کہ ایسا کرنا خود کلام کی توہین ہے، یہ
امکان بھی ہے کہ دوران گفتگو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کا نام یا ایسا ہی کوئی مقدس لفظ
زبان پر آجائے۔ البتہ اگر ضرورتاً بولنا پڑ جائے مثلاً پانی کا لوٹا مانگنے یا ڈھیلا اٹھا کر

دینے کے لئے یا کسی بچے یا نابینا کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے یا مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے تو ایسے ہی کسی کام کے لئے بولنا مکروہ نہیں ہے۔

۸۔ سورج یا چاند کے سامنے بیٹھ کر رفع حاجت کرنا مکروہ ہے، دونوں اللہ کی قدرت کی نشانی اور اُس کی نعمت ہیں جن سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے نعمت کا احترام اور اس کی قدر کرنا مخلوق پر لازم ہے۔ طبی نقطہ نظر سے بھی سورج کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا مضر ہے۔

۹۔ استنجابائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے کیونکہ دایاں ہاتھ بالعموم کھانا وغیرہ کھانے یا مشروب ہاتھ میں لے کر پینے کے لئے ہے۔ پاک مٹی، کنکر، پتھر یا کچی اینٹ کے ٹکڑے سے جو بالکل خشک ہوں ان سے استنجا کیا جاسکتا ہے، ہڈی، کونڈہ، کپڑا یا ایسی چیز سے جو کھانے کے کام میں آتی ہو استنجا کرنا مکروہ ہے، گو بر خشک ہونے پر بھی پاک کرنے والا نہیں ہے۔ نجس اشیاء کو ڈھیلے کے طور پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔ چکنا شفاف پتھر، سنگ مرمر، شیشہ اور ان جیسی چیزوں کا استعمال جائز نہیں۔

۱۰۔ کسی اور کی مملوکہ دیوار سے ڈھیلے کر استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ڈھیلے سے اُسی نجاست کا ازالہ ہو سکتا ہے جو خشک نہ ہو گئی ہو۔ پیشاب پورے حشفہ پر نہ پھیل گیا ہو اور پاخانہ صفحہ تک نہ پھیلا ہو (صفحہ کولے کے وہ حصے جو کھڑے ہونے میں مل جاتے ہیں اور حشفہ وہ حصہ ہے جو ختنے کی جگہ سے اوپر ہو) یعنی سپاری) عورت کے لئے ڈھیلے سے استنجا جب صحیح ہوگا کہ کنواری کی نجاست اُس حصے سے آگے نہ گئی ہو جو بیٹھے وقت کھل جاتا ہے اور شادی شدہ کی نجاست اندرونی حصے سے آگے نہ پھیلی ہو، بصورت دیگر خصوصیت سے پانی کا استعمال کرنا ہوگا جس طرح غیر ختنہ شدہ مرد کا استنجا پانی سے لازم ہوتا ہے، ڈھیلے سے استنجا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تین بار سے کم نہ ہو اور ہر بار پوری جگہ کو صاف کیا جائے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ جسم یا لباس پر لگ جانے والی نجاستوں سے پاک کرنے کے متعلق تھا۔ لیکن نجاست حکمی خواہ حدث اصغر کی وجہ سے لاحق ہو یا حدث اکبر کی وجہ سے اُنھیں احکام پر عمل کرنے سے رفع ہو سکتی ہے جو شریعت نے دیئے ہیں۔

نجاستِ حکی کے ضمن میں حدیثِ اصغر کا حکم بیان کرتے ہوئے بتایا جا چکا ہے کہ اس حالت میں نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے نہ قرآن پاک کو ہاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے تا وقتیکہ وضو نہ کر لیا جائے۔ ذیل میں وضو کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ فقہی اصطلاحات فرض، سنت، واجب، مستحب اور مکروہ وغیرہ کی تشریح بھی ان مسائل کے ذکر میں آئے گی۔

وضو کے معنی اور تعریف لغت میں اس لفظ کے معنی خوبی اور پاکیزگی کے ہیں چنانچہ

وَضًا وَضَاءَةٌ کے معنی ہیں ”وہ اچھا ہو گیا اور پاک ہو گیا“ یہ معنی عمومیت کے حامل ہیں۔ شرع میں خاص طریقہ پاکیزگی کو کہتے ہیں جس سے ظاہری حسنی اور باطنی معنوی دونوں طرح کی پاکیزگی (یعنی وضائتہ) حاصل ہوتی ہے۔ اصطلاح فقہ میں وضو سے مراد چہرے، ہاتھوں سر اور پیروں کو ایک خاص ڈھنگ سے دھونا اور مسح کرنا ہے جس کی تفصیل فرائض وضو اور اس کی سنتوں اور مستحبات کے بیان میں آگے آرہی ہے۔

وضو کا حکم اور اس سے متعلق امور وضو کا فعل انجام دینے سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کیفیت یکسر دور ہو جاتی ہے جس کی تشریح حدیثِ اصغر میں بیان کی گئی ہے؛ شارعِ علیہ السلام نے حدیثِ دور کرنے کا یہی طریقہ بتایا ہے جس کے بعد ہی فرض اور نفل نمازیں، سجدہ تلاوت، سجدہ شکر، طواف کعبہ (فرض یا نفل) ادا کیا جاسکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الطَّوَّافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ
الصَّلَاةِ إِلَّا أَنَّكُمْ مُتَكَلِّمُونَ
فِيهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ
إِلَّا بِخَيْرٍ۔ (ترمذی)

کعبے کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے سوا اس کے کہ طواف میں تم باتیں بھی کرتے ہو تو جب کوئی بات کرے تو بھلائی کے سوا کچھ نہ کہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی طرح ان اعمال کے لئے بھی وضو واجب ہے۔ یہی حکم قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کا ہے خواہ پورا قرآن ہو یا اس کا کوئی حصہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ
قرآن کو صاف پاک لوگ ہی چھوئیں

قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مکلف شخص قرآن پاک یا اس کے کسی حصے کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ اگر وہ جزدان یا رحل پر ہو تو اس جزدان اور رحل کو بھی بغیر وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے، قرآن کی جلد اگر اصل کتاب سے الگ ہو جائے تب بھی وہ محترم ہے جب تک وہ قرآن کی جلد ہی جاتی رہے۔ اگر گھریلو سامان سے کسی شے یا کپڑے پر قرآن رکھا ہو اور اس کو مع قرآن کے اٹھانا ہو تب بھی با وضو ہاتھ لگانا چاہیے۔

حسب ذیل صورتوں میں بے وضو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے :

- (۱) نابالغ بچے جو قرآن سیکھتے ہوں تو قرآن ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔
- (۲) غلاف کعبہ جس پر قرآنی آیات لکھی ہوں بے وضو ہاتھ میں لیا جاسکتا ہے۔
- (۳) وہ کتابیں جن میں بطور حوالہ قرآنی آیات تحریر کی گئی ہوں بے وضو چھوئی جاسکتی ہیں۔
- (۴) وہ آیات قرآنی جن کو کپڑے میں پیٹ کر تعویذ بنایا گیا ہو۔
- (۵) سکہ جس پر قرآنی آیت منقوش ہو۔

(۶) قرآن شریف کو پانی میں ڈوبنے یا آگ میں جلنے سے بچانے کے لئے بے وضو اٹھالینا جائز ہے۔

۷۔ اگر قرآن عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھا ہوا ہو تو اسے بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

۸۔ کتاب اللہ کو ہاتھ لگائے بغیر تلاوت بے وضو جائز ہے۔ حائضہ عورت کو اور اس شخص کو جس پر غسل واجب ہے ایسا کرنا حرام ہے۔

وضو کی شرطیں تین طرح کی ہیں :

شرائط وضو

(۱) واجب کرنے والی شرطیں یعنی جن کی موجودگی میں مکلف انسان پر

وضو کرنا واجب ہونا ہے، اگر وہ شرطیں یا ان میں سے کچھ نہ پائی جائیں تو وضو واجب نہ ہوگا۔

(۲) وضو صحیح اور درست ہونے کی شرطیں یعنی وہ شرائط جن کے بغیر وضو ہو ہی نہیں سکتا۔

۳۔ واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں یعنی اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پوری ہو تو وضو واجب بھی نہیں ہوتا اور اگر کر لیا جائے تو درست بھی نہیں ہوتا۔

وضو واجب ہونے کے شرائط (۱) بالغ ہونا۔ جو شخص (مرد یا عورت) بلوغ کی حد کو نہ پہنچا ہو اس پر وضو واجب نہیں لیکن اگر وضو کر لے تو وہ صحیح منظور ہوگا۔ مثلاً کسی نے وضو کیا اور وہ بالغ نہیں تھا پھر وہ بالغ ہو گیا تو اسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ صورت اگرچہ نادر الوقوع ہے لیکن جہاں پانی کمیاب ہو یا مسافرت کی حالت میں پیش آئے تو قابل عمل ہے۔

(۲) نماز کا وقت آجانا۔ کسی نماز کا وقت آجائے تو مکلف پر اس وقت کی نماز ادا کرنا واجب ہے اور چونکہ نماز بغیر وضو ادا نہیں کی جاسکتی اس لئے وضو بھی ساتھ ہی ساتھ واجب ہو جائے گا۔ نقل نماز کے لئے بھی وضو واجب ہے، اس لئے جب بھی نفل نماز کا ارادہ کیا جائے اسی وقت وضو بھی واجب ہو جاتا ہے۔

۴۔ پہلا وضو باقی نہ رہنا۔ یعنی کوئی امر ناقض وضو صادر ہو جائے اور وضو باقی نہ رہے تو پھر سے وضو کرنا واجب ہے ورنہ نماز ادا نہ ہوگی۔ اور وضو کرنے میں حدث لاحق ہو جائے تو دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔

۴۔ وضو کرنے کا مقدور حاصل ہونا اس شرط سے وہ صورت خارج ہوگئی کہ مرض کے سبب پانی کو استعمال کرنے سے عاجز ہو یا پانی وضو کے لئے میسر ہی نہ ہو۔ تیمم کے مسائل میں اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

وضو صحیح ہونے کے شرائط ۱۔ صاحب تیمز ہونا۔ جو بچہ سن تیمز کو نہ پہنچا ہو یا جو مجنوب الحواس ہو اس کا وضو صحیح نہیں ہے یہی حال اس شخص کا بھی ہے جس کو وضو کرنے کی صحیح تعلیم نہ دی گئی ہو۔

۲۔ اعضائے وضو پر کوئی ایسی شے نہ ہو جو وضو کا پانی بدن پر پہنچنے سے مانع ہو۔ اگرچہ چہرے یا ہاتھ پر موم یا کسی قسم کی چکنائی جم کر رہ گئی یا آٹا چپک گیا ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ وضو کرنے کی نیت سے وضو کے فرائض پورے کرنا، اس کے بغیر وضو صحیح نہ ہوگا۔

وضو واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں
۱۔ پانی کا پھور پاک کرنے والا ہونا، غیر پھور پانی
سے نہ تو وضو صحیح ہوگا اور نہ واجب
کی تکمیل ہو پائے گی۔

۲۔ عقل۔ صحت وضو اور وجوب وضو کے لئے ضروری ہے لہذا مجنون، مرگی زدہ، مخبوط الحواس
پر وضو واجب نہیں ہے اور اگر وضو کرے تو صحیح نہ ہوگا۔ اگر کسی فاجر العقل نے وضو
کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس مرض سے نجات ہوگئی تو اس وضو سے نماز درست
نہ ہوگی۔

۳۔ عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔ کیونکہ اس حالت میں عورت پر نہ وضو واجب
ہے نہ درست ہے، اگر حالت حیض میں کسی عورت نے وضو کیا پھر وہ پاک ہوگئی تو اس
وضو کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ درست ہی نہ تھا۔ البتہ عائضہ عورت کے لئے مستحب
یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے اور اپنی جانماز پر بیٹھ جا یا کرے اس سے عرض
صرف یہ ہے کہ نماز چھوٹ جانے کی حالت میں اس سے غفلت پیدا نہ ہو جائے۔

۴۔ نیند اور غفلت کی حالت میں نہ ہونا۔ بعض سوئے ہوئے شخص نیند میں کھڑے ہو جاتے
اور چلتے پھرتے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں وضو کر لینا
نہ تو صحیح سمجھا جائے گا نہ واجب۔

۵۔ مسلمان ہونا۔ ظاہر ہے کہ غیر مسلم سے وضو کا مطالبہ نہیں۔ اب اگر کوئی کافر ہاتھ منہ اور پیر
سولے تو اسلام کا پیر وہ ہونے کے سبب اس پر وضو واجب ہی نہ تھا۔ اور اگر بعد
میں وہ مسلمان ہو گیا تو اس کا وہ وضو صحیح متصور نہ ہوگا۔

وضو کے فرائض فرض کے معنی لغت میں کاٹنے یا شگاف کرنے کے ہیں فرضت الغنبة
(میں نے لکڑی میں شگاف ڈال دیا) اور فرضت الحبل میں نے

رسی کاٹ دی، شریعت میں ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے میں ثواب، اور نہ کرنے میں
عذاب کا یقین ہو (بے شک و شبہ) فرض رکن کے برابر ہے، اس میں اور شرط میں فرق یہ ہے
کہ فرض کسی چیز کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے جبکہ شرط ماہیت میں داخل نہیں ہوتی مثلاً

تکبیر، رکوع، سجدہ وغیرہ نماز کے فرائض ہیں اور نماز کی ماہیت میں داخل ہیں، ان کے بغیر نماز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، جبکہ ”وقت“ نماز کے لئے شرط ہے ماہیت میں داخل نہیں ہے لیکن لازم ہے جب تک وہ نہیں پائی جائے گی نماز نہیں ہوگی۔ فرض کی تعریف فقہاء یوں بھی کرتے ہیں کہ وہ حکم جو قرآن میں یا قرآن وحدیث دونوں میں ہو یا متعدد حدیثوں سے ثابت ہو اُس کا منکر کافر اور اُس کا بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہوتا ہے۔ وضو کے فرائض قرآن کریم میں چار ہیں۔ پہلے چہرے کا دھونا، دوسرے ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔ تیسرے سر یا اُس کے کچھ حصے کا مسح کرنا چوتھے پیروں کا ٹخنوں تک دھونا۔ یہ چاروں فرائض اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ
(مائدہ-۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کو کھڑے ہو تو پہلے اپنے چہروں کو، اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھو لو اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو ٹخنوں تک دھو لو۔

حنفی فقہاء کے نزدیک یہی چار فرائض ہیں، شافعی فقہاء کے نزدیک نیت اور ترتیب (جیسی قرآن کریم میں ہے) بھی فرض ہے، مالکی فقہاء دھوتے ہیں اتنی جلدی کرنا کہ کوئی عضو خشک نہ ہونے پائے اور دھوتے ہیں اُس حصے کو ملتے جانا بھی فرائض میں داخل قرار دیتے ہیں۔ حنفی فقہاء چار فرائض کے علاوہ باقی باتیں یعنی نیت ترتیب موالاة (لگانا دھونا) اور مل مل کے دھونا سنت کہتے ہیں جنابلی اور مالکی فقہاء پورے سر کا مسح واجب کہتے ہیں لیکن حنفی اور شافعی فقہاء سر کے کچھ حصے کا مسح فرض اور پورے سر کا مسح سنت قرار دیتے ہیں۔

شافعی، مالکی اور جنابلی فقہاء کے نزدیک چہرے کو وہاں سے جہاں سر کے بال بالعموم ہوتے ہیں ٹھوڑی کے آخر تک بے ریش انسان کے لئے اور داڑھی کے سرے تک باریش انسان کے لئے دھونا واجب ہے، حنفی فقہاء کے نزدیک اُس جگہ تک دھونا ضروری ہے جہاں ٹھوڑی ختم ہوتی ہے اگر داڑھی ٹھوڑی کی جلد سے نیچے تک پہنچی ہو تو اُس کا دھونا واجب نہیں ہے۔ دونوں کانوں کے اوپر کا حصہ شافعی اور حنفی فقہاء چہرے میں شامل کہتے ہیں اس لئے اُس کا دھونا واجب ہے، لیکن مالکی اور جنابلی فقہاء اس خالی جگہ کو سر کا حصہ قرار دیتے ہیں اور مسح کرنا کافی

کہتے ہیں۔ حنبلی علما کاٹوں کو بھی چہرے کا حصہ کہتے اور ان کو دھونے کا حکم دیتے ہیں جبکہ باقی تین ائمہ فقہ کاٹوں کو چہرے میں شامل نہیں کہتے۔ داڑھی کے بال کم ہوں کہ نیچے کی سطح نظر آتی ہو تو اس کا خلال کرنا واجب ہے تاکہ کھال تک پانی پہنچ جائے لیکن اگر بال گھنے ہوں تو صرف اوپری سطح کا دھونا واجب ہے خلال کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، مالکی فقہاء کے نزدیک گھنی داڑھی کا ہاتھ سے ہلانا واجب ہے۔

وضو کی سنتیں سنت کے لغوی معنی طریقہ یا عمل کے ہیں جو عام طور پر کیا جاتا ہو،

اصطلاح میں وہ فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو سنت کہلاتا ہے، حنفی فقہاء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں۔ سنت موکدہ اور سنت غیر موکدہ۔ سنت موکدہ وہ عمل ہے جسے نبی علیہ السلام نے ہمیشہ کیا ہو اور بلا عذر کبھی نہ چھوڑا ہو ان کے نزدیک یہ واجب کے مانند ہے، فرائض کے بیان میں وضو کے لئے چار فرضوں کا ذکر کیا جا چکا ہے باقی باتیں جو دوسرے ائمہ فقہ کے یہاں واجب قرار دی گئی ہیں وہ حنفیوں کے نزدیک سنت موکدہ ہیں۔ واجب کا ترک کرنے والا حنفی مسلک میں ایسا گنہگار نہیں ہوتا جیسا فرض کا تارک، لہذا واجب کا تارک عذاب دوزخ کا سزاوار تو نہ ہو گا لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ تو حنفی علماء جس کو سنت موکدہ کہتے ہیں اس سے مراد وہی واجب ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ سنت کی دوسری قسم غیر موکدہ ہے اس کو مندوب کہتے ہیں اس کا کرنے والا ثواب پاتا ہے، نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا۔

وضو میں چند امور سنت موکدہ ہیں، ان میں سے ایک تسمیہ (بسم اللہ کہنا) ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تسمیہ کے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں "بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ"

وضو بجالانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو تین بار دھولینا سنت ہے۔ اسی طرح تین تین بار لگتی کرنا اور تین بار ناک میں پانی پہنچانا بھی سنت موکدہ ہے۔

ہاتھ پیر کی انگلیوں کی گھائیوں میں خلال کرنا بھی سنت موکدہ ہے۔ اعضاء وضو میں سے ہر عضو پر ایک بار پوری طرح پہنچانا تو فرض ہے، دوسری اور تیسری بار دھونا

سنت موکدہ ہے۔

سر کے چوتھائی حصے کا مسح تو فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت موکدہ ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے انگلیوں کے سرے ملا کر اگلے حصے سے مسح کرتے ہوئے پیچھے گردن تک لے جایا جائے تاکہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔

دونوں کانوں کا مسح کرنا بایں طور کہ کان کے بیرونی حصے کا مسح انگوٹھے کے اندرونی حصے سے اور داخلی حصے کا مسح کھلے کی انگلی سے کیا جائے۔

نیت وضو کرنے کی ہونا حنیفیوں کے نزدیک سنت، شافعی اور مالکی فقہاء کے نزدیک فرض اور حنبلی فقہاء کے نزدیک شرط ہے۔ نیت کا تعلق دل سے ہے اور نیت کا وقت وہ ہے جب منہ دھویا جائے اگر نیت کے الفاظ منہ سے ادا کئے جائیں تو یہ مستحب ہے جیسے نَوَيْتُ أَنْ اتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ تَقَرُّبًا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى (میں وضو کرنے کی نیت کرتا ہوں نماز کے لئے تاکہ قرب الہی حاصل ہو) یا نَوَيْتُ رَفْعَ الْحَدَاثِ (ناپاکی دور ہونے کی نیت کرتا ہوں) یا نَوَيْتُ الطَّهَارَةَ (پاک ہونے کی غرض سے وضو کی نیت کرتا ہوں) یا نَوَيْتُ اسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ (نماز واپہونے کے لئے وضو کی نیت کرتا ہوں)

اسی ترتیب سے وضو کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یعنی چہرہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں تک پھر سر کا مسح کرنا اور آخر میں دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا سنت موکدہ میں سے ہے۔ اعمال وضو میں تسلسل سے کام لینا جسے موالات کہتے ہیں یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ پہلے دھویا ہوا عضو خشک ہو جائے یہ بھی حنیفیوں کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

سنت موکدہ میں سے مسواک کرنا ہے۔ کسی بھی کڑوے درخت کی مسواک منہ کو خوشبودار کرنے کے لئے مفید ہے، اس سے مسوڑھے اور دانت صاف ہوتے ہیں، معدہ قوی ہوتا ہے، دانت کی جھریوں کا میل کچیل معدے میں نہیں جا پاتا۔ مستحب طریقہ مسواک کرنے کا یہ ہے کہ اس کو دائیں ہاتھ میں اس طرح پکڑیں کہ انگوٹھا سرے پر مسواک کے نیچے اور چھنگلیا آخر میں نیچے کی جانب رہے، باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔ کلی کرتے وقت مسواک کرنا چاہیے

لیٹے لیٹے مسواک کرنا مکروہ ہے۔

وضو کے مندوب و مستحبات غیر مؤکدہ سنتوں میں بہت سی وہ باتیں ہیں جن کو بعض ائمہ فقہ مندوبات، مستحبات، تطوع اور فضیلت میں شمار کرتے ہیں، مثلاً مرد اگر ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہو تو وضو کرتے وقت اسے ہلائے جلائے تاکہ پانی پہنچ جائے۔ یہ باتیں بھی وضو کے مندوبات میں ہیں۔

وضو کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا اور پاک جگہ پر وضو کرنا اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا، دائیں کو بائیں پر مقدم رکھنا، کان کے سوراخ میں تر چھنگلیا پھر انا۔ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی کو بائیں پر مقدم رکھنا۔ کان کے سوراخ میں تر چھنگلیا پھر انا۔ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا۔ پہلے پانی کے بیان میں اس کے مکروہ ہونے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوران وضو میں بے ضرورت کوئی بات نہ کرنا۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ والحمد للہ علی دین الاسلام کہنا اور کلمہ شہادت پڑھنا اور حسب ذیل دعائیں پڑھنا:

کُلِّیْ كَے وقت :- **اللَّهُمَّ اَعِنِّي عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحَسَنِ عِبَادَتِكَ**
 ناک میں پانی پہنچاتے وقت :- **اللَّهُمَّ اَرِحْنِي رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِي رَائِحَةَ النَّارِ**
 چہرہ دھوتے وقت :- **اللَّهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِي يَوْمَ تَبْيِضُ وُجُوهٌُ وَتَسْوَدُ وُجُوهٌُ**
 دایاں ہاتھ دھوتے وقت :- **اللَّهُمَّ اَعْطِنِي كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ وَحَاسِبِيْ حِسَابًا لِّسِيْرًا**
 بائیں ہاتھ دھوتے وقت :- **اللَّهُمَّ لَا تُعْطِنِي كِتَابِيْ بِيَسَارِيْ وَلَا مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ**
 سر کا مسح کرتے وقت :- **اللَّهُمَّ اَظْلِنِي تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ**
 کانوں کا مسح کرتے وقت :- **اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهُ**
 گردن کا مسح کرتے وقت :- **اللَّهُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ**
 دایاں پاؤں دھوتے وقت :- **اللَّهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِيْ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَنْزِلُ الْاَقْدَامُ**
 بائیں پاؤں دھوتے وقت :- **اللَّهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَسَعْيِيْ مَشْكُوْرًا وَتَجَارِقِيْ اَنْ تَبُوْرِيْ**
 وضو سے فارغ ہونے کے بعد سورہ قدر کا تین بار پڑھنا اور وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہو کر یہ کہنا :-
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ۔

نیامُن یعنی افعال و وضو کا دائیں ہاتھ سے اور دائیں جانب سے شروع کرنا عام طور پر فقہ کی کتابوں میں مستحب لکھا ہے، لیکن ملا علی قاری نے اس کو سنت قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں فالاصح انه سنة لمواظبته عليه الصلوة والسلام ولقوله اذا توضأتم فابدؤا بيمينكم رواه ابو داؤد وابن ماجه وابن خزيمة وابن حبان (یعنی زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ آنحضرت ہمیشہ دائیں طرف سے ابتدا کرتے تھے اور آپ کا ارشاد ہے کہ جب تم لوگ وضو کرو تو اپنی دائیں طرف سے شروع کرو)

وضو کی مکروہات کراہت کی دو قسمیں ہیں کراہت تنزیہی اور کراہت تحریمی۔ مکروہ تحریمی یہ ہے کہ سنت موکدہ میں سے کسی سنت کو یا امر واجب کو جو فرض سے کم ہے ترک کرنا اور مکروہ تنزیہی یہ ہے کہ مندوب مستحب امور میں سے کوئی امر ترک کر دیا جائے جس کے نہ کرنے سے عذاب تو نہیں ہوگا لیکن کرنے میں ثواب ہے۔ مثلاً چہرہ دھوتے وقت پانی کا چھینٹا زور سے مارنا کہ اس کی چھینٹیں اڑیں، یا بائیں ہاتھ سے ناک میں پانی پہنچا کر دائیں ہاتھ سے صاف کرنا، سر یا کان کا مسح تین تین بار پانی لے کر کرنا، وضو کا کوئی برتن مخصوص کر لینا کہ اس کے سوا کسی اور برتن سے وضو نہ کیا جائے، گندی جگہ پر وضو کا پانی گرانا، اتنا وضو نہ کرنا کہ اس سے زیادہ خرچ کرنا، یہ جب کہ وضو کرنے والا وضو کے پانی کا مالک ہو۔ لیکن اگر وہ پانی وضو کے لئے وقف کیا گیا ہو تو اس کا اسراف مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے بشرطیکہ وہ پانی کسی حوض میں نہ ہو۔ روزہ دار کا کلی میں مبالغہ کرنا یا ناک میں زور سے پانی کھینچنا بھی مکروہ ہے۔

نواقض وضو جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انہیں نواقض وضو کہتے ہیں نواقض کسی چیز کو فاسد یا خراب کرنے کو کہتے ہیں۔ نواقض وضو چند اقسام کے ہیں:

۱۔ انسان کے آگے یا پیچھے (یعنی پشت یا پاخانے کے مقامات) سے کوئی چیز خارج ہونا، عادت انسانی کے مطابق جیسے پاخانہ، پشت یا ریح یا غیر مطابق جیسے کچھو،

کیڑا یا اور کوئی چیز۔

۲۔ وہ امور جو ان مقامات سے کسی چیز کو نکلانے کا موجب ہوں۔ مثلاً عفتل کا جاتا رہنا، شہوت کے ساتھ کسی عورت یا کسی عورت جیسے مرد کو چھونا۔ عضو مخصوص اور دوسرے حساس اعضا کو مس کرنا جبکہ کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو۔

۳۔ جسم کی کسی اور جگہ سے کوئی چیز خارج ہونا جیسے خون اور پیپ (بلغم یا تھوک جو بالعموم ہر انسان کے منہ سے خارج ہوتا رہتا ہے یا نزلے کا پانی اور آنکھ سے آنسو تو یہ چیزیں ناقض وضو نہیں ہیں)

آگے سے خارج ہونے والی چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن غسل واجب نہیں ہوتا پیشاب، مذی اور ودی ہیں۔ مذی ایک رقیق مادہ ہے جس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے اور شہوانی احساس کے ساتھ خارج ہوتا ہے لیکن وہ مادہ تلبید نہیں ہوتا جو لذت کے ساتھ خارج ہوتا ہے اور غسل کو واجب کر دیتا ہے، اور ودی سفید رنگ کا گاڑھا مادہ ہے جو پیشاب کرنے کے بعد اکثر نکل آتا ہے، عورتوں کو بھی ولادت سے پہلے یہ صورت پیش آجاتی ہے۔ یہ چیزیں آگے کے راستے سے ہی خارج ہوتی ہیں ان کے خارج ہوتے ہی وضو باقی نہیں رہتا۔

بیچھے سے خارج ہونے والی چیزوں میں پاخانہ اور ریاح ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کے ناقض وضو ہونے کی بابت اجماع ہے، ان دونوں راستوں سے غیر عادی طور پر خارج ہونے والی چیزوں میں کچھ لہو پیپ، یا کیڑا یا کنکری ہے تو ان چیزوں کے نکلنے سے بھی وضو قائم نہیں رہے گا۔

ان دونوں راستوں سے خارج ہونے کے علاوہ جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ چار ہیں:-

۱۔ وضو کرنے والے کی عفتل جاتی رہے خواہ جنون سے، مرگی سے، بے ہوشی سے، نشہ آور چیز پینے یا کھانے سے اور نیند سے۔ نیند بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ اس لئے کہ اس حالت میں وضو توڑنے والی بات لاحق ہو سکتی ہے اور یہ تین حالتوں میں ہوتا ہے:

پیٹھ کے سہارے چت لیٹ کر، یا پیٹھ کسی چیز سے ٹیک لگا کر سو جانے سے یا کوہوں میں سے کسی کو لہے پر سہارا کر کے سونے سے لیکن اگر بیٹھا رہا اور کو لہے جگہ سے نہیں ہٹے تو وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح کھڑے کھڑے یا رکوع کی حالت میں یا سجدے میں سر رکھنے کی حالت میں اگر نیند آگئی تو بھی وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ ان حالات میں انسان اپنے کو سنبھالے ہوئے ہوتا ہے، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

ان الوضوء لا یجب الا من سونے سے وضو اسی حالت میں واجب

نام مصطبعا فانہ اذا اضطجع ہوتا ہے جب کوئی لیٹ کر سو جائے

استرخت مفاصلہ (ابوداؤد ترمذی) کیونکہ لیٹنے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اضطجاع دو طرح کا ہوتا ہے پیٹھ کے بل چت لیٹ کر یا کوہوں کے بل کروٹ سے لیٹ

کر۔ بیٹھے ہوئے یا سجدے میں اگر گہری نیند آگئی تو بھی وضو ٹوٹ گیا۔

۲۔ شہوت انگیز وجود کو چھونا۔ فقہاء کی اصطلاح میں لفظ مس بھی آیا ہے اور لمس بھی مس ہاتھ سے

چھونے کو اور لمس دو جسموں کے اعضا باہم مل جانے کو کہتے ہیں۔ عام بات یہ ہے کہ انسان

خود اپنے اعضائے بدن کو چھوئے تو اس میں استدلال کا خیال نہیں ہوتا لیکن بعض ایسی

احادیث ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگائے (غالباً لذت حاصل کرنے

کے لئے) تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ

فَلْيَتَوَضَّأْ۔

چاہیے کہ وضو کر لے۔

علاوہ امام ابو حنیفہ کے باقی تینوں امام اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں

کہ عضو مخصوص کو مطلقاً ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ امام اعظم کو اس سے اختلاف

ہے، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو ابن ماجہ کے سوا دوسرے محدثین نے

روایت کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں حکم معلوم

کیا گیا جو نماز کے دوران اپنے جنسی عضو کو ہاتھ لگائے۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا:

هل هو الا بضعة منك (وہ بھی تمہارے جسم کا ایک حصہ ہونے کے سوا اور کیا ہے

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں جو روایات آئی ہیں ان میں یہ روایات سب سے زیادہ حسن ہے۔ یہ بات قرین عقل ہے کہ اگر کھجلی وغیرہ ہونے سے کوئی شخص بے اختیار ہاتھ لگائے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے جسم کے کسی حصے کو بھی ان چھوٹے کیونکہ مقصود استلذاذ نہیں بلکہ وقتی تکلیف کو رفع کرنا ہے۔ یہ اس حالت کا ذکر ہے جب ایک شخص خود اپنے عضو کو چھوئے، یا دوسرے شخص کے عضو کو چھونا تو وہ لاس کہلائے گا اس کا حکم آگے بیان ہو رہا ہے۔

۳۔ مرد کا عورت کو بلا واسطہ شہوت کے ساتھ چھونا الایہ کہ دونوں بالغ ہوں۔ اگر لاس بالغ ہے اور ملموس یا بالغ تو لاس کا وضو ٹوٹ جائے گا ملموس کا نہیں، عورت کے اجزائے بدن میں سے بال دانت ناخون مستثنیٰ ہیں ان کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح محرم کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ محرم وہ ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے خواہ نسب سے یا دودھ یا نکاح کے رشتے سے۔ بیوی کی بہن، بھوپھی یا خالہ وغیرہ جو عارضی محرم ہوتی ہیں ان کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ جس طرح مرد کا عورت کو ہاتھ لگانے کا حکم ہے اسی طرح عورت کا مرد کو ہاتھ لگانے کا حکم ہے۔ مرد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یا عورت عورت کو چھوئے، یا محنت محنت کو چھوئے تو یہ چھونا ناقض وضو نہیں ہے، لمس میں منہ چومنا داخل ہے لیکن یہ اسی وقت ناقض وضو ہے جب محض لذت کی خاطر ہو۔ رخصتی کے وقت یا ازراہ شفقت و اظہار خلوص و عقیدت سے چومنا وضو کو نہیں توڑتا۔ اگر مس نہیں کیا بلکہ خیال کرنے یا دیکھنے سے استادگی ہو کر مذی خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

۴۔ دونوں راستوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے خارج ہونے والی چیزوں سے وضو جاتا رہتا ہے مثلاً قے ہو جانا۔ بھوڑے سے پیپ نکلنا۔ زخم وغیرہ سے خون بہنا، یہ سب نجس چیزیں ہیں، ان کے نکلنے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ جنہلی فقہاء کے نزدیک ان نکلنے والی چیزوں کی مقدار زیادہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا

جہالت زدہ لوگ جو مغلوب الغضب ہو کر کلمات کفر کہنے لگتے ہیں اور دین سے مرتد ہونے والے الفاظ بول دیتے ہیں ایسے اشخاص با وضو ہوں تو ان کا وضو جاتا رہتا ہے۔

حنفی فقہاء کے نزدیک نماز میں آواز کے ساتھ ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ ہنسی ایسی ہو کہ صرف خود کو سنائی دے لیکن پاس کا آدمی نہ سن سکے تو وضو نہیں جاتا مگر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کسی بڑے جانور (مثلاً اونٹ وغیرہ) کا گوشت کھانے اور میت کو نہلانے سے وضو نہیں جاتا۔ حنبلی فقہاء کو اس سے اختلاف ہے۔ حدت لاحق ہونے میں اگر شبہ ہو جائے تو محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ اسے یہ یاد ہو کہ وہ پہلے با وضو تھا۔

اوپر جو مسائل بیان ہوئے وہ اُس نجاست حکمی کو دور کرنے سے متعلق تھے جو حدت اصغر سے لاحق ہوتی ہے، حدت اکبر سے لاحق ہونے والی نجاست دور کرنے کا طریقہ اسلامی شریعت میں غسل کرنا ہے کیونکہ یہ وہ کیفیت ہے جس سے سارا جسم متکیف ہوتا ہے۔

غسل کے معنی اور تعریف لغت میں غسل اس عمل کو کہتے ہیں جو بدن پر پانی بہانے اور اُسے مل کر دھونے کی صورت میں کیا جائے۔ (غسل وہ چیز جس سے کسی چیز کو دھویا جائے جیسے صابون وغیرہ اور غسل وہ پانی جو دھونے میں استعمال کیا جائے) شرع کی اصطلاح میں اس سے مراد آبِ طہور کا تمام بدن پر ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ تمام بدن کے فقرے سے وضو کا عمل خارج ہو گیا کیونکہ اُس میں پانی کا استعمال بدن کے چند اعضا پر ہوتا ہے۔

موجباتِ غسل غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگر مرد کے عضو جنسی کا سرا (جسے سپاری بھی کہتے ہیں) عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو (شرم گاہ پیشاب کی جگہ اور پاخانے کی جگہ دونوں کو کہتے ہیں) تو سپاری کے داخل ہوتے ہی غسل واجب ہوتا ہے خواہ مادہ تولید وغیرہ خارج ہو یا نہ خارج ہو۔ حکم یہ ہے کہ جب مرد کے ختنے کی جگہ دوسرے کی شرم گاہ کے اندر داخل ہو جائے تب غسل واجب ہوتا ہے، یہی مطلب ہے اس ارشاد کا اذاللتقی الختانان فقد وجب الغسل۔ فقہائے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ داخل کرنے اور کرانے والے جماع کے قابل ہوں یعنی بالغ ہوں اور درمیان میں ایسی کوئی دینر شے مائل نہ ہو جس سے داخل ہونے والی چیز کی گرمی محسوس نہ ہو تو دونوں پر غسل واجب

ہو جائے گا، لہذا اگر دونوں میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ مثلاً اگر عورت بالغ ہو اور دس سال کا لڑکا یہ عمل کرے تو عورت پر غسل واجب ہوگا لڑکے پر نہیں ہوگا۔ لیکن اسے بھی غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس پر فرض نہیں ہوتی۔ نابالغ لڑکی کا بھی یہی حکم ہے جو نابالغ لڑکے کا ہے۔

۲۔ غسل واجب ہو جاتا ہے اگر مرد یا عورت کی منی (وہ مادہ جسے مادہ تولید کہتے ہیں) خارج ہو۔ انزال منی نام ہے مادہ تولید کے حرکت کرنے کا اس کی دو حالتیں ہیں۔ انزال عالم بیداری میں ہو خواہ مجامعت کرنے سے یا چھڑچھاڑ کرنے، چٹنے اور بوسہ لینے وغیرہ کسی عمل سے۔ لذت کے ساتھ انزال ہو جائے تو غسل واجب ہوگا، دوسری حالت خواب میں انزال ہونے کی ہے، اس کو احتلام کہتے ہیں۔ اگر بیدار ہونے کے بعد انزال کی لذت یاد نہ آئی لیکن اس نے کپڑے یا عضو مخصوص پر تری پائی تو بھی غسل واجب ہے اگرچہ یہ شبہ ہو کہ منی ہے یا مندی ہے لیکن اگر یہ یقین ہو جائے کہ وہ تری منی کی نہیں ہے تو غسل واجب نہ ہوگا۔ مرد نے بیوی سے جماع کیا پھر پیشاب کئے بغیر یا مزید انتظار کئے ہوئے غسل جنابت کر لیا اور غسل کے بعد باقی منی خارج ہو گئی تو دوبارہ غسل کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر پیشاب کر لیا تھا اور چلا پھرا تھا اور منی نکل جانے کا انتظار کر کے نہایا تھا تو دوبارہ غسل واجب نہیں ہے۔

اس باب میں عورت کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر جماع کے بعد غسل کر لیا اور پھر منی خارج ہوئی تو دیکھنا چاہیے کہ نہانے سے پہلے انزال ہوا تھا یا نہیں، اگر نہیں ہوا تھا تو دوبارہ غسل واجب نہیں کیونکہ غسل کے بعد جو چیز نکلی وہ صرف مرد کی تھی۔ لیکن اگر اُسے انزال ہوا تھا تو ضرور اُس کا پانی مرد کے پانی سے مل گیا تھا اور اب جو کچھ نکلا ہے اس میں اُس کی منی بھی شامل ہے اس لئے دوبارہ غسل واجب ہے۔

۳۔ عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے حیض یا نفاس کا خون آنے کے بعد حیض اور نفاس کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی، یہاں موجبات غسل کا ذکر مقصود ہے تو جس عورت کو حیض یا نفاس کا خون آئے اُس کے بند ہوتے ہی غسل کرنا واجب ہے، اگر بچہ خون

آئے بغیر ہی پیدا ہو جائے تو اس کی ولادت ہی کو نفاس تصور کیا جائے گا، ایسی عورت کو بچے کی ولادت کے بعد غسل کر لینا واجب ہے۔

۴۔ غسل واجب ہو جاتا ہے اُس مسلمان مرد و عورت پر جو وفات پا جائے سوائے اس صورت کے جب کہ وہ شہید ہوا ہو۔ شہید کو غسل دینا واجب نہیں ہے، شہید کی تعریف اور اُس کے متعلق مسائل جنازے کے باب میں آگے آئیں گے۔

۵۔ اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اُس پر غسل واجب ہے کیونکہ کفر اور شرک بذات خود نجاست ہے لیکن اگر موحد ہو (جیسے عیسائی یا یہودی) اور حالت جنابت میں نہ ہو اور مسلمان ہو جائے تو غسل واجب نہیں ہے صرف مستحب ہے۔

غسل کی شرطیں وضو واجب ہونے کی جو شرطیں بیان کی جا چکی ہیں وہی غسل کے لئے ہیں بجز چند باتوں کے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ وضو کی ایک شرط مسلمان ہونا ہے غسل میں یہ شرط اُس وقت ضروری نہیں جب کسی مسلمان کی بیوی کتابیہ ہو، تو کتابیہ بیوی حیض و نفاس سے فارغ ہو کر جب تک غسل نہ کر لے مسلمان شوہر کو اس کے پاس جانا حلال نہیں ہے بخلاف مسلمان بیوی کے جو اگر حیض و نفاس سے فارغ ہو کر نہ نہائی ہو تب بھی حیض میں دس دن کے بعد اور نفاس میں چالیس دن کے بعد جانا حلال ہے البتہ اگر اس سے کم عرصوں میں خون بند ہو گیا تو شوہر کے لئے بیوی کے پاس جانا حلال نہ ہوگا جب تک وہ غسل نہ کر لے۔

۲۔ وضو کے لئے پہلے استنجا کر لینا ضروری ہے اگر پیشاب وغیرہ کیا ہو لیکن غسل جنابت سے پہلے پانی یا ڈھیلے سے استنجا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ ”حالت جنون میں وضو کرنا صحیح وضو نہیں تصور ہوتا ہے بخلاف غسل کے اگر کسی دیوانی عورت کو حیض آیا اور پھر جب اس نے غسل کیا تو بھی جنون کی حالت تھی تو غسل صحیح ہوگا۔ شوہر کو اس کے پاس جانا حلال ہے۔“

غسل کے فرائض امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل میں صرف ایک بات فرض ہے اور وہ ہے تمام جسم پر پانی پہنچانا، منہ اور ناک جسم میں داخل

ہیں، انہیں اسی طرح دھونا چاہیے جیسے وضو میں واجب ہے، اسی طرح بالوں کے درمیان پانی پہنچانا ضروری ہے۔

امام شافعی غسل کے فرائض دو فرماتے ہیں (۱) غسل کی نیت اور (۲) تمام بدن پر پانی پہنچانا۔ غسل میں سب سے پہلے جس عضو کو دھویا جائے اُس کے ساتھ ہی غسل کی نیت ہونا چاہیے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غسل کے تین فرض فرماتے ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) تمام بدن کو پانی سے دھونا۔

امام مالکؒ کے نزدیک غسل کے پانچ فرائض ہیں (۱) نیت کرنا (۲) تمام جسم پر پانی ڈالنا۔ (۳) جسم کے ہر عضو کو پانی ڈالنے کے ساتھ ملتے جانا (۴) اعضاء کو یکے بعد دیگرے جلدی جلدی دھونا (۵) بالوں میں پانی کے ساتھ خلال کرنا۔

تمام ائمہ اس امر میں متفق ہیں کہ پانی تمام بدن پر پہنچانا فرض ہے اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ ناف کا گڑھا اور کان میں جو گڑھے ہوتے ہیں سب میں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو پہنچانا ضروری ہے، اس پر بھی سب متفق ہیں کہ جسم کے کسی حصے میں سوراخ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ نلکی یا سلانی سے پانی پہنچایا جائے۔ اس امر میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ بال اگر چھدرے ہوں تو خلال کر کے پانی جلد تک پہنچانا چاہیے نیز وہ چیزیں جو پانی کو جلد تک پہنچانے میں مانع ہوں انہیں ہٹا دینا چاہیے۔ مثلاً آٹا اور موم۔ انگوٹھی یا چھلا اگر انگلی میں ایسا تنگ ہو کہ اُس کے نیچے سے پانی نہ گزر سکے تو اُسے پانی ڈالتے وقت ہلانا چاہیے، گندھے ہوئے بالوں کے لئے علماء فقہ کے ارشادات یہ ہیں :-

حنفی فقہاء چوٹی کھولنے کو واجب نہیں کہتے البتہ بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہے جو بالوں کو ہلکا کر ان کے اندر داخل کیا جاسکتا ہے۔ سر پر غورتیں ایسا مسالہ لگا لیتی ہیں جو پانی کو جڑوں تک پہنچنے میں مانع ہوتا ہے، نہاتے وقت اُسے دور کرنا واجب ہے سوائے مالکی فقہاء کے تمام دوسرے فقہاء اس بارے میں متفق ہیں۔ مالکی فقہاء لہنوں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ مسالہ اور سنگار کی اشیاء نہاتے وقت بھی لگی رہنے دیں۔ شافعی فقہاء کا قول یہ ہے کہ اگر

بغیر چوٹی کھولے پانی اندر تک نہ پہنچ سکے تو اسے کھول دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک مردوں کے بال اگر گندھے ہوئے ہوں تو کھول دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ عورتوں کے لئے غسل جنابت میں چوٹی کھولنا واجب نہیں ہے۔ حیض و نفاس کے غسل میں واجب ہے۔

غسل کی سنتیں فقہائے احناف حسب ذیل امور کو غسل کی سنتوں میں شمار کرتے ہیں۔

۱۔ دل میں نیت کر کے غسل شروع کرنا کہ غسل جنابت یا کوئی اور غسل

جس کا ارادہ ہو اس کی نیت کرتا ہوں۔

۲۔ غسل کا آغاز تسمیہ (بسم اللہ کہنے) سے کرنا۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک تین بار دھونا۔

۴۔ جہاں کہیں کوئی نجاست لگی ہو پہلے اسے دھو ڈالنا اور پاخانے پیشاب کے مقامات کو

دھونا خواہ نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

۵۔ غسل سے پہلے وضو کرنا جس طرح نماز کا وضو ہوتا ہے لیکن اگر کھڑاؤں وغیرہ نہ ہو تو پیر

کو بعد میں دھویا جاسکتا ہے۔

۶۔ غسل کا آغاز پہلے تین بار سرد ہونے سے کرنا۔ پہلی بار دھونا فرض ہے باقی دو بار سنت ہے۔

۷۔ جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے بدن کو ملنا اور ہر جانب تین تین بار دھونا۔

۸۔ تیامسن یعنی دھونے میں دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم رکھنا۔

۹۔ موالات یعنی اعضائے غسل کو تسلسل کے ساتھ دھونا کہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

۱۰۔ غسل میں اس ترتیب کا لحاظ رکھنا جو اوپر مذکور ہیں۔

غسل کے مستحبات وہ تمام باتیں جو وضو میں مستحب ہیں غسل میں بھی مستحب ہیں بجز دعائے ماثورہ کے۔ منجملہ مستحب باتوں کے ستر کو ڈھکا رکھنا

اور بالوں اور انگلیوں میں خدال کرنا ہے اور ایسی جگہ نہانا جو پاک ہو اور جہاں پانی کے چھینٹے

اڑ کر نہ پڑیں۔

غسل کے مکروہات غسل کی سنتوں میں سے کسی سنت کو ترک کر دینا مکروہ ہے۔
 اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ غسل کرنے کے سلسلہ میں تھا اور غسل کے
 موجبات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں جن سے غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔
 غسل مننون وہ غسل جو فرض نہیں مگر سنت ہے چار ہیں۔
 ۱۔ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا۔

۲۔ عیدین کی نماز کے لئے غسل کرنا۔

۳۔ حج یا عمرے کا احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا۔

۴۔ عرفات میں قیام کے لئے غسل کرنا۔

حالات جنابت سے متعلق احکام کوئی ایسا شرعی کام جو بغیر وضو کے نہیں کیا جاسکتا
 حالت جنابت میں غسل کرنے سے پہلے اس کا کرنا

حرام ہے۔ ایسی حالت میں نماز پڑھنا۔ قرآن شریف پڑھنا حرام ہے، اس کو چھونا بدرجہ اولیٰ
 حرام ہے کیونکہ پاک شخص کو بھی بغیر وضو قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے
 متعلق بھی یہی حکم ہے اگرچہ بغیر وضو کے داخل ہونا منع نہیں ہے۔ حیض و نفاس والی عورت
 جب تک غسل نہ کر لے جنابت کی حالت میں ہوتی ہے اور اس پر بھی یہی احکام عائد ہوتے
 ہیں، اس حالت میں اس سے مباشرت کرنا مرد کے لئے حلال نہیں ہے۔ جو شخص حالت جنابت
 میں ہو (مرد یا عورت) اسے زبان سے بھی تلاوت نہ کرنا چاہیے، اگرچہ بے وضو کے زبانی پڑھنے
 کی اجازت ہے۔ شارع نے حالت جنابت میں کسی قدر قرآن پڑھنے اور مسجد میں جانے کی
 اجازت بعض مخصوص صورتوں میں دی ہے اور وہ یہ ہیں:

اگر کھانا کھاتے وقت بسم اللہ کہہ لے یا سبحان اللہ، الحمد للہ کسی اچھی بات پر کہے تو
 اس کی اجازت ہے یا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی دلیل کے طور پر ایک یا آدھی آیت کا
 حوالہ دینا پڑے تو بھی جائز ہے، ان کے علاوہ کسی اور صورت میں قرآن شریف کا کچھ بھی پڑھنا
 حالت جنابت میں حلال نہیں ہے۔ اسی طرح بلا ضرورت مسجد میں داخل ہونا بھی حالت جنابت
 میں حلال نہیں ہے۔

ضرورت کا تعین حالات پر موقوف ہو گا مثلاً مسجد کے سوا کہیں سے غسل کا پانی نہ مل سکتا ہو یا کسی خطرے کے خوف سے مسجد میں داخل ہونا پڑے تو ایسی حالت میں لازم ہے کہ تیمم کر لیا جائے لیکن اس تیمم سے قرآن پڑھنا یا نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

حیض کے متعلقہ مسائل لغت میں حیض کے معنی بہنے کے ہیں، "حاض الوادی" کے معنی ہیں وادی بہنے لگی اور حاضت الشجرۃ اس وقت کہتے ہیں جب درخت سے سرخ رنگ کا گوند نکلے اسی طرح جب عورت کو حیض کا خون پیشاب گاہ سے آئے تو کہا جاتا ہے "حاضت المرأة"

دم حیض اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کی شرمگاہ سے از خود (قدرتی طور پر) اس عمر میں نکلتا ہے جب اس میں استقرار حمل کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ مالکی فقہاء کے نزدیک یہ تین رنگوں کا ہو سکتا ہے بالکل زرد یا سرخ یا مٹیالا۔ اس تعریف سے واضح ہو گیا کہ جو خون از خود نہ نکلے بلکہ کسی سبب سے نکلے وہ دم حیض نہ ہو گا، اسی طرح اگر بہت چھوٹی عمر میں نکلے یا ایسی عمر میں نکلے جب ماہواری خون کا آنا بند ہو چکا ہو تو وہ بھی دم حیض نہیں ہو سکتا

حیض کی مدت وہ عرصہ جس کے دوران عورت حائضہ منصور ہوتی ہے، حنفی فقہاء کے نزدیک اُس کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس رات دن ہے، ہر عورت کے یہ ایام اُس کی عادت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً اگر کسی کو ایام حیض کی عادت تین دن سے بڑھ کر چار دن ہو جائے تو چوتھا دن بھی حیض میں شمار ہو گا اور یہی صورت دس دن کی مدت تک رہے گی۔ ایام عادت کا تحقق ایک ہی بار میں ہو جاتا ہے۔ اگر ایام حیض کی عادت چار دن ہے اور پانچویں دن بھی خون آگیا تو اب ایام عادت پانچ دن شمار ہوں گے البتہ اگر خون دس دن سے زیادہ تک رہا تو عورت مستحاضہ خیال کی جائے گی صرف عادت کے دنوں کو حیض کے دن شمار کیا جائے گا یعنی حیض کے ایام وہی ہوں گے جو عادت کے ہیں اور زیادہ دن جن میں خون آیا وہ استحاضہ ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ظہر کی مدت یعنی وہ زمانہ جس میں عورت کو حیض نہیں آتا کم سے کم پندرہ دن ہے بشرطیکہ دو حیضوں کے درمیان ہو، پاکی کی حالت (یعنی ظہر) کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے چنانچہ اگر حیض کا خون بند ہو گیا اور پھر نہ آیا تو اس عورت کو ظہر کی حالت میں شمار کیا جائے گا اگر کسی عورت کو حیض کا خون آیا اور تین دن کے بعد بند ہو گیا اور ۱۴ یوم تک بند رہا اور پھر خون آ گیا تو وہ حیض کا خون نہیں ہے البتہ اگر پندرہ دن گزرنے کے بعد حیض آیا تو یہ درمیانی عرصہ ظہر ہے۔

استحاضہ اور اس کی کیفیت حیض و نفاس کے علاوہ جو خون رحم سے خارج ہو اسے استحاضہ کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم مدت حیض سے ہٹ کر خون آئے یا حیض کی عمر (عام طور پر نو برس) سے پہلے خون آئے تو وہ استحاضہ ہے۔ ایام حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ لہذا دس دن کے بعد آنے والا خون بلاشبہ استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا۔ جو عورت معتادہ ہو (یعنی عادت) اسے تین چار دن حیض کا خون آتا ہو، تو حیض کا تعین عادت کے مطابق کر لیا جائے گا اور باقی دنوں کا خون استحاضہ شمار کیا جائے گا یہ اس صورت میں جبکہ اسے ایام عادت یعنی وقت اور مقدار یاد ہو لیکن اگر وہ متحیرہ ہے یعنی وقت و مقدار یاد نہیں مگر قومی وضعیف خون میں امتیاز کر سکتی ہے تو قومی خون حیض ہوگا اور وضعیف خون استحاضہ۔ وہ عورت جس کو پہلی بار اس سے سابقہ پیش آئے اور دس دن سے زیادہ خون جاری رہے تو ایام حیض دس دن ہی شمار ہوں گے مہینے کے باقی بیس دن ظہر کے اور آئندہ مہینوں میں بھی اسی طرح۔ نفاس کی صورت میں پہلے چالیس دن نفاس کے شمار ہوں گے پھر بیس دن ظہر کے اس کے بعد دس دن حیض کے۔ اور آئندہ مہینوں میں بھی اسی طرح (یعنی ۱۰ دن حیض کے اور ۲۰ ظہر کے) اس طرح زمانہ ظہر میں جو خون جاری رہا وہ استحاضہ کہلائے گا۔

استحاضہ والی عورت صاحب عذر ہے، استحاضے کی حالت میں ان امور کی ممانعت نہیں ہے جو حیض و نفاس کی حالت میں منع ہیں مثلاً قرآن شریف کا پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، کعبہ کا طواف کرنا بلکہ ان باتوں کا کرنا یا نماز ادا کرنا وضو پر منحصر ہے غسل پر نہیں۔

نفاس اور اُس کی کیفیت
 نفاس اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو پچھے کی پیدائش کے
 وقت یا اُس کے بعد آئے۔ پیدائش کی علامت یعنی
 درذره کے ساتھ جو خون خارج ہو جنسلی فقہاء اُسے بھی نفاس قرار دیتے ہیں جبکہ شافعی فقہاء
 اُس خون کو نفاس کہتے ہیں جو رحم سے ولادت سے فارغ ہونے کے بعد خارج ہو جنسلی فقہاء
 کے نزدیک نفاس وہ خون ہے جو پچھے کا بیشتر حصہ باہر آنے پر یا اُس کے پورے باہر آ جانے
 پر نکلے لیکن وہ خون جو پچھے کا کچھ حصہ نکلنے پر یا اس سے پہلے خارج ہو وہ مرض کا خون ہے نفاس
 کی حالت نہیں سمجھی جائے گی لہذا وہ سب کام کئے جاسکتے ہیں جو پاک عورتوں کے کرنے
 کے ہیں۔

ساقط شدہ حمل جس نے بعض اعضائے جسمانی کی شکل اختیار کر لی ہو بچہ تصور کیا
 جائے گا بلکہ لو تھڑے کی شکل جس کو دایاں آدمی کی بنیاد قرار دیں اُس کے خارج ہونے پر
 بھی اگر خون نکلا تو عورت نفاس والی سمجھی جائے گی۔ جڑواں بچوں کی پیدائش ہو تو نفاس
 کی مدت پہلے پچھے کی ولادت سے شروع ہوگی، اور دونوں کی ولادت کے درمیان کچھ وقفہ
 رہا تو دونوں بچوں کی ولادت کا خون یکجائی طور پر نفاس ہوگا۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر یہ
 وقفہ چالیس دن سے زیادہ مثلاً ساٹھ دن کا ہو تو دونوں بچوں کی پیدائش کا خون جدا گانہ
 مستقل نفاس ہے۔ نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، ایک لحظہ بھی ہو سکتی
 ہے اگر ولادت کے بعد ہی خون بند ہو گیا یا بالکل آیا ہی نہیں تو نفاس پورا ہو گیا اور عورت
 پر وہ تمام فرائض عائد ہوں گے جو پاکی کی حالت میں ہوتے ہیں لیکن خون آنے کی صورت
 میں نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن کی ہے۔

نقائے متخلل۔ نفاس کے خون آنے کے دوران خلا واقع ہونے کو کہتے ہیں مثلاً کسی دن
 خون آجائے اور کسی دن نہ آئے۔ جنسلی فقہاء کے نزدیک یہ خلا ایام نفاس میں شمار ہوگا۔ شافعی
 فقہاء کے نزدیک اگر خلا کی مدت پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہو تو وہ طہر ہے اور اس کے بعد
 جو خون آئے وہ نفاس نہیں بلکہ حیض ہے لیکن اگر یہ مدت پندرہ دن سے کم ہو تو تمام مدت
 نفاس ہے، یہی مسلک مالکی فقہاء کا بھی ہے، اُن کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت

کو جوڑ کر نکالا جائے گا یعنی جتنے دنوں خون آیا اُسے جمع کر کے پاکی کے دنوں کو گھٹا دیا جائے یہاں تک کہ ایام نفاس جو اُن کے نزدیک زیادہ سے زیادہ ساٹھ دن ہیں پورے ہو جائیں ایسی صورت میں خون بند رہنے کے ایام طہر شمار ہوں گے جن میں وہ تمام امور جو پاکی کی حالت میں واجب ہوتے (نماز روزہ وغیرہ) انجام دینا واجب سمجھے جائیں گے۔

حیض و نفاس والی عورتوں کا حکم حیض و نفاس کا خون بند ہونے کے بعد فوراً ہمارے نماز شروع کر دینا چاہیے۔ حیض و نفاس

کی حالت میں اُن تمام امور دینی کا انجام دینا حرام ہے جو حالت جنابت میں حرام ہیں جیسے نماز، قرآن شریف کو ہاتھ لگانا۔ قرآن کا پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، کعبے کا طواف کرنا، فرض یا نفل روزے کی نیت کرنا۔ اگر روزہ رکھا گیا تو وہ صحیح نہ ہوگا، نہ اس حالت میں اعتکاف صحیح ہے، ایام حیض و نفاس میں جو نمازیں فوت ہوئیں اُن کی قضا واجب نہیں لیکن رمضان شریف کے روزوں کی قضا واجب ہے یہ فرق اس لئے ہے کہ دینی امور کی بجا آوری میں دشواری نہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

مردوں کو شریعت نے حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت کی ہے جس کے مسائل طلاق کے بیان میں آئیں گے، مردوں کو عورتوں سے حیض و نفاس کی حالت میں مقاربت کرنا حرام ہے تا وقتیکہ خون بند نہ ہو جائے اور عورت غسل نہ کر لے۔ اگر کسی عورت کو غسل کرنے سے مجبوری ہو تو واجب ہے کہ پہلے تیمم کر لے۔ عورت کے لئے حلال نہیں کہ ایام حیض و نفاس میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ جسم سے شوہر کو استفادہ کا موقع دے اور نہ مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ بیوی کو اس پر مجبور کرے خواہ درمیان میں کوئی حائل ہی کیوں نہ موجود ہو (مثلاً فریج لیڈر وغیرہ) اس فعل کے مرتکب گنہگار ہوں گے۔ البتہ اس حصہ بدن کے علاوہ باقی تمام حصوں سے استفادہ جائز ہے۔

پانی سے طہارت حاصل کرتے وقت مسح کرنے کی اجازت وضو کے بیان میں نہر کا مسح

کرنے کی تفصیل آچکی ہے جو ہر وضو میں فرض ہے اور جس کی فرضیت قرآن کے الفاظ

”وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ“ سے ثابت ہے۔ شریعت نے سر کے علاوہ بعض خاص مواقع پر بھی مسح کرنے کی اجازت دی ہے جس میں سے زخم پر یا اس پر لپٹی ہوئی پٹی پر مسح کرنا اور خف (موزوں) پر مسح کرنا ہے۔ ان مسائل کو سمجھنے کے لئے مسح کی تعریف، جبیرہ (یعنی پٹی) کی تعریف اور خف کی تعریف جاننا ضروری ہے۔

۱۔ مسح کے معنی لغت میں کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں کسی خاص عضو یا اس پر بندھے ہوئے کپڑے پر معینہ وقت میں ہاتھ کو تر کر کے پھیرنا مراد ہوتا ہے ان شرائط کے مطابق جو آئندہ بیان کی جا رہی ہیں۔

۲۔ جبیرہ اس دھجی کو کہتے ہیں جو بدن کے کسی مریض عضو پر باندھی جائے یا دوا کا لپٹ جو اس عضو پر کیا جائے۔ جبیرہ کا اطلاق اسی صورت میں ہوگا جب پٹی بندھے ہوئے عضو کو کوئی مرض لاحق ہو خواہ زخم ہو یا شکستگی یا جوڑوں کا درد وغیرہ۔

۳۔ خف، وہ موزہ ہے جو دونوں پیروں میں ٹخنوں تک پہنا جائے خواہ چمڑے کا بنا ہو یا ہونے کا یا اون کا یا اور کسی سخت کپڑے (کینوس وغیرہ) کا۔ جو موزہ چمڑے کا نہیں ہوتا اسے جراب کہتے ہیں۔ جراب میں جب تک تین باتیں نہ ہوں اسے موزہ نہیں کہا جاسکتا (۱) دبیر ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے (۲) قدموں پر بغیر نسمہ باندھے قائم رہے (۳) ایسی شفاف چیز کی بنی نہ ہو کہ اس کے اندر سے پاؤں یا پاؤں پر لپٹی ہوئی چیز نظر آتی ہو۔ تو اگر کسی جراب میں یہ شرائط موجود ہوں تو اسے ایسا ہی موزہ سمجھا جائے گا جیسے چمڑے کا بنا ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ جراب اگر دبیراؤن کی ہو جس میں متذکرہ شروط پائی جائیں تو اسے موزہ قرار دیا جائے گا۔

جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم کسی مکلف انسان کے ایسے عضو پر جس کا دھونا وضو یا غسل میں ضروری ہے اگر کوئی دھجی بندھی ہوئی ہو

یا دوا لگی ہوئی ہو اور اس کا دھونا نقصان دہ یا موجب اذیت ہو تو اس پر مسح کر لینا فرض ہے۔ اگر دوا پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر دھجی لپیٹ پر مسح کر لیا جائے غرض اس مریض عضو پر مسح کر لینا اور اس کے ارد گرد کو پانی سے دھولینا ضروری ہے۔

جسیرہ پر مسح کے صحیح ہونے کی شرطیں پہلی شرط یہ ہے کہ متاثرہ عضو کا دھونا مضرت رسا ہو، اگر متاثرہ عضو پر دو الگی ہو اور پٹی نہ ہو

اور دو پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر کپڑے کی کترن اس طرح رکھی جائے کہ نقصان دہ نہ ہو! پھر اس پر مسح کر لیا جائے، دوسری شرط یہ ہے کہ پورے جسیرے پر مسح کیا جائے، یہ اس صورت میں جب جسیرہ صرف اسی جگہ ہو جو مرض سے متاثر ہے، اگر پٹی کی بندش مجبوراً مریض حصے سے آگے تک ہو تو ساری پٹی کا مسح واجب ہے، اگر متاثرہ جگہ وہ ہے جس پر وضو میں مسح ہی کیا جاتا ہے یعنی سر۔ تو اگر تمام سر میں زخم ہو اس کا حکم وہی ہے جو دھلنے والے اعضاء کا ہے یعنی اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر مسح واجب ہے، ضرر کا اندیشہ ہو تو پٹی پر مسح کر لینا چاہیے۔ اگر سر کے کچھ حصے پر مرض نہیں ہے اور اس حصے کی مقدار سر کے ایک چوتھائی کے برابر ہے تو اس حصے پر مسح کر لینا فرض ہے باقی جسیرے پر مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن امام مالک کے نزدیک پورے علمے یا ٹوپی پر ہاتھ پھیرنا بھی ضروری ہے۔

جسیرے کے مسح کو باطل کرنے والے امور پٹی اگر اپنی جگہ سے اتر جائے یا اگر جائے تو اس پر جو مسح کیا گیا تھا وہ باطل ہو جائے

گا۔ اگر زخم مندمل ہوئے بغیر ہی پٹی اتر گئی تو اسے پھر سے اس جگہ رکھ کر مسح کر لیا جائے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا قول یہی ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح باطل نہ ہو گا خواہ نماز کے اندر اترے یا باہر۔ اگر نماز پڑھنے میں زخم بھر جانے کی وجہ سے پٹی اتر جائے خواہ وہ قعدہ اخیرہ ہی کیوں نہ ہو تو نماز جاتی رہے گی اور اس جگہ کو جہاں پٹی بندھی تھی پاک کر لینے کے بعد نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

خُف (موزے) پر مسح جائز ہونے کی دلیل امام بخاری، مسلم اور دوسرے راویان احادیث صحیحہ نے اس باب میں جو

حدیثیں روایت کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں کا دھونا اس صورت میں فرض کیا ہے جبکہ موزہ نہ پہن رکھا ہو۔ اگر موزہ ہو تو دھونا فرض نہیں موزوں پر مسح کرنا فرض ہے۔ ان حدیثوں کے منجملہ وہ حدیث ہے جو بخاری نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت

کی ہے کہ آنحضرتؐ رفع حاجت کے لئے نکلے اور میں ایک چرمی ظرف میں پانی لے کر آپ کے پیچھے گیا، جب حضورؐ حاجت سے فارغ ہو گئے تو میں نے پانی ڈالا اور آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ دوسری حدیث میں حضرت مغیرہ کے یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے موزے اُتار دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”انھیں رہنے دو میں نے پاؤں پاک کر کے ان میں ڈالے تھے پھر آپ نے اُس کے اوپر مسح کر لیا۔“

خف پر مسح درست ہونے کی شرطیں (۱) موزوں نے پیروں کو ٹخنوں تک ڈھک لیا ہو، اگر موزہ اوپر سے کھلا ہوا ہے لیکن اُس میں گھنڈیاں یا کلپ ایسے لگے ہوں جن سے اُس کو بند کیا جاسکے تو بھی مسح درست ہے۔
۲۔ موزہ پھٹا ہوا نہ ہو جس سے پیر کا کچھ حصہ نظر آتا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کھٹی ہوئی جگہ تین چھوٹی انگلی سے زیادہ نہ ہو تو مسح کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔
۳۔ اُن کو پہن کر چلنا پھرنا اور قطع مسافت کرنا ممکن ہو۔ موزہ اتنا ڈھیلانہ ہو کہ چلتے ہیں پیر سے اُتر جائے۔

۴۔ موزہ پہننے والا شرعاً اُس موزے کو پہننے کا حق رکھتا ہو یعنی چوری کا یا ناجائز قبضہ کیا ہوا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے موزے کا پہننا تو صحیح نہیں ہے لیکن یہ بات مسح کے صحیح ہونے کے منافی بھی نہیں ہے۔

۵۔ موزوں کا پاک ہونا۔ نجاست آلود موزوں پر مسح صحیح نہیں۔ استنجاء کے بیان میں بتایا جاسکتا ہے کہ کس قدر نجاست معاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح کرنا صحیح ہے لیکن اگر وہ نجاست قابل درگزر نہیں ہے تو نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

۶۔ موزوں میں پیر طہارت کے بعد ڈالے گئے ہوں۔ یعنی موزے پہننے سے پہلے وضو پانی کے ساتھ کیا جا چکا ہو، تیمم کے بعد جو موزہ پہنا جائے اُس پر مسح صحیح نہیں ہے۔

۷۔ موزے کے تلے پر مسح جائز نہیں، اوپر کی طرف ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کیا جائے۔ ایک انگلی سے مسح درست نہ ہو گا۔ مسح کئے جانے والے حصے پر کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جو موزے پر بھیجا جائے پھیرنے میں مانع ہو۔

۸۔ اگر پاک پانی یا بارش کا پانی موزے کے مسح کئے جانے والے حصے پر بہہ گیا تو مسح کے لئے کافی ہے۔

موزوں پر مسح کا مستنون طریقہ
دائیں ہاتھ کی ترانگلیوں کو دائیں موزے کے اگلے حصہ پر اور بائیں ہاتھ کی ترانگلیوں کو بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو پتلی کی طرف ٹخنوں سے اوپر تک کھینچا جائے۔ انگلیاں کسی قدر کھلی رہیں۔

موزوں پر مسح کی میعاد مقیم شخص کے لئے ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات تک موزوں پر مسح کرنا صحیح ہے اس کے بعد پیروں کو دھونا ضروری ہے یہ میعاد اس وقت سے شروع ہوگی جب موزہ پہننے کے بعد پہلی بار حدث لاحق ہو۔

مسح کا مکروہ ہو جانا اگر موزے پر نجاست یا گندگی لگ گئی ہو تو مسح کرنا مکروہ ہے تا وقتیکہ موزے کو صاف یا نجاست کو دوزنہ کر لیا جائے اور پھر دوبارہ مسح کیا جائے۔

مسح باطل کرنے والے امور غسل واجب کرنے والی کوئی صورت لاحق ہو جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔ موزہ پیر سے اتر جائے یا اتنا پھٹ جائے کہ تین انگلیوں کے برابر شکاف نمایاں ہو جائے۔ یا مسح کی مدت گزر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔

تیمم کا بیان لغت میں تیمم کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں چنانچہ آیت لَا تَمَسُّوا
الْخَبِيثَاتِ مِنْهُ تَنْفِقُونَ کے معنی ہیں ”اس میں سے بُری چیز کو اچھے کام میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو“ شریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے ”طہارت کی نیت سے چہرے اور بازو پر پاک مٹی کے ساتھ ہاتھ پھینا“ یعنی پاک مٹی پر ہاتھ رکھا جائے پھر اس ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پاکی کی نیت سے پھیر لیا جائے۔

تیمم کا حکم اور اس کی مشروعیت کی حکمت
جب پانی دستیاب نہ ہوتا ہو، یا پانی کا استعمال
ضرر رساں ہو تو وضو اور غسل کی جگہ

تیمم کرنے کا حکم ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمْ عَلَىٰ الْمَاءِ فَغُتُّوا بِمَاءٍ مَّا وَجَدْتُمْ مِنْ طَيِّبٍ فَمَسحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا رفع حاجت کر کے آئے ہو یا عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو (مائدہ-۶)

پھر تمہیں (وضو یا غسل کے لئے) پانی نہ ہاتھ آئے تو تم پاک مٹی سے کام لو،

پس مٹی لگے ہاتھوں کو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لو۔ کیونکہ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ

(دین کے معاملے میں تم کو کوئی دشواری یا تنگی ہو۔)

جن صورتوں میں وضو یا غسل واجب ہوتا ہے اُن کا ذکر فرما کر پانی نہ ملنے یا اُس کے استعمال سے معذور ہونے کی حالت میں ادا کیے عبادت کے لئے تیمم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مصلحت بھی بیان فرمادی ہے یعنی عبادت کی بجا آوری میں تنگی اور زحمت سے محفوظ رکھنا، طہارت کی نیت سے مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ اور ہاتھوں پر پھیر لینا، اُس وقت تک وضو اور غسل کا قائم مقام ہے جب تک پانی استعمال کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو جائے، یہ مشروعیت سہولت کی بنا پر دی گئی ہے اور قلب میں پاکی کا احساس برقرار رکھنے کے لئے ہے۔

تیمم کی قسمیں
تیمم ہر اس بات کے لئے فرض ہے جس کے لئے وضو یا غسل فرض ہے، اسی طرح تیمم ہر اس کام کے لئے مستحب ہے جس کے لئے وضو مستحب

ہے۔ واضح ہو کہ لفظ صعبید مٹی اور زمین کے اجزاء دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاف ستھری ریت پتھر یا کنگریوں پر بھی تیمم کے لئے ہاتھ رکھا جاسکتا ہے۔

تیمم کی شرطیں
۱۔ ایک میل یا اس سے دور پانی نہ مل سکتا ہو۔

۲۔ پانی کا کنواں ہو لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان نہ ہو۔

۳۔ پانی کے پاس کوئی دشمن یا موذی جانور ہو جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۴۔ پانی کے استعمال سے مرض پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا کسی ایسی سواری

پرسفر کر رہا ہو جس سے اتر نہ سکتا ہو اور اس پر پانی موجود نہ ہو یا وضو کرنے کے لئے جگہ نہ ہو یا اندیشہ ہو کہ وضو کرنے کے لئے سواری سے اتریں گے تو وہ چھوٹ جائے گی۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن سے تیمم کا جو انہیں پیدا ہو جاتا ہے اور نماز کے وقت یا قرآن پڑھتے وقت طہار کی نیت کے ساتھ تیمم کرنا اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو (۱) بالغ ہو (۲) مٹی کے استعمال پر قادر ہو اور (۳) اس کو حدث (وضو توڑنے والا واقعہ) لاحق ہو گیا ہو۔ تیمم کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ اعضائے تیمم (یعنی منہ اور ہاتھوں) پر موم یا تیل وغیرہ لگانا نہ ہو۔ ہاتھ سے مسح کے لئے تین یا زیادہ انگلیوں سے کام لیا جائے پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح کیا جائے، دوران مسح کوئی امر منافی تیمم (جیسے حدث وغیرہ) لاحق نہ ہو۔ عورت کے لئے حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی صحت تیمم کے لئے ضروری ہے، اسی طرح پاک مٹی کا دستیاب ہونا بھی شرط ہے، اگر وہ موجود نہیں ہے تو نہ تیمم واجب ہو گا نہ صحیح۔

تیمم کرنے کے شرعی اسباب جن باتوں سے تیمم کا جواز ہوتا ہے وہ اوپر بیان کیے گئے ہیں، ان باتوں کے علاوہ پانی کا اتنا کم موجود ہونا جو طہارت کے لئے کافی نہ ہو یہ بھی شرعی سبب ہے۔ اسی طرح یہ سبب بھی تیمم کا جواز پیدا کر دیتا ہے اگر پانی موجود ہو لیکن پینے کے لئے اسے اٹھا رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کتا بھی پیسا ہو تو اس کے لئے پانی کو چھوڑ دینا اور تیمم کر لینا جائز ہے۔ پانی کی ٹھنڈک سے ڈر کر وضو کے بجائے تیمم کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر حدث اکبر لاحق ہو جائے اور نہانا واجب ہو اور ٹھنڈے پانی سے مضرت کا اندیشہ یقینی ہو جائے تو تیمم کر لینا درست ہے بشرطیکہ پانی کو گرم کر لینا ممکن نہ ہو۔

تیمم کے ارکان یا فرائض

- ۱۔ دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا یعنی طہور مٹی پر۔
- ۲۔ منہ اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اچھی طرح مسح کرنا۔
- ۳۔ نیت۔ مثلاً کسی فرض نماز کو ادا کرنے کے لئے تیمم کیا تو امام ابوحنیفہ کو چھوڑ کر دیگر ائمہ کے نزدیک اس سے صرف ایک فرض اور اس کے ساتھ کی سنتیں اور نقلیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ دوسری نماز فرض کیلئے پھر نیت کر کے تیمم کرنا ہوگا، نیت اس وقت کی جائے جب تیمم کے لئے مٹی پر ہاتھ رکھا جائے۔

ہاتھوں میں کنگن یا انگوٹھی ہو تو مسح کرتے وقت اتار دینا چاہیے (صرف وضو میں ہلانا کافی ہوتا ہے) تیمم کے فرائض میں حنبلی فقہاء نے ترتیب اور موالات کا اضافہ کیا ہے۔

حنبلی فقہاء نے ان امور کو سنت میں شمار کیا ہے:

تیمم کی سنتیں

۱۔ دونوں ہاتھوں کی پھیلیوں سے مٹی پر ضرب (مارنا)

۲۔ مٹی پر ہاتھ مارتے وقت انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

۳۔ ہاتھ مارتے وقت بسم اللہ کہنا۔

۴۔ دونوں ہاتھوں کا جھاڑنا۔

۵۔ ہاتھوں کو مسح کرتے وقت آگے پیچھے لے جانا۔

۶۔ دائیں طرف سے شروع کرنا۔

۷۔ ترتیب یعنی پہلے چہرے کا پھر ہاتھوں کا مسح کرنا (شافعی اور حنبلی فقہاء اس کو فرض قرار دیتے ہیں)

۸۔ موالات یعنی پے درپے بلا توقف تیمم کا عمل پورا کرنا۔

تیمم کے مستحبات تیمم کرتے وقت قبلہ رخ ہونا۔ بجز ذکر الہی کے اور کچھ نہ بولنا۔ تیمم میں تاخیر کرنا اس کے لئے مستحب ہے جسے گمان غالب ہو کہ

نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی کا دستیاب ہونا ممکن ہوگا۔

تیمم کے مکروہات مسح کا بار بار عمل کرنا اور سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

تیمم کو باطل کرنے والے امور جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انہی باتوں سے تیمم بھی باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے حالت

جنابت سے نکلنے کے لئے تیمم کیا پھر اسے حدث اصغر لاحق ہو گیا تو اسے حدث اصغر کی حالت

میں قرار دیا جائے گا، حدث اکبر کی حالت میں نہیں۔ جو تیمم غسل کے لئے کیا گیا تھا وہ وضو

توڑنے والی شے لاحق ہونے سے باطل نہیں ہوتا تا وقتیکہ حدث اکبر پھر لاحق نہ ہو۔ الغرض

جس عذر کی بنا پر تیمم کیا گیا ہو اگر وہ باقی نہ رہے تو تیمم باطل ہو جائے گا مثلاً پانی دستیاب

نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تھا اور پانی دستیاب ہو گیا یا پانی کے استعمال کرنے سے معذور تھا لیکن اب قادر ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں اب تیمم باقی نہ رہے گا۔

فَاقِدِ الطَّهْرَيْنِ جو شخص وضو اور تیمم دونوں سے معذور ہو اُسے فاقد الطہورین کہتے

ہیں۔ جو شخص کسی شدید مرض کے باعث نہ وضو کر سکے نہ تیمم یا کسی ایسی جگہ قید ہو جہاں نہ تو وضو کے لائق پانی میسر ہو نہ پاک مٹی تو اُسے نماز کی ظاہری صورت عمل میں لانا چاہیے یعنی قبلہ رو ہو کر خشوع کے اظہار کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اس ظاہری عمل صلوٰۃ سے مقصد اپنے رب کے سامنے جھکنا اور سر بہ سجود ہونا ہے۔ فرض سا نہیں ہوتا۔ جب وضو کے لئے پانی یا تیمم کے لئے پاک مٹی دستیاب ہو جائے تو فرض کو ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر حالت جنابت ہو تب بھی یہ نماز کی ظاہری صورت جائز ہے۔

نماز یا صلوٰۃ

عبادات کے عنوان سے شروع میں نماز کی اہمیت اور ساری عبادتوں میں اس کا سب سے مقدم ہونا بیان کیا جا چکا ہے۔ طہارت چونکہ ادا کے نماز کا وسیلہ ہے اس لئے اس کے مسائل پہلے بیان کیے گئے ہیں، طہارت کی بنیادی غرض جسم کو اور عبادت کی جگہ کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔ گندگی سے امراض پیدا ہوتے اور عفونت پھیلتی ہے اس لئے انسانی معاشرے کے لئے بھی طہارت بے حد ضروری ہے۔ نماز اللہ کے سامنے جھکائی، بری باتوں سے روکتی اور انسان کے نفس کو پاکیزہ بناتی ہے، اس لئے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی طہارتیں نماز سے حاصل ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے دروازے پر شقائق پانی کی بریز نہر جاری ہو اور وہ شخص اس میں ہر روز پانچ بار غوطہ لگاتا ہو کیا تم سمجھتے ہو اس پر میل کچیل کچھ باقی رہے گا؟ سب نے عرض کیا کچھ بھی نہیں رہے گا، آپ نے فرمایا ”یہ پانچ نمازیں بھی گناہوں کو اسی طرح دور کرتی ہیں جس طرح پانی میل کچیل کو دور کرتا ہے۔“

مثل الصلوٰۃ الخمس کمثل
نہر عذب غیر بیاب احد کم
یقتحم فیہ کل یوم خمس مرات
فہاترون ذلک یبقی من
در نہ قالوا لا شیء قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فان الصلوٰۃ الخمس
تذهب الذنوب کما یدھب
الماء الدرن۔

صلوٰۃ کی تعریف صلوٰۃ کے لغوی معنی دعائے خیر کے ہیں۔ قرآن میں ہے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ"

یعنی اے پیغمبر! ان کے لئے دعا کرو۔ دوسرے معنی ہیں رحمت نازل کرنے کے جیسے "اللہم صل علی محمد" یعنی اے اللہ حضرت محمد پر اپنی رحمت نازل فرما اصطلاح فقہ میں صلوٰۃ اس پورے عمل کو کہتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو لہذا قیام رکوع اور قعود مفہوم صلوٰۃ میں داخل ہیں صرف سجدہ تلاوت خارج ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: صلوٰۃ (نماز) کی غایت

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

(بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے باز رکھتی ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

نماز کو اللہ کی یاد میں پوری طرح منہمک ہو کر ادا کرو۔

انسان اپنے پروردگار کے سامنے اُس کی کبریائی و قاہری اور اُس کی بے پناہ قدرت کے سامنے سرنگوں اور خشوع و خضوع سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ حاضر ہو تو وہی اپنے گناہوں سے تائب اور احکام الہی پر قائم اور بُری باتوں سے مجتنب ہوگا اور جس کا دل اپنے رب کی یاد سے غافل ہو وہ حقیقی معنوں میں نمازی نہیں ہوتا۔ نماز وہی ہے جس میں بندہ اپنے رب کی عظمت کا اعتراف کرے اُس کے عذاب سے ڈرے اور اُس کی رحمت کا امیدوار ہو۔

نماز کی قسمیں حنفی فقہاء نے نماز کی چار قسمیں کی ہیں :-

۱۔ فرض عین : جیسے پنج وقتہ نمازیں جو ہر مسلمان مرد و عورت عاقل و بالغ پر فرض ہیں ان کا منکر کافر اور بلا عذر ترک کرنے والا فاسق اور گنہگار ہے۔

۲۔ فرض کفایہ : جیسے نماز جنازہ جسے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت ادا کر دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے لیکن اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ادا نہ کرے تو سارے مسلمان جو مرنے والے کے علاقے میں رہتے ہیں گنہگار ہوں گے۔

۳۔ واجب : جیسے نماز وتر اور عیدین کی نماز اور وہ نوافل جو شروع کرنے کے بعد ٹوٹ گئے ہوں۔

ہم نفل، خواہ وہ سنت ہو یا مستحب یعنی فرض عین، فرض کفایہ اور واجب نمازوں کے علاوہ ہر نماز۔

نماز کی شرطیں نماز واجب ہونے کی چند شرائط ہیں اور چند شرائط نماز صحیح ہونے کی ہیں۔ حنفی فقہاء کے نزدیک نماز واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، حیض و نفاس سے عورت کا پاک ہونا ضروری شرائط ہیں۔ اور نماز صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں، جسم حدث سے اور نجاست سے پاک ہو۔ کپڑا نجاست سے پاک ہو اور نماز ادا کرنے کی جگہ نجاست سے پاک ہو، نماز کا وقت آگیا ہو، ستر ڈھکا ہوا ہو، نماز کی نیت کی گئی ہو اور منہ قبلے کی طرف ہو۔

فرض نمازوں کی تعداد اور ان کی فرضیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے کو ہجرت کرنے سے ایک سال پہلے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر۔ فرض ہونے کے بعد سب سے پہلی نماز ظہر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ﴿۱۱۳﴾ (نساء، آیت - ۱۱۳)

(بے شک نماز ایمان والوں پر فرض ہے جس کے وقت مقرر ہیں)

اوقات کا علم رسول اللہ کو شب معراج میں دے دیا گیا تھا جس کو حضور نے قول و فعل سے لوگوں کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر اُس کی توثیق فرمادی:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴿۷﴾ (حشر، آیت - ۷)

”جو کچھ رسول تمہیں (حکم) دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کریں اس

سے باز رہو“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو ہم نے اوپر (نماز کی تعریف سے پہلے) نقل کی ہے اُس میں ”الصَّلَاةُ الْخَمْسُ“ پنج گانہ نماز فرض ہونے کی واضح دلیل ہے۔

نماز کے اوقات احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور نسائی میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہیں و تدرقی علامات کے ذریعے جن کا تعلق آسمانی تقویم اور ہمیشہ پیش آنے والے منضبط اوقات سے ہے، نمازوں کے وقت کی تفصیل بتائی گئی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

۱۔ ظہر کا وقت سورج کا زوال شروع ہوتے (یعنی بیچ آسمان سے مغرب کی طرف جھکتے) ہی آجاتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز (درخت دیوار وغیرہ) کا سایہ اُس چیز کی بلندی کے برابر نہ ہو جائے۔

نوٹ: زوال کے وقت کو جاننے کی صورت یہ ہے کہ دوپہر سے پہلے ایک سیدھی لکڑی یا سلاخ زمین میں گاڑ دی جائے، لامحالہ اُس کا سایہ ہوگا اور آہستہ آہستہ کم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کو ذرا سا سایہ چڑکے پاس رہ جائے گا اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہ استواء کا وقت ہے یعنی سورج بیچ آسمان پر آجاتا ہے اب جب پھر سایہ بڑھنے لگے تو زوال شروع ہو گیا (یعنی سورج بیچ آسمان سے جھکا) یہیں سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب اُس چیز کا سایہ (اُس سایہ کے علاوہ جو استواء کے وقت تھا) اُس چیز کی لمبائی کے برابر ہو جائے۔

۲۔ عصر کا وقت: جب کسی شے کا سایہ (وقت استواء کے سایہ کو چھوڑ کر) اپنی لمبائی سے زیادہ ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور سورج کے زرد پڑ جانے تک رہتا ہے (یعنی سورج ڈوبنے سے چند لمحے پہلے تک) ظہر کا آخر وقت اور عصر کا ابتدائی وقت اتنی دیر مشترک رہتا ہے کہ مقیم چار رکعت نماز اور مسافر دو رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔

۳۔ مغرب کا وقت: جب سورج غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت ہو جاتا ہے اور شفق کی سرخی غائب ہونے تک رہتا ہے۔

۴۔ عشاء کا وقت: شفق کی سرخی غائب ہونے کے بعد سے صبح صادق کے نمودار ہونے تک رہتا ہے۔

۵۔ فجر کا وقت: صبح صادق سے شروع ہوتا ہے (یعنی پو پھٹنے وقت کی روشنی جو پہلے مشرق کی جانب نمودار ہوتی ہے اور پھر پھیلتی جاتی ہے) فجر کا وقت سورج کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے۔ عین طلوع کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے اسی طرح عین غروب کے وقت بھی نماز پڑھنا منع ہے۔

صبح کاذب کا اوقات نماز کے تعین میں کوئی اعتبار نہیں ہے یہ وہ روشنی ہے جو پھیلتی نہیں ہے یہ ایک مستقل سفید دھاری ہوتی ہے جس کے دونوں جانب تاریکی نظر آتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت "اول الوقت رضوان اللہ" یعنی اول وقت

میں نماز ادا کرنا رضائے الہی کا موجب ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فضیلت کا وقت یہ ہے کہ کسی نماز کا وقت شروع ہونے ہی نماز کی تیاری اور اس تیاری کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کو مہیا کرنے اور اُنہیں پورا کرنے اور پھر نماز پڑھنے میں جتنا وقت لگ سکتا ہے اس مقدار وقت کے گزر جانے کے بعد وقت فضیلت ختم ہو جاتا ہے۔ فجر اور مغرب کی نمازیں اول وقت ہی میں ادا کرنا چاہئیں۔

ظہر کی نماز سخت گرمی کے موسم میں اتنے توقف سے پڑھنا مستحب ہے کہ دھوپ کی تمازت ہلکی پڑ جائے اور لوگ دیواروں کے سائے میں مسجدوں تک آسکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

ابرودا بالظہر فان	نماز ظہر کے لئے ذرا وقت کو ٹھنڈا ہونے
شدة الحر من فيح	دو گرمی کی شدت جہنم کی جھلساہٹ کا
جہنم	حصہ ہے۔

سردی کے موسم میں اول وقت بہتر ہے۔ عصر کی نمازیں اول وقت سے تاخیر مستحب ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ سورج کا رنگ بدل جائے کیونکہ یہ تاخیر مکروہ ہے۔ عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے پڑھ لی جائے۔ اگر جماعت ترک ہوتی ہو تو بہر حال جماعت کے ساتھ ہی پڑھنا چاہیے، فجر کی نماز میں اسفار تک تاخیر کرنا مستحب ہے

بشرطیکہ جماعت فوت نہ ہوتی ہو، اسفار کا مطلب روشنی نمایاں ہونا ہے۔ سورج طلوع ہونے سے اتنا پہلے کہ اگر اتفاقاً وضو جاتا رہے تو دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کی جاسکے وقت جواز بہ کراہت ہے، یہی حال عصر میں سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد اتنے وقت کا ہے جب اُس کے غروب ہونے میں صرف نماز پڑھنے بھر کا وقت رہ جائے۔

نماز میں تاخیر کرنا بغیر کسی عذر کے تاخیر کرنا جائز نہیں بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جب نماز میں تاخیر کرنا ضروری ہو جاتا ہے، مثلاً جب مناسک حج میں سے کسی منسک کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا کسی ڈوبنے کو بچانا ہو یا کسی میت کے پھولنے پھٹنے کا ڈر ہو۔ اسی طرح کسی کو کھانے کی خواہش ہو رہی ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیے اور نماز میں تاخیر کر دینا چاہیے۔

دو نمازیں ملا کر پڑھنا آسمان پر گھٹا چھائی ہو اور دو نمازوں (ظہر و عصر یا مغرب و عشاء) کے لئے الگ الگ مسجد میں پہنچنا نہ جاسکتا ہو تو چاہیے کہ عصر کا وقت قریب آجانے تک ظہر میں تاخیر کی جائے، اسی طرح عشاء کا وقت قریب آجانے تک مغرب میں تاخیر کی جائے تاکہ ایک ہی بار جانا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج میں ہے اور غروب آفتاب تک مزدلفہ پہنچنا ہے اُسے دو نمازوں کا جمع کرنا مباح ہے۔

نماز میں ستر ڈھکنا نماز صحیح ہونے کی شرطوں میں ستر پوشی یعنی جسم کے متعین حصوں کا ڈھکنا ہے جن بدن کے حصوں کو چھپانے کا حکم ہے انہیں اصطلاح میں ستر عورت کہتے ہیں۔ اگر وہ کھلا رہے تو نماز نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ ایسا لاپچار ہو جس کے پاس تن ڈھانکنے کو نہ ہو۔

۱۔ ”ستر عورت“ مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک ہے۔ باندھی کے پیٹ اور پیٹھ اور ناز سے گھٹنے تک ستر عورت ہے۔ آزاد عورت کا تمام جسم مع بالوں کے ستر میں شمار ہوگا بجز چہرے اور ہاتھوں کے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک انہیں دو حصوں کو ستر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ہتھیلیوں اور دونوں پیروں کی پشت کو ستر سے مستثنیٰ کہا ہے بخلاف پشت دست اور تلووں کے جو ان کے

نزدیک ستر میں داخل ہیں۔

اثنائے نماز میں ستر کھل جانے کا حکم اگر دوران نماز بغیر ذاتی عمل کے ستر کا ایک چوتھائی کھل گیا مثلاً ہوا کے جھونکے سے کپڑا ہٹ گیا اور اتنی دیر کھلا رہا کہ نماز کا ایک رکن ادا کیا جاسکے تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر اسی قدر حصہ یا اس سے کم خود نماز پڑھنے والے کے عمل سے کھل گیا تو نماز اسی وقت فاسد ہو جائے گی۔ اگر نماز شروع کرنے سے پہلے ہی ستر کا حصہ کھل گیا ہو تو نیت ہی نہیں بندھے گی۔ ساتر چیز اگر ایسی باریک ہے جس میں سے جسم کی رنگت نظر آسکتی ہے خواہ پہلی نظر میں یا بغور دیکھنے کے بعد تو اس کا حکم بھی ستر کھل جانے کی طرح ہے۔ مالکی فقہاء کی رائے میں اگر بغور دیکھنے سے حصہ جسم نظر آتا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی صرف مکروہ ہوگی لہذا وقت میں گنجائش ہو تو اسے ڈہراینا مستحب ہے۔ اگر ساتر کپڑا بارش سے بھیگ کر یا تیز ہوا چلنے سے بدن سے چپٹ کر حصہ ستر کی حدود کو نمایاں کر دے تو نماز کا ڈہرانا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر نماز پڑھنے والے کو خود اپنا ستر کپڑے کے اندر سے نظر آجائے تو بھی نماز ڈہرانا ضروری نہیں۔

ریشم کا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا حرام ہے لیکن اگر ستر ڈھانکے کے لئے سوائے ریشمی کپڑے کے اور کوئی چیز نہ ہو تو مجبوراً نماز پڑھ لی جائے لیکن نجاست آلود کپڑے اور سور کی کھال کے سوا اگر کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس سے ستر کو ڈھک کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اتنا کپڑا دستیاب ہو جس سے ستر کا کچھ ہی حصہ چھپ سکے تو اگلی پچھلی شرمگاہوں کو ڈھانک کر نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ اوپر سے یا پہلو سے ستر نظر نہ آئے۔ لیکن اگر پاک کپڑا اور کوئی پاک چیز بالکل ہی میسر نہ ہو تو برہنہ حالت میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

حالات نماز کے بغیر ستر ڈھانکنا پابند شریعت انسان پر واجب ہے کہ اپنے ستر کو ہر وقت ڈھکا رکھے، صرف ضرورت کے مطابق مثلاً استنجاء

رفع حاجت، غسل یا علاج وغیرہ کے لئے تنہائی میں کھولنا جائز ہے کہ کسی کی نظر نہ پڑے اسی طرح بے ضرورت کسی کی ستر کی طرف دیکھنا بھی حلال نہیں۔ نامحرم مرد اور غیر مسلم عورت کے سامنے عورت کا تمام جسم (ہاتھوں اور چہرے کے سوا) ستر ہے۔ محرم مرد کے سامنے بھی عورت کے

چہرے، سر، گردن، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے علاوہ تمام جسم عورت کا ستر ہے۔ جس حصہ ستر کو دیکھنا حرام ہے اُس کو بلا واسطہ ہاتھ لگانا بھی حرام ہے۔ کم عمر بچے (یعنی چار سال یا اس سے کم عمر کے لڑکے لڑکیاں) ستر کی قید سے مستثنیٰ ہیں اس عمر سے آگے اگر اُن کے ستر کو دیکھنے سے کوئی بُرا خیال پیدا ہو تو حکم وہی ہے جو بالغ مرد یا عورت کے ستر کا ہے۔

نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا
نماز کے لئے جس طرح وقت کی موجودگی اور ستر پوشی کی شرط ہے اسی طرح قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا بھی شرط ہے۔

قبلہ کی تعریف قبلہ کعبہ کو یا کعبے کی سمت کو کہتے ہیں۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا سینہ کعبے کے محاذ میں ہو۔ مگر وہ میں رہنے والے یقینی طور پر عین کعبے کے سامنے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے مکلف ہیں اُن پر لازم ہے کہ ٹھیک کعبے کی طرف اپنا رُخ نماز میں رکھیں، اگر مکہ میں کوئی شخص کسی اونچی عمارت یا کسی پہاڑی پر ہو اور ٹھیک کعبے کے مقابل ہونا ممکن نہ ہو تو کعبے کی بالائی فضا کی طرف یا اگر کسی نشیبی وادی میں ہو تو کعبے کی زیریں فضا کی جانب رُخ کر لینا کافی ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ نمازی کے پورے جسم کو کعبے کے رُخ ہونا چاہیے خواہ وہ بلند جگہ پر ہو یا نشیب میں۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی محراب کی جانب رُخ کرنا ٹھیک کعبے کی طرف رُخ کرنا ہے یہ محراب وحی الہی سے عین کعبے کی رُخ تعبیر ہوئی تھی۔ مکے سے دور دراز نماز پڑھنے والوں کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اُس سمت رُخ کریں جس سمت میں کعبہ واقع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کافی نہیں بلکہ گمان غالب میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ عین کعبے کے سامنے ہے۔

نماز میں قبلہ رو ہونے کی دلیل
اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ «قُولِ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ» اس بات کی دلیل ہے کہ

یہ صحت نماز کے لئے شرط ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لہذا اجماع سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے اس باب میں حدیثیں بھی موجود ہیں۔

قبلہ کا رخ متعین کرنے کا طریقہ قبلہ کا رخ جاننے کے وسائل بہت سے ہیں لہذا اب

یہ ضروری نہیں رہا کہ سورج یا ستارے سے ہی

قبلہ کی سمت معلوم کی جاسکے، پہلے زمانے میں جو لوگ بحری سفر کیا کرتے یا ریگستانوں اور

صحراؤں کو عبور کرتے اور ان کے پاس قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا ذریعہ نہیں ہوتا وہ دن میں سورج

اور رات میں ستاروں سے سمت متعین کرتے تھے۔ قبلہ کا رخ مختلف مقامات پر تبدیل ہوتا رہتا

ہے، چنانچہ مصر میں رہنے والوں کے لئے قبلہ کا رخ مشرق کی طرف کسی قدر دائیں جانب مڑ کر ہے

اور ہندوستان میں مغرب کی طرف کسی قدر بائیں جانب مڑ کر ہے۔ سورج کے طلوع و غروب سے

مشرق و مغرب کی سمتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور ان سے شمال و جنوب کا رخ متعین ہو جاتا ہے۔

قطب تارے سے بھی ہر جہت میں قبلہ کے رخ کا پتہ لگایا جاتا ہے مثلاً مصر میں نمازی اُس کو اپنے

بائیں کان کے پیچھے رکھ کر، مدینہ منورہ اور قدس میں اس ستارے کو بائیں مونڈھے کی جانب

رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر لیتا ہے۔ قطب نما اگر صحیح بنا ہوا ہو تو اُس سے ہر وقت تعین قبلہ ممکن ہے۔

فقہاء نے تعین قبلہ کے لئے جو اصول بتائے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جن شہروں اور قصبوں میں ایسی مسجدیں موجود ہیں جن کو صحابہوں یا

تابعیوں نے تعمیر کرایا ہو جیسے قدس میں مسجد عمر، دمشق میں مسجدی اموی اور مصر میں مسجد

عمر بن عاص تو جس رخ ان کی محرابیں ہیں وہی قبلہ کا رخ ہے، اُس رخ سے ہٹ کر

نماز پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی۔ یہی حکم ان مقامات کا ہے جہاں مسلمان بادشاہوں

نے مسجدیں بنوائی ہیں۔

۲۔ جہاں ایسی مسجدیں نہ ہوں لیکن مسلمان موجود ہوں تو کسی نمازی شخص سے قبلہ کا رخ

دریافت کر لینا کافی ہے۔ کافر، بدکار اور بچے سے دریافت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر وہ بتائیں

بھی تو نہیں مانا جائے گا۔ اگر ایسا شخص مل جائے جس سے دریافت کیا جاسکتا ہے

پھر اپنی رائے سے قبلہ کا رخ طے کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ جہاں نہ تو مسجد نظر آئے نہ ایسا شخص ملے تو اپنی سوچ سمجھ سے قبلہ کا تعین کرے اور

جدھر گمان غالب ہو اُس رخ نماز بہر حال درست ہوگی، اصطلاح میں اس کو تحریری

کہتے ہیں۔

۴۔ اگر کوئی مسافر ہو اور ایسی جگہ ٹھہرے جہاں کوئی آبادی نہ ہو یا لقمہ و دق صحرا ہو تو اگر سورج چاند اور ستاروں کے ذریعے قبلے کا رخ جان سکتا ہے اُس جان کاری سے کام لے یا کوئی دوسرا شخص جو اس کام میں ہوشیار ہو اُس سے پوچھے پھر اگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں تو تحریمی کرے یعنی اپنی سوجھ بوجھ سے قبلہ کا رخ پہچانتے کی کوشش کرے اور جدھر گمان غالب ہو اُدھر رُخ کر کے نماز پڑھے۔

تحریمی کے بارے میں کچھ مسائل ایسا تحریمی کرنے والا جو کسی ایک سمت کو دوسری سمت پر ترجیح نہ دے سکا مگر ایک طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہوگی اُسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ تینوں امام علاوہ امام شافعیؒ کے اس پر متفق ہیں۔

ایک شخص نے تحریمی کے بعد ایک طرف منہ کر کے نماز شروع کر دی۔ دورانِ نماز اُسے احساس ہوا کہ فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے یا اُس کا گمان غالب ہوا کہ قبلے کا رخ کوئی اور ہے تو چاہیے کہ حالتِ نماز میں اُسی طرف مُرجائے اور باقی نماز پوری کر لے، حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک یہ نماز صحیح ہوگی، باقی دو امام نیت توڑ دینے کی رائے دیتے ہیں۔

ایک شخص نے تحریمی کر کے ایک سمت قبلہ متعین کی اور پوری نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رُخ صحیح نہ تھا تو بھی نماز صحیح ہوگئی، دوبارہ نہیں پڑھنا ہوگی۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر محض گمان ہے تو دوبارہ پڑھنا لازم نہیں لیکن اگر یقینی طور پر رُخ غلط تھا تو دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

کسی شخص نے اپنی رائے سے کام ہی نہ لیا حالانکہ وہ ایسا کر سکتا تھا اور کسی شخص کی پیروی کر کے یا بغیر پیروی کئے ایک طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی تو وہ نماز صحیح نہ ہوگی اگرچہ یہ تحقیق ہو جائے کہ جو سمت قبلہ اُس نے بے سوچے سمجھے بنائی تھی وہ صحیح تھی۔ تین امام متفق رائے ہیں لیکن حنفی فقہاء کو اس رائے سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ خیال کر کے نماز پڑھی تھی کہ ادھر قبلہ ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ اُسی رُخ تھا تو نماز صحیح ہوگی، اسی طرح اگر قبلہ

کے تعین میں شک تھا پھر بھی نماز پڑھ لی تھی پھر علم ہوا کہ وہ نماز صحیح رخ سے پڑھی گئی تب بھی نماز صحیح ہوگی البتہ اگر دوران نماز شک دور ہو تو نماز جاتی رہی پھر سے پڑھنا واجب ہے۔

ایسا شخص جو خود اس قابل ہو کہ اپنی رائے سے سمت قبلہ متعین کر سکے اُسے دوسرے کی پیروی نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر وہ اس قابل نہیں ہے تو جس نے اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رخ متعین کر لیا ہو اُس کی تقلید کرے اگر یہ دونوں باتیں میسر نہ ہوں تو پھر جس جانب دل گواہی دے اُس کو سمت قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لے ایسی نماز کو پھر دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے حنفی اور حنبلی فقہاء کی یہی رائے ہے۔ مالکی کسی کی تقلید اسی وقت جائز سمجھتے ہیں جب اُس کی رائے صحیح ہونے کا اطمینان ہو اور شافعی فقہاء ایسی نماز کو دُہرانے کی رائے رکھتے ہیں۔

استقبال قبلہ واجب ہونے کی شرطیں ۱۔ قدرت۔ اگر کوئی شخص کسی من کی وجہ سے خود قبلے کی طرف نہیں مڑ سکتا اور

کوئی شخص جو اُس کا منہ قبلے کی جانب موڑ دے نہیں ہے تو یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے لہذا جس طرف بن پڑے نماز پڑھ لے۔

۲۔ تحفظ۔ جب قبلہ رخ ہو جانے میں کسی انسان سے یا کسی اور شے سے جان و مال کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُس کا قبلہ بھی وہی ہے جس طرف بھی وہ سکون سے نماز پڑھ سکتا ہو دونوں حالتوں میں پڑھی ہوئی نمازوں کا دُہرانا واجب نہیں ہے۔

کعبے کے اندر نماز پڑھنا کعبہ ہی قبلہ ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اب اگر کوئی شخص کعبے کے اندر نماز پڑھے گا تو پورے کعبے

کی طرف رخ نہیں ہوگا اس لئے اُس کے اندر نماز ادا ہونے کے بارے میں فقہاء کے مسلک جدا جدا ہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک اگر کعبے کے اندر کوئی شخص کنارے پر کھڑا ہو یا باہر کھڑا ہو اور دونوں صورتوں میں سجدہ کعبے کے اندر کرے تو نماز ہو جائے گی لیکن اگر سجدہ کنائے پر کیا تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ رخ کعبے کی طرف نہیں رہے گا، حنفی فقہاء کعبے کے اندر اور اُس کی سطح پر نماز پڑھنا صحیح قرار دیتے ہیں لیکن کعبے کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ کہتے ہیں۔ مالکی فقہاء کعبے کے اندر فرض اور سنت نماز پڑھنا مکروہ کہتے ہیں اور کعبے کی چھت پر فرض نماز ادا کرنا باطل۔

صرف نفلٰی غیر موکدہ نماز اندر پڑھنے کی اجازت ہے شافعی فقہاء کہے کی چھت پر نماز صرف اس حالت میں صحیح کہتے ہیں جب سامنے آدمی کے دو تہائی ہاتھ کے برابر اونچی کوئی شے ہو۔

سواری پر نماز پڑھنے کے احکام
کشتی، دفانی گاڑیوں، ہوائی جہازوں پر نماز (فرض یا نفل) حتی المقدور قبلہ رخ ہو کر پڑھنا چاہیے، کسی اور جانب پڑھنا درست نہیں ہے، یہاں تک کہ دوران نماز اگر کشتی یا اسٹیمر گھوم جائے تو نمازی کو بھی قبلے کی طرف مڑ جانا چاہیے، البتہ اگر رخ صحیح جانب کرنے سے معذوری ہو تو جدھر بن پڑے نماز پڑھی جائے۔ یہ اجازت اس حالت میں ہے کہ سواری کو ایسی جگہ پہنچنے میں وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو جہاں پوری طرح نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

اگر سواری کا جانور ہے یا ایسی سواری ہے جسے ٹھہرانے کا اختیار ہے تو چلتی ہوئی سواری پر نماز صحیح نہ ہوگی۔ فرض نماز کا سواری پر بغیر مجبوری کے ادا کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ حرکت میں ہو یا کھڑی ہو، یہی حنفی فقہاء کا مسلک ہے۔ مالکی کہتے ہیں کہ سواری کی پشت پر فرض نماز کی ادائیگی تب ہی صحیح ہوگی جب گھسان کی جنگ ہو رہی ہو و دشمنوں کا ہجوم ہو یا کسی گھنیرے جنگل سے گزر رہا ہو جہاں اترنا بس میں نہ ہو یا کسی درندہ جانور کا خوف ہو یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ سواری سے اتر ہی نہ جاسکے۔

ادائے نماز کے فرائض
فرائض یا ارکان نماز سے مراد وہ اجزائے نماز ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی یعنی اگر ان اجزا میں سے کسی جزو کو نکال دیا جائے تو اس کو نماز نہیں کہا جائے گا، مثال کے طور پر تکبیر تحریمہ نماز کا ایک رکن یا ایک فرض ہے، اگر یہ ترک کر دی جائے تو وہ نماز ہی نہیں ہوتی یہی حال تمام اجزائے فرض یا ارکان کا ہے۔

نماز کے ارکان (۱) تکبیر تحریمہ۔ یعنی نیت باندھنے وقت اللہ اکبر کہنا نیت کو حنفی فقہاء شرط قرار دیتے ہیں، باقی تین مسبلکوں کے فقہاء اس کی رکنیت کے قائل ہیں، اس کو تکبیر تحریمہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مباح امور اس کے بعد حرام ہو جاتے ہیں مثلاً کسی کی بات کا جواب دینا یا کوئی ایسا کام جس سے نماز میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔

۲۔ قیام۔ سیدھے کھڑے ہونا (اگر کوئی عذر نہ ہو) فرض نماز میں فرض ہے۔ نفل نماز بیٹھ کر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۳۔ قرأت قرآن: کم سے کم چھوٹی تین آیتوں کے برابر یا ایک بڑی آیت پڑھنا لیکن مقتدی پر قرأت لازم نہیں ہے۔

۴۔ رکوع کرنا: پشت کو اس قدر خم کرنا کہ سر اور کولہا ایک سطح پر آجائیں۔

۵۔ دوبار سجدے کرنا۔ یعنی دونوں ہاتھ، گھٹنے، پیروں کی انگلیاں، پیشانی اور ناک فرش پر رکھنا۔

۶۔ قعدہ اخیرہ میں اتنی دیر بیٹھنا جس میں تڑپ نہ پڑھا جاسکے۔

ان میں سے کوئی رکن اگر ادا نہ ہوا تو نماز نہیں ہوگی مثلاً اللہ اکبر نہیں کہا۔ قیام رکوع و

سجود میں سے کوئی فرض چھوٹ گیا تو نماز ادا نہیں ہوئی۔

نماز کے واجبات جو چیزیں نماز میں واجب ہیں ان میں سے کوئی واجب چھوٹ جانے یا بھول جانے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی لیکن کمی ضرور رہ جاتی

ہے جسے دور کرنے کے لئے شریعت نے سجدہ سہو واجب کیا ہے لیکن اگر قصد ترک کرنے کی صورت ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ وہ واجبات یہ ہیں:-

۱۔ فرض نماز کی پہلی رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرأت قرآن میں دوسری سورت کا ملانا واجب ہے۔

۲۔ تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل واجب ہے۔

۳۔ نفل اور وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا یا اس کی تین آیتوں کا پڑھنا واجب ہے، اور فرض نمازوں میں صرف پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے تیسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ سنت ہے۔

۴۔ سورہ فاتحہ کا دوسری سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے۔

۵۔ تمام ارکان کو پے درپے ادا کرنا، اگر ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کی ادائیگی میں

اتنی دیر ہوگئی جتنی ایک سجدے یا رکوع کرنے میں ہوتی ہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

۶۔ قیام، قرأت، رکوع اور سجود میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے۔ اگر یہ ترتیب بدل

گئی تو سجدہ سہولاً لازم ہوگا۔

۷۔ رکوع اور سجدے میں اتنی دیر ٹھہرنا کہ اطمینان سے سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جاسکے واجب ہے۔

۸۔ قومہ: یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح سے سیدھا کھڑا ہونا اور پھر سجدے میں جانا واجب ہے۔

۹۔ جلسہ: یعنی دو سجدوں کے درمیان اچھی طرح بیٹھنا۔

۱۰۔ قعدہ اولیٰ یعنی پہلی دو رکعتوں کے بعد بقدر تشہد بیٹھنا۔

۱۱۔ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا (التحیات للہ سے کلمہ شہادت تک پڑھنے کو تشہد کہتے ہیں)

۱۲۔ تعدیل ارکان: تمام ارکان (قیام و رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، قعدہ وغیرہ) کو اطمینان و یکسوئی سے ادا کرنا بائیں طور کہ کوئی بات چھوٹ نہ پائے۔

۱۳۔ ستری نمازوں (یعنی ظہر و عصر) میں آہستہ قرآن پڑھنا اور جہری نمازوں (مغرب، عشاء، فجر، جمعہ اور عیدین وغیرہ) میں آواز سے قرآن پڑھنا۔

۱۴۔ قعدہ اخیرہ میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم کرنا۔

۱۵۔ وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا اور پھر دعائے قنوت پڑھنا۔ ان میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے گا تو سجدہ سہو کرنا واجب ہوگا۔

۱۶۔ عید کی نماز میں چھ تکبیریں زائد کہنا واجب ہے لیکن اگر بغیر قصد کے چھوٹ جائیں تو سجدہ سہولاً لازم نہیں۔

نماز کی سنتیں
سنت کے معنی لغت میں راہ و روش اور عادت کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں پیغمبر اسلام اور آپ کے صحابہ جس طریقے سے فرائض و واجبات ادا کرتے تھے اُس کو سنت کہتے ہیں۔ اُس طریقے پر عمل کرنا باعثِ ثواب ہے، اگر ترک کر دے تو مواخذہ نہیں۔ نماز کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے جس کا خوب تر طریقہ وہی ہے جو نبی علیہ السلام کا تھا۔ لہذا ثواب کی طلب رکھنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ نماز

کی ضروری سنتیں یہ ہیں۔

- ۱۔ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا، مردوں کو کانوں تک اور عورتوں کو مونڈھوں تک۔ مرد اگر مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں تو بھی سنت ادا ہو جائے گی کیونکہ نبی علیہ السلام نے کبھی کانوں تک اور کبھی مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے ہیں۔
- ۲۔ ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیاں کھلی اور قبیلہ کی طرف رکھنا۔
- ۳۔ امام کو ہر رکن ادا کرتے وقت تکبیر کہنا۔
- ۴۔ پہلی رکعت میں تکبیر کے بعد ثنا (یعنی سبحانک اللہ) آہستہ پڑھنا اور
- ۵۔ تَعُوذ (یعنی اعوذ باللہ) پڑھنا (۶) سورہ فاتحہ کی ابتدا تسمیہ (یعنی بسم اللہ) سے کرنا۔
- ۶۔ سورہ فاتحہ ختم کر کے آمین کہنا (بالکل آہستہ سے یا تھوڑا بلکی آواز سے دونوں باتیں سنت ہیں۔
- ۸۔ نیت باندھتے وقت دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑے ہونا، مردوں کو ناف کے برابر اور عورتوں کو سینے کے اوپر ہاتھ رکھنا چاہئے، اگر کوئی مرد بھی سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو یہ بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔
- ۹۔ رکوع میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔
- ۱۰۔ رکوع کی حالت میں سر کو پیٹھ کے برابر رکھنا اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔
- ۱۱۔ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" تین بار کہنا۔
- ۱۲۔ قومہ یعنی رکوع سے اٹھتے وقت امام کو تسبیح اللہ لہن حمدہ کہنا اور امام و مفتدی دونوں کو "ربنا لک الحمد" کہنا۔
- ۱۳۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنوں کو پھر ہاتھوں کو پھر پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا۔
- ۱۴۔ سجدے میں جاتے وقت اور پھر سجدے سے اٹھتے وقت "اللہ اعبر" کہنا۔
- ۱۵۔ دونوں سجدوں میں تین تین بار "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا۔
- ۱۶۔ سجدے کی حالت میں ہاتھ کے دونوں پہنچوں کو ناک کے برابر رکھنا (مردوں کو ران اور پیٹ ملانا نہیں چاہئے جبکہ عورتوں کو ران اور پیٹ ملا کر سجدہ کرنا چاہئے۔ مردوں کو دونوں

کہنیاں ران سے ہٹا کر زمین سے اونچی رکھنا اور دونوں پیروں کو کھڑا رکھنا چاہیے جبکہ عورتوں کو اپنے پیر زمین پر بچھا دینا چاہیے۔

۱۷۔ جلسے اور قعدے میں مردوں کو بایاں پیر بچھا کر اس کے اوپر بیٹھنا چاہیے اور عورتوں کو دونوں پیر داہنی جانب نکال کر بیٹھنا چاہیے۔

۱۸۔ تشہد میں "اشہد ان لا الہ الا اللہ" پر شہادت کی انگلی اوپر اٹھانا۔

۱۹۔ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا۔

۲۰۔ درود کے بعد کوئی دعا پڑھنا۔

۲۱۔ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

۲۲۔ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔

نماز کے مستحبات مندوبات یا آداب نماز وہ باتیں ہیں جن کا نماز میں لحاظ رکھنا پسندیدہ ہے لیکن اگر چھوٹ جائیں تو اس کی وجہ سے کوئی فرق

نماز کے ادا ہونے میں واقع نہیں ہوتا۔ لہذا آداب صلوٰۃ میں سے یہ ہے کہ :

۱۔ حالت نماز میں کسی ایسی چیز پر نظر نہ رکھے جو توجہ کو نماز سے ہٹا دے مثلاً کوئی ٹکھی ہوئی عبارت یا نقش و نگار۔ بس کھڑے ہونے کی حالت میں سجدے کی جگہ پر رکوع کی

حالت میں دونوں پیروں پر جلسے اور قعدے کی حالت میں اپنی گود پر اور سلام پھرتے وقت اپنے مونڈھوں پر ہی نگاہ رہنی چاہیے۔

۲۔ کھانسی کو طاقت بھر روکے۔ بغیر کسی سبب کے کھانسا جس میں کسی حرف کی آواز پیدا ہو جائے نماز کو باطل کر دیتا ہے، یہی حکم ڈکار کا ہے۔ جاہی روکنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں روایت کیا گیا ہے :

التشاوب فی الصلوٰۃ من الشیطان فاذا اتتائب احدکم فلیکضم ما استطاع۔

نماز میں جاہی لینا شیطان کی خلل اندازی

ہے پس تم میں سے کسی کو جاہی آئے تو

حتی المقدور اسے روکنے کی کوشش

کرے۔

اگر نہ رُکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیے۔

۳۔ بجملہ آداب صلوٰۃ کے مرد کو تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ باہر رکھنا اور عورت کو دوپٹے کے اندر ہی رکھنا ہے۔

۴۔ سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان بسم اللہ کہنا بھی مستحبات میں سے ہے۔

۵۔ اقامت کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جانا اور قدامت الصلوٰۃ کہنے پر امام کا نماز شروع کر دینا مستحب ہے۔

۶۔ رکوع اور سجدے میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح پڑھنا صرف منفرد کے لئے مستحب ہے۔

سترہ یعنی آڑ سترہ اس چیز کو کہتے ہیں جو نمازی اپنے آگے اس لئے رکھ لے کہ نماز پڑھنے میں کوئی شخص آگے سے نہ گزرے۔

سترہ کے شرائط کسی شے کو بھی سترہ بنایا جاسکتا ہے جس کی اونچائی ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو، وہ شے سیدھی ہو، ٹیڑھی میڑھی نہ ہو۔ سترہ نمازی کے

پیروں سے تین گز کے فاصلے تک ہونا چاہیے۔ کسی ضخیم چیز کا سترہ بنانا پڑے تو اُسے سامنے چوڑان میں رکھنا بہتر ہے، اگر کوئی شے سترہ بنانے کے لئے نہ ملے تو زمین پر ایک لکیر ہلالی شکل کی بنالی جائے۔ بیٹھے ہوئے آدمی کی پیٹھ کو سترہ بنا لینا درست ہے یعنی پیٹھ کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ آدمی کا سترہ نمازی کی جانب نہیں ہونا چاہیے اور وہ کافر شخص یا اجنبی عورت نہ ہو۔ کسی نجس شے کو بطور سترہ استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہی حکم مقصوب چیز کا ہے۔ مالکی فقہاء مقصوبہ شے کا سترہ بنانا درست اور نجس شے کا سترہ بنانا "نا درست" کہتے ہیں جبکہ حنبلی فقہاء مقصوبہ شے کا سترہ بنانا صحیح نہیں کہتے اور نجس شے کا سترہ صحیح قرار دیتے ہیں۔

نمازی کے آگے سے گزرنا نمازی کے آگے سے گزرنے والا گنہگار ہوگا جب کسی اور طرف سے گزرنے کی گنجائش ہو اور پھر بھی نمازی کے آگے سے

گزرا ہو۔ لیکن اگر کسی اور طرف سے گزرنے کی گنجائش ہی نہ ہو تو گناہ گار تو نہ ہوگا مگر خلاف اولیٰ کا مرتکب ضرور ہوگا۔ نماز پڑھنے والے کو بغیر سترہ رکھے ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں اُس کے سامنے آمدورفت ہوتی ہو منع ہے اگر اُس کے آگے سے کوئی گزر جائے تو اُس پر اس بات کا

گناہ ہوگا کہ اُس نے ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں لوگوں کو سامنے سے گزرنا پڑا۔ سترہ نہ رکھنے کا گناہ نہ ہوگا، کیونکہ سترہ رکھنا بذات خود امر واجب نہیں ہے۔ اگر دونوں میں سے کسی ایک طرف سے کوتاہی ہوئی تو ایک ہی شخص گنہگار ہوگا لیکن اگر نمازی کی وجہ سے رکاوٹ نہ تھی اور جانے والے کو کسی اور جانب سے گزرنے کی گنجائش نہ تھی تو کسی کو گناہ نہ ہوگا۔ اس کے برعکس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے۔

اگر نمازیوں کی صف میں سے کہیں نکلنے کی جگہ نہ ہو تو نمازی کے آگے سے چلا جانا جائز ہے، اسی طرح خانہ کعبہ کے طواف کے دوران نمازی کے سامنے سے گزر جانا جائز ہے۔

یہ امر کہ نمازی کے آگے کتنے فاصلے سے گزرنا حرام ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بڑی مسجدوں یا میدانوں میں نمازی کے قدم اور سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور چھوٹی مسجد میں نمازی کے پیروں سے چار ہاتھ کے فاصلے تک بیچ سے گزرنا حرام ہے۔ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے سے گزرنے والے کو اشارے سے روک سکتا ہے اور اشارہ سر سے ہو یا آنکھ سے یا تسبیح (یعنی سبحان اللہ) کہہ کر۔ عورت دو ایک بار ہاتھ پر ہاتھ مارے۔ یہ اجازت نہیں ہے کہ اشارے کی حد سے تجاوز کرے۔

مکر وہ بات نماز وہ باتیں جو حالت نماز میں ناپسندیدہ ہیں یہ ہیں ان سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی لیکن کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔

- ۱۔ سَدَل (یعنی چادر کاندھوں پر لٹکائینا) نماز میں مکروہ ہے، اسی طرح کرتے شروانی وغیرہ کو آستینوں میں ہاتھ ڈالے بغیر کاندھوں پر ڈال لینا یا گلوبند کے دونوں سروں کو لٹکا کر نماز پڑھنا، چادر یا دوپٹہ اس طرف اوڑھنا کہ اُس کا پلو دوسرے کندھے پر نہ ہو سَدَل کی تعریف میں ہے۔ اصطلاح بھی حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے (یعنی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لاکر بائیں بازو پر ڈالنا اور دوسرے بازو کو کھلا رکھنا)۔
- ۲۔ اَشْتِمَال الصَّامِر (یعنی کپڑے کو پیٹ کر خود کو ڈھک لینا کہ ہاتھوں کو باہر نکالنا نہ جاسکے۔ یا چادر کا درمیانی حصہ دائیں بازو کے نیچے رکھ کر دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال لینا، نماز میں مکروہ ہے، مرد کو بغیر کسی معذوری کے اپنا منہ چادر وغیرہ میں ڈھک لینا

بھی مکروہ ہے۔

۳۔ حالت نماز میں آگے یا پیچھے سے کپڑے کو اونچا کرنا اور کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹنا مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امرت ان اسجد علی سبعة مجھے حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں
اعظم وان لا اکت شعرا ولا ثوبا۔ اور یہ کہ بال یا کپڑے کو نہ اٹھاؤں۔

پیشانی کے بالوں کو مٹی سے بچانے کے لئے اٹھانا یا منہ سے مٹی اور گرد کو بار بار پھونکنا مکروہ ہے، اگر سجدے کی جگہ کنکری ہو تو اس کو ہٹانے کے لئے ایک بار ہاتھ چلانے یا منہ سے پھونک دینے میں ہرج نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بدن یا کپڑے یا داڑھی سے بے ضرورت کھیلنا اور اسی طرح کی اور باتیں نماز میں مکروہ ہیں۔ پیشانی سے پسینہ یا مٹی کو صاف کرنے کے لئے ہاتھ پھیر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔
۵۔ نماز کی حالت میں انگلیاں چٹکانا یا ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ میں ڈالنا مکروہ ہے۔
۶۔ کمر یا گولھے پر بے ضرورت ہاتھ رکھنا اور رخ موڑنا نماز میں مکروہ ہے۔ آنکھ سے دائیں بائیں دیکھ لینے میں ہرج نہیں ہے، گردن موڑنا روا نہیں۔

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِقْعَار (یعنی گولھوں کو زمین پر ٹکانا اور گھٹنوں کو اٹھائے رکھنا) نقر دھونگے مارنے کی طرح سجدے کرنا اور التفات (ادھر ادھر دیکھنے یا منہ موڑنے سے) منع فرمایا ہے۔

۸۔ مکروہات کے منجملہ (افتراش) ذراع (ہاتھ کو بچھانا) اور استین کا ہاتھ پر سمیٹنا بھی ہے۔
۹۔ حالت نماز میں اشارہ کرنا، بجز اس صورت کے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو روکنے کے لئے کیا جائے مکروہ ہے۔

۱۰۔ عقص (یعنی سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا) مکروہ ہے۔

۱۱۔ سورہ فاتحہ یا کسی دوسری سورہ کا رکوع میں پہنچ کر تمام کرنا مکروہ ہے اسی طرح رکوع میں جا کر اللہ اکبر کہنا یا پورے طور پر کھڑا ہو چکنے کے بعد سبح اللہ لبین حمد کہ نہیں کہنا چاہیے۔ یہ دونوں کلمے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے

وقت (درمیانی عرصے کے اندر) ادا ہونا چاہئیں۔

۱۲۔ نماز کے دوران آنکھیں بند کر لینا یا آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی چیز سے توجہ ہٹانے کے لئے آنکھیں بند کی جائیں یا آیات سماوی سے عبرت حاصل کرنے کے لئے آنکھ اوپر اٹھائی جائے تو کراہت نہیں۔

۱۳۔ تنکیس یعنی قرآنی ترتیب جو سورتوں کی ہے اُس کا لحاظ نہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔ پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی اُس کے بعد کی سورت دوسری رکعت میں پڑھنا چاہئے، اگر اُس نے پہلے کی سورت دوسری رکعت میں پڑھی تو یہ تنکیس ہے، دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کا پڑھنا یا بار بار کسی رکعت میں سورت کا دہرانا بھی مکروہ ہے خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ ایک قول یہ ہے کہ نفل نماز میں سورت کی تکرار مکروہ نہیں ہے، دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت زیادہ طول دینا بھی مکروہ ہے۔

۱۴۔ آتشدان یا تھور جس میں انگارے روشن ہوں اُس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۵۔ کسی جاندار کی تصویر نمازی کے سر کے اوپر یا آگے ہونا مکروہ ہے، چھوٹی تصویر جو سگوں پر بنی ہو مکروہ نہیں ہے۔

۱۶۔ اگلی صاف ہیں جگہ ہوتے ہوئے چھپے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۷۔ گزرگاہ۔ کوڑا پھینکنے کی جگہ، جانور ذبح کرنے کی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۸۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو یا ایسے قبرستان میں جہاں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص جگہ نہ ہو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مذکورہ باتوں کے علاوہ بھی مکروہات ہیں مثلاً، پیشاب، پاخانہ یا ریاح خارج کرنے کی حاجت ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔ یا کھانا موجود ہو اور کھانے کی خواہش ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔ کسی ایسے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جو اُس کی طرف منہ کئے بیٹھا ہو یا منافی نماز کوئی معمولی حرکت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مسجد میں کیا کیا باتیں مکروہ ہیں؟ مسجد میں بے عذر راستہ بنا لینا یا اُس کے درمیان سے گزرنا۔

- ۲۔ غیر معتکف کو مسجد کے اندر سونا اور مسجد میں کھانا۔ مسافر کے لئے کراہت نہیں ہے۔
 ۳۔ بلند آواز سے بات کرنا اور اونچی آواز سے ذکر کرنا جس سے دوسرے نمازیوں کو پریشانی ہو۔
 ۴۔ خرید و فروخت کا سودا طے کرنا مکروہ ہے۔ ہبہ کرنا مکروہ نہیں اور عقد نکاح کرنا مستحب ہے۔
 ۵۔ نجس یا نجاست آلود چیز کا مسجد میں داخل کرنا۔ جوتے اگر اس سے نجاست جھڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو اندر لائے جا سکتے ہیں۔

۶۔ بچوں اور فاجر العقل شخص کو مسجد میں داخل کرنا اگر یہ گمان غالب ہو کہ وہ مسجد کو نجس کر دیں گے۔

- ۷۔ سٹوک، رینٹ اور بلغم سے مسجد کی دیوار فرش یا چٹائی کو آلودہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔
 ۸۔ مسجد میں گم شدہ چیز کے متعلق پوچھ گچھ کرنا قطعاً مکروہ ہے۔
 ۹۔ اشعار پڑھنا جن میں قامت و رخسار اور زلف و کمر کا ذکر ہو یا کسی کی مذمت ہو یا اور کوئی بیہودگی ہو مکروہ ہے۔

۱۰۔ مسجد میں نہ سوال کرنا جائز ہے نہ سائل کو خیرات دینا واپس ہے۔ صرف صدقہ عطا کرنا جائز ہے۔
 مسجد کے اوپر کی عمارت مسجد میں داخل نہیں ہے لیکن مسجد کے صحن کا فرش مسجد میں داخل ہے، لہذا جو امور مسجد کے اندرونی حصے میں مکروہ یا حرام ہیں وہ فرش مسجد میں بھی مکروہ اور حرام ہیں۔ مسجد میں علوم کی تعلیم، درس قرآن، وعظ و نصیحت نیز شرعی احکام باری کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

مسجد کی دیواروں پر کسی قسم کی تحریر ہونا مکروہ ہے۔ امام مالکؒ قبلے کے رخ تحریر ہونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اوقات نماز کے علاوہ مسجد کو مقفل کر دینا مباح ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد کو اسی حالت میں بند رکھنا مباح ہے اگر سامان چلے جانے کا اندیشہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔

ایک جگہ کی مسجد کو دوسری جگہ کی مسجد سے بذات خود افضلیت نہیں ہے، تاہم معنوی خوبی کے باعث سب سے افضل مکہ مکرمہ کی مسجد حرام پھر مدینہ منورہ کی مسجد نبوی پھر بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ پھر مسجد قبا ہے۔ ان کے علاوہ ہر مقام پر سب سے قدیم مسجد کو

پھر سب سے بڑی مسجد کو پھر اُس مسجد کو جو نمازی سے قریب تر ہو فضیلت ہے، جس مسجد میں دینی تعلیم دینے کا انتظام ہو وہ اُس مسجد سے افضل ہے جس میں یہ انتظام نہ ہو۔ محلہ کی مسجد کا وہاں رہنے والوں پر حق ہوتا ہے کہ اُسے آباد رکھیں اور بار و نفع بنائیں۔

مبطلاتِ صلوٰۃ وہ باتیں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں اور دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے یہ ہیں :-

۱۔ نماز میں قصدِ ایانا دانستہ بات کر لینا۔ (۲) سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا (۳) چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا یا الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) بڑی خبر سن کر نا لبتہ پڑھنا۔ (۵) خوشی کی یا تعجب کی بات پر الحمد للہ یا سبحان اللہ کہنا (۶) کسی غیر شخص کی دعا پر آمین کہنا۔ (۷) درۃ تکلیف یا رنج کی وجہ سے آہیں بھرنا اُف یا ہائے کہنا (۸) بے سبب کھانسناسا جس سے حرف کی آواز پیدا ہو (۹) قصدِ ایابھول کر کوئی شے کھاپی لینا (۱۰) نماز سے باہر قرآن پڑھنے والے کو غلطی بتانا یا لقمہ دینا (۱۱) عمل کثیر (یعنی ایسا کام جس میں حرکت زیادہ کرنا پڑے) کرنا (سینے کو قبلہ کی طرف سے موڑ لینا (۱۲) چوتھائی ستر کا اتنی دیر کے لئے کھل جانا کہ ایک سجدہ کیا جاسکتا ہو (۱۳) آواز کے ساتھ ہنس پڑنا (۱۴) قرآن پڑھنے میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی بدل جائیں (۱۵) امام سے پہلے رکوع کر کے یا سجدہ کر کے اٹھ جانا (۱۶) حالت نماز میں حدت واقع ہونا، تیمم والے کو پانی مل جانا، زخم بھر کر پیٹی اتر جانا، مسح کرنے والے کے پیر سے موزہ اتر جانا، بے ہوشی کا طاری ہونا، دیوانگی کا دورہ پڑنا، ان سب باتوں سے نماز جاتی رہے گی۔ (۱۷) عورت کا مرد سے مل کر کھڑا ہو جانا اگر اتنی دیر ہو جتنی دیر میں ایک سجدہ کیا جاتا ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح۔ حنفی فقہاء کے نزدیک اگر عورت مُشْتَهَاة (یعنی مرد کے لئے جاذب توجہ) ہو اور مرد کے برابر یا آگے کھڑی ہو جائے تو اُس کی نماز باطل ہو جائے گی، برابر ہونے سے مطلب یہ ہے کہ پنڈلیاں یا ٹخنے برابر میں ہوں اور دونوں ایک ہی امام کے مقتدی ہوں درمیان میں ایک ہاتھ سے کم فاصلہ ہو جگہ اونچی نیچی نہ ہو، لہذا اگر وہ مرد کی پنڈلی اور ٹخنے سے پیچھے ہے اور کسی اور امام کے پیچھے پڑھ رہی ہے اور فاصلہ ایک ہاتھ یا زیادہ ہے اور عورت مرد سے اونچی جگہ پر ہے تو اُس کی نماز باطل نہیں ہوگی اسی طرح اگر برابر میں ہوتے

ہوئے ایک سجدہ یا ایک رکوع کے بقدر عرصہ نہ لگا، ہو تو بھی نماز نہیں خراب ہوگی۔
 اگر نماز میں کھٹکار ناپاگلا صاف کرنا آواز ٹھیک کرنے کیلئے ہو تا کہ قرأت صحیح کر سکے یا امام
 کو قلمہ دے سکے تو ایسا کرنے سے نماز میں خرابی نہیں آئے گی۔
 نماز میں اگر اللہ کے خوف سے روئے یا کسی مرض کی تکلیف سے کراہٹ کی آواز نکل جائے
 تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر نماز میں تیمم، موزوں کا مسح، زخم کی پٹی کا مسح، ٹوٹ جائے یعنی پانی میسر آجائے یا موزہ
 پیر سے اتر جائے یا زخم بھر جانے کے بعد پٹی گر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر قعدہ اخیرہ میں
 بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد ایسا ہوا تو نماز ہو جائے گی۔ یہی حکم آواز سے منہسی کے بارے میں
 بھی ہے۔

نماز ختم ہونے سے پہلے قصد اسلام پھیر دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر سہواً
 یہ سمجھ کر کہ نماز پوری ہو گئی سلام پھیر دیا تو نماز باطل نہیں ہوگی جب تک عمل کثیر نہ کیا ہو اور نہ بولا ہو۔

وہ امور جن کے سبب نماز توڑ دینا چاہیے نماز پڑھتے وقت کوئی موذی جانور مثلاً سانپ یا
 بچھو سامنے آجائے یا پھٹر کپڑے میں گھس جائے

تو نماز توڑ کر انہیں مار دینا چاہیے۔ بلی مرغی کو کپڑے یا گھی یا دودھ میں منہ ڈالنے کا اندیشہ ہو تو نماز
 توڑ کر ان چیزوں کو محفوظ کر دینا چاہیے، اسی طرح کتا، بندر اگر نماز پڑھنے میں گھس آئے اور کسی
 چیز کو نقصان پہنچ جانے کا خوف ہو تو نماز توڑی جاسکتی ہے۔ مسجد میں سامان یا جو تا وغیرہ ایسی
 جگہ چھوڑا جہاں سے وہ چوری کیا جاسکتا ہو یا گھر میں کوئی قیمتی چیز ایسی جگہ رکھ دی جہاں وہ محفوظ نہیں
 ہے تو نماز پڑھنے میں ان کا خیال آتے ہی نماز توڑ کر انہیں صحیح جگہ رکھنے کے بعد اطمینان سے نماز
 پڑھنا چاہیے۔ ریل یا بس وغیرہ سے سفر کرنے میں اگر کسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور سواری چھوٹنے
 لگے تو نماز توڑ دینا چاہیے۔ حالت نماز میں پیشاب پانے کی ضرورت پڑ جائے اور بغیر فراغت کے چارہ
 نہ ہو تو نماز کو توڑ دینا چاہیے۔ کسی کو ہلاکت یا تباہی سے بچانے کے لئے نماز توڑ دینا فرض ہے مثلاً،
 کوئی ڈوب رہا ہو، کپڑوں میں آگ لگ گئی ہو، کسی اندھے کے راستے میں کنواں یا گڑھا ہو، ریل یا
 بس آرہی ہو اور وہ اس کی زد میں ہو، کوئی شخص مدد کے لئے پکار رہا ہو، ایسی حالتوں میں اگر نیت

نہیں توڑے گا تو گناہگار ہوگا۔ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اُس کے ماں، باپ یا دادا، دادی اور نانا، نانی میں سے کوئی بھی ضرورت سے بلائے اور کوئی دوسرا موجود نہ ہو، تو نماز توڑ کر جانا چاہیے۔

اذان کا بیان

اذان کی تعریف اذان کے معنی اطلاع دینے کے ہیں "اذانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ" (اللہ اور اُس کے رسول کی طرف آگاہی دی جاتی ہے) "اذنٌ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" (حج کے متعلق سب لوگوں میں اعلان کر دو) اذان اصطلاح میں نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دینا ہے (جس کے لئے خاص الفاظ ہیں)

اذان نماز کی سنتوں میں سے ایسی سنت ہے جو نماز سے خارج ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (جمعہ، آیت-۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلا یا جائے (اذان دی جائے) تو اللہ کی عبادت کے لئے چل پڑو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذ حضرت الصلوة فليؤذن لكم احدكم۔
جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی شخص اطلاع کے لئے اذان دے۔

اذان ہجرت کے پہلے ہی سال شروع ہوئی جس کی تفصیل حدیث کی کتابوں ابو داؤد و ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے۔ مردوں کے لئے ہر فرض نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے، کوئی ایک شخص اذان کہہ لے تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے لہذا محلہ کے لوگوں کے لئے یا جماعت کے لئے اذان سنت مؤکدہ کفایہ ہے، سفر میں بھی حضر میں بھی خواہ ادا ہو یا قضا۔ شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کو اذان دینا، اس لئے ضروری نہیں ہے کہ محلہ کی اذان کافی ہے۔ وتر جو اگرچہ واجب ہے اس کے لئے بھی اذان مسنون نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے عشا کی اذان کو کافی سمجھا گیا ہے۔

جنازہ، عیدین، سورج گرہن، استسقا اور تراویح کے لئے اور سنتوں کی نماز کے لئے اذان دینا مسنون نہیں ہے۔

اذان دینے کا طریقہ اور اُس کے الفاظ مسنون طریقہ کسی اونچی جگہ کھڑا ہونا دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈال کر بلند آواز سے یہ الفاظ کہنا ہے:

اللَّهُ أَكْبَرُ چار بار اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ دو بار اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ دو بار حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ دو بار حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ دو بار، پھر اللهُ اَكْبَرُ دو بار لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ ایک بار۔

فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو بار کہنا سنت ہے اذان کے بعد مؤذن کو اور ہر اذان سننے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور پھر یہ دعا پڑھنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَنْتَ مُحَمَّدٌ اَلْوَسِيْلَةُ وَالْفَضِيْلَةُ وَالْبَعْتَةُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ اِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

مؤذن کی اذان کا جواب دینا اذان سننے والوں کو مؤذن کے الفاظ کے جواب میں وہی الفاظ دہرانا مستحب ہے لیکن جب مؤذن حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والوں کو جواب میں یہی الفاظ نہیں بلکہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے اور فجر کی نماز میں جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو سننے والوں کو جواب میں صَدَقْتَ وَبَرُّمَاتُ کہنا چاہیے۔ سننے والا اگر نماز میں پیشاب یا پانے سے فراغت کر رہا ہو، بیوی سے مقاربت میں مصروف ہو، خطبہ جمعہ میں مشغول ہو، کھاتا کھا رہا ہو، قرآن کی تلاوت کر رہا ہو، علم دین پڑھ رہا ہو تو اُس کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے

اذان کی شرائط اذان درست ہونے کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں:

(۱) اذان کی نیت سے الفاظ اذان ادا کرنا۔

(۲) الفاظ اذان کے بعد دیگرے اس طرح ادا کرنا کہ بیچ میں لمبا وقفہ نہ ہو اور نہ گفتگو کی جائے۔

(۳) اذان عربی الفاظ میں ہو اس کا ترجمہ دوسری زبان میں نہ ہو۔

(۴) نماز کا وقت آجانے پر ہی اذان دی جائے۔

(۵) الفاظ کی ترتیب آگے پیچھے نہ کی جائے۔

اذان دینے والے کی شرائط (۱) اذان دینے والا مسلمان ہونا چاہیے۔

(۲) صحیح العقل ہونا چاہیے، دیوانگی یا نشے یا بے ہوشی

کی حالت میں اذان دینا صحیح نہیں۔ (۳) مرد ہونا چاہیے۔ عورت اور مخنث کی اذان درست نہیں (۴) وہ نابالغ لڑکا جس میں تینز کا مادہ ہو خود یا کسی بالغ مؤذن کے اذن سے اُس کے بجائے اذان دے سکتا ہے۔

اذان کی سنتیں اور مستحبات

اذان دیتے وقت با وضو ہونا۔ آواز بلند اور دل پسند

ہونا، اونچی جگہ کھڑے ہو کر اذان دینا بیٹھ کر نہیں۔

قبلہ رخ رہنا۔ حتیٰ علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں طرف اور حتیٰ علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف چہرے اور گردن کو اس طرح موڑنا کہ سینہ اور قدم نہ مڑے۔ تکبیر کے وقت ہر دو تکبیر کے بعد کھڑنا اور باقی ہر جگہ پر توقف کرنا مستحب ہے، اس کو ترشل کہتے ہیں۔

اذان میں کیا باتیں منع یا مکروہ ہیں

حالت جنابت میں اذان دینا منع ہے۔ عورتوں

کا اذان دینا بھی منع ہے۔ حدیث اصغر کی حالت

میں اذان دینا۔ فاسق (بدکار) کا اذان دینا۔ حالت اذان میں قبلہ کی طرف سے منہ ہٹانا (حتیٰ علی

الصلوٰۃ اور حتیٰ علی الفلاح کہتے وقت کے علاوہ اذان کے دوران کوئی اور بات کہنا۔ بلا عذر

بیٹھ کر اذان دینا۔ غیر مسافر کا سواری پر اذان دینا۔ اذان میں راگ اور لے پیدا کرنا یعنی زیر و بم

کے ساتھ آواز کو اونچا نیچا کرنا) مکروہ ہے (وقت سے پہلے مثلاً طلوع صبح صادق سے پہلے فجر کی۔

سورج ڈھلنے سے پہلے ظہر کی اور غروب آفتاب سے پہلے مغرب کی اذان دینا بھی مکروہ ہے جمعہ کی

پہلی اذان کے بعد کوئی دنیاوی کام کرنا بھی مکروہ ہے۔

اقامت کی تعریف نماز کے لئے کھڑے ہو جانے کی اطلاع دینے کا نام "اقامت" ہے۔ اس کے الفاظ اذان کے الفاظ کی طرح ہیں حتیٰ علی الفلاح کے بعد الفاظ "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" دو بار مزید کہے جاتے ہیں۔ دونوں کالوں میں انگشت شہادت ڈالنے اور حتیٰ علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ کرنے کی قید نہیں ہے۔ حنفی مسلک یہی ہے۔ باقی ائمہ کے مسالک میں تکبیریں دو دو بار اور باقی الفاظ ایک ایک بار اور "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" دو بار کہنے سے اقامت کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

اقامت کی شرطیں اقامت کے شرائط وہی ہیں جو اذان کے ہیں۔ اقامت نماز سے متصل ہوتی ہے لہذا اقامت کے بعد کوئی اور کام کرنے لگنا صحیح نہیں۔ لیکن اگر اقامت کہہ چکنے کے بعد امام نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو اقامت کو دہرایا نہ جائے۔ اقامت سن کر مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہیے اس کا کوئی تعین نہیں ہے۔

اقامت کی سنتیں اور مستحبات جو باتیں اذان میں بیان کی جا چکی ہیں ان میں سے اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اذان سنت ہے، اقامت نہیں ہے۔ الفاظ اذان کا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا سنت ہے، اقامت میں جلدی جلدی ادا کرنا سنت ہے، چہرے اور گردن کا جن الفاظ پر اذان میں موڑنا سنت ہے اقامت میں نہیں ہے۔ اقامت کہنے والا جب حتیٰ علی الصلوٰۃ کہے مقتدی کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ حنفی علماء کا مسلک یہی ہے۔

اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ افضل وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اذان دینے کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ لوگ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لیں مستحسن ہے لیکن مغرب کی نماز میں اذان و اقامت کا درمیانی وقفہ مختصر ہونا چاہیے بس اتنا کہ اس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں۔

اذان کی اجرت اگر کوئی متطوع (بغرض ثواب اذان دینے والا) نہ موجود ہو تو بیت المال یا وقف مال سے اجرت مقرر کی جاسکتی ہے، یہی حکم اقامت کہنے والے اور اقامت کرنے والے کے لئے بھی ہے۔

نماز کے علاوہ اذان دینا بچے کی پیدائش پر اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہنا مستحب ہے۔ اسی طرح آگ لگ جانے، جنگ چھڑ جانے، مسافر کے بچھڑ جانے پر اور کسی غم زدہ یا مرگی کے دورے میں مبتلا شخص کے کان میں اذان دینا مستحب ہے۔

اذان کے بعد درود بھیجنے کا حکم اذان دینے کے بعد مؤذن کو اور اذان سننے والوں کو درود پڑھنے اور پھر دعا پڑھنے کا ذکر کیا جا چکا ہے اور الفاظ اذان کے جواب میں جو الفاظ سننے والوں کو کہنا مسنون ہیں انہیں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "اذا سمعتم الہوذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی" جب مؤذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو (حدیث میں آہستہ آواز یا بلند آواز سے درود بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر مؤذن اونچی آواز سے پڑھے تو اس لئے مستحسن ہے کہ دوسروں کو یاد آجائے گا۔

نماز تطوع (حصولِ ثواب) وہ نمازیں جو فرض نمازوں کے ساتھ یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں دو قسم کی ہیں:

راتبہ (مقررہ) اور غیر راتبہ۔

راتبہ رکعتیں دن اور رات میں دس ہیں۔ نماز ظہر میں دو رکعتیں فرض کے پہلے اور دو رکعتیں فرض کے بعد۔ مغرب میں فرض کے بعد دو رکعتیں۔ عشاء میں فرض کے بعد دو رکعتیں اور نماز فجر میں فرض سے پہلے دو رکعتیں۔ یہ تفصیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔ انہوں نے فرمایا:

حَفِظْتُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ رَكَعَاتٍ
میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر
دس رکعتیں یاد رکھی ہیں۔

اور ان کی تفصیل (مذکورہ بالا) بیان کی۔

یہ نمازیں سنت موکدہ ہیں۔ اگر یہ رہ جائیں تو ان کی قضا کی جائے لیکن اگر یہ نمازیں فرض نمازوں کے ساتھ چھوٹ جائیں اور ان چھوٹی ہوئی نمازوں کی تعداد زیادہ ہو تو انہیں بطور قضا پڑھنا لازم نہیں ہے، فجر کی سنت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی قضا پڑھنا چاہیے اور قضا پڑھنے

کا وقت زوال آفتاب سے پہلے ہے اس کے بعد ان کی قضا جائز نہیں۔ فجر کی جماعت شروع ہوگئی ہو تو اگر جماعت میں شامل ہو جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو۔ اگر جماعت ملنے کی امید نہ ہو تو اسے ترک کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد ان سنتوں کی قضا نہیں ہے۔ ان سنتوں کی قضا فرض کے ساتھ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، یہ حنفی مسلک ہے جو فجر کے فرض پڑھ لینے کے بعد سنتیں پڑھنا مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن شافعی مسلک میں مکروہ نہیں ہیں، اگر فرض کے بعد بھی پڑھی جائیں۔

نماز شروع کرتے وقت دل کو دنیا کے کاموں اور خیالات سے فارغ کر کے اللہ کے سامنے حاضر کر لینا چاہیے اور یکسو ہو کر کہنا چاہیے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ قَطْرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ خَبِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

میں نے اپنا منہ پوری توجہ کے ساتھ اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

پھر سیدھے کھڑے ہو کر یہ نیت کرنا چاہیے کہ کہ کون سی نماز اور کتنی رکعت پڑھنے جا رہا ہے اور اس کا رخ کعبے کی طرف ہے رکبے کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور یکسوئی پیدا کرنے میں معاون ہوگا، دل سے نیت کرنا ضروری ہے زبان سے بھی کہہ لے تو بہتر ہے جیسے:

تَوَيْتُ أَنْ أَصَلِّيَ رَكْعَتِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَرَضًا لِلَّهِ تَعَالَى مُتَوَجِّهًا إِلَى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيفَةِ۔

(میں دو رکعت نماز فجر پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جو اللہ کے واسطے مجھ پر فرض ہے اور میں کعبہ شریف کی طرف اپنا رخ کئے ہوئے ہوں)

کھڑے ہونے میں نہ تو گردن جھکی ہوئی ہو اور نہ تہنی ہوئی ہو، دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ کم سے کم چار انگلی یا اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔ نگاہ سجدے کی جگہ پر رہنا چاہیے، پھر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہے۔ ہتھیلیاں قبلہ رخ رہیں، تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ نائف سے اوپر اس طرح باندھے جائیں کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر

داینے ہاتھ کی ہتھیلی رہے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے
 پر گرفت ہو۔ ہاتھ باندھنے کے فوراً بعد اللہ کی تسبیح اس طرح کہی جائے "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ
 وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ" (اے اللہ تو ہر نقص
 سے پاک اور ہر تعریف کا مستحق ہے تیرا نام برکت والا ہے تیری بزرگی سب سے بڑھتی ہے اور
 تیرے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے) اس کے بعد تعوذ (یعنی اعوذ باللہ) اور تسمیہ
 (یعنی بسم اللہ) کہہ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور ختم کرنے پر آہستہ سے آمین کہے، پھر قرآن کی کوئی سورہ
 یا تین آیتیں کم از کم تلاوت کرے، اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور پھر پھر کہتے
 بار سبحان ربی العظیم پڑھے۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے اپنے
 گھٹنے پکڑے، دونوں بازوؤں کو پہلو سے ملائے رکھے، سر کو زیادہ نہ جھکائے، نہ پیٹھ کو زیادہ اونچا
 رکھے بلکہ سر سے کوہوں تک سطح برابر رہے تسبیح کم سے کم تین بار ورنہ پانچ یا سات بار بھی پڑھی جاسکتی ہے
 ہے، رکوع سے اٹھتے ہوئے تسبیح اللہ لمن حمد اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے۔ اور کھڑے ہو کر
 تمجید (یعنی تَبَارَكَ الْحَمْدُ کہے، دونوں فقروں کا ترجمہ یہ ہے (خدا نے اس کو سنا جس نے
 اس کی حمد کی) (اے پروردگار تیرے ہی لئے ساری تعریف ہے) امام کو دونوں فقرے
 کہنا چاہیں پہلا بلند آواز سے اور دوسرا آہستہ سے اور مقتدی کو صرف دوسرا فقرہ آہستہ سے کہنا چاہیے۔
 سجدے میں اس طرح جانا چاہیے کہ پہلے گھٹنے فرش پر ٹکیں، پھر دونوں ہاتھ کے پنجے کانوں کے
 برابر رکھ کر پیشانی فرش پر ٹکی جائے اس طرح کہ ناک بھی زمین کو چھوتی رہے۔ ہاتھوں کی انگلیاں
 ملی ہوئی اور پیروں کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رہنا چاہیے، زمین سے اٹھی ہوئی نہ ہوں، گلانی اور
 کہنی فرش سے اٹھی ہوئی اور پیٹ اور رانوں سے الگ رہنا چاہیے، سجدے میں سر رکھ کر تین بار
 "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" (میرا بلند تر پروردگار ہر کجی اور نقص سے پاک ہے) پڑھے۔ اس کے
 بعد اللہ اکبر کہہ کے سر اٹھائے، پھر اچھی طرح بیٹھ جانے کے بعد دوسرا سجدہ کرے، بیٹھنے کا وقفہ
 اتنا ہو جس میں یہ دعا پڑھی جاسکے "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي
 وَارْتُقِنِي وَاجْبُرْنِي وَارْحَمْنِي" (اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر، میرا قصور
 معاف کر، مجھے سیدھی راہ پر چلا، مجھے حلال رزق دے، میری شکستہ حالی دور کر اور مجھے اونچا اٹھا)

دونوں سجدے کرنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔ یعنی پہلے پیشانی فرش سے اٹھے، پھر دونوں ہاتھ اٹھ کر ان پر آئیں، پھر گھٹنے زمین سے اٹھیں، دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھے، صرف تسبیح و تعوذ کو نہ دہرائے کیونکہ وہ پہلی رکعت ہی میں ضروری ہے۔ پھر حسب سابق تکبیرات کے ساتھ رکوع، قومہ، سجدہ اولیٰ، جلسہ اور سجدہ ثانیہ کرنے کے بعد اس طرح بیٹھے کہ داہنا پیر انگلیوں پر کھڑا رہے، انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور بائیں پیر موڑ کر اس پر بیٹھ جاوے، دونوں ہاتھ انوں پر رکھ کر تشہد پڑھے، اس بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں۔ تشہد کے

الفاظ یہ ہیں:-

دل و جان سے اور جسم و مال سے کی جانے والی
بندگیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی آپ
پر سلام ہو، اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں
ہوں۔ ہم پر اور خدا کے تمام نیک بندوں پر
سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی
خدا نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ
رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ
عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ
أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

کے بندے اور رسول ہیں۔

تشہد پڑھتے ہوئے جب لفظ اشہد پر پہنچے تو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کو ملا کر
حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو لفظ لا الہ الا اللہ کہتے وقت اٹھائے اور الا اللہ کہتے وقت گرا دے
پھر ہاتھ کو اسی طرح رہنے دے جب تک بیٹھے۔ اگر چار رکعت والی نماز کی نیت کی تھی تو یہ قعدہ اولیٰ
کہلائے گا اور تشہد پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہونے کے بعد تیسری رکعت اسی
طرح پڑھے جس طرح دوسری پڑھی تھی، سنت اور نفل نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعتیں اسی
طرح پڑھی جاتی ہیں جس طرح دوسری رکعت لیکن فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف
سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع کرے۔ دو رکعت والی نماز ہو تو پہلے ہی قعدے میں اور چار رکعت والی
ہو تو قعدہ ثانیہ میں تشہد پڑھنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے سب درودوں
میں سے یہ درود پڑھنا خود آنحضرتؐ نے تلقین فرمایا ہے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ
وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

(بخاری)

اے اللہ حضرت محمد اور آپ کی آل پر رحمت
نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم
اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی بیشک
تو ہی لائق تعریف اور حقیقی بڑائی والا
ہے، اے اللہ حضرت محمد اور آپ کی آل
کو برکت عطا فرما جیسی تو نے حضرت ابراہیم
اور ان کی آل کو برکت عطا فرمائی بیشک
تو ہی لائق تعریف اور بڑائی والا ہے۔

دروود کے بعد یہ دعا پڑھے جو رسول اللہ نے تعلیم فرمائی تھی۔ دوسری دعائیں بھی آپ
پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا
كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ
إِلَّا أَنْتَ فَاعْفُرْ لِي مَغْفِرَةً
مِنْ عِنْدِكَ وَأَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ
أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔

(مسلم، ترمذی)

اے اللہ مجھ سے بہت سی غلطیاں سرزد
ہوئی ہیں اور تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو
بخش نہیں سکتا پس تو مجھے اپنی خاص
خطا پوشی کی صفت سے بخش دے اور مجھ
پر رحم فرما اور بیشک تو ہی بخشنے والا اور
رحم کرنے والا ہے۔

دعا پڑھنے کے بعد دائیں طرف منہ پھیر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر بائیں طرف منہ
کر کے یہی کہے (کہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) سلام بھیتے وقت تمام مسلمانوں کی
نیت کرے اور فرشتوں کی جو دائیں بائیں ہر وقت موجود ہیں۔

نماز ختم ہونے کے بعد اذکار ہر فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاص وظائف پڑھنے
کا ذکر آیا ہے، ان کے منجملہ تیس بار سُبْحَانَ اللَّهِ
تیس بار الْحَمْدُ لِلَّهِ تیس بار اللَّهُ أَكْبَرُ اور ایک بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
الْمَلِكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ پڑھنا ہے، وظائف کے الفاظ

کا ترجمہ یہ ہے:

پاک ہے اللہ ہر نقص یا کوتاہی سے (۳۳ بار) ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے
(۳۳ بار) اللہ سب سے بڑا ہے یا ساری بڑائی اسی پر ختم ہے (۳۳ بار) ذات واحد
کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے وہی تعریف
اور شکر کا مستحق ہے اور ہر چیز اُس کے قبضہ قدرت میں ہے (ایک بار) اس کے بعد ہے:-
اللَّهُمَّ لَا مَنَافِعَ لَنَا بِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطَىٰ لَنَا مَنَعْتَ وَلَا نِنْفَعُ خَالِجِدٍ مِنْكَ الْخِدِّ
”اے اللہ تو جو کچھ عطا کرنا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز سے تو روک دینا چاہے
اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کوشش کرنے والے کی کوئی کوشش تیرے سامنے بے سود ہے۔“

یہ اذکار فرض پڑھ چکنے کے بعد ہی شروع کر دینا چاہیے یا سنت و نوافل کے بعد۔ امام
حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرض کے بعد اور سنتوں سے پہلے پڑھنے کے قائل ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ
کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان اتنی دیر سے زیادہ توقف کرنا مکروہ ہے جتنی دیریں یہ کہا جائے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
اے اللہ تیری ذات سلامتی کا سرچشمہ ہے تیری ہی طرف سے ہر ایک کو سلامتی

ملتی ہے اور اے بڑائی والے اور احسان کرنے والے تیری ذات ہی بابرکت ہے۔

ستحب یہ ہے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد تین بار استغفار کرے، آیتہ الکرسی اور معوذتین بار
پڑھے پھر تسبیح و تہجد و تکبیر و تہلیل (جس کا بیان کیا جا چکا) کہے۔ آنحضرتؐ اپنی دعائیں فرماتے
تھے اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ (اے اللہ میں ایسے دل سے پناہ
مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔)

یہ نماز تین اماموں کے نزدیک سنت اور امام مالک کے
صلوٰۃ الصّحی (نماز چاشت) نزدیک مستحب تاکید ہے، اس کا وقت سورج کے

ایک نیزہ بلند ہونے سے زوال سے پہلے تک ہے اور افضل یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گزرنے
پر پڑھنا شروع کرے۔ اس نماز کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ امام
ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سولہ رکعتیں تک پڑھی جاسکتی ہیں۔ دو دو یا چار چار ایک تسلیم

سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو پڑھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض اور نفل نمازوں کا ذکر حدیث میں آیا ہے مثلاً:

(۱) نماز اشراق جو سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

(۲) صلوٰۃ التسلیم جو تسبیحات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے یعنی سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کو ہر رکعت میں اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ سورہ

فاتحہ سے پہلے پندرہ بار اور سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ اُس کے ساتھ پڑھنے کے بعد دس بار پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس بار پھر قود۔ میں دس بار پھر سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار پھر سجدے سے سر اٹھانے کے بعد دس بار پھر دوسرے سجدے میں دس بار۔ چار رکعتیں اسی طرح پڑھی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم حضرت عباسؓ کو دی تھی، اس لئے سنت ہے۔

نماز تہجیۃ المسجد کوئی نماز مسجد میں داخل ہو تو سنت یہ ہے کہ دو رکعت نماز تہجیۃ المسجد کی نیت سے پڑھے، حنفی علماء اس کی دو یا چار رکعتیں کہتے ہیں اور چار رکعتیں دوسے افضل تسلیم کرتے ہیں۔ شرط اس نماز کے لئے یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونا ممنوعہ اوقات میں نہ ہو مثلاً سورج نکلنے کے وقت یا نماز عصر کے بعد۔ حالت حدث میں نہ ہو۔ ایسے وقت میں داخل نہ ہوا، موجب جماعت کے لئے اقامت کہی جا رہی ہو یا خطیب جمعہ کے خطبے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

نماز تہجیۃ الوضو اور سفر سے واپسی یا سفر کو روانگی کے وقت نماز پڑھنا ^{حدث اصغر} سے پاک

ہونے کے بعد دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے، سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے آنحضرتؐ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما خلف احدکم عند اہلہ افضل من رکعتین ی رکعھا عندہم حین یرید سفرًا (طبرانی) (یعنی جب کوئی شخص سفر کا قصد کرے تو سب سے بہتر خیر جو وہ اپنے گنہگاروں میں چھوڑ سکتا ہے وہ رکوع والی دو رکعتیں ہیں جو جانے سے پہلے پڑھی جائیں) امام مسلم نے کعب بن مالکؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کو

دوپہر کے وقت سفر سے واپس آیا کرتے تھے اور پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر بیٹھتے تھے۔

رات میں عشا کے بعد سے صبح صادق تک جو نفل نمازیں ادا کی جائیں وہ تہجد کی نماز نماز تہجد کہی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو تین گھنٹے سو کر پھر اٹھا کرتے اور تہجد کی نماز پڑھتے۔ طبرانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے،

لا یبد من الصلوة بلیل و لیل و لیل شاة (رات کی نماز ضروری ہے خواہ اتنی ہی دیر ہو جس میں بکری دوہی جاسکے) رات کی نفل نمازوں کی نفل نمازوں سے افضل ہے۔ امام مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: افضل الصلوة بعد الفریضۃ صلوة الیل (فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔ اس نماز کی رکعتیں متعین نہیں ہیں۔ چار، چھ، آٹھ جو بھی ہو سکیں پڑھنا چاہیے، یہ نماز خدا سے تعلق جوڑنے کی بیوی اور طمانیت قلب پیدا کرنے، نفس کی اصلاح اور مصائب پر صبر کرنے کی طاقت عطا کرنے میں معاون ہوتی ہے، سورہ مزمل میں ارشاد بتانی ہے:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلاً (بیشک رات کے اٹھنے

میں نفس کی پامالی اور دل و زبان کا میل بہت خوب ہوتا ہے اور بات (دعا) خوب

درست ادا ہوتی ہے)

نماز استخارہ استخارے کے لئے دو رکعتیں پڑھ کر دعا کرنا حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے ثابت ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ تمام محدثین نے روایت کیا ہے وہ روایت ترجمے کے ساتھ درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں استخارے

کا طریقہ اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی

سورت سکھاتے تھے، آپ فرماتے تھے جب

تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو

فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے پھر

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم یعلّمنا الاستخارۃ فی الامور

کلہا کما یعلّمنا السورۃ من

القہان بقول اذا ہمہ احدکم

بالامر فلیرکع رکعتین

یہ دعا پڑھے۔

استخارے کی دعا

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَجِيرُكَ بِعِلْمِكَ
وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ
أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ
فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَ
تَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ
الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ
تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي
فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَتِي
أَمْرِي (يا - عَاجِلِ أَمْرِي وَاجِلِهِ)
فَاقْدِرْهُ لِي وَبَيِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ
لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ
أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي
وَمَعَاشِي وَعَاقِبَتِي أَمْرِي
(يا - عَاجِلِ أَمْرِي وَاجِلِهِ)
فَأَصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْهُ
عَنِّي وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ
حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِي بِهِ

اے اللہ میں تیرے علم سے خیر کا طالب
ہوں اور تیری قدرت سے طاقت مانگتا
ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوالی ہوں بیشک
تجھے سب قدرت ہے اور مجھے کچھ قدرت
نہیں تجھے سب علم ہے اور مجھے کچھ بھی علم
نہیں تو ہی غیب کی باتوں کو خوب جانتا
ہے اے اللہ اگر یہ کام میرے دین میری
زندگی میرے انجام کے لئے (یا جلد یا بدیر
میرے حق میں) بھلا ہے تو مجھے اُسے کرنے
کی طاقت دے میرے لئے اُس کو آسان
کرنے پھر اُس سے مجھے برکت عطا کر اور اگر
تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی
اور میرے انجام کے لئے (یا جلد یا بدیر
میرے حق میں) بُرا ہے تو اس سے مجھے باز
رکھ اور ایسا عمل کرنے کی توفیق دے جو
میرے لئے اچھا ہو اور پھر تو بھی اس سے
راضی ہو۔

آپ نے فرمایا کہ "یہ کام" کہتے وقت کام کا نام لینا چاہیے۔

نماز حاجت اور اس کی دعا
اگر کسی کی کوئی ضرورت (جو شرعاً جائز ہو) اٹھی ہوئی
ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے۔ ترمذی میں عبد اللہ بن

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ حَاجَةٌ
أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ
فَلْيَتَوَضَّأْ، وَيَجْسِنِ الْوَضُوءَ ثَمَّ
لِيَصِلْ رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى
وَلِيَصِلَ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ لِيَقُلْ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ
الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ
رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ
وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَسَلَامَةٍ
مِنْ كُلِّ إِيْمٍ لَأَتَدَّعِي ذُنُوبًا
إِلَّا عَقْرَتَهُ وَلا هِمًّا إِلَّا
فَرَجَّتَهُ وَلا حَاجَةَ هِيَ لِي
بِرِضَا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ
الرَّاحِمِينَ۔

جسے اللہ سے کوئی احتیاج ہو یا کسی آدمی

سے کوئی کام لینا ہو تو اسے چاہیے کہ وضو

کرے اور اچھی طرح سے کرے پھر دو رکعتیں

پڑھے پھر اللہ کی ثنا اور رسول اللہ پر درود

کے بعد یوں دعا پڑھے۔

خدا کے حلیم و کریم کے سوا کوئی معبود

نہیں۔ اللہ کی ذات ہر نقص سے پاک ہے

وہ عرش عظیم کا مالک ہے اللہ تمام تعریفوں کا

مستحق اور سارے جہان کا پروردگار ہے خدایا

میں تجھ سے تیری رحمت کی توجہ تیری مغفرت

کی نظر ہر طرح کی خیر میں اپنا حصہ اور ہر گناہ

سے حفاظت مانگتا ہوں میرا کوئی گناہ ایسا

نہ ہے جس کو تو نے معاف نہ کر دیا ہو اور

کوئی نعم ایسا نہ رہے جسے تو نے دور نہ

فرما دیا ہو اور میری کوئی پسندیدہ خواہش ایسی

نہ رہ جائے جو تو پوری نہ کر دے لے سب

سے بڑے رحم فرمانے والے خدا۔

نماز وتر تین امام و ترک نماز کو سنت اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب کہتے ہیں اس کی تین رکعتیں ایک تسلیمہ سے پڑھی جاتی ہیں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورہ یا کم از کم تین آیات پڑھنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ، دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے، تیسری رکعت میں قرأت کے بعد ہاتھ اٹھا کر تیسری کہی جاتی ہے پھر دعائے قنوت پڑھ کر

رکوع میں جایا جاتا ہے، قنوت ہر اس دعا کو کہتے ہیں جو اللہ کی ثنا اور دعا پر مشتمل ہو۔ سنت یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَهْدِيكَ
وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ
وَنُذْنِبُ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ
وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ
مَنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ إِنَّا بِكَ
نَعْبُدُ وَ لَكَ لُصَلِّي وَنَسْجُدُ
وَإِلَيْكَ لَسْعَى وَنَحْصِدُ
وَ نَرْجُوا سَحْمَتَكَ وَنَخْشَى
عَذَابَكَ إِنْ عَذَابَكَ
يَا لَكُمَّارًا مُلْحِقًا اللَّهُمَّ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى
آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اے اللہ ہم تیری اعانت اور تیری ہدایت کے طلبگار ہیں تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں تجھ پر ایمان لائے ہیں اور تیرے اوپر ہی بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی سے اچھی ثنا کرتے ہیں تیرا شکر کرتے اور تیری نافرمانی نہیں کرتے ہیں جو تجھ سے روگرداں ہوتا ہے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے لئے نماز پڑھتے تیرے سامنے پیشانی جھکاتے تیری طرف ہی دوڑتے تیری رحمت کی امید رکھتے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تیرا عذاب ناشکروں پر نازل ہونے والا ہے، اے اللہ حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت و برکت نازل فرما۔

وتر کو نماز عشرہ کے بعد پڑھنا واجب ہے۔ اس کا وقت طلوع فجر تک ہے، وتر میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے اور جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو وہ ”سَبَّأْنَا اتِّتَانِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ پڑھے (اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے) اور یہ بھی یاد نہ ہو تو تین بار اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا کہے یعنی بار الہا ہماری مغفرت کر۔ اگر وتر کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا پھر یاد آیا کہ دعائے قنوت پڑھنے سے رہ گئی، اور رکوع سے کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھ لی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو

نماز پوری ہو جائے گی، اگر دوبارہ قنوت کے لئے کھڑا نہ ہو، تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔ اگر غلطی سے سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو لازم ہے کہ سورت اور قنوت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور دونوں چیزیں پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرے۔ نماز وتر کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ماہ رمضان کے سوا مشروع نہیں ہے۔

مصائب کے پیش آنے پر صرف نماز فجر میں قنوت پڑھنا سنت ہے، یہ رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے، قنوت نازلہ کا پڑھنا امام کے لئے سنت ہے، منفرد کے لئے نہیں ہے۔ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اُس میں یہ الفاظ حدیث میں منقول ہوئے ہیں:

اللَّهُمَّ اهْدِنَا فِي مَنْ هَدَيْتَ
وَعَافِنَا فِي مَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا
فِي مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِي
مَا أَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ
إِنَّكَ يَقْضِي وَلَا يُقْضَىٰ عَلَيْكَ
إِنَّهُ لَا يَدُلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَعِينُ
مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ
تَعَالَيْتَ لَسْتَ تُعْفِقُكَ وَتَتُوبُ إِلَيْكَ
اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ
سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ
وَبِكَ مِنْكَ -

اے اللہ ہمیں راہ ہدایت پر چلا، اپنی
عافیت میں پناہ دے، ہماری رضا کو اپنی
رضا کے مطابق فرما دے جو کچھ تو نے عطا فرمایا
ہے اُس میں برکت دے اپنے عذاب کی
سختی سے ہمیں محفوظ رکھ۔ حکم دینے والا
تو ہی ہے اور تجھ پر کوئی حاکم نہیں بیشک تو
نے جسے پسند کر لیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور
جس پر تیرا عتاب ہوا اُسے عزت نہیں مل سکتی
اے پروردگار تو بابرکت اور صاحب عظمت ہے
ہم تجھی سے مغفرت مانگتے اور توبہ کرتے ہیں ہم
تیری ناراضی سے بچنے کے لئے تیری رضا کی پناہ
پکڑتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈر کر تیری معافی
کا سایہ مانگتے ہیں اور تجھ سے تیری ہی حمایت
کے طالب ہیں

نماز تراویح نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور جماعت سے پڑھنا سنت کفایہ ہے اہل محلہ

کے لئے یا کسی گاؤں کے لوگوں کے لئے۔ یعنی اگر گاؤں یا محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت کچھ لوگوں نے بھی نہ قائم کی تو وہاں کے رہنے والے سبھی لوگ قابل ملامت ہوں گے۔

نماز تراویح رمضان کے مہینے میں پڑھی جاتی ہے اور اس کا وقت نماز عشاء پڑھنے کے بعد صبح صادق تک ہے۔ اس کی رکعتیں بالاتفاق بیس ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی تین متفرق راتوں (تیسری، پانچویں اور ستائیسویں شب) کو سب کے ساتھ نماز تراویح ادا فرمائی پہلے دن آپ نے سب کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھیں، باقی رکعتیں سب نے اپنے اپنے گھروں میں ادا کیں چنانچہ ان کی آوازیں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں، دوسرے دن آپ نے مسجد میں پہلے دن سے طویل اور تیسرے دن اتنا طویل قیام فرمایا کہ بعض صحابہ کو سحری چھوٹ جانے کا خوف ہوا، حضورؐ اس کے بعد تراویح کے لئے نہیں نکلے کہ مبادا یہ فرض نہ کر دی جائے۔ اس کی رکعتوں کی تعداد بیس ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے واضح ہوتا ہے جس کی موافقت تمام صحابہ نے کی اور بعد کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جو ۱۶ رکعتیں پڑھا کر ۳۶ رکعتیں کر دی تھیں اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ میں ہر چار رکعت کے بعد طواف کیا جاتا تھا، آپ نے دوسری مسجدوں میں ہر طواف کے عوض چار رکعتیں پڑھا دینا مناسب جانا۔ ورنہ تراویح کی رکعتیں امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیس ہی ہیں اور اسی کو جہور امت نے اختیار کیا ہے۔ ہر چار رکعت کے بعد ترویجہ یعنی تھوڑا آرام لینا اور اس دوران ذکر الہی کرنا مستحب ہے۔

جماعت سے تراویح پڑھنے والوں کو وتر بھی جماعت سے پڑھنا بہتر ہے۔

تراویح کے مستحبات ترویجہ یعنی جلسہ استراحت ہر چار رکعت کے بعد کرنا صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل سے ثابت ہے اور اسی لئے مستحب

ہے اس میں کوئی وظیفہ یا کلمہ طیبہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ دعا مانگانا حدیث میں نہیں آیا۔

ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا مستحب ہے، چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا یا تمام رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں، باقی اماموں

کے نزدیک اگر ہر دو رکعت کے بعد قعود کیا گیا ہو تو نماز درست ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی۔

تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا نماز تراویح میں ایک بار پورا قرآن پڑھنا سنت ہے۔ پڑھنے میں اس کا لحاظ ہونا چاہیے کہ مقتدیوں پر بار

نہ ہو اور وہ خوش دلی سے سن سکیں۔ اتنی جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے جس سے نماز میں خلل واقع ہو۔ ہر دو رکعت کے آغاز میں نیت کرنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے دعائے افتتاح (سبحانک اللہم وبحمدک.....) پڑھنا چاہیے۔

جمعہ کا حکم اور اس کا ثبوت ہر مکلف اور قدرت رکھنے والے پر جو نماز کی شرائط کو پورا کرتا ہو، جمعہ کی نماز فرض ہے۔ یہ نماز جماعت کے

ساتھ جمعہ کے دن ظہر کی جگہ پڑھی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے۔

صلوة الجمعة رکعتین تمام (تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے

غیر قصر علی لسان نبیکم بموجب جمعہ کی نماز پوری دو رکعتیں ہیں اور

صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ قصر نہیں ہے۔)

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّىٰ بِلَصَلَاتِكُمْ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ، آیت-۹)

اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کی عبادت کے لئے چل پڑو

اور خرید و فروخت بند کر دو۔

نماز جمعہ کے فرض عین ہونے پر سب کا اجماع ہے اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے۔

نماز جمعہ کے لئے روانہ ہونے اور خرید و فروخت بند کرنے کا وقت جمعہ کی دوسری اذان جو خطیب

کے سامنے کہی جاتی ہے سنتے ہی روانہ ہو جانا چاہیے اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔

یہ تینوں اماموں کا مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو اذان ماذنہ (اذان

دینے کی جگہ دی جاتی ہے اسے سنتے ہی چل پڑنا چاہیے اور خرید و فروخت اس کے بعد نماز

ختم ہو جانے تک ممنوع ہے۔

جمعه کی شرطیں علاوہ ان شرائط کے جو نماز کے لئے پہلے بیان کی جا چکی ہیں کچھ شرطیں جمعہ کی نماز سے متعلق اور ہیں۔ اور وہ دو قسم کی ہیں، جمعہ واجب ہونے کی شرطیں اور نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرطیں۔

شرائط واجب ۱۔ مرد ہونا۔ (عورت پر واجب نہیں ہے۔ تاہم اگر جماعت میں شامل ہو جائے تو نماز درست ہوگی)

(۲) آزاد ہونا۔ (غلام اور مملوک کے لئے وہی حکم ہے جو عورت کے لئے بیان ہوا)

(۳) صحت مند ہونا۔ (مریض یا نابینا جس کا مسجد تک پہنچنا ممکن نہ ہو ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)

(۴) ایسی آبادی میں سکونت ہونا جہاں نماز جمعہ ہوتی ہو (مسافر پر واجب نہیں ہے)

(۵) ہوش و حواس والا ہونا (مجنون پر واجب نہیں ہے۔)

۶ بالغ ہونا (نابالغ لڑکے پر واجب نہیں ہے)

شرائط صحت نماز (۱) جگہ ایسی ہو جس پر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہو (شہر وہ ہے جس کی

سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے سارے مسلمان نہ سما سکیں، یا کم سے کم آبادی والی بستی میں بارہ آدمی عاقل و بالغ نماز پڑھنے والے ہوں اور وہاں روزمرہ

استعمال کی چیزیں مل جاتی ہوں تو جمعہ کی نماز بجائے ظہر کی نماز کے پڑھنا صحیح ہے۔

۲۔ وقت کا موجود ہونا۔ یعنی اگر ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ نماز سے پہلے خطبہ کا ہونا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

۴۔ جماعت کا ہونا (اس کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے) تنہا جمعہ کی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔

۵۔ امام کا ہونا (امام کے شرائط آگے بیان کئے جا رہے ہیں)

۶۔ صحت جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں ہے بلکہ میدان میں بھی درست ہے بشرطیکہ شہر

سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ سے زیادہ نہ ہو اور حاکم شہر (امیر یا امام) نے وہاں نماز جمعہ کی

اجازت دی ہو۔

جماعت جس کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے۔ درست نہیں ہے اس پر سب جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے کا اتفاق ہے۔ البتہ جماعت کی تعداد میں راہیں مختلف ہیں۔ حنفی علماء کے نزدیک جماعت کی کم سے کم تعداد امام کے سوا تین ہونا چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ وہ سب مرد ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ سب امام کے ساتھ سجدہ اولیٰ ادا کرنے تک جماعت میں شریک رہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی بھی امام کو چھوڑ کر چلا گیا تو اس کی نماز باطل ہوگی، دوسروں کی باطل نہ ہوگی لیکن اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سب ہی چلے گئے تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جماعت کا خطبہ اور اس کے ارکان جمعہ کے خطبے کا آغاز حمد الہی سے ہوتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے۔ پھر قرآن کی کوئی ایسی آیت تلاوت کی جاتی ہے جس میں کوئی حکم یا نصیحت ہو، عذاب الہی سے خوف دلانا اور ثواب کی بشارت دینا خطبے کے مضمون میں شامل ہوتا ہے۔ امام احمد حنبل رحمہ اللہ نے ان چاروں باتوں کو خطبہ کے ارکان بتایا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تحذیر و تبشیر کو خطبہ کا رکن کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر الہی کو خطبہ کا رکن فرماتے ہیں۔

جمعے کے دونوں خطبوں کے شرائط پہلے خطبہ کے بعد خطیب کو تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنا، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ پڑھنا اور دونوں خطبوں کا نماز سے پہلے ہونا۔

۲۔ خطبے کی نیت سے خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا۔ اگر نماز کے خطبہ کی نیت نہیں کی تو وہ عام تقریر شمار ہوگی۔

۳۔ خطبہ عربی زبان میں ہونا۔ اگر کسی آیت یا حدیث کا مفہوم یا کوئی دینی حکم مقامی زبان میں سمجھا دیا جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن اس کا لحاظ رہے کہ وہ عربی میں کہی ہوئی باتوں کا ہی اعادہ ہو، الگ سے کوئی بات نہ ہو، نیز خطبے کو نماز سے لمبانا کیا جائے۔

۴۔ دونوں خطبے وقت کے اندر ہوں۔ اگر خطبے وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھے گئے

اور نماز وقت آنے پر پڑھی تو یہ درست نہیں ہے۔
 ۵۔ خطبہ بلند آواز سے ہونا تاکہ حاضرین سن سکیں، اگر کوئی شخص بہرے پن کی وجہ سے
 یا بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے نہ سن سکے تو اس کے لئے سننے کی شرط نہیں ہے۔
 ۶۔ دونوں خطبوں کے درمیان یا خطبوں اور نماز کے درمیان تسلسل قائم رکھنا بھی شرط
 ہے، درمیان میں کوئی غیر متعلقہ عمل درست نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ تاخیر جائز
 ہے جس میں دو ہلکی رکعتیں پڑھی جاسکیں۔

خطبہ جمعہ کی سنت خطیب کا حالت حدث سے پاک ہونا۔ خطیب کا ممبر پر اذان
 خطبہ کے وقت بیٹھا ہونا، خطبے کے وقت دائیں ہاتھ سے
 اپنی تلوار یا عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہونا، خطبے کے وقت رخ حاضرین کی جانب رکھنا،
 دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر کے لئے بیٹھنا جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں، پہلا
 خطبہ دل میں اعوذ باللہ پڑھ کر اونچی آواز سے شروع کرنا اور خطبہ کے ارکان متذکرہ بالا
 کے مطابق خطبہ دینا، دوسرے خطبہ میں حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد ائمہ اسلام اور
 حاکم وقت نیز ایماندار مردوں اور عورتوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا۔ تائید الہی اور
 اور توفیق عمل کی دعا مانگنا سنت ہے۔

خطبے کی مکروہات خطبے کے دوران سننے والوں کا کلام کرنا یا امام جمعہ کا کسی سے
 گفتگو کرنا۔ مذکورہ سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔
جمعہ کے مستحبات جمعہ کے روز جو امور مستحب ہیں ان میں اپنی ہیئت کو اچھا بنانا
 ہے مثلاً ناخن تراشنا، موچھیں کترانا، بغل وغیرہ کے بال
 لینا، غسل کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا، جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھنا۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا اور دعائیں مانگنا۔ مسلم شریف
 میں آنحضرت کی حدیث مروی ہے کہ:

جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے جس

میں کوئی مسلمان بندہ اللہ سے جو دعاً

ان فی الجمعة ساعة لا

یوافقها عبد مسلم یسأل

اللہ تعالیٰ شیئا الا اعطاہ
ایاہ واستارسہ بیدہ
یقتلہا۔
مانگے وہ قبول ہو کر رہتی ہے حضور نے
ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ بہت
کھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن مسجد میں جانے کے لئے جلدی کرنا چاہئے۔ نماز میں شامل ہونے کے لئے صف
کو چیر کر جانا جس کو تختلی الرقاب (مونڈھے پر سے پھاند کر جانا) کہتے ہیں جائز نہیں اور خطبہ
شروع ہو جانے کے بعد ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، الا یہ کہ بغیر مونڈھے پر سے پھاندے
بیٹھنے کی جگہ ہی نہ مل سکتی ہو تو یہ کرنا مباح ہے اور اس صورت میں بھی مباح ہے جب
ایسا کرنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے یعنی نہ لباس کچلا جائے نہ بدن پر رگڑ لگے۔ خطبے کے بعد
اور نماز سے پہلے خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے پھاند کر جانا جائز ہے۔

جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہونا
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص پر
جمعہ کی نماز لازم ہو اُسے جمعہ کے دن فجر کے بعد سفر

کرنا جائز ہے بجز اس صورت کے جب یہ گمان ہو کہ راہ میں جمعہ کی نماز مل جائے گی یا پھر یہ
کہ وہ سفر واجب ہو مثلاً حج کا سفر۔ حنفی علماء جمعہ کی پہلی اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے
سے پہلے سفر کے لئے نکلنا مکروہ کہتے ہیں، زوال سے پہلے سفر کے لئے جانا مکروہ نہیں ہے۔

جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز
جس شخص پر نماز جمعہ واجب ہے اور بلا عذر نماز جمعہ
سے غیر حاضر رہا تو اُس کے لئے نماز ظہر اُس وقت

تک درست نہیں جب تک امام جمعہ کی نماز سے سلام پھیر کر فارغ نہ ہو جائے، اگر نماز
جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی تو امام شافعی اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ

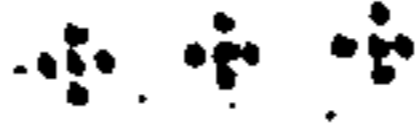
نماز نہ ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں نماز تو ہو جائے گی لیکن جمعہ کو ترک
کرنے کا گناہ ہوگا اگر ارادۃً ایسا کیا گیا ہو لیکن اگر بھول کے نماز ظہر پڑھ لی پھر یاد آیا کہ

جمعہ تھا اور جمعہ کے لئے چل پڑا اور امام نماز جمعہ سے فارغ نہ ہوا تھا تو اُس پر واجب
ہے کہ نماز جمعہ میں شامل ہو جائے، اس صورت میں پڑھی ہوئی ظہر کی نماز نفلی ہو جائے

گی ہاں اگر اُس وقت روانہ ہو کہ امام نماز ختم کر چکا تھا تو اس سے ظہر کی نماز باطل

ہیں ہوگی۔

صاحب عذر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، اسے ظہر کی نماز پڑھ لینا درست ہے۔
 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جمعہ کے ختم ہونے تک نماز ظہر میں تاخیر کرنا سنت ہے۔
 جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا ^{حنفی علماء کہتے ہیں کہ جس} شخص کی نماز جمعہ معذوری
 سے یا بلا عذر رہ گئی ہو اسے شہر کے اندر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں
 جس جگہ جمعہ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں وہاں جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں
 تو جائز ہے۔



عیدین کی نماز کا حکم اور وقت

عید الفطر اور عید الاضحیٰ سال میں ایک ایک بار آتی ہیں یعنی عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ کو اور عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو دونوں عیدوں میں نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہے، فرق یہ ہے کہ نماز جمعہ میں ”خطبہ“ نماز سے پہلے اور عیدین میں نماز کے بعد ہوتا ہے۔ عید کی نماز میں جماعت واجب ہے ترک کرنا گناہ ہے۔ نماز عید کا وقت طلوع آفتاب کے بعد نفل نماز کے جائز ہونے کے وقت سے زوال آفتاب تک رہتا ہے لیکن اس کے ابتدائی وقت سے تاخیر کرنا سنت نہیں ہے۔ شافعی اور مالکی فقہاران نمازوں کو سنت مؤکدہ اور حنبلی فقہاء قرآن کفایہ کہتے ہیں۔

نماز عید کی مبشروعیت یہ نماز پہلے سال ہجری میں شروع ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے ہیں حضور نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں، لوگوں نے کہا کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں ان دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں سے بہتر دن یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر عطا فرمائے ہیں، لہذا اسلام میں صرف یہی دو دن ہوار اور خوشی منانے کے دن ہیں، ان کے علاوہ مسلمانوں کو عید منانا جائز نہیں۔“

نماز عیدین کا طریقہ عید کی نماز دو رکعت اس نیت کے ساتھ کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی دو رکعت نماز واجب چھ تکبیروں کے اس امام کے پیچھے قبلہ رخ ہو کر پڑھتا ہوں، اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لئے جائیں اس کے بعد امام اور مقتدی ثنا پڑھیں، ثنا کے بعد امام بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جائے اور پھر چھوڑ دے، ایسا تین مرتبہ کرے اور تمام مقتدی امام کی پیروی کریں، تیسری بار ہاتھ چھوڑیں نہیں بلکہ باندھ لیں، تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھ کر امام بلند آواز سے سورہ فاتحہ اور کوئی سورت

پڑھے پھر رکوع اور سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پوری کرے اور دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، آہستہ سے بسم اللہ پڑھ کر بلند آواز سے سورہ فاتحہ اور اُس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے پھر تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جائے اور چھوڑ دے، یہ تکبیرات رکوع کی تکبیر کے علاوہ تین ہیں، ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھایا جائے، پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے اور باقی نماز حسب دستور پوری کی جائے۔ یہ زائد تکبیریں، تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہر رکعت میں تین ہیں، ہر تکبیر کے بعد اتنا توقف کرنا چاہیے جتنے عرصے میں تین تکبیریں کہی جاسکیں۔

اگر کوئی شخص نماز عید میں اس وقت شریک ہو جب امام تکبیریں کہہ چکا تھا تو اُسے نیت کے بعد تین تکبیریں فوراً کہہ لینا چاہیے، اگر وہ رکوع میں ملا ہے تو رکوع میں جاتے ہوئے تین تکبیریں بغیر ہاتھ اٹھائے کہہ لینا چاہیے۔

نماز عیدین کی جماعت اور اُن کی قضا عیدین کی نماز درست ہونے کے لئے جماعت شرط ہے جس طرح جمعہ کے لئے شرط ہے، اگر امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جاسکی تو شرعاً اس کی قضا کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس کی قضا تنہا پڑھنا چاہے تو چار رکعتیں بغیر زائد تکبیرات کے پڑھ لے۔

عیدین کی سنتیں اور مستحبات عیدین کی شب میں عبادت، درود اور تلاوت قرآن کرتے رہنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث طبرانی نے اس طرح نقل کی ہے:

من احیا لیلۃ الفطر و لیلۃ الاضحیٰ محتسباً لم یت قلبہ
یوم تموت القلوب۔
جو شخص عیدین کی راتوں میں خلوص دل سے شب بیداری کرے اس کا دل مردہ نہ ہو گا جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔

عیدین کے دن غسل کرنا حنفیوں کے نزدیک سنت اور باقی ائمہ کے یہاں مستحب ہے۔ اس دن خوشبو لگانا، بہترین لباس زیب تن کرنا خواہ نیا ہو یا صاف دھلا ہوا حنفیوں کے نزدیک سنت ہے، مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے۔ لیکن وہ عورتیں جو نماز عید میں شریک ہونے کے لئے جائیں اُن کے لئے یہ امور مستحب نہیں کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ

ہے۔ عید الفطر کے دن عید گاہ کو جانے سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے مثلاً: کھجوریں یا چھوہارے طاق عدد میں کھانا۔ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ہی دے دینا چاہیے۔ عید گاہ کی طرف پیدل چل کر جانا اور جاتے ہوئے تکبیر کہتے جانا مستحب ہے، یہ تکبیر نماز کے شروع ہونے تک جاری رہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ ایک راستہ سے عید گاہ میں آئے اور دوسرے راستے سے واپس جائے جس کسی مسلمان سے ملے تو چہرے سے خوشی اور بشارت کا اظہار ہو۔

عید الاضحیٰ میں عید گاہ جاتے وقت آواز کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے جانا۔ نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد قربانی کے گوشت میں سے کھانا یا جو چیز میسر ہو اسے کھاپی لینا چاہیے۔ نماز عید سے پہلے امام اور مقتدی کے لئے نفل پڑھنا مکروہ ہے اور عید گاہ میں عید کی نماز کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے گھر میں مکروہ نہیں ہے، احناف کے نزدیک امام کو خطبہ اول شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے بخلاف خطبہ جمعہ کے، اس میں خطبہ اول سے پہلے کسی قدر بیٹھنا سنت ہے۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے نماز عید کے لئے نہ اذان ہے نہ اقامت۔ مستحب ہے کہ یہ کلمۃ الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز تیار ہے۔ عیدین کے خطبے بالاتفاق سنت ہیں۔ اس خطبے کے ارکان وہی ہیں جو جمعے کے خطبوں کے ہیں۔ آغاز خطبہ عیدین میں تکبیر سے اور جمعہ میں حمد سے ہوتا ہے۔ ذکر الہی خطبے کا رکن ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ یہ حنفی علماء کا قول ہے، مالکی علماء کے نزدیک تحذیر و تبشیر عذاب الہی سے ڈرانا، ثواب آخرت کی خوش خبری دینا خطبے کا رکن ہے، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا لفظ صلوٰۃ کے ساتھ، قرآن حکیم کی کسی آیت کی تلاوت کرنا۔ تقویٰ اور اطاعت الہی کی ترغیب دینا اور دوسرے خطبے میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا ارکان خطبہ میں داخل کرتے ہیں۔

ایام تشریق عید الاضحیٰ کے بعد یعنی اردو الحجہ سے ۳ ذوالحجہ تک کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ تشریق کے معنی ہیں گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ (یا کاٹ کر خشک کرنا) منیٰ کے مقام پر قربانی کا گوشت اٹھیں ایام میں کاٹا جاتا ہے، ان ایام میں پانچوں وقت کی نماز کے بعد تکبیر کہنا سنت ہے اور حنفی علماء کے نزدیک واجب ہے۔ ان لوگوں پر جو شہر میں رہتے ہوں یہ تکبیریں واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ تنہا پڑھنے والے پر واجب نہیں۔
 ۲۔ جماعت مردوں کی ہو اور فرض نماز ہو، کوئی اور نماز ہو تو تکبیر واجب نہیں۔ عورت اگر مقتدی ہو تو آہستہ سے تکبیر کہے بلند آواز سے نہ کہے۔

۳۔ مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ شہر میں ہو۔ مسافر یا قریہ میں رہنے والے پر واجب نہیں۔
 تکبیرات تشریق عرفے کے دن نماز فجر سے شروع ہو جاتی ہیں اور عید کے چوتھے دن نماز عصر پر ختم ہو جاتی ہیں۔ تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد"۔ یہ تکبیر سلام پھیرنے کے فوراً بعد کہنا چاہیے، اگر نماز کے بعد کلام کیا یا ارادۂ کوئی امر ناقض وضو کیا تو تکبیر ساقط ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔ یہ تکبیر نماز و تراویح اور نماز عید کے بعد نہیں کہی جائے گی۔ اگر فرض قضا ہو جائے تو جب اسے پڑھا جائے اس کے ساتھ تکبیر بھی کہی جائے گی۔ اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی تکبیر کہیں۔

نماز استسقاء استسقاء کے معنی ہیں پانی مانگنا۔ شریعت کی اصطلاح میں بندوں کا اللہ کی جناب میں پانی برسانے کی دعا کرنا۔ یہ دعا دو رکعت نماز کے بعد مانگی جاتی ہے، اس کو نماز استسقاء کہتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو عیدین کی نماز کا ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ صرف اتنی ہی تکبیریں جتنی نماز دو گانہ میں مطلوب ہیں کافی کہتے ہیں جبکہ امام شافعی اور امام حنبل رحمہما اللہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں ۵ زائد تکبیروں کے قائل ہیں، نماز کے بعد امام وقت یا اس کا نائب دو خطبے پڑھے۔ امام زمین پر کھڑا ہو، ہاتھ میں کمان تلوار یا عصا ہو، خطبہ اول کا کچھ حصہ پڑھ کر اپنی چادر امام کو پٹ لینا یا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر لینا چاہیے۔ خطبوں سے فارغ ہو کر عاجزی کے

ساتھ استغفار کر کے دُعا مانگنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُسْتَفِيثًا
هَنِيئًا مَرِيئًا مَرِيئًا عَدَاثًا مَجْلَدًا
سُحًا طَبَقًا دَائِمًا عَاجِلًا عَيْرَاجِلًا
اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْزِلْ
عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاجْعَلْ
مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاءًا
إِلَى حِينٍ۔

بار الہا ہمیں فائدہ بخش بارش ت سیراب
کر خوش گوار خوش منظر طراوت بخش موسلا
دھار چھا جانے والی اور نفع بخش جلد
برسنے والی جس میں دیر نہ ہو اسے اللہ تیرے
علاوہ کوئی مالک نہیں ہم پر برکتیں نازل
فرما اور جو تو برسائے وہ ہماری روزی کا سبب
ہو اور ہمارے لئے کافی ہو۔

مؤطا میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی کے لئے دعا فرماتے تو کہتے:

اللَّهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَكَ
وَالشُّرَّ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِي بَلَدَكَ
النَّبِيَّت۔

خداوند! اپنے بندوں اور مویشیوں کو
سیراب فرما، اپنی رحمت کو پھیلا دے اپنے
مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔

نماز استسقاء کا حکم قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اسْتَسْقُوا وَاسْتَعْفِفُوا إِنَّهُ كَانَ
عُقَابًا يَرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ
مِدْرَارًا۔ (سورہ نوح آیت ۱۰)

اپنے پروردگار سے مغفرت کے طالب ہو
وہ مغفرت فرمائے والا ہے تمہارے لئے
موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔

کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ یہ مغفرت الہی کی خواستگاری۔ اللہ کی حمد و ثنا اور دُعا ہے، رہی نماز تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امر مستحب ہے۔ باقی ائمہ اس کو سنت موکدہ کہتے ہیں۔ یہ تنہا پڑھنے والے کے لئے بھی بغیر جماعت کے مشروع ہے۔

نماز استسقاء کا وقت وہ اوقات جن میں نفل نماز پڑھنا مباح ہے انہیں اوقات میں نماز استسقاء بھی پڑھی جاتی ہے اگر ایک بار پڑھنے میں بارش نہ ہو تو متواتر تین دن پڑھنا مستحب ہے۔

نماز استسقاء کو جانے سے پہلے مستحب امور سے پہلے کو چاہئے کہ نماز کو جانے سے پہلے لوگوں کو استغفار پڑھنے، صدقہ دینے اور ظلم کی ہر بات سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔

۲۔ آپس کی دشمنی دور کرنے کا حکم دے۔

۳۔ لوگوں سے کہے کہ تین دن روزہ رکھیں اور جو تھے دن امام سب کو لے کر نماز کے لئے باہر نکلے۔

۴۔ پرانے معمولی لباس پہن کر نکلیں۔

۵۔ بوڑھے مردوں اور عورتوں اور مویشیوں کو بھی ساتھ لے کر نماز کے لئے نکلیں، باشتور بچوں کا نکلنا بھی مباح ہے۔

نماز کسوف کسوف سورج گرہن کو کہتے ہیں۔ گہن کے وقت نماز پڑھنے کو صلوٰۃ کسوف کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الشمس والقمر ایتان
من آیات اللہ لا ینکسفان
لموت احد ولا حیایة فاذا
رأیتم ذلک فصلوا وادعوا
حتى ینکشف ما بکم۔ (بخاری و مسلم)

یعنی سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں
سے دو نشانیاں ہیں کسی موت یا زندگی پر
نہیں گہناتے ہیں اگر تم انہیں گہناتا دیکھو
تو نماز پڑھو اور دعا مانگو یہاں تک کہ یہ
کیفیت دور ہو جائے۔

نماز کسوف مشروع ہونے کی حکمت
مذکورہ حدیث اس عقیدے کے غلط
ہونے کی دلیل ہے کہ کسی مخلوق کی

موت یا زندگی سے گہن کا کوئی تعلق ہو، دراصل سورج اور چاند دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں
میں سے ہیں جن پر مخلوق کی زندگی کا انحصار ہے۔ گہن لگنا اس امر کا ثبوت ہے کہ ان نعمتوں کو
عطا کرنا اور سلب کر لینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، لہذا اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار
خالص توحید کا اقرار اور اللہ کی معبودیت کا انکار نماز ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

نماز کسوف کا طریقہ حنفی فقہاء کے نزدیک نماز کسوف کی دو رکعتیں مسلمان مسجد میں جمع ہو کر باجماعت پڑھیں اس میں اور نفل نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ چار رکعتیں ایک تسلیمہ یا دو تسلیموں سے پڑھی جائیں۔ باقی تین ائمہ دو رکعتوں پر متفق ہیں اگر یہ نماز گھن چھوٹ جانے سے پہلے ختم ہو جائے تو اس وقت تک دُعا مانگتے رہنا چاہیے جب سورج گھن سے نکل آئے۔ اُن کے نزدیک ہر رکعت دو رکوع اور دو قیام پر مشتمل ہوگی، حنفی مسلک میں ایک ہی قیام اور ایک ہی رکوع ہر رکعت میں ہونا چاہیے۔

نماز کسوف کی سنتیں سنت یہ ہے کہ نماز کسوف میں بحالت قیام لمبی قرأت کی جائے، دونوں رکعتوں میں رکوع و سجود کا طویل کرنا بھی سنت ہے۔ اس نماز میں اذان و اقامت نہیں ہے، اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَةٌ (نماز تیار ہے) کہہ کر آواز دی جائے۔ آہستہ قرأت کرنا مستحب ہے۔ امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اونچی آواز سے قرأت کرنے کو سنت کہتے ہیں۔ جماعت میں امامت کے لئے شرط یہ ہے کہ جمعہ کا امام ہو یا حاکم وقت نے کسی کو امامت کرنے کا اذن دیا ہو، نماز جامع مسجد میں پڑھی جائے، تنہا گزار کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نماز ادا کرے۔

نماز کسوف کا وقت صلوٰۃ کسوف کا وقت گھن لگنے سے سورج کے صاف ہو جانے تک ہے۔ اگر ایسا وقت ہو جس میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے تو صرف دُعا پر انحصار کرنا چاہیے۔

نماز خسوف چاند گھن کی نماز کے مسائل اور طریقے وہی ہیں جو نماز کسوف کے لئے ہیں۔ یہ نماز مستحب ہے، اس میں جماعت مشروع نہیں ہے اور نہ جامع مسجد میں پڑھنا سنت ہے، بلکہ وہ گھروں میں منفرداً پڑھی جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرأت آواز سے کرنا چاہیے۔ اگر چاند گھن کی حالت میں چھپ جائے جب بھی طلوع آفتاب تک نماز پڑھتے رہنا چاہیے۔

نماز کسوف و خسوف کی فضا ہے۔ اگر یہ نمازیں کوئی نہ پڑھ سکے تو اُن کی قضا نہیں ہے۔

نماز خوف جب حالت خوف طاری ہو مثلاً زلزلہ آجائے۔ بجلی زور سے کڑکنے لگے سخت آندھی اُٹھے کہ اندھیرا چھا جائے۔ تیز اور طوفانی ہوائیں چلنے لگیں یا ایسی ہی کوئی اور ڈراونی صورت حال پیش آئے جو عذاب الہی جیسی ہو تو دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے کیونکہ یہ قدرت کی وہ نشانیوں ہیں جن کا ظہور فرما کر اللہ تعالیٰ بندوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کریں اور طاعت الہی کی طرف مائل ہوں تو ان اوقات میں اللہ کی جانب رجوع ہو کر عبادت میں مصروف ہو جانا چاہیے تاکہ دنیا اور آخرت میں خوش بختی حاصل ہو۔ اس نماز کی حیثیت نوافل جیسی ہے نہ اس کی جماعت ہے نہ خطیبہ اور نہ مسجد میں ادا کرنا سنت ہے بلکہ گھروں میں ادا کرنا افضل ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا اس پر اتفاق ہے۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے نماز کے بیان کے آغاز میں فرض نمازوں کے اوقات کا ذکر کیا جا چکا ہے، اگر وقت نماز نکل گیا اور حرام وقت میں نماز پڑھی یا مکروہ وقت میں نماز پڑھی تو گناہ یا امر مکروہ کا ارتکاب لازم آئے گا۔ اماموں میں سے تین اصحاب اس امر کے قائل ہیں کہ وقت آجانے پر جب بھی نماز پڑھی جائے تو صحیح ہوگی لیکن تین اوقات ایسے ہیں جن کے بارے میں حنفی علماء فرض نماز مطلق نہ ہو سکنے کا حکم دیتے ہیں، وہ تین وقت یہ ہیں:

۱۔ سورج طلوع ہوتے وقت۔

۲۔ وہ وقت جب سورج نصف النہار پر ہو۔

۳۔ وہ وقت جب سورج غروب ہونے سے پہلے سُرخ ہو جائے۔

پہلی صورت میں جب تک آفتاب بلند نہ ہو جائے نماز ممنوع ہے لہذا اگر کسی نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر شروع کر دی اور ابھی ختم نہیں کی تھی کہ سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں زوال آفتاب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ زوال کے وقت پڑھنا ممنوع ہے۔

تیسری صورت میں سورج سرخ ہو جانے پر صرف اُس روز کی عصر اگر پڑھی نہیں گئی ہے تو پڑھی جاسکتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور کوئی نماز غروب آفتاب تک پڑھنا ممنوع ہے۔ سجدہ تلاوت کا حکم بھی اس بارے میں وہی ہے جو فرض نمازوں کے لیے اور نماز جنازہ کا یہی حکم ہے۔

وہ اوقات جن میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے یہ ہیں :-

- ۱۔ نماز فجر سے پہلے صبح صادق کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے صرف فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔
- ۲۔ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۳۔ عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوب جانے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۴۔ جب خطیب خطبہ کے لئے آجائے تو نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۵۔ جب نماز فرض کی اقامت کہی جانے لگے تو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ فجر کی سنت پڑھی جاسکتی ہے۔

۶۔ عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد بھی نفل پڑھنا ممنوع ہے۔

نوافل کی قضاء کوئی نفل نماز فوت ہو جائے تو اُس کی قضا پڑھنا صحیح نہیں ہے سوائے فجر کی دو سنتوں کے جن کی قضا طلوع آفتاب کے بعد سے زوال کے وقت تک پڑھ لینا چاہیے۔ نفل نماز شروع کر کے توڑ دی گئی ہو تو اس کی قضا لازم ہے۔

نفل نماز پڑھنے کا افضل مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صلّوا ایہا الناس فی بیوتکم

فان افضل الصلوٰۃ صلوة المسرّع فی بیتہ الا المکتوبۃ (بخاری و مسلم)

یعنی اے لوگو! فرض نمازوں کے سوا اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو کیونکہ مرد کے لئے سب سے بہتر وہ نماز ہے جو اپنے گھر میں ادا ہو۔ اس حکم سے وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں جن کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مشروع ہے مثلاً تراویح۔

نماز کی امامت

امامت نماز کی تعریف جب کوئی شخص یا چند اشخاص اپنی نماز کو یعنی قیام، رکوع، سجود اور جلوس وغیرہ کو ایک امام کی اقتدار (پیروی) سے مربوط کر دیں تو مقتدیوں کا امام سے یہ ربط امامت کہلاتا ہے۔ اگر مقتدی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے اس کی نماز باطل ہو جائے تو امام کی نماز باطل نہ ہوگی لیکن اگر امام کی نماز باطل ہوگی تو مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی کیونکہ ان کی نماز امام سے وابستہ ہے۔

صحت امامت کے لئے مقتدیوں کی تعداد کسی ایک فرد یا زیادہ افراد کے شریک امام ہو جانے سے امامت صحیح ہو جاتی ہے خواہ وہ ایک فرد مرد ہو یا عورت اس میں سب کو اتفاق ہے۔ لیکن اگر وہ لڑکا ہو جو سن شعور کو پہنچ چکا ہو تو بھی امامت درست ہوگی، یہ رائے حنفی اور شافعی فقہاء کی ہے مالکی اور حنبلی فقہاء ایک لڑکے کے امام کے ساتھ شریک ہو جانے کو جماعت قرار نہیں دیتے۔

امامت کا حکم نماز پنجگانہ کے لئے اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ تمام فرض نمازوں میں امامت مطلوب ہے۔ بخاری

میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے جی میں آتا ہے کہ میں لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں اور وہ اکٹھی کی جائے پھر نماز کا حکم دوں جس کی اذان دی جائے پھر کسی کو نماز پڑھنے کا حکم دوں پھر میں لوگوں کا پیچھا کروں جو لوگ گھروں میں ہیں اُن کے گھروں میں آگ لگا دوں۔“

اس حدیث سے جماعت کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام کے زمانے کی ہے اور اس کے اختتامی جملہ میں نماز عشا میں حاضری کا مذکور ہے۔

علاوہ ازیں یہ ارشاد نبویؐ کہ ”صلوٰۃ الجماعة تفضل صلوٰۃ الفرد بسبع وعشیرین“

درجۃ (جماعت سے نماز پڑھنا تہنہا پڑھنے کی بہ نسبت ۲، گنا افضل ہے) جماعت کی فرضیت کو منسوخ کرتا ہے اور افضلیت کی تائید کرتا ہے، حنفی فقہاء کے نزدیک پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں "جماعت" سنت عین موکدہ یعنی واجب ہے۔ عاقل آزاد اور تندرست مردوں کے لئے لیکن ان معذوروں کے لئے جو کسی بیماری میں مبتلا ہوں یا ان کے پاس کپڑے نہ ہوں تو ایسے لوگوں کے لئے سنت نہیں ہے۔

جماعت کی نماز اور عید کی نماز میں جماعت شرط ہے۔
امامت نماز جمعہ و عیدین میں نماز تراویح اور نماز جنازہ میں سنت کفایہ ہے اور نفل نمازوں میں مکروہ ہے۔

امام بننے کی شرطیں ۱۔ امامت کے لئے پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔

۲۔ دوسری شرط بالغ ہونا ہے۔

۳۔ عورت اور خنثی اُمشکل کی امامت صحیح نہیں ہے۔

۴۔ بے عقل آدمی یا جنون زدہ کی امامت صحیح نہیں ہے۔

۵۔ ناخواندہ شخص کا خواندہ کی امامت کرنا صحیح نہیں ہے، خواندہ کو کم از کم اتنی قرأت سے واقف ہونا ضروری ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔

۶۔ جو شخص کسی معذوری میں مبتلا ہو مثلاً سلسل بول کا یا دائمی پیمیش کا مریض ہو۔ ریاح مسلسل خارج ہوتے ہوں، نکیر جاری رہتی ہو تو ایسے اشخاص کی امامت کرنا صحیح نہیں جو ان امراض سے مبرا ہوں۔

۷۔ اگر مقتدی کے مسلک کی رو سے امام کی نماز صحیح نہیں ہے تو امامت صحیح نہیں ہے۔

۸۔ ہکے آدمی یا تلفظ غلط کرنے والے کی امامت بھی صحیح نہیں ہے۔

۹۔ مقتدی امام سے آگے بڑھ جائے تو امامت اور نماز دونوں باطل ہیں۔

امامت کن لوگوں کی مکروہ ہے (۱) بدعتی کی امامت مکروہ ہے یعنی وہ شخص جو بدعتوں کا مرتکب ہوتا ہے مثلاً تعزیرہ دار، قبروں

پر پھول اور چادر چڑھانے والا، غیر اللہ سے حاجت مانگنے والا۔

۲۔ فاسق یعنی وہ شخص جو کتاب و سنت کے خلاف عمل کرتا ہو اور گناہ کے کاموں سے اجتناب نہ کرتا ہو۔

۳۔ جاہل جو قرآن و سنت کا علم نہ رکھتا ہو۔

۴۔ اندھا آدمی (جو نہ عالم ہو نہ حافظ قرآن)

۵۔ حرام کھانے والا مثلاً سود خوار، رشوت خور وغیرہ۔

امام بنانے کی ترجیحات
پہلے امامت کا مستحق وہ ہے جو قرآن و سنت کا عالم بھی ہو اور عامل بھی اس کے بعد وہ جو گو علم زیادہ نہ رکھتا ہو مگر متبع سنت ہو۔

علم دین رکھنے والے اگر موجود نہ ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ صحیح اور اچھا قرآن پڑھتا ہو اس کے بعد وہ جو معاشی ضروریات حلال طریقے سے پوری کرتا ہو پھر جس کی عمر زیادہ ہو۔

پھر جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔

پھر وہ جو زیادہ باوقار اور معزز ہو۔

مقتدی کے لئے احکام
مقتدی تمام نمازوں میں اپنے امام کی پیروی کی نیت کرے لیکن جو چیزیں واجب، سنت یا مستحب ہیں ان کا اتباع ضروری نہیں ہے۔ جیسے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا یا امام آہستہ سے آہین کہتا ہے مقتدی زور سے یا امام نواف کے پاس ہاتھ باندھتا ہے اور مقتدی سینے کے پاس، تو مقتدی کی نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی لیکن اگر مقتدی تجیر تحریمہ بھول گیا یا رکوع یا سجدہ چھوٹ گیا تو دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔
مقتدی تین طرح کے ہوتے ہیں، مدبرک، مسبوق اور لاحق۔

مدبرک وہ ہے جو شروع سے آخر تک امام کے ساتھ نماز میں شریک رہا ہو۔

مضبوق وہ ہے جو ایک یا دو رکعتیں ہو جانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا۔

لاحق وہ ہے جو شروع سے نماز میں امام کے ساتھ شریک رہا لیکن درمیان میں وضو لوٹ

گیا اور جماعت سے نکل گیا اور پھر وضو کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔

مسبوق نماز کیسے پوری کرے

مسبوق کو چاہیے کہ جتنی رکعتیں امام کے ساتھ ملی ہیں

انہیں امام کے ساتھ پوری کرے جب امام سلام

پھیرے تو کھڑا ہو جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پوری کر لے جس ترتیب سے وہ چھوٹی ہیں اگر دو

رکعت والی نماز ہے اور اس کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا

ہو جائے، سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورہ پڑھ کر رکوع اور سجدہ اور قعدہ ادا کر کے

سلام پھیرے، اگر دونوں رکعتیں چھوٹ گئی ہوں (یعنی قعدہ اخیرہ میں شریک ہوا ہو) تو پہلی

اور دوسری رکعت سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے ساتھ اور رکوع و سجدہ کر کے پوری کرے

اور دوسری رکعت میں قعدہ کرے اور تشهد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

اگر چار رکعت والی نماز ہے اور دو رکعت تک چھوٹ گئی ہے تو اسی ترتیب سے ادا کرے

جو اوپر بیان کی گئی ہے لیکن اگر ایک رکعت چھوٹ گئی ہو تو امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر

چھوٹی ہوئی رکعت اسی طرح پوری کرے جس طرح ایک رکعت چھوٹ جانے کی صورت میں اوپر

بیان کیا گیا ہے لیکن اگر تین رکعتیں چھوٹ گئی ہیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر

سورۃ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر رکوع اور سجدوں کے بعد بیٹھ جائے کیونکہ وہ ایک رکعت امام کے

ساتھ پڑھ چکا ہے لہذا یہ اس کی دوسری رکعت ہوئی، اس میں بیٹھنا واجب ہے۔ تشهد

پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ بھی

پڑھے، کیونکہ قرآن پڑھنے کے اعتبار سے یہ اس کی دوسری رکعت ہے اور امام کے ساتھ

ملی ہوئی رکعت کے اعتبار سے تیسری ہے اس لئے اس میں سجدے کے بعد نہ بیٹھے بلکہ چوتھی

رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اگر تین رکعت والی

نماز (یعنی مغرب کی نماز) ہے اور دو رکعتیں چھوٹ گئی ہوں تو امام کے سلام پھیرنے کے

بعد کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پوری طرح پڑھ کر بیٹھ جائے اور تشهد پڑھ کر کھڑا ہو کیونکہ

یہ اس کی دوسری رکعت تھی، کھڑا ہو کر سورۃ فاتحہ مع سورت کے پڑھے اور پھر رکوع اور سجدہ

کر کے قعدہ اخیرہ ادا کرے اس طرح تینوں رکعتوں میں بیٹھنا پڑے گا۔

مسبق کو چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے، اگر سہواً ایک طرف سلام پھیرا اور فوراً ہی یاد آگیا کہ رکعت چھوٹ گئی ہے تو دوسرا سلام نہ پھیرے اور کھڑا ہو جائے۔ اگر دونوں طرف سلام پھیر دیا پھر یاد آیا یا کسی نے یاد دلایا تو بغیر بات کئے ہوئے کھڑا ہو جائے اور رکعت پوری کر لے اور سجدہ سہو بھی کر لے لیکن اگر بات چیت کر لے تو نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

اگر امام رکوع میں تھا جب مقتدی شریک نماز ہوا بہ اس طور کہ نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں شامل ہو گیا تو وہ رکعت اس کو مل گئی۔

لاحق نماز کیسے پوری کرے امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے اگر مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ جماعت سے نکل کر باہر آجائے کسی

سے بات چیت نہ کرے اور وضو کر کے پھر امام کے ساتھ مل کر اپنی نماز پوری کر لے اگر وہ رکوع یا پہلے سجدے میں تھا اور وضو کی ضرورت ہو گئی تو وہ رکعت دوبارہ آکر وہیں سے نماز میں ادا کرے جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا اگر وضو کے لئے آنے جانے میں اتنی دیر ہو گئی کہ جماعت ختم ہو گئی تو پوری نماز اسی طرح پوری کرے جس طرح امام کے ساتھ پوری کرتا یعنی اس میں اس طرح قرآن نہ پڑھے جس طرح مسبوق پڑھتا ہے البتہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھتا ہے۔

تنہا فرض پڑھنے والے کے ساتھ شامل ہونا اگر ایک شخص تنہا فرض نماز شروع کر دے اور کوئی دوسرا اس سے

آکر مل جائے تو اس پہلے شخص کو چاہیے کہ اگر جہری نماز ہے تو زور سے پڑھنا شروع کر دے، رکوع اور سجدوں کی تکبیرات بھی زور سے کہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب اگر جماعت سے نماز پڑھنے والے صرف دو ہوں یعنی ایک امام دوسرا مقتدی تو

آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ مقتدی امام کے داہنی جانب ذرا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اب اگر کوئی تیسرا شخص بھی جماعت میں شامل ہو تو اگر امام کے آگے جگہ ہو تو اس کو آگے بڑھا کر وہ مقتدی کے برابر کھڑا ہو جائے۔ اگر امام کے آگے جگہ نہ ہو تو مقتدی کو پیچھے لے آئے اور اسی

کے برابر خود کھڑا ہو جائے اگر آگے پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کے بائیں جانب کھڑے ہو جانا چاہیے
 اگر وہ تیسرا شخص امام کو آگے بڑھانا یا مقتدی کو پیچھے کھینچنا بھول جائے تو امام کو خود آگے
 بڑھ جانا چاہیے یا مقتدی کو پیچھے ہٹ آنا چاہیے۔ اگر امام کی اقتدار کرنے والوں میں ایک
 مرد اور ایک باشعور لڑکا ہو تو بھی اسی طرح کرنا چاہیے لیکن اگر ایک مرد اور ایک عورت ہو تو
 مرد امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت اُس مرد کے پیچھے کھڑی ہو۔ اگر دو یا اس سے زیادہ
 مقتدی ہوں تو امام کو شروع نماز ہی سے آگے کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر صف بھر چکی ہو اور کوئی
 ایک آدمی جماعت میں شامل ہونے کے لئے آئے تو چاہیے کہ پیچھے اکیلا کھڑا نہ ہو بلکہ کسی
 نمازی کو صف سے کھینچ کر اُس کے ساتھ کھڑا ہو، مقتدیوں کو خوب مل کر کھڑا ہونا چاہیے اور
 صف ٹیڑھی نہ ہو جانے کا دھیان رکھنا چاہیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر
 صف ٹیڑھی ہوگی تو دلوں میں بھی ٹیڑھاپن پیدا ہوگا۔ امام کو چاہیے کہ وہ صف کے آگے درمیان
 میں کھڑا ہو، دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہے۔ اہل جماعت میں جو افضل
 ہوں اُنھیں صف اول میں کھڑا ہونا چاہیے تاکہ اگر امام کو حدث وغیرہ لاحق ہو جائے تو وہ
 امامت کے اہل ہو سکیں اس کو "استخلاف" کے بیان میں آگے ذکر کیا گیا ہے۔

مقتدیوں کی صف بندی اس طرح ہونا چاہیے کہ آگے مردوں کی صف ہو اُن کے پیچھے
 لڑکوں کی اور اُن کے پیچھے عورتوں کی۔ اگر بالغ مرد موجود نہ ہوں تو لڑکے اگلی صف کو پورا کریں۔
 امام کو مقتدیوں سے اونچی جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہیے اور نہ ایسی جگہ پر جہاں پہلی صف
 کے لوگ اُسے نہ دیکھ سکیں۔

وضو کرنے والے کا تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا
 اگر امام کسی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھ رہا
 ہے یا اُس نے وضو کرتے وقت موزے یا پٹی پر مسح کیا ہے یا کسی مجبوری سے بیٹھ کر نماز پڑھ
 رہا ہے تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔

وہ معذوریات جن سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے
 شدید بارش ہو، سخت
 سردی پڑ رہی ہو یا راستے

میں اس قدر کھیڑا ہو جو اذیت کی موجب ہو۔ کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ مسجد تک جانا دشوار ہو۔ کسی ظالم سے اندیشہ ہو، نابینا ہو اور کوئی سانشی نہ ہو ان جیسی صورتوں میں جماعت چھوڑی جاسکتی ہے۔

استخلاف فی الصلوٰۃ کوئی امام جماعت کے ساتھ ایک یا دو رکعتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھے پھر کوئی ایسا امر پیش آئے جو مقتدیوں کے ساتھ نماز پوری

کرنے سے مانع ہو جیسے نکیر پھوٹ جائے یا حدث لاحق ہو جائے یا ایسا ہی کوئی امر مانع نماز ناگہاں آن پڑے تو امام کو اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے کسی کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دینا روا ہے تاکہ وہ باقی نماز مقتدیوں کے ساتھ پوری کرے اگر امام ایسا نہ کر سکے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے میں سے کسی کو امام کی جگہ کھڑا کر دیں نہ تو بولیں اور نہ قبلے کی طرف سے رخ پھریں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو استخلاف کہتے ہیں، امام یا مقتدی دونوں کو لحاظ رکھنا چاہئے کہ امام کا نائب کوئی نیک آدمی ہو اور امام کی بجائے نماز پڑھا سکتا ہو۔

شرعیات اسلامی میں نماز کو احترام کا بلند مقام حاصل ہے جب رب کائنات سے رابطہ قائم ہو جائے اور بندے خشوع و خضوع سے اپنے رب کے حضور کھڑے اور سجدہ ریز ہوں تو جب تک نماز سے فراغ نہ حاصل ہو اس میں خلل نہ پڑنا لازم ہے اگر اس دور ان کسی ایک سے سہو ہو جائے یا کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کا اثر جماعت پر پڑ سکتا ہو تو حتی الامکان جماعت کو باطل ہونے سے محفوظ رکھا جائے اور سجدہ سہو کر کے اس کی تلافی کی جائے۔

استخلاف کا سبب علمائے احناف کے نزدیک اگر امام کو بے اختیاری کی حالت میں حدث لاحق ہو جائے یا خون یا کوئی نجس چیز جسم سے

خارج ہونے لگے تو امام اپنا خلیفہ کسی کو بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر نجاست لگ جائے جو نماز جاری رکھنے سے مانع ہو یا امام کا ستر کھل جائے اور اس حالت میں نماز کا کوئی رکن ادا ہو جائے تو وہ باطل ہوگا، امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ساتھ ہی مقتدیوں کی نماز بھی جاتی رہے گی۔

یہ یا ایسی ہی کوئی اور صورت میں کسی کو نائب بنانا صحیح نہ ہوگا۔ اگر امام زور سے ہنسی یا جنون یا بے ہوشی طاری ہو جائے تب بھی وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔

کسی کو خلیفہ بنانا اس وقت جائز ہے جبکہ امام مقلد فرض قرأت کرنے سے عاجز ہو۔ اگر

امام کو خود کسی مضرت کا یا مالی نقصان کا اندیشہ پیش آجائے تو اسے نماز توڑ دینا چاہیے کسی کو نائب بنانا جائز نہیں ہے۔ مقتدیوں کو از سر نو نماز پڑھنا ہوگی۔

استحلاف کی شرعی حیثیت امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نماز میں خلیفہ امام بنانا ایک امر مستحب یا ایک امر جائز ہے۔ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ امام کا کسی کو اپنا خلیفہ بنا دینا افضل ہے اور اگر نماز کا وقت تنگ ہو تو واجب ہے۔ اگر امام نے کسی کو اپنا خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے کسی اور کو اپنا امام بنالیا تو امام کے بنائے ہوئے خلیفہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر مقتدیوں میں سے کوئی شخص خلیفہ بنائے بغیر آگے آگیا اور پوری نماز پڑھادی تو نماز درست ہو جائے گی۔

عورتوں کی جماعت عورتوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر کے اندر تنہا نماز پڑھیں۔ عورتیں اگر گھر کے اندر جماعت کرنا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں؛ امام اور مقتدی دونوں عورتیں ہوں تو جو عورت امام بنے اس کو آگے نہیں بلکہ عورتوں کے پیچ میں کھڑا ہونا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام مرد ہو تو اس کو آگے اور عورتوں کو پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، مرد تنہا عورتوں کی امامت اسی وقت کر سکتا ہے جب نمازیوں میں کوئی محرم عورت مثلاً ماں بہن بیٹی وغیرہ ہو۔

سجدہ سہو کا بیان سجدہ سہو سرفگندگی اور عاجزی کے معنی میں ہے، اصطلاح میں پیشانی زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ سہو کے معنی بھول کر کسی بات کے رہ جانے کے ہیں۔ نماز میں بھول جب ہی ہوتی ہے جب توجہ اللہ کی طرف سے ہٹ جائے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب شیطان نماز میں تمہاری توجہ ہٹا کر بھلاوے میں ڈالے تو نماز کے آخر میں دو سجدے کر لیا کرو۔ "کانتا ترغیبا للشیطان" (مسلم شریف) یہ دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں۔

سجدہ سہو کا طریقہ سجدہ سہو یہ ہے کہ نماز کے آخر میں صرف دائیں جانب سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور ان کے بعد تشهد پڑھے اور سلام پھیرے۔

وہ صورتیں جن میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یہ ہیں:

سجدہ سہو کے اسباب

(۱) نماز میں رکعتوں کا زیادہ پڑھنا یا کم پڑھنا اور تنگ میں پڑھنا۔ مثلاً کوئی شخص ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا اور پھر دھیان آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو بہتر یہ ہے کہ بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے اور سجدہ سہو کرے، اسی طرح اگر صرف تین رکعت پڑھ کر قعدہ کیا تب یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے تو چاہیے کہ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اسے پورا کر کے تشهد اور درود پڑھے پھر سجدہ سہو کرے۔ تنگ کی صورت میں جس طرف گمان زیادہ ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے پھر سجدہ سہو کر لینا چاہئے۔

اگر نماز ختم کرنے کے بعد تنگ ہو کہ تین پڑھیں یا چار تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اگر یقین کے ساتھ یاد آجائے کہ کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے اور اس نے بات چیت نہیں کی ہے اور وضو بھی ہے تو ایک رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کر لے لیکن اگر بات چیت کر لی یا وضو ٹوٹ گیا تو پھر سے نماز پڑھنا چاہئے۔ فرض نمازوں میں بھول ہو جانے کی صورتیں یہ ہو سکتی ہیں۔ اگر دو رکعت فرض کی نیت تھی لیکن بھول کر تیسری رکعت بھی پڑھ لی یعنی رکوع اور سجدہ بھی کر لیا پھر یاد آیا کہ یہ رکعت زیادہ پڑھ لی تو کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تو یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور فرض نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ اگر سجدے سے پہلے یاد آگیا ہو تو بیٹھ کر نماز پوری کر لینا چاہئے۔

اگر چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ یعنی دوسری رکعت کے قعدے میں تشهد کے بعد تھوڑا درود بھی پڑھ لیا پھر یاد آیا کہ یہ تو دوسری رکعت تھی تو فوراً کھڑے ہو کر باقی دو رکعتیں پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ اگر بھول کر سلام بھی پھیر دیا تو بھی بات چیت کرنے سے پہلے کھڑے ہو کر نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کرے۔

اگر چار رکعت والی فرض نماز میں دوسری رکعت میں بیٹھنا یا تشهد پڑھنا بھول جائے اور کھڑا ہونے لگے لیکن یاد آجائے کہ یہ دوسری رکعت ہے یا مقتدی بیٹھ جانے کا اشارہ کر دیں تو فوراً بیٹھ کر تشهد پڑھنا چاہئے اور نماز پوری کر لینا چاہئے، اس میں سجدہ سہو کی ضرورت نہیں

ہے البتہ اگر پورا کھڑا ہو گیا ہو تو پھر نہ بیٹھے بلکہ نماز پوری کر لے اور آخری رکعت کے بعد سجدہ ہو گئے۔ ایک صورت جو بہت شاد و نادر پیش آ سکتی ہے یہ ہے کہ چار رکعت فرض پوری پڑھ لی اور آخری رکعت میں تشہد پڑھ کر یہ سہو ہو گیا کہ دوہی پڑھی ہیں اور کھڑا ہو گیا تو اگر اس پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے غلطی یاد آ جائے تو بیٹھ جانا چاہئے اور سجدہ سہو کر کے نماز سے باہر آ جانا چاہئے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو بیٹھنا نہ چاہئے بلکہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لینا چاہئے اور چھ رکعتیں پوری پڑھ کر سجدہ سہو کر لینا چاہئے یہ آخری دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی اور چار رکعت فرض ہو جائے گی دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ سنت اور نفل کی ہر رکعت میں اور فرض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی کم از کم تین آیتیں پڑھنا ضروری ہیں اگر انھیں پڑھنا بھول جائے تو سجدہ سہو کرنا چاہئے۔

۳۔ نماز کے کسی رکن کو ادا کرنے میں مثلاً قرات کے بعد رکوع میں جانے یا تشہد پڑھ چکنے کے بعد دوسرا رکن ادا کرنے میں اتنی تاخیر ہو جائے جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکتی ہوں تو سجدہ سہو واجب ہے۔

نہ۔ کسی کو سجدہ سہو کرنا ضروری تھا مگر بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اگر اس نے بات چیت نہیں کی تو فوراً سجدہ سہو کر کے اور پھر تشہد درود اور دعا پڑھ کر دوبارہ سلام پھیرے۔

۵۔ اگر ایک نماز میں کئی سہو ہو جائیں تب بھی ایک ہی بار سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔

۶۔ نماز میں جو چیزیں سنت یا مستحب ہیں ان کو چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، مثلاً ثنا پڑھنا یا دنہ رہا، رکوع یا سجدے میں تسبیح پڑھنا بھول گیا، درود اور دعا پڑھنا یا نہیں آیا۔ فرض نماز کی کھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی قرآن کی آیت پڑھ لی تو سجدہ سہو نہیں ہے، لیکن نفل یا وتر کی کسی رکعت میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورت نہیں پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہے۔

۷۔ دعائے قنوت ترک ہو جانے کو سجدہ سہو کرنا چاہیے۔

۸۔ سجدہ سہو میں امام کی پیروی واجب ہے۔

سجدہ تلاوت بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے اور جب سجدے والی سورت پڑھتے تو سجدہ فرماتے اور ہم بھی ساتھ ہی سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض شخص کو پیشانی ٹیکنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ صحیح مسلم میں آنحضرت کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

اذا قرع ابن آدم السجدة فسجد
اعتزل الشيطان يبكي يقول
يا ويلاه امر ابن آدم بالسجود
فسجد فله الجنة و امرت
بالسجود فعصيت فلي النار۔

ابن آدم جب آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرنا
ہے تو شیطان ایک طرف ہٹ کر روتا اور
کہتا ہے ہائے غضب ابن آدم کو سجدے کا
حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے
جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم ہوا میں
نے وہ حکم نہ مانا تو میرے لئے جہنم ہے۔

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں بعض خاص خاص مقامات ایسے ہیں جن کے پڑھنے پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اسی کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔

سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت سجدے کی آیت پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ نہ کریگا تو گناہ

ہوگا۔ سجدہ تلاوت کا موجب نماز میں ہو یعنی نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھی گئی ہو تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے یعنی اس سے زیادہ وقفہ نہ ہو جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھتے ہی سورت ختم کرنے سے پہلے سجدہ کر کے کھڑا ہو پھر سورت کو پورا کر لے اور تب رکوع میں جائے۔ اگر سجدہ تلاوت نماز سے باہر واجب ہوا تو اس کی ادائیگی میں گنجائش ہے تاہم تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اگر اس نے حالت نماز میں نماز سے باہر تلاوت کرنے والے کے منہ سے آیت سجدہ سنی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کر لے۔

سجدہ تلاوت واجب ہونے کی شرائط حدث و نجاست سے پاک ہونا۔ عقل کا
بجا ہونا، سجدہ تلاوت کے لئے شرط ہے

جس طرح نماز کے لئے شرط ہے۔ البتہ آیت سجدہ سننے والے پر اگر وہ بطور ادا یا بطور قضا سجدہ کرنے کا اہل ہو تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے جو شخص نشے یا ناپاکی کی حالت میں ہو اس پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بطور قضا اس کے بجالانے کا اہل ہے ہاں اگر پڑھنے والا کوئی مجنون ہے یا بچہ ہے جو حد شعور کو نہ پہنچا ہو تو اس کے منہ سے سن کر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا کیونکہ صحت تلاوت کے لئے تیز (شعور) ہونا شرط ہے، اسی طوطا آیت سجدہ پڑھے یا فونو گراف (آلہ ضبط صوت) سے سنائی دے تو سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ اگر سجدے کی ایک آیت کئی بار پڑھی گئی جیسے قرآن یاد کرتے وقت تو ایک سجدہ کرنا ہوگا بشرطیکہ وقت اور جگہ نہ بدلے۔

اگر ایک ہی جگہ کئی آیات سجدہ پڑھی گئیں تو جتنی آیتیں پڑھی جائیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ کیا جائے پہلی تکبیر پیشانی کو زمین پر رکھتے وقت اور دوسری تکبیر سجدے سے اٹھتے ہوئے۔ سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہئے اس سجدے کے بعد تشہد اور سلام نہیں ہے۔

وہ آیات جن پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے قرآن مجید میں چودہ مقامات ایسے ہیں جہاں سجدے کی آیتیں ہیں۔

۲۴	رکوع	۲۰۶	۱۔ سورہ اعراف کی آخری آیت نمبر
۲	رکوع	۱۵	۲۔ سورہ رعد کی آیت نمبر
۶	رکوع	۴۹	۳۔ سورہ نحل کی آیت نمبر
۱۲	رکوع	۱۰۹	۴۔ سورہ اسراء کی آیت نمبر
۴	رکوع	۵۸	۵۔ سورہ مریم کی آیت نمبر
۱۰	رکوع	۷۷	۶۔ سورہ حج کی آیت نمبر
۵	رکوع	۶۰	۷۔ سورہ فرقان کی آیت نمبر

۲	۲۵	۲	۸۔ سورہ نمل کی آیت نمبر
۲	۱۵	۲	۹۔ سورہ سجدہ کی آیت نمبر
۲	۲۴	۲	۱۰۔ سورہ ص کی آیت نمبر
۵	۳۸	۵	۱۱۔ سورہ نجم کی آیت نمبر
۳	۶۲	۳	۱۲۔ سورہ نجم کی آخری آیت نمبر
۱	۲۱	۱	۱۳۔ سورہ انشقاق کی آیت نمبر
۱	۱۹	۱	۱۴۔ سورہ علق کی آخری آیت نمبر

آیات متذکرہ میں ہر ایک کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

سجدہ شکر سجدہ تلاوت کی طرح یہ بھی ایک ہی سجدہ ہے۔ یہ سجدہ کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی بُری بات کے ٹل جانے پر کیا جاتا ہے اور نماز سے باہر ادا کیا جاتا ہے۔ یہ سجدہ ایک امر مستحب ہے۔

مسافر کے لئے نماز میں قصر کرنے کی اجازت ایسے مسافر کو جس کی صفت آگے بیان کی جا رہی ہے، چار رکعتوں والی نمازوں میں قصر کرنا یعنی بجائے چار کے دو پڑھنا جائز ہے، امام شافعیؒ اور امام حنبلیؒ کا قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام مالکؒ اسے سنت مؤکدہ فرماتے ہیں۔ اب اگر کوئی مسافر بجائے قصر کے پوری نماز پڑھتا ہے تو واجب کا ترک لازم آتا ہے جو مکروہ ہے اور سنت کے ثواب سے محرومی ہے۔

نماز قصر کا ثبوت قرآن، حدیث اور اجماع سے نماز میں قصر کرنا ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۗ

نمار۔ آیت۔ (۱۰۱)

جب زمین پر سفر کے لئے نکلو تو نماز قصر کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے درآنحالیکہ تمہیں کافروں سے فتنے کا اندیشہ ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں قصر کرنے کا حکم خون کے حالات میں ہے۔ امن کی حالت میں اس کی مشروعیت صحیح حدیثوں اور اجماع سے ثابت ہوتی ہے، جلی بن امیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ ما لنا نقصر وقد امننا (امن کی حالت میں ہمارے لئے قصر کیا حکم ہے؟) انھوں نے فرمایا:

سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته (مسلم) حضرت عبد الله بن عمرؓ کہتے ہیں۔

اس بائے میں ہیں نے رسول اللہؐ سے پوچھا تھا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک صدقہ (عنایت) ہے جو اللہ نے تم پر فرمائی ہے تو اس کی عطا کو قبول کرو۔

صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فكان لا یزید فی السفر علی رکعتین والوبکر و عمر و عثمان کذا لک۔

میں آنحضرتؐ کا ہم سفر رہا ہوں حضورؐ نے کبھی دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ بھی ثابت ہے کہ نبیؐ نے ہجرت کے بعد اہل مکہ کے ساتھ چار رکعت والی نماز پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

اتَّبِعُوا صَلَواتِكُمْ فانا قوم سفر تم لوگ اپنی نمازیں پوری کرو۔ میں مسافر ہوں۔

قصر کے شرعی حکم ہونے میں امت کا اجماع ہے۔

قصر کے صحیح ہونے کی شرط وہ مسافر جو اپنے گھر سے ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرے جو اس کے گھر سے ۴۸ میل دور ہو۔ ایک شخص اتنی مسافت یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کی نیت سے جو ہی اپنی بستی سے باہر نکلے گا قصر نماز پڑھنے کا مجاز ہو جائے گا، خواہ یہ فاصلہ کسی تیز سواری سے جلد ہی کیوں نہ طے ہو جائے۔ مثلاً، ہوائی جہاز سے تب بھی قصر کرنا صحیح ہوگا۔ (رد المحتار و فتاویٰ عالمگیری)

قصر صرف فرض نمازوں میں ہے سنت اور نفل نمازوں میں نہیں ہے

جب تک سفر کی نیت نہ کی جائے قصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نیت کرنے والے کو کسی دوسرے کے ارادہ سفر کا تابع نہیں ہونا چاہیے اگر ایسا ہے تو اس کی نیت سے قصر عائد نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوران سفر کسی جگہ پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو جب تک سفر میں ہے قصر واجب ہوگا، جب تک اقامت نہ کر لے، اگر دوران سفر کسی معصیت کا صدور ہو جائے تو یہ امر قصر سے مانع نہیں ہے۔

مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا قصر کرنے والا مسافر اگر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو پوری نماز پڑھنا واجب ہے مقیم مقتدی اگر مسافر امام کے پیچھے ہو تو اسے بہر حال اپنی نماز پوری پڑھنا چاہیے۔ مسافر امام کو سلام پھیرنے کے بعد کہہ دینا چاہیے کہ میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔

قصر باطل ہونے کی صورت مسافر جب گھر واپس آجائے یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو وہ مقیم متصور ہوگا اور قصر باطل ہو جائے گا۔

قصر نماز کی قضا اگر حالت سفر میں کوئی نماز قضا ہو جائے اور گھر پہنچ کر اسے پڑھے تو قصر ہی پڑھنا چاہیے، اسی طرح گھر پر اگر کوئی نماز قضا ہو گئی اور حالت سفر میں اسے ادا کرنے کا موقع ملا تو پوری نماز پڑھے۔

مریض کی نماز کا بیان اگر کوئی شخص مریض ہے اور فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کے قابل نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر کھڑا ہو سکتا ہے لیکن اس سے کسی اور مرض کے لاحق ہو جانے کا یا مرض میں زیادتی ہونے یا شفا پانے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اگر کسی کو سلسل بول کا مرض ہو، کھڑے ہونے سے پیشاب آجاتا ہو لیکن بیٹھ کر پڑھے تو طہارت باقی رہتی ہو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ ایک تندرست آدمی جسے کھڑے ہونے سے بہوشی یا سرچکرانے کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہو تو بھی بیٹھ کر پڑھے، اگر کوئی شخص بغیر سہارہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے، سہارا خواہ دیوار کا ہو یا لکڑی وغیرہ کا جب اس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو تو

بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ جو شخص کھڑے ہونے سے معذور ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھے تو حنفی فقہاء کے نزدیک قرأت اور رکوع کی حالت جس طرح بھی بہ آسانی بیٹھ سکتا ہو بیٹھے لیکن سجدے اور تشهد کی حالت میں دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیے، اگر کوئی ہرج اور دشواری نہ ہو۔ بصورت دیگر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں زیادہ آسانی ہو۔

رکوع اور سجدے سے معذوری کا بیان اگر کوئی شخص رکوع اور سجدہ بیان میں سے کسی ایک کے کرنے سے معذور ہو تو جس کے ادا کرنے سے معذوری ہو اسے اشارے سے ادا کرے۔ اب اگر کوئی شخص کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے مگر صرف رکوع نہیں کر سکتا تو اسے واجب ہے کہ نیت باندھے اور قرأت کھڑے کھڑے کرے اور رکوع کا صرف اشارہ کر لے پھر سجدہ کر لے اگر سجدے سے بھی عاجز ہو تو بیٹھ کر اشارے سے سجدہ کرے۔ یعنی ایسی صورت میں جبکہ وہ کھڑے ہونے اور بیٹھ سکنے سے معذور نہ ہو تو رکوع کا اشارہ کھڑے ہو کر اور سجدے کا اشارہ بیٹھ کر کرنا چاہیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک کھڑے ہو کر اشارے سے رکوع اور سجدہ اسی وقت صحیح ہے جبکہ بیٹھنے سے معذوری ہو بصورت دیگر بیٹھ کر رکوع و سجدہ کا اشارے سے کرنا افضل ہے۔

اگر کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر ہی رکوع و سجدہ کا اشارے سے کیا جائے اور سجدے کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکنا واجب ہے۔

اگر کوئی شخص افعال نماز میں سے کوئی فعل ادا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اشارہ کرے یا دل میں اجزائے نماز کا تصور کرے تو ایسا ہی کرنا واجب ہے۔ اگر آنکھوں سے اشارہ کرنے کی قدرت ہے تو محض افعال نماز کا تصور دل میں کر لینا کافی نہیں ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جو شخص محض آنکھ پلک یا دل سے اشارہ کر سکتا ہے تو ایسی حالت میں نماز سے بری الذمہ متصور ہو گا خواہ عقل قائم ہو یا نہ ہو اور ایسے مریض پر قضا واجب نہیں ہے بشرطیکہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو جائے بصورت دیگر قضا واجب ہے۔

اگر کوئی مریض نماز پڑھنے میں شفا یاب ہو جائے تو اس نماز کو جاری رکھے اور جس طرح ادا کرنے کی قدرت ہوئی ہے اسی طرح نماز کو پورا کرے۔ جو شخص معذوری کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور اسی اثنا میں کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا تو نماز کو جاری رکھے اور کھڑا ہو کر باقی نماز پوری کرے۔ اگر کوئی شخص بیٹھ کر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اسی دوران وہ رکوع و سجود کے قابل ہو گیا تو اگر یہ تبدیلی ایک رکعت نماز اشاروں سے پڑھ لینے کے بعد ہوئی تو اسی نماز کو جاری رکھے، لیکن اگر رکعت پوری نہیں پڑھی ہے تو نماز توڑ دے اور از سر نو نماز شروع کرے، اسی طرح اگر کوئی شخص پہلو کے بل لیٹ کر نماز اشارے سے پڑھ رہا ہو اور دوران نماز بیٹھنے کے قابل ہو جائے تو اسے بھی از سر نو نماز پڑھنا چاہیے۔

مریض کی عیادت بیمار کی عیادت کرنا اسلامی شریعت میں سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلم غیر مسلم، امیر غریب سب کی عیادت کے لئے جانا چاہیے۔ نبی علیہ السلام یہودیوں اور منافقوں کی عیادت کرنے بھی جایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:

۱۔ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کی جائے اور

۲۔ جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کی جائے۔

عیادت میں مریض کی خدمت کرنا اور اسے تسلی دینا بھی شامل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کرنے جاتے تو کبھی کبھی مریض سے فرماتے "لا بأس طھوس ان شاء اللہ" گھبراؤ نہیں انشاء اللہ یہ بیماری تمہیں گناہوں سے پاک و صاف کر دے گی۔ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں ہم میں سے جب کوئی بیمار پڑتا تو آپ اپنا دایا ہاتھ مریض کے بدن پر پھیرتے اور اور اس کے لئے دُعا فرماتے:

أَذْهَبِ الْبَأْسَ رَبِّ النَّاسِ
وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيَ لَا شِفَاءَ
إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُنَادِرُ
سُقْمًا۔

پروردگار عالم اس درد اور تکلیف کو دور کر اور
شفا عنایت کر تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے
سوا کوئی شفا دینے والا نہیں اور شفا ایسی
عنایت کر جو بیماری کو باقی نہ رکھے۔

موت کی بیماری

جب اللہ کسی کی اجل پوری کر دے اور موت کی علامتیں معلوم ہونے لگیں تو اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا چاہیے۔ سنت یہ ہے کہ جب کسی کا وقت قریب آجائے تو اس کا رخ قبلے کی جانب کر دینا چاہیے؛ بایں طور کہ اس کو دائیں کروٹ دلادی جائے اور منہ قبلے کی جانب کر دینا چاہیے، بشرطیکہ ایسا کرنے میں اس کو تکلیف نہ ہو۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو تو چپٹ لیٹے رہنے دیا جائے اور پاؤں قبلے کی جانب کر کے سر کسی قدر اونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبلے کی طرف ہو جائے، مالکی کہتے ہیں ایسا کرنا مستحب ہے۔ سنت نہیں ہے۔ کلمہ شہادت کی تلقین کرنا چاہیے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت بیمار کے کانوں تک پہنچے تاکہ وہ بھی سنے اور اپنی زبان سے کلمہ ادا کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	یعنی مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا
فَإِنَّهُ لَيَسِّرُ لِمَنْ يَسْلَمُ لِقَوْلِهَا	کرے کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو موت کے
عِنْدَ الْمَوْتِ إِلَّا أَنْحَتَهُ	وقت یہ کہے اور دونوں سے نجات کے بغیر
مِنَ النَّارِ	رہ جائے۔

اس حدیث کو حفص بن شاہین نے باب الجنازہ میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے:

لَقِنُوا مَوْتَكُمْ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اپنے مرنے والوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو تلقین کی صورت یہ ہے کہ کلمہ شہادت پڑھ کر سناتے رہیں تاکہ وہ خود بھی پڑھے اس سے پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے۔ اس کے پاس سورہ لیس پڑھنا بھی مستحب ہے اور پاس بیٹھنے والے لوگوں کو اس کے حق میں دعائے خیر کرنا چاہیے، کیونکہ اس وقت کی جانے والی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

میت کے اعضا کو درست کرنا جان نکل جانے کے بعد فوراً اس کے اعضا درست کر دینا چاہیے، آنکھوں کو ڈھانک دینا چاہیے ہاتھ پیروں کو سیدھا کر دینا چاہیے، ایک کپڑے کی چٹ لے کر پیر کے دونوں انگوٹھوں کو ملا کر

باندھ دیا جائے اور ایک چٹ لے کر اس کی داڑھی کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر لے جا کر باندھ دیں تاکہ دونوں ٹانگیں برابر رہیں، پھیلنے یا کھڑی ہونے نہ پائیں اور منہ بند رہے اس کے بعد ایک چادر سے اس کا پورا بدن ڈھک دیا جائے، اعضا درست کرتے وقت یہ پڑھنے رہنا چاہئے **بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ**۔ اس کے قریب کوئی خوشبودار چیز جلادی جائے جیسے لوبان یا اگر تہی وغیرہ۔ حیض و نفاس والی عورتوں اور ناپاک مردوں کو قریب نہیں جانا چاہئے جب تک غسل نہ دیدیا جائے میت کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

غسل میت کو غسل دینا زندوں پر فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگوں نے اس فرض کو انجام دے لیا تو دوسرے اشخاص اس سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔ غسل دینا صرف ایک بار فرض ہے بہ اس طور کہ تمام بدن پر پانی پہنچ جائے اور تین بار غسل دینا سنت ہے لیکن مالکی فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔

شرائط غسل میت (۱) مسلمان کو غسل دینا فرض ہے۔ کافر کو غسل دینا فرض نہیں ہے۔ محض ستھرائی کے طور پر دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اسقاط شدہ بچے کو غسل دینا فرض نہیں ہے، اسقاط سے مراد مدت حمل پوری ہونے سے پہلے بچے کا رحم مادر سے خارج ہو جانا ہے۔ اب اگر اس میں جان پڑ گئی تھی یا اعضا بن گئے تھے لیکن مردہ پیدا ہوا تو دونوں صورتوں میں امام شافعی کے نزدیک غسل دیا جائے گا۔

۳۔ میت کے جسم کا کچھ حصہ مل گیا ہو تب بھی غسل دیا جائے گا۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جسم کا بیشتر حصہ یا نصف حصہ مع سر کے پایا جانا ضروری ہے، اس سے کم ہو تو غسل دینا فرض نہیں ہے۔

۴۔ میت شہید کی نہ ہو یعنی اس کی جو اللہ کا نام بلند کرنے میں قتل کر دیا گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق فرمایا:

لَا تَغْسِلُوهُمْ فَاِنْ كَلَّ جَرِحَ

انھیں غسل نہ دو ان کا ہر زخم قیامت کے

اوکل دیم یفوح مسکا یوم القیامة

روز مشک کی طرح ہلکتا ہوگا ان کی نماز

ولہ یصل علیہم

نازہ بھی آپ نے نہیں پڑھی۔

یہ حدیث احمد نے روایت کی ہے۔

اگر پانی دستیاب نہ ہونے یا نہ ملنے کے قابل نہ ملنے کے باعث میت کو غسل دینا دشوار ہو تو اس کی بجائے تیمم کیا جائے۔ اگر کوئی شخص جل کر مر گیا اور نہ ملنے میں جسم بکھر جانے کا اندیشہ ہو تو جسم نہ دھونا چاہیے، اگر پانی بہانے سے جسم کے بکھرنے کا اندیشہ نہ ہو تو تیمم نہ کیا جائے بلکہ صرف پانی بہا کر غسل دیا جائے۔

میت کا ستر دیکھنا اور ہاتھ لگانا میت کے ستر کا ڈھکنا واجب ہے۔ نہ ملنے والے یا کسی شخص کو نہ تو دیکھنا حلال ہے نہ ہاتھ لگانا۔

نہ ملنے والے پر واجب ہے کہ ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مقام ستر کو دھوئے، خواہ ستر خفیف ہو یا ستر غلیظ ہو، رہا باقی جسم تو اسے ہاتھ پر کپڑا لپیٹے بغیر دھونا درست ہے۔ کسی مرد کا عورت کی میت کو غسل دینا یا اس کے برعکس حلال نہیں ہے، ہاں میاں بیوی کا ایک دوسرے کی میت کو غسل دینا حلال ہے، مالکی اور شافعی مسلک اس مسئلہ میں متفق ہیں اس شرط کے ساتھ کہ بیوی طلاق یافتہ نہ ہو۔ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر عورت کا انتقال پہلے ہو جائے تو مرد کو غسل دینے کا حق نہیں ہے کیونکہ نکاح سے جو حق مرد کا عورت پر ہو جاتا ہے وہ موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر شوہر مر جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ اس وقت وہ عدت میں ہوگی اور اس کی زوجیت اس عورت کے حق میں باقی متصور ہوگی، اگرچہ مرنے سے پہلے طلاق رجعی دے دی ہو۔ ہاں بس کو طلاق بائن مل چکی ہو اسے جائز نہیں ہے۔ حنبلی فقہا کی رائے بھی یہی ہے۔

اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پائے جہاں کوئی اور عورت نہیں ہے صرف مرد ہیں۔ خاوند بھی نہیں ہے اور کسی غسل دینے والی عورت کا ملنا بھی دشوار ہے۔ یہ صورت حال دوران سفر میں پیش آ سکتی ہے، ایسی صورت میں حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس کا محرم کوئی مرد بھی موجود ہو تو کہنیوں تک اس کا تیمم کرے اور اگر محرم نہ ہو تو اجنبی مرد ہاتھ پر کچھ لپیٹ کر اسی طرح تیمم کرے لیکن کہنیاں دیکھنے سے آنکھ بند رکھے۔

اسی طرح اگر کوئی مرد ایسی جگہ وفات پائے جہاں عورتوں کے سوا کوئی مرد نہ ہو اور بیوی بھی نہ ہو تو چاہیے کہ کسی بے نفس معصوم طبع عورت کو غسل کا طریقہ سکھا کر غسل دلوادیں اور اگر ایسی عورت بھی موجود نہ ہو تو وہی عورتیں کہنیوں تک اس میت کا تیمم کر دیں۔

صغیر السن بچے کی میت کو عورت کا غسل دینا اور بچی کو مرد کا غسل دینا جائز ہے۔

مستحبات غسل میت تین بار میت کے پورے جسم پر پانی پہنچانا۔ اس میں پہلی دفعہ کا غسل فرض ہے۔ آخری غسل دیتے وقت پانی میں

خوشبو ملانا (مثلاً کافور) افضل ہے۔ بشرطیکہ میت حالت احرام میں نہ ہو۔ دوسرے غسل کے پانی میں میل دور کرنے والی شے (بیری کے تپے وغیرہ) ملا لینا چاہیے۔ نیم گرم پانی سے نہلانا افضل ہے۔ غسل دینے کے بعد میت کے سر اور داڑھی میں خوشبو لگائی جائے۔ پیشانی۔ ناک۔

دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں، آنکھوں، کانوں اور بغل کے نیچے خوشبو لگانا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کافور ہو۔ خوشبو لگانے کا عمل اس حالت میں صحیح نہیں ہے جب میت نے حالت احرام میں پانی

پانی ہو میت کے قریب خوشبو دار چیز کی دھونی دینا مستحب ہے۔ تختہ غسل پر لٹاتے وقت تین یا پانچ بار تخت کے چاروں طرف دھونی کے برتن کو پھرایا جائے اور کفن پہناتے وقت بھی اسی طرح

کیا جائے۔ غسل کے وقت میت کے تمام کپڑے، ستر ڈھکنے والے کپڑوں کے علاوہ اتار لئے جائیں پھر میت کو اسی طرح وضو کرایا جائے جیسے زندہ انسان نہانے کے وقت وضو کرتا ہے۔ کٹی اور

ناک میں پانی ڈالنے کی جگہ کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے پر دھجی لپیٹ کر پانی سے تر کر کے میت کے دانتوں، مسوڑھوں کا مسح کیا جائے اور نتھنوں کا مسح کیا جائے۔

مکروہ ہے میت کے سر اور داڑھی میں کنگھی کرنا یا مونچھ اور بغل وغیرہ کے بالوں کا تراشنا بلکہ اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز الگ ہو جائے تو بھی اسے ضائع نہ کیا جائے

بلکہ کفن کے ساتھ رکھ کر دفن کر دینا چاہیے۔

غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہونا اگر غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہو اور

بدن یا کفن آلودہ جائے تو صرف اس نجاست کا صاف کرنا واجب ہے دوبارہ غسل نہ دیا جائے۔

میت کو غسل دینے کا طریقہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت کسی اونچی چیز مثلاً نہلانے کے پٹے پر رکھا جائے۔ دھونی

دینے اور کپڑے اتارنے کا طریقہ بھی بتایا جا چکا ہے، میت کے پاس غسل دینے والے اور اس

کے معاون کے سوا کسی کو نہ ہونا چاہیے۔ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا پیٹ کر تر کے پہلے اگلی پچھلی شرم گاہوں کو دھوئے پھر وضو کرائے، وضو میں ابتدا چہرے کے دھونے سے ہوتی چاہیے، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ممکن نہیں اس کے بجائے کپڑے کی دھجی سے دانتوں، مسوڑھوں اور نتھنوں کی صفائی کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ سر اور داڑھی کے بالوں کو وضو کے بعد خوب مل کر کسی میل کاٹنے والی چیز (مثلاً صابن وغیرہ) سے دھونا چاہیے، پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا دیا جائے اور داہنے پہلو کو دھویا جائے اور سر سے پاؤں کی طرف تین بار پانی بہایا جائے، پیٹھ دھونے کے لئے صرف پہلو کی جانب اس طرح ہلایا جائے کہ پانی تمام جگہ پہنچ جائے پھر داہنی کروٹ لٹا کر بائیں پہلو کو اسی طرح ہلکے ہلکے بدن کو مل کر دھویا جائے اور سر سے پیر تک تین بار پانی بہایا جائے یہ دو غسل ہو گئے۔ نہلانے والے کو چاہیے کہ میت کو اپنے سہارے پر رکھ کر بٹھائے اور آہستہ آہستہ پیٹ پر ہاتھ پھیرے اور جو کچھ خارج ہو اُسے دھو ڈالے اس کے بعد میت کو بائیں کروٹ پر لٹا دیا جائے اور بہ طریق سابق پانی بہایا جائے یہ تیسرا غسل ہو گیا۔ ابتدائی دو غسل گرم پانی سے اور میل کاٹنے والی شے مثلاً بیری کے پتے اور صابن کے ساتھ دئے جائیں تیسرے غسل کے وقت پانی میں کافور استعمال کیا جائے اس کے بعد میت کے بدن کو پونچھ کر خشک کر لیا جائے اور اُس پر خوشبو مل دی جائے۔ پھر وہاں سے دوسری جگہ ہٹا کر کفنا دینا چاہیے۔

کفنانے کا بیان میت کو کفنا نامسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، کفن اتنا ہونا چاہیے کہ میت کا تمام بدن ڈھک جائے، اگر اس سے کم ہو تو فرض کفایہ مسلمانوں کے ذمہ سے ادا نہ ہوگا۔ میت کا کفن اُس کے خاص ذاتی مال میں سے ہونا چاہیے جس کے ساتھ کسی غیر کا حق وابستہ نہ ہو۔ اگر اُس کا خالص مال موجود نہ ہو تو جس پر اُس کی زندگی میں اُس کا نفقہ واجب تھا، کفن اُس شخص کے ذمے ہے، اگر ایسا شخص بھی موجود نہ ہو تو بیت المال سے کفن کا خرچ لیا جائے بشرطیکہ مسلمانوں کا بیت المال ہو اور اس سے لینا ممکن ہو ورنہ صاحب مقدر مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسے مہیا کریں، جنازے کے دوسرے اخراجات اور دفنانے کے مصارف اسی میں شامل ہیں۔

مرد کا کفن ایک چادر (لغافہ) ایک تہ بند (ازار) ایک کرتا (کفنی) مرد کا کفن ہے۔ چادر مرد کے قد سے ایک ہاتھ زیادہ ہونا چاہیے اور چوڑائی اتنی کہ پورا جسم اُس میں لپیٹا جاسکے۔ ازار کی چوڑائی چادر کے برابر اور لمبائی چادر سے بالشت بھر کم رکھی جائے۔ کرتے کی چوڑائی چادر اور ازار کی چوڑائی کے برابر اور لمبائی گردن سے شرمگاہوں تک، اس کو بیچ سے اتنا پھاڑ دیا جائے کہ اس میں سر چلا جائے۔

عورت کا کفن تین مذکورہ بالا کپڑوں کے علاوہ دو کپڑے اور ہونے چاہئیں ایک سر بند دوسرے سینہ بند، سر بند ایک گتر سے کم چوڑا اور ایک گتر سے کچھ زیادہ لمبا ہونا چاہیے۔ سینہ بند کی لمبائی بغل سے گھٹنے تک اور چوڑائی ازار کی چوڑائی کے برابر ہے۔ اس طرح مردوں کے کفن کے لئے زیادہ سے زیادہ ۱۲ گتر اور عورتوں کے کفن کے لئے ۱۹ گتر کپڑا کافی ہے۔ غسل دینے کے لئے دستانے اور تہ بند کے کپڑے اس کے علاوہ ہیں، اسی طرح عورت کے پردے کے لئے چادر بھی اس کے علاوہ ہے۔

کفن دینے کا طریقہ پہلے کسی صاف تخت، چارپائی یا چٹائی پر چادر بچھا دی جائے، اس کے اوپر ازار والا کپڑا بچھا دیا جائے، اُس کے اوپر کرتے کا نصف حصہ بچھا دیا جائے اور نصف لپیٹ کر سر ہانے چھوڑ دیا جائے۔ پھر میت کو غسل کے تختے سے اٹھا کر اُس پر لے آئیں، کرتے کا نصف لپیٹا ہوا حصہ سر میں ڈال کر شرمگاہ تک پھیلا دیں پھر ازار کی چادر کا بائیں حصہ پھر دائیں حصہ لپیٹ دیں، ایسا کرتے وقت وہ تہ بند جو نہلاتے وقت بندھا تھا نکال دیا جائے۔ اسی طرح چادر کو بھی لپیٹ دیں اور اُس کے دونوں سروں کو ایک چٹ سے باندھ دیں تاکہ کھلنے نہ پائے، عورت کے کفن میں کرتا پہنانے کے بعد اُس کے سر کے بالوں کو دو حصوں میں کر کے سینے کے اوپر لے آئیں اور سر بند کو اُس کے اوپر ڈال دیں، ازار کو لپیٹنے کے بعد سر بند کو لپیٹ دیں۔ بعد میں چادر کو اس طرح لپیٹا جائے کہ بائیں جانب کا کنارہ دائیں جانب اور دائیں جانب کا بائیں جانب ہو۔ سب سے زیادہ پسندیدہ کفن وہ ہے جو سفید کپڑے کا ہو خواہ نیا ہو یا پرانا، ہر ایسا لباس جس کا پہننا مردوں کو زندگی میں مباح ہے، مرنے کے بعد اُس کا کفن بھی مباح ہے اور ہر ایسا لباس جس کا پہننا زندگی میں مکروہ ہے اُس کا کفن بھی مکروہ ہے لہذا مردوں کو

ریشم، زرد یا زعفرانی رنگ کے کپڑوں میں کفن دینا مکروہ ہے جبکہ عورتوں کو ایسا کفن دینا جائز ہے۔ کفن کی تمام چادروں میں حنوط (خوشبو) لگانا بہتر ہے۔

نماز جنازہ جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے، اگر بستی کے بعض لوگوں نے پڑھ لی اور کچھ نے نہیں پڑھی تو سب کے ذمے سے فرض ادا ہو گیا البتہ ثواب نماز پڑھنے والوں ہی کو ملے گا۔

نماز جنازہ کا طریقہ نماز پڑھانے والامیت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو پھر نماز جنازہ ادا کرنے کی نیت اللہ کی عبادت کے لئے ہر نماز پڑھنے والا کرے پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہے اور ثنا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ پڑھے۔ دوسری تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے کہے اور درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر بھی بغیر ہاتھ اٹھائے کہے اور میت کے حق میں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے، اُس کے بعد چوتھی تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے کہے، پھر سلام پہلے دائیں جانب اُس کے بعد بائیں جانب پھیرے، سلام میں میت کو سلام کی نیت نہ کرے بلکہ دائیں بائیں کے لوگوں کی نیت کی جائے تکبیر کے علاوہ تمام نماز آہستہ ادا کی جائے۔ نماز سے پہلے صفیں درست کرنا اور کم سے کم تین صفیں بنانا چاہئے، زیادہ سے زیادہ جتنی بھی ہو جائیں۔

نماز جنازہ کے ارکان پہلا رکن نیت ہے۔ امام اعظم اور امام حنبلی رحمہما اللہ نیت کو شرط مانتے ہیں، رکن نہیں جس طرح دوسری نمازوں میں نیت لازمی ہے اسی طرح جنازے کی نماز میں بھی لازمی ہے۔ بعض فقہانیت میں یہ تعین بھی ضروری کہتے ہیں کہ میت مرد ہے یا عورت یا نابالغ لڑکا یا لڑکی لیکن اگر کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو یہ نیت کرے کہ میں اُس کے لئے جنازے کی نماز پڑھ رہا ہوں جس کے لئے امام پڑھ رہا ہے اور دعا جو تیسری تکبیر کے بعد مانگی جاتی ہے اُس میں بھی میت کی نیت کی جاتی ہے۔

دوسرا رکن تکبیرات ہیں ان کی تعداد تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار ہے، ہر تکبیر ایک رکعت کے برابر ہے اور تکبیروں کے رکن ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

تیسرا رکن پوری نماز کا حالت قیام میں پورا کرنا ہے۔ بلا عند ربیٹھ کر اگر نماز پڑھی تو نماز جنازہ ادا نہیں ہوگی، اس میں بھی سب کا اتفاق ہے۔

چوتھا رکن میت کے حق میں دعا کرنا ہے جو بالغ اور نابالغ کے لئے الگ الگ طریقے سے پڑھی جاتی ہے۔

پانچواں رکن سلام ہے۔ سلام چوتھی تکبیر کے بعد پھیرا جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واجب ہے رکن نہیں ہے لہذا اگر یہ رہ جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا بھی حنفی فقہاء کے نزدیک سنت ہے رکن نہیں ہے سورہ فاتحہ کی نماز جنازہ میں تلاوت حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ شافعی اور حنبلی فقہاء اس کا تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا افضل کہتے ہیں۔

نماز جنازہ کی شرطیں ایک شرط یہ ہے کہ میت مسلمان کی ہو۔ اللہ اور اس کے رسولؐ اور قرآن عظیم پر ایمان نہ رکھنے والوں کے لئے اللہ کا ارشاد ہے:-

وَلَا تَصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَاٰبِدُا (سورہ توبہ آیت ۸۵)

ان کفار میں سے جو مر جائے اس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

ایک شرط میت کا نماز جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے موجود ہونا ہے۔ آنحضرتؐ کا نجاشی کی غائبانہ نماز پڑھنا آپؐ کا مخصوص عمل تھا، حنفی اور مالکی فقہاء میت کی موجودگی کو شرط قرار دیتے ہیں جبکہ شافعی اور حنبلی فقہاء غائبانہ نماز جنازہ کو جائز کہتے ہیں اگر میت اس شہر کی نہ ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت کو غسل دے کر یا تیمم سے پاک کیا جا چکا ہو اس سے پہلے نماز جنازہ جائز نہیں اس پر سب متفق ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت نماز پڑھنے والوں کے آگے ہو پیچھے نہ ہو اس پر بھی سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت گاڑی پر یا کسی سواری پر رکھی ہوئی نہ ہو، حنفی اور حنبلی فقہاء کا یہی قول ہے جبکہ شافعی اور مالکی فقہاء نماز جنازہ اس صورت میں بھی جائز کہتے ہیں اگر میت

کسی جانور پر یا ہاتھوں پر ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ شہید کی میت نہ ہو کیونکہ شہید کو غسل دینا اور نماز جنازہ پڑھنا دونوں معاف ہیں۔

نماز جنازہ میں ثنا اور دعا تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنے میں وہی الفاظ ادا ہوں جو عام نمازوں میں کہے جاتے ہیں "و تعالیٰ جدُّک کے

بعد و جل ثناؤک بھی پڑھنا چاہیے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود جس طرح عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے پڑھا جائے۔ تیسری تکبیر کے بعد دعا کے الفاظ بالغ مرد اور عورت کے لئے یہ ہیں:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَ
شَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا
وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنثَانَا اللَّهُمَّ
مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَي
الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا
فَتَوَفَّهُ عَلَي الْإِيمَانِ۔

اے اللہ ہمارے زندوں ہمارے مردوں ہمارے
حاضروں ہمارے غائبوں ہمارے چھوٹوں ہمارے
بڑوں ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو
بخش دے اے اللہ ہم میں سے جس کو تو
زندہ رکھے اُس کو اسلام پر زندہ رکھ اور
جس کو موت دے اُس کو ایمان کے ساتھ موت
دے۔

احادیث میں یہ دعا بھی آئی ہے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَ
عَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَارْحَمْ نَزْلَهُ
وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَأَغْسِلْهُ بِالمَاءِ
وَالسَّلْحِ وَالْبَرْدِ وَلَقِّهِ مِنْ
الْخَطَايَا كَمَا يَنْقِي الثَّوْبُ
الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ
دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا
خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَرَوْحًا خَيْرًا

اے اللہ تو اے بخش دے اُس پر رحم کر اس کو
معاف کر دے اور اس کو اپنی حفاظت میں لے
لے اور اس کو اچھا ٹھکانا دے اور اس کی
قبر وسیع کر، اور اُسے پانی برف اور اولے
سے دھو دے اُس کو گناہوں سے ایسا پاک بنا
کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک
صاف ہوتا ہے اُس کو دنیا کے گھر سے اچھا
گھر اور اس کے گھر والوں سے اچھے گھر

والے اور یہاں کی شریک زندگی سے اچھی
شریک زندگی نصیب کر اس کو جنت میں
داخل کر اور قبر اور دوزخ کے عذاب سے
اس کو بچالے۔

مِنْ تَرُوجِهِ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ
وَأَعَدَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
وَعَذَابِ النَّارِ۔

یہ تو بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے دعا تھی، نابالغ لڑکے کے لئے یہ دعا پڑھے۔
اے اللہ اس لڑکے کو ہماری مغفرت کا ذریعہ
بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور آخرت کا
سامان بنا اور اس کو ہمارا سفارشی بنا ایسا
سفارشی جس کی سفارش قبول کی جائے۔

يٰۤاَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّ
اجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ
اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا۔

اگر نابالغ لڑکے کی ہو تو یہ دعا پڑھی جائے گی

اے اللہ اس لڑکے کو ہماری بخشش کا ذریعہ
بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور ذخیرہ آخرت
بنا اور اس کو ہمارا شفاعت کنندہ بنا اور
اور ایسا شفاعت کنندہ جس کی شفاعت
مقبول ہو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا
لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّاجْعَلْهَا
لَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً۔

نماز جنازہ کی تکبیریں جیسا کہ بیان کیا جا چکا گل چار

ہیں نہ زیادہ نہ کم۔ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے

تو مقتدیوں کو مزید تکبیروں میں امام کی پیروی نہیں کرنا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے کہ سلام
پھیرے اس طرح سب کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر امام نے چار سے کم تکبیریں کہیں تو اس
کی اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔ اگر سہواً تکبیر چھوٹ گئی تو اس کی تلافی نماز
میں کمی کی تلافی کی طرح کر لی جائے لیکن اس میں سجدہ سہو نہیں ہے۔

اگر کوئی مقتدی نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہو جب کہ امام ایک یا زیادہ

تکبیریں کہہ چکا ہو تو اس مسئلے کے متعلق حنفی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ امام

کی تکبیر کا انتظار کرے اور اُس کے ساتھ تکبیر کہے۔ مسبوق کو چاہئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی تکبیروں کو پورا کرے۔

مکرر نماز جنازہ پڑھنا دوسری بار میت پر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، یہ مسلک حنفی اور مالکی علماء کا ہے۔ شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک حین نے پہلی بار نماز جنازہ نہیں پڑھی اُسے دوسری بار نماز پڑھنا جائز ہے خواہ دفن کے بعد پڑھے مسجدوں میں نماز جنازہ مسجدوں میں میت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مسجد میں جنازہ لانا بھی مکروہ ہے، صرف شافعی مسلک میں مسجد کے اندر نماز جنازہ کو مستحب کہا گیا ہے، قبر کو سامنے کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

شہید کا بیان شہید وہ ہے جس کو ظلم سے ناحق قتل کیا گیا ہو خواہ جنگ میں قتل ہوا ہو یا کسی باغی نے، کسی دشمن نے، کسی رہن یا چور نے قتل کیا ہو۔ خواہ اپنے جان و مال کی حفاظت میں یا مسلمانوں یا ذمیوں کی حفاظت میں شہید کیا گیا ہو تو وہ دنیا و آخرت کا شہید یعنی شہید کامل ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایسے شہید کو غسل نہ دیا جائے لیکن خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگ جائے تو اُسے دھونا چاہئے۔ شہید کو اُس کے اپنے لباس میں دفن کر دینا چاہئے۔ شہید کامل کے لئے عقل، بلوغ، اسلام اور حدث اصغر و اکبر سے پاکی، عورت کے لئے حیض و نفاس سے پاکی شرط ہے اور یہ کہ سبب ہلاکت وارد ہونے کے بعد بغیر کچھ کھائے پئے یا سوئے موت آگئی ہو، نہ قتل کی جگہ سے زندگی کی حالت میں کسی خیمے یا گھر میں منتقل کیا گیا ہو نہ نماز کا پورا وقت گزرنے پایا ہو اور اُس کے قتل پر قصاص واجب ہوتا ہو (اگر کسی وجہ مثلاً صلح ہونے سے حکم قصاص مرتفع ہو جائے تو بھی وہ شہید کامل ہے) اُسے خون آلود لباس کے ساتھ ہی دفن کیا جائے، اگر اس کے جسم پر ایسی اشیاء ہوں جو کفن کی صلاحیت نہیں رکھتیں مثلاً فر، روئی دار لباس، ٹوپی جراب، ہتھیارا، اور زرہ تو انہیں اتار لیا جائے بخلاف پاجامے کے اُسے نہیں اتارا جائے اور اگر جسم پر کوئی اور لباس نہ ہو تو فر اور روئی دار لباس بھی نہ اتارا جائے، علمائے احناف شہید کے جنازے پر نماز پڑھی جانے کا حکم دیتے ہیں۔

دوسرا شہید وہ ہے جو صرف شہید آخرت ہو، یہ وہ ہے جو شرائط سابقہ میں سے کوئی شرط

پوری نہ کرتا ہو، مثلاً ظلم سے قتل کیا گیا ہو لیکن ناپاکی کی حالت میں یا سبب ہلاکت وارد ہونے کے معاً بعد موت نہ آئی ہو۔ نابالغ یا مجنون ہو یا نادانستہ طور پر قتل ہوا ہو، ایسے لوگوں کو شہیدِ آخرت کہا جائے گا۔ قیامت میں اُن کا وہی اجر ہے جس کا وعدہ شہدا کے لئے کیا گیا ہے، شہیدِ آخرت کے زمرے میں وہ بھی ہیں جو ڈوب یا جل کر یا غریب الوطنی کی حالت میں یا دوائی امراض یا استنقا یا پیش یا نمونیا دمہ، سل یا دق (یعنی تپ محرقہ) کے مرض میں یا زہریلے جانور کے کاٹنے یا ایسے ہی کسی سبب سے وفات پا جائیں۔ طلب علم کے دوران اور جمعہ کی رات کو مرنے والا بھی ایسا ہی ہے، ایسے شہدا کو غسل دیا جائے، کفنا یا جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اگرچہ آخرت میں اُن کا اجر شہدا جیسا ہے۔

تیسری قسم ”شہیدِ دنیا“ محض“ کی ہے اس سے وہ منافق مراد ہے جو مسلمانوں کی صف میں قتل کیا گیا ہو اس کو غسل نہیں دیا جائے، اسی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے اور اس کی طاہری حالت کے پیش نظر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

اوپر لکھے گئے مسائل حنفی مسلک کے مطابق ہیں۔

جنازہ اٹھانے کا طریقہ میت کو لے کر قبرستان تک جانا بھی غسل دینے، کفن پہنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی طرح فرض کفایہ ہے، اس کا مسنون طریقہ حنفی مسلک میں یہ ہے کہ چار آدمی اُدل بدل کر جنازے کو قبرستان تک لے جائیں بائیں طور کہ ہر طرف سے جنازے کو کاندھے پر لے کر دس دس قدم چلیں، بہتر یہ ہے کہ پہلے دائیں پہلو کا سر ہاتھ پھر دائیں پہلو کی پانٹی پھر بائیں پہلو کا سر ہاتھ پھر بائیں پہلو کی پانٹی کاندھے پر لے کر دس دس قدم چلا جائے، دودھ پیتے، بچے یا دودھ چھڑانی کے بعد فوت ہو جانے والے بچے کا جنازہ ہاتھوں پر اٹھالیا جائے اور اسی طرح باری باری سے لوگ اُسے ہاتھوں پر اٹھا کر لے چلیں، عورت کے جنازے کو اوپر سے ڈھکا ہوا ہونا چاہیے، اسی طرح قبر کو بھی عورت کو دفن کرتے وقت ڈھکا رکھا جائے، یہاں تک کہ لحد میں اتارنے سے فراغت حاصل ہو جائے کیونکہ عورت چوٹی سے پاؤں تک تمام پردے کی چیز ہے۔

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس کے متعلقہ مسائل جنازے کے ساتھ جانا سنت ہے اور افضل یہ ہے کہ پیدل

چلے، اگر کسی وجہ سے پیدل نہ جاسکتا ہو تو سواری پر چلنے میں مضائقہ نہیں لیکن جنازے سے آگے جانا مکروہ ہے، افضل یہ ہے کہ جنازے کے پیچھے رہا جائے، دائیں بائیں چلنا خلاف اولیٰ ہے، عورتوں کا جنازے کا ساتھ جانا مکروہ تحریمی ہے۔ جنازے کے ساتھ خاموش چلنا چاہیے، اگر ذکر اذکار کرنا چاہے تو آہستہ آہستہ کر لے، جنازے کے ساتھ شمعوں کا روشن کرنا اور خوشبو کی دھونی ساتھ لے کر جانا بھی مکروہ ہے، روایات میں آیا ہے:

لَا تَتَّبِعُوا الْجَنَائِزَ بِصَوْتٍ أَسْ جَنَازَے کے ساتھ جس میں صدالبند

ولا ناری۔ ہو یا آگ جلائی جائے شامل نہ ہو۔

نماز جنازہ سے پہلے واپس آجانا مطلقاً مکروہ ہے، ہاں نماز کے بعد اگر اہل میت اجازت دیں تو واپس آنا مکروہ نہیں ہے۔ جنازہ رکھے جانے سے پہلے بلا ضرورت بیٹھ جانا خلاف سنت ہے، جنازہ گزرتے وقت بیٹھے ہوئے لوگوں کا کھڑا ہو جانا تین اماموں کے نزدیک مکروہ ہے، شافعی فقہار کا قول مختار یہ ہے کہ کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔

میت پر آواز سے رونے پٹنے، گریبان پھاڑنے کی ممانعت ہے، بغیر آواز نکالے آنسو بہانے میں کوئی مضائقہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ لَطَمَ الْخَدَّ وَدَ جَو شَخْصٍ اِنِّے کَلُوں پَر طَمَ اِنِّے مَارے اور

وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى

الْجَاهِلِيَّةِ۔ گریبانوں کو پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

میت کی تدفین اگر کوئی شخص سمندر میں ساحل سے دور کشتی کے اندر وفات پا گیا اور کشتی کا ایسے مقام پر ٹھہرنا جہاں زمین میں دفن کیا جاسکے دشوار ہو تو چاہئے کہ میت کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر غرق کر دیا جائے۔

میت کو دفن کرنے کے لئے قبر اتنی گہری ہونا چاہیے کہ جو کم سے کم قبر بنانے کا طریقہ اوسط درجہ قد والے انسان کے نصف قد آدم کے برابر ہو اور

اس سے زیادہ گہرائی ہونا افضل ہے، یہ حنفی فقہاء کا قول ہے شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ قبر کی گہرائی اتنی ہونا سنت ہے کہ اوسط درجے کے قد کا آدمی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اُس میں کھڑا ہو جائے۔ قبر کی لمبائی چوڑائی کم سے کم اتنی ہو جس میں میت کی اور قبر میں اتارنے والے کی گنجائش ہو۔ اگر زمین سخت ہے تو اُس میں لحد (بغلی قبر) بنانا سنت ہے۔ لحد یہ ہے کہ قبر کے نچلے حصے میں قبیلے کی جانب والے پہلو میں اتنا لمبا چوڑا گڑھا کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جاسکے۔

صندوق نما قبر میں میت کو رکھنے کے بعد اوپر سے چھت بنا دینا چاہیے۔ میت کو قبر میں رکھ کر رخ قبیلے کی طرف کر دینا واجب ہے، میت کو قبر میں دائیں پہلو کے بل رکھنا سنت ہے، قبر میں رکھنے والا اس وقت کہے "بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یہ کہنا تمام ائمہ کے نزدیک مستون ہے، مالکی مسلک میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ یہ بھی کہا جائے "اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ بِأَحْسَنِ قَبُوْلِ" اے اللہ اس کی بہترین پذیرائی فرما، ایک اضافہ یہ ہے کہ میت کو قبر میں لٹانے کے بعد اُس کا داہنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا جائے۔ قبر کو بند کرنے کے بعد حاضرین جنازہ کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لپ بھر کر مٹی تین بار قبر کے اوپر ڈالیں اور ابتدا سر ہانے کی طرف سے کریں پہلے لپ بھرنے میں کہیں "مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ" ہم نے تم کو اس مٹی سے بنایا، دوسرے لپ بھرنے میں کہیں "وَبِهَا نُعِيدُكُمْ" (اسی میں تم کو لوٹائیں گے) اور تیسرے لپ بھرنے میں کہیں "وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً" اُخسای (دوسری بار بچھرم کو اسی سے اٹھائیں گے۔

قبر اونٹ کی پیٹھ کی طرح ابھری ہوئی اور ایک بالشت اونچی رکھنا مستحب ہے، قبر پر چونے پچ سے سفیدی پھیرنا مکروہ ہے البتہ مٹی سے لسانی کرنے میں مضائقہ نہیں قبر کے اوپر پتھر یا لکڑی وغیرہ بطور زینت لگانا ناجائز ہے۔ شافعی علما پہچان کی غرض سے سر ہانے کی طرف پتھر وغیرہ رکھ دینا سنت کہتے ہیں۔ قبر پر کتبہ لگانے کو تمام ائمہ مکروہ کہتے ہیں اور قرآن کی آیت لکھنا مالکی فقہاء کے نزدیک حرام ہے، اگر قبر کا نشان مٹ جانے کا اندیشہ ہو اور پہچان کے لئے کوئی چیز یا کتبہ جس پر کسی بزرگ عالم یا بہت نیکی کرنے والے کی تاریخ وفات اور نام لکھا ہو انبیاز کی خاطر لگا دیا جائے تو حنفی اور شافعی علماء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے جبکہ مالکی اور حنبلی

علماء کے نزدیک عالم اور عامی ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

قبر پر عمارت تعمیر کرنا گنبد یا اور اسی قسم کی عمارت یا چار دیواری قبر پر بنانا مکروہ ہے اور اگر تفاخر مقصود ہو تو اس نیت سے جو شخص مکان، مدرسہ،

مسجد قبر کو زینت دینے کے لئے بنائے گا وہ فعل حرام کا مرتکب ہو گا وہ زمین جو دفن اموات کے لئے وقف کی گئی ہو یا اس کام کے لئے فی سبیل اللہ چھوڑ دی گئی ہو جسے مسبلہ کہتے ہیں اس میں مکان بنانا حرام ہے۔

قبر پر بیٹھنا یا سونا مکروہ تنزیہی ہے اور پیشاب وغیرہ کرنا حرام ہے۔ قبروں پر چلنا مکروہ ہے البتہ اگر میت کو قبر تک پہنچانا بغیر اس پر چلے ممکن نہ ہو تو روا ہے۔

جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے کسی اور علاقے میں میت کو لے جانا مستحب

کہ میت کو اسی علاقے میں دفن کیا جائے جہاں موت واقع ہوئی۔ دفن سے پہلے ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لاش میں بو پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ دفن کرنے کے بعد نکال کر لے جانا حرام ہے، بجز اس صورت کے جبکہ اسے کسی ایسی زمین میں دفن کیا گیا ہو جو ناجائز طور پر غصب کی ہو یا کسی نے بذریعہ حق شفعہ لی ہو اور زمین کا مالک میت کے وہاں مدفون رہنے پر راضی نہ ہو یا میت کے ساتھ کچھ مال قصد آیا بے خبری میں دفن ہو گیا ہو تو قبر کھول کر وہ مال نکال لینا جائز ہے۔

ایک قبر میں کئی میتوں کا دفن کرنا بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایسا کرنا ضروری ہو جائے، مثلاً جگہ کی تنگی ہو

تو ایک قبر میں ایک سے زیادہ میتوں کو دفن کرنا جائز ہے اگر ایسی صورت درپیش آئے تو اموات میں جو افضل ہو اسے قبلے کی جانب رکھیں اس کے بعد دوسرے درجے کی میت کو رکھا جائے، بڑے کو چھوٹے پر اور، مرد کو عورت پر تقدم حاصل ہے، مستحب یہ ہے کہ ہر دو میت کے درمیان مٹی رکھ دی جائے محض کفن کا فرق کافی نہیں ہے۔

متفرق مسائل جنازے کی نماز میت کا رشتہ میں قریب ترین مرد پڑھائے اور اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو تو پھر محلے یا بستی کا امام پڑھائے کسی دوسرے کو ولی کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھانا چاہیے۔

اگر ایک وقت میں کئی جنازے ہوں تو ہر ایک کی الگ الگ نماز پڑھنا چاہیے لیکن اگر میتوں کے ولی ایک ساتھ نماز پڑھائی جانے پر متفق ہوں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ نماز جنازہ میں اس لئے دیر کرنا کہ آدمی زیادہ ہو جائیں مکروہ ہے۔

قبرستان میں گپ شب باتیں کرنا روا نہیں بلکہ موت کو یاد رکھنا اور اپنے اسی انجام کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔

دفن کرنے کے بعد کچھ دیر کھڑے ہو کر میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پاکنتی سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جانا چاہیے۔

زندگی میں اپنے لئے کفن تیار رکھنا تو جائز ہے لیکن قبر بنا رکھنا مکروہ ہے اُسے کیا معلوم کہ وہ کہاں مرے گا۔

مرنے کے بعد مرنے والے کی بُرائیاں یاد نہ دلانی جائیں اگر کسی نے اُس کی بُرائی کو مثال سمجھ کر خود وہی بُرائی اختیار کی ہو تو اس کی قباحت قرآن و حدیث کے حوالے سے بتا دینا ضروری ہے۔
تعزیت (پرسا) جن گھر والوں کے بیچ سے کسی آدمی کا انتقال ہو گیا ہو تو یقیناً ان پر رنج و غم طاری ہو گا لہذا ان کے تعزیت کرنا مستحب ہے، یعنی تسلی و تشفی دینا اور صبر و شکر کی تلقین کرنا۔ حنفی علماء میت کے گھر والوں سے ان الفاظ میں تعزیت کرنا مستحب کہتے ہیں:

تَعْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَيِّتِكَ وَ
تَجَاوَزَ عَنْهُ وَتَعَمَّدَهُ بِرَحْمَتِهِ
وَ سَأَلَكَ الصَّبْرَ عَلَى مُصِيبَتِهِ
وَ اجْرَكَ عَلَى مَوْتِهِ۔

اللہ تعالیٰ مرنے والے کی مغفرت لے اُس
کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اُس کو اپنے
دامن رحمت میں ڈھک لے اور اس حادثہ
پر اللہ آپ کو صبر دے اور اُس کی موت کا رنج
سہنے پر آپ کو اجر دے۔

اس موقع پر سب سے اچھے الفاظ وہ ہیں جو رسول اللہ نے فرمائے۔

إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أُعْطِيَ
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ
مَّسْمُومٍ۔
اللہ کو اختیار ہے جو چاہے لے لے اور جو
چاہے دے دے ایک مقررہ وقت ہر شے
کو اسی کے پاس جانا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ تعزیت دفن کے بعد کی جائے۔ میت کے تمام اقربا مرد و عورت چھوٹے بڑے سب سے تعزیت کی جائے، البتہ جوان عورت سے محرموں کے سوا کوئی اور تعزیت نہ کرے۔ اہل میت کا پُر سالینے کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے خواہ اپنے گھر میں ہو یا کسی اور کے گھر میں ہو۔ پُر سالینے کے لئے سر راہ بیٹھنا اور فرش وغیرہ بچھانا جیسا کہ عام طور پر دستور ہے بدعت اور ممنوع ہے۔ تین دن کے بعد تعزیت کے لئے جانا بھی مکروہ ہے، البتہ باہر سے آنے والوں کے لئے تین دن کی قید نہیں ہے۔

مکروہات بدعت میں سے وہ رہیں ہیں جو جنازہ گھر سے نکلنے وقت یا قبر پر کی جاتی ہیں مثلاً: جانور ذبح کیا جانا یا کھانا تقسیم کیا جانا۔ اگر میت کے ورثا میں ایسے افراد موجود ہوں جو ابھی بالغ نہیں ہوئے تو ایسا کرنا مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔

مستحب یہ ہے کہ پڑوسی اور احباب اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کر کے بھیجیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت پر حضرت فاطمہ سے فرمایا تھا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو، ان پر ایسی مصیبت آن پڑی ہے کہ رنج و غم میں کھانا بھولے ہوتے ہیں، لہذا احباب اور پڑوسیوں کو چاہئے کہ اہل میت کو اصرار کر کے کھانا کھلائیں کیونکہ شدت غم میں کھانا کھایا نہیں جاتا۔ تین وقت سے زیادہ کھانا نہ بھیجنا چاہئے۔ بعض عورتیں میت کے گھر میں تین دن تک چولہے میں آگ جلانے کو برا سمجھتی ہیں۔ یہ خیال بالکل جاہلانہ ہے اس کو دلوں سے نکال دینا چاہئے۔

قبروں کی زیارت کرنا
قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے اور آخرت کی یاد
دلانے کی غرض سے مستحب ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے روز

اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد۔ علمائے امت نے جمعرات کو عصر کے وقت سے لیکر

ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک کے وقت کو ترجیح دی ہے۔ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا اور زاری اور حصول عبرت میں مصروف رہے اور میت کے لئے تلاوت قرآن کر کے رحمت و مغفرت کی دعا کرے، اس سے میت کو اجر ملتا ہے، حدیثوں میں آیا ہے کہ قبر کی زیارت کرتے وقت یوں کہے:-

اللَّهُمَّ سَابِّ الْأَرْوَاحِ الْبَاقِيَةِ
وَالْأَجْسَامِ الْبَالِيَةِ وَالشُّعُورِ
الْمُنْتَهَزِقَةِ وَالْجُلُودِ الْمُنْقَطِعَةِ
وَالْعِظَامِ النَّخِرَةِ الَّتِي
خَرَجَتْ مِنَ الدُّنْيَا وَهِيَ
بِكَ مُؤْمِنَةٌ أَنْزِلْ عَلَيْهَا رَوْحًا
مِنْكَ وَ سَلَامًا مَعِي.

اے اللہ تو رب ہے باقی رہنے والی روحوں
ورفنا ہونے والے جسموں کا بھرے بالوں
پھٹی کھالوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا جو اس
دنیا سے گئیں اور تیرے سپرد ہیں
اُن پر اپنی روح نازل فرما اور میرا سلام
اُن کو پہنچا۔

قبرستان میں آکر اس طرح کہنا بھی حدیث میں روایت ہوا ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَائِمًا قَوْمِ
مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنشَاءَ اللَّهِ بِيَكُمْ
لَا حِصْنُونَ.

اے ایمان داروں کی بستی والو! تم پر
سلام، انشاء اللہ ہم بھی تمہارے
ساتھ آملیں گے۔

قبرستان اگر دور ہوں تو سفر اختیار کر کے زیارت کرنا مستحب ہے، اور نبی کریم کی قبر کی زیارت بہت زیادہ موجب قربت ہے، مردوں کی طرح عمر رسیدہ عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے جن کے باہر نکلنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو لیکن اگر ایسا ہو تو قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کا جانا حرام ہے۔

قبر کی زیارت احکام شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، یعنی نہ تو قبر کا طواف کرنا چاہیے نہ استلام ہو اور نہ دعا کے مذکورہ کے علاوہ کوئی اور مراد زیارت گاہ میں مانگنا چاہیے۔

ذکر اور دعا

اوقات نمازیں تو بندہ اپنے پروردگار سے رجوع ہو کر اُس کے ارکان مخصوص ہدیت اور شرائط کے ساتھ بجالاتا ہے اور فرض و سنت ادا کرتا ہے۔ لیکن اللہ کو ہر وقت یاد کرنا ایک بندہ مومن کا شعار ہے، وہ گھر میں ہو یا گھر سے باہر سفر میں ہو یا حضر میں، بیٹھا ہو یا لیٹا ہو، کاروبار کی تگ و دو میں ہو یا میدان جہاد کی بہا ہی میں، وہ ہر وقت ہر آن اور ہر موقع و محل پر اُس کو دل سے اور زبان سے یاد کر سکتا ہے، ان عبادتوں کو تسبیح و تہلیل، تمجید و تکبیر ذکر اور دعا، استعاذہ اور استغفار کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کے دیکھنے والوں کی شہادت ہے کہ ”یذا کر کل احیاء“ (آپ ہر وقت خدا کی یاد کرتے تھے) ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسی بات بتا دیجئے جس پر میں دائمًا عمل پر رہوں آپ نے فرمایا:-

لا يزال لسانك رطبا من
ذکر اللہ۔
خدا کے ذکر سے ہر وقت تمہاری
زبان تر رہے۔

سورۃ ال عمران میں ہے :-

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ

(ال عمران - آیت - ۱۹۱)

اہل عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے :

اذكروا لله ذكرا كثيرا ۝ و سبحوه بكرة و اصيلا ۝

(احزاب ۴۱-۴۲)

اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو

عبادت کا مفرد دعا ہے ”الدعاءُ صُحُ العبادۃ“ (حدیث) ترمذی اور ابوداؤد نے

یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا:-

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔
دعا ہی عبادت ہے۔

یہ فرمانے کے بعد آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ
دَاخِرِينَ ۝

(مومن - آیت - ۶۰)

تمہارے رب نے کہا کہ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے
سرتابی کرتے ہیں، عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

من لم يسئل الله يغضب عليه
جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے
غصے ہوتا ہے۔ (ترمذی)

دعا فطرت انسانی کی پکار ہے، قرآن نے اس فطرت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

(زمر - آیت، ۱۸)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ

جب انسان کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے رب کو پوری طرح رجوع ہو کر پکار
اُٹھتا ہے۔

وہی شخص ذکر و دعا میں مصروف رہتا ہے جس کے دل میں یہ یس گیا ہو کہ حاجت روا کرنا اور ہر قسم کی
تکلیف رفع کرنا صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے تاکہ اس کی عظمت اور اسی سے محبت کا جذبہ دل
میں ہر وقت بیدار رہے، اُس کے حضور عاجزی و بے چارگی، کمتری اور افتقار کی وہ کیفیت پیدا
ہو جو ایمان کی روح اور اسلام دلچینی کامل سپردگی، کا تقاضہ ہے۔ آدمی اپنا درد و غم اُسی سے
کہے، جو کچھ مانگے اُسی سے مانگے، اُس کی نظر اللہ کے سوا اور کسی طرف نہ اُٹھے۔ نماز کے ہر رکن اور
اُس کی ہر ہیئت قیام، قعود، رکوع و سجود اور اس میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے سب میں اہنی کیفیات کا
اظہار ہوتا ہے، بالخصوص سجدے کی ہیئت اور سورہ فاتحہ کی قرأت ان کیفیات کو زیادہ نمایاں
کرتی ہے اسی لئے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری قرار دیا گیا اور سجدے دو فرض کئے گئے
ہیں جبکہ دوسرے ارکان ایک رکعت میں ایک ہی بار ادا کرنا فرض ہیں۔ سورہ فاتحہ کی اس حیثیت
کا اندازہ اس حدیث قدسی کے الفاظ سے ہوتا ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان
مبارک سے ادا ہوتے تھے، وہ امام مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کئے ہیں:-

(اللہ نے فرمایا) میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان برابر سے تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے نے جو مانگا وہ اُسے ملا جب وہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی جب وہ رحمن اور رحیم کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی، پھر جب وہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری برتری اور بزرگی بیان کی (ایک حدیث میں ہے کہ) میرے بندے نے خود کو میرے حوالے کر دیا۔ پھر جب ایک نعیذ وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے راز و نیاز کی بات ہے جو اُس نے مانگا وہ اُسے مل گیا۔ پھر جب وہ اهدنا الصراط المستقیم سے ولا الضالین تک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سارا میرے بندے کا حصہ ہے اور جو کچھ اُس نے مانگا وہ میرے بندے کو دے دیا گیا۔

قسمت الصلوٰۃ بیتی و بین
عبدی نصفین ولعبدی ما سأل
فاذا قال الحمد لله رب العالمین
قال الله حمدنی عبدی و اذا
قال الرحمن الرحیم قال اننی
علی عبدی فاذا قال مالک
یوم الدین قال معجذنی عبدی
و کثرۃ فوض الی عبدی
فاذا قال ایاک نعبد و ایاک
نستعین قال هذا بیتی و بین
عبدی ولعبدی ما سأل فاذا
قال اهدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیهم
غیر المغضوب علیهم ولا الضالین
قال الله هذا لعبدی و
لعبدی ما سأل۔

بندے کی اس عاجزی و خاکساری کا اظہار سب سے زیادہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ یہ حالت قرب خداوندی کا سب سے مؤثر ذریعہ بنتی ہے، ارشاد نبوی ہے:

سندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب
سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس
حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ
رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا
الدُّعَاءَ (المتقی جو اللہ سے سجدہ کرے)

تمام عبادات جن میں اللہ کا ذکر اور دعائیں شامل ہیں ان سب کا مقصود بندے کو اپنے رب سے قریب کرنا اور اُس سے گہرا تعلق قائم کرنا ہے تاکہ حاجت مند یوں اور نیاز مند یوں کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ کر خالق سے جڑ جائے اور اس کے دل میں خدا کی عبودیت کا احساس اتنا راسخ ہو جائے کہ وہ اپنے تمام مراسم عبودیت اپنے جسم و جان اپنی زندگی اور موت اور اپنی تمام خواہشیں محض اللہ کے لئے وقف کر دے اور اس کی عظمت کے آگے سرنگوں ہو جائے اگر ذکر و دعا پورے شعور اور جذبہ محبت کے ساتھ دل اور زبان سے نکلے تو اس سے ایمان میں جلا اور حلاوت، اطاعت و عبادت میں استقامت اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ذکر و دعا کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اور حدیث کی کتابوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو دعائیں اور اذکار منقول ہیں ان کو پورے شعور اور حضور قلب کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کیا جائے تو ہر قسم کی پریشانی اور بے چینی میں اطمینان قلب اور سکون حاصل ہوگا آپ ایسا محسوس کریں گے کہ آپ کے اور خدا کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹ گئے ہیں اور آپ براہ راست بارگاہ الہی میں کھڑے ہوئے عرض کر رہے ہیں، اللہ آپ سے ذرا بھی دور نہیں ہے۔

” نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ” (سورۃ ق) یعنی میں بندے کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں ” أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ” (سورۃ بقرہ)

ذکر اور دعائیں قرق یہ ہے کہ ذکر میں اللہ کی ثنا اور اُس کی عظمت کا اعتراف اُس کے احسانات پر شکر اور اس سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے، اس سے غیر معمولی سکون قلب حاصل ہوتا ہے، اللہ سے قربت کا احساس قوی ہوتا ہے، دل میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ دعائیں اپنی غرض اور حاجت کی طلب بھی شامل ہوتی ہے، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

الذکر افضل من الدعاء	ذکر دعا سے افضل ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ
فالذکر ثناء على الله عز وجل	کی تمام صفتوں اور نعمتوں پر اُس کی
بجميع اوصافه والائمه و	تعریف کا نام ہے اور دعا بندے کا

الدعاء سؤال العبد حاجته
فاین هذا من هذا و لهذا
جاء فی الحدیث من شغله
ذکری عن مسألتی أعطیتہ
افضل ما اعطى السائلین و
لهذا كان المستحب فی الدعاء
ان یبدأ الداعی بحمد اللہ
تعالی و التنازع علیہ بین یدی
حاجتہ۔

اپنی حاجت مانگنے کے لئے سوال ہے تو
دونوں کا کیا مقابلہ؟ اسی لئے حدیث
(قدسی) میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل
ہوا ہے کہ جو شخص میرے ذکر میں مشغول
ہو کر اپنی حاجت مانگنے سے رہ جائے
تو اُسے ہم مانگنے والوں سے بھی زیادہ
دیں گے، اور اسی بتا پر دُعا مانگنے والے
کو پہلے اللہ کی حمد اور ثنا کرنا اور اُس کے
بعد دُعا مانگنا چاہیے۔

(الوابل الصیب)

بہت سی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس کا
آغاز ذکر الہی، تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا سے ہو۔

استغفار اللہ نے نبی کو معصوم بنایا ہے (عصمت کے معنی نفس کو مضبوطی سے تھامنے اور
اُسے گناہ سے باز رکھنے کے ہیں، عزت و ناموس کے معنی ہیں اسی لئے استعمال
ہوتا ہے کہ نفس کو بُری خواہشات سے اور عیب سے پاک و صاف رکھنا ہی عزت اور حفظ ناموس
کہلاتا ہے) باوجود انتہائی پاکیزہ نفس ہونے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب
میرے دل پر گرد و غبار آجاتا ہے تو میں استغفار کرتا ہوں تو بہ اور استغفار میں فرق یہ ہے کہ تو بہ
گناہ سرزد ہو جانے کے بعد کی جاتی ہے لیکن گناہ کا خیال اور اُس کا ذرا سا میل بھی آجانا
بجائے خود عصمت کے منافی ہے، اسی لئے استغفار کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے جس کے جامع
کلمات یہ ہیں: "أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ التُّوبُ إِلَيْهِ" اُس سے دل کا میل
صاف ہوجاتا ہے، اس میں بندہ اپنے رب سے اپنی ادنیٰ بھول پر بھی معافی طلب کرتا ہے۔

نبی علیہ السلام پر درود خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان وہ سرچشمہ ہدایت ہیں
جنہیں اُس نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست دکھانے

کے لئے مبعوث فرمایا اور جنہیں ہمارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا یہ وہ ذات گرامی ہے جو تمام ظاہری اور معنوی احسانات کی جامع ہے اس لئے خدا کی یاد کے بعد اس مقدس ہستی کی یاد مسلمان کے ایمان کا جز ہے، یہ یاد اذان کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور اقامت کے ذریعے بھی، نماز میں تشہد کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور درود کے ذریعے بھی جس طرح خدا کی یاد کے ساتھ اُس سے محبت بھی ضروری ہے، اسی طرح تمام جہان کے لئے جس ہستی کو اس نے رحمت بنا کر بھیجا یعنی خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کے ساتھ بھی آپ کی ذات سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے، آپ کے نام نامی سے قلب میں ٹھنڈک، روح کو فرحت اور زبان کو لذت ملتی ہے جس طرح پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پینے سے جسم و جان کو سکون حاصل ہوتا ہے آپ پر درود و سلام بھیجنے سے وہی سکون روح انسانی کو نصیب ہوتا ہے، آپ سے محبت کا طریقہ آپ کی ایک ایک سنت کا اتباع ہے، اس اتباع میں کیفیت و سرور پیدا ہوتا ہے درود کی کثرت سے۔

آپ نے فرمایا ہے:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ (مسلم)

یعنی جو شخص مجھ پر ایک بار درود و سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار نگاہِ رحمت ڈالتا ہے۔
کسی مجلس میں آپ کا نام مبارک لیا جائے اور سننے والا آپ پر درود نہ پڑھے تو اُس کو آپ نے بخیل فرمایا ہے۔ "البخيل الذي مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يَصَلِّ عَلَيَّ (ترمذی احمد) یعنی بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔
ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل ہوئی ہے:-

ان الدعاء موقوف بين السماء والارض
لا يصعد منها شيء حتى تصلي على نبيك

دُعا اُس وقت تک زمین و آسمان کے درمیان پھری رہتی ہے اور اُپر نہیں جاتی جب تک تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو۔
سب سے افضل اور بہتر درود وہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، حدیث کی کتابوں میں اور بھی درودوں کا ذکر ہے جن الفاظ سے بھی آپ پر درود و سلام پڑھا جائے وہ سب باعثِ ثواب ہیں اور دل کو سکون اور راحت عطا کرتے ہیں۔

صوم (روزہ)

صوم کی تعریف صوم کے لغوی معنی کسی امر سے باز رہنے کے ہیں، مگر کوئی شخص بولنے سے باز رہے یا کھانے سے رُکا رہے تو اسے صائم کہتے ہیں، قرآن حکیم میں ہے اِنِّی نَذَرْتُ لِرَبِّی صَوْمًا (مریم-۴۶) یعنی میں نے اللہ سے صوم کی منت مانی ہے (خاموش رہنے کی یا کلام نہ کرنے کی)

اصطلاح شرع میں دن بھر کے لئے روزہ توڑنے والے اعمال سے باز رہنا صوم ہے دن کی میعاد صبح صادق کے ظاہر ہونے سے آفتاب غروب ہو جانے تک ہے اور روزہ توڑنے والے اعمال کھانا، پینا اور جنسی تعلق قائم کرنا ہیں۔

فرض روزے رمضان کا پورا مہینہ فرض روزوں کا ہے اس کی ادا اور قضا دونوں فرض ہیں۔ اسی طرح کفارے کے روزے اور نذرمانے ہوئے روزے بھی فرض ہیں، حنفی فقہاء نذرمانے ہوئے روزے کو واجب کہتے ہیں۔

رمضان کا روزہ اور اس کا ثبوت ماہ رمضان کا روزہ ہر مکلف مسلمان پر جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو، فرض عین ہے رمضان میں روزے رکھنا، ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد ماہ شعبان کی دس تاریخ کو فرض ہوا اس کا فرض ہونا کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

قرآن حکیم میں ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، آگے فرمایا سَتَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اس آیت میں سَتَهْرُ رَمَضَانَ خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے، اور وہ ہے "هُوَ" یعنی جو روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں وہ رمضان کے روزے ہیں، رمضان کا مہینہ وہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے فَهِنَّ شَهِدَتْ لَكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جو رمضان

کاہینہ پائے اُسے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ (سورہ بقرہ ۱۸۳، ۱۸۵)
 احادیث جن سے روزے کی فرضیت ثابت ہے اُن میں سے ایک حدیث جسے بخاری
 اور مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یہ ہے:-

بنی الاسلام علی خمس - اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) اس
 شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و بات کا اعتراف کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
 ان محمد ارسول اللہ و اقام نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں
 الصلوۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج اور (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا
 و صوم رمضان۔ (۴) حج کرنا اور (۵) ماہ رمضان کے
 روزے رکھنا۔

رہا اجماع تو تمام امت محمدیہ اس پر متفق ہے کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے مسلمانوں
 میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا یہ دین کی مسلمہ بات ہے اس کا منکر کافر ہے۔
 روزے کے ارکان امام ابو حنیفہ اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک روزے
 کا رکن صرف ایک ہے اور وہ ہے روزہ توڑنے والے امور سے
 باز رہنا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نیت روزہ کو بھی رکن کہتے ہیں، حنفی فقہانیت کو شرط کہتے
 ہیں رکن نہیں کہتے۔

روزے کی شرطیں تین قسم کی ہیں (۱) روزہ واجب ہونے کی شرطیں۔
 (۲) روزہ ادا کرنے کی شرطیں (۳) روزہ صحیح ہونے کی شرطیں۔
 ۱۔ روزہ واجب ہونے کی شرائط اسلام، عقل اور بلوغ ہیں لہذا جو شخص مسلمان نہ ہو یا
 مسلمان تو ہو لیکن فاقر العقل (مجنون یا بے ہوش) ہو یا صغیر السن بچہ ہو تو روزہ واجب
 نہیں ہوگا۔

۲۔ ادا کے روزہ کا وجوب صحت اور مقیم پر ہے مریض اور مسافر پر نہیں ہے لیکن مرض دور
 ہو جانے اور سفر تمام ہو جانے کے بعد قضا ضروری ہے۔

۳۔ روزہ صحیح ہونے کی شرطیں دو ہیں حیض و نفاس سے پاک ہونا اور روزے کی نیت کرنا۔

روزے کی نیت کرنے کا وقت نیت کا وقت ہر روز آفتاب غروب ہونے کے بعد سے اگلے روز کے نصف النہار سے پہلے تک ہے۔

ماہ رمضان میں ہر روز روزے کی نیت کرنا چاہیے۔ سحری کھانا بھی نیت ہے لیکن اگر کھاتے وقت روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو وہ سحری کھانا نیت میں شمار نہ ہوگا۔

نذر معین کے روزے اور نفل روزے کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ رات کو نیت کی جائے اور روزہ متعین کر دیا جائے، اگر اگلے روز روزہ رکھنے کی نیت کی خواہ نذر روزے کی یا نفل روزے کی (اور مہینہ رمضان کا ہے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ البتہ اگر حالت سفر میں کسی واجب روزے کی نیت کی (رمضان کے اندر) تو وہی واجب روزہ ادا ہوگا کیونکہ حالت سفر میں رمضان کے روزے ترک کر دینے کی اجازت ہے۔

ماہ رمضان کا تحقق دو طرح سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ رمضان شروع ہو گیا۔
(۱) چاند نظر آجائے، مطلع صاف ہو۔ بادل دھند یا غبار چاند دیکھنے سے مانع نہ ہو۔

(۲) شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں یہ اس صورت میں جب مطلع صاف نہ ہو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صوموا لرؤیتہ و أفطروا لرؤیتہ

فان عمہ علیکم فاکملوا عداة

شعبان ثلاثین (بخاری بروایت ابوہریرہ) دن پورے کرو۔

اگر آسمان صاف ہو یعنی رویت ہلال سے مانع کوئی چیز نہ ہو تو ضروری ہے کہ ایک مجمع کثیر نے اُس کو دیکھا ہو۔ دیکھنے والے امام یا قاضی کے سامنے یہ لفظ کہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ماہ رمضان کا چاند دیکھا۔

اگر آسمان صاف نہ ہو (رویت ہلال سے مانع کوئی چیز موجود ہو) اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اُس نے چاند دیکھا اور وہ شخص مسلمان، راست باز، عاقل اور بالغ ہے تو اُس کی شہادت کافی ہوگی۔ مطلع نا صاف ہو تو رویت ہلال کے ثبوت کے لئے ایک مجمع کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

ایسا شخص جو مقبول الشہادۃ ہو ماہ رمضان کا چاند دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ قاضی کے پاس آکر اس کی شہادت دے اگر شہر میں ہے۔ اور اگر قریب میں ہے تو اس مقام کی مسجد میں جا کر سب لوگوں کو مطلع کر دے خواہ چاند دیکھنے والی کوئی پردہ نشین عورت ہی کیوں نہ ہو۔
یہ مسائل ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے سے متعلق ہیں، اگر چاند دکھائی نہ دے تو سمجھ لینا چاہیے کہ شعبان تیس دن کا ہے اور تیسواں دن گزار کر روزہ رکھ لینا چاہیے۔

کسی ایک علاقہ میں رویت ہلال ثابت ہونا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رویت ہلال جب کسی علاقے

میں ثابت ہو جائے تو وہاں سے ہر طرف کے قرب و جوار کے علاقے میں اس ثبوت کی بنا پر روزہ رکھنا واجب ہوگا، قریب کے علاقے وہ مانے جائیں گے جو چاند دکھائی دینے والے علاقے سے چوبیس فرسخ کے اندر واقع ہوں، دور کے علاقے والوں پر روزہ واجب نہیں ہو جاتا کیونکہ باہم مطلع کا اختلاف ہوتا ہے۔

رویت ہلال کے بارے میں منجم کا قول سند نہیں ستارہ شناس کی بات رویت ہلال کے بارے میں قابل اعتبار

نہیں ہے، اس کے حساب کی بنا پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے روزے کو مقررہ علامتوں کے ساتھ وابستہ کیا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی وہ علامتیں ہیں ہلال رمضان کا نظر آنا یا ماہ شعبان کے تیس دن کا پورا ہو جانا۔

چاند دیکھنے کی کوشش کرنا مسلمانوں پر یہ امر بطور فرض کفایہ عائد ہوتا ہے کہ شعبان اور رمضان کی اُنٹیس تاریخ کو غروب آفتاب کے وقت چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

رویت ہلال کا تحقق ہو جانے کے بعد پھر حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر حاکم کسی طریقے سے جو اس کے مسلک پر مبنی ہو فیصلہ کر ہی دے تو تمام مسلمانوں پر روزہ واجب ہوگا اگرچہ اس کا فیصلہ ایک ہی معتبر شہادت کی بنا پر ہوا ہو۔

جدید ذرائع خبر رسائی سے چاند ہونے کی خبر
اگر دیندار اور پرہیزگار مسلمانوں
کے توسط سے ریڈیو یا ٹیلی ویژن

اور ٹیلیفون سے چاند دکھنے کی خبر پہنچانے کا باقاعدہ انتظام ہو جائے کہ تک و شبہ باقی نہ رہے تو اس کی
خبر مان لی جائے گی بشرطیکہ دونوں جگہوں میں اتنی دوری نہ ہو کہ چاند نظر آنے میں ایک دن کا فرق
پڑ جاتا ہو جیسے حجاز اور ہندوستان میں ہے۔ حجاز کی رویت کا ہندوستان میں اعتبار نہیں
کیا جائے گا، اسی طرح دوسرے ممالک کو بھی سمجھنا چاہیے۔

(یہ جامعہ ازہر کے شیخ علامہ عبدالرحمن تاج کی رائے نقل کی گئی ہے)

جو کھانا یا پانی صبح صادق سے پہلے روزہ رکھنے کی نیت سے کھایا یا پیا جائے اُسے
سحری کہتے ہیں۔ سحری کھانا سنت ہے اور سنت کا ثواب ملتا ہے خواہ ہمیشہ نہ
ہونے پر بھی کچھ سحری کی نیت سے کھالینا چاہیے اور سحری دیر کر کے کھانا سنت ہے تاکہ کھانے
کے فوراً بعد صبح صادق شروع ہو جائے۔ سحری نہ کھانے کی بنا پر روزہ ترک کرنا گناہ ہے اگر آنکھ
دیر میں کھلی، سحری کا وقت گزر گیا اور روزہ نہیں رکھا تو بھی دن بھر روزہ داروں کی طرح
گزارنا چاہیے، اور رمضان کے بعد اس کی قضا ضروری ہے۔

سورج ڈوبنے کے بعد روزہ کھولنے کو افطار کہتے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا سنت
افطار ہے۔ یعنی جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ سورج غروب ہو گیا تو فوراً روزہ افطار
کر لینا چاہیے، دیر کرنا مکروہ ہے۔ چھوہارے یا کھجور یا پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، افطار کرتے وقت
یہ دعا پڑھنا چاہیے:

اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ
أَفْطَرْتُ
اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور
تیری دی ہوئی روزی سے افطار کیا۔

اگر یہ یقین ہو گیا کہ سورج ڈوب گیا اور افطار کر لیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی سورج نہیں
ڈوبا تھا تو اس روزے کی قضا رکھنی پڑے گی۔

حالت روزہ جیسا کہ شروع میں تعریف بیان کی جا چکی ہے، صبح صادق سے غروب آفتاب
تک خود کو کھانے پینے اور مباشرت سے باز رکھنے کا نام روزہ ہے، کھانے

پینے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی اور طریقے سے بھی غذا یا دوا بسم میں داخل نہ ہو، مہانتہرت میں تمام صورتیں جو بالا ارادہ ہوں شامل ہیں۔ احتلام اس حکم سے خارج ہے کیونکہ اس میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔ روزے کی حالت میں قرآن کی تلاوت، نفل نماز، تبلیغ اور جہاد میں وقت گزارنا بہتر ہے۔ فضول باتوں میں لگے رہنے سے سونا اچھا ہے۔

ماہ شوال کا تحقق عید کا چاند نظر آجائے تو قدرتی طور پر شوال کا مہینہ ثابت ہو جائے

گا۔ ۲۹ رمضان کو چاند دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مطلع صاف ہو تو مجمع کثیر کو چاند نظر آئے گا لیکن اگر بادل وغیرہ کے باعث مطلع صاف نہ ہو تو دو معتبر مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے رویت ثابت ہو جاتی ہے جو شخص چاند کی شہادت دے وہ یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آج چاند دیکھا اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

یوم الشک یعنی مشکوک دن کا روزہ یوم شک سے مراد شعبان کا آخری دن (۳۰ تاریخ) ہے جس کے متعلق رمضان کی پہلی تاریخ

ہونے کا احتمال ہو اور اس کی رات کو مطلع ابر آور رہا ہو (یعنی ۲۹ شعبان گزرنے کی شب کو) تو ایسی صورت میں اگر بلا ثبوت شرعی یہ یقین کر کے کہ یہ دن رمضان کا ہے روزہ رکھ لیا جائے تو وہ روزہ مکروہ تحریمی ہو گا اور اگر اس تردد کے ساتھ روزہ رکھا کہ روزہ رکھے لیتا ہوں اگر رمضان ہوا تو بہتر ورنہ افطار کر لوں گا تو یہ روزہ باطل ہے۔

ممنوع روزوں کا بیان عیدین کے روز اور ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے البتہ حج کرنے والا یہ روزے رکھ سکتا

ہے، حنفی مسلک یہی ہے شافعی فقہان دنوں میں روزہ مطلقاً حرام کہتے ہیں۔

کسی عورت کا اپنے شوہر کی اجازت یا اس کی رضامندی کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے سوا اس صورت کے کہ شوہر موجود نہ ہو یا حالت احرام یا اعتکاف میں ہو۔

نفلی روزے ماہ محرم کی نو اور دس تاریخ کے روزے جنہیں تاسوعا اور عاشورا کہتے ہیں یہ روزے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب اور باقی تین ائمہ

کے نزدیک سنت ہیں۔ نفلی روزوں کے منجملہ ہر ماہ کے تین روزے ہیں اور مستحب یہ ہے کہ یہ روزے ایام بیض میں ہوں یعنی عربی مہینے کی ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ تاریخ۔

ہر ہفتے دو شنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب ہے، ان روزوں سے جو صحت جسمانی حاصل ہوتی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نفل روزوں کی اقسام ہیں سب سے افضل روزے یہ ہیں کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور دوسرے دن نہ رکھا جائے۔ رجب اور شعبان کے مہینوں میں روزے رکھنا مستحب ہیں لیکن امام احمد بن حنبل پورے ماہ رجب کا روزے سے گزارنا مکروہ کہتے ہیں، درمیان میں ناغہ کیا جائے تو مکروہ نہیں ہے، باقی اشہر حرم میں ہر مہینے تین روزے رکھنا (جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو) مستحب ہے، واضح ہو کہ اشہر حرم چارہیں، ذوالفقہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک مہینہ رجب کا۔

ماہ شوال کے چھ دن یعنی (شش عید) کے روزوں کے متعلق حنفی اور مالکی مسلک یہ ہے کہ یہ روزے متفرق دنوں میں ہوں مثلاً ہر ہفتے میں دو دن۔

یوم عرفہ کا روزہ ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو جسے عرفہ کا دن کہا جاتا ہے روزہ رکھنا مستحب ہے۔ یہ روزہ ان کے لئے مستحب ہے جو حج میں نہیں ہیں۔ حج کرنے والے کو عرفہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، اگر اس سے کمزوری لاحق ہوتی ہو اسی طرح یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ بھی مکروہ ہے۔

نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینا نفلی روزہ رکھ لینے کے بعد اگر توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے، حنفی علماء نفلی روزہ توڑ دینے کو مکروہ تحریمی اور اس کی قضا نہ رکھنے کو بھی مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ مالکی فقہاء کے نزدیک وہ روزہ جو کسی نے بطور تطوع رکھا ہو اور اس کے ماں باپ میں سے کوئی یا شیخ بر بنائے شفقت روزہ اقطار کر لینے کا حکم دیں تو توڑ دینا جائز ہے اور اس کی قضا نہیں ہے۔

بعض روزے جو مکروہ تنزیہی ہیں یوم عاشورا کا روزہ جس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ نہ ملا یا گیارہویں

مکروہ تنزیہی ہے، اسی طرح یوم نورا اور یوم مہرجان کے روزے ہیں بشرطیکہ یہ اس دن واقع

نہ ہوئے ہوں جس دن وہ شخص پہلے سے روزہ رکھتا آ رہا ہو۔ دائمی روزے رکھنا جس سے جسمانی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور صوم وصال یعنی مسلسل رات دن کھانے پینے وغیرہ سے خود کو باز رکھنا بھی مکروہ ہے۔ مسافر کو روزہ رکھنا جبکہ روزہ اُس پر شاق ہو مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن روزِ عید کے مشابہ ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔ مریض اور مسافر کی طرح اگر حاملہ عورت، دودھ پلانے والی اور عمر رسیدہ مرد و عورت جن پر روزہ رکھنا باعث مشقت ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو انھیں بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے کسی فرض روزے کی قضا واجب ہوتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ فرض کی ادائیگی نفل سے زیادہ ضروری ہے۔

مفسداتِ صوم جن باتوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا لازم آتی ہے، دوسری وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

قضا واجب ہونے کی صورتیں کوئی ایسی شے کھا لینا جو غذا کی طرح نہیں کھائی جاتی لیکن غذا کے حکم میں ہے مثلاً کچا چاول، آٹا، کھجور کی گٹھلی، کنکری یا لوہا اگر نکل گیا یا کوئی دوا پیٹ میں بذریعہ حقنہ یا ناک سے پہنچائی گئی یا کان میں تیل ڈالا گیا یا قے منہ میں آئی اور پھر ارادہ نکل لی اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ اگر منہ بھر کر قے نہیں آئی تو روزہ نہیں جائے گا۔ کھجور کا کوئی حصہ دانتوں کی جھری میں رہ گیا اور اُسے کھا لیا تو اگر اُس کی مقدار چنے کے برابر ہے تو قضا واجب ہوگی اور اگر اس سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر لعاب دہن نکل گیا یا کلتی کے بعد منہ میں تری باقی رہ گئی اور تھوک کے ساتھ وہ بھی اتر گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن چاہیے یہ کہ کلتی کرنے کے بعد پہلے تھوک لیا جائے، تھوکنے میں زیادہ مبالغے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر منہ میں بارش کا قطرہ پڑ گیا یا برف آن پڑی اور اسے ارادہ نہیں نکلا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بھولے سے کچھ کھاپی لیا اُس کے بعد یہ سوچ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا دوبارہ کھاپی لیا یا صبح صادق کے بعد یہ خیال کر کے سحری کھالی کہ ابھی وقت باقی ہے یا غروب آفتاب سے پہلے اس خیال سے روزہ افطار کر لیا کہ سورج ڈوب چکا

ہے، ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک روزہ قضا کارکھنا پڑیگا۔
قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے کی صورتیں بغیر کسی عذر شرعی کے کوئی غذا
یا غذا جیسی کوئی شے استعمال
کی یعنی کھانی پانی اور پیٹ کی طلب پوری کی یا خواہش نفسانی کی طلب پوری کی ان دونوں صورتوں
میں بشرط ذیل کفارہ واجب ہوگا:

پہلی شرط یہ کہ روزہ دار مکلف ہو اور اس نے رات سے روزہ رمضان کی نیت کر لی ہو۔
دوسری شرط یہ کہ کوئی ایسا امر لاحق نہ ہو جو جس میں روزہ توڑ دینا روا ہے مثلاً سفر یا مرض۔
تیسری شرط یہ کہ روزہ اپنے ارادے سے بخوشی خاطر رکھا ہو۔ مجبور کر کے روزہ رکھوایا
نہ گیا ہو۔

چوتھی شرط یہ کہ روزہ بالارادہ توڑا ہو یا بھولے یا غلطی سے نہ ٹوٹ گیا ہو۔

اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو کفارہ واجب نہ ہوگا مثلاً رات سے روزہ رمضان کی نیت
نہیں کی ہو یا کسی پچھلے روزے یا گزشتہ رمضان کے روزے کی قضا کی نیت ہو اور روزہ رکھ
کر توڑ دیا ہو یا سفر اختیار کرنے کے بعد روزہ توڑ دیا ہو یا بھولے سے یا کسی غلطی سے روزہ ٹوٹ
گیا ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح اگر مباشرت بالارادہ نہ کی گئی ہو، شرمگاہیں باہم نہ
ملی ہوں تو بھی کفارہ کسی پر واجب نہ ہوگا نہ اس عورت پر کفارہ واجب ہوگا جس نے اپنے نفس
پر مرد کو اختیار نہ دیا ہو۔ نہ مساحقہ کرنے والی عورتوں پر کفارہ واجب ہے لیکن انزال ہو جانے
کی صورت میں قضا واجب ہوگی۔

دھواں دینے والی اشیاء (حقہ، سگریٹ وغیرہ) پہلی قسم کے نواقض صوم ہیں ہے کیونکہ اس
سے طبیعت کی خواہش پوری ہوتی ہے، اسی طرح حصول لذت کے لئے عورت کا بوسہ لے کر
لعاب دہن چوسنا بھی اسی حکم میں ہے، تو ان باتوں کے بالارادہ کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔
روزے میں کوئی ایسا کام کیا جس کا کرنا جائز ہے جیسے سر میں تیل ڈالنا، خوشبو سونگھنا
بیوی کا بوسہ لینا، ان میں سے کسی عمل سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر بھول کر پیٹ بھر کھانا کھالیا اور عورت
سے بغلیگر ہوا اور انزال ہو گیا تو صرف روزے کی قضا لازم ہوتی لیکن اگر اوپر بیان کئے گئے کسی عمل

کے بعد روزہ اس خیال سے قصداً افطار کر لیا یا مجامعت کر لی کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے تو قضا اور کفارہ دونوں ادا کرنا پڑے گا۔ رمضان میں اگر غیر عمدی طور پر روزہ ٹوٹ جائے تو واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں نواقضِ صوم سے باز رہے۔

روزہ جو قضا ہوا اُسے ادا کرنے کا وقت قضا روزوں کی ادائیگی سال کے گیارہ مہینوں کے اندر کی جاسکتی ہے، رمضان میں کسی دوسرے روزے کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر گذشتہ رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہو اور دوسرا رمضان آجائے تو پہلے اس رمضان کے روزے رکھے پھر قضا روزے پورے کرے۔ قضا روزہ رکھنے میں دیر نہ کرنا چاہئے، اگر زیادہ ہوں تو مسلسل رکھنا ضروری نہیں ایک یا دو ناغہ کر کے پورے کئے جاسکتے ہیں۔

روزہ توڑ دینے کا کفارہ (۱) بلا عذر شرعی قصداً توڑے ہوئے روزے کا کفارہ ایک روزے کے بدلے میں دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے سے

پورا ہوتا ہے اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو پھر سے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے، اگر یہ روزے قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کئے گئے تو اس پورے مہینے کے اور اس کے بعد کے قمری مہینے کے روزے رکھنا چاہئے اور اگر قمری مہینے کے وسط سے شروع کئے گئے تو اس مہینے کو پورا کر کے اگلے پورے ماہ کے روزے رکھنا اور پھر تیسرے مہینے میں اتنے دن روزے رکھنا چاہئے کہ پہلے مہینے کے دن ملا کر پورے تیس دن ہو جائیں، اس کا خیال رکھا جائے کہ بیچ میں کوئی ایسا دن نہ پڑتا ہو جس میں روزہ رکھنا حرام ہے مثلاً عید الاضحیٰ کے تین دن۔ روزوں کا تسلسل امر واجب ہے اس پر تین امور، اتفاق ہے، صرف جناب علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شرعی عذر سے روزہ ترک ہوا جیسے سفر پیش آگیا تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) کفارے کے روزے رکھنے کے درمیان میں اگر عورت کو حیض آجائے تو حیض کی مدت ختم کر کے فوراً روزے شروع کر دینا چاہئے چونکہ یہ قدرتی اور دائمی عذر ہے اس لئے صرف ایسی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے۔ البتہ اگر نفاس کی وجہ سے روزے چھوٹ جائیں تو کفارہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ عذر ہر مہینے پیش نہیں آتا۔

(۳) اگر کسی میں لگاتار دو مہینے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا پھر صدقہ فطر میں جتنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا غلہ یا اس کی قیمت ہر ایک مسکین کو دیدے اگر اکٹھا ساٹھ مسکین نہ مل سکیں تو جتنے بھی مل سکیں روزانہ انھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا رہے یہاں تک کہ ساٹھ کی تعداد پوری ہو جائے۔ ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن کھانا کھلانا یا روزانہ ایک دن کا غلہ دینا بھی جائز ہے مگر ایک آدمی کو ساٹھ دنوں کا اکٹھا غلہ یا اس کی قیمت ایک ہی دن دیدینے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اگر ایک آدمی کے تین چار روزے ایک رمضان میں چھوٹ گئے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہے، اگر یہ روزے دور رمضان کے ہوں تو دو کفارے دینے ہوں گے۔ رمضان کے علاوہ اگر کوئی نفل روزہ توڑ دے تو کفارہ واجب نہیں ہے، اس کی قضا پوری کر لینی چاہیے۔

روزہ توڑنے کے جائز عذر مرض یا شدت تکلیف کے سبب روزہ توڑنا روا ہے اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا یا جلد آرام نہ ہوگا یا سخت تکلیف کا موجب بن جائے گا تو ایسے گائمنوں امام (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ) متفق ہیں کہ روزہ توڑ دینا جائز ہے، امام حنبل کے نزدیک روزہ توڑ دینا سنت اور رکھنا مکروہ ہے، اگر ہلاکت یا شدید مضرت کا قوی گمان ہو تو روزہ توڑ دینا واجب اور رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔

سفر کی حالت میں روزہ ترک کرنا مباح ہے بشرطیکہ سفر اتنا ہو جس میں قصر واجب ہوتا ہے یعنی ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر سے زیادہ) سفر پیدل ہو یا ریل کا یا ہوائی جہاز کا لیکن اگر سفر میں تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے، ارشاد خداوندی یہی ہے **وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ** (یعنی اگر حالت سفر میں) روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

جس مسافر نے رات سے روزے کی نیت کی ہو اور طلوع فجر کے بعد سفر شروع کیا ہو تو روزہ توڑنا حرام ہے، اگر توڑ لیا تو قضا واجب ہے کفارہ نہیں ہے، حنفی مسلک یہی ہے۔

روزہ ترک کرنے کی جائز صورتیں حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنا اس کی اپنی جان کے لئے یا بچے

کے لئے یاد دہانیوں کے لئے حضرت رسال ہو گا تو اس کو روزہ ترک کرنا جائز ہے، ایسی عورتوں پر بشرط طاقت قضا کرنا واجب ہے، نہ فدیہ واجب ہے اور نہ مسلسل قضا کے روزے رکھنا واجب ہیں۔ دودھ پلانے والی بچے کی ماں ہو یا اجرت پر دودھ پلانے والی عورت دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ماں ہے تو شرعاً اس پر دودھ پلانا واجب ہے اور اگر اجرت پر رکھا گیا ہے تو معاہدے کی رو سے دودھ پلانا واجب ٹھہرا۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ ترک کر دینا واجب ہے اور روزہ رکھنا حرام لیکن جوں ہی پاک ہو جائے اُسے روزہ شروع کر دینا چاہیے اور جو روزے چھوٹ جائیں اُن کو رمضان کے بعد پورا کر لینا چاہیے۔

روزے میں سخت بھوک یا پیاس کا غلبہ اگر بھوک یا پیاس کی اتنی شدت ہو کہ اس حالت میں روزہ رکھنا برداشت سے باہر ہو جائے تو ایسی حالت میں روزہ توڑ دینا جائز ہے اور قضا واجب ہوگی۔

ضعیف العمری کے باعث ترک صوم عمر رسیدہ نحیف و ناتواں شخص جو سال بھر میں کسی وقت بھی روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو روزہ ترک کر سکتا ہے، اس پر واجب ہے کہ ہر دن کے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلائے۔ یہی حکم اُس مریض کا ہے جسے صحت کی توقع نہ ہو۔ فدیہ دینے کے بعد پھر قضا واجب نہیں۔ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں روزہ رکھنے سے عاجز ہو لیکن اُس کی قضا کسی اور وقت میں رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اُس وقت قضا رکھے اس کے لئے فدیہ نہیں ہے۔

فدیہ کی مقدار ایک محتاج کو اتنا غلہ دینا جتنا غلہ صدقہ فطر میں دیا جاتا ہے یعنی پونے دو سیر گہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت۔ اگر گہوں اور جو کے علاوہ کوئی اور غلہ فدیہ میں دیا جائے تو جو قیمت پونے دو سیر گہوں یا ساڑھے تین سیر جو کی بنتی ہو اسی قیمت کا دوسرا غلہ دیا جاسکتا ہے۔

فدیہ میں اگر غلہ نہ دے بلکہ ایک محتاج کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے تو اس سے بھی فدیہ ادا ہو جائے گا مگر وہی کھانا ہو جو خود کھاتا ہے۔ فدیہ کا غلہ یا غلے کی قیمت کئی محتاجوں کو

دینا بھی جائز ہے۔

میت کے قضا شدہ روزے
 اگر مرنے والے نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر دی ہو تو اُس کے وارثوں کو چاہیے کہ اُس کے ایک تہائی مال سے فدیہ ادا کر دیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو اور وارث بالغ ہوں تو انہیں فدیہ ادا کر دینا چاہیے اس سے میت کو آخرت میں فائدہ اور وارثوں کو ثواب حاصل ہوگا مگر نابالغ وارثوں کے حصے سے فدیہ نہ ادا کرنا چاہیے۔

اعتکاف کا بیان
 مسجد میں خاص طریقے سے عبادت کے لئے رہنا اعتکاف کہلاتا ہے جتنے دن اعتکاف میں رہنے کی نیت کی گئی ہو اتنے دنوں دنیاوی کاروبار اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر نماز کی جگہ بٹھ کر گزارے جاتے ہیں اس کا فائدہ یہ ہے کہ تمام دنیاوی کاموں اور نفسانی خواہشات سے الگ ہو کر ہمہ وقت خدا کے ذکر اور اُس کی عبادت میں مصروف رہنے سے تعلق باللہ استوار تر ہوتا ہے، قلب و دماغ میں نور پیدا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن مسجد میں اعتکاف فرماتے اور صحابہ کرام بھی آپ کی سنت پر عمل کرتے تھے، یہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے کسی بستی میں ایک شخص بھی اعتکاف کر لے گا تو یہ سنت ادا ہو جائے گی۔ اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے گا تو پوری بستی کے لوگ ایک سنت مؤکدہ کو ترک کرنے کا گناہ اپنے سر لیں گے۔ اس سنت کو رمضان میں ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ۲۰ رمضان کو عصر کی نماز پڑھ کر مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جائے اور ایک پردہ باندھ کر اس گوشے کو ایک حجرے کے مثل بنالے۔ جماعت کے وقت پردہ نمازیوں کے لئے اٹھا دیا کرے۔ دس دن تک اسی طرح گزارے اسی جگہ کھانا پینا اور سونا ہو اور بے ضرورت باہر نہ جایا جائے۔ جب عید کا چاند نظر آجائے تو اعتکاف کو ختم کر دیا جائے۔ عورتیں گھر کے کسی بھی صاف ستھرے حصے میں اعتکاف کر سکتی ہیں ان کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

اعتکاف کی قسمیں اور ميعاد
 (۱) اعتکاف واجب ہے اگر اُس کی ندرمان لی گئی ہو۔

(۲) اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے رمضان کے آخری

عشرے میں (۳) اعتکاف مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور دنوں میں، اعتکاف کے لئے کوئی

میعاد و وقت مقرر نہیں ہے۔ مالکی مسلک میں ایک دن اور ایک رات کم سے کم میعاد ہے۔

اعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کی شرطوں میں پہلی شرط مسلمان ہونا ہے اور دوسری شرط صاحب شعور ہونا ہے، لہذا کافر کا، مجنون کا اور بے شعور بچوں کا اعتکاف درست نہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہو۔ مسجد بھی وہ جہاں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے، امام اور مؤذن مقرر ہوں یہ حکم مرد کے لئے ہے، عورت اپنے گھر میں جو جگہ نماز کے لئے بنائی گئی ہو وہاں اعتکاف کر سکتی ہے، جماعت والی مسجد میں عورت کا اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ اُس مقام کے علاوہ جو گھر میں نماز کے لئے بنائی ہے کسی اور جگہ اعتکاف کرے۔ شرائط اعتکاف میں نیت بھی ایک شرط ہے جس کے بغیر اعتکاف درست نہیں ہے۔ جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی اعتکاف کے لئے شرط ہے۔ حنفی مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ جنابت سے پاک ہونا اعتکاف روا ہونے کی شرط ہے، یعنی ایسی حالت (جنابت) میں اعتکاف کرنا حرام ہے، حیض و نفاس سے پاک ہونا اعتکاف واجب کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اعتکاف واجب وہ ہے جس کی نذر مانی ہو اس میں روزہ رکھنا بھی شرط ہے اور روزہ حیض و نفاس سے پاک ہوئے بغیر رکھا نہیں جاسکتا۔ واضح ہو کہ عورت کا اعتکاف کرنا بغیر شوہر کی اجازت کے درست نہیں ہے۔

وہ باتیں جن سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے یہ ہیں:

مفسداتِ اعتکاف

(۱) مباشرت کرنا (۲) مسجد سے بلا ضرورت باہر آجانا (۳) جنون اور بے ہوشی (۴) نشہ آور اشیا یا سن کر دینے والی چیزوں کا استعمال (۵) گناہ کبیرہ کا ارتکاب (۶) ارتداد۔

مباشرت خواہ قصداً ہو یا سہواً، مسجد کے اندر ہو یا باہر مفسدِ اعتکاف ہے۔ وہ تمام اعمال جو اس جانب تحریک پیدا کریں مکروہ تحریمی ہیں۔ مسجد سے باہر نکلنا طبعی ضرورتوں یا شرعی ضرورتوں کے علاوہ مفسدِ اعتکاف ہے۔ کھانا پینا، پیشاب پاخانہ، غسل جنابت طبعی ضرورتیں ہیں، ان کے لئے اگر مسجد سے باہر آنا پڑ جائے تو ان ضرورتوں کو پورا کر کے فوراً مسجد کے اندر آجانا چاہیے۔ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا اور نماز جنازہ پڑھانا اگر کوئی دوسرا آدمی پڑھانے والا نہ ہو، شرعی ضرورتیں ہیں۔ اگر جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا ہو تو سنت پڑھنے کے جانا

چاہیے اور خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر فوراً واپس آ جانا چاہیے، فرض کے بعد پڑھی جانے والی سنت نماز مقام اعتکاف میں پڑھنا چاہیے۔ جنازے کی نماز ختم ہوتے ہی لوٹ آنا چاہیے۔ باہر ٹھہرنا یا کسی سے باتیں کرنا معتکف کے لئے منع ہے۔

اعتکاف کے آداب اعتکاف کرنے والے کو اچھی بات کے سوا اور کوئی کلام نہ کرنا۔ زیادہ تر وقت تلاوت کلام اللہ، ادا کے نوافل اور ذکر الہی ہیں گزارنا، احادیث رسول اور علوم دینی کا مطالعہ کرنا۔ اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار کثرت سے کرتے رہنا، اعتکاف کے آداب ہیں۔ یہ امر بھی آداب اعتکاف میں سے ہے کہ اعتکاف کے لئے اُس مسجد کا انتخاب کیا جائے جو سب سے اچھی ہو، دنیا میں سب سے اچھی مسجد مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ پھر ہر شہر کی وہ مسجد جس میں سب سے زیادہ نمازی جمع ہوتے ہوں اور امام و مؤذن مقرر ہوں۔

اعتکاف کے مکروہات اس خیال سے چپ رہنا کہ ثواب زیادہ ملے گا مکروہ ہے۔ پیشہ و رانہ شغل (خواہ وہ تدریس ہی کیوں نہ ہو) میں زیادہ مصروف رہنا بھی مکروہ ہے۔ مسجد کے قریب گھر ہونے کے سبب اُس میں جانا یا مریض کی مزاج پُرسی کے لئے جانا، خرید و فروخت کرنا یا تجارتی معاہدہ کرنا، بیچنے کی غرض سے مال مسجد میں لانا یہ سب باتیں اعتکاف کی حالت میں کرنا مکروہ ہیں۔

شرب قدر رمضان کے آخری دس دنوں میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں بڑی خیر و برکت ہے، اس کا ذکر قرآن کی ایک سورۃ میں ہے جسے سورۃ قدر کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

تحریر الیلة القدس فی الوتر
لیلۃ القدر کور رمضان کی آخری دس
من العشر الاواخر
راتوں میں تلاش کرو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مقدس رات رمضان کی اکیس تیس پچیس ستائیس یا انتیسویں شب کو ہوتی ہے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے دو تین دن پہلے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آ رہا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے

جو شخص اس رات سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا۔
 اللہ تعالیٰ نے نہ تو اس رات کو متعین طور پر ظاہر کیا ہے نہ اُس کی پہچان بتائی۔ اس لئے
 بندوں کو اس کی تلاش و جستجو ان راتوں میں کرنا چاہیے جن کا ذکر اوپر لکھی حدیث میں کیا گیا ہے۔
 ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ یاد الہی میں مشغول رہنا چاہیے جب اُس کے قلب پر فرحت و سرور اور
 توجہ الی اللہ کی کیفیت غالب ہوگی تو اُس کا ذوق اور وجدان محسوس کر لے گا کہ یہی لیلة القدر
 ہے، اس رات نفل نمازوں کے علاوہ یہ دُعا کثرت سے پڑھنا چاہیے:

اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفْوٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ
 اے اللہ تو سراپا عفو ہے اور معاف کرنا تجھے پسند
 ہے تو میری خطاؤں سے درگزر فرما۔

یوں تو رمضان کے مبارک مہینے میں ہر نیکی کا اجر کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ لیکن
صدقہ فطر ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر صدقہ فطر رمضان
 کے روزے ختم ہونے پر دینا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور
 حضرت عبد اللہ بن عباس دو جلیل القدر صحابیوں سے روایت ہے:

فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ
 طَهْرًا بِصِيَامٍ مِنَ اللَّغْوِ وَ
 الرَّفْقِ وَطَعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر دینا
 لازم قرار دیا ہے تاکہ رمضان میں جو غلطی سے
 بیکار بائیں ہو گئی ہیں یا بُرے خیالات آئے
 ہوں اُن سے روزے پاک ہو جائیں اور غریبوں
 کے کھانے کا سامان بھی ہو جائے۔
 (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر جو صاحب مقدر ہو واجب ہے اس
 کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس سال دیا جس سال
 رمضان میں روزہ رکھنا فرض ہوا، چنانچہ عبد الرزاق نے صحیح اسناد کے ساتھ عبد بن ثعلبہ
 سے اخراج فرمایا ہے کہ حضور نے یوم فطر سے ایک یا دو روز پہلے خطبہ دیا اور فرمایا۔

أَدْوَا صَاعًا مِنْ بُرِّ أَوْ صَبِغٍ أَوْ
 صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ سَعِيرٍ عَن
 ایک صاع بُریاق (گپھوں کی دو قسمیں) یا
 ایک صاع کھجور یا جو آزاد اور غلام کی طرف

کل حرا و عبد صغیرا و کبیر۔ سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادا کرو۔

فقہائے احناف صدقہ فطر کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں کہتے۔ واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) حاجاتِ اصلیہ سے بقدر نصاب، فاضل مال کا مالک ہونا۔ صدقہ فطر میں بقدر نصاب فاضل مال کے خاص عرصے تک باقی رہنے کی قید نہیں ہے جس طرح زکوٰۃ میں ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص صدقہ فطر واجب ہونے کے بعد نصاب کا مالک تھا مگر اُس کو ادا کرنے سے پہلے وہ مال جاتا رہا تو اُس کے ذمہ سے وہ صدقہ فطر ساقط نہ ہوگا، اسی طرح بالغ اور عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، بچے اور قاتر العقل کے مال میں بھی صدقہ فطر واجب ہے، یہاں تک کہ اُن کے ولی اگر صدقہ فطر نہ نکالیں تو مرتکب گناہ ہوں گے اور بالغ ہونے یا جنون سے افاقہ پانے کے بعد مسکینوں کو صدقہ فطر دینا واجب ہوگا۔

صدقہ فطر عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا اس سے پہلے اور بعد میں بھی درست ہے، تاہم مستحب یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر نکال دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

اغتنوہم عن السؤال فی محتاجوں کو عید کے روز سوال سے بے نیاز

کردو۔

ہذا الیوم

صدقہ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اپنے خادم اور ایسے بڑے بچے کی طرف سے جو مجنون ہو واجب ہے، بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے لیکن اگر دے دے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا، اسی طرح ماں پر بچوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔

ہر قسم کا اناج گیہوں، جو، چنا، دھان اور باجرہ اور پھلوں میں کھجور اور منجی صدقہ

صدقہ فطر میں دی جانے والی چیزیں

فطر میں دیا جاسکتا ہے تو جو کوئی گیہوں یا اُس کا آٹا دے تو اس کو ۸ تولے کے سیر سے پونے

دو سیر گیہوں یا آٹا دینا چاہیے اور اگر جو دے تو ۸۰ تولے کے سیر سے اس کا دو گنا یعنی ساڑھے تین سیر جو یا آٹا دینا چاہیے۔

گیہوں اور جو کے علاوہ اور جتنے اناج ہیں ان سب کا حکم یہ ہے کہ پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو کی قیمت لگائیں پھر اس قیمت سے وہ غلہ خریدیں جو صدقہ فطر میں دینا ہے جتنا ملے اتنا ہی دیدینا چاہیے۔ گویا اصل چیز پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا اس کی قیمت ہے غلہ اگر نہ دیں اور یہی قیمت صدقہ فطر میں دیدیں تو بھی جائز ہے بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے اس سے مساکین کو زیادہ فائدہ ہے۔

چند لوگوں کا صدقہ فطر اجتماعی طور پر کسی ایک محتاج کو دینا جائز ہے جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک شخص کا صدقہ فطر چند مسکینوں کو دیا جائے۔ صدقہ فطر کے مصارف وہی ہیں جس کا ذکر آیت "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" ہے اور جو باب زکوٰۃ میں آگے آرہا ہے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنی اور اس کی تعریف۔ عربی میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے اور نورو (ترقی) پانے کے ہیں، دونوں معنوں میں استعمال کی مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں :-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ شَرَّكَهَا
جس نے اپنے نفس کو گندگی سے پاک کیا
وہ بیشک فلاح یاب ہوا۔

نسا کا الزراع زراعت میں نشوونما ہوئی

شریعت کی اصطلاح میں اس کے معنی مخصوص مال کو خاص شرائط کے ساتھ کسی مستحق شخص کو اس کا مالک بنا دینے کے ہیں "مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نصاب زکوٰۃ کے مالک ہیں یعنی اتنا مال رکھتے ہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو ان پر فرض ہے کہ دوسرے حقداروں کو جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے اپنے مال میں سے ایک مقدار خاص کا مالک بنادیں۔ یہ خاص مقدار مال زکوٰۃ کہلاتی ہے، اس کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے آدمی کا بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اور اس کی نیکی میں نمو اور ترقی ہوتی ہے۔

ادائے زکوٰۃ کا حکم اور اس کا ثبوت زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین

ہے جو شرائط کو پورا کرتا ہو جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ زکوٰۃ سلسلہ میں فرض ہوئی اس کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، قرآن میں ہے: **وَآتُوا الزَّكَاةَ زَكَاةً** (ادا کرو) اور **فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّمَّا لِكُلِّ لِسَائِلِ وَالْمَحْرُومِ** (لوگوں کے مال میں سوال

کرنے والوں اور ناداروں کا مقررہ حق ہے) (سورہ معارج آیت ۲۴)

سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مراد ہے، آپ نے فرمایا بُنَى الْإِسْلَامَ
 عَلَى خَمْسٍ (اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے) ان میں سے ایک ایناءِ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔
 خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے فرمایا:

التقوا الله واصلوا خمسكم اللہ سے ڈرتے رہو اپنی پنجگانہ نمازیں پڑھا
 وصوموا شهركم وادوا کرو تمہارا رمضان آگے تو روزہ رکھو اور
 زكاة اموالكم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔

اجماع یعنی تمام امت اس پر متفق ہے کہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جس کی خاص
 شرائط ہیں۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

نماز روزہ اور زکوٰۃ تینوں فرض عبادتیں ہیں۔ فرق یہ ہے
 کہ پہلی دو عبادتیں جسمانی ہیں اور تیسری مالی، دوسرا
 فرق یہ ہے کہ پہلی دو عبادتیں ہر امیر و غریب خوش حال و بد حال سب پر فرض ہیں لیکن زکوٰۃ ان
 ان لوگوں پر فرض ہے جو کھانے پینے سے مطمئن ہوں اور روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے بعد
 کچھ بچ بھی رہتا ہو۔ تیسرا فرق یہ ہے نماز اور روزہ صرف خدا کا حق ہیں اور زکوٰۃ میں خدا کے حق
 کے ساتھ بندوں کا حق بھی ہے۔ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید قرآن میں کثرت سے کی گئی ہے۔
 أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) بارہا قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔
 زکوٰۃ سے مقصود مال کی حرص اور محبت دل سے نکالنا اور بخل کی مذموم صفت سے نفس کو پاک
 رکھنا ہے۔ مال و دولت کے حرصوں کو سخت عذاب کی وعید (دھمکی) اللہ نے دی ہے:-

الَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّبِعُونَ نَهْيَ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۰۴﴾

(سورۃ توبہ آیت ۱۰۴)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو
 بڑے دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے جو لوگ مال رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ اپنے
 لئے قیامت میں بڑا عذاب تیار کر رہے ہیں۔

وجوب زکوٰۃ کی شرطیں

بالغ ہونا زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط ہے، کوئی بچہ مالدار ہو تو
 اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایک شرط عاقل ہونا ہے لہذا

مجنوں پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ حنفی علماء کہتے ہیں کہ ان کے ولیوں سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا البتہ ان کے مال سے قرض اور نفقے کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں تاہم عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) اور صدقہ فطر واجب ہے، فاتر العقل کے مال کا وہی حکم ہے جو بچے کے مال کا ہے ایک شرط یہ ہے کہ مملوکہ مال نصاب کو پہنچ گیا ہو اور اس پر ایک سال کی مدت گزر چکی ہو اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحب مال آزاد ہو۔

نصاب اور ایک سال کی مدت سونا یا چاندی یا مال و اسباب کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُسے شریعت میں نصاب کہتے ہیں اور جس کے پاس وہ مقدار موجود ہو اُس کو صاحب نصاب کہتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اُس کو چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا ہوگا، غرض مال کی وہ مقدار جس کو صاحب شرع نے وجوب کی حد قرار دیا ہو خواہ وہ نقد زر و سیم کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں وہی نصاب کی مقدار ہے۔ مختلف اموال زکوٰۃ کا نصاب جدا جدا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ایک سال کی مدت گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک واجب الادا نہیں ہوتی ہے جب تک کسی شخص کو اُس مال کا مالک بنے رہنے کی مدت ایک سال نہ ہو جائے۔ سال سے مراد قمری حساب سے سال ہے شمسی حساب کا سال نہیں۔ قمری حساب سے ایک سال تین سو چوں دن کا ہوتا ہے، وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ سال کے دونوں سروں پر نصاب پورا ہو رہا ہو قطع نظر اس کے کہ سال کے درمیان نصاب کامل رہا ہو یا نہ رہا ہو لہذا اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں پورے نصاب کا مالک تھا اور اسی حال میں پورا سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر سال کے دوران میں مال میں کمی ہوگئی اور اخیر سال میں وہ کمی پوری ہوگئی تب بھی بدستور زکوٰۃ واجب ہوگی یاں اگر مال کی کمی اخیر سال تک جاری رہی اور سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں نصاب کا مالک تھا پھر دوران سال مال میں اور اضافہ ہوا تو اُس کو اصل مال میں شامل کیا جائے گا اور سب

پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

پورا سال گزر جانے کی شرط کھیتی اور پھلوں کے علاوہ دوسری اشیاء کے لئے ہے، کھیتی اور پھلوں کے لئے سال گزر جانے کی شرط نہیں ہے۔

صاحب مال کا آزاد ہونا اور قرض سے بری ہونا آزاد سے مراد کسی کا غلام

نہ ہونا ہے لہذا رقیق پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ مکاتب ہو (ہمارے زمانے میں اس طبقے کے لوگ پائے نہیں جاتے) اسی طرح صاحب مال کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قرض واجب الادا اس کے ذمہ نہ ہو پس اگر کسی پر اتنا قرض ہے جو مال نصاب کے برابر ہو یا اتنا ہو کہ ادائے قرض کے بعد بمقدار نصاب مال باقی نہ رہے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وہ اموال جن پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی سکونتی مکاؤں، سامانہ خانہ، پہننے کے کپڑوں، سواری کے جانوروں، استعمالی

ہتھیاروں اور ایسے ظروف جو سجاوٹ کھیلے ہوں اور سونے چاندی کے نہ ہوں، ان سب چیزوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح جو اہرات مثلاً موتی، یا قوت زبرد وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ پیشہ ورانہ آلات اور علمی کتابوں پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔

اشیاء کی قسمیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے پانچ قسم کی ہیں:

۱۔ جو پائے یعنی پالے جانے والے جانور۔

۲۔ سونا، چاندی یا سونا چاندی کے بجائے چلنے والے سکے۔

۳۔ سامان تجارت۔

۴۔ کان سے نکلی ہوئی اشیاء اور دھنیں۔

۵۔ زرعی پیداوار اور پھل۔

ہر ایک قسم کا بیان اور زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ الگ الگ لکھا جاتا ہے۔

①
 واضح ہو کہ صرف گھریلو جانوروں پر زکوٰۃ ہے، وحشی جانور مثلاً نیل گائے اور ہرن وغیرہ پر نہیں ہے۔ اونٹ، گائے، بھینس اور بکری (خواہ نر ہوں یا مادہ) ان پر زکوٰۃ عائد ہونے کی دو شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ وہ ساٹمہ ہوں یعنی سال کے زیادہ تر حصے میں میدان یا جنگل کی گھاس چر کر یا درختوں کی پتی کھا کر جیتے ہوں اور ان کو چارہ کبھی کبھی دیا جاتا ہو اور دوسری یہ کہ ان سے بار برداری، سواری، کھیتی باڑی کا کام نہ لیا جاتا ہو جیسے گھوڑے، خچر اور بیل وغیرہ۔

اونٹ	تعداد جس پر زکوٰۃ ہے	شرح زکوٰۃ
کم سے کم تعداد	اسے چار تک	کچھ نہیں
جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے	۵ سے ۹ تک	ایک بکری یا بکرا یا اس کی قیمت
پانچ ہے	۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا دو بکرے
	۱۵ سے ۱۹ تک	تین
	۲۰ سے ۲۴ تک	چار
	۲۵ سے ۳۵ تک	اونٹ کا یکسالہ مادہ بچہ یا اس کی قیمت
	۳۶ سے ۴۵ تک	اونٹ کا دو سالہ
	۴۶ سے ۶۰ تک	اونٹ کا تین سالہ
	۶۱ سے ۷۵ تک	اونٹ کا چار سالہ
	۷۶ سے ۹۰ تک	دو سال کے دو بچے
	۹۱ سے ۱۲۰ تک	تین تین سال کے دو بچے

۱۲۰ اونٹوں کے بعد پھر اسی طرح حساب چلے گا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری اور ہر دس پر دو بکریاں بڑھتی جائیں گی یعنی ۱۲۵ اونٹوں پر ۳ سال کے دو اونٹ کے بچے اور ایک بکری زکوٰۃ میں دینا ہوگی اور ۱۴۰ اونٹوں پر تین تین سال کے دو اونٹ کے بچے اور تین بکریاں ہوں گی اس طرح جتنے اونٹ بڑھتے جائیں گے زکوٰۃ اسی حساب سے بڑھتی رہے گی۔

گائے بھینس وغیرہ کی زکوٰۃ کا نصاب تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے شرح زکوٰۃ

ابتدائی نصاب تیس	اسے ۲۹ تک	کچھ نہیں
ہے اس سے کم پر	۳۰ ہوں تو	ایک سال کا بچہ یا اس کی قیمت
زکوٰۃ نہیں ہے	۴۰ ہوں تو	پورے دو سال کا بچہ
	۶۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچے
	۷۰ ہوں تو	دو سال کا ایک اور ایک سال کا ایک بچہ
	۸۰ ہوں تو	۲ سال کے دو بچے
	۹۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے تین بچے
	۱۰۰ ہوں تو	دو سال کا ایک اور ایک سال کے دو بچے

جتنی تعداد بڑھتی جائے گی ان کی زکوٰۃ بھی زیادہ ہوتی رہے گی۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ ۳۰ اور ۴۰ کو معیار بنا لیا جائے اور ساتھ سے زیادہ جتنی تعداد ہو ان پر ۳۰ اور ۴۰ کے اعتبار سے زکوٰۃ نکالی جائے، مثلاً ۷۰ میں ایک سال کا ایک بچہ جو ۳۰ کی زکوٰۃ ہے اور دو سال کا ایک بچہ جو ۴۰ کی زکوٰۃ ہے دینا چاہیے، دہائی کے درمیان کی تعداد پر زکوٰۃ شمار نہ کی جائے بلکہ صرف ۴۰، ۶۰، ۷۰ کی زکوٰۃ دی جائے گی مثلاً ۱۲۰ ہوں تو یا تو ۴۰ بچے ایک ایک سال کے دے جائیں یا تین بچے دو دو سال کے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ پر نصاب	تعداد جس پر زکوٰۃ فرض ہے	شرح زکوٰۃ
نصاب کی تعداد چالیس سے	اسے ۳۹ تک	کچھ نہیں
شروع ہوتی ہے اگر تمام بھیڑیں	۴۰ سے ۱۲۰ تک	ایک
ہوں تو زکوٰۃ میں خصوصیت	۱۲۱ سے ۲۰۰ تک	دو
سے بھیڑ دینا ہوگی اور اگر تمام	۲۰۱ سے ۳۹۹ تک	تین
بکریاں ہیں تو زکوٰۃ میں بکری نکالی	۴۰۰ پورے ہونے پر	چار
جائے گی اگر مشترک ہوں تو جن کی تعداد	۴۰۰ سے زیادہ ہوں تو	ہر سو پر ایک
زیادہ ہوگی زکوٰۃ میں دی جائے گی اگر تعداد برابر ہے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ دو قسموں		

میں سے جو قسم چاہے وصول کرے۔ اوپر کی جو تعداد زکوٰۃ فرض ہونے کی لکھی گئی ہے ان فریبوں کے درمیان کی تعداد معاف ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان
 اوپر ”نصاب اور ایک سال کی مدت“ کے
 عنوان سے سونے چاندی کی وہ مقدار جس پر
 زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بیان کی جا چکی ہو۔ سونے کے نصاب کی مقدار بیس مثقال ہے اور چاندی
 کے نصاب کی مقدار ۲۰ درہم۔ مثقال اور درہم کا وزن تولوں اور ماشوں میں لانے کی علماء
 نے جو تحقیق کی ہے اُس کے مطابق ۲ مثقال کو ساڑھے سات تولے کے برابر اور دو سو درہم کو
 ساڑھے باون تولہ کے ہم وزن مانا گیا ہے، بہشتی زیور مؤلفہ مولانا اشرف علی صاحب ہیں یہی
 وزن قابل اعتماد لکھا ہے۔ پس جو شخص سونے اور چاندی کے ان نصابوں کا مالک ہو اُس پر
 واجب ہے کہ ان کی زکوٰۃ دسویں حصے کی ایک چوتھائی دپہ انکالے قطع نظر اس کے کہ سونا،
 چاندی سگے کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔ نصاب مذکورہ بالا سے کم سونے یا چاندی پر زکوٰۃ فرض نہیں
 ہے، یعنی دونوں میں سے جو چیز نصاب کو پہنچ جائے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ سونے اور چاندی کی
 بنی ہوئی جتنی چیزیں ہوں اُن سب کا حکم سونے اور چاندی کا ہے، مثلاً زیورات خواہ وہ مردوں
 کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر، برتن ہوں یا سچا گوتا، لچکا یا سونے چاندی کے
 تار کا کام کپڑوں پر کیا ہوا، خواہ یہ چیزیں استعمال کی جاتی ہوں یا نہ کی جاتی ہوں، اگر بقدر نصاب
 ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب وزن کے اعتبار سے ہے، قیمت کے اعتبار سے
 نہیں ہے۔ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ میں سونا اور چاندی دی جائے یا اُس کی قیمت دونوں
 صورتیں جائز ہیں۔

سونے چاندی کی مخلوط اشیا کی زکوٰۃ کا بیان
 اگر سونا یا چاندی کسی اور دھات
 مثلاً تانبا، پیتل یا نکل میں مخلوط
 ہو تو اُن پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی تا وقتیکہ محض سونے یا چاندی کی مقدار جو دوسری دھات میں شامل
 ہے نصاب کو پورا نہ کرے۔ ملاوٹی اشیا میں اس دھات کا لحاظ کیا جائے گا جس کی مقدار
 زیادہ ہو خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور دھات، لہذا سونے کے ساتھ چاندی ملی ہوئی اشیا

ہیں اگر سونا زیادہ ہے تو سونے کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس پوری شے کو سونا تصور کیا جائے اور اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو اس پوری شے کو چاندی تصور کیا جائے گا۔ اگر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔

سکوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ سبھی کئی طرح کے ہوتے ہیں ایک تو سونے اور چاندی کے (جیسے ڈالر، پونڈ، ریال، دینار وغیرہ) دوسرے کاغذی سکے (مثلاً نوٹ اور بانڈ وغیرہ) تیسرے دھاتوں کے سکے (جیسے ریز گاری میں روپے دو روپے اور اس سے کم کے سکے رائج ہیں) سونے اور چاندی کے سکوں کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

کاغذی سکوں اور دوسری دھاتوں سے بنے سکوں کا بیان اگر نوٹ، بانڈ، سیونگ سٹریٹ

یا دوسری دھاتوں سے بنے ہوئے سکے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں جن سے بقدر نصاب چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکال دینا چاہیے، اگر قدر نصاب سے زائد چاندی مل سکتی ہو جس کی قیمت سو روپے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو جتنی بھی بلبشی ہوگی اس کا بلہ زکوٰۃ میں نکالا جائے گا مثلاً سو ہیں ڈھائی روپے ہزار ہیں ۲۵ روپے۔ دو ہزار ہیں ۵۰ روپے دس ہزار ہیں دو سو پچاس روپے و علیٰ ہذا القیاس۔

روپیوں کی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ نکالنا اسی وقت واجب ہوگا جب یہ دو باتیں پائی جائیں:

۱۔ یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہو۔

۲۔ یہ کہ اس روپے کو اس کے پاس آئے ہوئے ایک سال ہو چکا ہو۔

ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب ضروریات دو طرح کی ہوتی ہیں ایک بنیادی ضرورتیں جیسے کھانا کپڑا، مکان، علاج،

پیشہ ور آدمی کے اوزار۔ تو اگر کسی کا مکان بارشش میں گر گیا ہے اور اس کو بنوانے یا مرمت کرانے کے لئے رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یا مکان تنگ ہے اور اس میں توسیع کی

ضرورت ہے، یا کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے جس کے علاج کے لئے روپے جمع کرنا ضروری ہیں
 ما وہ پیشہ ور ہے جس کے لئے آلات خریدنا ضروری ہیں، غرض کہ بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے
 کے لئے جو روپیہ رکھا گیا ہو اس روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ صاحب درمختار کے اس
 جملہ (وفا سرغ عن حاجتہ الاصلیہ) کی تشریح علامہ شامی نے یہی کی ہے۔
 دوسری غیر بنیادی یا کم اہم ضرورتوں مثلاً شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ یا اور کوئی تقریب کرنے
 کے لئے روپے ہیں تو سال گزرنے پر ان کی زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح اگر حج کرنے، کتا میں
 خریدنے یا بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے روپیہ جمع کیا جائے تو اس صورت میں بھی روپوں
 کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

سال گزرنے کا مطلب پورے سال بھر ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ جمع رہا ہو جس پر
 زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری باتیں وجوب
 زکوٰۃ کے شرائط میں بیان کی جا چکی ہیں۔

قرض میں دیئے ہوئے مال پر زکوٰۃ
 اگر کسی شخص کا قرض دوسرے پر ہے اور اس
 کی مقدار نصاب کے برابر ہے اور اس پر ایک
 سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے کے احکام یہ ہیں۔

۱۔ اگر نقد روپے قرض دیئے ہیں یا سامان بیچ دیا ہے اور اس کی قیمت آنا باقی ہے تو اس
 روپے کی زکوٰۃ اس وقت دینا ہوگی جب وہ اس کو واپس مل جائے، اب اگر وہ کسی برس
 کے اکٹھا وصول ہوئے تو ان تمام برسوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جتنے دن مقروض کے پاس
 رقم باقی رہی تھی اور اگر تھوڑی تھوڑی کر کے وصول ہو تو جتنا روپیہ وصول ہوتا جائے
 اتنے کی زکوٰۃ دیتے جانا چاہیے۔ البتہ اگر یہ وصول ہونے والی رقم نصاب زکوٰۃ کے واسطے
 بھی کم ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۲۔ قرض کی دوسری صورت یہ ہے کہ مقروض پر ایسی چیز کی قیمت باقی ہو جس پر زکوٰۃ نہیں ہے،
 مثلاً گھڑ کا فرنیچر پہننے کے کپڑے، سواری کا گھوڑا، ہل جو تٹنے کا بیل۔ اب اگر ان میں سے
 کوئی چیز بیچ دی اور قیمت باقی ہے اور وہ بقدر نصاب ہے یعنی اس سے بقدر نصاب چاندی

خریدی جاسکتی ہے تو جب قیمت وصول ہو زکوٰۃ دینا چاہیے، اگر اکٹھا اتنی مقدار وصول نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں، اگر قدر نصاب سے زیادہ رقم باقی ہو مگر کئی سال کے بعد وصول ہو تو ان تمام برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سال گزرنے کی مدت کا اعتبار اُس وقت سے کیا جائے گا جب سے کہ وہ نصاب کا مالک ہو انہ کہ اُس کے وصول ہونے کے وقت سے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مال اس کے قبضے میں تو نہ ہو لیکن ملنے کی توقع ہو جیسے مہر کاروپہ یا الغام کاروپہ تو اس پر اس وقت سے زکوٰۃ واجب ہوگی جب ملنے کے بعد ایک سال گزر جائے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قرض ہو مگر اُس کے ملنے کی امید نہ ہو مثلاً پھلدار درختوں کی شجر کاری کے لئے قرض دیا گیا ہو تو ایسے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے، اگر بعد میں وصول ہو جائے تو پوری مدت کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

تجارتی مال پر زکوٰۃ^(۳) وہ سامان جو تجارت کے لئے ہو خواہ وہ کسی دھات کا بنا ہوا ہو یا لکڑی کا میوہ ہو یا مسالہ، کاغذ ہو یا کتابیں، کپڑے سلے ہوں یا بے سلے اور

تمام وہ سامان جو کسی کارخانے میں تیار ہو تو ان تمام چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ ان پر پورا سال گزر جائے اور وہ تجارت کی نیت سے رکھی گئی ہوں۔ پورا سال گزر جانے کا مطلب "صاحب نصاب ہونے کے بعد ایک سال پورا ہونا" ہے۔ تجارت کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں اپنے استعمال کے لئے یا آرائش کے لئے جمع نہ کی گئی ہوں۔ اگر کسی نے اپنے گھر کے لئے بڑی بڑی دیگیں، پتیلیں، پتیلیاں، فرنیچر، اونٹنی اور سوتی قیمتی کپڑے غلہ اور مسالہ وغیرہ رکھا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر کارخانے میں کوئی مال تیار کیا جاتا ہو تو جتنا مال فروخت ہوا اور جو اسٹاک کیا گیا سب پر زکوٰۃ واجب ہے البتہ مشینوں یا سامان تیار کرنے کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح پیشہ و صنعت کار مثلاً گھڑی ساز، بڑھئی، لوہار، موٹروں اور سائیکلوں کی مرمت کرنے والے اور ان جیسے دوسرے پیشہ وروں کے استعمالی اوزار پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سامان تجارت کا نصاب یعنی وہ حد جہاں سے زکوٰۃ کا وجوب ہوتا ہے وہی ہے جو روپیے کے لئے ہے۔ یعنی تجارتی سامان کی قیمت اتنی ہو کہ اُس سے بفر نصاب چاندی خریدی جاسکتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس کے بعد جتنا مال بڑھتا جائے گا سب کی قیمت کا پہلے زکوٰۃ میں

نکالا جائے گا، سونے کے نصاب کے مطابق مال تجارت کی قیمت لگانا بھی جائز ہے لیکن غریبوں اور مسکینوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے کے لئے چاندی کے نصاب کی قیمت سے حساب کرنا زیادہ مناسب ہے۔ واضح ہو کہ اصل مال تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، تمام مال کی قیمت لگا کر باہم اکٹھا کر لینا چاہیے خواہ وہ مال مختلف نوعیت کے ہوں مثلاً:۔ کپڑا اور تانبے پتیل کا سامان، اسی طرح بہ دوران سال مال تجارت سے جو نفع حاصل ہو اس کو بھی مال کی قیمت میں شامل کر لیا جائے نیز تجارت کے علاوہ کسی اور طریقے سے جو مال حاصل ہو مثلاً: وراثت یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ منافع اور یہ مال سب کو ملا کر نصاب کا مالک سب کی زکوٰۃ سال پورا ہو جانے پر نکالے بشرطیکہ سال کے خاتمہ پر نصاب پورا ہو اور کم نہ ہو گیا ہو۔ غرض زکوٰۃ کے واجب ہونے کا انحصار پورے سال بھر تک نصاب کے قائم رہنے پر ہے۔

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ^(۷) زمین سے اُگنے والی چیزوں پر زکوٰۃ کی فرضیت علاوہ اس عام دلیل کے جو شروع میں بیان ہوئی، کتاب و سنت سے

ایک خاص حکم کے ذریعے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ انعام آیت ۱۴۲)

وَالَّذَلْفَتَهُ يَوْمَ حَصَادِهِ

یعنی فصل کاٹنے کے وقت اُس کا حق دیا کرو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا سَقَتِ السَّمَاءُ فِيهِ الْعَشِيرُ

یعنی جو کھیتی آبِ باراں سے سیراب ہو اس پر دسواں

وما نسقى غرباً (دلو) اود الیہ حصہ اور جو ڈول یا چرسا سے سینچی گئی ہو اس میں

(دولاب) ففيہ نصف العشر۔ دسویں حصے کا نصف (۱/۲) واجب ہے۔

اس حدیث میں مذکورہ آیت کی تفصیل ہے۔

زمین کی پیداوار سے جو زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اُسے شریعت میں عشر کہتے ہیں اس کو ادا کرنا

ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو زمین سے پیداوار حاصل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا نابالغ بچہ۔

ماقتل ہو یا مجنون۔

زمین کی پیداوار میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں زمین کی پیداوار میں ہر وہ چیز شامل ہے جو زمین سے

اُگتی ہے اور اس سے آدمی فائدہ حاصل کرتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

(بقرہ آیت ۲۶۷)

اے ایمان والو خدا کی راہ میں ان اچھی اچھی چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔ ہر قسم کا غلہ ہر قسم کے پھل اور میوے اور مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں جن میں ترکاریاں، خربوزہ، تربوز، ککڑی، شکر قند گنا وغیرہ شامل ہیں سب میں عشر واجب ہے، قرآن مجید میں ان چیزوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْثَرًا
وَالزَّيْتُونَ وَالزُّمَانُ مِثْلَهَا وَغَيْرَ مِثْلَهَا كُلًّا مِنْ شَرِّهَا إِذَا أَشْمَرُوا نَوَاحِقَهُ يَوْمَ
حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۴۲﴾

(سورہ النعام آیت ۱۴۲)

وہی اللہ جس نے باغات پیدا کئے وہ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور) وغیرہ اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار باہم مشابہ بھی اور غیر مشابہ بھی ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق شرع سے واجب ہے وہ اُس کے کاٹنے اور توڑنے کے دن (سکینوں کو) دیا کرو اور حد سے مت گزرو لیقیناً اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

عشر اور زکوٰۃ میں فرق سامان تجارت، سونا چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ اور عشر میں فرق یہ ہے کہ عشر کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور نہ ایک سال کا گزرنا عشر واجب ہونے کے لئے شرط ہے جبکہ روپے پیسے کی زکوٰۃ میں یہ دونوں باتیں شرط ہیں۔ ترکاری وغیرہ چند دن سے زیادہ باقی نہیں رہ سکتیں، مگر ان میں عشر ہے۔ زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے، اگر کوئی شخص دوسرے کا کھیت لگان پر لے کر جوتتا ہے یا کسی قسم کے پھل یا میوے کے باغ کو پھل اور میوہ تیار ہونے کے زمانے تک خریدتا ہے تو دونوں صورتوں میں فصل کی کٹائی کے وقت اور پھل توڑتے وقت عشر دینا ضروری ہے۔ یہ مسائل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

مسلك کے مطابق ہیں، دوسرے ائمہ کا مسلك آگے استدر اک کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔
بٹانی کا حکم بٹانی پر کھیتی کرنے کی صورت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کا عشر الگ الگ دینا چاہیے اور اگر اکٹھا ہی پورے غلے کا عشر نکال کر باقی غلہ تقسیم کر لیں تو یہ بھی جائز ہے۔

عشر نکالنے کا طریقہ اگر پیداوار بارش کے پانی سے یا بغیر پانی کے ہوئی ہے مثلاً دھان یا اجرا جوار، ارہر، اور خریف کی دوسری فصلیں۔ یا دریا کے کنارے اور ترائی کی زمین میں ربیع کی پیداوار، یا باغات کے پھل تو ان تمام چیزوں میں دسواں حصہ (عشر) نکالنا فرض ہے، یعنی دس من میں ایک من یا دس پھل میں ایک پھل کے حساب سے عشر نکالا جائے گا۔ اگر یہ پیداوار سینچائی کے ذریعے ہو ہی ہے، مثلاً کنویں سے ڈول پارہٹ کے ذریعے یا تالا سے پانی کھینچ کر یا ٹوب ویل یا نہر سے قیمتاً پانی لیکر کھیت یا باغ کی سینچائی کی گئی ہو تو ان تمام صورتوں میں بیسواں حصہ یعنی نصف عشر دینا فرض ہے یعنی ۲۰ من میں ایک من۔ جہاں ربیع کی فصل جو، گہوں، مٹر وغیرہ سینچائی کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں ان سب میں بیسواں حصہ ہے۔ لیکن اگر پانی پہنچانے کے لئے کوئی انتظام آب رسانی کا نہ کرنا پڑے بلکہ تالاب، چشمہ یا ندی سے کاٹ کر کھیت میں پہنچا دیا جائے تو اس میں دسواں دینا ہوگا بیسواں نہیں۔

جہاں دونوں صورتیں جمع ہوں یعنی اگر کوئی فصل ایسی ہو جس میں سینچائی بھی کی گئی ہو اور بارش کے پانی سے بھی فائدہ پہنچا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:
 ۱۔ اگر اس فصل کا زیادہ حصہ سینچائی کی وجہ سے ہوا ہے تو بیسواں دینا ہوگا۔ سینچنے کے بعد اگر بارش ہو بھی جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر سینچا نہیں تھا کہ بارش ہو گئی اور اسی بارش سے فصل تیار ہو گئی تو بیسواں (یعنی نصف عشر) کے بجائے دسواں حصہ دینا ہوگا (یعنی عشر)۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زیادہ حصہ بارش کے پانی سے یا بغیر بارش کے ہوا ہو آخر فصل میں یا شروع فصل میں ایک آدھ بار پانی چلا دیا گیا ہو تو پھر اسے دسواں (عشر) ہی دینا

ہوگا جیسا کہ دھان کی فصل میں ہوتا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ خریف کی فصل جو جی اور بڑھی تو ہو بارش کے پانی سے لیکن آخر میں دو تین بار پانی دینا پڑا ہو، ایسی صورت میں عشر کے بجائے نصف عشر (۱/۲) دینا پڑے گا۔

ہدایات
۱۔ عشر یا نصف عشر (جیسی بھی صورت ہو) پوری پیداوار سے لیا جائے گا۔
ہل بیل، سینچائی، مزدوری اور بیج وغیرہ کا خرچ وضع نہیں کیا جائے گا (در مختار)
۲۔ جس پیداوار میں سے عشر دینا واجب ہے اُس کو استعمال کرنے سے پہلے عشر نکال دینا ضروری ہے اگر بغیر عشر نکالے استعمال کرے گا تو اس کے لئے ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر عشر نکالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو پھر ناجائز نہیں ہے۔

(جو اہر التیرہ میں ہے) "اذا كان المالك عازماً على اداء العشر"
۳۔ اگر کوئی شخص عشر ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اسلامی حکومت اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے عشر وصول کر لے گی یا اُس کے ورثہ دیدیں تو سب سے بہتر ہے۔
۴۔ فصل کاٹنے سے پہلے یا باغ کے پھل توڑنے سے پہلے فصل کو یا پھلوں کو بیچ دیا تو اُس کی دو صورتیں ہیں (۱) اگر اس نے کھیتی اور پھلوں کو پکنے سے پہلے بیچا ہے تو عشر خریدار پر واجب ہوگا (۲) اگر پک کر تیار ہو جانے کے بعد بیچا ہے تو بیچنے والے پر عشر ادا کرنا ضروری ہوگا۔
۵۔ عشر پیداوار میں سے ہی نکالا جائے گا۔ چاہے اُسی کو عشر میں دیا جائے یا اُس کی قیمت کو دونوں صورتیں جائز ہیں۔

۶۔ گھر کے اندر لگائے ہوئے درخت کے پھل یا گھر کے صحن میں بوئی ہوئی ترکاری میں عشر نہیں ہے۔

۷۔ پیداوار جیسی ہو ویسی ہی عشر میں دینا چاہیے اور حتی الامکان اچھا مال دینا چاہیے۔
استدراک
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کا اور امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم پیداوار پر زکوٰۃ (یعنی عشر) واجب نہیں ہے۔ پانچ وسق کا وزن اتنی تولے والے سیر سے

۲۵ من پونے ۲۴ سیر ہوتا ہے۔ ترکاریوں کے بارے میں بھی ان حضرات کی رائے ہے کہ اس پر زکوٰۃ (عشر) نہیں لینا چاہیے کیونکہ ایک حدیث میں ترکاری کا عشر سے مستثنیٰ ہونا ثابت ہے۔ لیکن عام فقہاء امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ حدیث میں یہ مطلق حکم موجود ہے کہ ”جو کچھ زمین سے پیدا ہو اس میں صدقہ ہے“ دوسرے ائمہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ نے حکم کے بعد ترکاریوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے زرعی اجناس اور پھلوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے دو شرطیں بڑھائی ہیں: ایک یہ کہ وہ شے ذخیرہ کرنے کے قابل ہو، دوسرے یہ کہ وہ شے نصاب کی مقدار کو پہنچ گئی ہو اور نصاب کی مقدار پانچ وسق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ليس في حَبِّ وَلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ یعنی دانوں (اناج) میں اور کھجور میں صدقہ

حتى تبلغ خمسة اوسق۔ نہیں ہے جب تک پانچ وسق کی مقدار نہ ہو جائے۔

اور ایک وسق کی مقدار ساٹھ صاع کے برابر بتائی ہے جو ان دنوں مدینے میں راج تھا۔

مصارف زکوٰۃ جس طرح قرآن و حدیث میں زکوٰۃ ادا کرنے کے احکام ہیں اسی طرح زکوٰۃ کے حقداروں کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آٹھ قسم کے لوگوں کو اس کا مستحق قرار دیا گیا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالسَّكِينِ وَالغَيْلِينَ عَلَيْهَا وَالتَّوَكُّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالغَارِمِينَ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (سورہ توبہ آیت ۶۰)

زکوٰۃ کے حقدار ہیں فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے کے کارندے، اور جن کے دلوں کو ملانا

مقصود ہو اور زکوٰۃ کو غلام آزاد کرانے، فرضداروں کا بار ہلکا کرنے اور اللہ کے راستے میں

نکلنے والوں اور غریب الوطن مسافروں کی مدد کرنے کے لئے خرچ کیا جائے یہ حکم ہے اللہ

کی طرف سے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ان آٹھ اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور ان کے متعلقہ احکام یہ ہیں:

فقرا۔ فقیر کی جمع ہے جس سے وہ شخص مراد ہے جس کے پاس مال نصاب سے کم یا نصاب کے برابر

ہو اور اس کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو۔ مقدار نصاب کا مالک ہونا فقیر کے زمرے سے خارج نہیں

کرتا۔ صاحب علم فقرا جو قلیل ذرائع آمدنی پر گزار کرتے ہیں ان پر خرچ کرنا زیادہ اچھا ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے کاموں میں مصروف ہوں اور زمین میں چل پھر کر روزی کمانے کا موقع کم ملتا ہو فقرا کے لفظ سے یاد کیا ہے اور ان کا حال یہ بیان کیا ہے کہ:

يَحْتَبِئُهُ الْجَاهِلُ اغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِينَتِهِمْ لَا يَسْتَلُونَ النَّاسَ الْحَافَاةَ (بقرہ: آیت ۲۷۳)

ناواقف لوگ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مطمئن اور مالدار سمجھتے ہیں تم غور کرو تو ان کے چہرے بشرط سے پہچان لو گے کہ وہ مطمئن نہیں ہیں لیکن وہ گڑ گڑا کر کسی سے نہیں مانگتے۔

مساکین۔ مسکین کی جمع ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جو بے روزگار ہو۔ گزارہ کرنے اور تن ڈھانکنے کے لئے کچھ نہ ہو یا کسی حادثہ کی وجہ سے ہتی دست ہو گیا ہو یا خود روزی کمانے کی صلاحیت کھو چکا ہو، بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے۔ ایسے شخص کو سوال کرنا حلال ہے بخلاف فقیر کے کہ اگر اس کے پاس ایک دن کی خوراک اور تن ڈھانکنے کو کپڑا ہے تو اسے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔

عاملین۔ عامل وہ شخص کہلاتا ہے جس کو امانام (حکومت) نے کسی کام پر لگایا ہو، یہاں زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والے کارندے مراد ہیں، کام کی نوعیت کے مطابق ان کی اجرتیں زکوٰۃ کی مدد سے دی جائیں گی اگر ایسا نظام مسلمان بنالین۔

مؤلفۃ القلوب۔ وہ لوگ جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا دلجوئی کرنے یا انھیں دشمنوں کے فتنے سے باز رکھنے کے لئے کچھ دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر سے دیا جاسکتا ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا

رقاب۔ یہ رقبہ کی جمع ہے، رقبہ کے معنی گردن کے ہیں، یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے مثلاً جنگ میں گرفتار شدہ قیدی یا غلام جن کی رہائی بغیر معاوضہ ادا کئے ممکن نہ ہو، ان کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

غارمین۔ غارم وہ شخص ہے جس پر کوئی بار یا بوجھ ہو مثلاً قرض کا یا ضمانت کا بار اور اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ ادائے قرض یا ضمانت کے بعد بقدر نصاب مال رہ سکے، ایسے شخص کی مدد زکوٰۃ سے کی جائے گی۔

فی سبیل اللہ سے مراد ایسے حاجت مند اشخاص ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے متعلقین کو

کو چھوڑ کر نکلے ہوں یا کسی دینی کام کے لئے جا رہے ہوں تو ایسے نیک کام میں ان کی امداد زکوٰۃ سے کی جائے گی۔

ابن السبیل، وہ ہے جو غریب الوطنی میں اپنے مال سے جدا ہو کر رہ گیا ہو اور مسافرت کی حالت میں ضرورت پیش آگئی ہو گو وہ گھر کا مالدار ہی کیوں نہ ہو، اس کی مدد زکوٰۃ سے کرنی چاہیے، حاجت کے مطابق ہی دینا جائز ہے، ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی شرط نیت ادا ہے قرینہ ہے زکوٰۃ نکالنے والے کو اختیار ہے کہ سب ہی قسم کے مستحقین کو جن کا اس آیت میں ذکر ہے دے یا بعض کو دے یا کسی ایک ہی قسم کے مستحق کو ادا کرے، اگر زکوٰۃ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو صرف ایک ہی شخص کو دینا بہتر ہے۔ ادائے قرض کے لئے جس کو زکوٰۃ دی جائے تو مستحق سے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ مال زکوٰۃ کو قرض ادا کرنے کے لئے کام میں لائے۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہیے
اپنی اصل کو یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا،
نانی اور ان سے اوپر کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز
نہیں اور نہ اپنی شاخ یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی اور ان سے نیچے کے لوگوں کو دینا جائز ہے۔

اسی طرح بیوی کو زکوٰۃ دینا روا نہیں ہے اگرچہ وہ زوجیت سے علیحدہ ہو کر عدت میں ہو اور بیوی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال اپنے شوہر پر خرچ کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہیں چاہیے، مالدار آدمی کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ مال زکوٰۃ کا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر، پل کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت، میت کی تجہیز و تکفین میں اور ہر ایسی شکل میں جس میں مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک نہ بنایا گیا ہو صرف کرنا جائز نہیں۔

زکوٰۃ لینے کے حقدار
سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ دار مثلاً بھائی، بھتیجے، بھتیجیاں، بہن

بہنوئی، بھانجے بھانجیاں، چچا، چچی، خالہ، خالو، پھوپھی، پھوپھا، ماما

مامانی، ماس، سسر، سالی، داماد، سوتیلے باپ، سوتیلی ماں۔ ان کے علاوہ جو بھی قریبی عزیز ہوں ان کو دینے میں دُہرا ثواب ہے، ایک زکوٰۃ دینے کا، دوسرا صلہ رحمی اور نیک سلوک کا، ان لوگوں کے بعد پڑوسیوں اور احباب کا حق ہے پھر اپنے شہر یا آبادی میں دوسرے مستحقوں کا پھر حق کو دینے میں دین کا فائدہ ہو مثلاً طالب علموں، مبلغوں اور معلموں کو۔ کسی مالدار کے بالغ لڑکے

کو جو فقیر (حاجتمند) ہو یا مال دار کی بیوی کو جو محتاج ہو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

مال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا زکوٰۃ جہاں نکالی جائے وہیں خرچ کی جائے، ایک

شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا مکروہ ہے بجز اس صورت کے کہ کوئی عزیز یا دوست دوسرے مقام پر رہتا ہو یا کسی وجہ سے چلا گیا ہو اور مدد کا مستحق ہو یا کوئی طالب علم گھر چھوڑ کر دوسرے شہر میں علم حاصل کرنے گیا ہو۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے اس جگہ کو ملحوظ رکھا جائے گا جہاں پر مال زکوٰۃ ہے، یہاں تک کہ اگر مالک کسی اور شہر میں ہے اور مال قابل زکوٰۃ دوسرے شہر میں تب بھی زکوٰۃ کی تقسیم وہاں کی جائے گی جہاں مال ہے۔ زکوٰۃ کا مال رشتہ داروں کے بچوں یا کسی خوش خبری دینے والے کو انعام وغیرہ میں اگر دیا جائے تو جائز ہے۔ تقاریب اور عید کے مواقع پر محتاج مردوں اور عورتوں کو مال زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے، البتہ ذمیوں کو صدقہ کا مال تو دیا جاسکتا ہے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حلال نہیں ہے بخلاف نفل صدقات اور مال وقف کے کہ یہ سادات کو دئے جاسکتے ہیں۔

عشر و زکوٰۃ کی وصولی کا حکومتی ادارہ اگر کہیں اسلامی حکومت کی طرف سے عشر و زکوٰۃ اکٹھا کرنے کا انتظام ہو تو اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالے کر دینا چاہیے جہاں مناسب ہو گا وہ خرچ کرے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عاملین کو عشر و زکوٰۃ وصول کرنے اور اسے تقسیم کرنے کا حکم دیتے تو فرماتے:

تَوَحَّدُ مِنْ اَغْنِيَا تُهْمٍ وَ تَتَرَدُّ
عَلَى فُقَرَا تُهْمٍ۔

ان کے امیروں سے زکوٰۃ و عشر وصول کیا جائے اور اُسے ان کے غریبوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

زکوٰۃ کے مال کی حیثیت زکوٰۃ میں جو مال نکالا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے حقداروں کا ہوتا ہے اس لئے زکوٰۃ نکالنے والے کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے

کہ یہ مال اُس کا تنخواہی نہیں اور وہ اُسے مستحقین کو پہنچا کر احسان نہیں کر رہا ہے بلکہ اللہ کا

حاند کردہ فرض بجالا رہا ہے، احسان مند تو وہ خود اللہ کا ہے جس نے اس کو زکوٰۃ نکالنے کی توفیق عطا فرمائی اور اُس کو ذریعہ بنایا غریبوں اور مستحقوں کو مدد دینے کا۔ زکوٰۃ نکالنے والا اللہ سے اجر و ثواب پانے کا سزاوار تب ہی ہے جب وہ زکوٰۃ ادا کر کے اپنے دل میں سمجھے اور زبان سے بھی کہے کہ اُس نے صرف فرض ادا کیا ہے کسی پر احسان نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو اجر دے گا:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَتَابًا وَلَا آذًى لَهُمْ

آجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۶۲﴾

سورہ بقرہ - ۲۶۲

جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ لینے والے کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے ان کو نہ خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

جو لوگ صدقہ دے کر احسان جتلاتے اور تکلیف دیتے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا آذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾

(بقرہ - ۲۶۳)

ایک بھلی اور میٹھی بات اور کسی کی غلطی کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کوئی تکلیف دہ بات بھی جائے، اللہ بے نیاز اور بڑا بردبار ہے۔

اللہ تمہاری لغزشوں اور کوتاہیوں کو دیکھتا ہے اور دنگڑ کرتا رہتا ہے، تمہاری گرفت کر کے ذلیل نہیں کرتا۔ اسی طرح تم بھی کچھ مال کسی کو دے کر اُس کو ایذا نہ پہنچاؤ، اور احسان جتا کر اس کی اہانت نہ کرو۔ اس سے تمہاری زکوٰۃ و خیرات برباد ہوگی اور نیکی کا اجر پانے سے محروم ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے بڑی بلیغ مثال دے کر یہ بات فرمائی ہے:

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابٌ فَتَرَكَ صَدَقَاتَهُ

(سورہ بقرہ ۲۶۴)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ پہنچا کر برباد نہ کرو اُس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اُس کو نہ تو خدا پر یقین ہوتا ہے نہ آخرت

پیر، اُس کی مثال پتھر کی چٹان جیسی ہے جس پر مٹی جمی ہو اور بارش ہو پڑے۔ تو وہ صاف چٹان رہ جائے (جس پر کچھ بویا نہ جاسکے)

اگر صدقہ و خیرات میں خالص عبادت کی نیت اور خدا کی رضا مقصود نہ ہو اور احسان دھرنایا ضرورت مند کا استحصال کرنا مدنظر ہو تو ایسا صدقہ اور خیرات محض دکھاوا ہے اور ایسا ہی بیکار ہے جیسے چٹان کے اوپر مٹی، اسی لئے اُس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ زکوٰۃ کاروپہ مستحقین کو دیتے وقت یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کاروپہ ہے اور نہ علی الاطلاق دینا چاہیے۔ یہ بھی بہتر طریقہ ہے کہ بچوں کو انعام یا عیدی وغیرہ کے نام سے دیا جائے لیکن بالکل نا بچوں کو دینا درست نہیں ہے، متوسط حال کے بعض لوگ جو واقعی مستحق ہوتے ہیں لیکن زکوٰۃ نہیں مانگتے اور اس نام سے کوئی دے تو اُن کو تکلیف ہوتی ہے ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی بہانے سے دینا پسندیدہ ہے، احسان اور رحم کا جذبہ ہر مسلمان میں ہونا چاہیے اور دوسروں کی غربت و تکلیف کو سمجھنا چاہیے۔

صدقہ فطر بھی زکوٰۃ کی ایک شکل ہے جو ماہ رمضان کے آخر میں دینا واجب ہے اُس کا ذکر روزہ کے بیان میں کیا جا چکا ہے۔

۵) **کان اور دفتینوں کا بیان**

ائمہ فقہ کی رائیں کان سے نکلنے والی چیزوں کے بارے میں مختلف ہیں۔ سونا اور چاندی اگر قدرتی کان سے برآمد ہو تو تین اماموں کی رائے میں اگر ان کی مقدار نصاب کو پورا کرتی ہو تو زکوٰۃ کا حکم نافذ ہوگا لیکن اگر دفتینہ ہے یعنی سابق زمانے میں زمین میں دفن کیا گیا سامان ہے خواہ کیسی ہی چیزیں اُس میں سے برآمد ہوں اُنھیں مال غنیمت قرار دے کر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔ حنفی فقہاء کان اور دفتینے سے برآمد ہونے والی اشیاء پر زکوٰۃ کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ ان میں زکوٰۃ کی شرطیں نہیں پائی جاتیں۔ لہذا کان سے نکالی جانے والی وہ اشیاء جو پگھلائی جاسکتی ہوں اُن پر خمس نکالنے کا حکم دیتے ہیں۔ مالِ اشیاء مثلاً کولتار، تیل اور نمک اور آگ میں نہ پگھلائی جانے والی اشیاء مثلاً جواہرات، پتھر اور چونے پر کچھ مطالبہ عائد نہیں کرتے، رہا دفتینہ تو اس میں تمام وہ چیزیں شامل ہیں جو زمین کے اندر سے دستیاب ہوں مثلاً ہتھیار، اوزار، گھریلو سامان برتن وغیرہ تو ان تمام پر خمس واجب ہوگا اور جو چیزیں سمندر سے نکالی جائیں جیسے عسبر موتی، مونگا، مچھلی وغیرہ اس پر کوئی مطالبہ نہیں۔ خمس بھی اُس وقت واجب ہوگا جب دفتینہ غیر اسلامی عہد کا ہونا ثابت ہو جائے۔

حج

حج ایسی عبادت ہے جس میں جسمانی توانائیاں اور مال و دولت دونوں خرچ کرنے پڑتے ہیں جب یہ دونوں چیزیں کسی مسلمان مرد یا عورت کو میسر ہوں تو اس پر حج کرنا فرض ہے۔

حج کے معنی اور تعریف لغت میں حج کے معنی کسی ”بڑے مقصد کا ارادہ کرنا“ ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ سے وہ خاص اعمال مراد ہیں جو مخصوص ایام میں ایک خاص جگہ اور خاص طریقے سے ادا کئے جائیں۔

حج کی اہمیت اور فضیلت نماز و زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو اگلی شریعتوں میں بھی فرض تھیں جس کی شہادت قرآن سے ملتی ہے اسی طرح حج بھی فرض تھا چنانچہ عرب جو حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے اس فریضے کو ادا کرتے چلے آئے تھے اور باوجود اس کے کہ شرک ان میں راہ پا گیا تھا، رات دن قتل و غارتگری اور شراب نوشی اور دوسری برائیوں میں مصروف رہنے لگے تھے، پھر بھی حج کے زمانے میں قتل و خون ریزی سے باز رہتے اور امن و سکون کے ساتھ حاجیوں کے قافلوں کا خیر مقدم کرتے اور ایام حج میں دشمنوں کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہ ہونے دیتے۔ حج کے ایام میں بھی کچھ نامناسب روایات انھوں نے داخل کر رکھی تھیں مثلاً لباس دور کر کے طواف کرنا اور حدود حرم میں شعر گوئی کی محفلیں منعقد کرنا وغیرہ۔ شریعت محمدی میں بھی حج کو فرض کر دیا گیا اور جو نئی باتیں انھوں نے از خود اعمال حج میں بڑھا رکھی تھیں ان سے اس کو پاک کر دیا۔

حج کے مسائل اور اس کا ثبوت حج عمر بھر میں ایک بار ہر مسلمان پر مرد ہو یا عورت بشرط استطاعت ادا کرنا فرض ہے اور اس کی

فضیلت قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَبَدِيْعِ عَلِ النَّاسِ حِجْرَ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

(آل عمران - ۱۹۷)

خالص خدا کی خوشنودی کے لئے اُن لوگوں پر اللہ کے گھر کا حج کرنا فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

بہت مشہور حدیث ہے "بني الاسلام على خمس" یعنی اسلام پانچ رکنوں پر قائم کیا گیا ہے

اس حدیث میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے بعد جس رکن کا ذکر ہے وہ حج ہے، رہا اجماع تو تمام امت کا اس کے فرض ہونے پر اتفاق ہے لہذا اس کا منکر کافر ہے جیسا کہ اوپر لکھی آیت یعنی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۹۷ کا آخری فقرہ "وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" سے ظاہر ہے (جو شخص اس فرضیت کا منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہے)

اس بات کا ثبوت کہ حج عمر بھر میں ایک بار فرض ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يا ايها الناس قد فرض عليكم
الحج فحجوا، فقال سرجل
أكل عام يا رسول الله فسكت
صلى الله عليه وسلم حتى
قالها ثلاثاً فقال عليه الصلوة
والسلام لو قلت نعم لوجبت
ولما استطعتم۔

اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہذا
حج کیا کرو، اس پر ایک شخص نے کہا
"کیا ہر سال یا رسول اللہ؟" آپ خاموش
رہے اُس نے تین بار اپنی بات کو دہرایا
تب آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا
تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے
نہ ہو سکتا۔

حج سے مقصود صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج کی فرضیت کے مقاصد میں سے ایک

مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ہی خطہ ارض میں جمع ہو کر خدائے واحد

کے حضور میں اپنی عبادات اور جذبہ اطاعت و فرماں برداری کے پیش کرنے کا موقع فراہم ہو۔

دین اسلام اخوت اور باہمی تعاون کا دین ہے، حج نیکی اور پرہیزگاری میں مسلمانوں کو ایک

دوسرے سے تعاون کرنے کی تربیت دیتا ہے، رنگ و نسل اور وطن کے اختلافات کو مٹا کر

سب کو ایک دین کے رشتہ میں پروتا ہے، حج کے مناسک اور ارکان حج کرنے والوں کے

ذہن میں یہ شعور پیدا کرتے ہیں کہ وہ ایک بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے حضور میں حاضر ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور رزق دیا اور اپنی بے شمار مخلوقات پر برتری اور فضیلت عطا کی۔ یہ فریضہ حج یاد دلاتا ہے کہ موت ضرور آئے گی اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جہاں صرف اعمال صالحہ اور بہر حالت میں خدا کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کے جذبے کو دیکھا جائے گا، قیامت کے دن سب یکساں حالت میں اٹھیں گے۔ اسی کا نمونہ حاجیوں کا یکساں لباس پیش کرتا ہے اور میدان حشر کا تصور آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ سب اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اُس سے محبت اور فرماں برداری کا اقرار کرتے ہیں۔

حج کب فرض ہو جاتا ہے جس مسلمان مرد اور عورت میں اس فریضے کے واجب ہونے کی پوری شرائط پائی جائیں اسی وقت اُس پر حج فرض ہو جاتا ہے اب اگر وہ اسی سال میں حج فرض ہوا ہے۔ بغیر کسی معقول عذر کے حج کرنے میں تاخیر کرے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی تینوں امام اس تاخیر کو گناہ مترار دیتے ہیں۔

حج واجب ہونے کی شرطیں ایک مسلمان کا بالغ، عاقل، آزاد ہونا اور صاحب استطاعت ہونا حج کے واجب ہونے کی شرطیں ہیں۔ لہذا جو بچہ

من بلوغ کو نہ پہنچا ہو اس پر حج واجب نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایما صبی حج عشر حجج ثم کسی بچے نے دس حج بھی کئے پھر بالغ ہوا تو بَلَّغْ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْاِسْلَام۔ اس پر لازم ہے کہ اسلام نے جو حج فرض کیا ہے اُسے ادا کرے۔

مجنون (فاتر العقل) پر حج واجب نہیں، وہ اس بارے میں بے شعور لڑکے کی طرح ہے۔ آزاد ہونا بھی ایک شرط ہے چنانچہ غلام پر حج واجب نہیں ہے، اگر اس طبقے کے لوگ اب بھی کسی خطہ زمین میں پائے جائیں تو اُن پر حج کرنا واجب نہیں ہوگا۔

استطاعت کے مسائل

جس میں استطاعت نہ ہو اس پر حج واجب نہیں ہے

اس بارے میں سورہ ال عمران کی آیت ۹۷ کا حوالہ دیا

جاچکا ہے، استطاعت کے معنی ہیں قادر ہونا، مطلب یہ ہے کہ سفر اور سواری کے خرچ کا مقدر ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بنیادی ضرورت سے فاضل مال ہو۔ بنیادی ضروریات کی تفصیل میں کیا کیا آتا ہے؟ مثلاً: قرض واجب الادا، رہنے کا گھر، ضروری مولیشی، پیشہ ورانہ آلات، ہتھیار، نیز اتنا مال کہ گھر سے جانے اور واپس آنے تک اہل و عیال یا ان لوگوں کے نان نفقہ کے لئے کافی ہو جن کی ذمہ داری اُس پر ہے، سواری کے تعین میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ سواری اس شخص کی عادت اور عام رواج کے مطابق ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص اونٹ کی پیٹھ پر سوار نہیں ہو سکتا اور محمل کا گریہ ادا نہیں کر سکتا اور صرف یہی سواری ممکن الحصول ہے تو اس شخص پر حج واجب نہیں ہے، یہ حکم اُس صورت میں ہے جب کوئی شخص مکے سے تین یوم یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو لیکن جو شخص قریب ہے اس پر حج واجب ہے، گو سواری کا بندوبست نہ کر سکے لیکن چلنے کی طاقت اور لازمی اخراجات کے علاوہ زاد راہ موجود ہونا چاہیے۔

اگر کوئی شخص اپاہج یا فالج زدہ یا اتنا ضعیف العمر ہو کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا ایسے لوگوں پر یہ بھی واجب نہیں کہ اپنے بدلے میں کسی اور سے حج کرنے کے لئے کہیں۔ تاہنا شخص جو زاد راہ اور سواری کا بندوبست کر سکتا ہے لیکن کوئی راہبر میسر نہیں اُس پر نہ خود حج کرنا واجب ہے نہ حج بدل کرانا۔

دوسرے وجوب حج کے لئے ضروری ہے کہ راستہ محفوظ ہو یعنی بالعموم سلامتی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا ہو خواہ وہ سفر بری ہو یا بحری۔

تیسرے عورت کی صورت میں شوہر کا یا کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ نکاح حرام ہے، خواہ نسب کی وجہ سے یا ازدواجی رشتے سے یا دودھ کے رشتے سے۔ محرم کا معتد، عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے، یہ حکم بھی اس صورت میں ہے جب مکہ تین یوم یا اس سے زیادہ مسافت پر ہو۔

جو تھے یہ کہ عورت عدت میں نہ ہو، عدت میں حج کرنا منع ہے۔

حج کے صحیح ہونے کی شرطیں حج کے صحیح ہونے کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے خواہ وہ خود حج کرے یا اس کی جانب سے کوئی اور کرے، دوسری شرط تمیز (یعنی باشعور ہونا) ہے، چنانچہ صبی ممیز (باشعور لڑکا) اگر حج کرے اور اعمال حج بجلائے تو حج صحیح ہوگا جس طرح نماز صحیح ہوگی لیکن جو بچہ ہنوز ذمی شعور نہیں ہوا تھا یا کوئی مجنون (فاتر العقل) ہے تو اس کا حج صحیح نہ ہوگا، نہ ان کا احرام درست ہے اور نہ اعمال حج میں سے کوئی عمل ٹھیک ہوگا لیکن ایسے اشخاص کے دلی پر لازم ہے کہ ان کی طرف سے احرام باندھے اور بہ دوران حج ہر موقع پر ان کو ساتھ رکھے، طواف اور سعی ان کو ساتھ لے کر کرے اور عرفات ساتھ لے کر جائے۔ تیسری شرط صحت حج کی اعمال حج کو ان کے خاص اوقات میں ادا کرنا ہے۔ اس سے مراد وہ اوقات ہیں جو وقوف بہ عرفات اور طواف زیارت کے لئے مقرر ہیں۔ وقوف کا وقت یوم عرفہ کے زوال شمس کے بعد سے یوم نحر کے طلوع فجر تک ہے اور طواف زیارت کا وقت یوم نحر کی فجر سے شروع ہوتا ہے یعنی طواف زیارت عرفات میں وقوف کے بعد کسی وقت بھی ہو سکتا ہے پس اگر کوئی شخص طواف زیارت سے پہلے عرفات میں نہیں ٹھہرا تو طواف زیارت صحیح نہ ہوگا۔ وہ وقت جس سے پہلے اعمال حج میں سے کسی فعل کا کرنا درست نہیں وہ یکم ماہ شوال سے ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہے، اگر اس سے پہلے طواف کیا یا سعی کی تو درست نہیں ہے لیکن احرام اس سے مستثنیٰ ہے تاہم ان اوقات سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ وقوف کے لئے مقام عرفات اور طواف زیارت کے لئے مسجد حرام کا ہونا شرط صحت ہے اور احرام باندھنا بھی شرط ہے، حنفی مسلک کے مطابق صحت حج کی تین شرطیں ہیں:

(۱) احرام یعنی نیت حج کا مخصوص لباس (۲) حج کا وقت اور (۳) حج کی جگہ

یہ شرائط وجوب حج کے لئے بھی ہیں۔ رہا صاحب شعور ہونا۔ ہر چند کہ بعض ائمہ اس کو صحت حج کی شرط قرار نہیں دیتے لیکن حقیقت میں یہ شرط ہی ہے کیونکہ جو صاحب شعور نہ ہو اس کا احرام باندھنا حنفی فقہاء کے نزدیک درست نہیں۔

ارکان حج حج کے ارکان چار ہیں، احرام، طوافِ زیارت جس کو طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی اور عرفات میں وقوف۔ ان ارکان میں سے اگر کوئی ایک رکن بھی رہ جائے تو حج باطل ہو جائے گا، تین اماموں کا اس پر اتفاق ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کے صرف دو رکن ہیں (۱) عرفات میں وقوف کرنا (۲) طوافِ زیارت کا بیشتر حصہ (یعنی سات میں سے چار چکر) رکن ہے۔ باقی حصہ (تین چکر) واجب ہے۔ رہا (۳) احرام تو وہ صحت حج کی شرائط میں سے ہے رکن نہیں ہے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اور (۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے رکن نہیں ہے۔

احرام کی تعریف اصطلاح شرع میں احرام کے معنی حج و عمرہ میں شامل ہونے کی نیت کرنا ہے۔ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ 'احرام' عبارت ہے خاص امور

کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے اور احرام دو باتوں سے بندھ جاتا ہے، ایک نیت کرنا دوسرے اس کے ساتھ تلبیہ کہنا یا قربانی کے جانور کے گلے میں قلاوہ ڈال کر قربانی کے لئے پیش کر دینا (یہ بھی تلبیہ کا قائم مقام ہے)۔ اگر محض نیت کی اور **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ** نہ کہا اور نہ قربانی کے لئے جانور پیش کیا یا تلبیہ کیا اور نیت نہ کی تو احرام نہ ہوگا، اسی طرح محض قربانی کا جانور پیش کرنے کے اعمال سے بلا نیت حج کے احرام نہیں بندھے گا۔

تلبیہ کہنا احرام باندھنے کے متصل ہی سنت ہے، دونوں میں فاصلہ نہ ہونا چاہیے۔

احرام کے مواقع میقات کے معنی وہ مقام ہے جہاں پر حاجی حج کا احرام باندھتے ہیں۔ احرام کے میقات مکانی بھی ہیں اور زمانی بھی۔ میقات

زمانی ابھی اوپر بتائے جا چکے ہیں۔ میقات مکانی چاروں طرف سے آنے والے حاجیوں کی سمتوں کے اعتبار سے مقرر ہیں، چنانچہ مصر، شام، مغربی ممالک اور اہل اندلس و روم کا میقات جحْفہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے یہ جگہ اُجڑ چکی ہے لیکن اس کے قریب رابغ نام کا قصبہ ہے یہیں پر احرام باندھنا بلا کراہت درست ہے، سمندر کے راستے آنے والے لوگ جب اس مقام کے محاذ میں آتے ہیں تو یہیں احرام باندھتے ہیں۔ اہل عراق اور دوسرے اہل مشرق کے لئے مقام ذاتِ عرقِ میقات ہے، یہ مکے سے دو منزل کے فاصلے پر ایک بستی ہے جو

پہاڑی وادی میں واقع ہے اس پہاڑی کا نام بقرق ہے اور وادی کا نام وادی عقیق ہے۔ مدینے والوں کے لئے میقات ذوالحلیفہ ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے قبیلہ بنی حشتم کے لوگ پانی لیا کرتے تھے اس کا مدینہ منورہ سے پانچ میل سے کم فاصلہ ہے، یہ میقات مکہ کے لئے سب سے زیادہ دور واقع ہے کیونکہ دونوں مقامات کے درمیان نو منزل کا فاصلہ یعنی نو دن کی مسافت ہے۔ اہل ہند اور اہل یمن کے لئے میقات یلملم ہے، یہ کوہستان 'ہتہامہ' کی ایک پہاڑی ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ نجد والوں کے لئے میقات قرن ہے یہ بھی ایک پہاڑی ہے جو عرفات میں واقع اور مکہ سے دو منزل کی مسافت پر ہے اسے قرن المنار بھی کہتے ہیں۔ لہذا جو شخص ان میقات یا ان کے محاذ سے بہ ارادۂ اعمال حج گزرے تو وہاں پر احرام باندھنا واجب ہے۔ بغیر احرام باندھے میقات سے گزرنا حرام ہے اور اس کی تلافی میں قربانی دینا لازم ہے بشرطیکہ اس کے آگے جہاں سے اس کو گزرنا ہے کوئی اور میقات نہ ہو اور اور افضل یہی ہے کہ پہلے ہی سے احرام باندھ لے بشرطیکہ وہ اپنے نفس کی طرف سے پورا اطمینان رکھتا ہو کہ منافی احرام کوئی حرکت سرزد نہ ہوگی اگر یہ اطمینان نہ ہو تو آخری میقات پر جہاں سے اُسے گزرنا ہے احرام باندھا جائے جو شخص مکہ میں ہو خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا نہ ہو اس کے لئے شہر مکہ ہی میقات ہے جو شخص موافقت کے آگے اور مکے سے پہلے رہتا ہے اُس کے لئے وہی میقات ہے جہاں وہ رہتا ہے۔

احرام باندھنے سے پہلے جو امور مطلوب ہیں حج کے لئے احرام باندھنے سے پہلے کچھ امور مطلوب ہیں جن میں سے بعض سنت ہیں اور بعض مستحب ہیں چنانچہ غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے گو محض وضو کر لینا اصل سنت کا قائم مقام عمل ہے لیکن غسل افضل ہے، یہ غسل ستھرائی کے پیش نظر ہوگا پاک ہونے کے لئے نہیں حیض و نفاس کی حالت میں بھی (احرام کے لئے) غسل کرنا چاہئے۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا اس کے بجائے تیمم کرنا مشروع نہیں ہے، کیونکہ ستھرائی جو غسل سے مطلوب ہے وہ تیمم سے حاصل نہیں ہوتی۔ ناخن تراش لینا اور بالوں کا کاٹنا جن کے کاٹنے کا حکم ہے نہانے سے پہلے مستحب ہے ورنہ بالوں میں کنگھا کر لینا

چاہیے، یہ بھی مستحب ہے کہ اگر کوئی امر مانع ہو تو بیوی سے ہم بستری کر لے تاکہ زیادہ عرصہ گزرنے سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو احرام کو فاسد کر دے۔ جامنہ احرام ایک ازار اور ایک برداپہن لے، ازار سے مراد وہ کپڑا ہے جو ناف سے لے کر گھٹنوں سمیت ڈھک لے اور ردا سے مراد وہ چادر ہے جو پیٹھ سینے اور دونوں موٹھوں پر ڈال لی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ ازار اور ردا نئے کپڑے کی ہوں یا کھلا ہوا پاک کپڑا ہو اور سفید ہو، خوشبو اگر دستیاب ہو تو اس کا لگانا مستحب ہے بشرطیکہ خوشبودار چیز کا نشان بدن اور کپڑوں پر نہ رہنے پائے پھر دو رکعت نماز ادا کرے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، یہ نماز سنت ہے، افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ کافرون اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھی جائے، اگر احرام کوئی فرض نماز ادا کر کے باندھا گیا ہو تو وہی نماز اس کی قائم مقام ہے اور یہ کہ زبان سے اور دل میں بھی یہ کہے **اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیدُ الْحَجَّ فِیْسَیْرَہٗ لِیْ وَ تَقَبَّلْہٗ مِنِّیْ** بار الہا میں نے حج کا ارادہ کیا ہے تو اسے مجھ پر آسان کر دے اور میرا حج قبول فرما، اس کے بعد تلبیہ کہے تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں **لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَیْءَ لَکَ لَبَّیْکَ اَنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَیْءَ لَکَ** (ہاں لے میرے اللہ! ہاں بے شبہ تمام تعریفیں اور خوبیاں تیرے لئے ہیں۔ بادشاہت تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں) تلبیہ کرنے کے بعد آہستہ آواز سے درود پڑھے اور ہر فرض نماز کے بعد جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ تلبیہ کرے، اسی طرح جب کوئی سواری نظر آئے یا چڑھائی پر چڑھنے لگے یا ادا دی ہیں اترنے لگے اور ہر صبح کو اس کو کثرت سے کہتا رہے۔ نیت سے بیدار ہو کر سواری پر بیٹھتے یا اترتے وقت بھی تلبیہ کرے اور ہمیشہ اونچی آواز سے پڑھے لیکن پوری طاقت لگا کر نہیں۔

حالات احرام میں کیا کیا کرنا منع ہے
جماع، نیکار، خوشبو یہ وہ خاص امور ہیں جو حالات احرام میں ممنوع ہیں۔

ان باتوں کے جن سے صاحب شریعت نے احرام کی حالت میں منع فرمایا ہے ان میں سے بعض حلال نہیں ہیں اور بعض مکروہ ہیں۔ احرام کی حالت میں تین اماموں کے نزدیک عقد نکاح حرام ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ احرام باندھنا عورت کو عقد نکاح کی صلاحیت سے مانع نہیں ہوتا البتہ ہم بستی ممنوع ہے، عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے، جماع کی طرح حالت احرام میں دواعی جماع مثلاً بوسہ لینا، بدن سے بدن ملانا، اسی طرح تمام وہ امور جو حج کے علاوہ اور دنوں میں بھی حرام ہیں حالت احرام میں ان کی ممانعت زیادہ سخت ہے۔ اپنے ساتھیوں اور نوکروں سے اُلجھنا بھی حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ قَرَضَ مِنْهُنَّ الْفَحْشَاءَ فَلَا رُفْتَ وَلَا فَسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورہ بقرہ - ۱۹۶)

جن ایام میں حج فرض کر لیا تو بد و ران حج رُفْتِ فسوق اور جدال کی اجازت نہیں ہے۔ رفت کے معنی جماع اور اُس پر اُبھارنے والی کوئی حرکت اور فحش کلامی کے ہیں۔ فسوق کے معنی حکم الہی کی نافرمانی اور راستی سے روگردانی کے ہیں۔ اور جدال لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں۔

بری جانوروں کے شکار کے درپے ہونا اُنھیں مارنا اور ذبح کرنا بھی حرام ہے اور اگر شکار نظر آ رہا ہو تو اشارے سے اُسے بتانا یا نظر نہ آتا ہو تو اُس کا راستہ بتانا یا کوئی اور حرکت مثلاً، انڈوں کو توڑنا حرام ہے خواہ وہ جانور حلال ہو یا نہ ہو البتہ دریائی جانور کا شکار حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَجَلٌ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَالتَّيَّارَةُ وَخَيْرُ مَا عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حُرُمًا

(مائدہ، آیت - ۹۶)

تمہارے لئے حالت احرام میں دریائی جانوروں کا شکار اور اُس کا کھانا حلال ہے تاکہ تمہیں اور دوسرے مسافروں کو فائدہ مند ہو لیکن خشکی کے جانوروں کا شکار بد و ران احرام حرام ہے۔

بری جانور وہ ہیں جن کا توالد و تناسل خشکی میں ہو گو وہ پانی میں بھی رہتے ہوں۔ بحری جانور ان کے برعکس ہیں (یعنی جن کا توالد و تناسل دریا میں ہو گو وہ خشکی میں بھی رہتے ہوں) تین اماموں کی یہی رائے ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک بحری جانور وہ ہے جو پانی کے سوا کہیں نہ رہ سکے۔

حالت احرام میں خوشبو کا استعمال کرنا مثلاً مشک کا کپڑوں پر ملنا حرام ہے اس کے علاوہ ناخن اور بال ترشوانا، مردوں کو سلعے ہوئے کپڑے پہننا یا جو بدن پر لپیٹے جاتیں جیسے قمیص یا جامہ، پگڑی، قبایا اچکن وغیرہ اور خفت (چرمی موزے) پہننا حرام ہے، سر اور چہرے کا پورا یا کسی قدر حصہ ڈھکنا بھی حنفی اور مالکی مسلک میں حرام ہے۔

عورت کیلئے حالت احرام میں منہ اور سر ڈھکنے کا مسئلہ عورت کے لئے جائز ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو ڈھک لے بشرطیکہ غیروں سے منہ چھپانا مقصود ہو لیکن چہرے کے سامنے کسی چیز کی آڑ کر لینا چاہئے جو چہرے سے نہ لگنے پائے۔

عورتیں بھی انہیں آداب کے ساتھ احرام باندھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے صرف تین باتوں میں ان کے اور مردوں کے احکام میں فرق ہے۔

(۱) عورتیں احرام کی حالت میں بھی سلاہوا کپڑا اسی طرح پہنیں جس طرح احرام سے پہلے پہنتی تھیں ان کے کپڑوں میں کوئی ایسی خوشبو نہ لگی ہو جو دور تک پھیلے۔

(۲) عورتوں کو جس طرح پہلے سر اور بالوں کا کھولنا حرام تھا اسی طرح حالت احرام میں بھی حرام ہے بلکہ زیادہ گناہ ہے اگر کھل جائے، البتہ چہرہ کھلا رہنا چاہئے۔ نامحرم کے سامنے کسی چیز سے آڑ کر لینا چاہئے مگر چہرے پر کپڑا وغیرہ ڈالنا یا پینا منع ہے۔

(۳) مرد تلبیہ بلند آواز سے کہیں اور عورتیں آہستہ آہستہ ان کی آواز نامحرم کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

رنگین یا خوشبودار کپڑے ایسے رنگین کپڑے پہننا احرام میں حرام ہے جس میں خوشبو ہو (عصفر یعنی گل خیر و) کی کلیوں یا اورس (جو مین میں پیدا ہونے والی سرخ رنگ کی بوٹی ہے) یا زعفران یا اور خوشبودار چیزوں سے رنگے ہوئے کپڑے کا پہننا بھی حرام ہے ہاں اگر اسے اس قدر دھویا جائے کہ اس کی خوشبو جاتی رہے تو اس کا پہن لینا احرام کی حالت میں جائز ہے۔

عطر سونگھنا یا اس کو پاس رکھنا حالت احرام میں مکروہ ہے۔ ایسے مکان میں پھرنے جہاں عطر

کی خوشبو ایسی ہوئی ہو احرام باندھنے کے بعد مکروہ ہے، عورت کے لئے ہندی لگانا بھی مکروہ ہے
ایسی چیز جس میں خوشبو ملائی گئی ہو کھانا احرام والے کو جائز نہیں، نہ ایسا سرمہ لگانا جائز
ہے جس میں خوشبو ڈالی گئی ہو۔

بالوں کا کٹوانا یا آنکھیں کسی اور طریقے سے دور کرنا

حالت احرام میں بالوں کا
منڈوانا، کترانا خواہ وہ
کسی جگہ کے ہوں حرام ہے، اگر کسی شخص کی آنکھ میں پر بال ہو اور وہ اُسے تکلیف کے سبب
نکلوا دے تو جائز ہے مگر اس کے لئے ایک قربانی عائد ہوگی۔

احرام والے کو ہندی کا خضاب کرنا جائز نہیں خواہ وہ سر میں ہو یا ہاتھوں میں ہو یا جسم
کے کسی اور حصے میں۔

حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کے مسائل

حرم کے حدود میں جو درخت
ہیں آنکھیں کاٹنے اٹھانے
ضائع کرنے یا ٹہنی توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ گھاس کا بھی وہی حکم ہے جو درختوں کا ہے لیکن
لیکن گیہاہ اذخر اور سنا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ ایسی اشیاء ہیں جن کو دوا کے بطور استعمال
کیا جاتا ہے اس لئے انہیں کاٹ کر یا کسی اور طرح سے کام میں لانا مباح ہے۔ اُن کی آگی ہوئی چیزوں
میں سے جو کچھ خشک ہو جائے اور ٹوٹ کر گر جائے تو اُس کا شمار حرم کے درختوں میں نہیں کیا
جائے گا۔ ایسی روئیدگی جسے لوگ اُگایا کرتے ہیں اُن کا کاٹنا مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ اُس کا
کوئی مالک ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی مالک ہو اور حالت احرام میں اُسے کاٹے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر کوئی
دوسرا شخص جو مالک نہ ہو اور کاٹ لے تو اُسے قیمت ادا کرنا پڑے گی اور قربانی بھی دینا ہوگی۔

فصد کھلوانا پچھنے لگوانا غسل کرنا اور اپنے اوپر سایہ کرنا

حالت احرام میں ضرورتاً
فصد کھلوانا یا پچھنے لگوانا
مباح ہے لیکن بال نہ کاٹے جائیں، بلا ضرورت فصد اور پچھنے مکروہ ہیں۔ اسی طرح بدن کو اور
بالوں کو رگڑ کر ملنا مباح ہے بشرطیکہ بال اور جوئیں گرنے نہ پائیں۔ میل کچیل دور کرنے کے
لئے اپنے سر اور بدن کو پانی سے دھونا مباح ہے بشرطیکہ پانی میں کوئی ایسی چیز ملی نہ ہو جو جوڑوں

کو مار دے۔ میل کاٹنے والی کوئی چیز غسل کرنے میں استعمال کی جاسکتی ہے لیکن اس سے جوئیں نہ مرنے پائیں۔ صاحب احرام کو درخت، خیمہ، مکان، محل یا چھتری کا سایہ کر لینا جائز ہے لیکن چھتری کو سر یا چہرے پر پڑنے نہ دیا جائے کیونکہ سر کھلا رکھنا واجب ہے۔

احرام والے کو مکہ میں داخل ہونے کیلئے کیا کرنا چاہیے امور مطلوب ہیں ان کو بیان کیا جا چکا ہے، وہ غسل جو مکے میں داخل ہونے کے لئے کیا جائے سنت ہے وہ ستھرائی کی غرض سے نئے طوافِ قدوم کے لئے نہیں ہے اس لئے حیض و نفاس والی عورتیں بھی ستھرائی کی غرض سے غسل کر سکتی ہیں لیکن طواف نہیں کر سکتیں۔ مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت مکے میں داخل ہو اور بلند جانب سے آئے تاکہ تعظیمِ آرخ قبلہ کی طرف رہے۔ داخلہ اس دروازے سے ہو جو بابِ معلیٰ کے نام سے موسوم ہے، پھر سامانِ سنبھالنے کے بعد مسجدِ حرام کا رخ کرے اور بابِ السلام سے مسجد میں داخل ہو اس وقت عاجزی اور خشوع سے تلبیہ کہتا رہے۔ جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو ہاتھ کو بلند کرے اور تکبیر و تہلیل میں مصروف ہو جائے پھر کہے:

اللَّهُمَّ نِرَادَ هَذَا الْبَيْتِ تَشْرِيفًا
وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً وَ
بِرًّا وَنِرَادَ مِنْ عَظَمَتِهِ وَشَرَفِهِ
مِنْ حَجَّةٍ أَوْ اعْتَمَرَةٍ تَعْظِيمًا
وَتَشْرِيفًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً وَبِرًّا

اے اللہ اس گھر کے شرف، عظمت، عزت
شان و دبدبہ اور خوبی کو بڑھا اور جو شخص اس
کا حج یا عمرہ اس کی عظمت و بزرگی عزت و
ہیت اور خوبی کے پیش نظر بجالائے اس
کی عظمت و شان میں اضافہ فرما۔

حنفی فقہاء کے کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور دُعا کے الفاظ جو آثار میں وارد ہوئے یہ ہیں:

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَ
مِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا
يَا سَلَامًا

اے اللہ تو ہر نقص سے پاک ہے اور تو ہی
سلامتی بخشنے والا ہے پس اے پروردگار ہمیں
برائیوں سے پاک زندگی عطا فرما۔

اس کے بعد جو جی چاہے دُعا مانگے اور طوافِ قدوم کرے۔ حج کے ارادے سے آنے والے

کے لئے یہ طواف سنت ہے۔

طوافِ قدوم اس کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مکہ سے باہر کہیں سے آنا ہو اور اسی لحاظ سے اس کا نام طوافِ قدوم ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ طواف کا وقت باقی ہو نہ ہو تو وقوف (بہ عرفہ) کے لئے روانہ ہو جانا چاہیے۔ وقوف سے رہ جانے کا ڈر ہو تو سر دست طوافِ قدوم کو ترک کر دے۔

ارکان حج میں سے دوسرا رکن طواف کی تین قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم کا طواف، رکن ہے جس کو نہ کیا تو حج باطل ہوگا۔ وہ ہے طوافِ افاضہ جسے طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ دوسری قسم کا طواف واجب ہے، اس کا نام طوافِ صدر ہے تیسری قسم کا طواف سنت ہے، یہ طوافِ قدوم کہا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔

طوافِ افاضہ حج کے چار ارکان میں سے ایک رکن طوافِ افاضہ ہے، اسے نہ کرنے سے حج باطل ہو جائے گا۔ اس کے سات چکر ہیں جس کا خاص طریقہ ہے۔ جہاں تک اس کے رکن ہونے کا تعلق ہے وہ اس کے چار چکر ہیں باقی چکر واجب ہیں چار چکر کر لئے تو طواف کا بیشتر حصہ پورا ہو کر رکن ادا ہو جاتا ہے، یہی حنفی مسلک ہے۔ حنفی علماء کہتے ہیں کہ طوافِ افاضہ کا وقت یومِ نحر (دسویں ذی الحجہ) کی فجر سے ہے بشرطیکہ عرفے میں وقوف کر لیا ہو۔ اگر عرفات میں اس وقت کے اندر جس کا بیان آگے آ رہا ہے وقوف نہیں کیا تو طوافِ افاضہ بھی صحیح نہ ہوگا اور حج باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی نے وقوف کر لیا لیکن طوافِ افاضہ ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کو بھی نہیں کر سکا اور پورا مہینہ گزر گیا تو اس پر لازم ہے کہ اگلے سال حج کے تین مہینوں (شوال ذوالقعدہ ذوالحجہ) میں سے کسی ایک مہینے میں طوافِ افاضہ کر لے۔

طوافِ صدر یا طوافِ وداع حج سے فراغت کے بعد جب مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے لگے تو کعبہ کا طواف کر لینا واجب ہے اس کو طوافِ صدر یا طوافِ وداع کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے رہنے والوں کے لئے نہ طوافِ قدوم ہے اور نہ طوافِ وداع۔

طواف کا مسنون طریقہ آفاقی یعنی مکہ سے باہر کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں نیتاً احترام اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہوں اور جیسے ہی بیت اللہ پر نظر پڑے تکبیر و تہلیل اور درود شریف پڑھ کر یہ دعا کریں:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

اے اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے اور میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔ اس کے بعد وہاں سے نکل کر طواف کی نیت کریں۔ مسجد حرام سے نکلنے وقت زبان پر یہ دعا ہو:

اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ وَسَهِّلْ لِي أَبْوَابَ رِزْقِكَ۔

اے اللہ! میرے لئے اپنے فضل و کرم کے دروازے کھول دے اور رزق کے ذرائع میرے لئے آسان کر دے۔

جملہ اقسام طواف کے لئے چند شرائط ہیں جن کے بغیر طواف صحیح نہیں ہوتا۔

طواف کی شرطیں ۱۔ ستر عورت یعنی بدن کے وہ حصے جن کا ڈھکنا نماز میں واجب ہے ان کو ڈھکنا۔

۲۔ حدث اور نجاست سے پاک ہونا جس طرح نماز میں ہوتے ہیں۔

۳۔ طواف کی ابتدا اپنے بائیں پہلو کو حجر اسود کے محاذ میں رکھ کر کرنا بائیں طور کہ بدن کا کوئی حصہ حجر اسود سے کچھ بھی آگے نہ ہو۔ طواف کے خاتمہ پر بھی حجر اسود کے محاذ میں اسی طرح آجائے۔

۴۔ طواف کے وقت کعبہ کا نظر آنے والا حصہ بائیں جانب ہو اور طواف کرنے والا حجر اور شاذروان سے باہر ہو اس سے مراد وہ تعمیر ہے جو کعبہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔

۵۔ طواف کے سات چکر ہوں اگر تعداد میں کمی کا شک ہو جائے تو جس قدر چکر کا یقین ہے اسی کی بنا پر سات پورے کرے۔

۶۔ طواف مسجد کے اندر ہو خواہ کعبے سے کتنے ہی فاصلے پر ہو مسجد کے باہر سے طواف

درست نہ ہوگا۔

۷۔ بہ دوران طواف کسی اور کام کی جانب نہ مڑے۔

۸۔ طواف زیارت کے لئے نیت کرنا طواف کی نیت کے وقت حجر اسود سامنے ہونا اور اس سے آگے نہ بڑھنا۔

طواف کے بعد دو رکعتیں طواف افاضہ اور طواف قدوم کے بعد مسنون ہیں مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کافرون اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھی جائے۔ یہ نماز مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا اور ملتزم پر جا کر دعا مانگنا مستحب ہے، ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کی جگہ ہے۔

طواف کے واجبات اور سنتیں جو باتیں شرائط طواف میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے طواف مسجد کے اندر ہونا، طواف افاضہ کا وقت یوم نحر کی فجر سے شروع ہونا اور طواف قدوم کا وقت مکہ میں داخل ہونے سے شروع ہو کر وقوف بہ عرفات تک ہونا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرائط ہیں باقی باتیں طواف کے واجبات میں سے ہیں یا سنت ہیں۔

طواف کی سنتوں میں چند باتیں اور ہیں منجملہ ان کے یہ کہ طواف شروع کرنے سے پہلے چادر کا ایک سرادائیں بغل کے نیچے رکھ کر دوسرا اپنے بائیں کندھے پر ڈال لیں، اس کو اصطباغ کہتے ہیں اور یہ عمل ہر اس طواف میں کیا جاتا ہے جس کے بعد سعی کرنا ہو جیسے طواف قدوم۔

ایک سنت یہ ہے کہ چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلا جائے اور مونڈھوں کو حرکت دی جائے اسے زمل کہتے ہیں۔ زمل صرف ابتدائی تین چکروں میں کیا جائے۔

حجر اسود کا استلام یعنی ہاتھ لگانا اور ہر چکر کے خاتمے پر اس کو بوسہ دینا سنت ہے، اگر کسی سے یہ ممکن نہ ہو تو عصا وغیرہ یا اس جیسی چیز سے چھوئے اور اس چیز کو بوسہ دے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی جانب رخ کر کے کھڑا ہوا اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں حجر اسود کی جانب رہیں اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور دو رکعتیں جو طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں پڑھ کر سعی کے لئے صفا کی طرف

جانے سے پہلے زمزم پر آئے اور اس کا پانی خوب سیر ہو کر پیئے اور ڈول میں بچا ہوا پانی کنویں میں ڈال دے اور یہ دعا کرے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رِزْقًا
وَأَسْعَاءَ وَعِلْمًا نَافِعًا وَشِفَاءً مِّنْ
كُلِّ دَاءٍ۔

بار الہا میں تجھ سے فراخی رزق اور نفع بخش
علم مانگتا ہوں اور ہر مرض سے شفا کی
دعا کرتا ہوں۔

اس کے بعد پہلے ملتزم کے پاس آئے پھر صفا کی جانب جائے۔

طواف کی نیت

اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ طَوَافَ
بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ فَلْيَسِّرْهُ لِي وَ
تَقَبَّلْهُ مِنِّي۔

خدایا میں تیرے محترم گھر کا طواف کرنے کے
ارادے سے آیا ہوں تو اسے میرے لئے
آسان کر دے اور اس کو قبول فرمائے۔

حجر اسود کا استلام کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ دونوں پھیلیاں
حجر اسود کی طرف ہوں اور یہ پڑھے:

بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَ
اللَّهُ أَكْبَرُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ۔

شروع اللہ کے نام سے ساری تعریفیں
اسی کے لئے ہیں وہ سب سے بڑا ہے۔ درود
اور سلام ہو اللہ کے رسول پر۔

استلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللَّهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ وَإِتْبَاعًا لِسُنَّةِ
نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ۔

اے اللہ میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ
طواف و استلام تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیروی میں کر رہا ہوں۔

مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرے:

اللَّهُمَّ هَذَا مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ
الْعَائِدِ الدَّائِمِ بِكَ مِنَ
النَّارِ حَرَّمَ لِحُومَنَا وَ

اے اللہ تیرے خلیل حضرت ابراہیم کا مقام
ہے جنہوں نے تیری پناہ اس وقت ڈھونڈی
اور سہارا لیا جب کافروں نے انہیں آگ میں

بَشَّرْتَنَا عَلَى النَّارِ۔

ڈالا۔ پس جس طرح تو نے اُنہیں آگ سے

بچایا ہمارے گوشت و پوست کو بھی —

دوزخ کی آگ سے بچا۔

پھر ملتزم پر چپٹ کر یہ دُعا ہاتھ پھیلا کر حضور قلب سے پڑھے:

اے قدرت والے اے عزت والے مجھ

سے اپنی وہ نعمت نہ چھیننا جو تو نے عطا

فرمائی ہے۔

يَا وَاجِدُ يَا مَاجِدُ لَا تَزَلْ

عَنِّي لِعِثْمَةِ الْغَيْمَةِهَا

عَلَيَّ۔

میزاب رحمت کے پاس پہنچے تو اس کے نیچے کھڑے ہو کر سوز دل کے ساتھ یہ دعا کرے:

اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو

مجھ سے جدا نہ ہو اور ایسا یقین مانگتا ہوں

جو ختم نہ ہو اور قیامت میں تیرے نبی محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں

اے اللہ مجھے قیامت کے دن اپنے عرش

کے سائے میں جگہ دے اس دن تیرے عرش

کے علاوہ کہیں اور سایہ نہ ہوگا اور محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے مجھے ایسا شربت

پلا کہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوں (یعنی

حوض کوثر سے)

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا

لَا يَزُولُ وَ يَقِينًا لَا يَنْفَدُ وَ

مُرَافَقَةً نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ

أَظِلِّي تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ

يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ

وَ اسْقِنِي بِكَأْسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً

لَا ظَمَأَ بَعْدَهَا أَبَدًا۔

حج کا تیسرا رکن "سعی" صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں ان کے درمیان سعی کرنا یعنی

پھیرے لگانا بھی حج کا ایک رکن ہے لہذا اگر کسی نے یہ نہ کیا

تو حج باطل ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعی رکن نہیں بلکہ واجب ہے کہ طواف کے

بعد ہو اور سات پھیرے ہوں اور پیادہ ہو اور ہر پھیرے کی ابتدا صفا سے کی جائے اور مروہ پر

ختم کیا جائے، واجب کے رہ جانے سے حج باطل نہیں ہوتا البتہ قد یہ لازم آتا ہے چنانچہ اگر

بلا عذر سوار ہو کر سعی کی تو دو بارہ کرنا ہوگی یا پھر قربانی دینا لازم ہوگی اور جو پھیرا مردہ سے شروع کیا جائے گا وہ پھیرا شمار نہیں ہوگا۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے شرائط اور سنتیں اور مستحبات صحت سعی کی شرط یہ ہے کہ وہ طواف

کے بعد ہو اگر سعی طواف سے پہلے کی گئی تو وہ شمار میں نہیں آئے گی اُسے پھر سے کرنا واجب ہے۔ سعی کی سنتیں یہ ہیں کہ طواف اور سعی مسلسل ہو۔ اگر درمیان میں وقفہ پڑ گیا خواہ وہ طویل وقفہ ہو تو سنت رہ جائے گی اور یہ کہ دونوں قسم کے حدث سے پاک ہو۔ حیض و نفاس کی حالت میں سعی بوجہ معذوری بلا کراہت ہو جائے گی۔

طریقہ سعی کا یہ ہے کہ صفا اور مروہ کی اونچائی پر چڑھے اور میلین اخضرین کے درمیان چلے جن میں سے ایک ستون باب علی کے نیچے ہے اور دوسرا رباط عباس کے سامنے اور دونوں کے درمیان ہر ولہ کرے (تیز تیز قدم اٹھائے) تکبیر و تہلیل اور درود کا ورد کرتا رہے اور جو جی چاہے دعا مانگے۔ صفا اور مروہ پر پہنچ کر کعبے کی طرف رخ کرے اور سعی کا آغاز کرنے سے پہلے حجر اسود کا استلام (جس طرح طواف کی سنتوں میں بتایا جا چکا ہے) کر لیا ہو۔ افضل یہ ہے کہ باب صفا سے باہر نکلے۔ اس کو باب بنی مخزوم بھی کہتے ہیں اور نکلتے وقت بائیں قدم پہلے نکالے اور مستحب یہ ہے کہ صفا و مروہ پر دُعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اگر طواف یا سعی کے دوران نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے نماز پڑھے اور اس سے پہلے جتنے پھیرے کر لئے ہیں اُس سے آگے کا عمل پورا کرے۔ سعی کے درمیان خرید و فروخت وغیرہ کی باتیں مکروہ ہیں۔

حج کا چوتھا رکن ”عرفات میں وقوف“ چوتھا رکن حج کا میدان عرفات میں حاضر ہونا ہے۔ اس رکن کے صحیح طور پر ادا ہونے

کی شرط، واجبات اور سنتیں فقہائے احناف کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

شرط تو یہ ہے کہ ”وقوف“ شریعت کے مقرر کردہ وقت کے اندر ہو اور یہ وقت نویں ذی الحجہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے یوم نحر کی فجر تک ہے پس جو شخص ان اوقات میں عرفات میں پہنچ گیا اُس کا حج درست ہو گیا۔ دوسرے ائمہ عقل و ہوش میں ہونے اور حاضری

عرفات کی نیت کو بھی شرط صحت قرار دیتے ہیں جبکہ حنفی فقہاء اس کو داخل شرط قرار نہیں دیتے اور سونے کی یا بیداری کی حالت میں وقوف کرنے کو کافی گردانتے ہیں۔

واجب یہ ہے کہ اگر میدان عرفات میں کوئی دوپہر کو پہنچ گیا تو آفتاب غروب ہونے تک رہے، رات میں پہنچنے والے پر کچھ واجب نہیں۔ دن کو وقوف کرنے والا اگر سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے چلا جائے گا تو اس پر قربانی واجب ہے۔

وقوف عرفات کی سنتیں یہ ہیں: امام کے لئے دو خطبے دینا، ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھنا اس کے بعد غروب آفتاب تک رُکنا۔ روزے سے نہ ہونا، با وضو ہونا۔ یہ بھی سنت ہے کہ سیاہ پتھروں کی چٹانوں کے قریب ٹھہرے، یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا ہے، اگر وہاں پر ٹھہرنا دشوار ہو تو حتی المقدور اس کے قریب ٹھہرنے کی کوشش کرے اور یہ کہ اپنے دونوں ہاتھ کھول کر بلند کرے، تہلیل و تکبیر اور درود کے بعد دعا کرے، اپنے اور اپنے ماں باپ اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت مانگے اور اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر تلبیہ کرتا رہے، سورج غروب ہونے تک حمد و ثنا، تہلیل و تسبیح اور تلبیہ خشوع و خضوع اور خلوص قلب کے ساتھ جاری رکھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے ساتھ اپنی حاجات پوری ہونے کی دعائیں کرتا رہے، دعا کے لئے خاص الفاظ کا پابند ہونا ضروری نہیں، افضل ترین دعائیں یہ ہیں:

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے
اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، اُسی کی
سلطنت ہے وہی شایانِ حمد ہے وہی
جلاتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اُسے موت
نہیں تمام بھلائیاں اس کے دستِ قدرت
میں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے خدایا
میرے دل میری آنکھ اور میرے کان کو
منور کر دے اور میرا سینہ کھول دے اور

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ
لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي
وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ
بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي
نُورًا وَفِي بَصِيرَتِي نُورًا وَ
فِي سَمْعِي نُورًا اللَّهُمَّ اشْرَحْ
لِي صَدْرِي وَبَيِّرْ لِي

اوپر ارکان حج اور ہر رکن کے مخصوص شرائط، واجبات اور سنتوں کا بیان تھا اب حج کے وہ واجبات جو کسی ایک رکن کے ساتھ خاص نہیں ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔

حج کے عام واجبات رات کو عرفات سے چل کر منیٰ جاتے ہوئے مزدلفہ میں فروکش ہونا کم از کم اتنے وقت کے لئے جس میں ایک سواری سستا سکتی ہو۔ عرفات میں وقوف کے بعد غروب آفتاب ہونے ہی بغیر نماز پڑھے حاجی مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جائیں، یہاں مغرب و عشاء کی نمازیں بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں۔ ارذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ میں موجودگی واجب ہے۔ اگر یہ رہ گئی تو ایک قربانی لازم ہوگی بشرطیکہ اس تاخیر کا سبب کوئی خاص عذر یا مرض نہ ہو، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے بعد جبل قریح کے پاس امام کھڑا ہوگا، اس کے ساتھ تمام لوگ کھڑے ہو کر دعا کریں گے، یہ دوسرا مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی ہے، اسے مشعر حرام کہتے ہیں۔ ارذی الحجہ کی صبح کو سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں سات کنکریاں اپنے ساتھ لے لیں۔

۲۔ رمی جمار یا کنکریاں مارنا۔ یوم نحر (ارذی الحجہ) میں صرف جمرہ عقبہ کے مقام پر کنکریاں ماری جائیں پھر باقی ایام تشریق میں روزانہ تینوں جگہ کنکریاں پھینکی جائیں اس کے لئے سنت یہ ہے کہ مقام جمرہ اولیٰ سے کنکری مارنے کی ابتدا کی جائے، یہ مقام مسجد خیف کے قریب ہے پھر جمرہ وسطیٰ پر اور اس کے بعد جمرہ عقبہ پر سات سات کنکریاں بطریق بالا پھینکی جائیں، سنت جب ہی پوری ہوگی جب اسی ترتیب سے رمی کی جائے۔ دوسرے اور تیسرے روز رمی کرنے کا وقت زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے، رات میں رمی کرنا مکروہ ہے اور زوال آفتاب سے پہلے جائز نہیں ہے۔ رمی کے وقت اپنے اور دوسروں کے لئے جو دعائی چاہے مانگے اور اپنے ہاتھ آسمان کی جانب یا قبیلہ کی جانب اٹھائے، اسی طرح یوم نحر کے تیسرے دن بھی رمی کرنا چاہیے اور اگر وہیں قیام رہے تو چوتھے دن بھی ایسا ہی کرے۔ پہلی رمی سے تلبیہ موقوف کر دینا چاہیے۔ جمرہ کے قریب سے کنکریاں چننا مکروہ ہے۔ سات کنکریوں سے زیادہ مارنا مکروہ

ہے، کنکری پھینکنے والے کے اور جمرہ کے درمیان پانچ ذراع (ہاتھ) کا فاصلہ ہو، کنکری اگر جمرہ سے دور فاصلے پر جا پڑی تو وہ کافی نہیں ہے اس کے بجائے دوسری کنکری پھینکنا واجب ہے یہ بھی سنت ہے کہ ہر کنکری پھینکتے وقت بسم اللہ اکبر کہا جائے۔ ایام تشریق کی تین راتوں میں سے بیشتر راتیں منی میں گزاری جائیں لیکن جسے جلدی ہو اور دو راتوں کے بعد یعنی عید کے تیسرے دن منی سے مکہ کی طرف روانہ ہونا چاہے تو تیسری رات کو منی میں ٹھہرنا ساقط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا
إِثْمَ عَلَيْهِ - جو شخص جلدی کے خیال سے دو ہی دن
ٹھہرے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

۳۔ یوم نحر (۱۰ ارذی الحجہ) میں رمی کے بعد قربانی کرنا اور سر منڈوانا یا بال کتر وانا واجب ہے، اس کو حلق کہتے ہیں۔ رمی جہار اور حلق کے درمیان ترتیب کا لحاظ اور قربانی اور حلق کے لئے مقررہ وقت اور جگہ کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، عورتوں کے لئے بال منڈوانا منع ہے صرف انگلی کے بقدر سر کی لٹ سے بال کا تراش دینا کافی ہے۔

۴۔ طواف صدر منجملہ واجبات کے ہے جو مکے سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے اس کو طواف ودارع بھی کہتے ہیں۔

واجبات حج حنفی فقہاء کے قول کے مطابق یہ پانچ باتیں ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا۔

(۱) صفامروہ کے درمیان سعی (۲) یوم نحر کو فجر سے پہلے مزدلفہ میں ہونا (۳) رمی جہار۔
(۴) حلق یعنی بال منڈوانا (۵) طواف صدر۔

ان امور کی تفصیل جن پر قربانی دینا پڑتی ہے جنایات الحج (حج کی فروگزاشتوں) کے بیان میں آئے گی۔

حج کی سنتوں کا بیان
حج کی سنتوں میں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق احرام سے ہے جو حج کی نیت کرنے والوں کو احرام باندھنے سے پہلے ادا کرنا ہوتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق طواف، سعی یا وقوف عرفہ سے ہے ان کا بیان سابقاً ہو چکا ہے ان کے علاوہ حج کی باقی سنتیں یہ ہیں جن کا ذکر ضمناً واجبات کے بیان میں بھی آچکا ہے۔

(۱) ایام نحر کی راتیں منیٰ میں گزارنا (۲) قربانی کی رات عرفات سے نکلنے کے بعد رات کو مزدلفہ میں رہنا اور (۳) مزدلفہ سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جانا (۴) رمی جمرات میں تینوں مقامات پر ترتیب کا لحاظ رکھنا۔ رمی بذات خود واجب ہے۔ منجملہ سنتوں کے یہ بھی ہے کہ جب وادی محسر سے گزرے تو رفتار تیز کر دے اس وادی کا نام حسرت (ناکامی) سے نسبت رکھتا ہے کیونکہ یہیں پر ابرہہ کا ہاتھی جسے وہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے لایا تھا ناکامی سے دوچار ہوا۔ مسجد عرفہ میں زوال آفتاب کے بعد دو خطبوں کا دینا، ظہر اور عصر کی نمازیں عرفہ کے دن ایک ہی وقت میں بطور جمع تقدیم کے پڑھنا اور ظہر اور عصر کی نمازوں کا قصر کرنا، مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز عشاء کے ساتھ بطور جمع تاخیر کے پڑھنا بھی سنت ہے، عشاء کا قصر کرنا ان لوگوں کے لئے سنت ہے جو مزدلفہ کے رہنے والے نہ ہوں۔

آداب حج جنہیں مستحبات بھی کہا جاسکتا ہے کئی ہیں: مثلاً حج کو جانے سے پہلے اپنے قرضوں کو چکا دیا جائے، گناہوں سے توبہ کی جائے، نیت میں خلوص ہو اور مظالم سے دور رہے جس سے خصومت یا کوئی معاملہ اٹکا ہو اس سے صفائی کر لے جو عبادتیں رہ گئی ہوں اُنہیں پورا کر لے۔ خود کو نمائش، ناموری، اور فخر کے خیال سے دور رکھے، رزق حلال حاصل کرے حرام مال سے حج کرنے کا کوئی ثواب نہیں ہے کسی نیک آدمی کو اپنا رفیق سفر بنائے تاکہ جہاں کوئی فرد گزاشت ہو وہ بتاتا رہے مشکل کے وقت وہ مددگار ہو اور تسلی دینے والا ہو، عورت اگر حج کرنے جا رہی ہے تو محرم مرد کا ہونا لازم ہے، کنبہ کے لوگوں اور بھائیوں سے رخصت ہو تو اُن کی دُعاؤں کا طالب ہو۔ گھر سے حج کے لئے نکلنے وقت دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دُعا کرے:

اللَّهُمَّ إِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَ	اے اللہ تیری طرف یکسو ہو کر میں نے اپنا
بِكَ اعْتَصَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ	رخ کیا ہے تیرا ہی دامن پکڑا ہے تجھی پر
اللَّهُمَّ أَنْتَ ثِقَتِي وَأَنْتَ	میرا بھروسہ ہے اے اللہ تیری ذات پر
مَرْجَاؤِي اللَّهُمَّ اكْفِنِي مَا أَهْبَيْتِي	میرا تکیہ ہے اور تجھی سے امید رکھتا ہوں
وَمَا لَا أَهْتَمُّ بِهِ وَمَا أَنْتَ	اے اللہ مجھے محفوظ رکھ ہر غم انگیز بات سے
أَعْلَمُ بِهِ مِنْ عَزِّ جَارِكَ	اور ہر اس دشواری سے جس کی طرف میرا

وَلَا إِلَهَ غَيْرِكَ اللَّهُمَّ
 رَوِّدْنِي التَّقْوَىٰ وَاعْفِرْ لِي
 ذُنُوبِي وَوَجِّهْنِي إِلَى الْخَيْرِ
 أَيُّهَا تَوَجَّهْتَ اللَّهُمَّ إِنِّي
 أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ
 وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ
 الْكُورِ وَسُوءِ الْمُنْظَرِ فِي
 الْأَهْلِ وَالْمَالِ -

دھیان نہ ہو اور تو مجھ سے بہتر اُسے جانتا
 ہے۔ تیری بڑی بارگاہ ہے تیرے سوا کوئی
 معبود نہیں ہے خدا یا پرہیزگاری کو میرا
 زاد سفر بنا میرے گناہوں کی مغفرت
 فرما، میری توجہ صرف نیک کاموں کی طرف
 رہے اے اللہ میں سفر کی دشواریوں حالات
 کی ناسازگاری، فراغت کے بعد مشکلات
 اور اہل و عیال اور مال کو ناخوشگوار
 حالات پیش آنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور سواری پر سوار ہوتے وقت کہے
 بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
 الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَأَنَا مِنَ الْإِسْلَامِ وَ
 عَلَيْنَا الْقُرْآنُ وَمَنْ عَلَيْنَا
 يَبْحَمْدِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
 جَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
 لِلنَّاسِ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ
 لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ
 وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ الْحَمْدُ
 لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

اللہ کے نام سے اور ستائش کا سزاوار اللہ ہی
 ہے جس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھایا اور
 قرآن کا علم دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
 بھیج کر ہم پر احسان فرمایا، اس اللہ کا شکر
 اور حمد و ثنا جس نے ہمیں ساری امتوں میں
 سے بہترین امت کا فرد بنایا۔ وہ ذات پاک
 ہے جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر
 فرمایا ورنہ یہ ہمارے بس کی نہ تھی بلاشبہ ہم کو
 اپنے پروردگار کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے
 ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام
 جہان کا پالنے والا ہے۔

خانہ کعبہ کے سامنے جائے تو یوں کہے:

اللَّهُمَّ إِنَّ الْبَيْتَ بَيْتَكَ

اے اللہ یہ گھر تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے۔

وَالْحَمَّ حَرَمُكَ وَالْأَمْنُ
أَمْنُكَ وَهَذَا مَقَامُ الْعَائِدِ
بِكَ مِنَ النَّارِ -

اور پناہ تیری پناہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے
جہاں پناہ مانگنے والے جہنم سے تیری
پناہ مانگتے ہیں۔

رکنین یانین (کعبے کے دونوں کونوں) کے درمیان یہ کہے :
رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ
فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ -

اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں اور
آخرت میں خوبی عطا فرما اور عذاب دوزخ
سے نجات دے۔

رمی جمار کے وقت کہے :
اللَّهُمَّ حَجًّا مَبْرُورًا أَوْ ذَنْبًا
مَغْفُورًا أَوْ سَعْيًا مَشْكُورًا -

بار الہا میرا حج بے لوث بنا دے۔ گناہوں
کو معاف فرما ہماری کوششوں کو پسندیدہ کرے۔

سعی صفا و مروہ کے وقت کہے :
سَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ
عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ
الْأَكْرَمُ -

اے پروردگار مغفرت فرما اور رحم کر اور ہماری
خامیاں جو تو خوب جانتا ہے درگزر کر دے
بلاشبہ تو عظیم ترین ہے۔

زمرم کا پانی خوب شکم سیر ہو کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر پیئے اور کہے :
اللَّهُمَّ إِنِّي بَلَّغْتَنِي عَنْ نَبِيِّكَ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّهُ قَالَ مَاءٌ مِنْ مَزْمٍ لِمَا
شَرِبَ لَهُ وَ أَنَا أَشْرَبُهُ لِسَعَادَةِ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللَّهُمَّ فَاغْفِرْ -

اے اللہ تیرے نبی کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچا
ہے کہ آپ نے فرمایا زمرم کا پانی جس مراد
کے لئے پیاجائے گا وہ پوری ہوگی میں اسے
دنیا اور آخرت کی خوش بختی کے لئے پی رہا
ہوں سو میری یہ مراد پوری فرمادے۔

پھر اللہ کا نام لے کر اسے پیئے اور پینے کے دوران تین بار سانس لے اور کنویں کی طرف
ناؤس کا دیکھنا اور ڈول سے پانی نکالنا اور اپنے چہرے، سر اور سینے کو اس سے دھونا اور
اسے کے لئے کر چلنا یہ سب باتیں مسنون و مستحب ہیں۔

ممنوعات حج کا بیان حاجیوں کو جن امور کی ممانعت ہے ان میں سے بعض مفسد حج ہیں یعنی ان کے ارتکاب سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن پر قربانی لازم آتی ہے بعض امور ایسے ہیں جن پر تاوان عائد ہوتا ہے یعنی صدقہ، طعام وغیرہ۔

مفسدات حج کا بیان عرفات میں مقررہ اوقات کے اندر وقوف نہ کیا جائے تو حج نہیں ہوتا، اسی طرح حج کے ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے خواہ وہ بھول کر ہو یا قصداً ہو بیداری میں ہو یا سوتے ہیں، اختیار سے ہو یا مجبوری سے، اگر یہ حرکت وقوف عرفہ سے پہلے ہوئی ہو۔ یہی رائے فقہائے احناف کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک وقوف عرفہ کے بعد حج کو فاسد کرنے والی کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ جماع سے حج فاسد ہو جائے تب بھی لازم یہ ہے کہ حج کے تمام اعمال پورے کئے جائیں اور اگلے سال حج دوبارہ کیا جائے اور مرتکبوں میں سے دونوں پر قربانی لازم ہوگی اس کے لئے ایک بکری کی قربانی جائز ہے، ایک ہی مجلس میں اگر ایک سے زیادہ بار جماع کیا تب بھی ایک ہی بکری کافی ہے، اگر مختلف مجلسوں میں کیا تو ہر دفعہ کے لئے ایک ایک بکری دینا ہوگی۔

وہ باتیں جن پر فدیہ واجب ہوتا ہے حج میں فدیہ بھٹی بکری وغیرہ کا ذبح کرنا ہے، یہ چند امور سے واجب ہوتا ہے۔

۱۔ محرکات جماع کا ارتکاب (مثلاً لپٹنا، بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ چٹاننا یا مس کرنا) انزال ہو یا نہ ہو (شرمگاہ کو دیکھنا۔ ایسے خیالات کا دل میں لانا جس سے انزال ہو جائے تبطین (کپڑا پیٹ کر جماع) تفضیذ (ران پر مسل کر یا جانور کے ساتھ بد فعلی کر کے انزال ہونے کی صورتیں قربانی کو واجب کرتی ہیں۔

۲۔ سر یا داڑھی کے ایک چوتھائی بال کاٹنا۔ گردن کے بالوں، بغل کے بالوں، زیر ناف کے بالوں کا دور کرنا جبکہ بغیر کسی معذوری کے ایسا کیا جائے تو قربانی واجب ہے لیکن اگر کسی عذر سے ہو مثلاً بالوں میں جو تہیں پڑ گئی ہوں جن سے اذیت ہوتی ہو تو اس صورت

میں تین باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی،

۱۔ جانور ذبح کرنا (۲) تین دن کے روزے رکھنا (۳) چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور مسکین کو نصف صاع کے حساب سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ كَلْبًا (بقرہ، آیت ۱۷۶)

اگر تم میں سے کسی کو مرض لاحق ہو یا سر میں کوئی اذیت رہے ہونے کی وجہ سے بال کٹوانا پڑے تو اس کا فدیہ دو روزے رکھ کر صدقہ دے کر یا قربانی کر کے

۳۔ مرد کو سلا ہو اکیڑا پہننا۔ عورت کو اجازت ہے جو چاہے پہنے لیکن اپنا چہرہ ایسی شے سے نہ ڈھکے جو چہرے کے ساتھ لگتی ہو جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ واضح ہو کہ مرد کو جو چیز ممنوع ہے وہ عام لباس ہے لہذا اگر کسی نے سلا ہو اکیڑا پہنا نہیں بلکہ اوپر ڈال لیا یا بدن پر عام طریقہ لباس کے خلاف رکھ لیا تو اس پر تاوان عائد نہیں ہوتا۔ سلا ہو اکرنا، پاجامہ موزہ یا عمامہ وغیرہ بغیر کسی معذوری کے پہن لے گا تو اس پر فدیہ دینا واجب ہوگا۔

۴۔ سر کو ڈھکنے والی عام چیزوں میں سے کسی چیز سے پوزے دن سر کو ڈھکا رکھنا، مرد کے لئے اور چہرے کا ڈھکنا عورت کے لئے فدیہ کو واجب کرتا ہے۔

۵۔ اعضائے انسان میں سے کسی بڑے عضو مثلاً بران، پٹنڈلی، ہاتھ، چہرہ سر یا گردن پر یا کپڑے کے ایک بالشت حصے پر خوشبو کی کوئی چیز ملی جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ خوشبو میں عصفور، زعفران اور مہندی شامل ہے۔ مہندی اگر سر پر اس طرح لگائی کہ سر کی جلد ڈھک گئی تو دو قربانیاں دینا ہوں گی، ایک خوشبو استعمال کرنے کے لئے دوسری سر کو ڈھکنے کے لئے۔ کسی ایک عضو پر روغن زیتون یا تل کاتیل بلا عذر لگانا بھی خوشبو لگانے کے مانند ہے بشرطیکہ علاج کے لئے نہ لگایا گیا ہو۔

۶۔ ناخنوں کا ترشوانا۔ فدیہ واجب کرتا ہے ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کے ناخن ہوں یا دو تو ہاتھ پیروں کے۔ اگر بیک وقت ایک ہی مجلس میں کاٹے گئے تو ایک قربانی لازم ہے اور اگر مختلف مجلسوں (یعنی وقت اور جگہ بدل بدل کر) تمام ناخن کاٹے گئے تو چار قربانیاں ہر عضو کے لئے ایک قربانی کے حساب سے عائد ہوں گی

۷۔ طواف قدوم یا طواف صدر کو ترک کرنا۔ عمرے کے پھیروں میں سے کسی پھیرے کا چھوٹ جانا یا واجبات جو پہلے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی واجب اگر رہ جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔

حالات احرام میں شکار کا تاوان احرام کی حالت میں تھلل سے پہلے کسی جانور کا شکار کرنا ناجائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے شکار کیا تو اس پر تاوان عائد ہوگا۔ تھلل کی تشریح یہ ہے کہ حج سے فارغ ہونے کی جو تین باتیں ہیں یعنی حجرہ عقبہ پر کنکریاں مارنا، حلق کرنا (دبال اُتروانا) اور طواف کرنا۔ ان میں سے دو باتیں کر لی جائیں تو تھلل اول ہو گیا یعنی ابتدائی درجے میں حج کی پابندیاں ختم ہو گئیں۔ اگر تھلل سے پہلے خشکی کا جانور حرم کے اندر شکار کیا ہو (حالات احرام میں ناجائز امور کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے) تو اس پر اس جانور کی قیمت واجب ہوگی اگر اس کی قیمت و تریبانی کے جانور کی قیمت کے برابر ہو جائے تو تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے فدیہ دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اس کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر حرم میں ذبح کیا جائے۔
 ۲۔ اس کا کھانا خرید کر فی کس نصف صاع کے اعتبار سے مسکینوں کو صدقہ کر دیا جائے۔
 ۳۔ ہر نصف صاع کے بجائے ایک دن کا روزہ رکھا جائے، جتنے بھی روزے اس طرح سے واجب ہوں ان کا لگاتار رکھنا ضروری نہیں ہے نہ یہ لازم ہے کہ جیسا جانور شکار کیا گیا اسی کے مانند جانور فدیہ کے لئے لایا جائے بلکہ اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ مَتَعِدًا فِجْرًا مِمَّا مَلَائَتْ مِنَ النَّعِيمِ

(مائدہ، آیت۔ ۹۵)

يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ۔

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔ اگر تم میں سے کسی نے شکار دانستہ مارا تو اس کا تاوان مارے گئے جانور کے مثل ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف مزاج صاحبان کر دیں۔

لفظ متعمداً سے مراد شکار کی نیت سے مارنا ہے اور مثل سے ظاہری نہیں بلکہ معنوی مثلیت مراد ہے یعنی جانور کی قیمت جس کو دو منصف مزاج مناسب سمجھتے ہوں، یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو۔ لیکن اگر مالک ہے تو دو جانوروں کا فدیہ واجب ہوگا، ایک تاوان کے طور پر دوسرا اس کے مالک کے لئے۔ حدود حرم میں شکار کیا ہوا جانور کھانا بھی حرام ہے، اگر جانور کا کوئی عضو بیکار ہو گیا یا بال چُج گئے یا ایسی ہی کوئی اور خرابی ہو گئی تو اس کا فدیہ وہ قیمت ہے جو اس کی وجہ سے کم ہو گئی۔ جنترات الارض، بھڑ، تتلی، مکھی، چیونٹی، سیبھی، سانپ، بچھو، جوہا، پاگل کتا وغیرہ مارنے کا فدیہ نہیں ہے حرم کی گھاس کاٹنے پر کٹی ہوئی گھاس کی قیمت دینا واجب ہے۔ نصف صاع کی مقدار میں گندم یا اُس کی قیمت کا صدقہ حسب ذیل امور میں واجب ہے:-
کسی عضو کے کمتر حصے میں خوشبو لگانا۔

ایک دن سے کم عرصے کے لئے قمیص پہن لینا، یا خوشبو لگا ہوا کپڑا پہنے رہنا۔ یا سر ڈھکا رکھنا۔ ایک چوتھائی سے کم سر کے یا داڑھی کے بال کاٹنا۔ پٹلی یا بازو کے بال یا دو ایک ناخون تراشنا۔ حدث کی حالت میں طواف قدوم یا طواف صدقہ کرنا۔ کسی دوسرے شخص کے سر کے بال کاٹنا خواہ وہ حالت احرام میں ہو یا نہ ہو، طواف صدر کے ایک پھیرے کا ترک ہو جانا۔

نصف صاع سے کم جس امر میں صدقہ واجب ہوتا ہے ٹڈی کا مارنا ہے، اگر ایک ٹڈی ماری ہے تو اس کے عوض صدقہ دے دیا جائے جس قدر بھی چاہے اور دو تین ٹڈیاں ماری ہوں تو لپ بھر کھانا صدقہ میں دے دیا جائے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو نصف صاع دینا لازم ہے۔

عمرہ عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں خانہ کعبہ کی زیارت خاص شرائط و ارکان کے ساتھ کرنے کو کہتے ہیں۔

عمرہ کی حیثیت عمرہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ ابن ماجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے:
الحج مکتوب و العمرۃ تطوع۔ حج فرض ہے اور عمرہ رضا کارانہ عبادت ہے

باقی دو امام عمرے کو فرض کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ - یعنی حج اور عمرے کو پوری طرح انجام دو۔

ہر عبادت جب شروع کی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اس آیت کا یہی مفہوم حنفی اور مالکی فقہانے لیا ہے۔ رہا حج کا فرض ہونا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔
وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ رَءِيفٌ رَّحِيمٌ - اور اللہ کے لئے لوگوں پر رحیم بیت اللہ ہے۔

عمرہ کی شرائط اور ارکان عمرے کی شرطیں وہی ہیں جو حج کی ہیں حنفی علمائے فقہ کے نزدیک احرام شرط ہے اور سعی بین الصفا والمروة واجب ہے، اسی طرح بال مندوانا یا کتروانا بھی واجب ہے، رکن نہیں ہے، البتہ طواف کے چار پھیرے کرنا رکن ہے۔

عمرہ کی میقات عمرے کی میقات زمانی پورا سال ہے یا تمام سال میں کسی وقت بھی عمرہ کا احرام باندھنا درست ہے۔ میقات مکانی وہی ہیں جو حج کی میقات ہیں البتہ مکے میں رہنے والے لئے احرام باندھنے کی میقات (جگہ) حلقہ حبل ہے۔ ارض حرم کے علاوہ باقی تمام جگہ حبل ہے۔ بیرون حرم افضل جگہیں تنعیم اور جبرائٹہ ہیں۔ تنعیم وہ جگہ ہے جسے مسجد عائشہ کہا جاتا اور جبرائٹہ مکے اور طائف کے درمیان واقع ہے۔

عمرے کی میقات زمانی جیسا کہ ابھی بتایا گیا پورا سال ہے لیکن بعض حالات میں عمرے کے احرام باندھنے کی ممانعت بھی ہے، فقہائے احناف عرفہ کے دن زوال سے پہلے اور بقول راجح اس کے بعد عمرے کے لئے احرام باندھنا مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اسی طرح عید قربان اور اس کے تین روز بعد تک احرام باندھنا منع ہے۔ اہل مکہ کے لئے حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھنا مکروہ ہے اگر اسی سال حج کا ارادہ ہو۔

اگر کسی مکے کے رہنے والے نے عمرے کا احرام علاقہ حرم میں باندھا اور احرام کے بعد حرم سے باہر حبل کے علاقے میں نہیں گیا تو یہ احرام صحیح ہوگا، البتہ میقات پر احرام نہ باندھنے کی پاداش میں قربانی دینی ہوگی لیکن اگر طواف اور سعی سے پہلے علاقہ حبل میں جا کر میقات پر احرام باندھ لیا تو قربانی عائد نہ ہوگی۔

عمرے کے واجبات، سنن اور مفسدات عمرہ میں بھی وہی امور واجب ہیں جو حج میں ہیں۔ اسی طرح عمرہ کی سنتیں بھی وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ احرام کے احکام میں فرائض میں محرمات مکروہات اور مفسدات میں بھی کوئی فرق نہیں ہے تاہم بعض امور میں عمرہ حج سے مختلف ہے مثلاً (۱) عمرے میں وقت مقرر نہیں ہے اور وہ فوت نہیں ہوتا۔ عرفات میں وقوف اور مزدلفہ میں رہنا، کنکریاں مارنا اور دو نمازوں کو اکٹھا کرنا عمرے میں نہیں ہوتا، طواف قدوم اور خطبے بھی عمرے میں نہیں ہیں، عمرے کے لئے غیر حرم کا تمام علاقہ احرام باندھنے کی میقات ہے، خواہ مکے کے رہنے والے ہوں یا نہ ہوں بخلاف حج کے کہ مکے والوں کے لئے حج کی میقات حرم ہے۔ حج کی طرح عمرے میں طوافِ وداع بھی نہیں ہے۔

حج قرآن، تمتع اور افراد کے متعلقہ مسائل
حج اور عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لئے حج کی تین صورتیں جائز ہیں۔ جسے چاہے

اختیار کرے، قرآن یا تمتع یا افراد۔ حج قرآن باقی دونوں سے افضل ہے اور تمتع افراد سے بہتر ہے، قرآن کا افضل ہونا اسی حالت میں ہے جبکہ ممنوعات احرام میں سے کسی امر ممنوع کے سرزد ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ حج قرآن میں لمبے عرصے تک حالت احرام میں رہنا ہوتا ہے، اگر ایسی کسی بات کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہو تو تمتع ہی سب سے افضل ہے کیونکہ اس میں تھوڑے دن حالت احرام میں رہنا ہوتا ہے اور انسان کے لئے اپنے نفس پر قابو رکھنا آسان ہے۔

افراد یہ ہے کہ صرف حج کے لئے احرام باندھا جائے۔

قرآن لغت میں دو چیزوں کے جمع کرنے کو کہتے ہیں، اصطلاح شرع میں حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا احرام مراد ہے، چاہے ایک ہی وقت اور ایک ہی احرام میں حج و عمرہ کو جمع کیا جائے یا حج کا احرام عمرے کے احرام کے بعد ہو پھر ان کے افعال کو اکٹھا بجالایا جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے پھر طواف عمرہ کے چار پھیرے لگانے سے قبل حج کا احرام بھی باندھا لیا جائے۔ اگر طواف کے چار پھیرے لگانے کے بعد باندھا تو اس صورت میں قرآن نہ ہوگا بلکہ حج تمتع ہوگا وہ بھی اس حالت میں جبکہ عمرے کا طواف ایام حج میں واقع ہوا ہو بہ صورت دیگر نہ حج قرآن ہوگا نہ حج تمتع۔

تمتع اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھا جائے یا اس سے پہلے باندھا جائے لیکن طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے ایام حج کے آجانے پر کئے جائیں اس کے بعد حج کا احرام ایک ہی سفر میں باندھا جائے یا اس طور کہ عمرے کے بعد یا تو قطعاً اپنے مقام پر واپس نہ آیا ہو یا آیا ہو لیکن پھر مکہ میں دو باتوں کے لئے واپس آنا مطلوب ہو یعنی:

۱۔ قربانی بھیج دی ہو ایسی صورت میں یوم نحر سے پہلے تحلل ممنوع ہے۔

۲۔ یا سر منڈانے سے پہلے اپنے شہر میں آگیا ہو اور تکمیل کے لئے پھر حرم میں واپسی قطعی ہو کیونکہ خلق علاقہ حرم میں واجب ہے چنانچہ اگر کسی نے ہدی (قربانی کا جانور) روانہ کئے بغیر عمرہ کیا اور سر کے بال اتروائے بغیر اپنے شہر میں واپس آگیا تو اس کا احرام باقی رہے گا۔ پھر اگر حلق کرائے بغیر واپس آگیا تو اس کا حج تمتع ہو جائے گا۔

قرآن کے مسائل اگر پہلے حج کا احرام باندھا پھر طواف قدوم سے پہلے عمرے کی نیت کر لی تو وہ بھی قرآن ہو جائے گا لیکن ناقص صورت میں اس کے لئے

طواف قدوم کے بعد قربانی دینا ہوگی۔ تارن کا احرام میقات پر باندھا جائے یا اس سے پہلے وہ احرام صحیح ہوگا لیکن احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھنے پر قربانی لازم ہوگی بجز اس کہ احرام باندھ کر پھر وہاں لوٹ کر آئے جہاں میقات ہے تو قربانی واجب نہ ہوگی ہر چند کہ تارن کا ایام حج میں اور اس سے پہلے بھی احرام باندھنا درست ہے لیکن حج و عمرہ کے باقی اعمال کا ایام حج میں واقع ہونا ضروری ہے۔ سنت یہ ہے کہ حج قرآن کا احرام باندھنے کے لئے یہ کہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ
وَالْحَجَّ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي

بارالہا میں نے عمرے اور حج کا ارادہ کیا
ہے ان کو میرے لئے آسان کر دے اور
میرے عمرے اور حج کو قبول فرمائے۔

مستحب یہ ہے کہ نیت میں عمرے کا نام پہلے آئے، اور واجب ہے کہ پہلے عمرے کے لئے سات پھیرے طواف کے کرے اور ابتدائی تین پھیروں میں رمل کرے یعنی شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز قدم چلے یہ طواف یا اس کے بیشتر پھیرے لازمی طور پر ایام حج میں واقع ہوں طواف کے بعد عمرے ہی کے لئے سعی کی جائے، عمرے کے اعمال یہاں ختم ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ حج کا

احرام بندھا ہوتا ہے اس لئے تھکسل نہ کیا جائے یعنی سر نہ منڈایا جائے بلکہ اعمال حج سے فارغ ہونے تک توقف کیا جائے، اگر اس سے پہلے سر منڈالیا تو دو احراموں کی خلاف ورزی ہوگی اور دو قربانیاں لازم ہوں گی۔ اعمال حج کی انجام دہی عمرے سے فارغ ہونے کے بعد شروع کی جائے۔

قرآن کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

۱۔ حج کا احرام، عمرے کا طواف پورا کر لینے یا اُس کے بیشتر پھیرے کرنے کے بعد باندھا تو وہ حج قرآن نہ ہوگا، لہذا عمرے کا پورا طواف یا طواف کے بیشتر پھیرے کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا چاہیے۔

۲۔ حج کا احرام اُس وقت باندھا جائے جب عمرہ فاسد نہ ہو۔

۳۔ عمرے کا طواف، وقوف بہ عرفات سے پہلے کر لیا جائے، اگر طواف نہ کیا اور زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف کر لیا تو عمرہ جاتا رہا اور قرآن باطل ہو گیا اور عمرے کی قربانی جو لازم تھی ساقط ہو گئی، ہاں اگر طواف کے بیشتر پھیرے کر لینے کے بعد عرفہ میں وقوف کیا تو طواف زیارت سے پہلے باقیماندہ پھیرے پورے کر لئے جائیں۔

۴۔ حج اور عمرہ دونوں مفسدات سے محفوظ ہوں مثلاً وقوف بعرفہ سے پہلے مفسد فعل سرزد ہو گیا اور طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے نہ ہوئے تو قرآن باطل ہو جائے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔

۵۔ عمرے کا طواف یا اُس کے بیشتر پھیرے ایام حج کے اندر ہوئے ہوں، اگر پہلے کئے گئے تو قرآن نہ ہوگا۔

۶۔ قرآن کرنے والا مکے کا باشندہ نہ ہو۔ مکے کے رہنے والے کا قرآن اُس وقت درست ہوگا جب وہ ایام حج سے پہلے کسی اور علاقے میں چلا جائے۔

۷۔ وہ حج فوت نہ ہو، اگر حج فوت ہو گیا تو وہ قارن نہ رہے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔ صحت قرآن کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اپنی اہل کے نم (معمولی اختلاط) بھی نہ ہو، اگر کسی نے عمرے کا طواف کر لیا اور بغیر تھل کے گھر واپس آ گیا تو قرآن باقی رہے گا۔

تمتع کے مسائل اگر حج تمتع کرنے والے نے قربانی کا جانور وانہ کرنے کے ساتھ عمرہ کیا پھر اگر قربانی یوم نحر تک ملتوی رکھی تو تمتع صحیح ہوگا اور قربانی کے سوا اُس پر اور کچھ واجب نہ ہوگا خواہ واپس اپنے گھر آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ لیکن اگر ذبیحہ کرنے میں جلدی کی اور اپنے گھر واپس آگیا تو اُس پر مطلقاً کچھ واجب نہیں ہے خواہ اس سال حج کرے یا نہ کرے لیکن تمتع باطل ہو جائے گا اور اگر اپنے گھر واپس نہیں آیا تو حج نہ کرنے پر کچھ واجب نہیں اور اگر حج کیا تو دو قربانیاں لازم ہیں ایک تو حج تمتع کی قربانی اور دوسری وقت سے پہلے تحلل کی قربانی۔

تمتع کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے ایام حج میں عمرہ کا طواف، حج کے احرام سے پہلے طواف عمرہ یا اُس کے بیشتر پھیرے کر لینا، عمرے کا احرام حج کے احرام سے پہلے باندھنا، اپنے اہل کے ساتھ صحیح معنوں میں امام نہ کرنا، عمرہ اور حج کا فاسد نہ ہونا حج اور عمرہ ایک ہی سال میں کرنا، چنانچہ اگر عمرے کا طواف ایام حج میں کر لیا گیا لیکن حج دوسرے سال میں کیا تو یہ حج تمتع نہ ہوگا اگرچہ وہ گھر میں نہ آیا ہو اور اگلے سال تک احرام میں رہا ہو اور یہ کہ وہ مکے کا باشندہ نہ ہو لہذا اگر عمرہ کیا پھر مستقل طور پر پھرنے کا ارادہ کر لیا تو تمتع نہ ہوگا۔ اگر ایسا ارادہ نہ کیا تو حج تمتع ہو جائے گا۔ اور یہ کہ ایام حج آنے سے پہلے مکے میں بغیر احرام کے مقیم ہو تو بھی حج تمتع نہ ہوگا یہی حکم اس صورت میں ہے کہ ایام حج آنے سے بیشتر مکے میں احرام کے ساتھ مقیم ہو لیکن طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے ایام حج کے علاوہ دنوں میں کئے ہوں۔ تمتع کرنے والے کو چاہئے کہ عمرے کے اعمال سے فارغ ہو کر سر کے بال اتروا کر حلال ہو جائے یعنی احرام کی پابندیوں سے الگ رہے پھر آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اس دن کو یوم ترویہ کہتے ہیں یہ دن اہل مکہ کے احرام باندھنے کا ہے اس احرام میں نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ تک تاخیر جائز ہے بشرطیکہ عرفات میں وقوف کرنا وقت پر ممکن ہو۔

حج قرآن اور حج تمتع دونوں صورتوں میں قربانی واجب ہے جو حجرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ

وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

بقرہ-۱۹۶)

اگر قربانی میسر ہو تو قرآن والے پر تمتع والے کی طرح قربانی واجب ہے، اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے واجب ہیں ان کے علاوہ مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد یہ پورے دس روزے ہیں۔

تین دن کے روزے متواتر رکھنا افضل ہے، ایام حج کے اندر عمرے کا احرام باندھنے کے بعد اور مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد واجب ہیں، ان کو بھی مسلسل رکھنا افضل ہے، تین روزوں میں یہاں تک تاخیر کرنا جائز ہے کہ عید میں تین دن سے زیادہ باقی نہ رہیں، یہ اس لئے کہ اگر ان ایام سے پہلے قربانی کا جانور میسر ہو جائے تو قربانی کی جائے، روزہ رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے، اگر تین دن کے روزے نہ رکھے گئے اور یوم نحر آگیا تو اب صرف روزے جائز ہیں، قربانی نہیں کی جاسکتی۔

اگر قربانی کا مقدور نہ ہو تو حلال ہو جائے یعنی ممنوعات احرام سے سبکدوش ہو جائے۔ ایسے شخص پر دو قربانیاں رہیں گی ایک تو قرآن یا تمتع کی دوسری قربانی سے پہلے حلال ہو جانے کی۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حرم میں رہنے والے کو قرآن اور تمتع کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(سورہ بقرہ-۱۹۶)

ذَلِكَ لِيُنْذِرَ أُمَّةً مِّنْ أَهْلِ الْعَرَبِ

یہ اس کے لئے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے حدود میں نہ ہو۔ حاضرین مسجد حرام سے مراد وہ لوگ ہیں جو موانعیت کے اندر اور حرم کے علاقہ میں رہتے ہیں۔ ہدی کی تعریف ہدی وہ چوپایہ جس کی قربانی حرم میں کرنا ہو، یہ اونٹ گائے بھیڑ بکری سب ہو سکتی ہے، اونٹ وہ جائز ہے جو پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو گیا ہو اور گائے بیل وہ جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل ہوں۔ بھیڑ بکری سال بھر سے کم کے جائز نہیں، البتہ اگر بھیڑ اتنی فریبہ ہو کہ آدھے سال کی بھیڑ اور سال بھر کے جانور میں فرق نہ معلوم ہوتا ہو تو آدھے سال کی بھیڑ بھی جائز ہے۔

ہدی کی قسمیں ہدی کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ قربانی ہے جو حج اور عمرے کے اعمال میں واجب ہے، جیسے تمتع یا قران کی قربانی، اس کو دم شکر کہتے ہیں، اس میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو حج کے کسی واجب کے ترک ہو جانے پر لازم ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ قربانی ہے جس کے کرنے کی نذر مانی گئی ہو، یہ نذر پوری ہونے پر واجب ہوتی ہے۔

تیسری قسم تطوع (نفسی قربانی) ہے جو احرام باندھنے والا کسی سمجھ کر کرے۔

قربانی کے وقت اور جگہ کا بیان قربانی کے تین دن مقرر ہیں۔ عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن، یہ دن قران یا تمتع کی قربانی کے ہیں جسے حجرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ذبح کرنا چاہیے جو قربانی ایام نحر میں کی جائے اسے منیٰ میں ذبح کرنا سنت ہے، اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ ذبح کیا جائے تو افضل جگہ مکہ ہے، البتہ نذر کی قربانی اگر بدنہ (اونٹ) ہو تو اسے حرم میں ذبح کرنے کی پابندی نہیں ہے، قران اور تمتع کی قربانیوں کے علاوہ کسی اور قربانی کے لئے وقت کی بھی پابندی نہیں ہے، قران اور تمتع کی قربانی اگر ایام نحر کے بعد ذبح کی گئی تو اس تاخیر پر بھی قربانی لازم ہوگی۔

قربانی کے گوشت میں سے کچھ کھانے کا بیان قران اور تمتع کی قربانی جسے شکر یہ کی قربانی کہا جاتا ہے اس میں سے قربانی کرنے والے کو کچھ کھانا مستحب ہے، البتہ نذر کی قربانی کا گوشت کھانا قربانی کرنے والے کو جائز نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے اور فقر کا حق ہے، اگر اس میں سے کچھ کھالیا تو اس قدر گوشت کی قیمت فقیروں کو ادا کرنا چاہیے اور جس قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ تین برابر کے حصے کئے جائیں، ایک تہائی کھایا جائے، ایک تہائی صدقہ میں دیا جائے اور باقی ایک تہائی ہدیہ کے طور پر دیا جائے۔ اس کی کھال اور ہڈی بھی صدقہ کر دی جائے ہدی کے جانور کا دودھ بھی جائز نہیں ہے، اگر اس کا دودھ لیا تو اس کی قیمت فقر کو دیدی جائے۔

ہدی کی شرطیں قربانی کے جانور میں ایسا عیب نہ ہو جس کے باعث قربانی جائز نہیں رہتی۔ کانا، اندھا، لگڑا اور ایسا دبلا جو چل نہ پائے، یہ وہ عیوب ہیں جو قربانی کے

جانور میں نہ ہونا چاہئیں۔

احصار اور قوات احصار کے لغوی معنی رکاوٹ کے ہیں اور اصطلاح شرع میں محرم کو رکن حج ادا کرنے سے پہلے اعمال واجبہ کی بجائے اور یہی ہیں رکاوٹ پڑنے کو کہتے ہیں، قوات اصطلاح شرع میں وقوف عرفہ سے رہ جانے کو کہتے ہیں۔ احصار یعنی اعمال حج کی بجائے اور یہی سے روکنے والے اسباب دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) شرعی اسباب مثلاً ایک عورت احرام باندھنے کے بعد اپنے خاوند یا محرم سے محروم ہو جائے یا خاوند بیوی کو نفسی حج سے منع کرنے یا کوئی شخص اخراجات حج سے محروم ہو جائے اور پیدل سفر کرنے سے معذور ہو۔

(۲) حستی اسباب مثلاً کوئی دشمن اُس کو قید میں ڈال دے یا کوئی اور شے اعمال حج کو بجالانے سے روک رکھے یا کوئی مرض آگے تو حکم یہ ہے کہ قربانی کا جانور یا اُس کی قیمت کسی کے ہاتھ بھیج دے کہ اُس کی طرف سے حرم میں قربانی کر دے۔ اب قربانی ہو جانے تک تحلل جائز نہیں ہوگا اگر ذبح ہونے سے پہلے ممنوعات میں سے کوئی امر سرزد ہو گیا تو اُس پر وہی کچھ واجب ہوگا جو احرام والے پر واجب ہوتا اگر اُسے رکاوٹ نہ ہوتی۔ اگر حج کی رکاوٹ جو پیش آئی تھی ہدی روانہ کرنے کے بعد دور ہو گئی تو اب یا تو اعمال حج اور قربانی دونوں ادا کرنے کا موقع مل جائے گا یا دونوں میں سے کوئی ایک کام کیا جاسکے گا یا پھر دونوں میں سے کوئی عمل نہ ہو سکے گا، اگر پہلی صورت امکان میں ہو تو لازم ہے کہ اعمال حج کی تکمیل میں مصروف ہو جائے، اگر دوسری صورت ممکن ہو اور محض قربانی کا موقع مل سکے تو فوت شدہ اعمال حج کی طرف توجہ کرنا لازم نہیں اُسے چاہئے کہ عمرہ کے بعد تحلل کرے اور اگر اتنا موقع تھا کہ اعمال حج پورے کر سکے تو اُسے پورا کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ تحلل کر لیا جائے، اگر تیسری صورت ہے کہ نہ حج کے اعمال بجالانے کا وقت ہے نہ قربانی کا تو عمرہ کر کے تحلل کر لے۔

اب رہا مسئلہ قوات کا یعنی عرفہ میں وقوف کا وقت گزر جانے کے بعد وقوف کیا تو چاہئے کہ طواف اور سعی کر کے تحلل کر لے اور آئندہ سال اس کی قضا کر لے اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

عبادات کی تین قسمیں ہیں:

حج بدل (۱) محض بدنی عبادت جیسے نماز اور روزہ اس میں مال کو دخل نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا کے لئے نفس کو عاجزی اور فروتنی میں ڈالنا ہے۔

(۲) محض مالی عبادت جیسے زکوٰۃ و صدقہ ایہ اللہ کے بندوں کی مالی امداد کرنا ہے۔

(۳) مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادت حج ہے جس میں طواف اور سعی خستوع و خضوع بھی ہے اور اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرنا ہے۔

پہلی قسم کی عبادت میں اپنے بجائے کسی دوسرے کو عبادت کے لئے نائب بنانے کی گنجائش نہیں ہے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنی بجائے کسی اور کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے لئے کہے، ایسا کہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی عبادت میں اپنا نائب کسی دوسرے کو بنانے کی گنجائش ہے، مال کے مالک کو جائز ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے یا اپنے مال میں سے صدقہ دینے کے لئے کسی اور کو نائب بنا دے۔ تیسری قسم کی عبادت (یعنی حج) میں تین امام علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرہ ایسے اعمال ہیں جن میں کسی دوسرے کو نائب بنایا جاسکتا ہے لہذا اگر کوئی شخص ان اعمال کو ادا کرنے سے عاجز ہے تو واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنائے جو اس کے بدلے میں حج کرے اس کو حج بدل کہتے ہیں۔

حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں ۱۔ کوئی ایسی معذوری لاحق ہو جو بالعموم مرتے دم تک باقی رہے مثلاً ایسا مرض جس کے آرام ہونے کی امید

نہ ہو مثلاً نابینا ہو جانا یا کہنہ سالی کے سبب اعضائے جسم کا اس قدر ضعیف ہو جانا کہ طاقت بحال ہونے کی توقع نہ رہے، اگر ایسا شخص کسی کو اپنا نائب بنا دے کہ وہ اس کی طرف سے حج ادا کرے تو یہ جائز ہے اور فریضہ حج اس معذور کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن ایسا مریض جسے شفا پانے کی امید ہو یا جو قید میں ہو اگر کسی کو نائب بنائے اور وہ نائب اس کی جانب سے حج ادا کرے، بعد میں وہ شفا یاب ہو جائے یا قید سے رہائی پائی جائے تو فریضہ حج اس کے ذمے سے ساقط نہ ہوگا۔

۲۔ حج کرنے والے کی طرف سے حج کی نیت کرنا بھی شرط ہے یعنی نیت یوں کرنا چاہیے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا اور تلبیہ کرتا ہوں، یہ نیت دل میں کر لینا بھی کافی ہے، نائب نے حج کی نیت اگر اپنی طرف سے کی تو نائب بنانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

۳۔ جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے حج کے بیشتر اخراجات وہی برداشت کرے گا اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی ہو یا اگر کوئی ایسی وصیت نہ تھی بلکہ متوفی کے وارثوں میں سے کسی نے یا کسی دوست نے از خود نیکی کے خیال سے اس کی جانب سے حج کیا تو انشاء اللہ یہ حج اس کی طرف سے قبول ہو جائے گا۔

۴۔ حج کرنے کی کوئی اجرت مقرر نہ کی جائے حج کے اخراجات کے لئے جو رقم دی گئی ہے اگر اس میں اخراجات پورے نہ ہوں تو زائد رقم کا مطالبہ حج کرانے والے سے کیا جائے گا اور اگر اس میں سے کچھ بچ رہا تو حج بدل کرنے والے کو چاہیے کہ باقی رقم حج کرانے والے کو واپس کر دے، حج کی اجرت مقرر کر کے حج کرنا سرے سے جائز نہ ہوگا، اسی طرح دوسری عبادات میں بھی اجرت باطل ہے ہاں بعض ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً تعلیم دینے اذان پنجوقتہ دینے اور امامت کرنے کی اجرت۔

۵۔ حج کرانے والے کی شرائط کے مخالف حج نہ کیا جائے۔ مثلاً حج افراد کے لئے کہا گیا اور اس کے بجائے حج قرآن یا حج تمتع کیا تو وہ حج کرانے والے کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ اور جو اخراجات ہوئے ہیں ان کو واپس کرنا ہوگا۔

۶۔ احرام ایک ہی باندھا جائے یعنی یہ نہ ہو کہ ایک احرام حج بدل کا اور دوسرا احرام اپنے حج کا باندھا تو دونوں میں سے کسی کا حج نہ ہو گا ہاں اگر حج بدل کر لیا پھر اپنی طرف سے عمرہ بھی کر لیا تو جائز ہے البتہ ادا لگی عمرہ کے اخراجات نائب کو اپنے مال سے کرنا لازم ہے۔ دو اشخاص کی طرف سے احرام باندھنا اور حج کرنا بھی درست نہیں ایسا کرنے پر وہ دونوں کے اخراجات حج کی واپسی کا ذمہ دار ہوگا۔

۷۔ حج بدل کرنے والا اور جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے دونوں کا مسلمان اور عاقل ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر حج واجب ہونے کے بعد جنون لاحق ہوا تو کسی کو حج کے لئے روانہ کرنا درست

ہوگا، بشرطیکہ حج بدل کرنے والا صاحب شعور ہو۔ عورت اور غلام بھی حج بدل کر سکتے ہیں اور وہ شخص بھی جس نے اپنا فریضہ حج ادا نہ کیا ہو۔

۸۔ اگر حج بدل کرنے والے سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جو حج کو فاسد کر دے تو اگر یہ امر وقوف عرفہ سے پہلے سرزد ہوا تو اخراجات حج کی واپسی کی ذمہ داری حج بدل کرنے والے پر ہوگی اور اگر وقوف عرفہ کے بعد ایسا امر سرزد ہوا تو یہ ذمہ داری عائد نہ ہوگی تاہم غلطی کا کفارہ حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے کیونکہ وہ خود اس کا سبب ہے البتہ احصار کی صورت میں قربانی کے اخراجات حج کرانے والے پر ہوں گے کیونکہ احصار میں حج بدل کرنے والے کو کچھ اختیار نہ تھا۔

حج کرنے کی وصیت کو پورا کرنا اگر کسی نے وصیت کی کہ وفات کے بعد اس کی طرف سے حج کیا جائے اور اس کے لئے اخراجات کی مقدار

اور مقام جہاں سے حج کے لئے جانا ہے متعین کر دیا ہے تو اس کے مطابق وصیت کو پورا کرنا واجب ہے اگر یہ دونوں باتیں متعین نہیں ہیں تو دیکھا جائے کہ اُس کے مال متروکہ کا ایک تہائی حصہ حج کے اخراجات کے لئے کافی ہے۔۔۔۔۔ ۹۔ پھر جہاں سے حج کرنے میں وہ مال کفایت کرے وہاں سے حج کیا جائے۔۔۔۔۔ اگر کسی جگہ سے بھی وہ مال اخراجات حج کے لئے مکلفی نہ ہو تو وصیت باطل منصور ہوگی۔۔۔۔۔

اگر ایک تہائی مال ایک سے زیادہ حج کے لئے کافی ہو اور متوفی نے ایک حج کی وصیت کی ہے تو باقی ماندہ مال وارثوں کا حق ہے اگر ایک حج کا تعین نہیں کیا تو اس مال میں جتنے حج ہو سکتے ہیں سب کو ایک سال ہی کر لینا اس سے افضل ہے کہ متعدد حج مختلف سالوں میں کرائے جائیں۔

زیارت روضہ اطہر "روضہ مسجد نبوی میں ایک چوکور جگہ کا نام ہے یہاں جُز بول کر گل مراد ہے یعنی وہ ارض پاک جہاں نزول وحی ہوتا تھا جہاں سے دعوت حق دی جاتی تھی جہاں سے ہدایت کی روشنی ضلالت کے اندھیروں کو مٹا کرتی تھی،

اخلاق فاضلہ کی تربیت دی جاتی تھی اور شریعت کی تبلیغ کی جاتی تھی حق و صداقت کی صدا میں گونجا کرتی تھیں، رسول اللہ کے خطبے جس مہر سے سنے جاتے تھے وہ حجرہ جو آپ کی قیام گاہ تھا اور اب ابدی آرام گاہ ہے، یہ وہ حصہ زمین ہے جس کو خاص شرف اور برتری حاصل ہے اور زیارت کا اصل مقصد آخرت کے تصور کو تازہ کرنا ہے، اہل دل جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتے ہیں تو اگرچہ جسم اطہر پر وہ خاک میں مستور ہے لیکن آپ کے معنوی وجود کی شہادت وہاں کا ذرہ ذرہ دیتا ہے کہ آپ یہاں بیٹھتے تھے یہاں آرام فرماتے تھے یہاں نماز پڑھتے تھے یہاں وضو فرماتے تھے یہاں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، آپ کے فیوض و برکات وہاں جوں کے توں موجود ہیں جن سے زیارت کرنے والے کا دل فیض حاصل کرتا ہے، احکام رسالت کی بجا آوری کی طرف راغب اور رسول کی نافرمانی پر شرمسار ہوتا ہے یہ امر تقرب الہی کا ذریعہ ہے۔ وہ مسلمان جسے حج بیت اللہ کی توفیق ہوئی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے کے قابل ہے اگر زیارت سے محروم رہے تو اس کے دل کو قرار و سکون نہیں حاصل ہو سکتا اور صاحب مقدر کے لئے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ مکے میں حاضر ہو اور مدینے پہنچ کر نزول وحی کے مقامات اور دین حلیف کے سرچشموں کا مشاہدہ نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے اور اپنی قبر کی زیارت کی خود تاکید فرمائی ہے کہ مسلمانوں کا رشتہ محبت آپ سے ٹوٹنے نہ پائے، آپ نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری مسجد کی زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا، ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا — ”جس نے میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی۔ مسجد قبا جس میں سب سے پہلی نماز باجماعت آپ نے پڑھی مسجد قبلتین جہاں قبلہ بدلنے کا حکم بارگاہ ایزدی سے صادر ہوا۔ ستون ابولبابہ جہاں اُنھوں نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا یہاں تک کہ اُن کی توبہ قبول ہوئی، ستون حنانہ جس سے رونے کی آواز آتی تھی، جب آپ نے خطبہ دینے کے لئے منبر کو اختیار کر لیا تھا۔ یعنی اور اُحد جہاں بڑے بڑے عظیم صحابہ کے مزارات ہیں یہ سب مقامات قلب و روح کے لئے وجہ سکون ہیں اور اللہ سے قرب پیدا کرنے والے ہیں۔

فقہائے آداب زیارت مقرر کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مکہ معظمہ سے طواف و داع کے بعد

مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جانا، تمام راستے کثرت سے سلام اور درود پڑھتے ہوئے جانا، راستے میں جو مسجدیں آئیں ان میں نماز ادا کرنا اور جب مدینہ منورہ کی فصیل نظر آئے تو یہ کہنا:

اللَّهُمَّ هَذَا حَرَمٌ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ
وَقَايَةً لِّي مِنَ النَّاسِ وَأَمَانًا
مِنَ الْعَذَابِ وَسَوْءِ الْحِسَابِ۔

اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اس
کی برکت سے مجھے جہنم کی آگ سے بچالے
اور عذاب و سختی محاسبہ سے امن میں رکھ۔

مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں قدم اندر رکھے اور کہے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى
آلِ مُحَمَّدٍ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي
ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ
رَحْمَتِكَ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي
الْيَوْمَ مِنْ أَوْجِيهِ مَنْ
تَوَجَّهَ إِلَيْكَ وَأَقْرَبُ مَنْ
تَقَرَّبَ إِلَيْكَ وَأَنْجَحُ مَنْ
أَعَالَ وَابْتَغَى مَرْضَاتِكَ

اے اللہ محمد پر اور ان کی آل پر رحمت
کاملہ نازل فرما، بار الہامیرے گناہوں
کو معاف فرما اور میرے سامنے اپنی
رحمت کے دروازے کھول دے یا اللہ اس
دن کو تیری طرف متوجہ ہونے والوں میں
بہترین توجہ کا دن اور تیرا قرب حاصل کرنے
والوں میں بہترین قرب حاصل کرنے کا
دن بنا دے جس نے تیری ذات پر

بھروسہ کیا اور تیری رضا پر جلاوہ نجات پا گیا۔

پھر منبر کے پاس دو رکعت پڑھے، منبر کا ستون دائیں شانے کے محاذ میں رہے کیونکہ نبی علیہ السلام
یہاں کھڑے ہوتے تھے، یہ جگہ قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے، نماز کے بعد جو دعا چاہئے
مانگے پھر وہاں سے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جانب آئے، سر ہانے کی طرف
قبلہ رو کھڑا ہو پھر قبر سے تین چار ہاتھ کے فاصلے پر پہنچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے، قبر
کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے، ادب سے کھڑا ہو۔ حضور کا تصور کرے گویا آپ مرقد میں استراحت
فرماہیں اور اس کی موجودگی کو جانتے اور بات کو سن رہے ہیں، پھر سلام پڑھے جس کی
آواز زیادہ اونچی ہونہ دھی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
اے اللہ کے نبی آپ پر سلام اور اللہ

کی رحمت اور برکتیں ہوں میں گواہ ہوں کہ
بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ
نے رسالت کا حق پورا کر دیا، اللہ کی
امانت ادا فرمادی اُمّت کو نصیحت فرمائی
اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے یہاں
تک کہ اللہ نے آپ کی قابل ستائش
اور محمود روح کو اپنے پاس کھینچ لیا اللہ
آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، ہمارے تمام
چھوٹوں بڑوں کی طرف سے اور بہترین
اور پاکیزہ درود و رحمت اور کامل ترین
سلام آپ پر ہو۔ اے اللہ ہمارے
نبی کو قیامت کے دن سب سے زیادہ
قرب عطا فرما اور ان کے جام سے ہم کو
ایسا پانی پلا کہ اُس کے بعد پیاس نہ
لگے اور ہمیں ان کی شفاعت نصیب کر اور
قیامت کے دن ان کے ساتھ والوں
میں شامل کر دے، اے اللہ نبی کی قبر انور
پر ہماری یہ حاضری آخری حاضری نہ بنا
بلکہ اے بڑی شان اور بڑی عزت والے

وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ أَشْهَدُ
أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَدْ
بَلَّغْتَ الرِّسَالَهَ وَأَدَّيْتِ
الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ
وَجَاهَدْتَ فِي أَمْرِ اللَّهِ حَتَّى
قَبَضَ اللَّهُ رَوْحَكَ حَبِيداً
مَّحْمُوداً فَجَزَاكَ اللَّهُ
عَنْ صَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا خَيْرَ
الْجَزَاءِ وَصَلِّ عَلَيْكَ أَفْضَلَ
الصَّلَاةِ وَأَسْأَلُكَ وَأَتَمَّ
التَّحِيَّةِ وَأَسْأَلُكَ اللَّهُمَّ
اجْعَلْ نَبِيَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَقْرَبَ
النَّبِيِّينَ وَأَسْتَقِنَا مِنْ كَأْسِهِ
وَأَسْأَلُكَ مِنْ شَفَاعَتِهِ وَلَجْعَلْنَا
مِنْ مُرْتَقَائِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ هَذَا الْخَرْمَ
الْعَهْدِ يَقْبُرَ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَأَسْأَلُكَ الْعَوْدَ إِلَيْهِ يَا ذَا الْجَلَالِ
وَالْإِكْرَامِ۔

ہمیں پھر ان کے پاس لوٹ کر آنے کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد اس کا سلام پہنچائے جس نے سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو اس کے لئے
یوں کہے :-

اے رسول اللہ آپ پر فلاں ابن فلاں

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

من فلان ابن فلان يستشفع
بك الى ربك فاستفح له
ولجميع المومنين۔

کی جانب سے سلام ہو وہ بارگاہ خداوندی
میں آپ کی شفاعت کا طالب ہے پس اس
کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔
پھر جدھر حضور کا چہرہ ہے اُس طرف قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو اور جو درود چاہے
پڑھے پھر ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے سامنے آجائے اور کہے:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ فِي
الْعَارِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَفِيقَهُ فِي الْأَسْفَارِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِينَهُ فِي الْأَسْرَارِ
جَزَاكَ اللَّهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَزَى إِمَامًا
عَنْ أُمَّةٍ نَبِيِّهِمْ وَلَقَدْ خَلَفْتَهُ
بِأَحْسَنِ خُلْفٍ وَسَلَّكَ طَرِيقَهُ
وَمِثْلَهُ خَيْرَ مَسْلَكٍ وَ
قَاتَلْتَ أَهْلَ الْبِرْدَةِ وَالْبِدْعِ
وَمَهَّدْتَ الْإِسْلَامَ وَوَصَلْتَ
الْأَرْحَامَ وَلَمْ تَزَلْ قَائِمًا
لِلْحَقِّ نَاصِرًا لَأَهْلِهِ حَتَّى
أَتَاكَ الْيَقِينُ السَّلَامُ عَلَيْكَ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اللَّهُمَّ
أُمَّتَنَا عَلَى حُبِّهِمْ وَلَا تُحِبِّبْ سَعِينًا
فِي زُرِّيَاتِهِ بِرَحْمَتِكَ يَا كَرِيمُ

اے خلیفہ رسول اللہ آپ پر سلام ہو اے غار
میں رسول اللہ کا ساتھ دینے والے آپ پر
سلام ہو اور حضور کے شریک سفر رہنے
والے آپ پر سلام ہو اسرار نبوت کے امین
آپ پر سلام ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف
سے بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کی
امت سے امام قوم کو پہنچی ہو آپ نے رسول اللہ
کی خلافت کا حق بہ طریق احسن ادا فرمایا آپ
نے ان کا طریقہ کار اور اٹھیں کا اسلوب
اختیار فرمایا، آپ نے مرتدوں اور باغیوں
سے جنگ کی، اسلام کو پھیلایا، رشتہ داروں
میں میل ملاپ کرایا اور ہمیشہ حق پر قائم
اور اہل حق کے معاون بنے یہاں تک کہ
امر ناگزیر آپ پر سلام ہو اور اللہ کی
رحمت اور برکتیں نازل ہوں اے اللہ ان
کی محبت میں ہمیں موت آئے اے کریم ان کی
زیارت کی ہماری کوششوں کو رائیگاں نہ فرما۔

اس کے بعد وہاں سے ہاتھ بھرہٹ کر حضرت رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف آنا چاہئے وہاں پر یوں

کہنا چاہئے:

اے امیر المؤمنین آپ پر سلام ہو۔ اے
اسلام کے پشت پناہ آپ پر سلام ہو اے
بتوں کے توڑنے والے آپ پر سلام ہو۔
اللہ آپ کو ہماری طرف سے سب سے بہتر
اجر عطا فرمائے اور اس سے راضی ہو جس
نے آپ کو خلیفہ بنایا۔ بلاشبہ آپ نے
اسلام اور مسلمانوں کی حیا و موت میں حیات
کی، آپ نے یتیموں کی خبر گیری فرمائی باہمی
تعلقات کو جوڑے رکھا، آپ کے ذریعے
اسلام کو تقویت حاصل ہوئی آپ مسلمانوں
کے محبوب امام اور ہدایت یافتہ راہنما
تھے، آپ نے مسلمانوں کے انتشار کو دور
فرمایا ان میں جو نادار تھے انھیں غنی کر دیا
ان کی خستہ حالی کا علاج کیا آپ پر سلام
ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں
نازل ہوں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظَهِّرَ الْإِسْلَامِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكْسِرَ الْأَصْنَامِ
حِزَابِكَ اللَّهُ عَنَّا أَفْضَلَ الْجَزَائِرِ
وَرَضِيَ اللَّهُ عَنِّي اسْتَخْلَفَكَ
فَقَدْ لَصُرْتِ الْإِسْلَامِ
وَالْمُسْلِمِينَ حَيًّا وَمَيِّتًا فَكَلَّمْتَ
الْأَيْتَامَ وَوَصَلْتَ الْأَرْحَامَ
وَقَوَّيْتَ بِكَ الْإِسْلَامَ وَكُنْتَ
بِلِسَانِ الْمُسْلِمِينَ إِمَامًا مَرْضِيًّا وَ
هَادِيًّا مَهْدِيًّا جَمَعْتَ مِنْ
سَائِلِهِمْ وَاعْتَبْتَ فَقِيرَهُمْ
وَحَبَّرْتَ كَسْرَهُمْ السَّلَامُ
عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ۔

اس کے بعد پہلے کی طرح حضور کے سر ہانے کھڑے ہو کر اللہ سے یوں دُعا مانگیے:

اے اللہ تو نے ارشاد فرمایا ہے اور توحی بات
ہی فرماتا ہے کہ اگر اپنے نفس پر ظلم کرنے والے
(گناہگار) تمہارے (رسول کے) پاس آئیں
اور اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی

اللَّهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلِكَ
الْحَقُّ وَلَوْ أَنَّهُمْ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

نَوْجِدَ وَاللَّهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا ه
 وَقَدْ جِئْنَاكَ سَامِعِينَ قَوْلِكَ
 طَالِعِينَ أَمْرَكَ مُسْتَشْفِعِينَ نَبِيَّكَ
 رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
 الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
 وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا
 لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ
 رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ رَبَّنَا إِنَّا
 فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي
 الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ
 النَّارِ سُبْحَانَ رَبِّكَ
 رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
 وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ -

ان کے لئے اللہ سے مغفرت مانگیں تو وہ
 دیکھیں گے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور
 رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ ہم تیرے
 قول کو غور سے سنتے ہوئے تیرے حکم کو ماننے
 ہوئے تیرے نبی کو شفیع بناتے ہوئے حاضر
 ہوئے ہیں اے ہمارے پروردگار ہماری
 اور ہمارے بھائیوں کی جو ہم سے پہلے
 ایمان لائے مغفرت فرما اور ہمارے دل
 میں ایمان والوں کے لئے خلوص پیدا کر
 اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحم
 کرنے والا ہے، اے رب ہمیں دنیا اور
 آخرت میں خیر (بھلائی) عطا فرما اور دونوں
 کے عذاب سے بچالے، تیری ذات پاک ہے
 تو ہر کجی اور خامی سے مبرا ہے جو لوگ تیری
 طرف منسوب کرتے ہیں سب رسولوں پر
 سلام ہو، تعریفیں اسی کو شایان ہیں جو
 تمام دنیا کا پالنے والا ہے۔

پھر ستون حضرت ابولبابہؓ کے پاس آئے اور مقام روضہ پر آئے اور منبر کے پاس آکر
 رمانہ پر ہاتھ رکھے، پھر ستون حنانہ پر آئے ان سب جگہوں پر نماز پڑھنا تسبیح و ثنا اور
 درود پڑھنا اور دعا کرنا چاہیے پھر جنت البقیع میں صحابہ اور تابعین اور اہل بیت المؤمنین
 کی قبروں کی زیارت کرے، شہدائے بدر واحد کے مزاروں پر حاضر ہو اور کہے :

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
 فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ سَلَامٌ
 اے اہل قبور وہ صبر و استقامت جس کا
 مظاہرہ تم نے کیا اس پر تمہیں سلام ہو

عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ
وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ
لَآ حِفْوَنَ۔

دارِ آخرت کیسی اچھی جگہ ہے ایمان والوں
کی اس اقامت گاہ پر سلام ہو ہم بھی
انتظار اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔

ہفتہ کے دن مسجد قبا پر آنا مستحب ہے اور یہ دُعا مانگنا چاہیے:

يَا صَرِيحَ الْمُسْتَضْرِحِينَ
وَيَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ
يَا مُفْرَجَ كَرْبِ الْمُكْرُوبِينَ
وَيَا مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّينَ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ
وَإِخْشِفْ كَرْبِي وَحُزْنِي
كَمَا كَشَفْتَ عَنْ رَسُولِكَ
كَرْبَهُ وَحُزْنَهُ فِي هَذَا
الْبَقْعَامِ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ
يَا كَثِيرَ الْبَعْرُونَ وَيَا دَائِمَ
الْإِحْسَانِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

لئے پکارنے والے کی پکار کو سننے والے
اے فریادوں کی فریاد رسی کرنے والے
اے بتلائے مصیبت کی دور کرنے والے
اے عاجزوں کی دُعا میں قبول کرنے
والے حضرت محمد اور ان کی آل پر رحمت
کاملہ نازل فرما اور میرے غم و الم کو
اس طرح دور فرما جس طرح تو نے اے
کریم، اے شفیق اور اے صاحب خیر کثیر
اور اے محسن بے زوال اور اے رحم
کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے
تو نے اپنے رسول کے حزن و تکلیف کو اس

جگہ دور فرمایا تھا۔

مستحب یہ ہے کہ جب تک مدینے میں رہے تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کی جائیں وہی
کے وقت دو رکعت نماز و دعا مسجد میں ادا کی جائے اور جو مراد ہو اس کے لئے دُعا کی جائے اور
پھر حضور کی قبر مبارک پر آکر دُعا کی جائے، اللہ دُعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

أَضْحِيَّةَ كَابِيَانٍ لِعِثَى قَرْبَانِي كَا
أَضْحِيَّةَ أُسْ جُوْبَانِي كُو كِتْتِي هِي جُو أَيَامِ نَحْرِ مِي بَعْضِ حَصُولِ
ثَوَابِ ذَبْحِ يَانْحَرِ كِيَا جَانِي۔

قربانی کا حکم ۱۰ ہجری میں ہوا، اسی سال عید میں مال کی زکوٰۃ اور
صدقہ فطر بھی مشروع ہوا، قرآن حدیث اور اجماع سے اس کا شرعی حکم ہونا

ثابت ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (اپنے پروردگار کی نماز پڑھ اور قربانی کر) سورہ کوثر میں ہے۔
 اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی عنہ سے روایت ہے،

ضحی النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم بلبشین املحین
 اقرنین ذبحہما بیدہ
 وسعی وکبر ووضیع رجلہ
 علی صفا جہباً۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے املح
 (سفید رنگ کے) اور اقرن (اوسط درجے
 کے سینگوں والے) اپنے ہاتھ سے ذبح کئے
 اللہ کا نام لے کر نجیر کہہ کر اور اپنا پاؤں
 ان کے پہلوؤں پر رکھ کر

اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، قربانی کرنا سنت ہو کدہ ہے اس لئے حنفی
 علماء واجب قرار دیتے ہیں، شافعی علماء اگر بھریں ایک آدمی کے لئے سنت عین کہتے ہیں۔

شرائط قربانی اس کے سنت ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قربانی کرنے والا
 صاحب مقدر ہو لہذا جو شخص عاجز ہے اُس کے لئے قربانی سنت نہیں

ہے، صاحب مقدر وہ ہے جو قربانی کی قیمت دے سکتا ہو اور اس کی آمدنی اتنی ہو کہ ایک
 مہینہ کا خرچ نکل آئے۔ قربانی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور عیب سے خالی ہو،
 یعنی کانا یا اندھا اور ایسا لنگڑا نہ ہو جو قربانی کی جگہ تک نہ جاسکے، کان کٹا ہو، نہ ہو، دم کٹی ہوئی
 نہ ہو، ایک تہائی سے زیادہ چکنی غائب نہ ہو۔ دانت سارے شکستہ نہ ہوں۔ بوجے جالور کی
 قربانی اور ایسے جانور کی قربانی جس کے تھن کا سر کٹا ہوا ہو صحیح نہیں ہے۔ جمار یعنی جس جانور
 کے سینگ قدرتی طور پر نہ ہوں اور عظام روہ جانور جس کا سینگ کسی قدر ٹوٹ گیا ہو جڑ سے نہ ٹوٹا
 ہو تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ بھیر بکری کی جو سال بھر سے کم ہو قربانی درست نہیں ہے
 البتہ بھیر اگر بھاری جسم کی فریہ ہو اور چھ ماہ کی ہو کر ایک سال والوں سے کم نظر نہ آتی ہو اُس
 کی قربانی جائز ہے لیکن بکری جب تک دوسرے سال میں نہ لگ جائے اُس کی قربانی جائز
 نہیں ہے، گائے اور بھینس دو سال سے کم عمر کی اور اونٹ پانچ سال سے کم عمر کا چھوٹی عمر کے
 جانور ہیں، ان کی قربانی درست نہیں ہے، جب تک گائے بھینس تیسرے سال میں اور اونٹ
 چھٹے سال میں نہ لگ جائے اُنھیں قربانی کے جانوروں میں شامل نہ کیا جائے، بھیر اور بکری

کی قربانی صرف ایک شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے لیکن اونٹ اور گائے میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی قیمت میں ہر ایک کا حصہ ساتواں ہو اگر کسی نے ساتویں حصے سے کم دیا تو قربانی جائز نہ ہوگی۔

قربانی صحیح ہونے کی ایک شرط قربانی کا مقررہ اوقات میں ہونا ہے، قربانی کا وقت یوم نحر (جس کو عید کا دن کہتے ہیں) کے طلوع فجر کے بعد سے ہوتا ہے، اور تیسرا دن ختم ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، شہر میں رہنے والوں کو نماز عید کے بعد قربانی کرنا چاہیے اور افضل یہ ہے کہ خطیہ عید کے بعد ہو اگر عید کی نماز اُس آبادی میں نہ ہوتی ہو تو قربانی میں اتنی دیر کرنا چاہیے کہ نماز عید کا وقت ختم ہو جائے، نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال آفتاب تک ہے لہذا اس کے بعد ذبح کرنا چاہیے، البتہ دیہات کے لوگ یوم نحر کی صبح نمودار ہونے کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر عید کے دن کے متعلق غلط فہمی ہو جائے، لوگ نماز بھی پڑھیں اور قربانی بھی کر لیں پھر پتہ چلے کہ وہ عید کا دن نہیں عرفہ کا دن تھا تو نماز اور قربانی دونوں جائز متصور ہوں گی۔

اگر قربانی کے لئے جانور تولے لیا گیا لیکن اُسے ذبح نہیں کیا جاسکا یہاں تک کہ وقت نکل گیا تو چاہیے کہ اُس کو زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔

قربانی کرتے وقت بسم اللہ کہنا بسم اللہ کہنا ہر قسم کے ذبیحے کا گوشت حلال ہونے کی شرط ہے، تسمیہ قربانی کے جانور کو بلکہ ہر ذبیحہ کو ذبح کرتے وقت لازم ہے، اگر قصد ترک کیا گیا تو اس ذبیحے کا گوشت کھانا ممنوع ہے ہاں اگر بھولے سے ترک ہو گیا تو کھایا جاسکتا ہے لیکن اللہ کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرنا ذبیحہ کا کھانا حرام کر دیتا ہے۔

قربانی کے مستحبات اور مکروہات قربانی کا گوشت کھانا بچا کر رکھنا اور صدقہ کرنا مستحب ہے، افضل یہ ہے کہ ایک ہتھائی صدقہ کیا جائے، ایک ہتھائی اپنے لئے بچایا جائے باقی ایک ہتھائی رشتہ داروں اور احباب کے لئے نکالا جائے۔ نذر کی قربانی کا کھانا مطلقاً حرام ہے، وہ صدقہ کر دینا چاہیے جو بچہ قربانی

کے جانور سے قبل از ذبح پیدا ہو جائے اُس کا کھانا جائز نہیں اُسے قربانی کے ساتھ ہی صدقہ کر دیا جائے۔ اس قربانی کا گوشت کھانا بھی حرام ہے جو کسی میت کی طرف سے اُس کی وصیت کے مطابق کی جائے یہی حکم اس حال میں ہے جب پھلی قربانی کی قضا کے طور پر قربانی کی جائے یا حصہ لگایا جائے۔ اس صورت میں پورا گوشت صدقے میں دیدینا واجب ہے۔

قربانی کی کھال کا پینا یا ایسی شے سے تبادلہ کرنا مکروہ ہے جو خرچ ہو جانے والی ہو جیسے گوشت دودھ سرکہ وغیرہ لیکن ایسی اشیاء سے تبادلہ جلال ہے جو عرصے تک باقی رہے مثلاً: چھلنی یا ڈول یا مشکیزہ یا دسترخوان اس کھال کا بنا لیا جائے۔ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس کی اون اتارنا بھی مکروہ ہے اگر اتار لی گئی تو اُسے بھی صدقہ کر دینا چاہیے، کھال کی قیمت سے قصاب کو اجرت دینا بھی مکروہ ہے ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹانا سنت ہے، چھری تیز دھار والی ہوتی کہ ذبح کے وقت جانور کو بے ضرورت تکلیف نہ پہنچے پھر یہ آیت پڑھے —

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلذَّيْ قَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَ

مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١١٠﴾ اللَّهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ (انعام، ۸۰، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰)

میں سب سے کٹ کر اُس ذات کی طرف منہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اُس ذات کے ساتھ کسی کو شریک بنانے والوں میں سے نہیں ہوں میری نماز میرا حج اور ساری عبادتیں میری زندگی میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرماں برداروں میں ہوں اے اللہ یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ہی ہے)

یہ پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے چھری جانور کی گردن پر پھیر دے اور اچھی طرح سے ذبح کرے اور اس کے بعد یوں دعا کرے:

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ
مِنْ خَبِيئِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيلِكَ
إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ
اے اللہ اے میری طرف سے اسی طرح
قبول کر جس طرح تو نے اپنے حبیب حضرت
محمد اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ

وَالسَّلَامُ-

والسلام کی طرف سے قبول کیا تھا۔

اگر اونٹ گائے یا بیل ہے جس میں کئی آدمی شریک ہیں تو سب کا نام لے کر یوں کہے۔
تَقَبَّلْ مِنِّيْ وَصِيَّتَ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ۔ اگر کسی کو دعایا دینے ہو تو دل میں نیت
کرے اور بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳)

ذکات (جانور کی قربانی کا طریقہ) لفظ ذکات جو ذال سے لکھا جاتا ہے اس کے
معنی ہیں جانور کو جس کا گوشت کھانا مباح ہے

ذبح کرنا، نحر کرنا یا عقیر کرنا۔ نحر اونٹ کو نیزہ مار کر ذبح کرنے کو کہتے ہیں اور عقیر ہرن یا تیل
گائے وغیرہ جانور کو زخم لگا کر ذبح کرنے کو کہتے ہیں یہ عمل ایسے جانوروں پر کیا جاتا ہے جو
پالتونہ ہوں یا وہ بھیڑ بکری گائے بیل جو بدک کر بے قابو ہو جائے، تو اس پر تیر چلاتا اور خون
بہانا جائز ہے۔ خون کے بہنے سے اگر وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اسی طرح اگر
اونٹ بھاگ جائے اور اُسے پکڑا نہ جاسکے یا جانور کسی پر حملہ کرے اور وہ اپنی حفاظت کے
لئے اُس پر وار کر دے تو وہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ زخم کھا کر اور خون کے بہنے سے ہلاک
ہوا ہو اگر کوئی جانور کنویں میں گر گیا اور اُسے ذبح کرنا دشوار ہے لیکن تیر چلا کر زخمی کیا جاسکتا
ہے تب بھی اس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ زخم سے ہی مرا ہو۔ گائے کے بچہ پیدا ہوا اب اگر
کسی نے اُسے ذبح یا زخمی کر دیا تو وہ حلال ہوگا اور اگر نہ تو ذبح کیا اور نہ زخمی تو وہ بچہ حلال
نہیں ہوگا خواہ اس کی ماں کو حلال کر دیا جائے۔ گردن جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں
سے سینے کی ابتدا تک کسی جگہ بھی ذبح کیا جائے، بہ اہم طور کہ دونوں شہرگیں جنھیں دو جین
کہتے ہیں کٹ جائیں۔ اسی طرح نر خرہ یعنی سانس لینے کی نالی اور مری (کھانے پینے کی نالی)
بھی کٹ جانا چاہیے ان چاروں یعنی دو جین نر خرہ اور خوراک کی نالی میں سے تین کے کٹ
جانے سے فعل ذبح پورا ہو جاتا ہے بعض اصحاب کے نزدیک سانس اور خوراک کی دونوں
نالیوں اور ایک شہرگ کا کٹنا ضروری ہے۔

جب تک جانور کی جان نکل نہ جائے نہ اُس کا کلا جسم سے علیحدہ کیا جائے نہ کھال کھینچی
جائے بلکہ اُس کو پکڑے رہنا چاہیے۔ ذبح صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

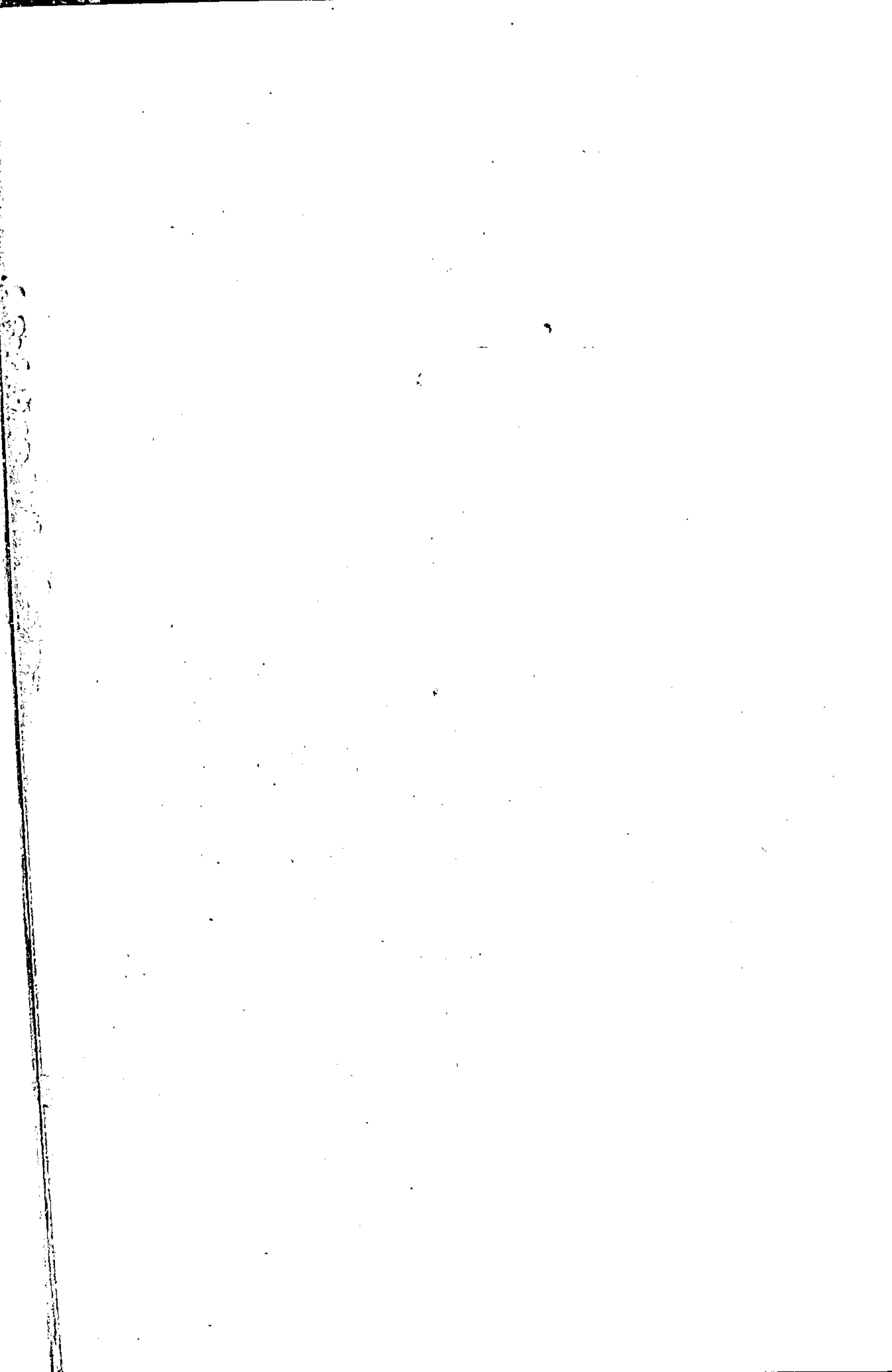
۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو تو ذبیحہ کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ وہ کتابی جو ذبح کے وقت مسیح کا نام لیتا ہے اُس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ بت پرست، مجوسی، (آتش پرست) اور مرتد کے ہاتھ کا ذبح کیا ہو جانور اور دروڑیوں کا ذبیحہ جو کسی الہامی کتاب کو نہیں مانتے حلال نہیں ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس جانور کا ذبح کیا جائے وہ علاقہ حرم کا شکار کردہ نہ ہو۔ علاقہ حرم کا شکار کیا ہو جانور ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ کہ تسمیہ میں خالص اللہ کا نام لیا گیا ہو اور قصداً ترک نہ کیا گیا ہو اور ذبح کرنے والے نے خود تسمیہ کیا ہو اور تسمیہ کہنے کے بعد اُس جگہ سے ہٹے بغیر وہیں جانور کو ذبح کیا گیا ہو۔ اللہ یا الرحمن سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے بھی تسمیہ ہو جاتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ اکبر کہئے اگر اللہ کا نام دُعا کے ساتھ لیا جیسے اللہم اغفر لی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

۴۔ کند چھری سے ذبح کرنا یا ایسی شے سے جو دقت سے کھال اور رگوں کو کاٹ سکے یا دانت یا ناخن سے ذبح کرنا حلال نہیں ہے۔

۵۔ اگر کسی بزرگ کے نام پر اُس کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کیا یا اُس کی بزرگی کے خیال سے نحر کینا تو وہ ذبیحہ نہ کھایا جائے کیونکہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جاتا ہے۔



معائنات

نکاح

رضاعت

طلاق

عَدَّت

وصیت و وراثت

اسلام کے معاشرتی احکام

اقوام و مملکت کی تہذیب اور ان کا تمدن معاشرے کے ذہنی اور عملی صلاحیتوں کا عکس ہوتا ہے۔ کسی ملک یا ملت کے تہذیب و تمدن کی برتری اور تفوق معاشرے کی صلاح اور پاکیزہ طرز زندگی پر موقوف ہے۔ بگڑا ہوا معاشرہ تہذیب و تمدن کے انحطاط کا سبب ہوتا ہے اور صالح معاشرہ پاکیزہ اخلاق و فضائل سے رغبت اور رذائل سے اجتناب کر کے بنتا ہے اور یہ صالح معاشرہ ہی قوم و ملت کو اوپر اٹھاتا، اعلیٰ تمدن اور بہترین تہذیب کی تشکیل کرتا ہے۔

اسلام کے معاشرتی احکام تمام تر اسی مقصد کے لئے ہیں کہ انسانوں میں انس و محبت کے فطری عوامل کو بروئے کار لایا جائے، دشمنی اور عداوت کے سوتوں کو بند کیا جائے، امن و سلامتی اور رحمت و شفقت کا ماحول پیدا کیا جائے، فسادات اور ظلم و استبداد کی بیخ کنی کی جائے، آقائی اور غلامی، اوپنچ اور نیچ کے تصورات کو یکسر مٹا دیا جائے۔ فروتنی اور خاکساری کو محمود اور کبر و نخوت کو مذموم قرار دیا جائے۔ آپس میں خیر خواہی کے جذبات کو ابھارا جائے، غیظ و غضب اور خود غرضی کے داعیات کو دبایا جائے۔ اسلام نے ہر فرد و ملت پر لازم کر لیا کہ جب ایک دوسرے سے ملے تو سلام کرنے میں سبقت کرے کیونکہ جذبہ خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لئے امن و سلامتی اور مضر توں سے محفوظ رہنے کی تمنا کرے۔ یہ جذبہ خیر سگالی اپنے ماں باپ اور اہل و عیال اور رشتہ داروں کے ساتھ اور زیادہ شدید ہوتا کہ ایسا مثالی

خاندان تشکیل پائے جس کی شیرازہ بندی محبت و مودت کے مضبوط بندھنوں سے کی گئی ہو، اسلام کی نظر میں خاندان کا نظام اور افراد خاندان کا باہمی تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا، اتنا ہی زیادہ پاکیزہ اور عمدہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ حسن معاشرت کے سلسلے میں شریعت اسلامی نے جو ہدایات دی ہیں ان کو عبادات کی طرح اجر و ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے، معاشرتی احکام میں اسلام ایک طرف خاندان سے باہر اہل وطن اور برادر ملت سے اخوت اور خیر خواہی کے رشتے کو مضبوط کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور دوسری طرف خاندان کے اندر تعلق کی استواری کے لئے قانون اور حقوق کا تعین کرتا ہے۔

سلام کو عام کرنے کا بیان

”سلام“ کے معنی سلامتی کے ہیں۔ کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو گویا وہ اس کو نقصان دہ چیز سے محفوظ رہنے کی دعا دیتا ہے۔ سلام کا طریقہ بنی نوع انسان کے درمیان امن کا اعلان اور ایک اسلامی معاہدہ ہے جس میں لوگ باہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک اپنے بھائی کی جان اور آبرو مال اور عزت پر ناحق دراندازی سے باز رہے گا، شرارتوں سے تحفظ، اور پاک انداز میں کو یقینی بنائے گا، رفاقت و محبت اور باہمی اعانت کا برتاؤ کرے گا۔ سلام کے ان ہی محاسن کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا ”اَئِیَّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ“ ”کون سی بات اسلام کی نظر میں اچھی ہے؟“ ارشاد ہوا۔

”تَطْعِمَ الطَّعَامَ وَتَقْسَأَ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ“ (بخاری مسلم)

”یعنی کھانا کھلایا کرو اور سلام کیا کرو جس سے تم واقف ہو اس کو بھی اور ناواقف کو بھی“

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

لَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَوَسَّلُوا، وَلَنْ تَوَسَّلُوا حَتَّى تَحَابُّوا، اِلَّا اَدْلَحُمَ

عَلٰی شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمْ تَحَابُّتُمْ، اَفْشَوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔ (مسلم)

ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے جب تک تم مومن نہ بن جاؤ، اور ایمان والے کبھی نہ بنو گے

جب تک باہم محبت نہ کرو۔ کیا تمہیں وہ بات نہ بتاؤں اگر اس پر عمل کرو تو باہم محبت

کرنے لگو گے وہ بات یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنا عام کر دو۔“

سلام میں پہل کرنا اور سلام کا جواب دینا سلام میں پہل کرنا عین سنت ہے ایک فرد کے لئے، اور اگر جماعت ہے تو سنت کفایہ ہے، یعنی اگر جماعت میں سے ایک آدمی نے سلام کر لیا تو سب کی طرف سے سلام کی سنت ادا ہو گئی، لیکن سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے سب کا سلام کرنا بہتر ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی سوار کی ملاقات بیابان میں پیدل چلنے والے سے ہو تو سوار پر لازم ہے کہ وہ سلام کرے تاکہ پیدل چلنے والا مطمئن ہو جائے۔

سلام کی ابتدا کرنے والا دو طرح سے سلام کے الفاظ ادا کر سکتا ہے، السلام علیکم اور سلام علیکم۔ پہلا طریقہ افضل اور مسنون ہے خواہ وہ ایک شخص ہو یا کئی ہوں، سلام کی ابتدا علیک السلام سے کرنا مکروہ ہے۔

سلام کا جواب دینا فرض عین ہے ایک فرد کے لئے۔ اور جماعت کے لئے فرض کفایہ ہے یعنی ایک کا جواب سب کی طرف سے کافی ہے۔ سلام کا جواب فوراً دینا چاہیے۔ تاخیر گناہ ہے۔ جواب اس طرح دیا جائے کہ سلام کرنے والا سن لے، اگر نہیں سنا تو فرض ادا نہیں ہوا، اگر بالفرض وہ بہرا ہے تو وہ اشارے یا لبوں کی جنبش سے سمجھ سکے گا تو اسی طرح جواب دینا چاہیے۔ سلام کے جواب میں سب سے بہتر یہ ہے کہ وعلیکم السلام کہا جائے۔ سنت یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو کلام سے پہلے سلام کرے اور اونچی آواز سے بولے۔ ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا سنت ہے، خالی گھر میں جہاں کوئی انسان نہ ہو وہاں بھی السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ کہنا چاہیے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو، سوار پیدل کو، کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو پہلے سلام کرے۔ جب کوئی شخص کسی کو سلام کہلا بھیجے تو اس پر سلام کا جواب دینا فرض ہو جاتا ہے۔ مستحب طریقہ یہ ہے کہ پیغام لانے والے سے ابتدا کی جائے یعنی وَعَلَیْكَ وَعَلِیْہِ السَّلَامُ کہنا چاہیے۔ خط میں سلام لکھا ہو تو اس کا جواب دینا واجب ہے۔

وہ صورتیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے مرد کسی جوان عورت کو تنہائی میں سلام کرے یا وہ عورت سلام کرے دونوں صورتیں ناجائز ہیں بخلاف محرم عورتوں کے جنہیں سلام کرنا سنت ہے۔ غسل خانے کے اندر سلام کرنا مکروہ ہے اور اس سلام کرنے والے کو اگر جواب نہ دیا جائے تو گناہ نہیں ہوگا۔ جو شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھ رہا ہو یا دینی مسائل بیان کر رہا ہو اذان یا تکبیر کہنے میں مصروف ہو یا جو خطبہ سن رہا ہو یا دعا عطا تقریر کر رہا ہو ان سب صورتوں میں سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا لازم نہیں۔ اگر کوئی شخص جماعت میں سے کسی خاص شخص کا نام لے کر سلام کرے تو اس پر جواب دینا فرض ہو جاتا ہے، جماعت میں سے کسی ایک شخص کے جواب سے فرض ساقط نہیں ہوگا۔ جو شخص درس دینے یا علم حاصل کرنے میں مصروف ہو اسے بھی سلام کرنا مکروہ ہے، یہی حکم تلبیہ پڑھنے والے اور سوتے ہوئے انسان کے بارے میں ہے جو شخص علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو یا شراب کے نشے میں اُسے سلام کرنا حرام ہے۔

بچوں کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے کہ انہیں سلام کیا جائے تاکہ وہ ادب سیکھیں۔

چھینکنے والے کو دعا دینے کا بیان تشمیت کے معنی نیکی اور برکت کے لئے دعا کرنے کے ہیں، اصطلاح میں یہ اُس دعا کہتے ہیں جب کسی

کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والا کہے یرحمک اللہ یعنی اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے، اس حکم کا مقصد بھی اپنے مسلمان بھائی سے دوستی و الفت کا اظہار ہے اور یہ مکارم اخلاق کی تلقین ہے جس کے لئے اسلام نے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ترغیب دی ہے۔

تشمیت بھی فرض کفایہ ہے اسی طرح جیسے سلام کا جواب دینا۔ فرض ہونے کی شرط یہ ہے کہ چھینکنے والے نے الحمد للہ یا الحمد للہ رب العالمین، یا الحمد للہ علی کل حال کہا ہو، اور یہ الفاظ سننے گئے ہوں۔ اگر نہیں سنے گئے تو تشمیت بھی واجب نہیں۔ اس دعا یعنی یرحمک اللہ کے جواب میں چھینکنے والے کو یہ کہنا فرض ہے یرحمکم اللہ لی و لکم (اللہ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے) یا یرحمکم اللہ ویصلح بآلکم (اللہ تمہاری ہدایت فرمائے اور تمہاری طبیعت ٹھیک رہے) اگر بار بار چھینک آئے تو پہلی دوسری اور تیسری بار کی چھینک میں یہ دعائیں کرنی چاہئیں اس سے زیادہ ہوں

تو یہ واجب نہیں ہیں۔

عورتوں کے متعلق مسائل وہی ہیں جو سلام کے ہیں، محرم عورتوں کو مردوں کی طرح دسا دی جاسکتی ہے اور عورتوں کو باہم اسی طرح تشمیت کرنا چاہیے۔

نکاح کا بیان

نکاح کے معنی نکاح کے معنی باہم ملنے کے ہیں۔ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے تناکحت الاشجار یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا یا آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ اس کا اطلاق بطور مجاز عقد نکاح پر ہوتا ہے۔ عقد نکاح ایک معاملہ ہے جس کے ذریعہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان تعلقات اور حقوق کی تعیین ہوتی ہے۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، اولاد کی تربیت اور ان سب کے باہمی روابط اور ان کے حدود، رحمت و شفقت، ہمدردی و یہی خواہی اور عائلی حقوق کی ادائیگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ ان خاندانی تعلقات کے قائم ہونے سے آدمی بے شرمی اور بے حیائی سے بچتا اور ظلم و زیادتی کرنے سے باز رہتا ہے۔ اسلامی شریعت نے جس جس رشتہ دار کے جو حقوق مقرر کئے ہیں انہیں ادا کر کے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

نکاح کا رشتہ ابتدائے آفرینش سے خاندان کے وجود اور اُس کے نشوونما کا مدار رشتہ نکاح پر ہے، نکاح کے ذریعے ہی رشتہ داریاں ظہور میں آتی ہیں اور خاندان بنتا ہے، یہ نکاح کا رشتہ تعلقات کو اس درجہ مضبوط رکھتا ہے کہ ایک بار قائم ہو جانے کے بعد پھر قیامت تک نہیں ٹوٹتا۔ اسلام میں اس رشتے کی اتنی اہمیت و فضیلت ہے کہ اس کے صحیح طور پر قائم رکھنے اور اس کی ذمہ داریوں اور حقوق کے ادا کرنے کے عمل کو نفل عبادتوں کی مشغولیت سے افضل اور احسن قرار دیا گیا ہے:

ان الاشتغال بہ افضل من التخلی
لنوافل العبادات۔

اس میں مشغول ہونا نفل عبادتوں کی
مشغولیت سے افضل ہے

دُر مختار کتاب النکاح میں علمائے اسلام میں سے ایک عالم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

لیس لنا عبادة شرعت
من عهد ادم الى الان
ثم تستتر في الجنة
الا النکاح والايمان -

جو عبادتیں ہمارے لئے ضروری قرار دی
گئی ہیں ان میں نکاح اور ایمان کے علاوہ
کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو حضرت
آدم سے شروع ہوتی ہو اور جنت تک

ساتھ رہتی ہو۔

اسی تعلق کی بنا پر ایک مرد کسی کا باپ اور کسی کا بیٹا بنتا ہے۔ کسی کا دادا اور کسی کا پوتا ہوتا ہے، کسی کا ماموں کسی کا چچا اور کسی کا بھائی، کسی کا بہنوئی ہوتا ہے۔ اسی تعلق کے ذریعے ایک عورت کسی کی ماں کسی کی نانی یا دادی کسی کی پھوپھی یا چچی ہوتی ہے اور کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن بنتی ہے گو یا سارے تعلقات نکاح کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں، نکاح کے ذریعے ایک اجنبی اپنا اور ایک بیگانہ بیگانہ بن جاتا ہے، ان ہی تعلقات سے آدمی بزرگوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت و ہمدردی و غم گساری، عفت و پاکبازی، شرم و حیا، پاس و لحاظ اور الفت و محبت کرنا سیکھتا ہے، انہیں تعلقات سے خاندانی نظام کی صورت گری ہوتی ہے، اگر نکاح کے رشتہ کا تقدس ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر جو معاشرہ بنے گا تو اُس میں نہ ہمدردی و غم گساری ہوگی نہ عفت و پاکبازی نہ محبت و مودت اور نہ خوش خلقی اور خوش معاملگی بلکہ ان کی جگہ ظلم و زیادتی بے مہری و بے وفائی، بد خلقی و بد معاملگی، بے شرمی اور بے خیالی جیسی مذموم صفات پیدا ہوں گی اور پاکیزہ و اعلیٰ صفات کا معاشرہ وجود میں نہیں آسکے گا جو اسلام کو مطلوب ہے۔ قرآن میں اس رشتہ نکاح کو اور رشتہ دارانہ تعلقات کو قائم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا

رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِمُ وَالرَّحْمَةَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

(سورہ نسا - ۱)

رَقِيبًا

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اُس کا

جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو چھیلایا اُس خدا سے
 ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں کے
 حقوق کا پاس و لحاظ رکھو، بیشک اللہ تمہارا حال دیکھتا اور اُس پر نظر رکھتا ہے۔
 نبی علیہ السلام ان آیتوں کو خطبہ نکاح کے موقع پر تلاوت فرمایا کرتے تھے تاکہ رشتہ
 نکاح کی غرض اور اس سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ ذہن میں تازہ ہو جائے اور تعلقات
 کے رشتوں کو جوڑنے اُن کے حقوق ادا کرنے اور قطع رحمی سے پرہیز کرنے کے اوصاف ایک
 مومن میں پیدا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں جو انسان کو عطا فرمائی ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا (سورہ روم، ۲۱)

یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔
 دوسری جگہ سورہ نحل میں ارشاد ہے:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَيْنًا وَحَقَدًا (سورہ نحل، ۷۲)

خدا ہی ہے جس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور ان سے تمہارے لڑکے اور پوتے بنائے
 ایک جنس سے پیدا کر کے الفت و محبت دلوں میں ڈال دی جو اللہ کی نعمت ہے اور نکاح کی بنیاد ہے
 بعض مذاہب روحانی ترقی کے لئے تاجر کی زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں لیکن قرآن
 نے ہمیں بتایا ہے کہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بلند تر لوگ انبیاء و رسل ہیں مگر خدا نے انہیں بھی
 یہ تعلق قائم رکھنے کی ہدایت دی "وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً"
 (تم سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کی بیویاں بھی بنتیں اور بچے بھی) پھر مسلمانوں کو یہ دُعا
 سکھائی گئی "أَرْبَابَنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّةً تَقَرُّوا بِهَا" اے اللہ ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی
 اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور اصل نکاح آدمی کو رشد و صلاح عصمت و عفت اور
 بنی نوع انساں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی جانب لے جاتا ہے علمائے فقہ نے لکھا ہے:

لما فيه تهذيب الاخلاق وتوسعة الباطن بالتحمل في معاشرته ابناء
 النوع وقربية الولد والنفقة على الاقارب والمستضعفين واعفان

الحرم ونفسه و دفع الفتنة عنه وعنهن ۛ

رشتہ نکاح سے اخلاق میں درستی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اور اپنے اہل و عیال کا بوجھ برداشت کر کے اولاد کی تربیت کر کے اپنے رشتہ داروں اور کمزوروں پر مال خرچ کر کے اپنی بیوی اور اپنی ذات کو پاکبازی اور عفت کے ساتھ ہر قسم کے فتنے فساد سے محفوظ رکھ کے اس کے باطن میں وسعت اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

راہبانہ زندگی اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا ہے۔
”النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی“ (نکاح میری سنت ہے جو شخص اس سے منہ موڑتا اور میرے طریقے سے روگردانی کرتا ہے اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں)۔
میاں بیوی کا تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی پاکیزہ خاندان وجود میں آئے گا اور ویسا ہی پاکیزہ معاشرہ بنے گا جو ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد ہے۔

اسلام نے اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں سے ان رشتوں کو خوش گوار اور مضبوط بنانے پر زور دیا ہے۔ حدیث میں ہے ”خیرکم خیرکم لاهلہ“ تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اہل خانہ کے ساتھ بہتر ہے۔

نکاح کی فقہی تعریف فقہائے احناف نے نکاح کو ایسا معاملہ (معاہدہ) کہا ہے جو اس ارادے سے کیا جائے کہ ایک مرد ایک عورت کی ملک متعہ کا مالک ہو جائے، ملک متعہ کے معنی ایک خاص شخص کا بلا شرکت غیرے ایک عورت کے جسم سے انتفاع کا مالک ہونا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ قدرتی طور پر وہ اُس کا حقیقی مالک ہو جائے کیونکہ آزاد خاتون کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف وہی شخص اُس سے متمتع ہونے کا حق رکھتا ہے۔ تمتع کا حق خرید و فروخت جیسا حق نہیں ہے۔ پھر یہ معاہدہ گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے اور جس امر پر معاہدہ ہوتا ہے وہ حق امتناع ہے (یعنی خود مستفید ہونا نفع کمانا نہیں) اگر پڑھی لکھی بیوی کسی تعلیمی ادارے میں کام کر کے یا وزارت کے عہدے پر فائز ہو کر اُس کا معاوضہ کماتی ہے تو وہ تمام و کمال اُس کا اپنا مال ہے، اُس کے شوہر کا اس میں کوئی حصہ نہیں، نہ نکاح سے اُس کا کوئی تعلق ہے۔ نکاح کا مقصد مرد اور عورت دونوں کو پاکبازانہ زندگی گزارنا اور

عصمت و عفت کی حفاظت کرنا ہے، نکاح کے ذریعے اسی تحفظ کی ضمانت لی جاتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے بار بار اس کی تاکید کی ہے "محصنین غَيْرَ مُسَافِحِينَ" اور "مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ" حصن قلعہ کو کہتے ہیں یعنی حفاظت کی جگہ اور سفح کے معنی بہانے یعنی ضائع کرنے کے ہیں، محسنین اور محصنات عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والے یا حفاظت کرنے والیاں ہیں اور مسافحین اور مسافحات عزت و آبرو کو ضائع کرنے والے یا ضائع کرنے والیاں ہیں۔ اسلامی شریعت مرد کو صرف اسی عورت سے استمتاع کی اجازت دیتی ہے جو اُس کے لئے حلال بنا دی گئی ہو اسی طرح عورت کو بھی اسی مرد پر اکتفا کرنے کا حکم ہے جس نے اس کو اپنے لئے حلال بنا لیا ہو۔ مرد کو یہ تاکید ہے کہ بیوی کو پاکباز رکھنے کی اور اس کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور عورت کو تاکید ہے کہ مرد کی خواہش پوری کرنے کے لئے اُس کے جائز حکم کی اطاعت کرے۔

عقد نکاح میں شرعی طور پر ایجاب و قبول ضروری ہے اور یہ کہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہو۔ عقد مدنیہ (سول میرج) یا مقررہ عرصے کے لئے اجارہ کے طور پر یا اسی طرح کا خلاف شرع عقد کرنا سب زنا ہے "اور یہ جرم قابل سزا ہے"

نکاح کی شرعی حیثیت شریعت اسلامی کے فقہاء نے نکاح پر پانچوں قسم کے احکام شرعیہ عائد ہونے کی صراحت کی ہے یعنی (۱) واجب (۲) سنت (۳) مستحب یا مباح (۴) مکروہ اور (۵) حرام۔ اس بات میں سب فقہاء متفق ہیں کہ وہ شخص جو نکاح کرنے کا خواہش مند ہو اور اُسے اندیشہ ہو کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہو جائے گا اسے نکاح کر لینا واجب ہے بشرطیکہ اُسے مہر کی ادائیگی اور رزق حلال حاصل کرنے کی قدرت ہو۔ لیکن اگر نہ کر سکتا ہو اور خود کو گناہ سے باز رکھنے کے لئے دوسرے گناہ یعنی حرام کی کمانی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہو تو شادی کرنا واجب نہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر ایک شخص حلال روزی سے عاجز ہے تو شادی نہ کرے اور اُسے روایے کہ گناہ کر لے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اپنے نفس اور خواہش نفسانی سے جنگ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کو سزا بخش کرے اور ایسی

شادی سے بچے جس کی وجہ سے دوسروں کا استحصال اور ان پر ظلم کرنا پڑے۔

وَلَيْسَتَعْتَفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
(نور-۳۳)

جو لوگ نکاح نہ کر سکیں انھیں چاہیے کہ خود کو گناہوں سے بچائے رکھیں یہاں تک اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے۔

البتہ اگر کسی کے لئے یہ ممکن ہو کہ مہر ادا کرنے اور رزق حلال کمانے کے لئے قرض لے سکتا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ بغیر نکاح کے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو اس پر نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ نکاح اس صورت میں سنت مؤکدہ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو لیکن یہ خواہش معتدل ہو اتنی شدید نہ ہو کہ گناہ کے ارتکاب کا خوف ہو۔ ایسی حالت میں اگر شادی نہ کی جائے تو گناہ ہو گا لیکن ترک واجب سے کم، تاہم یہ شرط بہر حال ضروری ہے کہ حلال مال سے گھر چلائے۔ مہر ادا کرنے اور فریضہ زوجیت بجالانے کی قدرت رکھتا ہو، اگر ان میں کوئی شرط پوری کرنے سے عاجز ہو تو نکاح کرنا نہ واجب ہو گا نہ سنت۔

اگر نکاح اس نیت سے کیا جائے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے نفس کو گناہ سے بچائے تو یہ کارِ ثواب ہو گا، ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ مقدور والے آدمی کو نکاح کرنا نقلی نمازوں سے افضل ہے کیونکہ یہ اپنے نفس اور اپنی بیوی کے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور حصول اولاد کا ذریعہ ہے جس سے امت محمدی کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ کہ نکاح تعمیر معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

نکاح اس شخص کے لئے مباح ہے جسے نکاح کی خواہش نہ ہو جیسے عمر رسیدہ شخص اور وہ جو قوت مردی سے محروم ہو بشرطیکہ یہ نکاح بیوی کے اخلاق پر برا اثر ڈالنے والا نہ ہو بلکہ اس کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے ہو لیکن اگر نکاح فتنے کا سبب بن سکتا ہو تو ایسے لوگوں کے لئے شادی کرنا حرام ہے۔ عورت کے لئے ایسے مرد سے نکاح حرام ہے جس کی کمائی حرام کی ہو۔ اگر ایک عورت کسی بدکار شخص سے اپنی عزت کے بارے میں ڈرتی ہو کہ بغیر شادی کے وہ اس کو شرارت سے باز نہیں رکھ سکتی تو اس پر واجب ہو گا کہ وہ کسی سے نکاح کر لے۔

ایسے شخص کے لئے شادی کرنا مکروہ ہے جو نکاح کا خواہشمند نہ ہو اور اسے ڈر ہو کہ وہ شادی کے بعض مطالبات پورے نہ کر سکے گا اور شادی اسے کارِ ثواب کی انجام دہی میں مانع

ہوگی۔ اس میں خواہ مرد ہو یا عورت اور اولاد کی آرزو ہو یا نہ ہو۔ شادی مکروہ ہے۔

نکاح کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، نکاح کے رشتہ میں بندھنے کا مقصد ان حدود کے اندر پابند رہنا ہے جن سے تجاوز یا تقصیر دونوں اس رشتے کے تقدس کو ضائع کر دیتے ہیں اگر اس مقصد کی تکمیل نہ ہو رہی ہو تو پھر اس رشتے کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

۱۔ عفت و عصمت کی حفاظت: نکاح کا اولین مقصد اس عفت و عصمت کی حفاظت کرنا ہے جو ہر مرد و عورت کی فطرت میں ودیعت ہے، اسی کی حفاظت کے لئے اسلام نے زنا اور ترغیبات زنا مثلاً بے پردگی، بدنگاہی، بے حجابانہ ہنسی دل لگی اور بے شرمی کی گفتگو اور اجنبی عورتوں مردوں کے اختلاط کو حرام قرار دیا ہے، مرد و عورت دونوں کو پابند کیا ہے کہ ایک ایسے ضابطے کے ذریعے اپنے فطری تعلق کو قائم کریں کہ ان کی عصمت و عفت مجروح ہونے کے بجائے محفوظ اور مامون ہو جائے۔ سورہ نسا کی حسب ذیل آیتوں میں یہی حکم ہے:

أَجَلٌ لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (نسا۔ ۲۴)

فَأَنْكِحُوا ذُرِّيَّتَكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ (نسا۔ ۲۵)

ان عورتوں کے علاوہ (جن سے نکاح حرام ہے) تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم مہر دے کر انہیں قید نکاح میں لاؤ۔ آبرو ضائع کرنے والے نہ ہو۔

تم ان کے ذمہ داروں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور ان کے مہر دستور کے مطابق ادا

کرو تاکہ وہ قید نکاح میں رہیں اور نہ عصمت لٹائیں اور نہ چوری چھپے کسی سے ناجائز تعلق جوڑیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان لڑکے کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ
مِنْكُمْ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ
أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ
وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ
فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔

اے نوجوانو! تم میں جو نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے اس لئے کہ اس سے نگاہیں نیچی اور شرمگاہیں محفوظ رہیں گی اور جنہیں اتنی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھا کریں کہ اس سے خواہش نفسانی دبی رہتی ہے۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصود عصمت و عفت کی حفاظت بد نگاہی اور بد کاری سے بچنا ہے اور نکاح کی ضرورت اسی لئے ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

۲۔ الفت و محبت: نکاح کی دوسری غرض طرفین میں خواہش نفسانی سے ہٹ کر محبت و مودت، ہمدردی و غمگساری کے جذبات پیدا کرنا ہے تاکہ دونوں کو سکون و راحت یسر ہو کیونکہ نکاح کا تعلق محبت کا رشتہ ہے جس سے دونوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے اور دونوں اس محبت کا حق ادا کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس الفت کو اپنی نشانی قرار دیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً

(سورہ روم - ۲۱)

وَأَرْحَمَةً

اُس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان الفت و محبت پیدا کر دی ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (اعراف - ۱۸۹)

وہی ذات ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کر سکے۔

لفظ مودت ہر طرح کی محبت و الفت کے لئے اور رحمت ہر طرح کی ہمدردی بہر بانی اور غمگساری کے لئے بولا جاتا ہے اور لفظ سکون ہر طرح کے سکون کے لئے خواہ وہ جنسی ہو یا ذہنی و قلبی استعمال ہوتا ہے، اب دیکھئے کہ زوجیت کا حقیقی تصور قرآن نے ان تین لفظوں میں پیش کیا ہے، دوسری جگہ اسی تعلق کو لباس کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

(سورہ بقرہ ۱۸)

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ

وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو

لباس کے مفہوم پر غور کیجئے، لباس جسم کو چھپاتا ہے، اُس کو زینت دیتا ہے، اُس کی عزت و خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے، جسم کو ہر مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب زوجین کا تعلق لباس جسم کی طرح کا ہے تو لازمی تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیئے، ایک

دوسرے کی زینت و آرائش ہونا چاہیے، اُن میں ایسا ہی اتصال ہونا چاہیے جو لباس اور جسم کے درمیان ہوتا ہے ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و مضرت کا احساس اور راحت و آرام پہنچانے کا خیال ہونا چاہیے۔

۳۔ حدود اللہ کا قیام: نکاح کی تیسری غرض یہ ہے کہ یہ رشتہ خدا کے مقررہ کردہ حدود کو قائم کرنے کا سبب ہو نہ کہ اُن کو توڑنے کا، چنانچہ جہاں نکاح کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ تاکید بھی کی گئی ہے:

أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ (بقرہ - ۲۳۰)

کہ دونوں اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو قائم رکھیں۔

نکاح و طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے:

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (بقرہ - ۲۲۹)

جو لوگ اللہ کے قائم کردہ حدود سے تجاوز کریں گے وہ ظالم ہیں:

اسی لئے مسلمانوں کو کافروں سے شادی کرنا حرام قرار دیا گیا کیونکہ کافروں سے حدود الہی قائم رکھنے کی توقع نہیں کی جاسکتی، چنانچہ مشرک اور مشرکہ سے نکاح کو حرام ٹھہراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ تم کو بھلے لگیں جب بھی اُن سے نکاح نہ کرو کیونکہ:

أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ (سورہ بقرہ - ۲۲۱)

وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے ذریعے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے۔

غرض یہ کہ اسلامی قانون نکاح افراد میں عفت و پاکبازی، الفت و محبت، ہمدردی و نگہداری، خدا کے عائد کردہ حدود و قیود کی پابندی اور بندوں کے حقوق کی پاسداری جیسے صفات پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکے۔

نکاح کے ارکان نکاح کے دور کن ہیں جن کے بغیر نکاح کی تکمیل نہیں ہو سکتی: ایک ایجاب، دوسرا قبول۔ یعنی کسی بالغ عورت یا اُس کے ولی نے بالغ

مرد سے یا کسی بالغ مرد نے بالغ عورت یا اُس کے ولی سے دوگواہوں کی موجودگی میں براہِ راست

یا وکیل کے ذریعے کہا کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں اور دوسرے نے اُسے منظور کر لیا تو دونوں میں رشتہ نکاح قائم ہو گیا۔ عقد نکاح سے مراد ایجاب و قبول یعنی قول و قرار ہے۔ پھر اس ایجاب و قبول کا باہم مربوط ہونا ایک مزید امر ہے جو ضروری ہے گویا عقد شرعی تین چیزوں پر منحصر ہے جن میں سے دو حتمی ہیں یعنی ایجاب و قبول اور تیسری معنوی ہے یعنی ایجاب کا ربط قبول کے ساتھ۔ ان کے علاوہ دوسرے امور جن پر شرعاً صحت نکاح کا انحصار ہے وہ امور عقد کی ماہیت سے باہر ہیں اور شرائط نکاح ہیں۔ اُس کے ارکان (یعنی اجزائے لازم) نہیں ہیں۔

نکاح کی شرطوں کا بیان نکاح کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق صیغہ (ایجاب و قبول کے الفاظ) سے ہے، بعض کا تعلق عاقدین (فریقین نکاح) اور بعض کا تعلق گواہی سے ہے۔

صیغہ (یعنی ایجاب و قبول) وہ الفاظ جن سے عقد نکاح ہوتا ہے دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) صریح جو مصدر انکاح یا تزویج سے مشتق ہوں مثلاً

زَوَّجْتُ يَا تَزَوَّجْتُ (زوجیت میں دیا یا زوجیت میں لیا) یا نکاح کرنے والے مرد نے عورت سے کہا "زَوَّجْتِنِي نَفْسِكَ" (تم اپنے آپ کو میری زوجیت میں دے دو) اور جواب میں زَوَّجْتُ يَا قَبِلْتُ يَا سَبْعًا وَطَاعَةً (میں نے زوجیت میں دیا۔ یا قبول کر لیا۔ یا سنا اور تسلیم کر لیا) کہا جائے۔

(۲) کنایہ کے الفاظ جن سے نکاح کا ارادہ ظاہر ہو اور گواہ بھی یہ مقصد سمجھتے ہوں مثلاً عورت کہے کہ میں اپنا نفس تمہیں ہبہ کرتی ہوں مراد اس کی زوجیت میں دینا ہو اور مرد کہے کہ میں نے قبول کیا۔ یا یوں کہے کہ میں نے اپنے نفس کا مالک تمہیں بنا دیا، یا لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی ایک ہزار روپے (یعنی مہر) میں تمہیں دی اور مرد نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو ان سب صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ الفاظ نکاح صیغہ ماضی میں کہے جانا چاہئیں۔ عقد نکاح صیغہ مضارع کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس سے نکاح کرنا مراد ہو نہ کہ نکاح کا وعدہ لینا مثلاً کسی نے کہا: آپ اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دیدیں اور مخاطب نے جواب میں کہا کہ میں نے زوجیت میں دے دیا تو نکاح ہو گیا لیکن اگر مقصد وعدہ لینا تھا تو نکاح صحیح

تہ ہوگا، اگر کسی شخص نے بصیغہ مضارع کہا کہ میں تم سے شادی کرتا ہوں اور اس نے جواباً کہا کہ تم نے کر لی تو بلاشبہ درست ہے۔ صیغہ استقبال میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک وہ الفاظ استعمال نہ ہوں جو مصدر النکاح یا تزویج سے مشتق ہیں نکاح درست نہیں لیکن امام مالک کے نزدیک لفظ ہبہ سے نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ مہر کا ذکر کر دیا جائے مثلاً بڑ کی کا ولی کہنے کہ میں اپنی بیٹی کو اتنے مہر کے عوض تمہیں ہبہ کرتا ہوں یا کوئی شخص کہے کہ آپ اپنی بیٹی اتنے مہر کے عوض مجھے ہبہ کر دیجئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

ایجاب و قبول کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ایک ہی نشست میں ہو ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں لازم ہونے سے یہ نکلتا ہے کہ اگر مرد و عورت جانور پر سوار ہوں اور جانور چل رہا ہے اور سوار ہونے کی حالت میں عقد نکاح کریں تو یہ نکاح درست نہ ہوگا، ہوائی جہاز اور موٹر بھی اسی حکم میں آتے ہیں کیونکہ ہر لمحہ جگہ بدل جاتی ہے اس کو ایک مجلس قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ اگر کسی شخص نے ایک عورت کے پاس جو دوسرے شہر میں ہے تحریر بھیجی جس میں اُس سے عقد کی درخواست تھی، اب اگر عورت نے اُس تحریر کو گواہوں کی موجودگی میں پڑھا اور کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اُس کی زوجیت میں دے دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوا یعنی وہ تحریر بطور ایجاب ہے اور اُسے پڑھ کر قبولیت کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ ہاں اگر یہ تو کہا کہ میں فلاں شخص کی زوجیت قبول کرتی ہوں لیکن تحریر کو گواہوں کے سامنے نہیں پڑھی تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ صحت نکاح کے لئے گواہوں کا تحریر سننا شرط ہے۔ تحریر بھیجنے والا اگر موجود ہے اور مجلس عقد میں آنا ممکن ہے تو بذریعہ تحریر نکاح درست نہ ہوگا۔

تیسری شرط ایجاب و قبول کے لئے یہ ہے کہ دونوں باتیں مختلف نہ ہوں، چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ ایک ہزار روپے مہر پر کرتا ہوں جو اب میں اُس نے کہا کہ نکاح مجھے قبول ہے لیکن مہر اس قدر قبول نہیں ہے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا ہاں اگر نکاح قبول کر لیا اور مہر کا ذکر نہیں کیا تو منعقد ہو جائے گا کیونکہ اب اختلاف باقی نہیں رہا۔

چوتھی شرط ایجاب و قبول کے لئے یہ ہے کہ دونوں فریقین مجلس نکاح میں اُنھیں سن سکیں، یہ سننا

یا تو حقیقی معنوں میں ہو یا حکمی طور پر جیسے غیر موجود شخص کی تحریر جس کو پڑھ کر سنا جاسکتا ہے۔
پانچویں شرط یہ ہے کہ الفاظ ایجاب و قبول میں وقت متعین نہ کیا گیا ہو اگر ایسا کیا گیا تو
عقد باطل ہوگا، اس طرح کے وقتی نکاح کو متعہ کہتے ہیں۔

فریقین نکاح بیومی اور شوہر کے لئے ایک شرط صاحب عقل ہونا ہے لہذا کوئی مجنون شخص
یا بچہ جس میں عقل نہ ہو اگر عقد کرے تو منعقد نہ ہوگا۔

ایک شرط بالغ اور آزاد ہونا ہے۔ اگر کوئی سمجھدار لڑکا یا کسی کا غلام عقد کرے تو ہوجائے
گا لیکن اُس کا نفاذ لڑکے کے ولی یا غلام کے آقا کی اجازت کے بغیر نہ ہو سکے گا۔

ایک شرط یہ ہے کہ فریقین وہ ہوں جن کے آپس میں نکاح ہو سکے مثلاً غنثی جس کی جنس
کاتعین نہ ہو سکے یا وہ عورت جو ابھی عدت میں ہو یا کسی کے نکاح میں ہو ایسیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔
ایک شرط یہ ہے کہ فریقین معلوم شخصیتیں ہوں لہذا اگر کسی نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا
نکاح فلاں کے ساتھ کرتا ہوں اور اُس کی دو بیٹیاں ہیں تو یہ نکاح درست نہ ہوگا جب تک
بیٹی کا نام نہ لیا جائے۔ اگر کسی کی بیٹی کا نام بچپن میں کچھ رہا ہو اور بڑی ہو کر نام کچھ اور ہو گیا
ہو تو عقد کے وقت اُس کے مشہور نام کا ذکر کیا جائے بلکہ زیادہ صحیح ہے کہ دونوں نام بتائے
جائیں تاکہ ابہام نہ رہے۔

چونکہ نکاح میں مہر لازمی شرط ہے اس لئے ایجاب و قبول میں مہر کا ذکر ہونا چاہیے۔ شرط نمبر ۳
کے مطابق اگر ایجاب و قبول میں اختلاف ہوگا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

شہادت یعنی گواہوں کی موجودگی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شہادت عقد نکاح کے
صحیح ہونے کی ایک شرط ہے۔ گواہوں کی تعداد کم
سے کم دو ہو، دونوں کامرد ہونا ضروری ہے، ایک شخص کی گواہی سے نکاح درست نہ ہوگا، دو
عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح درست نہ ہوگا، دو عورتوں کے ساتھ ایک مرد کی گواہی ضروری
ہے، گواہوں کے لئے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ حالت احرام میں نہ ہوں بلکہ اس حالت میں
بھی گواہی درست ہے۔

گواہوں کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) آزاد ہونا (۴) مسلمان ہونا

(۵) زوجین کی بات کو سن سکنے کے قابل ہونا۔

گواہوں کا بادی النظر میں معتبر ہونا کافی ہے۔ اگر زوجین کے نزدیک دونوں گواہ بظاہر معتبر مشہور ہیں تو نکاح کے وقت ان کا گواہ بننا درست ہے۔

نکاح بذریعہ وکالت جس طرح بالغ مرد اور بالغ عورت خود دو گواہوں کے سامنے ایجاب قبول کر سکتے ہیں اسی طرح کسی وکیل یعنی نمائندے کے ذریعے بھی نکاح ہو سکتا ہے جبکہ بالغ مرد یا عورت نے خود اپنی زبان سے اجازت دی ہو یا نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے وکیل کو صراحتاً یہ اجازت دے کہ میری لڑکی یا بہن کا نکاح فلاں سے کر دو۔

ولی اگر کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لے اور وہ خاموش رہے یا رونے لگے تو اس کو اجازت سمجھ لیا جائے گا لیکن وکیل کو صراحتاً اجازت لینا ہوگی۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کی اجازت نکاح کے بارے میں صراحتاً ہونا ضروری ہے اس کی خاموشی کو رضا نہیں سمجھا جائے گا، اسی طرح بالغ لڑکے کو زبانی ایجاب و قبول لازم ہے اس کے خاموش رہنے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ نابالغ بچے کی طرف سے ولی ایجاب و قبول کر سکتا ہے **ولی کا بیان** نکاح کا ولی وہ ہے جس کی موجودگی پر نکاح کے صحیح ہونے کا انحصار ہو اس کے بغیر نکاح درست نہیں، ولی یا تو باپ ہو سکتا ہے یا جسے باپ وصیت کر دے یا عصبی قرابت دار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ولی بالکفالہ کا اضافہ کیا ہے یعنی وہ شخص جس نے کسی لڑکی کی پرورش کی ہو۔

ولیوں کی ترتیب لڑکے اور لڑکی کا ولی سب سے پہلے اس کا باپ ہے، اگر باپ نہ ہو تو دادیا پر دادا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر سگا بھائی ولی ہے، اگر سگا بھائی نہ ہو تو سوتیلہ بھائی جو اس کے باپ کا ہی لڑکا ہو اور یہ بھی نہ ہوں تو پھر بھتیجا۔ ان سب کا بالغ ہونا ضروری ہے، اگر بھائی بھتیجے نابالغ ہوں یا نہ ہوں تو پھر سگا چچا ولی ہوگا وہ نہ ہو تو سوتیلہ چچا اگر وہ بھی نہ ہوں تو سگے چچا کا لڑکا، پھر سوتیلے چچا کا لڑکا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر باپ کے سوتیلے چچا اور ان کے لڑکے قرابت قریبہ کے لحاظ سے علی الترتیب ولی ہوں گے، اگر مذکورہ لوگوں

میں سے کوئی نہ ہو تو پھر ماں ولی ہوگی اور ماں کی عدم موجودگی میں نانی پھر دادی پھر نانا پھر حقیقی بہن پھر سوتیلی بہن اس کے بعد ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی بہن پھر بھوپھی پھر ماموں پھر خالہ اور اس کے بعد بھوپتی زاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی علی الترتیب۔ ان میں سے ہر ایک (جو ولی بنے اُس) کو حق ہے کہ لڑکی کو شادی کر لینے پر مجبور کریں اور نابالغ لڑکے پر بھی یہی حق ہے لیکن لڑکے کے بالغ ہو جانے کے بعد انھیں ولی بننے کا حق نہیں ہے لیکن جنون زدہ مریض عورت کا ولی بننا درست ہے۔

ولی کی قسموں کا بیان ولی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولی مجبر جسے یہ حق ہے کہ اپنے زیر ولایت اشخاص میں کسی کا بھی نکاح اُس کی رضا اور اجازت

کے بغیر کر دے۔ دوسرا (۲) ولی غیر مجبر جسے یہ حق نہیں ہے لیکن اس کا ہونا لازمی ہے۔ وہ اپنے زیر ولایت اشخاص میں سے کسی کی شادی اُس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا۔

ولایت اجبار کے شرائط جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر باپ دادا کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی ان کا کیا ہوا

نکاح لڑکے اور لڑکی بالغ ہونے پر رد نہیں کر سکتے یعنی وہ اُسے ماننے پر مجبور ہیں لیکن اس کی چند شرطیں ہیں اگر وہ شرطیں ولی مجبر میں نہیں پائی گئیں تو بالغ ہونے کے بعد لڑکا یا لڑکی کئے ہوئے نکاح پر مجبور نہیں ہیں (۱) بے باک اور بے غیرت آدمی جسے گناہ کرنے میں کوئی باک نہ ہو۔ (۲) ایسا لالچی شخص جو لالچ میں آکر غلط جگہ شادی کر دے (۳) نشہ باز یا جنون کے مرض میں مبتلا جس کے ہوش و حواس درست نہ ہوں، ایسے اشخاص کو اگر ولایت کا حق پہنچتا بھی ہو تو ان کا کرایا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

ولایت اجبار کی وجہ باپ دادا چونکہ اپنے لڑکے اور لڑکی کے بدخواہ نہیں ہو سکتے اس لئے انھیں یہ اختیار شریعت نے دیا ہے لیکن جو شخص گناہ کرنے

میں جبری، لالچ میں مبتلا یا ہوش و حواس سے عاری ہو تو ایسا آدمی خود اپنا ہی خیر خواہ نہیں ہے پھر اپنے لڑکوں کا خیر خواہ کب ہو سکتا ہے اس لئے ولایت اجبار کے سلسلہ میں فقہائے وہ تین شرطیں لگادی ہیں ان میں سے کوئی بھی باپ دادا کے ولایت اجبار کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

قرب ترین ولی کی موجودگی میں دوسرے ولی کا اختیار اگر دوسرا ولی قریبی ولی کی موجودگی میں نکاح

کر دے تو یہ نکاح اُس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک قریبی اور اصل ولی رضامندی نہ دینے، مثلاً کسی لڑکے یا لڑکی کا باپ موجود تھا اور اُس کی ماں نے اُس سے پوچھے بغیر اپنی مرضی سے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا یا بھائی موجود تھا اور چچا یا بہن نے نکاح کر دیا تو اصل ولی یعنی باپ یا بھائی کی اجازت ضروری ہوگی ورنہ نکاح فاسد سمجھا جائے گا۔

اگر قریبی ولی بروقت موجود نہ ہو اور اُس سے رائے حاصل کرنے میں تاخیر ہو رہی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ مناسب رشتہ ختم ہو جائے گا تو ایسی صورت میں دوسرا ولی بھی نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر اُس سے رائے لی جاسکتی ہو تو کسی دوسرے ولی کا نکاح کرنا اُس کی مرضی اور اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا مناسب رشتہ لگ گیا لیکن ولی اقرب بغیر کسی معقول وجہ کے یا محض ذاتی رنجش کی بنا پر اجازت نہیں دے رہا ہو تو اُس کے بعد کے ولی قریب اس کا نکاح کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر ولی قریب پاگل ہو جائے تو ولی بعید کو نکاح کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

اگر دو برابر کے ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی۔ اور دونوں اپنی نابالغ بہن کا نکاح الگ الگ کرنا چاہتے ہوں تو جو پہلے نکاح کر دے گا وہ صحیح مانا جائے گا اور اگر دونوں ایک ہی جگہ کرنا چاہتے ہوں تو دونوں کے مشورے سے نکاح صحیح ہوگا، بغیر مشورے کے کیا ہوا نکاح دوسرے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر دونوں نے ایک ہی وقت میں اُس کا نکاح دو الگ الگ جگہ کر دیا تو دونوں نکاح باطل سمجھے جائیں گے۔

ولی کو یہ حق ہے کہ عقد ازدواج کے لئے کسی کو اپنا قائم مقام (وکیل) بنا دے۔

نکاح میں کفو کا لحاظ کفایت کے معنی برابری کے ہیں یعنی زوجین میں دینی معاشی اور معاشرتی مساوات۔ اگر یہ نہ ہوگی تو رشتے میں استواری نہ خوشگواہی

اور محبت و مودت پیدا ہونا مشکل ہو جائے گا جو نکاح کا اصل مقصد ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اچھے رشتے کا انتخاب کرو اور

اپنی برابری والوں میں نکاح کرو (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں آپ نے برابری کی تفصیل فرماتے ہوئے فرمایا اذاتاکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوا وَاَلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِي الْاَرْضِ فِتْنَةٌ وفساد عریض (ابن ماجہ وترمذی)
”جب ایسا رشتہ آئے جس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کر لو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر فتنہ و فساد پھیلے گا۔“

کفارت کن باتوں میں ہونا چاہیے پانچ باتوں میں کفارت کا لحاظ کیا جانا چاہیے۔
کفارت کن باتوں میں ہونا چاہیے (۱) اسلام یعنی زوجین مسلمان ہوں (۲) تقویٰ

اور دیانت یعنی اخلاق و کردار کا اچھا ہونا (۳) نسب یعنی خاندان (۴) مال اور (۵) پیشہ۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام جنبل رحمۃ اللہ علیہم ان باتوں میں برابری کا لحاظ رکھنے کا

حکم دیتے ہیں جبکہ امام مالک صرف دو چیزوں میں برابری ضروری قرار دیتے ہیں (۱) دین اسلام

کا عقیدہ اور (۲) صلاح یعنی اخلاق و کردار کا پسندیدہ ہونا، دوسری چیزوں کا لحاظ رکھنا بھی

اچھا ہے لیکن اصل چیز دین و تقویٰ ہی ہے، اس سے حقیقی برابری پیدا ہوتی ہے اور مناسبت و

تعلق بھی۔ فقہائے کرام نے دین کے ساتھ بعض دوسری باتوں کا لحاظ بھی اس لئے کیا کہ آپس

میں مودت و الفت کا رشتہ پائدار تر ہو، ایسا نہیں ہے کہ ممتاز خاندان کے فاسق و فاجر لڑکے

کو دوسرے غیر ممتاز خاندان کے دیندار اور نیک لڑکے پر ترجیح دیتے ہوں۔ کفارت میں جن

امور کا لحاظ کیا جانا چاہیے ان کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔ اسلام؛ سب سے پہلی چیز یہ دیکھنا ہے کہ دونوں عقیدے کے لحاظ سے مسلمان ہیں

یا نہیں۔ اگر دونوں میں اسلام کا رشتہ نہیں ہے تو پھر نکاح کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔ جو

شخص قدیم سے مشرک یا کافر ہو یا مسلمان گھر میں پیدا ہوتے ہوئے اسلامی عقیدے کا قول یا فعلاً

منکر ہو تو دونوں کا مسنمہ لڑکی سے رشتہ قائم نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا شخص نکاح میں وکیل

اور گواہ بھی نہیں بن سکتا۔

۲۔ تقویٰ اور دیانت۔ عقیدہ درست ہونے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اُس کے اخلاق و

اعمال اُس کے عقیدے کے خلاف نہ ہوں کیونکہ ایسا شخص اس شخص کا کفو نہیں ہو سکتا جس

کا عقیدہ بھی درست ہو اور عمل بھی جو ذہنی اعتبار سے بھی مسلمان ہو اور عملی اعتبار سے بھی۔ ہدایہ میں ہے،

لأنه من أعلى المفاخر
امانت و پرہیزگاری سب سے زیادہ عزت و
فخر کی چیز ہے۔

والہرأة تعیر بفسق الزوج
اور عورت کے لئے شوہر کا کم نسب ہونا اتنا
فوق ما تعیر بضعة نسبه
قابل عار نہیں جتنا اس کا فاسق
(بد عمل) ہونا۔

۴۔ نسب۔ امام مالک کو چھوڑ کر باقی تینوں اماموں نے نسب میں برابری کا لحاظ رکھنے کیلئے معیار قائم کیا ہے۔ نسب کے اعتبار سے انسان کی دو قسمیں ہیں عربی اور غیر عربی یعنی عجمی۔ پھر عربی کی دو قسمیں ہیں قریشی اور غیر قریشی۔ قریش آپس میں ایک دوسرے کے ہم پلہ یعنی کفو ہیں اس طرح عربی نژاد صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی اور عباسی خاندان ایک دوسرے کے کفو ہیں، غیر قریشی عرب قبائل اور انصار مدینہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اہل عجم مثلاً ترکستانی، ایرانی، افغانی وغیرہ اہل عرب کے کفو نہیں۔ اہل عجم میں بھی باہم فرق کیا جاتا ہے مثلاً اہل فارس اہل بطن سے اور بنی اسرائیل قبیلوں سے افضل سمجھے جاتے ہیں لہذا اگر عورت اونچے نسب کی ہے تو لازم ہے کہ مرد بھی اسی درجے کے خاندان سے نسبت رکھتا ہو۔ نسب کا لحاظ باپ کے اعتبار سے ہوتا ہے ماں کے اعتبار سے نہیں ہوتا اس لئے اگر باپ اہل عجم سے ہو اور ماں عربی ہو تو بیٹا اور بیٹی کو اہل عجم سے سمجھا جائے گا۔ (ام مال)۔ مالی برابری دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ خوش حال گھرانے کی لڑکی خوشحال گھر میں بیاہی جائے تاکہ اُسے محرومی کی شکایت نہ ہو۔ علمائے فقہ مال میں ہمسری کے لئے اس کو کافی سمجھتے ہیں کہ لڑکا ہر ادا کرنے اور خرچ چلانے کی قدرت رکھتا ہو۔ مالکی فقیہ ابن ہزری کا قول ہے کہ

وَالْمَالُ الَّذِي يَقْدَرُ بِهِ
یعنی اتنا مال جس پر وہ قادر ہو خوش حالی
وَلَا يَشْتَرُطُ الْبِسَارُ۔
شرط نہیں ہے۔

فتح القدیر میں ہے الصبیح انہ اذا كان قادراً علی النفقہ علی طریق الکسب یعنی صحیح
یہ ہے کہ اگر وہ بیوی کو کھلانے پہننے پر قادر ہو تو وہ اُس کا کفو ہے۔

(۵) پیشہ۔ پیشے میں ہم ساری کام طلب یہ ہے کہ لڑکے والوں کا پیشہ لڑکی والوں کے پیشے کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہو۔ عام طور پر ایک پیشے کے لوگوں کا رہن سہن اور طرز معاشرت یکساں اور معاشی اعتبار سے بھی ملتی جلتی ہے اس لئے رشتہ نکاح میں اس کا اعتبار اور لحاظ رکھنے کی اجازت ہے۔ اسلام میں پیشوں سے عزت اور ذلت کو وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے ہدایہ میں ہے:

ان الحرفة ليس بلازمة ويمكن التحول من الخسة الى النفيسة.

(پیشہ کسی کے ساتھ چمٹا نہیں رہتا۔ آدمی معمولی پیشہ چھوڑ کر دوسرا اچھا کام کر سکتا ہے نسب، دولت اور پیشہ عزت و شرف کی بنیاد نہیں ہیں۔ اسلام اگر انسان کو شرف و عزت کا مستحق قرار دیتا ہے تو دین و تقویٰ کے لحاظ سے محض نسب، مال یا پیشے کی وجہ سے کسی کو صاحبِ عزت و شرف سمجھنا اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ

اللَّهِ أَتْقَىٰ

(المحجرات - ۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں وہی زیادہ معزز و مکرم ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

یعنی ذرائع معاش کے اختلاف، زبان و مقام کے اختلاف سے جو گروہ اور قبیلے بنتے گئے وہ اس لئے کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کو پہچانے، پیشہ ور، صنعت گر، مزارع، تاجر اور مختلف کاروبار کرنے والوں میں تمیز کرے اور زندگی کی ضروریات ایک دوسرے کے تعاون سے پوری کرے، اسی تعارف کی وجہ سے قریب اور بعید رشتوں کا تعین اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور ہر ایک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا علم ہوتا ہے۔ یہ تقسیم زندگی کی اہم ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کو ایک دوسرے سے جڑے رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ تقسیم ہرگز عزت و ذلت، شرافت و رذالت کی بنیاد نہیں ہے، نہ مغرب کو مشرق پر فوقیت ہے نہ عرب کو عجم پر نہ ایشیا کو یورپ پر نہ گورے کو کالے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الناس سواسية كأسنان المشط یعنی انسان سب برابر ہیں جیسے کنگھی

لا فضل لعربی علی عجمی وَاِنَّمَا
الفضل بالتقوی (الادب المفرد مشکوٰۃ) فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی غیر قریش میں شادی فرمائی۔ اپنی بھوپتی زاد بہن حضرت زینبؓ کو حضرت زیدؓ کے ساتھ اور فاطمہ بنت قیس کو حضرت اسامہ بن زید کے ساتھ بیاہا حالانکہ دونوں خاتونیں قریشی تھیں اور یہ دونوں بزرگ غیر قریش ہونے کے علاوہ غلام بھی روچکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرافت کی اصل بنیاد دین و تقویٰ پر ہے نسب پر نہیں۔ رشتہ نکاح کے وقت دوسری چیزیں بھی جیسے حسب و نسب حسن و جمال مال و دولت بھی دیکھی جاسکتی ہیں مگر دین و تقویٰ پر ان چیزوں کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اگر ایک صاحب مال و دولت لڑکا ہو لیکن امانت و تقویٰ سے عاری ہو اور علم دین سے بے بہرہ اُس کے مقابل ایک غریب نادار مگر صاحب تقویٰ اور دین کا علم رکھنے والا لڑکا شریف تر ہے خواہ وہ جاہل لڑکا عالی نسب ہی کیوں نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

اَنَّ شَرَفَ الْعِلْمِ اقْوٰی مِنْ
شَرَفِ النَّسَبِ بِدَلَالَةِ الْاٰیَةِ
« هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنِ
یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنِ لَا یَعْلَمُوْنَ
عِلْمِ كَاشَرَفِ نَسَبِ كَ شَرَفِ سَے زِیَادَہ
قْوٰی ہِے۔ یہ بات اس آیت سے ظاہر ہے
"کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے
برابر ہو سکتے ہیں؟"

ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ دولت و وجاہت اور نسب کے مقابلے میں امانت و تقویٰ اور علم کو ترجیح دے، اسی طرح بیوی کے انتخاب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان المرأۃ تنكح علی دینہا
و مالہا و جمالہا فعلیك
بذات الدین تربت
یداك۔
عورت سے نکاح تین خوبیاں دیکھ کر کیا جاتا
ہے دین و اخلاق مال و دولت حسن و جمال
تم لازمًا دین و اخلاق والی عورت سے نکاح
کرو۔ تمہیں خیر اور خوشی نصیب ہو۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تین خوبیوں میں بہترین خوبی دین و اخلاق کی ہے اور اسی کو لازماً ملحوظ رکھا جائے تاکہ سکون و اطمینان ہمسرت و خوش بختی حاصل ہو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مال، نسب اور پیشے میں کفو کا لحاظ شرط نہیں قرار دیتے، اُن کے نزدیک کفو یہ ہے کہ دو باتوں میں دونوں برابر ہوں۔

(۱۱) مسلمان اور دیانت دار ہونا (۲) عیب دار نہ ہونا جیسے کوڑھ جذام یا پاگل پن۔ اُن کے نظریے کے اعتبار سے اگر ایک لڑکی ایسے گھر میں پلی ہو جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل ہو اور اسی خاندان کا ایک لڑکا ایسے ماحول میں پلا ہو جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل کا فقدان ہو تو خاندان کے اشتراک کے باوجود اُس لڑکی کا یہ لڑکا کفو نہیں ہو سکتا اُس کے برخلاف اگر دو مختلف برادر یوں یا خاندانوں کے لڑکا لڑکی دین و اخلاق اور علم و فضل کے اعتبار سے ہم آہنگ ہوں تو دونوں ایک دوسرے کے کفو ہو سکتے ہیں۔

نسب میں کفو دیکھنے کا طریقہ اسلام میں نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماں کی طرف سے نہیں۔ باپ دادا کا خاندان لڑکا اور لڑکی کا خاندان ہے جو لوگ نسب کی تلاش میں نکھیاں کو بھی دیکھتے ہیں وہ غلط کار ہیں۔

صداق (مہر) کا بیان

قرآن میں مہر کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ صدقہ استعمال ہوا ہے وَالْوَالِدَاتُ لِرَبِّهِنَّ صَدَقَاتٍ مِّمَّا تَرَكْنَ إِسْدَاقَ كَيْفَ مَالٍ خَرِجَ كَرْتًا۔ مہر کے لئے لفظ صداق (صاد پر زبر یا زیر) بولا جاتا ہے (جو صداق کا اسم مصدر ہے) اس طرح صداق کے معنی مہر دینے کے اور صداق کے معنی مہر کے ہیں۔ گویا مہر کو صداق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شوہر اور بیوی کے تعلقات کی درستی، سچائی اور دوستی کی علامت ہے۔

مہر کی تعریف مہر کے اصطلاحی معنی اُس مال کے ہیں جو عقد نکاح کے بعد عورت سے متمتع ہونے کے عوض دیا جاتا ہے۔ یہ مال یا تو نکاح کے وقت عورت

کو فوراً ادا کر دیا جاتا ہے یا ادا کرنے کا وعدہ کر لیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں مہر معجل کہا جاتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مؤجل۔ معجل عجلت سے یعنی وہ چیز جو جلد کی جائے اور مؤجل اجل سے بنا ہے جس کے معنی وقت اور مدت کے ہیں۔

مہر کی شرطیں پہلی شرط یہ ہے کہ مہر مال کی قسم میں سے ہو جس کی قیمت لگائی جاسکے اس کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد متعین نہیں ہے سنت یہ ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پاک شے ہو یعنی حلال جسے استعمال میں لانا درست ہو کیونکہ شریعت اسلامی میں حرام چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، گو غیر مسلم کے نزدیک ان کی قیمت ہو جیسے شراب اور سور وغیرہ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال غضب کردہ نہ ہو، مال مغصوبہ کو مہر قرار دینا درست نہیں ہے تاہم عقد نکاح تو ہو جائے گا اور عورت کو مہر مثل کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ (مہر) نامعلوم نہ ہو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ چاندی یا سونا ہو بلکہ مال تجارت، جانور، اراضی، مکان بھی حق مہر ہو سکتا ہے اور ان اشیاء کی منفعت کو بھی حق مہر قرار دیا جاسکتا ہے مثلاً مکان یا جانور کا کرایہ اراضی کی پیداوار، تعلیم قرآن کی اجرت وغیرہ۔ مہر ایسی ضروری چیز ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا گیا ہو تب بھی مہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔ مہر مثل کی تعریف آگے آتی ہے۔

مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہیے مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہیے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے، عام طور پر مہر زیادہ مقرر کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں: ایک تو عزت و فخر کی نمائش، دوسرے یہ بات کہ شوہر عورت کو طلاق نہ دے سکے دونوں وجہیں شرعاً اور عقلاً غلط ہیں، اگر مزاجوں میں اتنا اختلاف ہو کہ دونوں کا ایک جگہ رہنا عذاب بن جائے تو کونسی عقلمندی ہوگی کہ اس عذاب سے چھٹکارا نہ حاصل کیا جائے۔ لیکن عذاب تب ہی دور ہو سکتا ہے جب شوہر عورت کا حق دے کر اُسے رخصت کر دے۔ شرعی اعتبار سے بھی مہر زیادہ مقرر کرنے کی ممانعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَتَهُ أَيْسَرُهُ مَوْنَةً

زیادہ بابرکت وہ نکاح ہے جس میں تکلیف و پریشانی کم سے کم ہو۔

خود آنحضرتؐ نے اپنے لئے مہر زیادہ مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہؑ کا مہر آپؐ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ ایک درہم چوتھائی تولے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی تین ماشہ دورتی۔ کل مہر فاطمی ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدار سے زیادہ مہر نہیں مقرر فرماتے تھے۔ اس چاندی کی جو قیمت روپے یا دوسرے سکوں کے اعتبار سے بنے وہی مقرر کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب تمول بڑھا تو لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے۔ آپؓ نے فرمایا کہ لوگو مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، اگر یہ چیز دنیا میں باعث عزت و افتخار ہوتی یا آخرت میں زیادہ مہر کا ثواب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے پہلے اختیار کرتے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نبوی کی روشنی میں کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم یعنی پونے تین تولہ چاندی مقرر کی ہے اب اگر کوئی شخص اس سے کم قیمت کا مہر مقرر کرتا ہے تو اسے لامحالہ پونے تین تولہ چاندی کی قیمت دینا پڑے گی کیونکہ یہ کم سے کم مقدار ہے اس سے کم مہر مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے مگر جیسا کہ پہلے بیان ہوا مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہئے یعنی اتنا مہر مقرر کیا جائے جتنا وہ اس وقت یا مستقبل قریب میں ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اگر فخر و غرور یا کسی اور غیر شرعی بنا پر زیادہ مہر مقرر کر دیا اور دل میں یہ خیال رہا کہ دینا تو ہے نہیں جتنا چاہو مقرر کر دو تو یہ سخت گناہ ہے۔ یہ عورت کا حق ہے اور حق مارنے کا خیال کرنا بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

بعض صورتیں نکاح و طلاق کے سلسلے میں ایسی پیش آتی ہیں جن میں مہر مثل مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا تو مہر معاف ہوگا بلکہ عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مہر مثل سے مراد مہر کی وہ مقدار ہے جو عام طور پر اس کے کنبہ اور خاندان میں مقرر ہوتی ہو یعنی ددھیال میں ننھیال میں نہیں۔ مثال کے طور پر بھوپھی، سگی بہن یا چچا زاد بہن اور ددھیال کی دوسری بیٹیاں۔ اگر ماں اور خالہ باپ کے خاندان کی ہوں تو ان کے مہر کا

اعتبار کیا جائے گا۔ کسی لڑکی کا مہر مثل اس عورت کے مہر سے متعین کیا جائے گا جو صورت، سیرت، علم و سلیقہ اور دینداری میں اس کے قریب قریب ہو، اگر قریبی رشتہ داروں میں کوئی لڑکی ان صفات کی نہیں ہو تو دور کے رشتہ داروں میں جو لڑکی اس کے جیسے صفات کی ہوگی اس کا مہر مثل قرار پائے گا۔

مہر کے متعلق بعض ضروری مسائل

- ۱۔ نکاح کے وقت مہر کا تعین کیا جا چکا ہو تو خلوت صحیحہ کے بعد پورا مہر دینا پڑے گا۔
- ۲۔ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا گیا، یا مرد نے مہر نہ دینے کی شرط لگا دی اور نکاح ہو گیا دونوں صورتوں میں خلوت صحیحہ کے بعد عورت مہر مثل پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے، یہی حکم اس وقت بھی نافذ ہوگا اگر مرد کا انتقال ہو جائے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (فقہ حنفی ہندیہ)
- ۳۔ اگر کوئی شخص نقد رقم کے بجائے غیر منقولہ جائیداد مثلاً مکان، زمین، دکان یا منقولہ اموال مثلاً موٹر، موٹر سائیکل یا سواری کا جانور مقرر کرے تو وہ کر سکتا ہے لیکن یہ تعین ضروری ہے کہ کونسی زمین، مکان، یا سواری مہر میں دے رہا ہے۔ اگر مبہم رکھا تو مہر مقرر نہیں ہوا۔ اس کے بجائے مہر مثل دینا پڑے گا۔ (ردالمحتار)
- ۴۔ اگر کسی خدمت کو یا ایسی چیز کو جو فی الوقت موجود نہیں ہے مہر ٹھہرایا تو وہ مہر صحیح نہ ہوگا مثلاً یہ کہا کہ میں عورت کو حج کرا دوں گا، یا تعلیم کا خرچ برداشت کروں گا یا خدمت کے لئے ایک خادمہ رکھ دوں گا تو مہر کی تعین صحیح نہ ہوگی اور ان تمام صورتوں میں مہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔
- ۵۔ دو شخص اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کا نکاح اس طور پر کہ ہر ایک دوسرے کی لڑکی کو اپنے لڑکے سے کر دے اور یہ تبادلہ ہی مہر سمجھا جائے تو یہ نکاح فاسد ہے، اس کو "نکاح شغار" کہا جاتا ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، دونوں کو مہر مثل دینا پڑے گا۔
- ۶۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں کیا گیا۔ مگر نکاح کے بعد میاں بیوی دونوں نے اپنی خوشی سے مہر مقرر کر لیا تو وہی واجب ہوگا۔ مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔
- ۷۔ نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا مثلاً ایک ہزار۔ شوہر نے بعد نکاح کہا کہ میں ڈیڑھ ہزار دوں گا۔

تو اب اس پر اتنا ہی واجب ہو گیا۔ اگر نہ دے تو عورت اس سے مزید رقم کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ نہیں ادا کرے گا تو گنہگار ہوگا، اسی طرح اگر عورت نے مقررہ مہر میں سے کچھ معاف کر دیا تو اتنا حصہ مہر کا مرد کے سر سے معاف ہو گیا۔ اب عورت اس معاف شدہ رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

۸۔ عورت کو پریشان کر کے ڈرا دھمکا کر اگر مرد نے مہر معاف کر لیا تو ایسی معافی معتبر نہیں ہے۔ مہر عورت کی ملکیت ہے اور ملکیت کا کوئی حصہ جب تک بخوشی کسی کو نہ دے دیا جائے وہ خود نہیں لے سکتا۔

۹۔ شوہر اور بیوی دونوں بالغ ہوں اور دونوں یکجا رہ چکے ہیں مگر شوہر فرائض زوجیت ادا کرنے سے بسبب کسی جنسی خرابی کے باز رہا تو اس صورت میں اگر مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے نکاح فسخ کر لیا تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ البتہ اگر دونوں میں سے کوئی نابالغ ہے اور اس حالت میں نکاح فسخ ہو گیا یا طلاق ہو گئی تو نصف مہر واجب ہوگا۔

۱۰۔ نکاح کے شرائط اور ارکان پورے نہ ہوئے ہوں مثلاً دو گواہ نہ رہے ہوں یا ولی جائز کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نے نکاح کر دیا ہو یا کوئی اور خرابی ہو جس کی وجہ سے نکاح فاسد قرار دیا گیا ہو اور دونوں میں علیحدگی کرادی گئی ہو تو اگر یہ علیحدگی مباشرت کے بعد ہوئی ہے تو مہر مثل دینا پڑے گا لیکن اگر مباشرت نہیں ہوئی تو مہر واجب نہ ہوگا اگرچہ خلوت صحیحہ ہو چکی ہو۔

خلوت صحیحہ کی تعریف مرد اور عورت دونوں بالغ ہوں اور انہیں تنہائی میں یکجا ہونے کا ایسا موقع ملے کہ کوئی حسی، طبعی یا شرعی مانع مباشرت کے لئے نہ ہو تو اس تنہائی اور یکجائی کو خلوت صحیحہ کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی مانع موجود ہو جس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے تو خلوت صحیحہ نہ ہوگی، ایسی تنہائی کو خلوت فاسدہ کہیں گے۔

موانع مباشرت مرد یا عورت میں سے کوئی ایسا بیمار ہو کہ مباشرت ممکن نہ ہو یا قریب میں کوئی تیسرا شخص موجود ہو خواہ وہ سوتا ہی کیوں نہ ہو۔ یا مرد اور عورت میں سے

کوئی احرام باندھے ہوئے ہو، یا ان میں کوئی رمضان کا روزہ رکھے ہوئے ہو یا عورت حیض کی حالت میں ہو یا دونوں میں کوئی نابالغ ہو تو ان جیسی صورتوں میں یکجائی اور تنہائی خلوت صحیحہ نہیں خلوت فاسدہ کہی جائے گی۔

یہ رواج ہے کہ عقد اور مہر کا تصفیہ ہونے کے بعد ہونے والا
چڑھاوے اور جہیز کا بیان شوہر بیوی کو تحفہ بھیجتا ہے جس کو پیش کش یا چڑھاوا کہتے
 ہیں۔ اسی طرح یہ بھی رواج ہے کہ عورت حیثیت کے مطابق جہیز لے کر آتی ہے۔ سوال یہ پیدا
 ہوتا ہے کہ کیا مرد کے تحفے کو مہر میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ اور کیا مرد کو یہ حق ہے کہ وہ جہیز کا
 مطالبہ کرے؟

ہدیہ یا تحفہ جو مرد کی طرف سے عورت کو بھیجا جاتا ہے وہ دو طرح کا ہو سکتا ہے کھانے
 پینے کی چیزیں یا برتنے اور رکھ اٹھا کر استعمال کی چیزیں جیسے زیور یا ملبوس تو اگر پہلی قسم کی اشیاء
 کو مرد یہ گمان کرے کہ اُسے مہر میں شمار کیا جائے اور بیوی کہے کہ وہ مہر نہیں ہے بلکہ ہدیہ ہے تو
 بیوی کا کہنا تسلیم کیا جائے گا کیونکہ عام رواج میں ان اشیاء کو مہر نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح وہ
 چیزیں جنہیں چڑھاوا کہتے ہیں اس میں کنگن یا جوڑیاں یا انگوٹھی اور اس کے ساتھ شیرینی اور
 بھولدار کپڑے وغیرہ ہوتے ہیں، عام طور پر اس کو مہر نہیں کہتے بلکہ یہ ایک پیش کش ہے جو بیوی
 کو اس لئے بھیجی جاتی ہے کہ وہ کسی اور خواستگار کو قبول نہ کرے، اب اگر مرد یہ دعویٰ کرے کہ اُسے
 مہر میں شمار کیا جائے اور اس دعوے کی کوئی شہادت نہ ہو تو اس بارے میں عورت جو بات کہے
 اُسے قسم کھا لینے پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسرے
 قسم کے تحفوں اور ہدیوں میں شوہر کی بات کو مان لیا جائے گا اگر کوئی اور ثبوت نہ ہو۔ پس اگر شوہر
 قسم کھالے کہ میں نے یہ اسی ارادے سے دیا تھا کہ مہر میں دے رہا ہوں تو اُس کی بات کو تسلیم
 کر لیا جائے گا، اب اگر اُس کا تحفہ باقی ہے تو بیوی کو حق ہے کہ اُسے واپس کر دے اور اپنا مہر
 وصول کر لے اور اگر وہ چیز ختم ہو گئی ہے تو اُس کی قیمت لگا کر مہر میں سے اُسی قدر وضع کر لیا
 جائے گا۔ مگر تریح اس رائے کو حاصل ہے کہ عام دستور کو دیکھا جائے گا اگر تحفے کو مہر نہیں
 قرار دیا جاتا تو انہی کے مطابق عمل درآمد ہوگا، اگر کوئی اور ثبوت پیش نہ جاسکے۔

رہا جہیز کا مسئلہ تو اس بات کی صحت میں کوئی شک نہیں کہ جس چیز کو مہر قرار دے کر عقد نکاح
 کیا جاتا ہے اُس کا بدل بیوی کے سوا اور کچھ نہیں ہے لہذا شوہر کو بیوی کی ذات کے سوا اور کسی
 چیز (جہیز وغیرہ) کے مطالبہ کا حق نہیں ہے لیکن اگر کسی مہر پر عقد طے ہو گیا پھر شوہر نے (مہر کے علاوہ)

اور کچھ رقم دے دی کہ اس سے وہ اپنا جہیز تیار کر لے اور بیوی نے وہ رقم لے لی لیکن بغیر جہیز کے آگئی اور شوہر نے عرصہ تک اس پر کچھ نہ کہا تو یہ اس کی رضامندی کا ثبوت ہے اور اب اُسے اُس رقم کے مطالبہ کا (جو اُس نے جہیز کے لئے دی تھی) حق نہیں رہے گا ورنہ وہ اُس کے مطالبہ کا حق رکھتا تھا کیونکہ وہ ایسے کام کے لئے دی تھی جس کی انجام دہی خود اُس پر واجب تھی اس لئے کہ بیوی کے ضروریات کی فراہمی شوہر کا کام ہے اسی طرح باپ یا ماں نے اگر کوئی چیز یا سامان بیٹی کو دیا ہو اور وہ اُسے قبول کر چکی ہو تو باپ یا ماں کو بیٹی سے واپسی کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ بیٹی کی ملکیت ہو گئی۔

محرماتِ نکاح اسلام میں مردوں کے لئے جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اُن کے دو طبقے ہیں ایک وہ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے دوسرا وہ جن سے عارضی طور پر نکاح حرام ہے جب حرمت کی وجہ دور ہو جائے تو وہ حلال ہو جاتی ہے پہلے طبقے میں حرمت کی وجہیں تین ہیں نسب، شادی، دودھ ہیں شرکت۔

نسبی رشتے سے تین قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) وہ جس کے اوپر اور نیچے کی تمام شاخیں حرمت میں شامل ہیں یعنی ماں اور ماں کی ماں یا باپ کی ماں اور ان سے اوپر اور نیچے کی شاخیں بیٹیاں، نوایاں، پوتیاں اور ان سے نیچے کی اولاد سب ابدی حرام ہیں (۲) ماں باپ کی بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا عدلتی یا اخیاتی، بہنوں کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں اور اُن کے بیٹوں یعنی بھانجیوں کی بیٹیاں اور بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور بھتیجیوں کی بیٹیاں اور ان سے نیچے کی اولاد (۳) دادا اور نانا کی شاخیں یعنی پھوپھیاں اور خالائیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی۔ نسبی محرمات کی گنتی یہیں تک ہے لہذا پھوپھی اور خالائوں کی بیٹیاں چچا اور ماموں کی بیٹیاں حرام نہیں ہیں۔ دادی اور نانی کی شاخ میں بھی بجز اُس کے جو نسب میں پہلے درجے پر ہے اور کوئی حرام نہیں ہے۔

شادی کے رشتے سے بھی تین قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) بیوی کی بیٹی یعنی مرد کی سوتیلی بیٹی جس کو ربیبہ کہتے ہیں اور ربیبہ کی بیٹی اور اُس کی بیٹی کی بیٹی سب حرام ہیں (۲) نکاح ہوتے ہی بیوی کی ماں، نانی اور دادی یعنی ساسی حرام ہو جاتی ہیں (۳) وہ تمام عورتیں جو باپ کے حرم میں رہی ہوں۔

دودھ کے رشتے سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کے رشتے سے حرام ہوتی ہیں۔
بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر رضاعت کے بیان میں آئے گا۔
یہ وہ صورتیں ہیں جو ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام کر دینے کی موجب ہیں۔

عارضی طور پر نکاح کو حرام کر دینے والی صورتیں چند امور ایسے ہیں جن سے عارضی طور پر عورت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے:

(۱) بیوی کے ایسے رشتہ دار سے شادی جس کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو بیوی اُس سے شادی نہ کر سکتی ہو اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے (۲) مشرکہ عورت جو کسی آسمانی دین کی پیرو نہ ہو (۳) وہ عورت جو طلاق کے ذریعہ حرام ہو چکی ہو (۴) وہ عورت جو کسی کے ساتھ وابستہ ہو یعنی نکاح ہو اور لیکن رخصتی نہ ہو یا وہ عدت میں ہو (۵) وہ مرد جس کی چار بیویاں موجود ہوں یا چوتھی عدت میں ہو اُس کے لئے بھی نئی شادی کرنا جائز نہیں۔ ان تمام صورتوں میں اگر وجوہ مانعِ حلتِ نکاح دور ہو جائیں تو نکاح جائز ہو جائے گا۔

مُصَابِرَت یعنی سسرالی رشتے کی وجہ سے حرمت مصاہرہ یعنی ازدواجی رشتہ سے جو عورتیں کسی مرد پر حرام ہو جاتی ہیں

اُن میں سے ایک بہو یعنی بیٹے کی بیوی ہے جس کا رشتہ بیٹی کے مشابہ ہوتا ہے۔ دوسری بیوی کی بیٹی جو پہلے شوہر سے ہو وہ بھی رشتہ میں اپنی بیٹی کے برابر ہے تیسری باپ کی دوسری بیوی وہ بھی رشتہ میں اپنی ماں کے مانند ہے چوتھی بیوی کی ماں کہ وہ اپنی ماں جیسی ہے۔

بہو ہونے میں بیٹے کی بیوی کی طرح پوتے پڑ پوتے، نواسے پڑ نواسے کی بیویاں شامل ہیں اگر باپ کسی لڑکی سے شادی کر لے تو وہ بیٹے پوتے پڑ پوتے وغیرہ سب پر حرام ہو جاتی ہے اسی طرح اگر بیٹا کسی عورت سے شادی کر لے تو وہ اُس کے باپ دادا، پردادا وغیرہ سب پر حرام ہوگی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن باپ کی بیوی کی بیٹی جو اپنے باپ کی بیٹی نہ ہو وہ حرام نہیں ہوگی، اسی طرح ماں کے دوسرے خاوند کی بیٹی اور اُس خاوند کی ماں بھی حرام نہیں۔ سوتیلی ماں کی ماں، اور بہو کی ماں اور منہ بولے بیٹے کی بیوی اطلاق کے بعد حرام نہیں ہیں۔ اگر ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی جس کا ایک بیٹا دوسرے خاوند سے ہو اور وہ

بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس سے یہ شخص (یعنی ماں کا خاوند) نکاح کر سکتا ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کی ماں اور نانی سب حرام ہو جائیں گی خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس عورت کی بیٹی جب ہی حرام ہوگی جب خلوت ہوئی ہو۔

رشتہ ازدواج سے بعض عورتیں جو حرام ہو جاتی ہیں ان کا ذکر ہوا۔ لیکن اگر باقاعدہ نکاح کے ذریعہ رشتہ نہ ہوا ہو تو بڑی نیت سے کسی عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے اور جو اس حرام کام تکب ہو جائے تو اس عورت کی ماں اس مرد کے لئے اور مرد کا باپ اس عورت کے لئے حرام ہو گیا۔

مرد اور عورت کا تعلق حرمت مصاہرت کے لئے تب ہی معتبر ہوگا جب عورت کی عمر نو برس یا اس سے زائد ہو۔ اگر اس سے کم عمر ہو تو پھر حرمت قائم نہیں ہوگی۔

اسلام نے بعض شرائط کے ساتھ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے جس کی حد چار بیویوں تک ہے۔

ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا ہے **فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً** اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھنا۔ چار کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح قطعاً حرام ہے۔

ایسی دو عورتوں کا زوجیت میں جمع کرنا **کن عورتوں کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے** حرام ہے کہ ان دونوں میں سے اگر کسی کو مرد تصور کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو، لہذا دو بہنوں کا ایک شخص کی زوجیت میں جمع ہونا حرام ہے کیونکہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کر لیا جائے تو دونوں بھائی بہن ہو جائیں گے جن کا باہم نکاح ناجائز ہے، اسی طرح ایک لڑکی اور اس کی بھوپھی یا خالہ جمع نہیں ہو سکتی، اگر بھوپھی یا خالہ کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ اس کا چچا یا ماموں ہوگا اور بھتیجی یا بھانجی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ جس طرح سگی بہنیں زوجیت میں جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح رضاعی بہنیں بھی جمع نہیں ہو سکتیں، کیونکہ ان میں بھی اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو بھائی بہن کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اگر بیوی کا انتقال ہو جائے یا اس کو طلاق مل جائے اور عدت کا زمانہ گزر جائے تو اس کی

بہن سے یا خالہ سے یا چھوپی سے اگر نکاح کرنا چاہے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔ ایک وقت میں دونوں کا جمع کرنا حرام ہوگا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لا تَنْكحِ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَتِهَا
 وَلَا عَمَةَ عَلَى بَنَاتِ أَخِيهَا
 وَالْكَبِيرَى عَلَى الصَّغِيرَى
 وَلَا الصَّغِيرَى عَلَى الْكَبِيرَى۔
 (ترمذی)

یعنی کوئی عورت اپنی چھوپی پر (اُس کے شوہر سے) شادی نہ کرے اور نہ کوئی چھوپی اپنی بھتیجی پر (اُس کے شوہر سے) شادی کرے نہ بڑے رشتہ والی چھوٹی پر اور نہ چھوٹی رشتہ والی بڑے رشتہ والی پر۔

لہذا جن کو زوجیت میں جمع کرنا حلال نہیں ہے اگر ایسی عورتوں کو کسی نے جمع کیا تو وہ عقد فسخ کر دیا جائے گا، نسب کے رشتے سے جو شادی حرام ہے وہی دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہے بجز چند صورتوں کے جن کا ذکر رضاعت کے بیان میں آئے گا۔

مختلف مذہب کی عورت سے نکاح
 مسلمانوں سے عقیدے کا اختلاف تین صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے (۱) وہ لوگ جو اوثان (مورتوں)

یا اصنام (تصویروں) کی بندگی کرتے ہوں (۲) وہ لوگ جو اس کے مدعی ہیں کہ اُن کے نبی پر ایک کتاب نازل ہوئی۔ لیکن اس کی تصدیق موجودہ آسمانی کتابوں سے نہیں ہوتی مثلاً مجوسی جو آگ کی پرستش کرتے ہیں اور فائل ہیں کہ زرتشت پر ایک کتاب نازل ہوئی مگر لوگوں نے اُس کو بدل دیا تو وہ کتاب اٹھالی گئی (۳) وہ لوگ جو آسمانی کتابوں پر ایمان لائے جن کی تصدیق قرآن نے کی ہے۔ تو پہلی دو قسم کے مذہب والوں سے نکاح کسی مسلمان کا حلال نہیں ہے۔ تیسری قسم کے مذہب والے یہودی اور نصرانی ہیں جو تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں تو مسلمان مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ کتابیہ (یعنی یہودی یا نصرانی عورت) کے ساتھ نکاح کر لے لیکن مسلمان عورت کے لئے کتابی (یعنی یہودی یا نصرانی مرد) سے نکاح حلال نہیں ہے۔ غرض مسلمان عورت کا نکاح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو۔ ان تمام مذکورہ باتوں کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تَنْكحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا" (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور فرمایا — وَلَا تَنْكحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا

(مشترک مردوں سے (عورتوں کا) نکاح نہ کر و جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں) اس سے ثابت ہوا کہ کسی طرح بھی مرد کا نکاح مشترک سے اور مسلمان عورت کا نکاح مشترک سے حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایمان لائیں اور مسلمانوں میں داخل ہو جائیں۔

کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کو نکاح کرنے کی اجازت ان الفاظ میں دی گئی ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

(نیک عورتیں ان میں سے جنہیں تم سے

مِنْ قَبْلِكُمْ

(مائدہ - ۵) پہلے کتاب دی گئی تم پر حلال ہیں)

نیک عورتوں کی صراحت کے ساتھ کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال ہونا ثابت ہے، قرآن نے دو باتوں کی قید لگائی مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ یعنی وہ واقعی اپنے نبی اور ان پر نازل شدہ کتاب پر ایمان رکھتی ہوں، دوسری یہ کہ وہ محصنات اپنے کو قید نکاح میں رکھنے والی یعنی پاک دامن ہوں۔ جہاں یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جائیں گی یا ان کے پائے جانے میں شک ہوگا وہاں نکاح کی اجازت نہیں دی جائے گی جس کی مثالیں عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں ملتی ہیں۔

اگر میاں بیوی میں سے کوئی شخص خدا نخواستہ اسلام سے مرتد ہو جائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے تو رشتہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی مشترک جوڑا (میاں بیوی) ساتھ ہی مسلمان ہو جائیں تو ان کو نیا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تین طلاق والی عورت کی حرمت اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ

وہ عدت گزرنے کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے، اب اگر دوسرا شوہر خلوت صحیحہ اور مباشرت کے بعد اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔ یہ دوسرا خاوند جس نے عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال کر دیا محفل کہا جاتا ہے۔

وقتی نکاح یا منقحہ نکاح منقحہ اور نکاح موقت ایک ہی ہے، اس بارے میں چاروں ائمہ کے نزدیک اختلاف نہیں۔ بنیاد اس نکاح کی یہ ہے کہ آغاز اسلام

میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور انہیں دشمنوں کا دفاع کرنے کے لئے مسلسل مشغول رہنا پڑتا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے جن حالات میں عرب کے لوگ پہلے تھے وہ عورتوں سے انہماک کا دور تھا، شادی کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، ہر شخص جتنی چاہے عورتیں کر سکتا تھا ایسے لوگ جب حالات جنگ سے دوچار ہوئے تو لامحالہ وہ ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے سے محروم ہو گئے جن کی آزادی انہیں حاصل تھی پھر دین میں داخل ہونے کے بعد ایک مسلمان اپنے فطری اور اقتصادی مطالبات کو شریعت کے اندر رہتے ہوئے پورے کرنے کا پابند ہو گیا۔ شریعت نے زنا کو قطعاً حرام قرار دیدیا۔ لہذا ضروری تھا کہ حالات جنگ میں وقتی تقاضوں کے مطابق شرعی احکام ہوتے تاکہ فطری تقاضوں کو ان سے ہم آہنگ کیا جاسکتا۔ نکاح متعہ یا وقتی نکاح کی نوعیت ان وقتی احکام کی ہے جو حالت جنگ میں مصلحتاً دیئے جاتے ہیں تو یہ تھی بنیاد نکاح متعہ کی شرعی اجازت کی۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث سے جو بیروہ سے مروی ہے ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس سال ہم کو فتح حاصل ہوئی اور ہم مکے میں داخل ہوئے اسی سال ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کی اجازت دی تھی پھر ابھی ہم وہاں سے نکلے نہ تھے کہ ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی۔ اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ حکم وقتی اور حالات جنگ کی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ نیز ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي كُنْتُ أَذْنْتُ فِي
الْإِسْتِمْتَاعِ أَلَا وَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا
إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

اے لوگو! میں نے بیشک متعہ کی اجازت دی
تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اب اسے قیامت
تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔

اور یہ عین عقل کے مطابق ہے۔ شریعت نے زنا کو بدترین جرائم میں سے ایک جرم قرار دیا ہے اور ایسے عمل کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں اس کا شبہ بھی پایا جائے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ إِذَا كَانَ فَاِحْتِئَاسًا
زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو بلاشبہ یہ کھلی
معیصیت اور بُری راہ ہے۔

(بنی اسرائیل ۳۲)

تَبَيَّنَ

یہ ارشاد خداوندی اپنے موضوع پر کافی ہے۔ اس طرح اگر کسی عورت سے ایک مقررہ مدت کے لئے نکاح کیا گیا مثلاً ایک ماہ، ایک سال یا دو چار یا دس برس کی قید لگا کر تو یہ نکاح حرام ہوگا۔ اس عورت

سے مباشرت کرنے والا زنا کا مرتکب ہوگا اور اسی سزا کا مستحق ہوگا جو شریعت نے مقرر کی ہے۔
 رضاعت کی وجہ سے نکاح کا حرام ہونا اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نسب کے رشتے
 سے جن سے نکاح حرام ہے ان سے رضاعت
 کے رشتے سے بھی نکاح حرام ہے۔ رضاع کے لغوی معنی پستان سے دودھ چوسنے کے ہیں چنانچہ
 جس کسی نے عورت، گائے، بکری کے پستان سے دودھ پیا تو عربی میں کہتے ہیں رضعتھا۔
 (اُس نے اُسے دودھ پلایا) اگر جانور کا دودھ دوہا اور پھر کسی نے اُسے پیا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ
 اُس نے دودھ پلایا۔ جہاں تک معنی کا تعلق ہے اُس میں یہ شرط نہیں ہے کہ پستان چوسنے والا
 بچی یا بچہ ہو۔

رضاعت کے اصطلاحی معنی اصطلاح شرع میں اس لفظ کے معنی کسی عورت کے
 دودھ کا ایسے انسانی بچے کے پیٹ میں جانا ہے جس
 کی عمر دو سال یعنی چوبیس ماہ سے زیادہ نہ ہو۔ اس تعریف سے اُن بچوں میں جنہوں نے کسی جانور کا
 دودھ پیا ہو رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور وہ بچہ جس نے ۲۴ ماہ کی عمر ہو جانے کے بعد کسی
 عورت کا دودھ پیا ہو اُس کی رضاعت دوسرے بچوں کے ساتھ نہیں ہوگی، یہ رائے تمام
 فقہاء کی اور صاحبین یعنی امام ابو حنیفہ کے دونوں شاگردوں کی ہے۔ اگرچہ امام صاحب نے
 مدت رضاعت ڈھائی سال یعنی تیس مہینے قرار دی ہے۔ لیکن صاحبین کی رائے کی حمایت میں
 قوی تر دلیل موجود ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مدت رضاعت کے بارے میں اللہ کا ارشاد
 ہے: "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" (مائیں اپنی اولاد کو پورے دو
 سال دودھ پلائیں) دوسری جگہ اللہ پاک فرماتا ہے "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا"
 (پیٹ میں رہنے اور دودھ چھڑانے تک کی مدت تیس ماہ ہے) دونوں آیتوں کی تطبیق اس
 طرح ہوتی ہے کہ مدت شیر خوارگی دو سال اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے (حضرت علی رضی
 نے حضرت عثمان کو یہی مطلب اس آیت کا بتایا تھا اور حضرت عثمان نے اسی تفسیر کو تسلیم فرمایا۔
 لیکن امام ابو حنیفہ نے اس آیت سے ایک اور طرح استدلال فرمایا ہے کہ حمل کی مدت اور
 دودھ چھڑانے تک کی مدت دونوں الگ الگ تیس تیس مہینے گویا ارشاد باری کا منشا زیادہ سے

زیادہ مدت کا تعین کرنا ہے کم سے کم مدت مراد نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک حمل کی مدت بھی زیادہ سے زیادہ تیس مہینے تک ہو سکتی ہے۔ اور شیر خوارگی کی مدت بھی تیس ماہ تک مانی جاسکتی ہے اس طرح اگر ڈھائی سال کی عمر تک کا بچہ بھی کسی عورت کا دودھ پئے تو وہ اس عورت کا دودھ پینے والے تمام بچوں کا بھائی ہو جائے گا۔

دودھ کی شرکت سے نکاح کی حرمت کا حکم قرآن میں محرمات کا بیان سورہ نسا میں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي آرَضَعْنَكُمْ وَأَخْوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ (سورہ نسا - ۲۳)

تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یحرم بالرضاع ما یحرم من الولادة (بخاری) جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں (یعنی (۱) ماں دادی، نانی (۲) بیٹی اور نواسیاں (۳) بہنیں سگی اور سوتیلی (۴) بہن کی بیٹیاں (۵) بھائی سگے یا سوتیلے کی بیٹیاں (۶) پھوپھیاں (۷) خالائیں۔

رضاعت کی مدت اور اس کا حکم رضاعت کی مدت دو برس ہے۔ دو برس سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں لیکن اگر کسی عورت نے کسی کمزور اور کم طاقت بچے کو ڈھائی برس تک دودھ پلادیا تو وہ بھی رضاعی ماں تسلیم کر لی جائیگی اس کا خاوند رضاعی باپ اور اس کے لڑکے لڑکیاں دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن ہو جائیں گے۔ رضاعت کا یہ رشتہ اسی وقت قائم ہوگا جب بچے نے کسی عورت کا دودھ ڈھائی برس کی عمر کے اندر پی لیا ہو خواہ مسلسل پیا ہو یا صرف ایک بار ہی، دودھ کے چند قطرے ہی اس کے حلق میں گئے ہوں سب کا حکم برابر ہے لیکن ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ مدت مذکور کے اندر اگر بچے نے عورت کی چھاتی سے منہ لگا کر نہیں پیا بلکہ عورت نے اپنا دودھ نکال کر اس کے منہ میں ڈال دیا حتیٰ کہ اس کے منہ کے بجائے ناک میں بھی دودھ ڈال دیا جب بھی رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔

منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور ذریعے سے دودھ پہنچنے کا حکم کسی عورت کا دودھ بچے کے انجکشن کے ذریعہ دماغ میں پہنچا، یا حقن سے معدے میں پہنچ گیا یا ایسے ہی کسی اور غیر فطری طریقے سے اگر دودھ پہنچ جائے تو رشتہ رضاعت قائم نہ ہوگا۔

کسی عورت کا دودھ پانی یا دوا میں ملا کر کسی بچے کو پلایا گیا تو اگر دودھ کی مقدار پانی یا دوا سے کم تھی تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی لیکن اگر دودھ کی مقدار زیادہ تھی اور پانی یا دوا کم تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت کا دودھ بکری یا گائے کے دودھ میں ملا کر پلایا گیا تو بھی مقدار کو دیکھا جائے گا اگر عورت کا دودھ زیادہ تھا تو وہ اس بچے کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اس کے بچے اس کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے۔

عورت کا دودھ دوا میں ملانا جائز نہیں اور ایسی دوا کا کھانا اور لگانا حرام ہے۔ کان اور آنکھ میں بھی عورت کا دودھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔

کنواری لڑکی جس کی عمر نو برس سے زیادہ ہو اگر اس کے دودھ نکل آئے اور وہ دو برس سے کم عمر والے بچے کو پلادے تو یہ لڑکی اس بچے کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اس کے تمام رشتے اس کے لئے حرام ہو جائیں گے۔

رضاعت کا ثبوت دودھ کا رشتہ یا تو شہادت سے ثابت ہوتا ہے یا زوجین کے اقرار سے۔

اگر نکاح ہونے سے پہلے یہ شہادت مل جائے کہ مرد اور عورت نے

کسی ایک عورت کا دودھ مدت رضاعت کے اندر پیا تھا تو ان کا نکاح حرام ہو جائے گا لیکن اگر

نکاح ہو چکنے کے بعد یہ شہادت ملتی ہے تو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک

دو معتبر مردوں کی گواہی یا پھر ایک معتبر مرد اور دو معتبر عورتوں کی گواہی دونوں کو ایک دوسرے

سے علیحدہ کرنے کے لئے کافی ہوگی، ایک شخص کی گواہی کافی نہیں ہے اور چار عورتوں کی گواہی

بھی کافی نہیں ہے، گواہوں میں ایک مرد ہونا ضروری ہے۔ گواہی دینے والے زوجین کے سامنے

شہادت دیں کہ دونوں میں رضاعی رشتہ ہے تو ان پر واجب ہوگا کہ خود ایک دوسرے سے

علیحدہ ہو جائیں، خواہ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اگر ہو چکی ہے تو واجب یہ ہے کہ زبان سے

کہہ کر عقد کو فسخ کر دیں مثلاً: خاوند گواہوں کے سامنے کہے کہ اس عقد زوجیت کو جو ہم نے کیا تھا میں نے فسخ کر دیا، یا وہ عورت ایسا ہی کہے۔ علیحدہ ہو جانے کے بعد اب یکجائی گناہ ہوگی۔ مباشرت اس صورت خاص میں حد جاری کرنے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ رضاعت کا ثبوت بہم پہنچنے سے نکاح فاسد قرار پاتا ہے اور نکاح فاسد کی صورت میں حد جاری نہیں ہوتی تاہم زوجین پر لازم ہے کہ وہ خود فسخ نکاح کر کے علیحدہ ہو جائیں، اگر وہ ایسا نہیں کریں تو حاکم شرع ان کے درمیان علیحدگی کرادے تو نکاح جاتا رہے گا، اب مباشرت کا ارتکاب جرم قابل سزا ہوگا۔

اگر معتبر شہادت سے صرف عورت کو پتہ چل گیا کہ اُس کا خاوند اُس کا دودھ شریک بھائی ہے اور خاوند باہر گیا ہوا ہے تو جب وہ واپس آئے تو عورت پر واجب ہے کہ اُس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ وہ باقاعدہ عقد فسخ کر لیں یا قاضی فسخ کرادے، عورت کے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ رضاعت کا فیصلہ ہونے سے پہلے کسی اور سے شادی کر لے۔

اگر دودھ کی شرکت کی اطلاع خاوند کو ہو گئی اور بیوی کو نہیں ہوئی تو خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی سے علیحدہ رہے کیونکہ اب مباشرت گناہ ہے۔

اگر کسی ایک معتبر عورت نے میاں اور بیوی کو بتایا کہ دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے تو چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ دونوں (میاں اور بیوی) اس کی بات کو پرجمان لیں تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اب اگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو بغیر کچھ اعلان کے علیحدہ ہو جانا کافی ہے، عورت اس صورت میں مہر کی مستحق نہ ہوگی اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو اعلان کر کے علیحدگی واجب ہے اگر خود ہی جدا نہ ہوں تو قاضی پر واجب ہے کہ ان میں علیحدگی کرادے کیونکہ اُس عورت کی بات کو پرجمان لینا اس امر کا اقرار ہے کہ عقد فاسد ہو گیا۔

۲۔ اگر دونوں اُس عورت کی بات کو جھٹلا دیں تو اس صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ رہیں تا وقتیکہ کوئی یقینی فیصلہ نہ ہو جائے۔ پھر اگر یہ اطلاع اُنہیں مباشرت کے بغیر ہوئی ہے تو خاوند پر کسی مہر کی ادائیگی واجب نہیں ہے تاہم افضل یہ ہے کہ نصف مہر ادا کر دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اُس میں سے کچھ نہ لے اور اگر

یہ بات مباشرت کے بعد معلوم ہوئی تو طے شدہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کمتر ہو اُس کا ادا کرنا لازم ہے، ایام عدت اور دیگر اخراجات ادا کرنا لازم نہیں لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ دو بھی ادا کر دیئے جائیں۔

۳۔ اگر اُس عورت کی اطلاع کو خاوند صحیح مان لے لیکن بیوی اس کو نہ مانے تو عقد فاسخ ہو جائے گا لیکن خاوند پر مہر واجب الادا ہے گا خواہ اطلاع مباشرت سے پہلے ہوئی ہو یا بعد میں لیکن علیحدگی خاوند کی جانب سے ہوگی۔

۴۔ تیسری صورت کے برعکس اگر بیوی اُس اطلاع کو سچ مان لے لیکن خاوند اُسے جھوٹ بتائے تو عقد فاسد نہ ہوگا۔ البتہ بیوی کو یہ حق ہوگا کہ اس کے لئے خاوند کو قسم دلائے اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب اطلاع دینے والی عورت معتبر ہو لیکن اگر وہ قابل اعتبار نہ ہو تو اُس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی اگر دونوں میاں بیوی نامعتبر گواہوں کی باتوں کو مان لیں یا صرف خاوند مان لے تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور معاملہ مشتبه ہو جائے گا۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ علیحدہ ہو جائیں۔

مذکورہ مسائل گواہی سے متعلق ہیں، رہا معاملہ اقرار کا تو اگر میاں بیوی دونوں نے رضاعت کا اقرار کر لیا، خواہ رضاعی بھائی بہن ہونے کا یا اس بات کا کہ دودھ پلانے والی ایک دوسرے کی ماں یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ ہے تو ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ یہ اقرار مباشرت سے پہلے کریں یا بعد میں۔

اگر اقرار صرف خاوند کرتا ہے تو اُس کے اقرار پر عمل کیا جائے گا جب تک وہ اس سے رجوع نہ کرے، رجوع تب ہی کر سکتا ہے جب اُس نے تاکید اقرار نہ کیا ہو یعنی یوں نہ کہا ہو کہ یہ سچ ہے یا یہ سچی بات ہے یا یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ وہ عورت میری دودھ شریک بہن ہے۔ اگر اُس نے اس طرح نہیں کہا اور جو کچھ کہا تھا اُس سے پلٹ گیا یا یہ کہا کہ میں نے جس بات کا اقرار کیا تھا وہ غلطی سے کیا تھا تو ایسی صورت میں رجوع کر لینا درست ہوگا اور زوجیت باقی رہے گی۔

اگر یہ اقرار صرف بیوی کی طرف سے ہو مثلاً یہ کہے کہ میں اُس کی دودھ شریک بہن ہوں تو اُس کا کہنا معتبر نہیں ہے۔ اگر اُس نے اپنے اقرار پر اصرار کیا اور خاوند نے اُس کو طلاق دیدی تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ مہر کی حقدار نہ ہوگی، کیونکہ اُس نے خود عقد کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاعت کی گواہی دودھ پلانے والی کی شہادت دودھ پلانے والی کی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہ کرے تاکہ خود غرضی کا الزام عامد نہ ہو، اور اُس کی گواہی درست نہ ہوگی جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں:

۱۔ رضاعت کا وقت بتائے کہ اس نے فلاں وقت دودھ پیا تھا کیونکہ ممکن ہے کہ اُس نے اُس کو دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلایا ہو یا خود اُس کی عمر نو سال سے کم ہو۔

۲۔ وہ یہ بھی بتائے کہ اس نے کتنی بار دودھ پلایا ہے۔

۳۔ وہ درمیانی فاصلے بھی بیان کرے۔

۴۔ وہ یہ بھی بتائے کہ دودھ چھاتیوں سے اُترا اور بچے کو دیکھا کہ وہ اُسے چوس رہا یا گھونٹ لے رہا ہے اور دودھ فی الواقع بچے کے پیٹ میں پہنچا۔

رضاعت کے اقرار کی گواہی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ عورت ذات کَبِن (شیردار) ہے۔

رضاعت کے بارے میں زوجین کے اقرار کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ جس بات کا وہ اقرار کرتے ہیں اُس کا ہونا ممکن ہو۔ اگر کوئی شخص دودھ کے رشتے سے بیوی کو بیٹی کہدے او وہ عمر میں اُس سے بڑی ہے تو یہ غلط بیانی ہوگی۔

رضیع کے حقیقی بھائی بہن کا حکم رضیع یعنی جس نے دودھ پیا ہے اُس کا نکاح مُرضعہ (دودھ پلانے والی) اور اُس کے شوہر اور اُس کے

خونی رشتہ داروں سے جائز نہ ہوگا لیکن رضیع کے دوسرے بھائی بہن جنہوں نے اس خاص مرضعہ کا دودھ نہیں پیا خواہ وہ حقیقی ہوں یا سوتیلے یا رضاعی اُن کی اُس مرضعہ کے لڑکے لڑکیوں

سے شادی ہو سکتی ہے۔

رضیع کے لڑکے لڑکیاں مرضعہ اور اس کے شوہر کے لئے حرام ہیں کیونکہ رضیع کے بچے مرضعہ اور اس کے شوہر کے پوتے پوتیاں اور اس کی بیوی بہو ہو گئی، اسی طرح رضیعہ کے بچے مرضعہ اور اس کے شوہر کے نواسے نواسیاں اور اس کا شوہر داماد ہو گیا اور ان سب سے شادی حرام ہے، اس شعر میں یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے جسے یاد رکھنا چاہیے۔

از جانب شیردہ ہمہ خویش اند حرام
وز جانب شیرخوارہ زو جان و فروع

بیوہ اور مطلقہ سے نکاح اسلام عورتوں کو نکاح کے رشتے میں بندھا رکھنا چاہتا ہے کیونکہ یہ بات اس کی عزت و عصمت کو محفوظ رکھتی ہے عہد نبوی میں صحابہ کرام کی بیویاں جب بیوہ ہو جاتیں تو دوسرے صحابہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خاص لحاظ رکھتے کہ وہ بغیر کسی مرد کے جو ان کی عفت و عصمت کا محافظ ہو نہ رہنے پائیں۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام کی سیرت میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ قرآن کے اس ارشاد کے مطابق کہ و انکحوا الایامی منکم (اپنی قوم کی بیواؤں سے نکاح کرو) اس کا بہت لحاظ رکھا جاتا کہ کوئی خاتون بغیر کسی سرپرست کے زندگی نہ گزارے۔ بیوہ کے لئے عدت چار مہینے دس دن۔ مطلقہ کی عدت تین حیض اور حاملہ بیوہ یا مطلقہ کی عدت بچے کی پیدائش ہے یعنی اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اس مقررہ مدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔

زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الزانی لَا یَنکحُ الا مَآئِنَةَ اَوْ مُسْتَنَکَّتَہُ (زنا کرنے والا بجز زانیہ اور مشترکہ عورت کے کسی سے نکاح نہ کرے) اسلامی شریعت نے جو طریقے ایک مرد کو کسی عورت سے متمتع کرنے کے مقررہ دیئے ہیں ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے یعنی مقررہ حدود کو توڑ کر یہ تعلق قائم کرنا اصطلاح شریعت میں زنا کہلاتا ہے اور اس کی شناعت اس درجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ایسے مرد و عورت کو قبول کرنے سے باز رہتا ہے جو لوگ شرعی قوانین کے پابند نہ ہوں ان کو شریعت خارج از اسلام

قرار دیتی ہے اور انہیں وہی حیثیت دیتی ہے جو ایک مشترک کی حیثیت ہو۔ چنانچہ زانیہ کے لئے کوئی عدت نہیں۔ اگر اُس کو حمل رہ گیا ہے تو اُسی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے جس کا حمل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اُس سے نکاح کرے تو اُسے مباشرت نہ کرنا چاہیے تاکہ حمل میں اختلاط واقع نہ ہو۔

نکاح کے باب میں مستحب امور کفارت اور مہر کے بیانات میں بہت سی باتوں کا ذکر کیا جا چکا ہے جو آدمی کی معاشی اور معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے رشتہ نکاح قائم کرتے وقت پیش نظر رہنا چاہئیں۔ اخلاق و دیانت کا تقاضا ہے کہ شادی کے مواقع پر اسراف سے بچا جائے کیونکہ حیثیت سے زیادہ جو عمل کیا جائے گا وہ پریشانی اور بوجھ بڑھانے والا ہوگا اور نکاح کی برکتوں کو گھٹانے والا ہوگا، اور مسرت کے بجائے رنج و غم میں اضافہ کرے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اعظم النکاح بركةً ایسرہ مؤنۃً ذسب سے زیادہ مبارک نکاح وہ ہے جو سہل تر ہو (یعنی مادی پریشانی اور بار کا سبب نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس لڑکے کے دین و اخلاق سے مطمئن ہو جاؤ اُس سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو تنگن قتنۃ فی الارض و فساد عریض (زمین میں عظیم فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا) ان ارشادات میں واضح کر دیا گیا کہ شادی بیاہ کی تقریب کو نہایت سادہ کم خرچ اور اخلاقی حدوں کے اندر ہونا چاہیے، بہت سی رسوم اور غیر ضروری جہیز جو محض مادی خواہشات کی پیدا کردہ ہیں دین و اخلاق سے اُن کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ اُلٹے تباہ کن ہیں۔

خطبہ (منگنی) یہ امر مستحب ہے کہ جب نسبت طے کی جا رہی ہو، تو ہونے والی بیوی کو دیکھ لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار صفات میں سے کسی نہ کسی صفت کی بنا پر ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے: حسن و جمال، مال و دولت، خاندانی وجاہت دین و اخلاق۔ پھر فرمایا: "فاظفر بذات الدین تربت يداك" تم دین والی کو حاصل کر کے سُرخ رو ہو جاؤ تاکہ بھلائی سے محروم نہ رہو (درحقیقت یہی چاروں باتیں دیکھی جاتی ہیں اور دیکھنا بھی چاہیے۔ جس عورت میں یہ چاروں صفتیں موجود ہوں تو بہت خوب ہے۔ مگر وجہ ترجیح چوتھی صفت ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، دوسری صفتیں عارضی اور جلد ختم ہونے والی ہیں، اس

کے علاوہ وہ ایسی ہیں کہ اگر دین و اخلاق نہ ہو تو وہ باعث عذاب ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آپ نے فرمایا: **الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ** (پوری دنیا دولت مستعجل ہے جس کی لذت جلد زائل ہو جانے والی ہے، دنیا کی بہترین دولت نیک و صالح بیوی ہے) اس ارشاد سے دیندار، نیک اور صالح بیوی کا دنیا کی بہترین دولت ہونا مستند ہے اور محض حسن و جمال اور دولت و جاہ والی عورت کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی سند ہے کہ حسن و جمال اور جاہ و دولت کتنے دن باقی رہے گا۔ جبکہ نیک اور صالح کبھی زوال آشنا نہیں بلکہ وہ ضمانت ہے فقر و افلاس کو دور کرنے کی، اللہ کا وعدہ ہے **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ**۔ جس عورت کے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس کو دیکھنا مرد کے لئے مباح ہے جس سے محض نکاح کی خواہشمند اور طرفین کی رضامندی کا اظہار ہو، آنحضرت کا ارشاد ہے:

اذا خطب احدكم امرأة فقد ران يري منها بعض ما يدعوه الى نكاحها فليقل
(احمد و ابوداؤد) یعنی جب کسی عورت سے منگنی ہو جائے اور وہ مرد عورت کو کسی قدر دیکھ سکتا ہو کہ اسے نکاح کی رغبت ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ جس کے ساتھ منگنی نہ ہوئی ہو اس عورت کو محض شوقیہ دیکھنا درست نہیں۔

شادی کے سلسلہ میں رائے دینا لڑکے یا لڑکی کے بارے میں صحیح معلومات اُن کے عیب و ہنر سے متعلق کرنا اور مشورہ لینا مستحسن ہے اور جس سے مشورہ کیا جائے اسے صحیح رائے دینا لازم ہے کیونکہ حدیث میں ہے **مَنْ شَاكَ مَوْثِقِينَ** (جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے) ایسی صورت میں واقعی عیوب کا ظاہر کر دینا غیبت نہیں ہے۔

کسی کے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں ہے اگر کسی مسلمان مرد نے کسی مسلمان عورت سے شادی کرنے کی بات چیت

شروع کر دی ہو تو کسی دوسرے مسلمان کو اس جگہ پیغام نہیں دینا چاہیے، جب تک ان کی بات چیت ختم نہ ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **لَا يَخْتَبِ الرِّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ اخِيهِ حَتَّى يَنْتَهِجَ** (بخاری) (کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام پر اس

وقت تک پیغام نہ دے جب تک نکاح کر لینے یا نہ کرنے کی بابت طے نہ ہو جائے۔
 منگنی کی رسم ادا کرنے کا جو دستور ہے مثلاً مہٹائی، سبزی، پھل اور نقد روپیہ یا زیور کا
 لینا دینا اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ اسراف ہے جس میں بعض رسوم مکروہ تحریمی ہیں اور
 بعض مکروہ تنزیہی۔ لہذا ان سے بچے رہنا چاہیے۔ عورت کا تعلیم یافتہ ہونا بہت اچھی صفت
 ہے بشرطیکہ اس سے مقصد اصلاح حال اور بچوں میں اخلاقی صفات اور تعلقات کا احترام
 پیدا کرنا ہو۔ دفتر اور سیاست کی کرسی پر بٹھانا اور معاشی ذمہ داریاں عورت پر ڈالنا غیر فطری
 امور ہیں جس کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلے۔ عورت کا دائرہ عمل گھر کے باہر تک نہیں پھیلنا
 چاہیے۔ البتہ اگر صاحب علم عورت ہو تو جس طرح عورتیں اس سے تحصیل علم کر سکتی ہیں اسی طرح
 مرد بھی شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے علم حاصل کر سکتے ہیں۔

عقد نکاح کے لئے اعلان
 نسبت طے ہو جانے کے بعد نکاح کے لئے دن تاریخ اور
 وقت اور مقام کا اعلان کر دینا چاہیے۔ نکاح کے لئے
 تشہیر مستحب ہے، ایسے موقع پر دن، ڈھول یا نقارہ بجا کر یا جھنڈا بلند کر کے اعلان کیا جاسکتا
 ہے، رات کے وقت زیادہ روشنی حاصل کر کے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”نکاح اعلان کر کے کرو اور اس کی بہترین جگہ مسجد ہے“ (ترمذی)
 مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن ہو، اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ عورت بذات خود
 نکاح میں شریک نہ ہو بلکہ اس کا ولی ہو جو عاقل، نلوکار اور قریبی رشتے دار ہو اور گواہ بھی معتبر اور
 نیک ہوں۔ یہ امر بھی مستحبات میں سے ہے کہ عورت ایسے شخص کو پسند کرے جو دین پر قائم ہو۔
 کسی فاسق یا بے دین سے شادی نہ کرے۔ سہولت پسند، خوش اخلاق اور فیاض طبع شخص کا
 انتخاب کرے۔ ایسا مالدار جو بخیل یا حریص ہو یا ایسا مفلوک الحال جو خرچ نہ چلا سکے دونوں
 لائق انتخاب نہیں۔

مقام نکاح
 جیسا کہ ابھی حدیث کا حوالہ دیا جا چکا ہے، نکاح کی بہترین جگہ مسجد ہے گھر
 پر بھی نکاح ہو سکتا ہے خواہ لڑکی کا گھر ہو یا لڑکے کا۔ لڑکی کے گھر برات
 لے جانے کی رسم مہرے اور جوڑے کی رسم یا سونے کی انگوٹھی مرد کو پہنانے کی رسم اور باجا جانے

کی رسم، یہ تمام رسمیں مکروہ یا حرام ہیں اس لئے ان سے گریز کرنا چاہیے۔

نکاح کے لئے بلاوا
نکاح کے وقت اپنے قریبی اعترہ اور احباب کو بلا لینا پسندیدہ ہے لیکن لازم نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے نکاح کے موقع پر حضرت انسؓ کو بھیجا کہ جاؤ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو اور انصار کے کچھ لوگوں کو بلا لاؤ، چنانچہ ان ہی کے سامنے آپ نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔ یہ نمونہ ہے ہمارے لئے اس میں نہ تو بلانے والے کو کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے اور نہ آنے والوں کو زحمت ہوتی ہے اس سے زیادہ اگر کچھ کیا جائے گا تو اس میں زحمت بھی ہوگی اور اسوہ حسنہ کی پیروی نہ ہو پائے گی۔

ولی کو لڑکی سے اجازت لینے کا طریقہ
بالغہ لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ اجازت لے کہ ”میں تمہارا

نکاح فلاں لڑکے سے اتنے ہر معجل یا مؤجل پر پڑھانا چاہتا ہوں تم اجازت دیتی ہو یا تم نے اجازت دی“ اگر لڑکے کے بارے میں لڑکی کو پہلے نہیں بتایا جا چکا ہے تو اذن لیتے وقت پورا تعارف کر دینا چاہئے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ کون اور کیسا آدمی ہے۔ کنواری لڑکی کا خاموش ہو جانا، آنسو بہا دینا یا ہاں ہوں کر دینا اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔ اور اگر کنواری نہیں ہے یعنی ایک شادی بلوغ کی حالت میں پہلے ہو چکی تھی تو پھر اسے صراحتاً ”مجھے منظور ہے“ میں اجازت دیتی ہوں“ کہنا چاہئے۔ نابالغہ لڑکی سے ولی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ولی اپنی صوابدید سے نکاح پڑھا سکتا ہے۔

وکھیل کے ذریعے اجازت لینا
ولی اگر کسی آدمی کو وکھیل بنادے کہ تم اجازت لے کر نکاح پڑھا دو تو وکھیل کو بھی دو گواہوں کے سامنے انہیں الفاظ کے ساتھ اجازت لینا چاہئے جیسے اوپر بیان ہوئے اور بالغ لڑکی سے صراحتاً اجازت لے لینا چاہئے، خاموشی یا رو دینا کافی نہیں ہے۔

ولی یا وکھیل کے ساتھ گواہوں کو بھی الفاظ (اجازت کے) سننا چاہئیں۔
عام طور پر پہلے لڑکی سے اجازت لی جاتی ہے اور پھر لڑکے سے قبول کروایا جاتا ہے لیکن

اگر کہیں اس کے برعکس صورت واقع ہو یعنی لڑکے سے پہلے ایجاب کرایا جائے تو بائع اور سمجھدار لڑکے سے صریح الفاظ کے ساتھ ایجاب قابل اعتبار ہوگا ورنہ نہیں البتہ اگر لڑکے کا نابالغ اور نا سمجھ ہے تو ولی کی اجازت کافی ہے۔

قبول کرنے کا طریقہ جس طرح دو گواہوں کے سامنے اجازت لے گئی ہے اسی طرح دو گواہوں کی موجودگی میں قبول بھی ہونا چاہیے۔ قبول کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی سے یہ کہا جائے کہ میں فلاں لڑکے یا لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ تم نے اسے قبول کیا؟ جواب میں صاف صاف کہنا چاہیے کہ میں نے قبول کیا۔ تین بار قبول کروانا لازم نہیں ہے، ایک ہی بار کافی ہے۔

مہر کا ذکر کرتے وقت معجل (فوراً ادا ہونے والا) یا مؤجل (بعد میں ادا ہونے والا) اور سکے کا نام یعنی اتنے روپے، اتنے ڈالریا اتنے ریال یا اتنا سونا یا اتنی چاندی کی صراحت کر دینا چاہیے۔

خطبہ نکاح ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے یا عقد ہونے سے پہلے خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ سب سے بہتر وہ خطبہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی کتابوں میں مروی ہے:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُ بِهٖ
وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ
شُرُوْبِ الْفُسْنٰ وَاَسِيْئَاتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِي اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضِلِّ
فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ
اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ
لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَاَسْرُوْلُهٗ

(۲) سب تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں پس ہم اس کی حمد کرتے اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے طلبگار ہیں اور اپنے نفس کی برائیوں اور بد اعمالیوں سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے وہ راہ راست پر ڈال دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اسے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

ہے، وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں
میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ
اس کے بندے اور رسول ہیں۔

(۲) لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے
تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان
سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور اُن دونوں
سے بہت سے مرد اور عورتیں جہان میں

پھیلائے۔ تم اس اللہ کی نافرمانی سے
ڈرو جسے تم اپنا حاجت روا جانتے ہو اور
قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی سے ڈرو
یقین جانو کہ اللہ تم پر نگران ہے (۳) اے

ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے
ڈرنے کا حق ہے اور مرتے دم تک سلام
پر قائم رہو، اے ایمان والو! اللہ سے
ڈرتے ہوئے ٹھیک بات کہا کرو تاکہ اللہ
تمہارے کام بنائے اور تمہارے گناہ بخش
دے اور جس شخص نے اللہ اور اُس
کے رسولؐ کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی
سے سرفراز ہوا۔

(۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ
خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا
رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ
الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَ
الْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
رَقِيبًا۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَ
لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ
مُسْلِمُونَ۔

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا
سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
عَظِيمًا۔

اس خطبے کے بعد ارشادات رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو نکاح کے متعلق ہیں پڑھنا
بھی نکاح کی محفل میں باعث برکت و ہدایت ہیں اور ان ارشادات کی اطاعت واجب ہے:
النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ
عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔
نکاح میری سنت ہے جو اس سے گریز
کرے گا وہ میرا امتی نہیں ہے۔

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَاتٍ
أَيْسَرُهُ مَثْوَنَةٌ

سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم پریشانی اور کم سے کم خرچ ہو۔

دعا عقد نکاح ہو چکنے کے فوراً بعد بیٹھے یا کھڑے ہوئے لوگوں کو دعاً مانگنا چاہیے کہ اے اللہ ان کو برکت دے ان پر اپنا فضل فرما، ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور غمخواری پیدا فرما اور بھلائی کے کاموں میں اتفاق و اتحاد کی توفیق عطا کر سنت یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی کو رشتہ ازدواج قائم ہو جانے کی مبارکباد اس طرح دی جائے۔

بَارَكَ اللَّهُ لَكُمَا وَعَلَيْكُمَا
وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ وَ
عَافِيَةٍ

اللہ تعالیٰ تم دونوں کو مبارک کرے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور دونوں خیر و عافیت سے رہو۔

دعوت ولیمہ ولیمہ اُس ضیافت طعام کو کہتے ہیں جو کھندائی کی خوشی میں کی جائے۔ یہ ایک سنت مؤکدہ ہے، یہ سنت اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ جس مرد کا نکاح ہوا ہے وہ حسب توفیق اعزہ اور احباب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ اگر جانور ذبح کرنے کا مقدور ہے تو سنت یہ ہے کہ ایک بکری سے کم نہ ہو۔ صاحب توفیق کے لئے یہ مطالبہ کم سے کم ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ارشاد فرمایا:

أَوْلَيْكُمْ وَكُوْبَشَاءَةً

ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی سے ہو۔

اگر مقدور نہ ہو تو حسب استطاعت جو بھی ہو سکے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد یہ دعوت ولیمہ دی :-

مَا كَانَ فِيهَا مِنْ خَبْرٍ وَلَا لَحْمٍ
وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ
بِالِإِنْتِطَاعِ قَبْضَتِ وَالسَّقَى
عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْأَقْطُ وَالسَّمْنُ

اُس میں نہ تو روٹی تھی اور نہ گوشت تھا بلکہ آپ نے چمڑے کا دسترخوان بچانے کا حکم دیا اس پر کھجوریں اور پنیر اور مسکہ رکھ دیا گیا (جسے لوگوں نے کھایا)

(بخاری و مسلم)

لڑکی والوں کے یہاں کسی طرح کی دعوت وغیرہ کا اہتمام غیر مسنون ہے، یہ بات الگ ہے کہ لڑکے کی طرف سے نکاح میں آئے ہوئے لوگوں کی خاطر مدارات بغیر کسی زحمت و تکلیف کے کر دی جائے۔ لیکن اس کو دستور بنالینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا ہے۔

دعوت ولیمہ طعام العرس کا نام ہے "عرس" عقد ازدواج اور زفاف کے لئے بولا جاتا ہے یعنی زفاف اور کتخدائی کی خوشی میں کھانے کی دعوت کرنا اس کے علاوہ دوسری مسرت بخش تقریبات میں بھی کھانے کی دعوتیں دی جاتی ہیں ان کے نام دوسرے ہیں مثلاً دعوت املاک املاک کے معنی ہیں زوجیت میں دینا، یہ نکاح سے قبل زوجہ بننے والی کی طرف سے دی جاتی ہے۔ دعوت خرس، ولادت کی تقریب میں دی جاتی ہے۔ دعوت عقیقہ، موٹن کی تقریب میں کھانا کھلانے کو کہتے ہیں۔ ختنہ کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اس کو اعدار اور بچے کے قرآن ختم کرنے کی تقریب میں جو دعوت ہو اس کو حذاق کہتے ہیں یہ لفظ حذق سے مشتق ہے جس کے معنی علمی مہارت کے ہیں۔ سفر سے واپس آنے کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اس کو نقیعہ کہتے ہیں یہ لفظ نقع سے مشتق ہے جس کے معنی گرد و غبار کے ہیں، تعمیر مکان کی خوشی میں جو دعوت دی جاتی ہے اسے وکیرہ کہتے ہیں یہ غالباً وکر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پرندے کا آشیانے میں آنا اس کے علاوہ وہ کھانا جو تم کے موقع پر دیا جائے اس کو وضمیمہ کہتے ہیں یعنی میت کا کھانا، یہ پڑوسی یا کسی عزیز کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

ان تمام دعوتوں میں سنت صرف دعوت ولیمہ ہے، باقی رہیں دوسری ضیافتیں تو وہ صرف جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی دینی بُرائی نہ پیدا کی جائے۔ وضمیمہ صرف محتاجوں کے لئے ہو تو باعث ثواب ہے، بشرطیکہ وارثوں سے مال نہ لیا گیا ہو۔ حنفی مسلک کے لحاظ سے یہ تمام باتیں لکھی گئی ہیں۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غمی کے موقع پر کھانے کی ضیافت مکروہ ہے، ختنے کے سلسلے میں دعوت بھی مکروہ ہے، مگر کچھ لوگ جائز کہتے ہیں، عقیقے کی دعوت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔

دعوتِ ولیمہ کا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس طرح روایت کیا گیا ہے:

الولیمۃ اول یوم حق
والثانی معروف والثالث
ریاء وسمعة۔
ولیمہ پہلے روز کھلنا حق کو ادا کرنا ہے
دوسرے دن کا ولیمہ نیکی ہے تیسرے
دن ریا اور نمائش ہے۔

فقہاء کے نزدیک ولیمہ کا وقت عقد نکاح کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق رخصتی کے بعد پہلے دن ولیمہ سب سے بہتر ہے، دوسرے دن بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ امر مندوب یہ ہے کہ طعام ولیمہ کی دعوت ایک بار ہو۔ دوبارہ ضیافت بھی صحیح ہے بشرطیکہ دوسری بار جو لوگ بلائے جائیں وہ پہلی بار بلائے جانے والوں سے مختلف ہوں۔

دعوتِ ولیمہ میں ممتاز لوگوں کو بلانا اور غریب اعزہ واجب کونہ بلانا سخت ناپسندیدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

شر الطعام طعام الولیمۃ
یدعی لہا الاغنیاء ویترک
الفقراء۔
سب سے ناپسندیدہ کھانا اس ولیمہ کا کھانا
ہے جس میں مالدار لوگ بلائے جائیں
اور غریب اور محتاج چھوڑ دئے جائیں۔

پھر آپ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ:

شر الطعام الولیمۃ یمنعہا
من یتبہا ویدعی من
یا باہا۔
سب سے بُرا ولیمہ کا کھانا وہ ہے جس میں اُن
لوگوں کو روکا جائے جو اناجہا ہیں اور انہیں
بلایا جائے جو آنے سے رکھتے ہوں۔

دعوت کا قبول کرنا سنت ہے اور دعوتِ ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے، دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب یا

مباح ہے جیسے دوستانہ دعوت جسے مادبہ کہتے ہیں۔ عقیقہ، نقیعہ، وکیرہ، خرس یا اعذار کی دعوتیں دی جائیں تو ان کا قبول کرنا مباح ہے یعنی انکار سے بہتر ہے، وہ دعوت جو اظہارِ فخر

یا ناموری کے لئے کی جائے اُس کا قبول کرنا مکروہ ہے اور حرام دعوت وہ ہے جو کسی ایسے شخص کو دی جائے جس کو تحفہ قبول کرنا حرام ہو جیسے فریقین مقدمہ میں سے کسی کا منصف کو دعوت دینا۔
دعوت قبول کرنے کی شرطیں پہلی شرط یہ ہے کہ جس کو دعوت دی گئی ہو وہ متعین شخص ہو۔ اگر کسی نے عام دعوت دی کہ لوگو کھانا کھانے کو چلو

یا کسی نے اپنے فرستادہ سے کہا کہ جو مل جائے اُسے کھانے کو بلالو تو ایسی دعوت کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ دعوت کرنے والا علانیہ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔ بدکار، ظالم اور حرام کی کمائی کرنے والے کی دعوت قبول کرنا مسنون نہیں ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دعوت ولیمہ وغیرہ میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو رہا ہو، مثلاً شراب کی موجودگی یا اور کوئی منکر یعنی غیر اسلامی کام جیسے رقص و سرود، اور نامناسب گانا، باجا، ریکارڈنگ وغیرہ، ایسی صورت میں فوراً دعوت سے اٹھ جانا چاہیے اور اگر پہلے سے معلوم ہو تو جانا ہی نہ چاہیے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کو دعوت دی گئی ہے وہ شرکت دعوت سے معذور نہ ہو مثلاً مریض یا روزہ دار نہ ہو۔ نفل روزہ دار کو اگر ولیمہ میں بلایا گیا ہو تو وہ وہاں جائے اور دعوت کرنے والے کو بتائے کہ وہ روزہ دار ہے اور پھر اُس کے حق میں دعائے خیر کر کے واپس آجائے اگر دو جگہ سے ایک ہی وقت میں دعوت آجائے تو جس کا دعوت نامہ پہلے آیا ہو اُس کے یہاں جانا چاہیے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کے پردے پر چند تصویریں ہیں، آپ اسی وقت واپس چلے گئے اور کھانا تناول نہیں فرمایا۔

تصویر کے احکام دعوت ولیمہ قبول کرنے کے سلسلے میں تصویر کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مدعو کو یہ علم ہو کہ جس جگہ دعوت میں جانا ہے وہاں تصویر بھی ہے تو دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا یا نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ بجز اس صورت کے جب شرعاً اُس تصویر کو دیکھنا مباح نہ ہو۔ حکم ساقط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ بے جان اشیاء کی تصویریں جیسے درخت، مسجد و مینار چاند اور تارے وغیرہ کی

تصویریں دیکھنا جائز ہیں۔ البتہ جاندار ذمی عقل یا غیر ذمی عقل چیزوں کی تصویریں شرعی نقطہ نظر سے حرام ہیں۔ اگرچہ وہ فاسد اغراض کے لئے بنائی گئی ہوں۔ مجتہد جو غیر اللہ کی پرستش کے لئے بنائے جاتے ہیں، ان کو شدت سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ان مجسموں کی تصویر یا جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تصویریں رکھنا بنانا دیکھنا ناجائز ہے جس دعوت کے موقع پر ایسے مجسمے یا تصویریں ہوں وہاں دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر ان تصویروں کا مقصد علم سکھانا یا سکھانا ہو تو مباح ہے جیسے علم تشریح الاعضار کا سکھانا یا لٹریچر کیوں کو گڑیاں کھیلنے کی اجازت جس سے غرض تربیت اولاد کی سوچھ بوجھ پیدا کرنا ہو۔ یہ تمام مقاصد مباح ہونے کے لئے کافی ہیں۔ اگر فرش پر بستر پر اور تکیوں پر تصویر بنی ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ اس طرح کی تصویر کا استعمال تو ہین آمیز ہے، الغرض شریعت اسلامی کا مقصد صورت گری یا بت پرستی کی مخالفت اور اُس کے آثار کو مٹانا ہے، لہذا ہر وہ شے جو بت پرستی کے قریب قریب ہو یا اُس کا ذکر باقی رکھے اُس کے علاوہ سب طرح کی تصویر جائز ہے۔ ایسی تصویر بھی جائز ہے جس میں کوئی ایسا عضو کٹا ہوا دکھایا گیا ہو جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تاہم اگر اُسے احترام سے رکھا گیا ہو یا تمام اعضا کامل ہوں تو وہ حلال نہ ہوگی۔

گانے کے مسائل ولیمہ کی دعوت کے تعلق سے یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ بعض گھرانوں میں ایسی تقریبات میں گانے اور تماشے کا بھی انتظام ہوتا ہے تو کیا ایسی صورت میں دعوت قبول کرنے کا حکم جاتا رہتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط نہیں ہوتا جب تک وہ گانا اور کھیل تماشا ایسا نہ ہو جو شرعاً روا نہیں ہے، اگر معمولی کھیل تماشا اور جائز گانا ہو تو اس سے اجازت ولیمہ میں کوئی امر مانع نہیں۔ شریعت اسلامیہ میں رواداری کے ساتھ اخلاق کو سنوارنا اور طبائع کو بُری خواہشات کی گندگی اور گناہ سے بچانے کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے انسان کے ہر ایسے عمل کو جس میں خرابی کا شائبہ ہے حرام قرار دیا گیا ہے خواہ وہ بہ ظاہر اچھا معلوم ہوتا ہو چنانچہ گانا اس معنی میں کہ وہ لحن کے ساتھ آواز کی تکرار کا نام ہے جائز ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں لیکن اس کے ساتھ کچھ اور باتیں شامل ہو کر اُسے مکروہ اور حرام بنا دیتی ہیں یہی حال کھیل تماشے

کا ہے، چنانچہ ایسا گانا ممنوع قرار دیا گیا جس میں کسی عورت یا نوعمر لڑکے کے خط و خال، بالوں، آنکھوں اور پوشیدہ اعضاء کے جسم کی تعریف و توصیف کی جائے تاکہ سننے والے مفتون ہوں اسی طرح ایسے گانوں کی بھی ممانعت ہے جس میں شراب نوشی کی طرف رغبت دلانی گئی ہو یا ضیاع وقت کا سبب ہو اور امور واجب کی ادا نگہی میں حارج ہو لیکن اگر گانے میں ایسی کوئی بُرائی نہ ہو تو روا ہے لہذا ایسا گانا جو خواہش نفس کو بھڑکانے والا ہو حلال نہیں ہے ہاں اگر کسی وفات یا فتنہ خاتون کی اعلیٰ صفات کو بیان کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسی نوجوان کی شجاعت اور بہادری کو بیان کیا جائے تو بھی صحیح ہے کیونکہ ان اقدار کو حاصل کرنا ہر انسان کے بس میں نہیں ہوتا وہ گانا بھی حلال نہیں جس میں شراب کی تعریف و ترغیب ہو، یہ باتیں شرعی نقطہ نظر سے حرام ہیں۔ یہی حکم اُس گانے کا بھی ہے جس میں کسی انسان کا مذاق اڑایا گیا ہو یا ہجو کی گئی ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ایسا کرنا دین اسلام میں حرام ہے، ایسا گانا اور اُس کا سننا جائز نہیں، البتہ ایسے گانے جن میں حکمت و نصیحت ہو یا وہ گانے جو گل و غنچہ، سبزہ و رنگ، دریاؤں اور آبشاروں کی روانی اور ایسے ہی مناظر قدرت کی تعریف میں ہوں یا جس میں غیر معین انسان کے حسن و جمال کی تعریف ہو اور کسی امر حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو مباح ہیں اور ان میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

ایسا کھیل تماشا جس میں گندمی اور جھوٹی باتیں ہوں یا عورت کے اعضاء کے بدن کی نمائش ہو جنہیں دکھانا شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے یا لوگوں کے ساتھ تمسخر ہو اور نامحرم مردوں کے سامنے عورت کا رقص ہو، یہ سب باتیں حرام ہیں، ایسے ولیمے میں نہ شرکت حلال ہے اور نہ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا جائز ہے۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ دین کے تقاضوں کے موافق اور اہل فکر علماء کی عبارتوں سے

ماخوذ ہے،

امام غزالی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں کہ نصوص یعنی دینی تصریحات سے ثابت ہے کہ گانا، ناچنا، دف بجانا اور خوشی میں ڈھال اور نیزے کے ساتھ زنگیوں اور حبشیوں کا ناچ دیکھنا مباح ہے، یہ حکم تقریب یوم عید پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ وہ خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ اس میں شادی کی تقریب، ولیمہ، عقیقہ، ختنہ اور سفر سے واپسی اور ایسی تمام مسرت آگیاں

تقریبات اور مواقع داخل ہیں جن میں شرعاً اظہار مسرت جائز ہے، چنانچہ اچھے بھائیوں سے ملاقات کرنا، ان کو دیکھنا اور ایک جگہ مل بیٹھ کر کھانا کھانا اور بات چیت کر کے خوش ہونا جائز ہے اور یہی مواقع ہیں جن میں عموماً گانا وغیرہ ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس گانے کے بارے میں ہے جس میں کوئی خرابی یا خلاف شریعت بات یا دینی نقطہ نظر سے گھٹیا قسم کا مضمون نہ ہو کیونکہ ایسے گانے جن میں ایسے نقائص پائے جائیں ان کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ حرام ہیں جس رقص کو انہوں نے جائز کہا ہے اُس سے مراد مردوں کے وہ حرکات ہیں جو اظہار انبساط کے طور پر وہ کرتے ہیں ان میں نہ کسی نفسانی خواہش کا تصور ہوتا ہے اور جن کے سامنے وہ اپنا یہ فن پیش کرتے ہیں وہ بھی ناشائستہ خیالات سے پاک ہوتے ہیں لیکن عورتوں کا ناچ اور وہ بھی نامحرم مردوں کے سامنے بالاتفاق حرام ہے کیونکہ اس میں شہوانی تحریک ہوتی ہے اور فتنہ پیدا ہوتا ہے نیز غیرت و حمیت کے منافی ہے یہی خرابی بے دائرہ ہی موچھ کے لڑکوں کے ناچ وغیرہ میں ہے جبکہ وہ ایسے لوگوں کے سامنے کیا جائے جن کی نفسانی خواہشات برانگیختہ ہوتی ہوں۔

امام غزالی نے جواز رقص کا استدلال حبشیوں اور زنگیوں کے اس ناچ سے کیا ہے جو ایک بار عید کے روز مسجد نبوی کے احاطے میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہونے دیا اور آپ نے روار کھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُسے دیکھیں اور آپ خود ان پر آڑ کئے ہوئے تھے ظاہر ہے اس سے کوئی بُرا خیال نہیں پیدا ہوتا، غرض وہ ناچ جس میں بُرے خیالات نہ پیدا ہوں مباح ہے۔ احیاء العلوم میں امام شافعی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ ”میں نے علمائے حجاز میں سے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جس نے گانے کو مکروہ بتایا ہو بجز ان گانوں کے جن میں حسن صورت وغیرہ کا بیان ہو، چنانچہ نوائے شترباں (حدی) اور آثار و عمارات کا ذکر اور اشعار کا خوش گلوئی سے لحن کے ساتھ پڑھنا مباح ہے۔“

حنفی مسلک میں ناجائز گانا وہ ہے جس میں ناجائز (جیاسوز) مضامین ہوں اور شراب پینے کی تشویق ہو یا میگوں کی تعریف یا کسی مسلمان یا غیر مسلم شہری کی بُرائی بیان کی گئی ہو لیکن اگر ایسے گانے سے مراد کسی کلام کی سند پیش کرنا ہو یا اظہار فصاحت و بلاغت مقصود ہو تو حرام

نہ ہوگا اسی طرح اگر گانا جمالیات کے موضوع پر ہو، خیابانوں، مرغزاروں، چشموں، پہاڑوں اور بادلوں کی منظر کشی ہو تو ایسے گانوں کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں (اقتباس از فتح القدر) مالکی فقہاء نکاح کے اعلان کے لئے دف اور ڈھول وغیرہ کا استعمال جس میں گھنگرو نہ ہوں جائز کہتے ہیں، لیکن گانا وہی جائز ہے جو انصاری لڑکیوں کے اس گانے سے مشابہ ہو۔

آتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيُّونَا نَحْيِيكُمْ
وَكَوْلَا الْحَبَّةَ الشَّمْرَاءُ لَمْ تَحُلْ بِوَادِيكُمْ

ترجمہ: ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے: تم ہمیں مبارکباد دو ہم تمہیں مبارکباد دیتے ہیں
اگر گندمی رنگ کے دانے نہ ہوتے: تو ہم تمہاری وادی میں نہ آتے
گانے کو حسن صوت اور ترنم کی حد تک جنلی فقہاء جائز قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تلاوت قرآن میں ترنم اور خوش آوازی مستحسن ہے۔

بال کورنگے یعنی خضاب کا بیان
خضاب کے بارے میں حنفی فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مرد کو داڑھی اور سر میں خضاب لگانا مستحب ہے لیکن ہاتھ اور پیر کا رنگنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنے سے عورتوں سے مشابہت ہے اسی طرح بغیر کسی شرعی مقصد کے بالوں کو سیاہ رنگنا مکروہ ہے مثلاً دشمن پر رعب جمانے کے لئے ہو تو مباح ہے لیکن عورتوں کے سامنے اپنی خوش نمائی کے لئے ہو تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ایسا کرنا مکروہ ہے، دوسرا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ جس طرح مرد یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی بیوی اُس کے لئے سنگار کرے ایسے ہی اُس کی بیوی اپنے شوہر کے لئے اس بات کی خواہشمند ہو تو مرد کے لئے خضاب کرنا جائز ہے۔

زفاف سنت کی روشنی میں
نکاح ہو جانے کے بعد پہلی رات کو عورتیں لڑکی کو اُس کے شوہر کے کمرے تک پہنچاتی ہیں یہ طریقہ عہد نبوی میں بھی تھا جب دونوں میاں بیوی پہلی بار یکجا ہوں تو سب سے پہلے شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا
اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور وہ

بھلائی چاہتا ہوں جو تو نے اس کی
فطرت میں رکھی ہے اور میں تجھ سے
پناہ چاہتا ہوں اُس کے شر اور اُس
شر سے جو اس کی فطرت میں ہے۔

وَخَيْرِ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوذُ
بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا
عَلَيْهِ

(ابن ماجہ و ابوداؤد)

پھر ہم بستر ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اے اللہ ہم کو شیطان سے محفوظ رکھا اور
جو اولاد تو دے اُس سے شیطان کو
دور رکھ۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَبِّبْنَا
الشَّيْطَانَ وَجَبِّبِ الشَّيْطَانَ
مَا رَزَقْتَنَا۔

اس موقع پر جو دعائیں گئی اور جو ہدایتیں دی گئی ہیں اُن کا مقصد انسان کو حیوانی
پستی سے اوپر اٹھانا ہے تاکہ وہ انسانیت سے نیچے نہ گرنے پائے جہاں تک جنسی جذبے کا
تعلق ہے انسان اور حیوان میں یہ یکساں موجود ہے لیکن اس جذبے کی تسکین کی راہیں جدا
جدا ہیں، کوئی انسان حیوان کی طرح مکان و زمان اور شرم و حیا کی قیود سے آزاد ہو کر اپنے
اس جذبے کی تسکین کرنا پسند نہیں کرتا۔ ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ
نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے نفس کو تسکین دینے کے لئے اپنی بیوی کے پاس جائے تو اُسے
جامہ و لباس سے عاری نہ ہو جانا چاہئے جیسے بکری اور بکرے ہوتے ہیں، آپؐ نے فرمایا فرشتے
دو وقت آدمی سے جدا ہوتے ہیں (۱) بیت النخل میں جاتے وقت اور (۲) مباشرت کے
وقت فاستحبوہم و اکرموہم پس تم ان سے شرمایا کرو اور ان کا لحاظ کیا کرو۔

شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض

شریعت اسلامیہ نے نکاح کے رشتے کو قائم
کرنے کے لئے جو ہدایتیں دی ہیں اُن کا
مقصد اُس تقدس اور پاکیزگی کو یقینی بنانا ہے جس پر ایک صالح خاندان کی بنیاد قائم ہونا چاہئے
اس رشتے کو خوش گوار اور استوار رکھنے کے لئے شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض اور
اُن کا دائرہ عمل اور حدود و اختیار بھی متعین کر دیئے ہیں کیونکہ یہی ایسا تعلق ہے جو ایک
مرد اور ایک عورت کو اتنا قریب لے آتا ہے جیسے جسم اور اُس جسم کا لباس (جو ایک دوسرے

کے لئے لازم و ملزوم ہیں) اس تعلق کو پایدار اور خوش گو اور رکھنے کے لئے دونوں ذمہ دار بنائے گئے ہیں تاکہ یہ رشتہ نہ ٹوٹنے پائے اور نہ اس میں کمزوری آئے پھر چونکہ ایک مرد اور ایک عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد ڈالتے ہیں اور معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا نظم قائم رکھنے کے لئے ایک سربراہ ہونا ضروری ہے جو خاندان کا ذمہ دار اور نگران ہو اور انتشار و بد نظمی سے محفوظ رکھ سکے۔ تو یہ منصب صرف مرد کو عطا کیا گیا ہے کیونکہ عورت اور مرد کی مخصوص فطرت کے پیش نظر مرد ہی میں قوام بننے کی صلاحیت ہے، قرآن نے اس فطری تفوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (نساء - ۳۴)

مردوں کو عورتوں پر قوام اس لئے بنایا گیا ہے کہ فطری طور پر اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔

قوام کے معنی ”محافظ اور خبر گیری کرنے والا۔ ذمہ دار اور قائم رکھنے والا“ یہ قوام کے معنی ہیں۔ میاں اور بیوی کے بنیادی حقوق برابر ہیں مگر مرد کو قوام کا منصب اس کی مخصوص فطرت کے سبب دیا گیا ہے کیونکہ عورت فطرتاً اس ذمہ داری کو اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح مرد انجام دے سکتا ہے، یہ مطلب ہے بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کا، اس تفوق کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح ان پر مردوں کے حقوق۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ - آیت ۲۲۸)

عورتوں کا حق مردوں پر اسی طرح ہے جس طرح ان کا حق عورتوں پر اور مردوں کو کچھ برتری حاصل ہے۔

عورتوں کے حقوق جن کا ادا کرنا مردوں پر واجب ہے قوام اور ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے مرد پر حسب ذیل فرائض عائد کئے گئے ہیں۔

(۱) مہر۔ اس کی تفصیل بیان ہو چکی۔ یہ ایسا حق ہے کہ اگر نکاح کے وقت اس کا ذکر نہ آئے جب بھی شریعت نے مرد پر اس کی ادا کی ضروری قرار دی ہے۔ عام طور پر نکاح کرتے وقت مہر کا

تعیین کر دیا جاتا ہے جو مرد کو بوقت نکاح ادا کر دینا چاہیے لیکن اگر اس وقت ادا نہ کر سکتا ہو تو بیوی سے مہلت لے لینا ضروری ہے ورنہ عورت کو یہ حق ہو گا کہ شوہر کو اپنے قریب آنے سے روک دے۔ اس حق کے ادا ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو مرد اُسے ادا کر دے یا عورت اپنی خواہش سے یا مرد کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس کو معاف کر دے۔ اگر عورت پر معافی مہر کے لئے دباؤ ڈالا گیا تو اخلاقاً و قانوناً اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲) نفقہ۔ سامان زندگی فراہم کرنے کا حق۔ نفقہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جو خرچ کی جاتی ہیں، یعنی کھانے پہننے اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرد کو خرچ اٹھانا جو اس پر بحیثیت توام ہونے کے فرض ہے۔ نفقہ کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳) سکنتی۔ مکان جس میں سکون سے رہا جائے۔ بیوی کا یہ حق ادا کرنا شوہر پر واجب ہے تاکہ وہ آرام سے زندگی گزار سکے، اس کے بارے میں بھی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴) حسن سلوک۔ کھانے پینے اور مکان کی ضرورت پوری کرنے کے بعد بیوی کا اپنے شوہر پر حق ہے کہ وہ بہتر برتاؤ کا اُس سے مطالبہ کرے اور مرد پر واجب ہے کہ وہ اچھے برتاؤ کا مظاہرہ کرے، اس بارے میں شریعت کی ہدایات آگے بیان ہوں گی۔

(۵) ظلم اور اپذارسانی سے باز رہنا۔ یعنی بیوی کا یہ حق ہے کہ اُس کا شوہر اس کے حقوق اس طرح ادا کرے جو عدل و انصاف پر مبنی ہوں اور تکلیف کا سبب نہ بنیں۔ اس سلسلے میں جو مسائل پیش آسکتے ہیں ان کی تفصیل آگے بیان ہونگی۔

نفقہ کا معیار قرآن مجید میں نفقہ کا ذکر کرتے ہوئے اُس کا معیار یہ رکھا گیا ہے کہ شوہر کی وسعت اور طاقت سے زیادہ نہ ہو، چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے:

عَلَى التَّوَسُّعِ قَدْرًا وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدْرًا

(بقرہ ۲۳۷)

خوش حال پر اُس کی قدرت کے مطابق اور تنگ حال پر اُس کی استطاعت کے مطابق نفقہ واجب ہے۔

سورہ طلاق میں فرمایا گیا:

اطلاق ۱۷

لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ جَاءَ اللَّهُ

وسعت والے کو اپنی بیوی بچوں پر اپنی وسعت بھر خرچ کرنا چاہیے اور جس کو نپا تلامیسر ہو اُسے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اُس میں سے خرچ کرنا چاہیے۔ (یعنی بخل نہ کرنا چاہیے) مطلب یہ ہے کہ عورت کی ضرورتیں اُس کی حیثیت اور مرضی کے مطابق پوری کرنے کی کوشش اُس کے شوہر کو کرنا چاہیے جہاں تک اُس کی وسعت اجازت دے، حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ سے اُن حقوق کے بارے میں دریافت کیا جو بیویوں کے شوہروں پر ہیں تو آپ نے فرمایا:

اَنْ تَطْعَمَهَا اِذَا اطْعَمْتَ وَ
تَلْبَسُوَهَا اِذَا التَّسَّيْتُ وَ لَا تَضْرِبَ
اَلْوَجْهَ وَ لَا تَقْبَحْ وَ لَا تَهْجُرْ
اِلَّا فِي الْبَيْتِ۔
جب تم کھاؤ تو انھیں بھی کھلاؤ جب تم پہنو
تو انھیں بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو۔ نہ
برے نام دھرو، ناگواری ہو تو اپنے سے جدا
کر دو مگر گھر کے اندر۔

حجتہ الوداع کے خطبے میں جو اہم بنیادی باتیں آپ نے فرمائی ہیں اُن میں یہ بھی ہے کہ
”وَ اِنَّ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ نَفَقَتُهُنَّ وَ كَسُوْتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ اُن کے کھانے پینے اور اُن کے
ملبوسات کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے دستور کے مطابق۔ فقہاء نے قرآن و حدیث کی روشنی
میں جو طے فرمایا ہے وہ یہ ہے:

(۱) شوہر کا معیار زندگی بلند ہے اور آمدنی اچھی ہے اور بیوی کا گھرانا بھی اسی حیثیت کا ہے
تو نفقہ بھی اسی معیار کے مطابق دینا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے گھر وہ اچھا کھاتی اور
اچھا پہنتی ہو اور شوہر اس کے معیار کے مطابق کھلا پہنا سکتا ہو، پھر بھی وہ بیوی کو موٹا جھوٹا
کھلائے پہنائے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو عورت قانوناً اُس سے اپنے معیار کا کھانا کپڑا
طلب کر سکتی ہے۔

(۲) اگر مرد خوش حال ہو اور آمدنی بھی اتنی ہو کہ خوش حال زندگی گزار سکتا ہو لیکن
بیوی کسی غریب گھرانے کی ہو تو مرد کو نفقہ اپنی حیثیت کے مطابق دینا ہوگا اُس کو غربت و
تکلیف میں اس لئے مبتلا رکھنا کہ وہ غریب گھرانے کی ہے جائز نہیں، بیوی کو قانوناً حق ہے کہ
شوہر سے اپنی حیثیت کے مطابق نفقہ دینے کا مطالبہ کرے۔

(۳) اگر مرد غریب اور تنگ حال ہے اور عورت بھی غریب گھر کی ہے تو پھر مرد کو اپنی اور عورت کی حیثیت کے مطابق ہی کھانے اور پہننے کا خرچ دینا چاہیے، عورت مرد کی حیثیت سے زیادہ نہیں مانگ سکتی۔

(۴) اگر مرد غریب ہو اور عورت خوش حال گھرانے کی نو مرد کو اپنی حیثیت کے ساتھ مقدور بھر اس کے آرام و آسائش کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے اور عورت کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ وہ مرد پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے تاکہ وہ کوئی حرام ذریعہ آمدنی تلاش کرنے پر مجبور نہ ہو یا دونوں کے تعلقات میں بد مزگی پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہمیشہ تنگی سے بسر کرتی رہیں، جب فتوحات سے آمدنی میں اضافہ ہوا تو آنحضرتؐ نے اصحاب صفہ اور نادار مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ازواج مطہرات نے بھی خواہش کی کہ ان کا نفقہ زیادہ ہو مگر یہ خواہش نبی کریمؐ اور اللہ کے نزدیک ان کے مرتبے سے فرسوتر تھی، چنانچہ اس پر قرآن میں یہ تشبیہ فرمائی گئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأَسْرِحْ لَكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۖ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ

(احزاب - ۲۹)

اے نبی! اپنی ازواج سے کہئے کہ اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تمہیں مال اور پوشاک دے کر خوبصورتی سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر (جنت) کی طلبگار ہو تو اللہ نے نیک دل اور نیک عمل عورتوں کے لئے بہت بڑی نعمتوں والا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے کیا کہا؟ سب نے یک زبان ہو کر فرمایا: ہمیں خدا اور رسول اور دار آخرت کے سوا کچھ نہیں چاہیے اور پھر کبھی نفقے میں اضافے کا سوال نہیں کیا۔ اس آئینے میں ہر مسلمان عورت کو اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے۔

(۵) آرائش و زیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کے لئے ضروری ہیں مثلاً تیل، کنگھی، صابون وغیرہ وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں اور ان کا فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے لیکن غیر ضروری آرائش و

زربائش کا سامان جیسے لپ اسٹک اور بیوٹی پاؤڈر وغیرہ تو ان کی فراہمی مرد پر واجب نہیں۔
 ۶۔ اگر عورت ایسے گھر کی ہے جہاں گھر والے اپنے ہاتھ سے کام نہیں کرتے بلکہ نوکر چاکرتے ہیں تو اگر عورت ملازم کا مطالبہ کرے اور شوہر ملازم رکھ سکتا ہو تو اسے ملازم رکھنا پڑے گا لیکن اگر ملازم رکھنے سے معذور ہے تو پھر اندر کا کام خود بیوی کو کرنا ہوگا اور باہر کا کام کرنا خود شوہر کی ذمہ داری ہوگی۔
 ۷۔ اگر عورت اتنی کمزور یا مریض ہے کہ گھر کا کام انجام نہیں دے سکتی تو شوہر ایسی عورت کو کام کاج پر مجبور نہیں کر سکتا اور اس کو بٹھا کر روٹی کپڑا دینا ہوگا۔ اس ذیل میں چند فقہی مسائل بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ کپڑوں کی دھلائی مرد پر واجب نہیں ہے بلکہ صرف صابون اور پانی فراہم کر دینا ضروری ہے، عورت کو کپڑے اپنے ہاتھ سے دھونا چاہئے، اسی طرح بعض علماء نے دوا علاج کا خرچ شوہر پر واجب نہیں قرار دیا، صرف روٹی، کپڑا فراہم کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اسی طرح وقت ولادت دائمی وغیرہ کی فیس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اسے وہی برداشت کرے گا جو اسے بلائے گا۔

یہ تمام مسائل اس وقت اٹھتے ہیں جب شوہر اور اس کی بیوی میں اختلاف ہو جائے اور وہ شوہر سے علیحدہ رہنے لگے، ورنہ نکاح کے ذریعے جو تعلق ایک مرد اور ایک عورت میں قائم ہوتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خوش گواری سے خوشگوار تر ہو اور وہ محض قانونی ہی نہیں بلکہ اخلاقی تعلق بھی بن جائے، ایک دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال ہو اور دونوں اخلاقاً ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خواہشمند ہوں، جہاں یہ صورت ہوگی وہاں اس طرح کے مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے۔
 ۸۔ جس لڑکی سے نکاح ہوا ہے وہ بالغ ہو مگر رخصتی نہ ہوئی ہو یعنی اپنے ماں باپ کے پاس ہو تب بھی وہ مستحق ہے کہ نفقہ اس کو دیا جائے بشرطیکہ رخصتی شوہر کی مرضی سے ملتوی ہو۔
 ۹۔ اگر لڑکی نابالغ ہے اور ابھی شوہر کے گھر نہیں آئی ہے تو نفقہ دینا واجب نہیں لیکن اخلاقاً دے سکتا ہے۔

۱۰۔ اگر بیاہی عورت، شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے ماں باپ یا کسی عزیز کے گھر چلی جائے تو جتنے دن وہاں رہے گی اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، البتہ اگر اجازت سے جائے تو بدستور نفقہ ملے گا۔

۱۱۔ اگر بیوی بالغ ہے مگر شوہر ابھی نابالغ ہے تو بھی اس کو نفقہ ملے گا۔

۱۲۔ اگر شوہر قدرت کے باوجود اتنا کم خرچ کرنے کے لئے دیتا ہو کہ اس کی یا بچوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں تو مجبوری کی حالت میں شوہر کی اجازت کے بغیر اُس کے مال سے اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہے، ایسی ہی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے مال سے ان کی بیوی ہندہ کو خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

”خُذِي مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدَكَ بِالْمَعْرُوفِ“ (اچھی نیت سے اتنا لے سکتی ہو جتنا تمہاری اور تمہارے بچوں کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔)

(۱۳)۔ شوہر ایک مہینہ کا خرچ بیوی کو دیتا ہو اور اُس میں سے وہ کچھ بچالے تو وہ عورت کا حق ہے مرد کو اُسے واپس لینا یا نفقے کی کمی کرنا روا نہیں لیکن اگر عورت کنجوسی کے سبب خرچ نہیں کرتی جس کا اثر اُس کی صحت یا حُسن و جمال پر بُرا پڑتا ہو تو شوہر قانوناً اس سے منع کرنے کا مجاز ہے کیونکہ عورت کی صحت اور اُس کی ظاہری کشش مرد کا حق ہے جس کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (در مختار)

۱۴۔ اسی طرح فضول خرچی سے باز رکھنا بھی شوہر کا حق ہے کہ مہینہ بھر کا خرچ صحیح ڈھنگ سے چلے اگر بے توجہی سے خرچ کر دیا یا چوری ہو گیا تو شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جائیگی (در مختار)

نفقہ کے بعد تیسرا حق بیوی کا شوہر پر یہ ہے کہ وہ اُس کے لئے رہنے

سُكُنِي كَمَا سَأَلْتُكَ كَأَهْلٍ فَرَاهِمٍ كَرِيْمٍ، یہ فرض شوہر پر طلاق کے بعد بھی اختتامِ عدت تک باقی رہتا ہے، قرآن میں ہے:

اَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجُوْهِكُمْ (الطلاق - ۶)

اُن کو مقدور بھر وہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود رہتے ہو۔

اس کی اہمیت اتنی ہے کہ رسول اللہ نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور دوسرا کام ازواجِ مطہرات کے لئے مکان تعمیر کرنے کا فرمایا۔ فقہانے بیوی کے لئے گھر فراہم کرنے کی ہدایات یوں دی ہیں:

(۱) شوہر کے گھر کے لوگوں کے ساتھ مل جُل کر رہنا بہت پسندیدہ ہے تاہم گھر کا ایک کمرہ یا ایک حصہ مخصوص ہونا چاہیے جہاں شوہر اور بیوی بے تکلفی سے رہ سکیں اور بیوی اپنی چیزیں بحفاظت رکھ سکے۔

(۲) اگر بیوی اپنے رہنے کے لئے ایک علیحدہ گھر کا مطالبہ کرتی ہے تو اگر شوہر صاحب حیثیت ہے تو اسے ایسا گھر مہیا کر دینا چاہئے جس میں اس کی ضرورت کی تمام چیزیں مثلاً غسل خانہ پاخانہ، باورچی خانہ وغیرہ ہو۔ لیکن اگر اس کی حیثیت ایسی نہیں ہے تو جو گھر اسے میسر ہے اس میں ایسی جگہ اس کو دی جائے جس میں وہ جسے چاہے آنے دے اور جسے نہ چاہے نہ آنے دے، اپنا سامان محفوظ کر سکے اور میاں بیوی لیٹ بیٹھ سکیں اس کے علاوہ غسل خانہ، بیت الخلاء اور باورچی خانہ الگ دینا اگر ممکن نہ ہو تو زیادہ ضروری نہیں۔ (شرح درختار)

یہ امر تمام حقوق و فرائض کی روح ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن سلوک نے بیوی سے حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ازدواجی تعلق کوئی وقتی اور کاروباری تعلق نہیں بلکہ جان اور بدن جیسا تعلق ہے جو آخری سانس تک اس دنیا میں قائم رہنے والا ہے اور آپس کا حسن سلوک اس تعلق کو پاکد ارتکر کے دائرہ آخرت تک قائم رکھتا ہے۔ حسن سلوک کا مطلب صرف مادی ضروریات زندگی کی فراہمی نہیں ہے یہ تو وہ قانونی حقوق ہیں جنہیں بہر حال ادا کرنا ہی پڑتا ہے خواہ نجوشی یا بجز لیکن اس لطیف رشتے کا تقاضا اس سے زیادہ کا طالب ہے، نازک جذبات کا احساس نرمی اور ملاحظت دل کو جیتنے والا برتاؤ، سچی خیر خواہی، بھول چوک ہو جانے پر درگزر کرنے کا رویہ، میٹھی گفتگو، بات بات پر ٹوکنے اور جھڑکنے سے پرہیز، بیوی سے خدمت لینے میں اس کی کمزور اور نازک فطرت کا لحاظ۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ کا خوف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی پیروی۔ ارشاد نبوی ہے "خیرکم خیرکم لاهلہ" (تم میں اچھا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو) آپ نے اپنے بارے میں فرمایا۔ "میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں" ایک دوسرا ارشاد ہے "خیرکم خیرکم لئسائہم" (تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہیں)

اوپر کی حدیثیں صحیح ترمذی اور مسند احمد سے نقل کی گئی ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں آگے بیان ہوں گی۔ قرآن مجید میں معروف طرز عمل اختیار کرنے کا حکم موجود ہے۔

وَعَاثِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء ۱۹)

اور عورتوں کے ساتھ خوبی اور اچھے برتاؤ کے ساتھ رہو۔ اگر تم انہیں کسی وجہ سے ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ جو بات تم کو ناپسند لگتی ہو اسی میں اللہ نے تمہارے لئے بہت بھلائیاں اور خوش نصیبیاں رکھ دی ہوں۔

اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں (۱) معروف (بھلے) طریقے سے رہو سہو (۲) اگر کوئی بات ناپسند ہو تو فوراً نفرت نہ کرنے لگو کیونکہ ممکن ہے اس بات میں تمہارے لئے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہوں جو تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائیں صحیح مسلم میں رسول اللہ کا یہ ارشاد مروی ہے:

لَا يَفْرِكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً
 رَانَ كَرِهَةً مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ
 مِنْهَا آخَرَ۔

مومن کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ مومنہ بیوی میں
 کوئی بات اچھی نہ لگے تو اس سے نفرت کرنے
 لگے۔ دوسری کوئی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے

(مسلم) جو اسے بہت اچھی لگے۔

ہو سکتا ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں ایک عورت مرد کے معیار سے قدر نظر آتی ہو مگر باطن اس کا بہت اعلیٰ وارفع ہو۔ صورت و شکل کسی کے اختیار کی چیز نہیں جبکہ سیرت و کردار کو بلند کرنا اختیار میں ہوتا ہے۔ عورت فطرتاً کمزور ہوتی ہے اس لئے، اگر کسی کمزوری کا اظہار ہو تو اسے نرمی اور ملاحظت سے دور کیا جاسکتا ہے، سختی اور درشتی سے نہیں۔ اس بارے میں رسول اللہ کی یہ حدیث راہ نمائی کرتی ہے:

عورتوں سے نیک، برتاؤ کرو۔ عورت پسلی
 سے پیدا کی گئی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے
 کی کوشش کرو گے تو تم اسے توڑ دو گے
 اور اگر تم اسے اپنے حال پر رہنے دو گے
 تو وہ بدستور خمیدہ رہے گی لہذا تم عورتوں
 سے نیک برتاؤ کرتے رہو۔

اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ
 الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ
 فَإِنْ ذَهَبْتَ ثِقْمَهُ كَسَرْتَهُ
 وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ
 أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ۔

(بخاری و مسلم)

ظلم اور ایذا رسانی یہ حدیث جو ابھی بیان ہوئی اس کا تقاضا ہے کہ صنف نازک کو ایذا اور تکلیف نہ دی جائے نہ اُن سے سخت کلامی کی جائے نہ طعن و تشنیع سے دل شکنی کی جائے؛ اُنھیں اپنے اقربا سے ملنے پر پابندی نہ لگائی جائے اُن کی مادی ضرورتوں کے ساتھ ان کی دلی خواہشوں کو پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جائے۔ قرآن مجید میں ظلم و زیادتی نہ کرنے کا حکم اپنی منگوحہ بیویوں کے بارے میں ہی نہیں بلکہ مطلقہ بیویوں کے بارے میں بھی دیا ہے:

وَلَا تَسْكُوهُنَّ فِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۗ (البقرہ - ۲۲۱)

”اُن کو محض تکلیف پہنچانے کے لئے روک نہ رکھو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا“

عورت کا حق اور دینی فرائض دینی کاموں میں ایسا انہماک جو بیوی کے مادی اور جنسی حقوق کی ادائیگی سے توجہ ہٹا دے کارِ ثواب نہیں ہے۔ کیونکہ حق تلفی بہر حال گناہ ہے، ایک ممتاز صحابی راتوں کو نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے میں گزار دیتے اور بیوی کی طرف توجہ نہ کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے انھیں بلا کر تنبیہ کی اور فرمایا: ”و ان لنا وجع علیک حقا“ اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، حضرت عمر رضی اللہ کے زمانے میں جبکہ اسلام کو پھیلانے کے لئے اکثر مسلمان اپنے گھروں سے باہر مصروف جہاد رہا کرتے، آپ نے حکم دیدیا تھا کہ کوئی چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے الگ نہ رہے۔

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی شرط بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ایک مرد کو بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس کی حد چار سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ شرط یہ ہے کہ اُن کے درمیان عدل قائم رکھنا ضروری ہوگا تاکہ بیوی کسی قسم کی محرومی محسوس نہ کر سکے، اگر ہر ایک کے ساتھ مساوی برتاؤ نہیں کر سکتا تو اس مرد کو ایک سے زیادہ عقد کرنا جائز نہیں۔ قرآن میں جہاں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہاں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے:

قَانَ حِفْظُهُمُ الْاِتِّعَادُ لِنُؤَافِئِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (نساء- آیت ۳)

”اگر تم کو ڈر ہو کہ ان میں برابری قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھ سکتے ہو یا ایک بانڈی“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اور سیاسی مصلحتوں سے کئی شادیاں فرمائیں اور ان سب بیویوں میں کوئی کبیر السن تھیں کوئی ہم عمر اور کوئی صغیر السن، ظاہر ہے کہ ان کا مزاج اور ذوق بھی مختلف ہو گا، اکثر بیویاں وہ تھیں جو پہلے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ رہ چکی تھیں صرف ایک بیوی کنواری تھیں جو عمر میں بہت چھوٹی تھیں۔ عدل و مساوات اور حسن معاشرت کا اعجاز یہ ہے کہ آپ کی کسی بیوی کو دوسری کے مقابلے میں کمتری یا محرومی کا شکوہ کبھی نہیں ہوا، آپ ہر بیوی کی دلجوئی فرماتے، سب کے پاس باری باری قیام فرماتے جس میں کبھی فرق نہیں آنے پاتا، آپ کا اسوہ حسنہ جو گھریلو زندگی سے متعلق ہے اُن ہی ازواج مطہرات کے ذریعہ امت کو پہنچا۔ عدل و انصاف کا یہ نادر نمونہ کا شانہ نبوت کے سوا کہیں نہیں ملتا۔

جو لوگ شوقیہ شادی پر شادی کرتے ہیں وہ میلان قلب کے اعتبار سے ضرور ایک کی طرف جھک جاتے ہیں اور دوسری کی طرف اُن کی توجہ کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے جو عدل کو باقی نہیں رہنے دیتی، ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں بہ صراحت اس کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے:-

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبْلُغُوا اَكْلَ النِّبْلِ فَمَتَّذِرُوهُنَّ

كَالْمُعَاقَبَةِ

(سورہ نساء- ۱۲۸)

تم اپنی شدید خواہش کے باوجود بیویوں کے درمیان عدل کے ساتھ رہنے پر قادر نہ ہو سکو گے، لہذا ایسا نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ اور دوسری کو بیچ میں لٹکا کر چھوڑ دو (کہ نہ وہ بیاہی رہے نہ بے بیاہی)۔

اگر کسی ایک بیوی کی محبت اُس کی ظاہری یا باطنی خوبی کی بنا پر زیادہ ہو جائے تو اس پر انسان کا بس نہیں ہے اور یہ عدل کے خلاف بھی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عدل کرنے والا کوئی نہیں لیکن آپ بھی یہ دُعا فرماتے تھے:-

اللھم ان هذا قسمی فی ما بارالہا! میری تقسیم اسی حد تک ہے جہاں تک

املك فلا تلمنى فيما لا املك - میرا اختیار ہے لیکن جن باتوں کا مجھے اختیار

نہیں ہے ان میں مجھ کو ملا مت نہ فرما۔ (ابوداؤد)

لیکن شریعت نے جو حقوق بیوی کے مقرر کر دیے ہیں ان میں اگر کوئی شخص کمی کرتا ہے تو وہ اخلاق اور تائون کی نظر میں مجرم ہے۔

قسم بین الزوجات قسم بفتح قاف مصدر ہے باب قسم قسمًا کا۔ قسم قسمًا کے معنی یہ ہیں کہ اس نے حصے کر کے ہر ایک کا حصہ دے دیا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس سے بیویوں کے درمیان شب گزاری میں مساوات کا لحاظ رکھنا اور ہر ایک کا نفقہ (خرچ) مقرر کر دینا مراد ہے۔

نفقہ کی تقسیم نفقہ میں کھانا لباس اور مکان شامل ہیں۔ نفقہ کی مقدار شوہر کی حیثیت اور حالت کے مطابق مقرر کی جائے گی۔ بیویوں کی رضامندی سے اس کی مساوی تقسیم کر دی گئی تو بہت بہتر ہے، ورنہ بیویوں کی حیثیت کے مطابق تقسیم کرنا بھی جائز ہے (یعنی امیر بیوی کا حصہ نفقہ میں غریب بیوی کے حصے سے زائد ہو) بشرطیکہ کسی پر جبر نہ ہو اور ہر ایک کو جو اس کا حق ہے بغیر کسی کی حق تلفی کے مل جائے۔ جبر اور حق تلفی کی شکل میں بیوی قانونی طور پر اپنا حق لے سکتی ہے، اسلامی عدالت سے اس کا جائز حق دلوائے گی۔

جب ہر بیوی کو اس کا پورا پورا حق مل گیا ہو تو شوہر کو آزادی ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے کچھ زیادہ عطا کر دے۔

وقت کی تقسیم یعنی باری مقرر کرنا بیویوں کے درمیان باری کے دن کی (مساویانہ) تقسیم واجب ہے جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

”فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً“ تو جب بیویوں کے درمیان بے انصافی کے اندیشے سے دو بیویوں کا کرنا حرام قرار دیدیا گیا تو بلا تردد دونوں کے درمیان قیام عدل واجب قرار پایا۔

لہذا شوہر جو (۱) عاقل ہو۔ جنون زدہ نہ ہو (۲) بالغ ہو چھوٹی عمر کا نہ ہو اور بیوی بھی چھوٹی عمر کی نہ ہو (۳) بیوی شوہر کی نافرمان نہ ہو ان تینوں شرائط کی موجودگی میں باری مقرر کرنا واجب ہے۔ عورت جنون زدہ ہو لیکن مباشرت ممکن ہو یا چھوٹی عمر کی ہو مگر قابل مباشرت ہو تو بھی باری مقرر

کرنا لازم ہے ورنہ نہیں۔ وہ عورت جو شوہر کی فرماں برداری نہ کرتی ہو اُسے باری کا حق نہیں۔
۲۔ شوہر بیمار ہو یا تندرست اُس کو بیویوں کے پاس باری کے مطابق ہی رہنا چاہیے کیونکہ مقصد باری مقرر کرنے کا باہمی محبت ہے نہ کہ مباشرت۔ شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کی عصمت کی حفاظت کرے کسی دوسرے کے ساتھ تعلق کی راہیں بند کر دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو چھوڑ دینا واجب ہے۔

۳۔ مرد پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان مباشرت اور اُس کے لوازمات میں بھی یکسانی برتے کیونکہ جنسی میلان میں مساوات ممکن نہیں "لَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا" کا مطلب یہی ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص دن میں کاروبار یا ملازمت کرتا ہے تو باری کی راتیں مقرر کرے اور اگر رات کا کام کرتا ہے مثلاً چوکیدار ہے یا کسی کارخانے میں شب کی ڈیوٹی کرتا ہے تو باری کے دن مقرر کرے۔

۵۔ شوہر کو یہ حق ہے کہ باری چاہے ایک ایک دن کی مقرر کرے یا دو دو چار چار دنوں کی۔
۶۔ شوہر کو ایک کی باری والی رات کو دوسری کے گھر چلا جانا جائز نہیں بلکہ اگر ایک کے یہاں سہرا شام پہنچ جاتا ہے اور دوسری کے یہاں دس گیارہ بجے رات کو تو یہ بھی خلاف عدل ہے اور وہ گنہگار ہوگا۔ البتہ اگر دوسری کوئی بیوی بیمار ہے تو اُس کی مزاج پر سی کے لئے جانا روا ہے۔

باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق کسی شخص نے بیوی کے ہوتے ہوئے ایک نئی شادی کی، یہ نئی بیوی یا نو باکرہ (کنواری) ہوگی یا ثیبہ (بیوہ یا مطلقہ) تو اگر باکرہ ہے تو سات دن اور اگر ثیبہ ہے تو تین دن کا حق اُس کو ہوگا جب نئی بیوی کے ساتھ قیام کی مدت ختم ہو جائے تو بیویوں کے درمیان باری کی مساویانہ تقسیم (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) پر عمل ہوگا ابن حبان کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "سبع للكبر وثلاث للثیب" (سات دن تک باکرہ کا اور تین دن تک ثیبہ کا حق ہے) بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ کی یہ روایت موجود ہے:

ان السنة اذا تزوج البكر سنت (طریقہ) یہ تھا کہ ثیبہ پر باکرہ سے نکاح

علی الثیب اقام عندہا سبعا
ثم قسم و اذا تزوج الثیب
علی البکری اقام عندہا
ثلاثا ثم قسم۔

کرتے تو اُس کے پاس سات دن قیام فرماتے پھر
باری مقرر فرمادیتے اور باکرہ برثیبہ سے نکاح
کرتے تو اُس کے پاس تین دن قیام فرماتے
پھر باری مقرر فرمادیتے۔

عورت کو اپنی باری سے دست برداری کا حق
یہ ثابت ہے کہ ام المؤمنین حضرت
سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی

باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عائشہؓ کو اپنی اور حضرت سودہؓ کی باریوں کا حق استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس
سے فقہاء نے مسائل مستنبط کئے ہیں: ایک بیوی کو یہ حق ہے کہ دوسری سے مالی معاوضہ لے کر اپنی
باری کا حق اُسے دیدے یا بغیر کوئی معاوضہ لئے لیا کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک
دو لوں طریقے صحیح ہیں جبکہ باقی تین ائمہ باری کا حق دے کر مالی معاوضہ لینا درست نہیں مانتے ہیں۔
۲۔ ہبہ کرنے والی کو حق ہے کہ ہبہ سے رجوع کر لے۔ رجوع کرنے کے بعد آئندہ باریوں میں
اُس کا حق رہے گا؛ جو گزر چکیں اُن کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ ہبہ کرنے والی بیوی نے جس خاص بیوی کے حق میں اپنی باری دی ہے اور اُس نے اُسے
قبول کر لیا ہے تو شوہر کو اس میں رد و بدل کا حق نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے
نزدیک دوسری بیوی کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا راضی ہونا کافی ہے اور یہ
ہبہ اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک ہبہ کرنے والی اور اُس کا شوہر راضی ہیں۔

۴۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح ہبہ جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ
مقررہ مال کے عوض اپنی باری کا حق اپنے شوہر یا سوکن کو فروخت کر دے۔ اُن کا ایک
مشہور قول یہ بھی ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں اپنی باری کا حق ہمیشہ کے لئے
فروخت کر دے، تھوڑے عرصے کے لئے کر سکتی ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ
ایسا شخص جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں سفر کا
ارادہ کرے تو اگر یہ سفر دوسرے شہر میں ملازمت پر

رہنے کے لئے ہو تو یا تو وہ اپنی سب بیویوں کو لے جائے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو قرعہ ڈالے جس کے نام قرعہ نکلے اُسے ساتھ لے جائے اور پھر کچھ دن ساتھ رکھنے کے بعد واپس لائے اور دوسری بیوی کو اتنے عرصے کے لئے اپنے پاس رکھے جتنے عرصے تک پہلی کو رکھا تھا اور اسی طرح عمل کرتا رہے لیکن سفر اگر کسی وقتی مقصد مثلاً تجارت، علاج یا حصول صحت یا حج وغیرہ کے لئے ہو تو ساتھ لے جانے کے لئے اُس بیوی کا انتخاب کرے جو صلاحیت سفر رکھتی ہو، بعض اوقات کسی بیوی کو گھر کا بند و بست کرنے کے لئے چھوڑ کر جانا لازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر سب بیویاں سفر کی صلاحیت اور گھریلو انتظام کی قابلیت رکھتی ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے خصوصاً جب حج کا سفر ہو کیونکہ اس کا شوق سب بیویوں کو ہوتا ہے۔

جب کسی کے نام قرعہ نکل آئے اور اُس کے ساتھ سفر کیا تو جو عرصہ سفر میں گزرا اُس کا حساب بیوی کے ذمے نہیں ڈالا جائے گا، البتہ اگر بدوران سفر کوئی پر فساد لچپ مقام دیکھ کر کچھ روز بٹھرائے تو یہ ایام بیوی کی باری میں محسوب ہو جائیں گے اور واپسی پر اتنے ہی دن دوسری بیویوں کی باری میں تقسیم کر دئے جائیں گے، یہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک تمام ایام سفر جو چلنے، فرودکش ہونے اور کوچ کرنے میں صرف ہوں گے اُن کی کوئی قضا نہیں چکانا ہے لیکن اگر کسی نے بغیر قرعہ ڈالے کسی بیوی کو لے کر سفر کیا تو اول تو یہ گناہ ہے، دوسرے وہ اوقات جن میں شوہر اور بیوی ساتھ رہے شمار میں آئیں گے اور (سوکنوں کو) اُن کی قضا دینا ہوگی اگر اُنھوں نے بغیر قرعہ کے اُس کے ساتھ سفر کرنے پر اپنی رضا مندی ظاہر نہ کی ہو۔ جب دو بیویاں سفر میں ساتھ ہوں تو اُن کے درمیان باری مقرر کرنا اُس صورت میں لازم ہے جب دونوں الگ الگ سواریوں یا کمپارٹمنٹ یا خیموں میں ہوں۔

اگر سفر میں بیویاں ساتھ ہوں اور ایک دوسرے خیمے میں ٹھہریں یا ایک فرش پر رہیں تو جائز ہے لیکن مباشرت قطعاً ناجائز ہے۔

مرد کا فرض اوپر مرد کے فرائض بیوی کے حقوق ادا کرنے کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں قرآن کی آیات اور احادیث سے مرد کا فرض یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی

دینی اور اخلاقی تربیت بھی کرتا رہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
(سورہ تحریم آیت ۶)

اے مسلمانو! اپنے اور اپنے اہل و عیال کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذْ كُنَّ مَا يَمَثَلُ فِي بَيْوتِكُنَّ مِنْ آيَةِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ
(احزاب - ۳۴)

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور دانش و حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔

سورہ مدثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کا پہلا حکم یہ دیا گیا:

وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ — (اپنے کنبے کے قریبی لوگوں کو چونکاؤ)

سب سے پہلی نماز آپ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ پڑھی، اور دوسری نماز میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے دین کی تعلیم سب سے پہلے اپنی بیوی کو دی۔ اور جو صحابہ آپ پر ایمان لاتے آپ ان کو بھی یہی ہدایت فرماتے۔ حضرت مالک بن حویرث بیان کرتے ہیں کہ ”ہم چند نوجوان اسلام لانے کے بعد دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں بیس دن رہے، آپ کی رحم دلی کا حال یہ تھا کہ بیسویں دن آپ نے پوچھا کہ گھر میں کس کو چھوڑ آئے ہو جب ہم لوگوں لے بتایا تو فرمایا:

ارْجِعُوا إِلَىٰ أَهْلِيكُمْ فَاقِيمُوا

فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

(بخاری و مسلم)

اپنے گھروں کے پاس لوٹ جاؤ، انہیں میں رہو۔ ان کو دین سکھاؤ اور خدا کا حکم انہیں سنادو۔

عورتوں کو نماز کی تاکید کرتے رہنا چاہیے اور اصلاح و تربیت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ کرنا چاہیے، وہ حدیث سامنے رہنا چاہیے جس میں عورت کی فطری کجی اور نزاکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ (حسن سلوک کے ذیل میں)

مردوں کے حقوق ان کی بیویوں پر
بیوی پر شوہر کا پہلا حق جو فرض ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت اس طرح

کرے جیسے کہ وہ اُس کے شوہر کی صاف شفاف امانت ہے جس پر ذرا سا داغ یا میل بھی نہ آنے پائے۔ کسی نامحرم سے بے ضرورت بات چیت نہ کرے، پردے کا خاص اہتمام کرے کہ شوہر کے سوا کسی محرم کے سامنے بھی منہ اور ہاتھ کے علاوہ باقی سارا جسم ڈھکا رہے، بغیر اجازت گھر سے باہر نہ جائے، قرآن میں یہ صفت بیان کی گئی ہے: "حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" (وہ جو شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عزت آبرو اور شوہر کی ہر چیز کی بتوفیق الہی حفاظت کرتی ہیں)

دوسرا فرض شوہر کے مال کی حفاظت کرنا ہے۔ آنحضرتؐ نے صالح عورت کی تعریف میں فرمایا

"وَلَا تَمْنَأِ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِهَا يَكْفَى" (بیوی اپنے بارے میں اور شوہر کے مال کے

بارے میں کوئی ایسی بات نہ کرے جو اُس کا شوہر پسند نہ کرتا ہو۔)

دوسرے موقع پر آپؐ نے اس طرح تعریف کی: "زَوْجَةٌ لَا تَبْغِيهِ خَوْناً فِي نَفْسِهَا

وَلَا فِي مَالِهَا" (ایسی بیوی جو اپنی جان (عزت و آبرو) اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے) مال کی

حفاظت یہ بھی ہے کہ گھر کی کوئی چیز شوہر کی اجازت کے بغیر نہ دے (دونوں حدیثیں نسائی اور

بیہقی سے نقل کی گئی ہیں)

تیسرا فرض ہر نیک کام اور حق بات میں شوہر کی اطاعت کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (سورہ نسا) (نیک عورتیں وہ ہیں جو فرماں بردار ہوتی ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تَقْوَىٰ" کے بعد ایک مرد کے لئے سب سے بڑی

نعمت صالح بیوی ہے جو اپنے شوہر کی نیک بات کو مانے جب اُس کی طرف دیکھے تو اُس کو خوش

کردے جب شوہر اُس کے بھروسے پر کوئی بات کہدے تو اُسے پورا کر دے اور جب وہ گھر میں

نہ ہو تو اپنی عزت کی اور اُس کے مال کی حفاظت کرے (ابن ماجہ) آپؐ نے فرمایا:

"جو عورت نماز روزے کی پابندی کرے تو اُس کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن جنت

کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

شوہر کی اطاعت "اِذَا دَعَا الرَّجُلُ نَزْوَجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَاتَّابَتْهُ

وَ اِنْ كَانَتْ عَلٰى التَّنَوُّبِ" (ترمذی) اگر شوہر بیوی کو اپنی کسی

حاجت کے لئے بلائے تو وہ فوراً اُس کے پاس چلی جائے خواہ وہ تنور ہی پر کیوں نہ بیٹھی ہو۔
بیوی کتنی ہی ضروری کام ہیں کیوں نہ لگی ہو، جب شوہر بلائے تو اُس کی طرف متوجہ ہو جانا
اور اُس کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ حدیث میں حاجت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو جنسی ضرورت کو شامل
ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ تو بیوی کو نفل نمازیں پڑھنی چاہئیں اور نفل
روزے رکھنے چاہئیں اور فرض نمازیں بھی لمبی اور دیر تک نہیں پڑھنا چاہئے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ
میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے،

صفوان بن معطل کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت لے کر آئیں کہ
کہ میرے شوہر مجھے نماز پڑھنے پر مارتے ہیں، روزہ رکھتی ہوں تو تڑو ادیتے ہیں اور خود فجر کی
نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتے ہیں۔ صفوان بھی موجود تھے، آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ
حقیقت کیا ہے، اُنھوں نے عرض کیا کہ جب یہ نمازیں شروع کرتی ہیں تو دو بڑی سورتیں ایک
ایک رکعت میں پڑھتی ہیں، میں نے بار بار منع کیا لیکن یہ نہیں مانتیں، اس پر میں ان کو مارتا
ہوں۔ آپ نے خاتون سے فرمایا کہ ایک چھوٹی سورۃ سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ پھر صفوان نے کہا کہ
جب یہ نفل روزے رکھتی ہیں تو مسلسل رکھتی چلی جاتی ہیں اور میں ایک نوجوان آدمی ہوں اس
لئے روزہ تڑو ادیتا ہوں، اس پر آپ نے فرمایا کوئی عورت نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے
نہ رکھا کرے۔ فجر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کی وجہ صفوان نے یہ پیش کی کہ وہ جو محنت مزدوری کرتے
ہیں اُس میں رات گئے تک مصروف رہنا پڑتا ہے، اس لئے صبح اُٹھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ شوہر کی اطاعت اُس حد تک ضروری ہے جس میں اللہ کی
نافرمانی لازم نہ آئے، نفل نماز یا نفل روزہ چھوڑ دینے میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی اسی طرح
فرض نماز بھی چھوٹی سورتیں پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے، البتہ جہاں معصیت کی بات ہو اور احکام
شریعت کی پامالی ہوتی ہو ایسے تمام بُرے کام کرنے سے صاف انکار کر دینا ضروری ہے خواہ
شوہر خوش ہو یا ناخوش، اُس کے تعلقات اچھے رہیں یا بُرے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ
الخالق - جس بات میں خالق کی نافرمانی ہو اُس میں
کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔

عورتوں کو بے ضرورت تزئین و آرائش سے اس لئے روک دیا گیا کہ بے جا

طلب اور اسراف کی بیخ کنی کی جائے۔ جاہلی عرب عورتیں سر کے بالوں کو خوبصورت بنانے کے لئے کچھ خارجی بال لگالیا کرتی تھیں، اس بارے میں آپ نے فرمایا "فانہ ذور تزید فیہ" یہ ایک طرح کا جھوٹ ہے جو بالوں میں بڑھالیا جاتا ہے۔ اسی جھوٹ اور فریب دہی کی بنیاد پر گودنے گدوانے، چہرے کے رویں صاف کرنے، حد سے زیادہ تراش خراش کرنے، دانتوں کو چکیلا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حدیث میں ایسی عورت سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے جو دین و اخلاق پر کاربند ہوتے ہوئے کم سے کم ضروریات زندگی پر قانع ہو، قرآن مجید میں ازواج مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے جو تنبیہ ہے وہ نفقہ کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہے۔

عورتوں میں ایک عام کمزوری یہ ہے کہ ذرا سی بدسلوکی پر غم بھر کے احسان شناسی حُسن سلوک کو بھلا کر صرف اُس کی بدسلوکی کو یاد کرتی اور یاد دلاتی ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ زیادہ تر دوزخ میں ڈالی جانے والی عورتیں وہ ہوں گی جو ناشکری کی وجہ سے عذاب کی مستحق ہوں گی۔ "یکفون العشیرة" یعنی وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ اس حدیث میں یہ ہدایت عورتوں کے لئے ہے کہ وہ شوہروں کے ساتھ شکر گزاری اور احسان شناسی کا رویہ اختیار کریں، شوہر اپنی محنت سے جو کچھ لگا کر دے سکنے اُسے خدا کا شکر ادا کر کے خوش دلی سے قبول کریں، البتہ اگر شوہر تن آسانی کی وجہ سے بیوی کے جائز حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کی ملامت احسان شناسی نہیں ہوگی۔

حقوق و فرائض کے بیان میں پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے کہ شوہر کو تنبیہ و تادیب کا حق خاندان کے نظم کو درست رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ

نے مرد کو قوام بنایا ہے، قوام کی تعریف میں ذمہ داری اور نگہبانی شامل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ قوام کو معتدل اور سنجیدہ ہونا چاہیے۔ مغلوب الغضب اور کم فہم لوگ اس ذمہ داری کو نہیں نبھاسکتے۔ اسلامی شریعت نے ایسے مرد کو جو قوامیت کی صلاحیت رکھتا ہو اس کی اجازت دی

ہے کہ جب اپنی بیویں میں نشوز و سرکشی دیکھے تو تنبیہ و تادیب کرے، خواہ مخواہ اپنی بڑائی جتانے کے لئے نہیں بلکہ اصلاح حال کے لئے:

وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْرَبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْتَكُمْ
فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا
(نساء - ۳۳)

اور جن عورتوں سے تم نشوز دیکھو تو (۱) انہیں سمجھاؤ، بجھاؤ پھر (۲) انہیں اپنی خواہگاہوں میں چھوڑ کر الگ رہو۔ اور پھر بھی باز نہ آئیں (۳) تو نارو، پس اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو پھر ان پر سختی کی راہ تلاش نہ کرو۔

نشوز کے معنی اٹھ جانے کے ہیں یعنی عورت کے دل سے رشتہ نکاح کا احترام اور لحاظ و پاس اٹھ جانا۔ یہ آیت اس آیت کے فوراً بعد ہے جس میں عورتوں کی بہترین صفات بیان کی گئی تھیں یعنی صالحات نیک عورتیں قانتات فرماں بردار اور حافظات للغیب شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والی اپنی بھی اور شوہر کے مال کی بھی۔ تو اس آیت میں نشوز کے مفہوم میں وہ عورت ہے جو اپنی عزت و آبرو، شوہر کے مال و متاع کی حفاظت نہ کرے اور معروف (نیک باتوں) میں اس کی اطاعت نہ کرے تو ایسی عورت کو تنبیہ و تادیب کی جاسکتی ہے جس کی ذمہ داری بتائی گئی ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انہیں ترمی اور ملامت سے سمجھاؤ۔ یہاں تک کہ وہ تمہاری بات مان لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس لیٹنا بیٹھنا اور سونا چھوڑ دو یا ایلار کر لو یعنی عہد کر لو کہ فلاں وقت تک اس کے پاس نہیں جاؤ گے (ایلا کی تعریف آگے آتی ہے) یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر عورت میں فطری خواہش ہے کہ شوہر کی نظر التفات نہ مٹے تو اپنی غلط روش کو ضرور بدلے گی لیکن اگر اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو تو آخری درجے میں اسے ہلکی مار کی سزا بھی دی جاسکتی ہے مگر منہ پر مارنا منع ہے۔ یہ آخری اجازت استعمال کرنے میں اگر ظلم و زیادتی ہوگی تو گناہ بھی بہت ہے۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں عورتوں کے بارے میں جو آخری ہدایات دی ہیں انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے:

وَأَتَقُوا اللَّهَ فِي النَّسَاءِ فَإِنَّهُنَّ
عِنْدَكُمْ عَوَانٍ وَلَكُمْ
عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُؤْطَيْنَ
فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكَرَّهُوْنَهُ
فَإِنْ فَعَلْنَ فَأَضْرِبُوهُنَّ
غَيْرَ مُبْرَجٍ۔

عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو وہ
تمہاری قید میں ہیں ان پر تمہارا یہ حق لازم
ہے کہ تمہارے فرش پر کسی کو قدم نہ رکھنے
دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا
کریں تو انہیں اس طرح مارو جو نمایاں
نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ گھر میں ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جنہیں شوہر ناپسند کرتا ہے یا جن کی
طرف سے اُس کے دل میں کوئی شک و شبہ ہے۔ تو اگر وہ ایسا کریں اور مہلکائی میں تمہاری
اطاعت نہ کریں تو ان کو مارو، اس طرح کہ جوٹ کا نشان نہ پڑے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ
مسواک وغیرہ چھوٹی چیز سے۔ اسلام نے جب جانوروں کو بھی سخت چیز سے مارنے کی اجازت نہیں
دی ہے تو صنفِ نازک کے لئے ایسی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

ایلا کا بیان
اوپر ایلا کا ذکر کیا گیا ہے اس لفظ کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں۔ قبل از
اسلام، عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ کسی بیوی سے ترکِ مقاربت کی قسم کھا لیتے
تھے۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس سے بیوی جیسا تعلق نہیں رہے گا اس کے لئے ایلا کا لفظ بولا
جاتا تھا، اور جس عورت سے ایلا کیا جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اسلامی شریعت
نے اس اصطلاح کو باقی رکھا لیکن اس کا حکم بدل دیا۔ بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم غیر مشروط
بھی ہو سکتی ہے اور بصراحت وقت بھی یعنی قسم کھا کر کہا جاسکتا ہے کہ میں اپنی بیوی سے
مباشرت نہیں کروں گا یا چار مہینے تک یا اس سے زیادہ عرصے تک یا ساری عمر بھی اس کے
پاس نہیں جاؤں گا۔ تو اگر وقت کی صراحت چار مہینے سے کم کی ہو خواہ ایک ہی دن کم ہو تو وہ شریعت
کی نظر میں ایلا نہیں ہے۔ باقی صورتوں میں ایلا ہوگا۔

ایلا کی شرعی تعریف
بیوی سے ترکِ مقاربت کی قسم کھانا، غیر مشروط یا چار ماہ یا اس سے
زیادہ عرصے کے لئے یا بیوی سے مقاربت کا انحصار کسی دشوار کام
پر رکھ دینا۔

قسم سے اللہ کے نام یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم مراد ہے۔ دشوار کام پر انحصار رکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ فعل مقاربت کو حج سے روزوں سے یا طلاق سے وابستہ کر دیا جائے مثلاً اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج کرنا واجب ہو گا یا اتنے روزے رکھنا لازم ہوں گے یا میری فلاں بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا مجھ پر قربانی یا سو رکعت پڑھنا لازم ہو گا یہ تمام صورتیں مقاربت کو امر دشوار سے وابستہ کرنے کی ہیں۔

ایلا کی تعریف میں ایلا کرنے والے شوہر کا قابل مباشرت ہونا اور جس بیوی سے ایلا کیا جائے اُس کا قابل مباشرت ہونا داخل ہے۔ بعض فقہانے لفظ مکلف کا اضافہ کیا ہے یعنی ایلا کرنے والا اسلامی احکام بجالانے والا ہو (بچہ یا مجنون نہ ہو)

ایلا کے ارکان اور شرطیں فقہانے ایلا کے چھ ارکان لکھے ہیں (۱) مخلوف بہ یعنی جس کی قسم کھائی جائے (۲) مخلوف علیہ۔ یعنی جس بات پر قسم کھائی جائے۔ (۳) صیغہ یعنی قسم کے الفاظ (۴) مدت یعنی وہ عرصہ جس کے لئے قسم کھائی ہے یعنی چار مہینے یا اس سے زیادہ کے لئے (۵) شوہر (۶) بیوی۔

پس اگر کسی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا اس میں اللہ مخلوف بہ ہے اور ترک مباشرت مخلوف علیہ۔ اور اگر کہا کہ مجھ پر طلاق لازم ہوگی بخدا میں مباشرت نہ کروں گا اس قول میں طلاق مخلوف بہ ہے اور ترک مباشرت مخلوف علیہ۔ بعض اوقات بیوی ہی کو مخلوف علیہ کہا جاتا ہے کیونکہ مباشرت کا مفہوم اُس کی ذات سے وابستہ ہے۔ الفاظ قسم کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

۱۔ ایک بیوی کے ساتھ کسی دوسری کو شریک نہ کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ ایلا متصور نہ ہو گا کیونکہ اگر صرف بیوی سے مباشرت کر لی تو قسم نہیں ٹوٹی اور کفارہ عائد نہ ہو گا۔

۲۔ ایلا کی مدت میں سے کوئی وقت مستثنیٰ نہ کیا جائے مثلاً اگر کہا کہ اللہ کی قسم میں ایک دن کے سوا سال بھر تک مباشرت نہ کروں گا تو اس کو سہر دست ایلا نہیں قرار دیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی روز مباشرت کر لی تو دیکھا جائے گا کہ اگر سال پورا ہونے میں چار ماہ سے کم باقی ہیں تو ایلا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ باقی ہے تو

مقاربت والے دن کا آفتاب غروب ہوتے ہی اُس کو ایلا رکنتہ قرار دیا جائے گا پھر وہ احکام نافذ ہوں گے جس کا ذکر آئے گا۔

۳۔ یہ کہ قسم میں کسی خاص جگہ کی قید نہ ہو، چنانچہ اگر مقام کی قید لگائی گئی تو ایلا رکنتہ ہوگا کیونکہ کسی دوسرے مقام پر مباشرت کرنا روار ہے گا۔

۴۔ مباشرت کے ساتھ کسی اور خدمت کو نہ ملائے مثلاً یہ کہا کہ ”اگر میں تجھ سے مباشرت کروں اور فلاں خدمت لوں تو تجھ کو طلاق ہے“ تو اس سے ایلا رکنتہ ہوگا۔

۵۔ اگر صریح الفاظ استعمال کرنے کے بجائے کنایہ کہا گیا مثلاً: اللہ کی قسم میں تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا، یا پاس نہ آؤں گا یا ہم بستر نہ ہوں گا تو جب تک ان الفاظ سے نیت ترک مباشرت نہ ہو ایلا رکنتہ ہوگا۔

احکام متعلقہ ایلا جب خدا کی قسم کھا کر ایلا کر لیا تو اُس کا یہ حکم قرآن میں دیا گیا ہے :

لَا تَدِينُ يُولُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَإِنْ

عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

(سورہ بقرہ - ۲۲۶)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر وہ قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اگر طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

ایلا کرنے کا جو رواج اہل عرب میں تھا جس سے ہمیشہ کے لئے بیوی مرد پر حرام ہو جاتی

تھی اور پھر تمام عمر گھٹتی رہتی تھی اسلام نے اس ظلم کو ختم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ اپنی

بیویوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے یا تو وہ رجوع

کر کے مباشرت کر لیں جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیں تو اللہ

ان کی مغفرت کرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ایلا بذات خود بُرا کام اور عورت پر ظلم اور

ایذا رسانی کا مترادف ہے۔ اس حالت کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو مہلت ہی نہ دی جاتی۔ مگر چار

مہینے کی مہلت دینے میں حکمت یہ ہے کہ اتنے عرصے کی مفارقت اُس کو اپنے کئے پر پشیمان

ہونے اور بیوی کی جانب رجوع ہونے کا موقع فراہم کر دے گی، دوسری طرف یہی مفارقت بیوی کی اصلاح کا وسیلہ بھی بن جائے گی اور جو بات شوہر کی بیزاری کا سبب بنی اُسے ترک کرنے کا رویہ اختیار کرے گی اس لئے اتنے عرصے تک توقف کرنا علاقہ زوجیت کی بحالی کے لئے ضروری ہے اب اگر اس مفارقت کا کچھ اثر نہ ہو اور ایک کو دوسرے کی پروا نہ رہی تو جدا ہونا آسان ہوگا۔ یہ ارشاد کہ ”اگر طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب چھوڑ دینے کا ہی عزم کر لیا تو بیوی کے پاس نہ جائیں چار مہینے کی مدت پوری ہونے کے بعد از خود بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ خواہ مرد طلاق نہ دے یا عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایلا کی مدت گزر جانے کے بعد اگر طلاق ہی دینے کا ارادہ کر لیں تو اللہ (ان کی قسموں کو) سننے والا اور (اس ظلم و اذیت کو جو بیوی پر رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہوئی) جاننے والا ہے۔ یعنی اس خاوند کو تنبیہ کی گئی ہے جو ایلا کی مدت گزر جانے پر رجوع نہیں کرتا اور طلاق ہی دینا چاہتا ہے اگر یہ بطور ظلم ہے تو اللہ سمیع و علیم ہے، وہ اس کی سزا ضرور دے گا۔

فقہ حنفی کے مطابق خدا کی قسم کھا کر ایلا کرنے والا اگر چار مہینے گزرنے سے پہلے بیوی سے مباشرت کر لے تو اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور ایلا ختم ہو جائے گا اگر چار مہینے گزر گئے اور جس بیوی سے ایلا کیا ہے اُس سے مباشرت نہ ہوئی تو بیوی پر ایک طلاق پڑ جائے گی بغیر اس کے کہ یہ معاملہ حاکم شرع کے پاس لایا جائے یا شوہر خود طلاق دے پھر اگر وہ ساری مدت جس کا ایلا کرتے وقت ذکر کیا تھا، گزر جائے اور شوہر مباشرت نہ کرے تو طلاق بائنہ پڑ جائے گی یعنی رشتہ نکاح ٹوٹ جائے گا اور جب تک دونوں پھر سے نکاح نہ کریں یہ رشتہ قائم نہیں ہوگا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایلا دو طرح سے کیا جاتا ہے (۱) بقید وقت یا (۲) مطلق بغیر وقت کا تعین کئے ہوئے۔ دونوں قسم کے ایلا کا عام حکم یہ ہے کہ اگر غصے میں یا بطور تنبیہ شوہر نے ایسا کہا تھا تو شوہر کو چار مہینے کے اندر ہی اپنی قسم توڑ دینا چاہیے یعنی بیوی سے بیوی جیسے تعلق کو قائم کر لینا اور قسم کا کفارہ دیدینا چاہیے، اگر ایسا نہ کیا تو چار مہینے گزرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اگر شوہر نے کوئی مدت ایلا کی مقرر نہیں کی تھی بلکہ یوں کہا تھا کہ ”خدا کی قسم میں

کبھی تجھ سے مباشرت نہ کروں گا، تو بھی چار مہینے گزر جانے کے بعد طلاق پڑ جائے گی اور دوبارہ نکاح کے بعد ہی تعلق قائم ہو سکے گا، اب دونوں قسم کے ایلا میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں اگر دوبارہ نکاح کر لینے کے بعد وہ چار مہینے یا سال بھر تک بھی مباشرت نہ کرے تو دوبارہ طلاق نہیں پڑے گی، مگر دوسری صورت میں اگر وہ چار مہینے مباشرت نہ کرے تو دوبارہ طلاق پڑ جائے گی۔ اب اگر دوبارہ نکاح پڑھانے کے بعد پھر چار ماہ مباشرت نہیں کی تو تیسری طلاق پڑ جائے گی۔ اب بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔

اگر اُس نے خدا کی قسم کھائے بغیر یوں کہا تھا کہ ”اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج کرنا یا ایک مہینے کے روزے رکھنا یا ایک سو روپیہ کا صدقہ کرنا واجب ہے“ اگر اس عہد کے بعد چار مہینے کے اندر مباشرت کر لی تو عہد کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ قسم کا کفارہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر چار مہینے تک مباشرت نہ ہوگی تو چار مہینے پورے ہوتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی اور دوبارہ نکاح کے بعد ہی اُس سے تمتع کر سکے گا۔

طلاق کا بیان

طلاق کی تعریف لغت میں طلاق کے معنی بندش کو کھول دینے کے ہیں چاہے بندش نظر آنے والی ہو یا غیر محسوس ہو مثلاً اونٹنی کی بندش کو کھول کر اُسے چھوڑ دیا جائے تو کہتے ہیں طَلِقَ الناقَةَ طَلَاً، اسی طرح کوئی شوہر بیوی سے علیحدگی اختیار کرے تو کہتے ہیں طَلَقَتِ الْهَرَاةَ (عورت کو چھوڑ دیا) لفظ تطليق بھی بندش ہٹانے کے معنوں میں طلاق کی طرح استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں طَلَقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاً، اُس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کا لفظ اسلام سے پہلے بھی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، شریعت اسلامی کی اصطلاح میں اس کا مطلب نکاح کے ذریعہ لگائی گئی گرہ کو کھول دینا یا نکاح کا زائل ہو جانا ہے یا خاص الفاظ کے ساتھ عقد نکاح میں ایسا نقصان ڈال دینا ہے جس سے گرہ پوری طرح کھلنے میں کمی رہ جائے۔ نکاح زائل ہونے کا مطلب

یہ ہے کہ عقد نکاح جاتا رہے اور آئندہ کے لئے بیوی اُس پر پوری طرح حرام ہو جائے، یہ اس صورت میں ہوگا جب بیوی کو تین طلاقیں دی جائیں اور نکاح کے رشتہ میں نقصان واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقد نکاح بالکل زائل ہونے میں کمی رہ جائے، یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ طلاق رجعی دی جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ بیوی مکمل طور پر اپنے شوہر کو حلال تھی، اُس وقت وہ تین طلاقوں کا مالک تھا۔ طلاق رجعی کے بعد وہ دو طلاقوں کا مالک رہ گیا۔ اب اگر وہ اس طلاق کو واپس لے لے تو بیوی پھر مکمل طور پر حلال ہو جائے گی لیکن اگر وہ طلاق سے رجوع نہیں کرتا اور باقی دو طلاقیں بھی دے دیتا ہے تو بیوی حلال نہیں رہے گی۔ طلاق رجعی سے عقد نکاح نہیں ٹوٹتا صرف رشتہ نکاح میں فرق آجاتا ہے جس کو دور کرنے سے پہلے وہ بیوی کے پاس نہیں جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اُسی کی بیوی رہتی ہے اور شوہر کو ایک مقررہ عرصے کے اندر یا طلاق واپس لینا پڑتی ہے یا باقی طلاقیں دے کر اُس سے بالکل رشتہ نکاح توڑ لینا پڑتا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ مقررہ عرصے کو اصطلاح فقہ میں عدت کہتے ہیں۔

طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے طلاق کی ضرورت صرف اُس وقت پڑتی ہے جب عورت اور مرد اُن حقوق و فرائض کو ادا نہیں کرتے جو شریعت اسلامی نے مقرر کئے ہیں یا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی حق تلفی کرتا ہے یا کسی کی طرف سے کوئی اخلاقی بُرائی ظاہر ہوتی ہے جس کی وجہ سے نفرت و عداوت کی صورت پیدا ہوتی ہے اور محبت و مودت باقی نہیں رہتی، جذبہ رحمت و خیر خواہی فنا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے رویے کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں رہتا تو اس صورت میں شریعت اسلامیہ عورت اور مرد دونوں کو حق دیتی ہے کہ اگر عورت مرد کی قوامیت سے نکلنا چاہے تو خلع اور تفریق کے ذریعے اور اگر مرد عورت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہے تو طلاق کے ذریعے رشتہ نکاح کو توڑ کر آزاد ہو جائیں۔ یہ حق دینے کے باوجود قرآن و حدیث میں نکاح کے معاہدے کو فسخ کرنے سے پہلے سنجیدگی سے غور کرنے اور تعلقات خوش گوار بنانے کی کوشش کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

(نثار - ۱۹)

فَعَلَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَبِجَعَلَ اللَّهُ خَيْرَ الْكَيْفَاتِ ۝

”ممكن ہے تمہیں کوئی بات بُری لگتی ہو اور خدا نے اُس میں بہت سی بھلائیاں رکھی ہوں۔“

ممكن ہے بیوی کی کوئی عادت یا شکل و صورت تمہیں ناپسند ہو مگر اُس میں ایسی خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں جو کسی دوسرے میں نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الْبُغْضُ الْحَلَالُ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ۔ ”یعنی حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ (ابوداؤد، ابن ماجہ) بات اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔“

یعنی اگرچہ طلاق کو آخری چارہ کے طور پر استعمال کرنی اجازت ہے مگر فی الحقیقت یہ ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اگر شوہر اور بیوی میں کوئی وجہ اختلاف ہو جائے تو اُسے دور کرنے کا طریقہ قرآن میں یہ بتا دیا گیا ہے:

وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِمْ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ تَوَيْدَا إِصْلَاحًا

(نثار - ۳۴)

تَوْفِيقَ اللَّهِ بَيْنَهُمَا إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝

اگر دونوں میں شدید اختلاف کا اندیشہ ہو تو شوہر کے گھر والوں میں سے ایک سمجھ دار شخص اور بیوی کے گھر والوں میں سے ایک منصف مزاج شخص کو بھیج دو اگر دونوں بھلا چاہنے والے ہوں گے تو اللہ ضرور دونوں میں موافقت کی توفیق دے گا، اللہ علیم وخبیر ہے۔

دونوں آدمی جو ثالث مقرر ہوں وہ ایسے ہوں جو واقعی صلح صفائی چاہتے ہوں اور خود شوہر اور بیوی اُن کی بات کو ماننے والے ہوں تب اللہ کی توفیق شامل حال ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلاق کو پسند نہیں فرمایا۔ اور صحابہ کرام کو بھی بجز ایک دو کے (وہ بھی دینی ضرورت کی بنا پر) کسی کو طلاق دینے کی اجازت نہیں دی آپ کی ایک حدیث ہے:

اللہ تعالیٰ زیادہ مزہ چکھنے والوں اور زیادہ

مزہ چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔

فان الله لا يحب الذواقين

والذواقات

صحیح مسلم میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ شیطان بُرائیاں پھیلانے اور لوگوں کو بہکانے کے کاموں میں سب سے زیادہ جس چیز سے خوش ہوتا ہے وہ شوہر اور بیوی میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ طلاق شیطان کی پسندیدہ چیز کیوں ہے؟ اس لئے کہ طلاق صرف دو شخصوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتی بلکہ اس سے نہ جانے کتنے رشتے کٹ جاتے ہیں۔ شوہر کے اور بیوی کے کتنے اعزہ و اقارب ایک دوسرے کے ساتھ قریبی تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں جو کل تک بیگانے تھے اُن کے آپس میں مہر و محبت کے رشتے استوار ہو گئے ہوتے ہیں، طلاق کے ذریعے یہ سب باتیں یہی نہیں کہ یک نخت ختم ہو جاتی ہیں بلکہ خاندانوں اور گھرانوں میں بغض و عداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور آئندہ کے لئے کتنے نئے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر بچے ہیں تو اُن کی پرورش اور تربیت کا سوال پیدا ہوتا ہے گویا یہ طلاق ایک گھر کا نہیں پورے معاشرے کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اُس کی پاکیزگی اور صالحیت داغدار ہو جاتی ہے، ایسا دور رس فتنہ اور فساد کسی صالح معاشرہ میں پیدا کرنا شیطان کو ضرور پسند ہونا چاہیے، خدا اور رسول کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔

طلاق کے ارکان یعنی اجزاء لازمی طلاق کے چار رکن ہیں (۱) مرد جس کا نکاح اُس عورت کے ساتھ ہونا ثابت ہو جس کو وہ

طلاق دے رہا ہے۔ طلاق نکاح کے بندھن کو ہٹا دینے کا نام ہے، لہذا جب تک یہ بندھن ثابت نہ ہو اُس کے ہٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا طلاق فیما لا یملک۔ جس عورت کا مالک نہ ہو اُس کو طلاق نہیں دے سکتا۔

(۲) عورت جو طلاق دینے والے کے نکاح میں ہو (طلاق بائن پائی ہوئی نکاح میں نہیں رہتی۔

جبکہ طلاق رجعی پائی ہوئی نکاح میں رہتی ہے جب تک وہ عدت میں ہو)

(۳) طلاق کے الفاظ جو عفت نکاح کو توڑنے والے ہوں خواہ وہ صراحتاً کہے گئے ہوں یا کنایتاً۔

(۴) نیت یعنی الفاظ طلاق دینے کی نیت (ارادے) سے ادا کئے گئے ہوں۔

طلاق کی شرطیں طلاق صحیح ہونے کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق شوہر سے ہے بعض کا بیوی سے اور بعض کا الفاظ طلاق سے ہے۔

(۱) طلاق دینے والا صحیح الدماغ ہو۔ جنون زدہ کا طلاق دینا درست نہیں۔ لیکن وہ شخص جو لذت اندوزی کے لئے نشہ آور چیز استعمال کرے اور عقل جاتی رہے اور اسی حالت میں طلاق دے دے تو وہ طلاق پڑ جائے گی، البتہ اگر کسی مرض کو دور کرنے کے لئے کوئی نشہ اس خیال سے استعمال کی کہ اس سے نشہ نہیں ہوگا اور عقل زائل ہوگئی اور اسی حال میں طلاق دے دی تو یہ طلاق نہیں پڑے گی۔

(۲) طلاق دینے والا بالغ ہو۔ ایسا لڑکا جو بالغ نہ ہو، اور یہ نہ جانتا ہو کہ بیوی کے حرام ہو جانے سے کیا مراد ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ بڑا ہونے کے بعد وہ شمار کی جائے گی۔

(۳) طلاق دینے والے کو طلاق دینے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اپنے اختیار سے نہ دی ہوئی طلاق امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر دیگر ائمہ کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔

بیوی کے تعلق سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ طلاق دینے والے مرد کے زیر تحفظ ہو، اگر اس کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور ابھی وہ عدت میں ہے تو بھی اس پر طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ وہ ایسی طلاق یافتہ ہے جس کا نکاح ختم ہو چکا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی عقد صحیح سے اس شخص کی زوجیت میں ہو، اگر مرد نے کسی عورت سے بہ دوران عدت شادی کر لی یا کوئی اور فاسد عقد کر لیا تو وہ اس کی بیوی نہیں مانی جائیگی الفاظ طلاق سے تعلق رکھنے والی شرطیں دو ہیں:

۱۔ الفاظ ایسے ہوں جو صراحتاً یا کنایتاً طلاق کا مفہوم ظاہر کرتے ہوں۔ اگر کوئی مرد کسی ناراضی کے باعث بیوی کے پاس نہ آئے یا اسے اپنے ماں کے گھڑ بیچ دے تو اسے طلاق نہیں مانا جائے گا خواہ وہ اس کا سامان بھی روانہ کر دے اور مہر بھی ادا کر دے۔ زبان سے لفظ ادا کئے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ محض طلاق کی نیت کر لینا اور زبان سے نہ کہنا طلاق نہیں کہلائے گا۔ البتہ تحریر کر کے طلاق دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ نام سے ہو، پڑھی جاسکتی ہو اور محض تحریر کی آزمائش کے بطور نہ لکھی گئی ہو۔ گونگا شخص اگر اشارے سے طلاق دے اور وہ اشارہ قابل فہم ہو تو طلاق ہو جائے گی۔

(۲) منہ سے جو لفظ ادا ہو اُس میں لغزش زبان کو دخل نہ ہو اور وہی اُس کا مقصد بھی ہو مثلاً: اگر وہ یہ کہتا چاہتا ہے کہ ”تو طاہرہ ہے“ لیکن زبان سے نکل گیا ”تو طالق ہے“ تو یہ طلاق نہ ہوگی لیکن حاکم ان الفاظ پر طلاق کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ وہ دل کی بات نہیں جانتا۔

غصے میں طلاق دینا ایسا غصہ جس میں عقل و ہوش باقی رہے اور زبان سے کہنے والا اپنے قول کو جانتا ہو، اگر بیوی کو طلاق دیدے تو بالاتفاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ غصہ کی وہ حالت جو عقل کو بہ جانہ رکھے اور اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو امام ابو حنیفہ کے مسلک کے علاوہ تمام ائمہ کے نزدیک وہ مجنون کے حکم میں آئے گا اور اُس کی دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی لیکن اگر وہ جو کچھ کہتا ہے اُسے سمجھتا بھی ہے تو جمہور علماء کا خیال ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

غصہ انسان کی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو انسان کی ذات میں موجود ہے وہ بذات خود حرام نہیں ہے البتہ اُسے ایسے وقت میں استعمال کرنا جس کے لئے وہ نہیں بنایا گیا حرام ہے، بخلاف شراب کے کہ وہ ہر حال میں حرام ہے اس لئے غصے کی حالت کو شراب کے نشے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، تو اگر کوئی آدمی غصے میں اپنے آپ سے باہر ہو جائے اور بے ہودہ اقوال و افعال سرزد ہونے لگیں، اس حال میں دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق کی قسمیں (الف) احکام شرعیہ کے لحاظ سے طلاق کی قسمیں واجب اور حرام (اور ان کے درمیانی درجات یعنی مستحب، جائز اور مکروہ) ہیں۔

(ب) طلاق دینے کے وقت و تعداد کے اعتبار سے اُس کی دو قسمیں ہیں بطلاقِ سُنی اور طلاقِ بدعی۔ یہ تقسیم پہلی تقسیم کے منافی نہیں ہے۔

(ج) الفاظ یا عبارتِ طلاق کی رو سے اُس کی قسمیں یہ ہیں:-

۱۔ طلاق صریح یعنی واضح الفاظ میں طلاق دینا جس سے کوئی دوسرا مطلب سوائے طلاق کے نہ نکلتا ہو۔

۲۔ طلاق بالکنایہ یعنی غیر واضح الفاظ میں طلاق دینا جس سے دوسرا مفہوم بھی نکل سکتا ہو۔

۳۔ طلاق بائن یعنی شوہر کو بیوی سے جدا کر دینے والی طلاق جس سے نکاح زائل ہو جائے۔

۴۔ طلاق رجعی یعنی قابل رجوع، ایسی طلاق جس کو واپس لیا جاسکتا ہو۔

ہر قسم کی طلاق کی تفصیل یہ ہے :

واجب اور حرام بنیادی طور پر طلاق کراہت سے متصف ہے یعنی ہر طلاق بذات خود مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حلال باتوں

میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات اللہ کے نزدیک طلاق ہے" اگرچہ شریعت نے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا حلال طریقہ طلاق کو قرار دیا ہے، لیکن اسے بہر حال مکروہ بتایا ہے اور بلاوجہ اس پر عمل کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔ پھر بھی ایسے اسباب پیش آسکتے ہیں جو کبھی طلاق کو واجب کبھی مستحب اور کبھی حرام اور کبھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ طلاق واجب ہو جاتی ہے جب شوہر اپنی بیوی کے جائز مطالبات جنسی اور معاشرتی ادا کرنے سے عاجز ہو یا بیوی بدکار ہو۔

طلاق حرام ہے اُس وقت جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں یا کسی کی حق تلفی کا سبب بن جائیں طلاق مکروہ ہے اگر وہ بغیر کسی وجہ کے دی جائے طلاق مستحب ہے اگر بیوی نماز روزے اور فرائض کو ادا نہیں کرتی ہو، بد اخلاق ہو، ہتک عزت کرتی ہو۔

سُنّی اور بدعی طلاق کی یہ خاص قسمیں اُوپر ذکر کی گئی تقسیم میں ہر قسم پر مشتمل ہیں یعنی جو طلاق صحیح وقت پر یعنی شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق اور مقررہ تعداد میں دی جائے وہ طلاق سُنّی ہے۔ اور بدعی وہ ہے جس میں نہ وقت کا لحاظ رکھا جائے نہ تعداد کا۔ دونوں کا فرق طلاق سُنّی کی شرائط سے واضح ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ طلاق اُس زمانے میں دی جائے جب عورت پاک و صاف ہو۔ اگر ایام مخصوص (حیض و نفاس میں طلاق دی تو یہ طلاق بدعی ہوگی جو گناہ اور حرام ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد عورت سے مباشرت نہ کی گئی ہو اور اُس سے تخلیہ نہ ہوا ہو۔ اگر مباشرت اور تخلیہ کر کے طلاق دی تو یہ فعل بھی حرام ہے اور طلاق بدعی ہوگی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق صرف ایک ہی جائے (یعنی رجعی) اُس کے ایک مہینے کے بعد جب ایام ماہواری گزر گئے ہوں تو پہلی بار پاک ہونے کے بعد (اگر رجوع نہیں کرتا)

دوسری بار طلاق دے پھر عدت کے دوران جب تیسری بار عورت پاک ہو لے تو تیسری طلاق دی جائے۔ لیکن اگر پہلی بار کی پاکی کے دنوں میں دو یا تین طلاقیں دیں تو یہ طلاق بدعی ہوگی بلکہ پہلی بار ایک طلاق بائن دینا بھی بدعی ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ مخصوص ایام میں بیوی کے پاس نہ گیا ہو اور پاک ہو جانے کے بعد بھی تخلیہ نہ کیا ہو تب طلاق درست ہوگی، ورنہ نہیں۔ جس طرح ممتوعہ ایام میں طلاق دینا درست نہیں اسی طرح ان ایام میں مباشرت کرنے کے بعد پہلی دفعہ پاک ہونے پر طلاق دینا بھی بدعی ہے تا وقتیکہ اسے پھر ایام مخصوص نہ آجائیں اور پھر پاک ہو اور ان دنوں ایام (ناپاکی اور پاکی) میں مقاربت نہ کی ہو۔

ان چاروں شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جو طلاق دی جائے گی وہ سنی طلاق ہوگی ورنہ طلاق بدعی ہو جائے گی۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے جو رجعی ہوتی ہے اور پھر چھوڑ دیا جائے یعنی دوران مدت دوسری طلاق نہ دی جائے عدت گزرنے کے بعد بیوی خود نکاح سے باہر ہو جائے گی۔

پاکی کے زمانے میں طلاق دینے کی قید اس بیوی کے لئے ہے جس سے مباشرت ہو چکی ہو لیکن جس سے مقاربت ہی نہ ہوئی ہو اس کے لئے زمانے کی قید نہ ہوگی، یہی حکم اس بیوی کے لئے ہے جو صغیر سن ہو اور مخصوص ایام سے دوچار نہ ہوئی ہو یا جس کے ایام بند ہو چکے ہوں یا حاملہ ہو۔ مگر طلاق کی تعداد کی قید ہوگی یعنی ہر مہینے میں ایک طلاق رجعی پس اگر چاند رات کو اس شخص نے ایک طلاق رجعی دی تو اگلے ماہ کی چاند رات تک انتظار کرے اس کے بعد طلاق دے پھر تیسرے مہینے کی چاند رات تک انتظار کرے گا اور تب تیسری طلاق دے گا اگر مہینے کے دوران طلاق دی ہے تو دوسری طلاق تیس دن گزرنے کے بعد اکتیسویں دن دیگا اور تیسری طلاق فرید تیس دن گزرنے کے بعد دے گا۔

طلاق صریح صریح الفاظ میں طلاق دینا کہ ان الفاظ سے کچھ اور مراد نہ لی جاسکے مثلاً بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں یا تجھ کو طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یہ سب الفاظ صریح شمار ہوں گے۔ ان الفاظ کے کہتے ہی طلاق پڑ جائے گی خواہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے، دل میں نیت کرے یا نہ کرے ہر صورت سے

طلاق نافذ ہو جائے گی۔ پھر طلاق صریح رجعی بھی ہو سکتی ہے یعنی قابل رجوع اور بائن بھی ہو سکتی ہے یعنی ناقابل رجوع۔

طلاق رجعی کی صورت جب کسی عورت کو صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت کے اندر طلاق دینے والے کو اپنے اس فعل پر پشیمانی ہوئی اور ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کی خواہش ہوئی تو وہ طلاق سے رجوع کر سکتا ہے یعنی دوبارہ نکاح کے بغیر اُسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔

طلاق رجعی کب بائن ہو جاتی ہے اگر پہلی بار صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دینے کے بعد عدت بھر اس سے رجعت نہیں کی تو اب عدت (یعنی تین حیض کی مدت) گزرنے کے بعد ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر دو کی صراحت کی تھی تو دو طلاق بائن پڑ جائیں گی۔ جس کے بعد ازدواجی تعلق بغیر دوبارہ نکاح کے ممکن نہیں ہے، اور یہ نکاح بھی ہو سکے گا کہ دونوں رضامند ہوں۔ شوہر محض اپنی مرضی سے نکاح کرنا چاہے گا تو نہیں ہوگا۔

طلاق کس صورت میں مغلظہ ہو جاتی ہے جب طلاق دینے والے نے صراحتاً تین طلاقیں دی ہوں تو پھر وہ نہ تو رجعت کر سکتا ہے اور نہ اُس عورت سے نیا نکاح کر سکتا ہے تا وقتیکہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر کے اُس سے طلاق نہ حاصل کر لے، اس کو اصطلاح شرع میں حلالہ کہتے ہیں۔ حلالے کا بیان تین طلاقوں والی محترمہ عورت کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

طلاق بالکنایہ کنایہ سے مراد یہاں ایسے الفاظ ہیں جو مخصوص طلاق کے لئے ہی نہ بولے جاتے ہوں لیکن اُس کا مطلب طلاق بھی لیا جاسکتا ہو اور بیزاری یا شدید ناگواری کا اظہار بھی ہوتا ہو مثلاً ”میرا اب تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا“ یا ”میرے گھر سے چلی جاؤ“ یا ”میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا“ یا ”اپنے ماں یا باپ کے پاس رہو“ وغیرہ۔ تو اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کی ہے تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔ لیکن اگر اُس نے واضح کر دیا کہ ”میری نیت طلاق کی نہیں تھی“ تو طلاق نہیں پڑے گی۔ اب اگر ایک طلاق کی نیت تھی تو ایک اور اگر اسی طرح دو طلاقیں

دی تھیں تو دو طلاق بائن پڑ جائیں گی، دو کی حد تک وہ دوبارہ نکاح کر کے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے لیکن اگر اسی طرح تین طلاقیں دے دیں تو جس طرح تین صریح طلاق سے طلاق مغلظہ پڑ جاتی ہے اسی طرح تین کنایہ کی طلاقوں سے بھی طلاق مغلظہ پڑ جائے گی اور اُس کا حکم وہی ہوگا جو بیان ہو چکا۔ غیر صریح الفاظ سے جو طلاق دی جائے گی وہ رجعی نہیں ہوگی یعنی اس میں خود سے رجوع کر لینے کا اختیار شوہر کو نہیں ہوگا، اور عورت سے بغیر نکاح کے اُس کا تعلق حرام ہوگا خواہ ایک ہی بار کیوں نہ دی گئی ہو۔ شوہر کا یہ کہنا کہ ان الفاظ سے میری نیت طلاق کی نہ تھی اسی وقت قابل لحاظ ہوگا جب دوسرا قرینہ موجود نہ ہو لیکن اگر قرینہ یہ بتاتا ہو کہ جس موقعہ پر یہ الفاظ کہے گئے اس میں طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب نکلتا ہی نہیں مثلاً طلاق ہی کی گفتگو ہو رہی ہو اور شوہر بیوی سے کہے کہ ”آپ اپنا بستر اٹھائیے اور چلی جائیے اب میرے گھر نہ آئیے گا“ یا بیوی نے کہا کہ ”میرا آپ کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا مجھے طلاق دیدیجئے یا مجھے چھوڑ دیجئے“ اور جواب میں شوہر نے کہا کہ ”اچھا تو میں نے چھوڑ دیا یا تم کو آزاد کر دیا“ تو ان صورتوں میں ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اور شوہر کو بیوی سے علیحدگی کا حکم دے دیا جائے گا۔ شوہر کا یہ کہنا کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی نہیں مانا جائے گا۔ (در مختار)

وہ الفاظ جن کیلئے نیت کا جاننا ضروری ہے کنایہ کے بعض الفاظ جن کا مفہوم طلاق کے علاوہ بھی ہو سکتا ہو،

بہت طرح کے ہو سکتے ہیں مثلاً ”میرا گھر چھوڑ دو تم میرے کام کی نہیں ہو۔ یہاں سے چلتی بنو۔ اپنا منہ کالا کرو۔ میں نے تمہیں تمہارے ماں باپ کے حوالے کیا۔ میں تم سے بالکل بیزار ہوں۔ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ تم میرے لائق نہیں ہو۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ ان جیسے الفاظ سے طلاق کا مفہوم بھی نکلتا ہے اور غصے کا اظہار بھی۔ تنبیہ و تادیب، طنز و تشنیع کا مفہوم بھی۔ اس لئے اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کہنے والے کی نیت کو معلوم کرنا ہوگا۔ (بدایۃ المجتہد) کتاب الطلاق میں ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ امام شافعی نے تین مانے ہیں: طلاق۔ فراق۔ سراح جو قرآن میں مذکور ہے۔ امام مالک صرف لفظ طلاق کو صریح مانتے ہیں اور اس کے علاوہ سب اُن کے نزدیک کنایہ ہے اور اُس کی بھی دو قسمیں ہیں: ظاہر اور محتمل۔ تو ایسے الفاظ

جن سے کنایہ طلاق کا مفہوم نکل سکتا ہو اور مفہوم ظاہر بھی نہ ہو محض احتمال ہو اور کوئی دوسرا قرینہ بھی موجود نہ ہو تو ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ کہنے والا یہ کہے کہ اس کہنے سے میری نیت طلاق کی تھی۔

مبہم لفظوں میں دی گئی طلاق کا صریح بن جانا اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایسے مبہم الفاظ کہے جس سے

بتہ نہ چلتا ہو کہ آیا طلاق ہے یا محض سرزنش۔ پھر کسی نے پوچھا کیا آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؟ اور جواب میں کہا "ہاں" تو یہ طلاق صریح ہوگی۔

طلاق کی تعداد شریعت نے طلاق کی تعداد تین مقرر فرمائی ہے لہذا طلاق کا لفظ کہا جائے تو اس میں وہ تعداد داخل ہوگی (ایک، دو، یا تین) جس کی نیت کی گئی

ہے۔ صریح طلاق میں اگر تعداد کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ایک طلاق رجعی پڑ جاتی ہے لیکن اگر کنایہ کے الفاظ میں طلاق دی تو ایک طلاق بائن پڑ جاتی ہے اور نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تعداد کی صراحت اگر طلاق دیتے وقت کر دی ہے تو وہی تعداد طلاق کی مان لی جائے گی البتہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق تو اگر اس تکرار سے محض تاکید مقصود تھی (یعنی تین طلاق کی نہیں بلکہ ایک ہی طلاق کی تاکید) تو ایک ہی طلاق رجعی پڑے گی بشرطیکہ دل میں ارادہ تین کا نہیں تھا۔ کیونکہ نیت کے بارے میں جھوٹ بول کر اگر عورت سے تعلق رکھے گا تو زندگی بھر حرام کاری کا مجرم رہے گا اور جو اولاد ہوگی وہ ناجائز ہوگی۔

طلاق رجعی کے بارے میں ہدایات واضح رہے کہ طلاق رجعی سے رشتہ نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن کشیدگی یا بد مزگی پیدا ہو جانے سے

کمزور ہو جاتا ہے۔ ایک صالح بیوی کو ایسی حالت میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے کشیدگی بڑھے بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جس سے دلوں میں خوشگوار می پیدا ہو اور رشتہ پھر مضبوط ہو جائے، فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ اس زمانے میں زیادہ بناؤ سنگھار کر کے رہے، طلاق رجعی میں عورت کو شوہر کے گھر ہی میں رہنے کا حکم ہے۔ یہ حکم عدت تک کے لئے ہے، اس مدت میں عورت کا رویہ ایسا ہونا چاہیے کہ شوہر دوبارہ اس کی

طرف مائل ہو جائے، عدت گزرنے کے بعد اُس کو شوہر سے پردہ کرنا چاہیے اور اُس کے گھر سے چلا جانا چاہیے۔

اس حالت میں مرد کو بھی بار بار اپنے فیصلے پر غور کرنا چاہیے اور تعلق میں کمزوری پیدا کرنے والے اسباب کو دور کر کے اُسے پھر سے استوار کرنے کی خواہش کرنا چاہیے "وَالصَّالِحُ خَيْرٌ بِرَّعْمَلِ" کرنے کی کوشش کر لینے کے بعد بھی اگر رشتہ برقرار نظر نہ آئے تو پھر بیوی کے ساتھ غیر عورت جیسا برتاؤ کرنا یعنی پردہ کر لینا چاہیے اور عدت کے بعد گھر سے رخصت کر دینا چاہیے مگر یہ رخصتی ایسی ہو جس کو سنو اَحَابِجْمِيلًا قرآن میں کہا گیا ہے۔ عدت گزر جانے کے بعد طلاق رجعی طلاق بائن ہو گئی۔ اب اگر مرد و عورت دونوں چاہتے ہوں کہ رشتہ نکاح قائم ہو جائے تو پھر جس طرح شروع میں نکاح ہوا تھا اسی طرح دوبارہ دوگواہوں کے سامنے نکاح کر کے رشتہ نکاح قائم کر سکتے ہیں۔

ایسی بیوی جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو اُس کو اگر ایک طلاق دی گئی تو وہ رجعی نہیں بلکہ بائن ہوگی کیونکہ اُس سے سابقہ ہی نہیں پڑا اور طلاق مل گئی تو یہ ایک طرح کا ظلم ہے اور ظلم کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ مرد کو رجوع کا حق نہ دیا جائے۔

عدت گزر جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے اسی طرح دوسری یا تیسری طلاق بھی اُس عورت پر واقع نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق اُس کو دی جاسکتی ہے جو نکاح میں ہو۔ عدت کے بعد وہ نکاح سے نکل جاتی ہے اب طلاق کا موقع ہی باقی نہیں رہتا۔ البتہ عدت پوری کرنے سے پہلے اگر دوسری یا تیسری طلاق دے دی تو وہ سب پڑ جائیں گی۔

طلاق بائن کے بارے میں ہدایات
طلاق بائن یا مغلظہ پانے والی عورت کو شوہر سے پردہ کرنا اور اُس کو غیر مرد تصور کرنا چاہیے البتہ
عدت بھر اُسی کے گھر میں رہے گی اور نفقہ شوہر کے ذمے ہوگا، عدت میں بناؤ سنگھار کر کے نہیں رہے گی کیونکہ وہ انتہائی ناخوشگوار حالات سے دوچار ہوگی۔

وہ الفاظ جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی
طلاق بالکنایہ میں بہت سے الفاظ ایسے بنائے جا چکے ہیں جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگر نیت ثابت نہ ہو، اب یہ بتایا جاتا ہے کہ صریح لفظ طلاق اگر مستقبل کے صیغہ سے کہا جائے

تو بھی طلاق نہیں پڑے گی چاہے جتنی بار کہے کہ میں طلاق دوں گا۔ جس طرح نکاح ماضی و حال کے صیغوں سے منعقد ہو سکتا ہے اسی طرح طلاق بھی ماضی و حال کے صیغوں سے ہی پڑ سکتی ہے۔

تعلیق یعنی طلاق میں شرط لگا دینا اگر بیوی سے کہا کہ "فلاں کام کیا تو تجھے طلاق ہے" اب وہ عورت جب بھی وہ کام کرے گی

ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی لیکن اگر کوئی ایسی شرط لگائی جس کا صدور آدمی سے ممکن ہی نہ ہو تو وہ لغو ہوگی اور کبھی طلاق نہیں پڑے گی، طلاق اسی وقت پڑے گی جب اُس کا موقع و محل موجود ہو مثلاً اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی تو تجھے طلاق ہے تو جب وہ اس سے بات کرے گی طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر وہ آدمی مر جائے تو طلاق کا محل و موقع بھی ختم ہو گیا۔ یا اگر تو فلاں گھر میں گئی تو تجھ کو طلاق ہے اب اگر وہ گھر گر گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی خواہ وہ دوبارہ کیوں نہ بنایا گیا ہو۔ جس کام پر طلاق کو معلق کیا تھا وہ کام عورت نے کیا اور ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔

پھر شوہر نے اُس سے رجوع کر لیا اور وہ میاں بیوی ہو گئے، اس عورت نے پھر دوبارہ وہی کام کیا تو اب اُس کو طلاق نہیں پڑے گی۔ کیونکہ وہ کام ایک بار کرنے پر طلاق معلق تھی۔ ہاں اگر یہ کہا "جب جب فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق ہے تو اگر دوبارہ کرے گی تو دو طلاق اور تیسری بار کرے گی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔"

تفویض طلاق اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنے کو طلاق دے لو، تو اگر عورت نے فوراً ہی کہہ دیا کہ میں نے ایک یاد و طلاق بائن لے لیں تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اُس نے اُس وقت کچھ نہ کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی یا دوسرا کام کرنے لگی تو یہ اختیار باطل ہو گیا البتہ اگر اس طرح کہا کہ جب چاہو یا جس وقت چاہو طلاق لے لو تو پھر اُس کو یہ اختیار رہے گا کہ جب چاہے طلاق لے کر علیحدہ ہو جائے۔

طلاق کے لئے نائب بنانا مالک کو نائب بنانے کا حق ہوتا ہے۔ طلاق کا مالک مرد ہے عورت نہیں اس کے دو سبب ہیں۔ پہلا یہ کہ مرد عورت سے نکاح کر کے یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کا نگراں، سرپرست اور

کفیل ہوگا، یہاں تک کہ اگر زوجیت سے اُس کو الگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو بھی اس کے بعد ایک مقرر مدت (عدت) کے لئے اُس کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کا پابند ہے اور جو اولاد اُس کی اس عورت سے ہو اُس کی پرورش کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ بیوی کا حق ہر اور اولاد کی دودھ پلانی کا معاوضہ اُسی کو ادا کرنا ہوتا ہے لہذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق دہانے کا اختیار اُسی کو ہو جس پر یہ سب ذمہ داریاں ہیں۔ طلاق دیتے وقت اُسے یہ سب مصارف بھی چکانے پڑتے ہیں، بسا اوقات ان سب کا بار اٹھانا اُس کی طاقت سے باہر ہوتا ہے اس لئے طلاق دینے سے پہلے اُسے بہت سوچنا پڑتا ہے اگر یہ اختیار بیوی کو دیا جاتا جس پر وہ ذمہ داریاں نہیں جو اُس کے اور طلاق کے درمیان حائل ہوں تو وہ جب ذرا سی ناراض ہو جاتی طلاق دینے میں تامل نہ کرتی اس میں بڑی حکمت و مصلحت ہے کہ عورت کو شریعت نے یہ اختیار نہیں دیا۔

دوسرا سبب عورت کی فطرت ہے جو قدرت نے بتائی ہے کہ وہ مرد کے مقابلے میں نہ تو سختی برداشت کر سکتی ہے اور نہ اُس جیسا صبر و استقلال وہ بہت جلد اثر قبول کر لیتی ہے اور مردوں کی طرح نفس پر قابو نہیں رکھ سکتی، رشتہ زوجیت کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے عزم و استقلال اور اثر ناپزیری ضروری ہے، ذرا سی دیر میں خوش اور ذرا سی دیر میں ناخوش ہو جانے والا مزاج اس لائق نہ تھا کہ اُسے ایسے اہم اور مستحکم رشتے کو توڑ دینے کا اختیار دیا جاتا۔

لہذا جب طلاق کا اختیار مرد کو ہے تو اُسے یہ حق بھی ہے کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کے لئے کسی کو اپنا نائب بنا دے۔ نائب بنانے کی یہ تین صورتیں ہیں (۱) نیابت بذریعہ رسالت یعنی کسی کو بھیج کر اپنی بات پہنچانا (۲) نیابت بذریعہ وکالت یعنی کسی کو اپنی مرضی بتا دینا کہ وہ اُس کی مرضی کے مطابق کام کرے (۳) نیابت بذریعہ تفویض یعنی اپنا کام دوسرے کے سپرد کر دینا کہ جس طرح چاہے انجام دے۔ تینوں صورتوں میں جو فرق ہے اُس کو سمجھ لینا چاہیے۔ پہلی قسم کا نائب مالک کے الفاظ کو بعینہ نقل کر دے گا نہ کچھ بڑھائے گا نہ گھٹائے گا۔ دوسری قسم کا نائب مالک کی مرضی پر عمل کرے گا، اُس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی بات کرے گا نہ کچھ اور تیسری قسم کا نائب مالک کا بتایا ہوا کام اپنی مرضی کے مطابق انجام دیگا۔ دوسری قسم کا نائب جس کو وکیل کہا جائے گا اُسے وکالت سے علیحدہ کر دینے کا حق مالک کو رہتا ہے۔ لہذا طلاق کے معاملے

میں کسی کو وکیل بنانے کے بعد یہ کہنے کا حق باقی رہے گا کہ میں نے تم کو اس حق سے سبک دوش کیا، شوہر کو حق ہے کہ بیوی سے مباشرت کر کے اس وکالت کو باطل کر دے لیکن تفویض یعنی طلاق کا معاملہ سپرد کرنے کے بعد یہ حق نہیں رہتا کہ اُسے واپس لے اور اگر بیوی تفویض کا حق اُن شرائط کے مطابق استعمال کر لے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا تو وہ نافذ ہو جائے گی۔ اگر فرستادہ کے ذریعہ شوہر نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا تو جب وہ فرستادہ اُس کا قول نعتل کر دے اور بیوی اپنے اختیار کو شرائط کے مطابق استعمال کرے تو اُس کی طرف سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

طلاق کے لئے تحریر کے ذریعہ نائب بنانا مرد تحریر لکھ کر بھی اپنی بیوی کو اپنی طرف سے طلاق کے لئے نائب بنا سکتا ہے، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت یا اُس کا ولی یا وکیل۔ شوہر (یا اُس کے ولی یا وکیل) سے ایک تحریر لے لے جس میں یہ ذکر ہو کہ اگر شریعت کے واجب کردہ حقوق و فرائض کو ادا کرنے میں ناکام رہوں تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر لے اور میرے عقد نکاح سے نکل جائے۔ اس تحریر پر دونوں طرف کے آدمی گواہ بنا لئے جانا بھی ضروری ہے، عورت کے حقوق اور مرد کے فرائض کا ذکر بھی کرنا چاہیے، اس طرح عورت پر جب کوئی زیادتی، حق تلفی یا کوئی اور ظلم مرد کی طرف سے ہوگا اور دونوں طرف کے گواہ بھی اسے تسلیم کر لیں گے تو عورت کو خود طلاق لینے کا اختیار ہوگا۔ یہ تحریر نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت بھی لکھی جاسکتی ہے اس طور پر کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے اور ان باتوں کا ذمہ لیا ہے اگر میں ان کی خلاف ورزی کروں تو اس (عورت) کو ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق ہوگا یا میں نے فلاں عورت سے اس شرط پر نکاح کیا یا کرتا ہوں کہ....

خلع کا بیان

خلع کے معنی خ پر زبر کے ساتھ اُس کے معنی اتار دینے کے ہیں "خَلَعَ الرَّجُلُ تَوْبَهُ خَلْعًا" (اُس نے اپنا کپڑا اتار دیا) اور خَلَعْتُ النَّعْلَ خَلْعًا (میں نے

جوتی اتاردی چونکہ اتانے کا مفہوم علیحدہ کر دینا ہے تو اسی لئے کہتے ہیں "خَلَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ" (مرد نے اپنی عورت کو علیحدہ کر دیا یا "خَلَعَتِ الْمَرَاةُ زَوْجَهَا" (عورت نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی) خلع پیش کے ساتھ خاص طور پر زوجیت سے علیحدگی کے لئے بولا جاتا ہے، زوجین کی علیحدگی کو لباس اتار دینے سے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور وجہ شہہ دونوں کا لباس ہوتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا ہے "هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِهِنَّ" (بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم بیویوں کے لباس ہو)

خلع اور طلاق میں فرق خلع اُس وقت بھی روا ہے جبکہ طلاق ردانہ ہو مثلاً ایام ماہواری یا حالت نفاس میں یا ایسے طہر میں جس میں مباشرت کی گئی ہو طلاق دینا منع ہے مگر خلع درست ہے، اس کے جائز ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَاقِيَا مَا حُدُّوا مِنَ اللَّهِ فَالْجُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (بقرہ - ۲۲۹)

"اگر یہ اندیشہ ہو کہ شوہر اور بیوی دونوں اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس میں کوئی ہرج نہیں کہ بیوی فدیہ دے کر علیحدگی اختیار کر لے"

طلاق بلا معاوضہ ہوتی ہے، اور معاوضہ لے کر جو طلاق دی جاتی ہے اُسے خلع کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر دونوں فعل مکروہ ہیں، صرف اُسی وقت اجازت ہے جب اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہنا ممکن نہ ہو۔ علیحدگی ضروری نہ ہو تو طلاق حرام ہے، اسی طرح خلع بھی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

المختلعات هن المنافقات - بغیر کسی وجہ کے خلع چاہنے والیاں حقیقتہً منافق ہیں۔

خلع کب درست ہے اللہ کے مقرر کردہ حدود کی پاسداری دونوں زوجین پر فرض قرار دی گئی ہے کہ دونوں ان سے تجاوز نہ کریں ان حقوق کے منجملہ جن کی پاسداری کا بیوی کو حکم ہے یہ ہے کہ شوہر کی مکمل فرماں برداری کرے سوائے اُس صورت کے جبکہ ضرر کا اندیشہ ہو "دینی یا دنیوی"۔ خاوند کے ساتھ رفاقت رکھے یعنی ایسی بات نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو مثلاً کسی اجنبی شخص سے بات چیت کرنا یا اُسے گھر میں بلانا۔ شوہر کی شریک حیات بن کر رہے، یہ حلال نہیں ہے کہ بظاہر شوہر کے ساتھ ہو لیکن دل کا تعلق

دوسروں سے ہو، شوہر کی خیر خواہ ہو لہذا یہ بھی حلال نہیں ہے کہ اتنا زیادہ خرچ کا بار ڈالے، جس سے معاشی حالت اور معاشرتی نظام بگڑے یا بیٹے بیٹیوں کی تربیت میں کوتاہی کرے یا ان کے لئے بُرا نمونہ ثابت ہو۔ شوہر کے مال میں اور ان حقوق کی مراعات میں جن کا حکم شوہر نے دیا ہے خیانت نہ کرے، پاک دامن رہتے ہوئے شوہر کی عزت کی حفاظت کرے ان کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی حقوق بھی ہیں۔

اب اگر زوجین میں اختلاف واقع ہو جائے تو سنت طریقہ یہ ہے کہ کنبے کے دو شخص زوج میں پڑ کر تصفیہ کرائیں جس کی طرف اللہ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے "فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا" جس کی تشریح "طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے" کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ حکم سے مراد ایسا شخص ہے جو تصفیہ کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور من اہلہ اور من اہلہا کی قید اس لئے ہے کہ کنبے والے ہی اندرونی معاملات سے باخبر ہوتے ہیں پھر میاں اور بیوی بھی یہ پسند نہ کریں گے کہ ان کے داخلی معاملات کو غیروں کے سامنے لایا جائے۔ تصفیہ کنندگان کا فرض یہ ہونا چاہیے کہ دونوں میں مفاہمت کرا دیں لیکن اگر وہ اصلاح نہ کر سکیں اور باہمی مخالفت اتنی شدید ہو جائے کہ احکام الہی کا بھی پاس نہ رہے تو ایسی صورت میں معاوضہ لے کر یا بغیر معاوضہ کے ان میں علیحدگی کرا دینا دست ہے جس کی صورت طلاق یا خلع ہے۔ طلاق کا اختیار خاص شوہر کا ہے یا ان کو جنہیں وہ اپنا نائب بنا دے، اگر تصفیہ کنندگان کو نائب بنا دے تو انہیں طلاق دینے کا حق ہو جائے گا۔ خلع کے معاملے میں بیوی کا حق ہوتا ہے کہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مال کا فدیہ دینے کے لئے رضامندی دے اسی بنا پر اس کا مطالبہ خلع درست ہوگا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر اپنی بیوی پر معاملہ خلع میں تشدد کر کے اور دکھ پہنچا کر فدیہ وصول کرے گا تو وہ اس کے لئے حرام ہے خواہ وہ مال مہر ہو یا کوئی اور مال ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَلَا تَلْخُذُوا مَنَّهُ سُبُعًا" یعنی بیوی کو جو کچھ دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ اس کے بعد وہ دوسری آیت ہے جس کا ذکر ہم نے خلع اور طلاق میں فرق بتاتے ہوئے کیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو بیوی کو مال دے کر اپنا بیچیا

چھڑا لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ دونوں آیتوں میں پہلے تو شوہروں کو یہ بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے اپنی بیویوں کو دے دیا ہے اُس میں سے کچھ بھی واپس لے لو پھر دوسری آیت میں یہ کہا گیا "لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حقوق و حدود کا پاس نہ کر سکیں گے تو اس صورت میں عورت کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لے، اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ شوہر کو ان دو حالتوں میں بیوی کے مہر سے کوئی واسطہ نہیں ہے ایک تو اُس حالت میں جب اختلاف کی بنا خود شوہر ہو، دوسرے اس حالت میں جبکہ زوجین کو حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ نہ ہو۔ طلاق کا معاوضہ لینا اسی حالت میں روا ہوگا جب حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو جس میں شوہر کے ساتھ بیوی کا برابر تاؤ اور بیوی کو شوہر کی طرف سے ایذا رسانی دونوں باتیں شامل ہیں، اس حال میں اگر عورت مال کے عوض خلع قبول کرے تو خلع عائد ہو جائے گا اور معاوضہ میں جو مال شوہر کو ملے گا وہ اُس کا مالک ہو جائے گا لیکن اگر بیوی کو مال دینے پر مجبور ہونا شوہر کی ضرر رسانی اور بدسلوکی پر مبنی ہو تو اُس مال پر شوہر کی ملکیت مذموم ہوگی۔ بیوی کے ذمہ مال واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ برضا و رغبت دے نہ کہ مجبور کرنے پر، اگر مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے ایک ہزار روپے کے عوض طلاق دی اور اُسے ادا لگی پر مجبور کیا تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اور زرفدیہ کا حقدار نہ ہوگا اور اگر اُس نے لفظ خلع استعمال کیا یعنی یوں کہا کہ میں نے تیرے ساتھ خلع کیا اور مجبور کیا کہ وہ اسے منظور کر لے تو طلاق بائن پڑ جائے گی لیکن مال وصول کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"لَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا لِعِنِّي دَوْلُونَ بِرْمَالِ كَيْ لِيْنِي، دِيْنِي فِي كُوْنِيْ كِنَاہٍ هِيْ هِيْ لِيْنِي جِيْبِ دَوْلُونَ طَرَفٍ سِيْ خَوَاہِشٍ هُوَ لِيْكِنِ مَرْدٍ كَيْ لِيْنِي دِيَا هُوَ مَالٍ وَاپْسِ لِيْنَا مَذْمُوْمٍ وَّمَعِيُوْبٍ هِيْ اُوْرَقْرَانِ مِيْنِ اِيْسَا كَرْنِيْ سِيْ مَنَعِ كِيَا كِيَا هِيْ" لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذٰهَبُوْا بِبَعْضِ مَّا اَنْتُنَّوْهُنَّ (نسا۱۹) یعنی بیویوں کو اس ارادے سے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم نے اُنھیں دیا ہے اُس میں سے کچھ واپس لے لو (علاوہ ازیں مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ "فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَاَرْقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ" (طلاق - ۲) خوش اسلوبی سے اُن کو نکاح میں رہنے دو یا پھر خوش اسلوبی کے ساتھ اُن کو الگ کر دو) لہذا مرد کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ بیوی کو ستا کر خلع پر مجبور کرے۔

خلع کے ارکان و شرائط
 خلع کے پانچ رکن ہیں باگران میں سے کوئی نہ موجود ہو تو خلع نہیں ہو سکتا۔ پہلا رکن مستلزم العوض ہے۔ یعنی وہ شخص جو

معاوضہ (زر خلع ادا کرنے کا ذمہ دار ہو خواہ خود بیوی ہو یا کوئی اور شخص۔ دوسرا رکن بضع ہے۔ یعنی عورت کی عصمت جس سے نفع اٹھانے کا مالک شوہر ہوتا ہے اگر یہ ملکیت ختم کر دی گئی تو یہ رکن بھی موجود نہ ہوگا اور خلع درست نہیں رہے گا (یہ ملکیت طلاق بائن سے ختم ہو جاتی ہے) تیسرا رکن معاوضہ ہے یعنی وہ مال جو بیوی اپنی ازدواجی حیثیت (سے آزاد ہو جانے) کے عوض ادا کرے، چوتھا رکن شوہر ہے اور پانچواں رکن اُس کا اپنی بیوی کی عصمت کا مالک ہونا ہے۔ یہ خلع کے وہ لازمی اجزا ہیں جن کی موجودگی کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا۔

۱۔ مستلزم العوض کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معاملہ کرنے کا اہل ہو اور مال میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، لہذا صغیر سن (نا بالغہ) جنون زدہ یا حواس باختہ عورت کا خلع کرنا درست نہیں ہے اور اُسے مالی امور کا سپرد کرنا بھی صحیح نہیں۔ جس طرح صغیر سن لڑکی کا مال کے عوض خلع کرنا صحیح نہیں اسی طرح بے عقل لڑکی کا خلع کرنا بھی درست نہیں، بے عقل سے مراد وہ لڑکی ہے جو فضول خرچ ہو، اپنا مال تلف کرتی ہو یا غیر شرعی امور میں ضائع کرتی ہو۔ مریضہ عورت اگر حالت مرض میں خلع کرے تو خلع درست ہوگا لیکن وہ اسی مرض میں انتقال کر جائے تو مال خلع اُس کے مملوکہ مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عطیہ کے مانند ہے اور کسی کو حق نہیں کہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زائد عطیہ میں دیدے۔ اگر انتقال دورانِ عدت میں ہو تو شوہر کو وراثت کا حق پہنچتا ہے، اب اگر حصہ میراث کل مال کے ایک تہائی سے کم ہے تو وہی شوہر کو دیا جائے گا اور اگر زیادہ ہے تو ایک تہائی ہی اُس کو ملے گا۔

صغیر سن لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کی طرف سے اُس کے مال کے عوض خلع کر لے تو خلع ہو جائے گا لیکن مال کا ادا کرنا واجب نہ ہوگا لیکن اگر وہ اپنے مال کے عوض لڑکی کی طرف سے خلع کرے گا یعنی ادائیگی مال کا ضامن ہوگا تو مال کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ باپ یا کوئی اور شخص اگر ادائیگی مال خلع کی ضمانت لے لے مثلاً یوں کہے کہ میری بیٹی

یا فلاں کی بیٹی کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض خلع کر لو اور زر خلع کی ادائیگی کا میں ضمان ہوں اور شوہر کہے کہ میں نے یہ خلع منظور کر لیا تو خلع صحیح ہو جائے گا۔ اگر شوہر نابالغ لڑکا ہے تو اس کا ولی زر خلع وصول کرے گا۔

۲- معاوضہ خلع :- یا تو نقد ہونا چاہیے یا کوئی قیمتی شے۔ دوسری شرط اس کا حلال ہونا ہے شراب، سور، مردار، شریعت کی نظر میں حرام ہیں اور کوئی قیمت نہیں رکھتیں اگرچہ غیر مسلموں کی نظر میں ان کی قیمت ہو۔ اسی طرح مال معصوب ہے۔ مہر یا مال تجارت کے عوض خلع کرنا درست ہے، اسی طرح زمانہ عدت کے نفقے اور بچے کے دودھ پلانی کے مصارف کے معاوضہ میں بھی خلع ہو سکتا ہے۔

۳- الفاظ خلع :- لفظوں میں خلع کے لئے ایجاب و قبول ہونا ضروری ہے یعنی جب تک عورت اپنے شوہر سے یہ نہ کہے کہ تم اس قدر معاوضے پر خلع کر لو اور شوہر کہے کہ میں نے اتنے پر خلع منظور کر لیا یا شوہر کہے کہ تم مجھ سے اتنے کے عوض خلع کر لو اور بیوی کہے کہ میں نے خلع کر لیا اس وقت تک خلع نہیں ہوتا، محض ایک دوسرے کو مال دیدینے سے خلع درست نہ ہوگا۔

اگر خلع کے وقت مال کا کوئی ذکر نہیں ہو اور دونوں نے خلع کر لیا تو دونوں پر جو مالی حقوق ہیں وہ معاف ہو گئے مثلاً اگر عورت مہر یا چکی ہے یا شوہر نے اسے کوئی رقم دی ہے تو اب شوہر اس سے واپس نہیں لے سکتا، اسی طرح اگر عورت نے کچھ دے رکھا ہے یا اس کا مہر باقی ہے تو وہ واپس نہیں لے سکتی، البتہ عدت بھر عورت کو نان نفقہ اور سکنتی فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے۔

اگر مرد عورت پر دباؤ ڈال کر خلع پر مجبور کرتا ہے تو عورت پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر شوہر نے مہر نہیں ادا کیا ہے تو وہ ساقط نہیں ہوگا، خلع میں مال تب ہی واجب ہوتا ہے جب عورت خوشی سے اسے منظور کر لے۔

خلع سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ ان تین طلاقوں میں شمار ہوتی ہے جس کا مالک

شوہر ہوتا ہے لہذا یہ فسخ عقد نہیں ہے۔ طلاق صریح الفاظ میں یا کنایہ سے عورت کو زوجیت سے خارج کر دینے کا نام ہے، اسی میں خلع بھی داخل ہے چنانچہ طلاق کی جگہ خلع کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ بھی صریح طلاق ہوگا، مال کے عوض ہو تو بھی صریح طلاق ہے معاوضہ نہ ہو تو کنایہ ہوگا جس سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے، ایلا میں بھی طلاق پڑ جاتی ہے اگر قسم نہ توڑے اور چار ماہ تک بیوی کے ساتھ مقاربت نہ کرے جس کی تفصیل ایلا کے بیان میں آچکی اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں مثلاً مرد کا فرانسہ زوجیت ادا کرنے سے عاجز ہونا یا عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا جسے لعان کہتے ہیں تو یہ صورتیں طلاق کی ہیں فسخ عقد نہیں ہیں۔

فسخ عقد فسخ عقد کی ایک صورت قومیت مختلف ہو جانا یعنی میاں بیوی میں سے کوئی ایک دارالحرب کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آئے تو قومیت بدل جائے گی عقد فسخ ہو جائے گا لیکن اگر ارادہ واپسی کا ہو تو فسخ نہ ہوگا۔ فسخ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ عقد فاسد ہوا ہو مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا یا ایک مقررہ مدت کے لئے کیا تو نکاح ہی فاسد تھا اس لئے علیحدگی واجب ہوگی اور اسے فسخ عقد کہا جائے گا، غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی کا مسلمان ہو جانا بھی فسخ عقد کا سبب ہے۔ ایسی حرکت جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے وہ بھی فسخ عقد کا موجب ہوتی ہے مثلاً مرد اپنی بیوی کی ماں یا بیوی کی جوان لڑکی جو پہلے شوہر سے ہو کر جتنسی خواہش کے تحت ہاتھ لگائے یا عورت بڑی خواہش کے ساتھ اپنے شوہر کے بیٹے کو پیار کر لے وغیرہ۔

ان عیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں اس میں عینین (نامرد۔ جو پیدائشی طور پر یا بڑھاپے کے سبب

مباشرت پر قادر نہ ہو) مجتوب (زرنختہ) خصی (جس کے خصیتین الگ کر دیئے گئے ہو) شامل ہیں۔ وہ امراض جو شوہر یا بیوی میں پائے جاسکتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کی موجودگی سے میاں اور بیوی دونوں، فسخ نکاح کا مطالبہ بغیر کسی شرط کے کر سکتے ہیں۔ دوسری قسم کے عیوب وہ ہیں جن کی بنا پر فسخ نکاح کا مطالبہ اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ بوقت عقد یہ شرط رکھی گئی ہو کہ اس عیب کی وجہ سے نکاح درست نہیں ہوگا۔ پہلی قسم کے عیوب تین نوع

کے ہیں۔

- ۱۔ وہ عیوب جو مرد اور عورت دونوں میں ہو سکتے ہیں مثلاً بصر، جذام، جنون وغیرہ۔
- ۲۔ وہ عیوب جو مرد کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً عنین، مجبوب، یا خصی ہونا (تفصیل اوپر بیان کی گئی۔)

۳۔ وہ عیوب جو عورت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً غفل (خصیوں کی سو جن کی طرح کا مرض ہے جو غدود بڑھ جانے سے پیدا ہو جاتا ہے) قرن (گوشت یا ہڈی کا غیر معمولی اُجھار) رتق (جرٹ جانا) راستہ بند ہو جانا (تینوں امراض مانع مباشرت ہیں۔)

مذکورہ عیوب وہ ہیں جن کے پائے جانے پر فریقین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ فسخ نکاح کا مطالبہ غیر مشروط پر کر سکیں۔ دوسری قسم کے عیوب جن سے فسخ نکاح واجب نہیں ہوتا (اگر ان کے نہ ہونے کی شرط نہ رکھی گئی ہو) اکثر پائے جاتے ہیں۔ جیسے نظر کی کمزوری (اندھا پن) شب کوری (تونہ) سیاہ فامی۔ گنجا پن، بسیار خوری اسی جیسے بہت سے امراض اور عیوب ہیں جن کی وجہ سے فسخ نکاح لازم نہیں ہوتا جب تک کہ میاں بیوی میں سے کوئی نکاح کے وقت ان عیوب سے خالی ہونے کی شرط نہ رکھ دے۔

تفریق فسخ نکاح کی درخواستوں پر قاضی یا حاکم عدالت شرعی میاں بیوی میں علیحدگی کرانے کا حکم دیتا ہے، اسی کو تفریق کہتے ہیں۔ طلاق اور خلع کے علاوہ یہ رشتہ نکاح منقطع کرنے کی ایک اور صورت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر شوہر میں بیوی کی جنسی خواہش پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یا صلاحیت تو ہے مگر وہ ایسے بُرے مرض میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے بیوی اُسے پسند نہیں کرتی (جیسے کوڑھ، برص، سوزاک یا آتشک یا وہ بالکل پاگل ہو گیا ہو) یا بیوی کو نان نفقہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا بیوی کی کوئی خیر نہیں لیتا۔ یا لاپتہ (مفقود الجبر) ہو گیا ہے، ان سب صورتوں میں عورت کو اسلامی شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ ایسے شوہر کی قید نکاح سے خود کو نکالنا چاہے تو قاضی یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو چند ذمہ دار دین دار مسلمانوں کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر کے چھٹکارا حاصل کر لے۔ اسی طرح اگر عورت کو جنون ہو جائے یا ایسا مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے مباشرت نہ کی جاسکتی ہو یا ایسا متعدی مرض (مثلاً:

آتشک سوزاک وغیرہ) ہو جس سے مرد کو اس مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مرد قاضی کے سامنے یا ذمہ دار دیندار مسلمانوں کے سامنے درخواست پیش کر کے تفریق کرا سکتا ہے۔

فسخ نکاح اور تفریق کے بارے میں فقہاء کا مسلک عنین اور محبوب سے فسخ نکاح کے سلسلے میں تمام ائمہ متفق

الرائے ہیں کہ فسخ نکاح کا حق بلا شرط ہے۔ لیکن دوسرے عیوب کے بارے میں فتدرے اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ جب مرد کو طلاق کا اختیار ہے تو فسخ کرانے کا اختیار اس کو دینا غیر ضروری ہے اور عورت کو عنین اور محبوب سے فسخ نکاح کا حق ہے، باقی دوسرے عیوب جیسے جنون، جذام یا برص وغیرہ میں نہیں ہے، مگر امام ابو حنیفہ کے دوسرے ممتاز شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ فسخ کا حق رفع ضرر کے لئے دیا گیا ہے لہذا ہر وہ مرض جس سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہو اس میں فسخ نکاح کا حق اُسے ہے۔

لہا الخيار رفا للضرر عنہا
کہا فی الجب و العنتۃ۔
(ہدایہ)

دیگر تکلیف دہ امراض میں عورت کو فسخ نکاح کا حق اسی طرح ہے جس طرح مرد کے محبوب اور عنین ہونے کی صورت میں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ برص، جنون اور تمام ان امراض میں جو مانع مباشرت ہوں تفریق کی اجازت دیتے ہیں۔ باقی میں نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محبوب، عنین، مفقود متعنت (قدرت کے باوجود عورت کی ضرورتیں نہ پوری کرنے والا) جنون، مجذوم اور مبروص سے اور متعدی یا گھناؤنے امراض (آتشک، سوزاک وغیرہ) میں مبتلا سے فسخ نکاح کی اجازت دیتے ہیں، عورت میں ایسی خرابیاں جو مانع مباشرت ہوں ان میں بھی مرد کو فسخ کا اختیار ہے۔

امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان عیوب کی بنا پر فسخ نکاح کی اجازت اس شرط کے ساتھ دیتے ہیں کہ مرد یا عورت کو نکاح سے پہلے ان کا علم نہ ہو، اگر علم کے باوجود نکاح کیا ہے تو فسخ کی اجازت نہیں ہے۔

فقہائے امت کی ان رایوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کتنی وسعت ہے

اسی ضرورت کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دوسرے ممتاز علماء کے تعاون سے جن میں مولانا مفتی محمد شفیع بھی شامل ہیں اپنی نگرانی میں چند رسائل مرتب کرائے جس میں عورت اور مرد کے درمیان تفریق کے مسائل درج کر دیئے ہیں اور اسی پر عملدرآمد کیا جاتا ہے، وہ رسالے یہ ہیں:۔ الحلیۃ الناجزہ للحلیۃ العاجزہ، المختارات فی مہمات التفریق والخیارات، المرقومات للمطلومات۔

متعنت، مفلس، مفقود الخیر، غائب غیر مفقود اور مفقود کی واپسی کے بعد سے مسائل پر ان رسائل میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تفریق کا حکم اور اس کا اثر تفریق سے ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی یعنی عدت کے بعد اس عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا حق ہوگا، اگر شوہر عدت کے اندر واپس آجائے (مفقود ہونے کی صورت میں) یا عورت کی ضروریات پوری کرنے پر راضی ہو جائے (متعنت ہونے کی صورت میں) یا صحتیاب ہو جائے (اُس مرض سے جس کے سبب تفریق کی گئی تھی) تو زمانہ عدت کے اندر اس کو رجعت کرنے کا حق ہوگا خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔

اگر عدت کے بعد واپس آئے تو بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اُس نے عورت کے دعوے کے خلاف ثابت کر دیا تو عورت کو اسی کی بیوی رہنا ہوگا، دوسری صورت یہ کہ عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں کی تو پھر عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کر لے۔

اگر شوہر نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کر دی لیکن وہ عورت کسی دوسرے کے نکاح میں جا چکی ہے تو بھی عورت کو پہلے شوہر کے پاس آنا ہوگا، نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی، البتہ اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو عورت پر عدت واجب ہے، پہلا شوہر عدت بھر اس سے مجامعت نہیں کر سکتا۔ اگر حاملہ ہے تو ولادت تک مجامعت نہیں کر سکتا۔ وہ دوسرے شوہر سے بھی مہر پانے کی حقدار ہوگی اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے لیکن اگر صرف نکاح ہوا ہے تو مہر کی مستحق نہ ہوگی (المرقومات للمطلومات)

مفقود الخیر اور فسخ نکاح اور تفریق کے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن میں مفقود الخیر اور غائب غیر مفقود کا ذکر بھی آیا ہے، لہذا کچھ تفصیل سے دونوں صورتیں

اور ان سے متعلق مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ مفقود الخیر وہ شخص ہے جو منکوحہ بیوی کا شوہر ہو اور پھر باہر چلا گیا ہو اور کسی کو خبر نہ ہو کہ وہ کہاں چلا گیا نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ ایسے شخص کی بیوی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ وفات پا گیا ہے۔ سابق زمانے میں ذرائع مواصلات بہت کم تھے اور مدت دراز کے بعد بھی یہ یقین کر لینا کہ فلاں شخص اب زندہ نہیں ممکن نہ تھا، لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے اور مفقود شخص کا حال چھپا رہنا تقریباً دشوار ہو گیا ہے۔ مفقود الخیر کی بیوی کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اُس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک مفقود الخیر شوہر کے وفات پا جانے کی تصدیق نہ ہو جائے خواہ اس میں کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگے عقد نکاح کا احترام اور اخلاق کی پاکیزگی اس رائے کو صحیح و درست ماننے کی مؤید ہیں لیکن زمانہ حال میں جبکہ ضبط نفس اور قناعت کی وہ اعلیٰ قدریں باقی نہیں رہیں، امت کے فقہار نے عورت کو بغیر کسی سرپرست کے جو اُس کی عصمت کا بھی نگہبان ہو چھوڑے رکھنا اسلامی مزاج کے منافی سمجھا اور امام مالک اور امام حنبلی رحمہما اللہ نے انتظار کی حد چار سال مقرر کی جس کے بعد عورت کو اسلامی عدالت کا حاکم عقد تانی کا اجازت نامہ عطا کر سکتا ہے، فقہائے احناف بھی اسی مسلک سے متفق ہیں جس کا عمل درآمد حسب ذیل طریقے سے ہو گا:

۱۔ سب سے پہلے شوہر کے مفقود الخیر ہونے اور نان نفقے کا انتظام نہ ہونے اور شوہر کی غیبت میں عصمت و عزت کی حفاظت نہ ہو سکنے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے اپنا دعویٰ حکومت اسلامی یا ذمہ دار مسلمانوں کی جماعت کے سامنے پیش کرے۔

۲۔ دعوے کی سماعت کے وقت دو ایسے معتبر گواہ پیش کرے کہ یہ ثابت کرے کہ فلاں شخص سے میرا نکاح ہوا تھا اور وہ اتنے دنوں سے لاپتہ ہے، لہذا میں اُس سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ شوہر کے لاپتہ ہو جانے کی شہادت بھی شاہدوں کے ذریعے دینا ہوگی۔

۳۔ حاکم یا مسلمان جماعت جو بھی اس معاملے پر غور کرے وہ اپنے طور پر اُس شخص کی زندگی یا موت کی تحقیق ممکن ذرائع سے کر لے اور جب اُس کا سراغ نہ مل پائے تو عورت

کو چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دے، اس مدت کے گزرنے پر اُس شخص کے مُردہ قرار دئے جانے کا حکم نافذ کر دیا جائے گا۔ اب وہ عورت درخواست دے کر اُس حکم کی نعتل حاصل کرے اور دوسرے نکاح کی اجازت طلب کرے۔ اجازت ملنے کی تاریخ سے چار مہینے دس دن (موت کی عدت) گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے کا حق ہو جائے گا۔ چار سال انتظار کرنے کی مدت اس وقت شمار ہوگی جب سے شوہر کے لاپتہ ہونے کا حکم کسی حاکم یا اسلامی جماعت کی طرف سے دیا جائے اس سے پہلے جتنی مدت گزری ہوگی وہ محسوب نہ ہوگی۔

اگر مفقود الخبر کی بیوی کے نان نفقے کا کوئی انتظام نہ ہو یا اُس کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو علمائے احناف اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ تفریق کے لئے ایک سال کی مدت بھی مقرر کی جاسکتی ہے فقہ مالکی سے اس اجازت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اُن کے یہاں چار سال کی مدت اس حالت میں مقرر کی گئی ہے جب عورت کے نفقے کا انتظام ہو، اُس کے مبتلائے معصیت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور شوہر کے واپس آجانے کا امکان بھی ہو۔ بلکہ مالکی مسلک میں یہاں تک اجازت ہے کہ اگر نان نفقے کا کوئی انتظام نہ ہو تو فوراً تفریق ہو سکتی ہے مگر حنفی علماء احتیاط کے خیال سے ایک سال کی مدت مقرر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

تفریق کا اثر مفقود اور اُس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم نافذ ہو جانے کے بعد ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی یعنی وہ طلاق جس کی عدت کے زمانے میں اگر شوہر واپس آجاتا تو اُس سے رجوع کر سکتا اور تجدید نکاح کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن عدت پُر جانے کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اب عورت کو حق ہے جس سے چاہے نکاح کر لے۔

دوسرا نکاح ہو جانے کے بعد مفقود شوہر کی واپسی اگر فسخ نکاح کے بعد عورت نے دوسرا نکاح کر لیا، اس کے بعد اتفاق سے وہ مفقود شوہر واپس آجائے تو کیا ہونا چاہیے؟ اس بارے میں علماء فقہ کا موقف یہ ہے :-

”یہ واپسی اگر ایسے وقت میں ہوئی کہ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی تھی تو تمام ائمہ کی متفقہ رائے ہے کہ عورت پہلے شوہر کو واپس کر دی جائے گی اور دوسرے شوہر کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا لیکن اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکنے کے بعد مفقود شوہر واپس آئے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرے شوہر ہی کے پاس رہے گی، پہلے شوہر کا (فسخ نکاح کے بعد) اس بیوی پر کوئی حق نہیں رہا۔ بھوپال کے شعبہ قضا نے بھی جو حنفی علمائے فقہ پر مشتمل ہے اسی رائے کو پسند کیا ہے، چنانچہ شعبہ قضا کے شائع کردہ ضابطہ میں ہے ”اگر شخص مذکور (مفقود) بعد فسخ نکاح و مرور ایام عدت واپس آئے اور اس عورت پر دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا“

یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ امام ابو حنیفہ پہلے شوہر کو ہی بیوی کا حقدار سمجھتے ہیں اور ان کی رائے میں اُسے پہلے شوہر ہی کو واپس کر دینا چاہیے۔

غائب غیر مفقود ایک صورت یہ بھی پیش آتی ہے کہ شوہر لاپتہ تو نہیں ہوتا۔ لیکن کسی دوسری جگہ چلا جاتا ہے نہ تو بیوی کے پاس آتا ہے اور نہ اُس کو خرچ بھیجتا ہے ایسے شوہر سے رہائی کی صورت یہ ہے کہ عورت حاکم عدالت کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کر کے اُس سے اپنا نکاح ہونا اور اُس کا نان نفقہ نہ دینا ثابت کرے، اب اگر محض نفقے کی تکلیف کی بنا پر علیحدگی چاہتی ہے اور اُس کی کفالت کا معقول انتظام ہونے پر یہ تکلیف رفع ہو جائے تو پھر فسخ نکاح کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر نفقے کا انتظام نہ ہو یا انتظام ہو جائے مگر اس کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں حاکم عدالت یا اسلامی جماعت اس کے شوہر کے پاس دو آدمیوں کے ذریعے یہ پیغام بھیجیں کہ یا تو تم خود آؤ یا اپنی بیوی کو اپنے پاس بلو اور اُس کی پوری کفالت کرو، ورنہ اُسے طلاق دے دو، اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کی تو پھر ہم تمہارے اور تمہاری بیوی کے درمیان تفریق کر دیں گے۔ اس آگاہی کے بعد اگر اُس نے نہ طلاق دی اور نہ بار کفالت اٹھایا تو مذعیہ کی طرف سے ایک مہینے کی مہلت اُسے اور دی جائے گی کہ وہ اپنا رویہ درست کرے، اس عرصے میں اگر دونوں میں موافقت ہوگئی اور بیوی نے مطالبہ واپس لے لیا تو پھر تفریق نہیں ہوگی، ورنہ تفریق کر دی جائے گی۔

تفریق سے ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی جس کی عدت گزرنے کے بعد اُس کو دوسرا نکاح کرنے کا حق ہوگا۔

تفریق کے بعد شوہر کی واپسی اگر یہ شوہر تفریق کے بعد واپس آجائے تو ایک صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے اندر آگیا اور بیوی کی ضروریات پوری کرنے پر راضی بھی ہوا تو اُسے رُجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اس میں عورت کی رضامندی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے بعد واپس آیا تو اس میں بھی دو حالتیں ممکن ہیں:

”جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حاکم عدالت (یا اسلامی جماعت) غائب شوہر کے پاس دو آدمی بھیجے گا جو زبانی یا تحریری پیغام لے جائیں گے تو اگر انھوں نے اس پیغام کے جواب میں کوئی تحریری یا زبانی جواب اُس سے حاصل کر لیا ہو اور اُس کے بعد تفریق کی اجازت دی گئی ہو تو اب شوہر کو بغیر عورت کی رضامندی اور تجدید نکاح کے اُس سے زوجیت کا تعلق قائم کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے اور شوہر کو اطلاع دیئے بغیر حاکم یا اسلامی جماعت نے شرعی شہادت لے کر تفریق کرادی ہے اور شوہر واپس آکر یہ ثابت کرتا ہے کہ میں اُس کو برابر خرچ دیتا تھا یا وہ میری فلاں جائداد سے اپنے مصارف پورے کرتی تھی تو اس صورت میں عورت کو اُس کی بیوی بن کر رہنا ہوگا اور اگر اُس نے دوسرا عقد کر لیا ہے تو وہ فاسد سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر عورت کے دعوے کے خلاف اُس نے کوئی بات ثابت نہیں کی تو دوسرا نکاح صحیح قرار پائے گا۔

پہلی صورت میں اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیح ہو چکی ہو جب بھی پہلے شوہر کے پاس واپس آنا ہوگا نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور نہ تجدید مہر کی، البتہ عورت پر عدت واجب ہے، یعنی عدت بھر شوہر اُس سے علیحدہ رہے گا اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک وہ اُس سے مفاربت نہیں کرے گا۔ اسی طرح۔ خلوت صحیح ہو چکنے کی صورت میں وہ دوسرے شوہر سے مہر پانے کی بھی حقدار ہوگی لیکن اگر صرف نکاح ہوا تھا اور خلوت نہیں ہوئی تو مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔“

(المرقومات للمظلومات)

لغت میں اس کے معنی ہیں واپس کرنا اور واپس ہونا رَجَعْتُهُ إِلَيْهِمْ (میں رجعت نے فلاں شے انھیں واپس کر دی) اور رَجَعَ الشَّيْءُ إِلَى أَهْلِهِ (فلاں شے اُس کے حقدار کو واپس ہو گئی) اصطلاح فقہ میں ایسی عورت کو جسے طلاق غیر بائنہ دی گئی ہو سابقہ حالت میں واپس لانا رجوع کہلاتا ہے۔ نکاح کر کے ایک مرد ایک عورت کی عصمت کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہ ملکیت طلاق رجعی سے ناقص ہو جاتی ہے یعنی اُس ملکیت سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں رہتا لیکن رجوع کا حق عدت کی مدت کے اندر رہتا ہے تو اگر وہ رجوع کر لے تو وہ ملکیت جو ناقص ہو گئی تھی پوری طرح شوہر کی طرف عود کر آتی ہے۔ یہ رجوع الفاظ کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور کبھی مباشرت کر لینے سے بھی رجوع ہو جاتا ہے خواہ رجوع کی نیت ہو یا نہ ہو۔ رجوع کی بابت قرآن، سنت اور اجماع سے ثبوت ملتا ہے، قرآن میں ہے؛

وَيَجُوزُ لَهُنَّ أَحْقَابُهُنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (سورہ بقرہ ۲۲۸)

(یعنی شوہروں کو سب سے زیادہ اپنی بیویوں کو پھر اپنے پاس لوٹا لینے کا حق ہے اگر بہتری اور اصلاح پیش نظر ہو)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ رجوع کر لے۔ تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ آزاد شخص جب اپنی بیوی کو تین طلاق سے کم دے اور غلام دو طلاق سے کم دے تو انھیں حق ہے کہ ایام عدت میں اُس سے رجوع کر لیں۔ رجعت کے ارکان و شرائط اس کے تین ارکان ہیں الفاظ رجوع، محل رجوع (جس سے رجوع کیا جائے) اور مرجع (رجوع کرنے والا)

رجوع کی چار شرطیں ہیں

۱۔ طلاق رجعی ہو۔ طلاق بائن کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ ایک طلاق جو مباشرت سے پہلے نہ ہو اور کسی طرح کے معاوضے میں بھی نہ ہو جیسے نخل میں ہوتی ہو اور نہ اُن الفاظ و کنایات میں ہو جس کا مفہوم بائن ہونا ہے۔

۲۔ رجوع میں شرطِ خیار نہ ہو۔

۳۔ رجوع کے لئے کسی آئندہ وقت کی قید نہ ہو۔

۴۔ رجوع کسی امر سے مشروط نہ ہو۔

رجوع کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی۔ قولی رجوع یا تو صریح الفاظ میں ہوگا مثلاً میں نے تجھ سے رجوع کر لیا یا میں تجھے واپس لیتا ہوں یا میں نے تجھے روک لیا یا کسی دوسرے شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ: میں نے اپنی عورت (بیوی) اسے رجوع کر لیا۔ یا کنایہ کے لفظوں میں ہوگا مثلاً یوں کہے "تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسی کہ تھی یا اب ہم دونوں ایسے ہی ہو گئے جیسے پہلے تھے یا تو میری بیوی ہے وغیرہ) رہا فعلی رجوع یعنی عمل سے رجوع کرنا تو وہ فعل ہے جس سے حرمت مصاہرہ ہو جاتی ہے یعنی ہاتھ لگانا، بوسہ لینا، ستر پر نظر کرنا جس کے ساتھ جنسی خواہش بھی ہو غرض ہر وہ عمل جس سے جنسی تحریک پیدا ہو، اسی طرح عورت مرد کا بوسہ لے اور اس کے ستر کی طرف دیکھے اور یہ سب جنسی تقاضے سے ہو تو رجعت ہو جائے گی۔ حرمت مصاہرہ مباشرت سے یا ایسی خوش فعلیوں سے جو مباشرت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں عائد ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ زبان سے کہہ کر رجوع کرے اور دو آدمیوں کو گواہ بھی بنا لے خواہ عملی طور پر رجوع کیا ہو۔ اگر ایک شخص نے ایسی عورت سے رجوع کیا جو خود نہیں ہے تو اس امر سے اسے آگاہ کر دینا مستحب ہے۔

طلاق رجعی کے بعد بھی شوہر کو حقوق زوجیت حاصل رہتے ہیں اور زائل نہیں ہوتے تا وقتیکہ ایام عدت گزر نہ جائیں اسی لئے ایسی طلاق یافتہ عورت کا اپنے گھر سے نکلنا ممنوع ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ ۖ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ ۗ

رجوع کا حق کب ختم ہو جاتا ہے

طلاق رجعی پائی ہوئی عورت سے اس کے شوہر کا حق رجوع عدت کی میعاد گزر جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مدت تین بار ایام ماہواری آنے تک ہے یا (حاملہ ہونے کی صورت میں) وضع حمل باسقاط حمل تک ہے۔ اگر عورت کو ایام ماہواری نہ آتے ہوں اور حاملہ بھی نہ ہو تو طلاق کی تاریخ سے تین ماہ تک کا زمانہ عدت کی میعاد شمار ہوگا۔

رجوع کرتے وقت عدت کی میعاد ختم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف واقع ہو سکتا ہے۔ مثلاً بڑھ کہتا ہے کہ ابھی عدت کے دن باقی ہیں عورت کہتی ہے کہ وہ گزر چکے۔ یا مرد کہتا ہے کہ میں نے القضاے عدت سے پہلے ہی رجوع کر لیا

تھا، مگر بیوی کو اس کی اطلاع عدت ختم ہونے سے پہلے نہیں ہونی لیکن بیوی اس سے انکار کرتی ہے تو ان صورتوں میں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ چند واضح صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ شوہر دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تھا لیکن رجوع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جب تک بیوی اُس کے دعوے کی تصدیق نہ کر دے رجوع نہیں مانا جائے گا، اور عورت کی بات مانی جائے گی۔ شوہر کو اس بات کے لئے بیوی سے حلف لینے کا حق ہوتا ہے۔ (بعض فقہاء کے نزدیک)

۲۔ شوہر عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لینے کی گواہی پیش کر دے کہ اُس نے گواہ کے سامنے عدت پوری ہونے سے پہلے فلاں عورت سے رجوع کر لیا تھا تو ایسی حالت میں رجوع درست ہوگا، اسی طرح یہ شہادت کہ اُس نے ایام عدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے یا جنسی خواہش سے ملامت کرنے کا اقرار کر لیا تھا تو بھی رجوع کرنے کو تسلیم کر لیا جائے گا لیکن عدت گزر جانے کے بعد ایسے اقرار کو رجوع کا اقرار نہیں کہا جائے گا، بلکہ اُس کی حیثیت محض دعوئے رجوع کی ہوگی اگر بیوی تصدیق نہیں کرتی تو رجوع ثابت نہ ہوگا۔

۳۔ اگر مرد دوران عدت رجوع کر لینے کا دعویٰ ان الفاظ میں کرے کہ ”میں نے تجھ سے کل ہی رجوع کر لیا تھا“ تو رجوع کرنا تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ جو بات حال کے صیغہ میں کہہ سکتا ہے اُس کے کہے جانے کی اطلاع بھی دے سکتا ہے اگر ماضی میں کہے جانے کا مقصد یہی بتانا ہو کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے لیکن اگر مقصد یہ نہ ہو بلکہ بطور خبر کے اطلاع دینا مقصود ہو تو بیوی کی تصدیق پر رجوع موقوف رہے گا پھر جب وہ تصدیق کر دے کہ واقعی رجوع کر لیا تھا تو رجوع درست ہوگا۔ گذشتہ دن کے رجوع کو بیان کرنے کے ساتھ قصد رجوع کی شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے جس وقت یہ الفاظ (میں نے تجھ سے کل رجوع کر لیا تھا) کہے گئے وہ آخری ایام ماہواری کا آخری لمحہ ہو اور عورت رجوع ہونے کو نہ مانے، ایسی صورت میں نہایت کھتی ہے کہ یہ رجوع ہے کیونکہ شوہر کے پیش نظر رجوع کرنا ہی تھا۔

۴۔ مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا اور اُسے یہ علم نہیں کہ اس کی عدت گزر چکی ہے، اب دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو عورت فوراً جواب میں کہدے کہ میری عدت کے دن ختم ہو گئے اور وہ وقت بھی عدت پوری ہو جانے کی تائید کرتا ہو تو رجعت نہیں ہوگی، دوسری حالت یہ ہے کہ رجوع کر لینے کی بات سن کر وہ خاموش رہی پھر دیر کے بعد اُس نے کہا کہ میری عدت تو گزر چکی، ایسی حالت میں رجوع صحیح ہوگا کیونکہ اُس نے پہلے خاموشی اختیار کی۔

۵۔ مطلقہ رجعیہ سے شوہر نے کہا کہ میں نے رجوع کر لیا، اس پر اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ اُس کی عدت پوری ہو چکی ہے پھر خود ہی اپنے قول کو جھٹلایا اور کہا ابھی عدت پوری نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں شوہر کا رجوع کر لینا درست ہے کیونکہ اس نے اپنی بات کو اسی لئے جھٹلایا کہ شوہر کا حق رجوع برقرار رہے۔

۶۔ بیوی جس کو ایک طلاق رجعی دی گئی تھی شوہر اُس سے تخلیہ کرے اور پھر دعویٰ کرے کہ اُس نے مباشرت کی ہے تو بیوی اگر شوہر کے قول کو جھٹلاتی اور اپنے کو مطلقہ بانٹہ ثابت کرنا چاہتی ہے تو بھی مرد کا رجوع کرنا درست ہے اور اُس کی بات بغیر حلف اٹھائے صحیح مان لی جائے گی کیونکہ تخلیہ کرنا ظاہر ہے جس سے مرد کی سچائی اور عورت کے جھوٹ کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر تخلیہ کرنا ثابت نہ ہو بلکہ صرف مباشرت کا دعویٰ ہے جس کی تکذیب بیوی نے کی تو پھر اسے رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ تخلیہ کے انکار سے مباشرت کا اقرار جھوٹ قرار پائے گا۔

انقضائے عدت کے بارے میں یہ مسائل وہ ہیں جن کا تعلق ایام ماہواری سے ہے لیکن اگر حمل ہو تو پورے طور پر وضع حمل کے بعد عدت پوری ہوگی چنانچہ اگر پورے طور پر بچے کی ولادت نہ ہوئی ہو تو پیدائش کے وقت بھی خاوند رجوع کر سکتا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ بچہ پورا ہو گیا ہو یا نامکمل بچے کا اسقاط ہو گیا ہو۔

عَدَّت کا بیان

عَدَّت کا لفظ از روئے لغت عدد سے بنا ہے۔ عَدَّت کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ عَدَّت الشَّيْءُ عَدًّا یعنی فلاں شے کو گن لیا۔ لغت میں اس کا اطلاق عورت کے ایام حیض و طہر شمار کرنے پر ہوتا ہے۔ اصطلاح شرع میں محض ایام ماہواری کا نہیں بلکہ اس کا مطلب عورت کو دوسری شادی کے لئے مطلوبہ ایام کے پورا ہوجانے کا انتظار کرنا ہے۔ شرعی مفہوم زیادہ وسیع ہے، محض مدت حیض اور مدت طہر کے انتظار کے علاوہ کچھ مہینوں کے گزرنے کے انتظار اور وضع حمل ہوجانے کے انتظار کو بھی عَدَّت کہتے ہیں۔ عَدَّت کی اصطلاح کی تعریف فقہائے احناف نے یوں کی ہے:

”عَدَّت وہ مدت مقررہ ہے جو نکاح یا ہم بستری کے آثار ختم ہوجانے کے لئے رکھی گئی ہے۔“ ”نکاح یا ہم بستری“ کہنے سے وہ لونڈی بھی شامل ہوگی جو نکاح کے ذریعہ ملکیت میں نہ آئی ہو بلکہ کسی اور طرح سے ملکیت میں آئی ہو اور اُس سے مباشرت ہو چکی ہو۔ نکاح کے آثار دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) مادی جیسے حمل کا ہوجانا (۲) اخلاقی جیسے شوہر کا احترام اور دوسرے حقوق و فرائض۔

”مدت مقررہ“ میں حسب ذیل صورتیں شامل ہیں:

حیض والی عورتوں کے لئے تین قروء (یعنی تین بار ایام ماہواری آنا) آئسہ یا کم عمر جس کو ایام ماہواری نہ ہوتے ہوں دونوں کے لئے تین مہینے۔
 حاملہ عورت کے لئے وضع حمل ہوجانے تک کی مدت۔
 غیر حاملہ جس کے شوہر کی وفات ہوگئی ہو اُس کے لئے چار مہینے دس دن۔

عَدَّت واجب ہونے کے تین اسباب ہیں:

عَدَّت واجب ہونے کے اسباب

ایک سبب عقد صحیح ہے۔ یعنی عقد صحیح میں آئی ہوئی عورت کے شوہر کی وفات عَدَّت کا موجب ہے کہ وہ ایک مدت تک دوسرے نکاح سے

رُکی رہے شوہر کا سوگ منائے اور بناؤ سنگھار سے پرہیز کرے۔ دوسرا سبب مباشرت ہے یعنی ایک ایسی مدت تک دوسرے نکاح سے باز رہے کہ برائتِ رحم (رحم کا حمل سے پاک ہونا) ظاہر ہو جائے اور تیسرا سبب خلوت ہے خواہ خلوت صحیحہ ہو یا فاسدہ یہ بھی اسی طرح وجوبِ عدت کا سبب ہے جس طرح مباشرت۔

عدت کی صورتیں اور ان کے اقسام
عدت کی تین صورتیں ہیں حمل کی عدت، مہینوں کی عدت اور قرور (ماہواری ایام) کی عدت۔

عدت شوہر سے علیحدگی پر واجب ہوتی ہے۔ علیحدگی یا شوہر کی وفات سے ہوتی ہے یا شوہر کی زندگی میں طلاق اور فسخ نکاح کے سبب سے۔ شوہر کی وفات کے وقت یا تو بیوی حاملہ ہوگی یا حاملہ نہیں ہوگی، پہلی صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی۔ دوسری صورت میں عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں جو عدت واجب ہوگی اس میں عدت کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) عورت جسے طلاق ملے اور وہ حاملہ ہو اس کی مدت وضع حمل سے پوری ہوگی۔
- (۲) جسے طلاق مل جائے اور حاملہ نہ ہو لیکن حیض والی ہو اس کی عدت قرور (یعنی حیض یا طہر کے ایام) آنے پر پوری ہوگی۔
- (۳) وہ جسے طلاق مل جائے اور آئسہ ہو (یعنی ایام نہ آتے ہوں) اس کی عدت کی مدت پورے تین ماہ ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کو معتدہ کہتے ہیں تو معتدہ کی کل پانچ قسمیں ہوتی ہیں،

حمل کی عدت
طلاق یافتہ عورت یا ایسی عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی، اس کی تین شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ حمل پورے طور پر باہر آچکا ہو اگر بچہ پیٹ میں مرجائے اور اسے کاٹ کر نکالنا پڑے اور بیشتر حصہ نکالنے کے بعد بھی کچھ حصہ رہ جائے تو جب تک وہ نکال نہ دیا جائے عدت پوری نہیں ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل ساقط ہو جائے اس طور پر کہ انسانی اعضاء بنے نہ ہوں تو عدت کا ہونا پورا نہیں مانا جائے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ تین بار ایام ماہواری

پوری کرے، تیسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل میں دو بچے یا زیادہ ہوں تو جب تک آخری بچہ پورے طور پر پیدا نہ ہو جائے، عدت کی مدت پوری نہ ہوگی، قرآن میں ارشاد ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورہ طلاق - ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

غیر حاملہ کی عدت اگر شوہر وفات پا جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِثْلَهُ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجَهُنَّ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (بقرہ - ۲۳۴)

تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے کو چار مہینے اور دس دن تک نکاح وغیرہ سے روکے رکھیں۔

اس حکم سے ظاہر ہے کہ شوہر کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے کہ اس کے بعد بیوی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ کہیں آئے جائے یا کسی سے نکاح کرنے یا زیبائش اور آرائش کے ساتھ رہنے کی بات کرے لہذا چار مہینے اور دس دن عورت کی عدت مقرر فرمائی گئی تاکہ اس مدت تک نہ اسے نکاح کرنا چاہیے نہ زیور پہننا چاہیے، مانگ نکالنا، رنگین کپڑے پہننا خوشبو لگانا غرض وہ تمام باتیں جن سے مسرت و شادمانی کا اظہار ہوتا ہو، اس مدت میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ تاہم سر میں تیل ڈالنا اور کنگھی کرنا منع نہیں ہے، اگر جوئیں پڑ جانے یا کوئی اور تکلیف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ سرمہ لگانے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے اگر نہ لگانے سے آنکھ میں تکلیف ہو جاتی ہو۔ شدید ضرورت پڑ جانے پر گھر سے باہر دوسری جگہ بھی جاسکتی ہے۔ نہانے دھونے بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ اظہار غم کی ناجائز صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً ہاتھی لباس پہن کر بلند آواز سے آہ و بکا کرنا، قیر پر چادر چڑھانا وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مسلمان عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اسے جائز نہیں کہ کسی کی

لا یجل لأمرأة لتومن بالله والیوم الآخر

ان تحد علی میت فوق موت پرتین دن سے زیادہ غم کرے
ثلاث الأعلی زوجھا سوائے اپنی شوہر کی موت کے۔

یعنی صرف شوہر کے لئے ہی زیادہ غم کا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن وہ بھی چار مہینے
دس دن سے زیادہ نہیں۔

طلاق یا قتہ بیوی کی عدت اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اپنی زندگی ہی میں چھوڑ دے
خواہ طلاق دے کر یا فسخ نکاح کی بنا پر اور اس عورت

کو ایام ہوتے ہوں تو اس کی عدت تین قروڑ ہے، اس عرصے میں نہ تو وہ دوسرے شوہر سے
نکاح کر سکتی ہے اور نہ اس گھر سے جہاں اسے طلاق ملی باہر جاسکتی ہے، قرآن میں ہے:

وَالْمُطَلَّغَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (بقرہ-۲۳۸)

مطلقہ عورتیں تین ایام ماہواری گزرنے تک نکاح وغیرہ سے رُک جاتی ہیں۔

آنسہ کی عدت آنسہ وہ عورت ہے جسے حیض نہ آتا ہو مثلاً: نو سال سے کم عمر کی لڑکی۔
یا عمر رسیدہ عورتیں جنہیں حیض آنا بند ہو چکا ہو۔ وہ عورتیں جو حیض
آئے بغیر بالغ ہو جائیں یا بالغ ہونے پر بھی حیض نہ آئے وہ بھی اس میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ هُمْ مِنَ الْمُحْضِينَ مِنْ تِسْعَةِ اشْهُرٍ وَآلِي لَمْ يَحْضُوا

(سورہ طلاق-۴)

اور جو عورتیں ناامید ہو چکیں حیض سے ان عورتوں کے بارے میں اگر تم کو شبہ
رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ایسی ہی وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آیا۔
عمر رسیدہ محروم الحیض عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار لے اور عدت پوری
ہو جانے کے بعد اسے باقاعدہ حیض آجائے تو اب اس کو پھر سے عدت گزارنا نہیں ہے، اگر
اس نے عدت گزارنے کے بعد شادی کر لی تو وہ درست ہوگی۔ اگر ایسی ہی محروم الحیض عورت
مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی ہو اور اس دوران باقاعدہ حیض آجائے (یعنی وہ
مرض کا خون یا فاسد خون نہ ہو) تو مہینوں والی عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی

اور دوسری عدت کا آغاز نئے سرے سے واجب ہوگا۔

یہی حکم صغیر سن لڑکی کا ہے جو نو سال کی ہو اور مہینوں والی عدت گزار رہی ہو کہ عدت کے دوران اُسے حیض آجائے تو اُس کی یہ عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور جب تک تین حیض پورے نہ آجائیں اُس کی عدت ختم نہ ہوگی۔ ہاں اگر مہینوں والی عدت پوری ہو جانے کے بعد اُسے حیض آیا تو اب اُس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

زانیہ کی عدت اگر کوئی بد بخت عورت اور مرد زنا کا ارتکاب کر بیٹھیں اور عورت کو حمل رہ جائے تو اگر وہی دونوں نکاح کر لیں تو حمل کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قانون شریعت کو توڑنے والے کے لئے عدت کی شرعی قید بھی کوئی معنی نہیں رکھتی، مزید گناہ سے باز رہنے کی یہی صورت ہے کہ عدت کی قید ان سے ہٹا کر انہیں کو آپس میں باندھ دیا جائے۔ یہی حکم اُس عورت کا بھی ہے جس کے شوہر نے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے اُس کو طلاق دے دی ہو اور یہی حکم اُس عورت کا ہے جو طلاق پانے کے بعد زنا کی مرتکب ہوئی ہو، قرآن میں ارشاد ہے: **الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً**۔

اگر زانیہ عورت سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرنے کو تیار ہو جائے تو نکاح حالت حمل میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسرا شخص حمل کی حالت میں مباشرت نہیں کر سکتا جبکہ زانی کر سکتا ہے۔ اسلامی شریعت دوسرے شخص کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ زانیہ سے اس حالت میں متمتع ہو، اور لڑکے یا لڑکی کا نسب مشتبہ ہو جائے۔

عدت کا شمار طلاق کی صورت میں پہلے طلاق کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا مکروہ اور ناصواب ہے

لیکن پھر بھی کوئی یہ گناہ کر گزرے تو عدت میں وہ حیض شمار نہ ہوگا جس میں طلاق دی گئی بلکہ اُس کے بعد سے تین حیض عدت میں شمار کئے جائیں گے۔

مطلقہ رجعیہ کی عدت پوری نہیں ہوتی سہمی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب اس وقت سے موت کی عدت پوری کرنی ہوگی، طلاق کی عدت کا اعتبار نہ ہوگا یہ اس لئے کہ طلاق رجعی کی صورت میں رشتہ نکاح نہیں ٹوٹتا ہے لیکن اگر طلاق مغلظہ یا طلاق بائنہ دی

تھی اور پھر موت واقع ہوئی تو طلاق کی ہی عدت پوری کرنا کافی ہے۔

معتدہ کو نکاح کا پیام دینا مطلقہ عورت خواہ رجعیہ ہو یا بانئہ اُس کا شوہر اُسے پھر حوالہ عقد میں واپس لے سکتا ہے تو ایسی معتدہ عورت

کو اشارۃً و کنایۃً بھی نکاح کا پیام دینا حرام ہے، رہی وہ عورت جو شوہر کی وفات کے بعد عدت گزار رہی ہو یا اُسے منغلظہ طلاق ہو چکی ہو اور وہ عدت میں ہو تو اُسے بھی صراحتاً نکاح کا پیام دینا حرام ہے البتہ اشارے کنایے سے کوئی شخص ارادہ نکاح کی نیت کا اظہار کر سکتا ہے، قرآن میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے کہ :

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَتَمَّمْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِيمَ اللَّهِ أَنْتُمْ سَتَدُونَ نَهْنٌ وَلَكِنْ لَا تَوَاعِدُوهُنَّ سِتْرًا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرُضُوا بَعْدَ الْوَعْدَةِ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ (البقرہ- ۲۳۵)

جن عورتوں کے شوہر وفات پا گئے اگر ان سے پیام نکاح کے طور پر تم اشارۃً کچھ کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ ان عورتوں کا دھیان تمہیں ضرور آئے گا لیکن خفیہ طور پر کوئی عہد نہ کر لینا سوائے اس کے کہ کوئی بھلی بات کہدو۔ تم اُس وقت تک نکاح کا ارادہ بختہ نہ کرو جب تک عدت ختم نہ ہو جائے۔

قول معروف (یعنی بھلی بات) سے مراد ایسی بات ہے جس کے کہنے کا رواج ہو مثلاً میں ان ان صفات کی خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یا مجھے ایسے اوصاف والی بیویاں پسند ہیں۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جس عورت کو اُس کے شوہر نے طلاق منغلظہ دے دی ہو حلالہ اگر وہی اُسے پھر اپنے رشتہ نکاح میں لینا چاہے تو اُس کی بس ایک صورت ہے اور وہ ہے حلالہ۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ معتدہ اپنی عدت کا زمانہ گزار کر اپنی مرضی سے کسی سے نکاح کرے، اور ازدواجی تعلق قائم ہو جانے کے بعد اگر وہ مرد اپنی مرضی سے اُس کو طلاق دیتا ہے یا اُس کا انتقال ہو جاتا ہے تو عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے پھر نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن میں یہ حکم ان الفاظ میں بیان ہوا ہے :

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

يَتَرَاجَعَانِ كَلَّمَا أَنْ يَقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ (سورہ بقرہ - ۲۳۰)

اگر تیسری طلاق (بھی) اُس کو دیدی تو اُس کے بعد وہ اُس کے لئے حلال نہیں ہے گی یہاں تک کہ کوئی دوسرا اُس کے ساتھ نکاح کر لے پھر اگر وہ دوسرا بھی اُسے طلاق بائنہ دیدے تو دونوں کو یہ اجازت ہے کہ پھر سے میاں بیوی ہو جائیں بشرطیکہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم رکھنے کا تہیہ کر لیں۔

ان آیات میں دوبارہ نکاح میں لینے کی یہ چند شرطیں ارشاد فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ دوسرا یہ کہ یہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے اس کو طلاق دیدے۔

تیسری یہ کہ اب اگر یہ عورت اور اُس کا پہلا شوہر پھر رشتہ نکاح قائم کرنا چاہتے ہیں تو خوب سوچ لیں کہ جن حقوق و فرائض میں کوتاہی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا تھا وہ دوبارہ نہ ہونے پائے اور دونوں اللہ کے حدود کے پابند رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کچھ مزید ہدایتیں دی ہیں۔ دوسرے شوہر سے نکاح حسب دستور شرعی ہونا چاہیے۔ نکاح میں کوئی شرط لگانا حرام ہے لہذا مطلقہ عورت یا اُس کا سرپرست یا نکاح کرنے والا یہ شرط نہ لگائے کہ وہ طلاق ضرور دے دے گا بلکہ نکاح اسی طرح غیر مشروط ہونا چاہیے جس طرح ہوا کرتا ہے اور طلاق بھی اُسی بنا پر دینا چاہیے جو طلاق کی صحیح بنیاد بن سکتی ہے، اگر کوئی شخص شرط لگا کر نکاح کرے گا جو شرعاً غلط ہے اور پھر حلالے کے لئے طلاق دے دیدیگا تو اُس کو بھی گناہ ہوگا اور لعنت کا مستحق ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر سخت لعنت کی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح نکاح کرنے کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا ”جو مرد یا عورت طلاق دینے کی شرط لگا کر (حلالے کے لئے) نکاح کریں گے میں اُن کو رجم کر دوں گا۔“ اگر اتنی سختی نہ برتی جاتی تو رشتہ کا تقدس ختم ہو کر رہ جاتا۔

پہلے شوہر کے لئے اُس سے تین طلاق پائی ہوئی عورت تبھی حلال ہو سکتی ہے جب اُس نے طلاق کی عدت پوری طرح گزار کر دوسرے شوہر سے بغیر کسی شرط یا دباؤ کے نکاح کیا ہو۔

دوسرے شوہر نے فرائض زوجیت ادا کئے ہوں۔ اگر وہ بغیر مباشرت کے مر گیا تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔

یہ لازم ہے کہ طلاق مباشرت کے بعد دی گئی ہو اور عورت نے طلاق کی عدت پوری کر لی ہو تب ہی پہلے شوہر سے نکاح درست ہوگا۔

ثبوت نسب اس بات کا ثبوت کہ وضع حمل سے پیدا ہونے والا بچہ اسی شوہر کا ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح ہوا، شریعت نے کم سے کم مدت حمل کا تعین کر دیا ہے۔ کم سے کم مدت چھ ماہ ہے یعنی اگر نکاح کے بعد کسی عورت سے چھ ماہ کے بعد ہی لڑکا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت سمجھا جائے گا، یعنی یہ کہ یہ اسی شوہر کا لڑکا ہے جس سے چھ ماہ پہلے نکاح ہوا ہے۔ اس معاملہ میں تمام فقہاء کو اتفاق ہے۔

اسی طرح اگر کسی عورت کو طلاق مل چکی ہے یا اس کا شوہر مر گیا ہے اور دو برس تک اس نے نکاح نہیں کیا کہ اس کے لڑکا پیدا ہو گیا تو وہ لڑکا بھی ثابت النسب سمجھا جائے گا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو برس ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس سے زیادہ ہے۔ اس امر کی دلیل کہ پورے حمل کی مدت چھ مہینے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ **حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** (حمل سے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے کی مدت ہے) شیر خوارگی کا زمانہ دو سال ہے وفضالہ فی عامین کہہ کر اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی ہے باقی عرصہ چھ مہینے حمل کا زمانہ ہے، اگر چھ ماہ سے پہلے کسی عورت کے صحیح سالم لڑکا پیدا ہو جائے تو اسے ولد الحرام قرار دیا جاسکتا ہے، اسی طرح دو برس کے بعد پیدا ہونے والا لڑکا کے کا نسب احناف کے نزدیک مشتبہ ہے۔

لعان عورت اور مرد کے درمیان تفریق کا ایک سبب لعان ہے، اپنی عورت پر بغیر کسی تحقیق کے زنا کی تہمت لگانا اور اس کے دامن عصمت کو داغدار بنانا سخت گناہ ہے اگر کوئی اپنی عورت پر یہ اتہام لگائے کہ وہ زنا کی مرتکب ہو رہی ہے لیکن گواہ کوئی نہ ہو اور عورت اس سے انکار کرے اور معاملے کو اسلامی حکومت کی عدالت میں اٹھائے تو قاضی یا حاکم دونوں سے چار چار بار قسم لے گا اور ایک ایک بار دونوں سے جھوٹ بولنے والے پر لعنت کرائے گا

اور پھر دونوں میں تفریق کرادے گا اس قسم لینے اور لعنت کرالے کو شریعت میں لعان کہتے ہیں قرآن میں صراحتاً اس کا طریقہ یہی بتایا گیا ہے،

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ
بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرُؤُا عَنْهَا
الْعَذَابَ إِنْ تَشْهَدَ أَرْبَعٌ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ
كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (سورہ نور - ۶-۸)

جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگاتے ہیں اور اس بات پر اُن کے علاوہ دوسرے گواہ بھی نہیں تو الزام لگالے والے کی شہادت یہی ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت۔ پس یہ داغ عورت کے دامن سے اُسی وقت دھل سکتا ہے جب وہ بھی چار بار قسم کھا کر کہے کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر مرد الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا قہر و غضب نازل ہو۔

لعان کے شرائط یہ ہیں کہ دونوں میاں بیوی عاقل و بالغ ہوں اُن کی گواہی معتبر ہو عورت جرم سے انکار کرتی ہو، الزام لگانے والا اُس کا شوہر ہو جو پہلے الزام تراشی میں سزا نہ پا چکا ہو یا اُس کا یہ مشغلہ نہ رہا ہو، شوہر نے گواہ نہ پیش کئے ہوں، دعویٰ اسلامی حکومت کے سامنے دائر کیا گیا ہو۔ اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بات نہ ہوگی تو لعان نہیں ہوگا۔

یہ لفظ ظہر سے بنا ہے جس کے معنی پیٹھ کے ہیں جب اس کی نسبت سواری کے جانور کی طرف کی جائے تو سوار ہونے کی جگہ مراد ہوتی ہے لیکن انسان کی طرف نسبت کرنے سے مقابرت کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک عرب اپنی بیوی سے یہ کہہ کر کہ "تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے" اس سے مباشرت کو حرام کر لیتا تھا اور پھر وہ عورت ہمیشہ کے لئے اپنے خاوند پر اور دوسروں پر حرام ہو جاتی تھی اس عمل کو ظہار کہا جاتا ہے۔

اسلام جب آیات بھی عربوں کے طور طریقے وہی تھے، ان میں سے جو طریقے اسلام میں پسندیدہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بدستور باقی رکھا جو امور ناپسندیدہ تھے اُن سے منع فرمایا اور

جن امور میں اصلاح کی ضرورت تھی اُن کی اصلاح فرمائی۔ چنانچہ ظہار کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیئے وہ یہ ہیں کہ ان الفاظ کو کہنے والا گناہ گار ہے اب جو اس گناہ کا ارتکاب کرے گا تو دنیا میں بھی اُس کو سزا ملے گی وہ یہ کہ جس بیوی سے ظہار کرے گا اُس سے مباشرت اُس وقت تک حرام رہے گی جب تک اس ناپسندیدہ لفظ کو زبان سے ادا کرنے کا تاوان یعنی کفارہ نہ ادا کر دے۔ ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امر دین کے قطعاً خلاف ہے بلکہ بدترین قسم کی بے باکی بھی ہے کہ کوئی شخص غصے میں آکر اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے یا میری بہن کے برابر ہے وغیرہ، ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب کا سزاوار ہوتا ہے۔ اس گناہ سے ندامت کا خمیازہ کفارہ ادا کر کے اٹھانا پڑتا ہے۔

ظہار کا شرعی مفہوم

حنفی فقہاء کے نزدیک ظہار کی تعریف یہ ہے:-
 ”ایک مسلمان مرد اپنی بیوی کو یا بیوی کے عضو یا جزو کو ایسی

شے سے تشبیہ دے جو ہمیشہ کے لئے اُس پر حرام ہے اور کبھی حلال نہیں ہو سکتی“

لفظ تشبیہ سے ایسی عبارت خارج ہو گئی جو مشابہت کے لئے نہ ہو مثلاً بیوی سے اس طرح کہنا کہ جس طرح میں اپنی ماں کی عزت کرتا ہوں یا بچھو بھی کا احترام کرتا ہوں تیری بھی عزت کروں گا یا جس طرح میں اپنی بہن یا بیٹی سے محبت کرتا ہوں تجھ سے بھی محبت کروں گا ان الفاظ سے ظہار ایسی اُسی وقت ہوگا جب وہ ظہار کے قصد و ارادے سے کہے یعنی اُس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے لئے۔ تشبیہ صریح اور ضمنی دو طرح کی ہوتی ہے، صریح کی مثال تو یہی ہے کہ ”تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے“ ضمنی کی مثال یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جس کے ساتھ اُس کے شوہر نے ظہار کیا ہو۔ یعنی تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسے فلاں عورت اپنے خاوند کے لئے۔ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تشبیہ سے ظہار کرنا مقصود ہے۔ ظہار کو وقت کے ساتھ مشروط کرنا بھی ایسا ہی ہے مثلاً تو ایک مہینے تک میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے، تو یہ بھی ظہار ہے، اگر اس وقت کے اندر مباشرت کا ارادہ کرے تو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اگر مثل یا برابر کا لفظ استعمال نہیں کیا تو ظہار نہیں ہوگا مگر ایسا کہنا گناہ ہے۔ عورت کے جزو بدن سے تشبیہ دینے سے مراد ایسا جزو یا عضو ہے جس کا دیکھنا حرام ہے جیسے پیٹھ یا پیٹ

وغیرہ، اُس میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو دودھ خاندان یا شادی کے رشتے سے حرام ہوں مثلاً بیوں کہا کہ تو میرے لئے میری ساس کی یا سوتیلی بیٹی کی یا فلاں دودھ شریک بہن کی پشت کی مانند ہے تو یہ ظہار ہو جائے گا لیکن اگر ایسے جزو بدن سے تشبیہ دی جس پر نظر کرنا حرام نہیں مثلاً: تو میرے لئے سرِ مادر یا پائے مادر کے مانند ہے تو یہ ظہار نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی ظہار نہ ہوگا اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے اپنی بہن (یعنی میری سالی کی مانند ہے کیونکہ بیوی کی بہن بذات خود حرام نہیں ہوتی، بیوی کو طلاق دینے کے بعد شادی کر سکتا ہے اسی طرح مرد کے جزو بدن سے تشبیہ دینے سے بھی ظہار نہیں متصور ہوگا۔ اندرونی اجزا مثلاً جگر، دل وغیرہ کو ظہار میں نہ مشبہ بنایا جاسکتا ہے نہ مشبہ بہ، یہی حکم مادہ تولید اور دودھ کا ہے۔

ظہار کے بارے میں احکام شرعی جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ظہار کا طریقہ جاہلی زمانے سے رائج تھا، اسلام نے شروع میں اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا مگر جب ایک مسلمان گھر میں اس طریقے کا استعمال کیا گیا تو شرعی احکام نازل ہوئے جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت اوس بن صامت کی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ نماز میں مصروف تھیں، اُن کے شوہر دیکھتے رہے اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو اوسؓ نے اُن سے رغبت ظاہر کی، بیوی نے انکار کیا تو انہیں غصہ آگیا اور ظہار کر بیٹھے (یعنی تم آج سے میرے لئے میری ماں کی بیٹھ کی طرح ہو) حضرت خولہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ”اوس نے جب مجھ سے شادی کی میں نوجوان تھی اور مجھ میں کشش تھی۔ پھر میں عمر رسیدہ ہوئی اور کثرت اولاد سے کوکھ پھیل گئی تو اب وہ مجھے اپنی ماں کی مانند کہتے ہیں“ ظہار کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اُس کے متعلق کوئی وحی ہنوز نازل نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا ”میں تمہارے معاملے میں کچھ بول نہیں سکتا“ حضورؐ کا ارشاد اُس نے حضرت خولہؓ کو فریاد کیا ہوئیں کہ یا رسول اللہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں انہیں اوسؓ کے سپرد کر دوں تو تباہی ہے اور اپنے پاس رکھوں تو کہاں سے کھلاؤں“ حضورؓ نے پھر وہی بات دہرائی تو وہ رو کر کہنے لگیں کہ ”یہ اللہ تعالیٰ سے اپنی فاقہ کشی اور بے کسی کی شکوہ طراز ہوں“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی :-

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَ

تَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (مجادلہ - ۱۲)

یقیناً اللہ نے اس کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے بات کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ سُنج تھی، اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اُس کے بعد ظہار کا ثبوت اور اُس کی حیثیت اللہ کے نزدیک اس طرح ارشاد فرمائی گئی :-

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِمْ مَاتَمَّزْتُمْ إِنَّمَا هُمْ إِخْوَانُكُمْ أَلَا إِلَىٰ ذَٰلِكُمُ يَنفِرُونَ مِمَّا قَالُوا فَالْقَوْلُ ذَرِئَةٌ

(مجادلہ - ۱۲)

”تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے یعنی ماں کہہ دیتے ہیں وہ حقیقت میں اُن کی مائیں نہیں۔ مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا، بلاشبہ یہ لوگ بڑی گھناؤنی اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ظہار کے باب میں دو حکم دیئے ہیں، اُخروی و دُنوی، یعنی یہ فعل عذاب آخرت کا موجب ہے لہذا اس کے مرتکب کو توبہ کرنا چاہیے اور آئندہ کے لئے اس سے باز رہنے کا عزم کرنا چاہیے، دوسرا حکم دُنیا سے تعلق رکھتا ہے کہ اس گناہ کا کفارہ یعنی کفارہ ظہار ادا کرے۔

جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے منکر اور زور قرار دیا وہ آخرت کا گناہ اور مستوجب عذاب ہے جس کی تلافی صرف توبہ سے ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہ سے درگزر فرماتا ہے۔ رہا اس کی بابت دُنیا کا حکم تو اس کا ذکر مذکورہ آیت سے اگلی آیت میں ہے:

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَّكِفُوا لِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ فَمَنْ كَفَرَ بِصِيَامِ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَّكِفُوا مِّن

لَمْ يَتَّكِفُوا فَاذْطَعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا (سورہ مجادلہ - ۲۳، ۲۴)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں پھر کبھی ہوئی بات سے واپس پلٹیں تو ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے اُن پر ایک غلام یا باندی آزاد کرنا لازم ہے یہ تمہارے

لئے تشبیہ اور نصیحت ہے اور اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے، پھر اگر کسی کو یہ سیر نہ ہو تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔

ان دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ یہ فعل ناپسندیدہ ہے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ کیونکہ ”کفارہ“ اس ناپسندیدہ فعل کو گزرنے کی سزا ہے جس کا ارتکاب اللہ کی نافرمانی تھا۔ بیوی کو ہاتھ لگانے کی ممانعت شوہر کی سرزنش کے لئے ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو سخت تشبیہ ہے کہ مکروہ بات زبان سے نہ نکالیں، اور غصے کی حالت میں بیوی سے گفتگو کرتے وقت زبان کو قابو میں رکھیں اور الفاظ ادا کرنے میں احتیاط برتیں۔

ظہار کی حالت میں عورت سے بات چیت کرنا حرام نہیں ہے مگر مباشرت اور اس کے لوازمات سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بغیر کفارہ ادا کیے ایسا کرنا سخت گناہ ہے، عورت کو بھی ایسی حالت میں اپنے قریب نہ آنے دینا چاہیے۔

کفارہ ادا کرنے کے تین طریقے ہیں:

کفارہ ظہار ادا کرنے کے طریقے

(۱) مسلمان مملوک (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا یا

(۲) دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا اس طرح کہ درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹنے نہ پائے اگر ایک روزہ بھی چھوٹ جائے گا تو پھر سے روزہ شروع کرنا پڑے گا۔ اگر دو ماہ تک متواتر روزے رکھنے سے معذور ہو تو پھر (۳) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے (یا تو ایک دن ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلائے) یا صدقہ فطر کے برابر یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان کی قیمت ساٹھ مسکینوں کو دیدے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے۔ ایک ہی دن ایک مسکین کو ساٹھ دن کا غلہ نہ دینا چاہیے۔

بیویوں کے شوہروں پر حقوق کے بیان میں نفقہ کا اجمالی ذکر کیا جا چکا ہے۔

نفقہ کا بیان

اب یہاں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

نفقہ کے لغوی معنی خرچ کرنا، یا مال کی خرید و فروخت کا کاروبار چالو کرنا جیسے نفقت

الدَّائِبَةُ (میں نے جانور کو نکال دیا) یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب جانور کو اس کے مالک کے قبضے سے نکال لیا جائے خرید کر یا نَفَقَتِ السَّلْعَةِ (میں نے مال کو چالو کر دیا) یہ اس وقت کہتے ہیں جب خرید و فروخت چل پڑے۔ یہ لفظ اسم مصدر ہے اس کی جمع نفقات آتی ہے اور نفاق بھی جیسے ثمرہ کی جمع شمار۔

فقہی تعریف فقہ کی اصطلاح میں ان ضروریات کا مہیا کرنا جس کی ذمہ داری کسی پر ڈالی گئی ہو نفقہ کی تعریف ہے۔ اس میں روٹی سالن، لباس، گھر اور دوسری متعلقہ اشیاء مثلاً پانی، تیل روشنی وغیرہ شامل ہیں۔

نفقہ کی شرعی حیثیت اس کی شرعی حیثیت امر واجب کی ہے۔ چنانچہ شریعت نے نفقہ کو مہیا کرنا، شوہر پر باپ پر اور آقا پر واجب قرار دیا ہے، اس کے موجبات تین ہیں: شادی، قرابت داری اور ملکیت ان تینوں صورتوں میں نفقہ کی ادائیگی واجب ہونا قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (نساء-۳۳)

”عورتوں کے نگران و نگہبان مرد ہیں اس فضیلت کی بنا پر جو اللہ نے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور اس بنا پر کہ وہ اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں“ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے ”وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ مِمَّا رَزَقَتْهُ وَكَسَوَتْهُنَّ (صاحب اولاد کے ذمہ ان عورتوں کا کھانا پکڑا ہے) ان کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کا اولاد کا، ماں باپ اور قرابت داروں کا نفقہ واجب ہے۔

احادیث تو اہل و عیال، قرابت والوں اور غلاموں پر خرچ کرنے کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے:

تَقُولُ الْمَرْأَةُ: اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِي
وَ اِمَّا اَنْ تُطْلِقَنِي وَيَقُولُ
الْعَبْدُ اَطْعِمْنِي وَاسْتَعْمِدْنِي
وَيَقُولُ الْاِبْنُ اَطْعِمْنِي اِلَى

عورت کہتی ہے کہ یا تو مجھے میرا کھانا (نفقہ)
دو یا مجھے طلاق دے کر آزاد کر دو اور غلام
کہتا ہے کہ مجھے خوراک دو اور مجھ سے
کام لو اور بیٹا کہتا ہے مجھے کھانا کھلاؤ

مَنْ تَدَّ عُنِّيَّ - مجھے کس پر چھوڑ دو گے ؟

اس حدیث کو دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے جس میں اَطْمَعْنِي کے بجائے اَلْفَقْتُ عَلَيَّ ہے یعنی مجھ پر خرچ کرو۔

اجماع : یعنی تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جن مستحقین کے نفقات مہیا کرنے کی تاکید احادیث میں آئی ہے ان سب کی خبر گیری واجب ہے۔ جس طرح عورت کے زوجیت میں آجانے کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہو جاتا ہے اسی طرح کبھی زوجیت سے علیحدگی بھی نفقہ کی ادائیگی کا موجب ہو جاتی ہے مثلاً طلاق رجعی کے ذریعے زوجیت سے علیحدگی۔

نفقہ زوجیت تین قسم کی چیزوں پر مشتمل ہے:

بیوی کا نفقہ اور اُس کے مسائل (i) نان، نمک اور اس کے لوازمات (اٹا، گوشت، دال

ترکاری، چولہا، ایندھن پانی وغیرہ) (۲) تن پوشی کا لباس ہر موسم سے متعلق (۳) گھر جس میں سکون سے رہ سکے۔ تینوں قسم کے تعلق سے مسائل ہیں: پہلی قسم یعنی کھانے سے متعلق چیزوں کی فراہمی شوہر پر واجب ہے، پکانا ریندھنا عام دستور کے مطابق بیوی کو کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جس حسن سلوک کی وہ حقدار ہیں ویسا ہی حسن سلوک کرنا ان پر بھی واجب ہے) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض حیات کی جو تقسیم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فرمائی وہی مثال دستور العمل ہے۔ آپ نے خارجی امور و معاملات کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت علی کو اور داخلی امور کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت فاطمہ کو قرار دیا وہ زمانہ ایسا تھا کہ چکی بھی اپنے ہاتھ سے پینا پڑتی تھی اور پانی بھی اپنے ہاتھ سے بھرنا پڑتا تھا نہ پنہاریاں تھیں نہ بھشتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امور خانہ داری کی انجام دہی حضرت فاطمہ کے سپرد کی تو ہر مسلمان عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھریلو کام کو انجام دے، قطع نظر اس کے کہ اُس کی جاہ و منزلت کیا ہے۔ شوہر پر جس طرح ضروری سامان خورد و نوش کا مہیا کرنا لازم ہے اسی طرح اس کو بنانے کے لئے جو سہولتیں درکار ہیں مثلاً چھلنی چھاج اٹا گوندھنے کا ظرف، توالی، انگیٹھی، ڈوئی، چمچہ وغیرہ حسب ضرورت فراہم کرنا بھی ضروری ہے پھر جہاں آٹا مٹینوں پر لپسا کر لایا جاسکتا ہے تو اُس پر

یہ بھی ذمہ داری ہے کہ آٹا پسوا کر لائے، جہاں پنہاریاں اجرت پر پانی لانے کے لئے میسر ہوں وہاں اجرت دے کر پانی بھروائے، غرض بیوی کو گھریلو کاموں کی انجام دہی میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے، شوہر پر بیوی کی حالت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اگر وہ بیمار ہو جائے یا اولاد کی پیدائش کے زمانے میں وہ کوئی کام انجام دینے کے قابل نہ رہے تو اُس کے لئے پکا پکایا کھانا فراہم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اگر وہ تہناسب گھریلو کام انجام نہ دے سکتی ہو تو مدد کے لئے کسی خادمہ کا انتظام کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے۔ ان سب کے باوجود شوہر کے گھر کا نظم و نسق چلانے والی اور راعیہ بیوی ہی ہے، وہ اس ذمہ داری سے خود کو الگ نہیں کر سکتی۔

نفقہ کی دوسری قسم لباس ہے، شوہر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہر چھ ماہ کے لئے لباس تیار کر کے بیوی کو دے جس میں گرمی یا سردی سے بچاؤ کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو اور گرد و پیش کے رواج کا بھی۔ بیوی شب زفاف گزرنے کے بعد چھ ماہ سے پہلے بھی لباس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

نفقہ کی تیسری قسم مکان ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو، جہاں اُس کی دوسری بیوی اور دوسرے بچے نہ ہوں، ہاں اگر صغیر بچے ہوں جو تعلقات زن و شوئی سے بے خبر ہوں، ایسے بچوں کی موجودگی میں مضائقہ نہیں ہے یہ امر کہ آیا بیوی کے ساتھ اُس کا شوہر اپنی باندی (مملوک) رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ صحیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ ام ولد ہو (یعنی اس کے اولاد پیدا ہو چکی ہے) تو اُس کو بیوی کے ساتھ نہ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ ناخوشگوارمی کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہ احکام اُس حالت میں ہیں جبکہ بیوی اُن کے ساتھ نہ رہنا چاہے لیکن اگر وہ شوہر کے کنبے والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو ساتھ رہنا درست ہے۔ گھر کی بابت یہ شرط ہے کہ اُس میں تمام ضروری اور کارآمد اشیاء موجود ہوں۔

مذکورہ بالا احکام میں نفقہ کی کم سے کم ضرورتوں کا بیان ہے جس کا مطالبہ بیوی اپنے شوہر سے کر سکتی ہے۔ باقی رہا باہمی رضامندی کا معاملہ تو ہر شخص پر یہ ذمہ داری خدا کی طرف سے عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔ بعض فقہاء کے نزدیک نفقہ اُس تمتع کا معاوضہ ہے جو شوہر بیوی سے حاصل کرتا ہے اس لئے اُس پر لازم ہے کہ وہ اُس کی

حیات عامہ کی بقا کے لئے بھی خرچ کرے جس سے مراد صحت مند زندگی ہے۔ جبکہ احناف کی رائے میں بیوی کا نفقہ شوہر کے گھر کی پابند رہنے کا معاوضہ ہے خواہ تمتع کے قابل ہو یا نہ ہو اس اختلاف رائے کی بنا پر طاقت بخش بچوں اور دواؤں کا مہیا کرنا اور بناؤ سنگھار کا سامان فراہم کرنا بیوی کے لئے شوہر پر ضروری ہوگا اگر نفقہ اُس سے تمتع کا معاوضہ ہے لیکن اگر نفقہ شوہر کے گھر میں پابند رہنے کا معاوضہ ہے تو شوہر پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی کہ وہ اُس کے لئے فواکہ یا اور صحت بخش غذا دوا اور پلکوں آنکھوں اور چہرے وغیرہ کو خوبصورت بنانے والی چیزیں بھی فراہم کرے۔ باوجود اختلاف رائے کے یہ نظریہ بغیر کسی اختلاف کے فقہائے امت کو تسلیم ہے کہ شریعت اسلامیہ میاں بیوی میں رابطہ الفت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائے رکھنے کی تائید کرتی ہے اور جن باتوں سے نفرت پیدا ہو ان پر عمل پیرا ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔

مقدار نفقہ کا تعین حنفی مسلک کی رو سے اگر دونوں میاں بیوی خوش حال اور غنی ہیں تو امیروں جیسا نفقہ اور اگر غریب ہیں تو غریبوں جیسا نفقہ ہوگا لیکن اگر ان میں سے ایک خوش حال اور دوسرا تنگ دست ہے تو اس میں ائمہ کی رائیں دو ہیں اور دونوں پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ پہلی رائے یہ کہ نفقہ دونوں کی حیثیت سامنے رکھتے ہوئے مقرر کیا جائے یعنی اوسط۔ دوسری رائے یہ کہ صرف شوہر کی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے، اگر وہ خوش حال ہے تو نفقہ امیرانہ ہوگا ورنہ بصورت دیگر شوہر پر غریبانہ نفقہ فرض ہے۔ امام شافعیؒ اس رائے سے متفق ہیں لیکن گھر کے بارے میں بیوی کی حیثیت کا لحاظ رکھنا پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

نقد رقم نفقہ میں دینا احناف کے نزدیک یہ امر کہ نفقہ اناج اور اشیائے ضرورت کی شکل میں مقرر کیا جائے یا نقد کی صورت میں۔ زوجین کی حیثیت ان کے طرز زندگی اور عام رواج کے پیش نظر متعین کرنا چاہیے۔ ایک مخصوص رقم نفقہ کے لئے مقرر کر دینا اس لئے درست نہیں ہے کہ ہرزمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور اشیاء کی قیمتیں بھی اترتی چڑھتی رہتی ہیں۔ پھر شوہر کے حالات کو دیکھنا ضروری ہے اگر اُسے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے تو بیوی کو بھی ماہوار نفقہ دیا جائے گا اور اگر ہفتہ وار اجرت ملتی ہے تو نفقہ بھی ہفتہ وار رکھا جائے اگر شوہر زراعت پیشہ ہے جسے ششماہی یا سالانہ پیداوار حاصل ہوتی

ہے تو بیوی کے لئے بھی ششماہی یا سالانہ نفقہ مقرر کرے۔

خوراک لباس اور اُس کے متعلقہ لوازمات میں سے تمام اشیاء کا تعلق نفقے سے ہوتا ہے، اُس کی مقدار کا مقرر ہونا ضروری ہے پھر اگر اُس کے دام نقدی یا کسی اور شکل میں بیوی کو دیئے جائیں تو بیوی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اُسے قبول کرے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اشیاء کے نفقہ کے بجائے نقدی کا مطالبہ کرے اور شوہر اُسے قبول کرے، البتہ اگر دونوں اس پر راضی ہوں تو درست ہے تاہم راضی ہونے کے بعد بھی اپنی بات سے رجوع کر لینے کا دونوں کو حق ہے، یہی مسلک امام حنبل کا بھی ہے۔

وجوب نفقہ کی شرائط ایک شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی عقد صحیح کے ذریعہ زوجیت میں آئی ہو۔ اگر عقد ہو گیا اور بیوی کو نفقہ دیا گیا بعد میں اُس عقد کا فاسد یا باطل ہونا معلوم ہوا تو شوہر کو حق ہے کہ خرچ کیا ہو واپس لینے کا مطالبہ کرے کیونکہ نفقہ معاوضہ ہے بیوی کو اپنا پابند اور اپنے لئے مخصوص کر لینے کا اور عقد فاسد ہو کر بیوی اُس کی پابند نہیں رہتی۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی قابل مباشرت ہو۔ کیونکہ نفقہ تب ہی واجب ہوگا جب اُس سے کوئی تمتع حاصل کیا جاسکے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی ناشزہ نہ ہو اور خود سپردگی پر آمادہ ہو۔ ناشزہ وہ عورت ہے جو شوہر کے گھر سے اُس کی اجازت کے بغیر اور بلا وجہ چلی جائے یا شوہر کے بلانے پر اُس کے پاس نہ آئے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ بیوی مرتد نہ ہو گئی ہو یعنی ترک اسلام نہ کیا ہو اس لئے کہ ارتداد سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی ہو جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے یعنی اپنے سوتیلے بیٹے یا خسر سے نفسانی خواہش کے ساتھ کوئی رابطہ رکھنا شوہر سے رشتہ زوجیت کو منقطع کر دیتا ہے اور اُس پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔

۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ بیوی وفات یافتہ شوہر کی عدت میں نہ ہو۔

۷۔ ساتویں شرط ایسی بیوی کے لئے جو کسی کی کینز ہو تو اگر اُس کا نکاح کر کے اُسے اور اُس کے

شوہر کو الگ مکان دیا گیا ہے تو شوہر پر نفقہ واجب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔

۸۔ وہ عورت جو قید میں ہو اور شوہر سے نہ مل سکتی ہو اُسے نفقہ کا حق نہیں ہے۔

۹۔ وہ بیوی جسے کسی اور شخص نے غصب کر لیا ہو یعنی زبردستی اپنے قبضے میں رکھا ہو اُس کا

نفقہ بھی شوہر پر واجب نہ ہوگا۔

۱۰۔ وہ بیوی جس سے نکاح ہو گیا لیکن شوہر کے گھر میں آنے سے پہلے بیمار ہو گئی اور شوہر کے گھر

نہ آ پائی اُس کا نفقہ بھی واجب نہ ہوگا۔

۱۱۔ وہ بیوی جو شوہر کے علاوہ کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی اُس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب

نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ شوہر کے گھر میں رہنے کی پابند نہیں ہے۔

تفقہ عائد ہونے کے بارے میں جب بیوی عقد صحیح کے بعد شوہر کی تحویل میں آجائے

اور شرائط و جوب نفقہ پوری ہوتی ہوں تو بیوی کا

نفقہ واجب ہو جاتا ہے اور شوہر پر قرض رہتا ہے۔ اگر بیوی کہے کہ میں اپنا نفس تمہارے حوالے

کر چکی ہوں اور شوہر اس سے انکار کرے یا بیوی حوالگی کا عرصہ سال بھر بتائے اور شوہر کہے کہ نہیں

صرف ایک ماہ ہوا ہے تو دونوں صورتوں میں شوہر کی بات قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی اگر نفقہ

کی ادائیگی میں تاخیر کی اور بیوی کی شکایت پر حاکم شرع نفقہ مقرر کر دے تو اُسے حکم قرار دیا جائے

گا۔ حاکم شرع کے فیصلے سے پہلے نفقہ اُس پر واجب تھا لیکن اُس دوران اُس نے بیوی سے

ملاقات نہیں کی تھی۔ موجود نہ ہونے کے سبب سے یا بیماری وغیرہ کے سبب سے تو پچھلے

دنوں کا نفقہ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر کافی عرصہ گزر گیا ہے تو ساقط ہو جائے گا ہاں اگر تھوڑا عرصہ

یعنی ایک ماہ سے کم گزرا ہو تو ساقط نہ ہوگا لیکن اگر حاکم شرع کے فیصلے کے بموجب کوئی نفقہ

مقرر ہوا ہے تو وہ شوہر کے ذمے بیوی کا قرض ہوگا اور وہ ساقط نہ ہوگا۔ جب حاکم بیوی کے

لئے نفقہ مقرر کر دے تو بیوی کو حق ہے کہ جو کچھ اُس لے اپنے اوپر خرچ کیا ہے اُس کو پورا

کرنے کے لئے اس حد تک جتنا حاکم نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے شوہر سے مطالبہ کرے۔

یہی اس صورت میں بھی ہے جبکہ دونوں میاں بیوی نے خود ہی باہم کوئی مقدار نفقہ طے کر لی ہو تو وہی شوہر پر قرض ہو گا اور بیوی اسی کا مطالبہ بھی کر سکے گی اگرچہ حاکم نے اس بارے میں فیصلہ نہ کیا ہو۔ اگر حاکم شرع کے فیصلے یا باہمی رضامندی سے نفقہ متعین نہیں ہوا اور بیوی نے شوہر کو ادا لگی نفقہ سے بری کر دیا تو یہ دست برداری درست نہ ہوگی کیونکہ نفقہ جب تک مقرر نہ ہو اسے قرض تسلیم نہیں کیا جاسکتا پھر اس سے دست برداری کے کیا معنی؟ دست برداری کا سوال نفقہ مقرر ہو جانے اور اس کو قرض قرار دینے کے بعد ہی پیدا ہوگا۔ واجب ہونے سے پہلے ساقط کرنے کی صورت نادرست ہے۔

نفقہ کو ساقط کرنے والی باتیں
نفقہ کو ساقط کرنے والی باتوں کا ذکر "وجوب نفقہ
کی شرائط" میں ضمناً آچکا ہے۔ چند مزید باتیں
یہاں وضاحت سے بیان کی جا رہی ہیں:

۱- زوجین میں سے اگر کسی کی وفات ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ حاکم شرع نے اس کو قرض قرار دینے سے جانے کا فیصلہ نہ کر دیا ہو۔ اگر ایسا فیصلہ ہوا ہے تو اس نفقہ کی حیثیت قرض کی ہے اور کسی کی موت ہو جائے تو قرض ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی کام کا صلہ نہیں ہوتا۔

۲- اگر بیوی شوہر کی نافرمانی کرے تو واجب الوصول نفقہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ اسے حاصل شدہ مان کر قرض نہ قرار دیا گیا ہو۔

۳- اگر بیوی دین سے پھر جائے یعنی مرتد ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح شوہر کے بیٹے یا باپ سے جنسی رابطہ قائم کرنے سے بھی نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

۴- اگر بیوی کو طلاق قطعی دیدی یا اس نے خلع کر لیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر طلاق رجعی ہے تو ساقط نہ ہوگا اگر بیوی کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہے تو وہ نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ زوجیت سے خارج کر دینے والی طلاق کی صورت میں اگر قرائن یہ ہوں کہ شوہر نے اپنے کو نفقہ واجب کی ادائیگی سے چھٹکارا دلانے کے لئے طلاق دی اور بیوی مظلوم ہو تو حاکم شرع بیوی کا نفقہ واجب اس کو دے جانے کا

حکم دے گا۔ اگر قرینہ اس کے خلاف ہو تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔
 فقہ مالکیہ کے مطابق نفقہ ساقط ہو جانے کا ایک سبب شوہر کی تنگ دستی بھی ہے بعد
 میں اگر وہ خوش حال ہو جائے تو بیوی کو دوران تنگ دستی کے نفقے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا
 بیوی اگر شوہر کے ساتھ کھاتی پیتی ہے اور اس کے کپڑے بھی شوہر کے کپڑوں کے ساتھ ملتے ہیں
 تو بھی خوراک اور لباس کا نفقہ شوہر سے ساقط ہو جائے گا اگر بیوی اپنی ذات سے متمتع ہونے یا
 مباشرت سے انکار کرے تو جس روز ایسا ہوا اس روز کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر پھر
 اطاعت شعار ہو جائے تو نفقہ عائد ہو جائے گا۔

دوران عدت نفقے کا بیان
 جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کا کوئی نفقہ
 نہیں ہے۔ خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو لیکن وہ عورت
 جو طلاق یا فسخ نکاح کی عدت میں ہو اس کے نفقہ کے بارے میں مسائل حسب ذیل ہیں:

فقہ حنفی کی رو سے شوہر اور بیوی کے درمیان علیحدگی چار اسباب سے ہوتی ہے:

- ۱۔ طلاق رجعی (جس میں نکاح باقی رہتا ہے)
 - ۲۔ طلاق بائن (جس میں بیوی زوجیت سے خارج ہو جاتی ہے)
 - ۳۔ فسخ عقد (خواہ وہ عقد صحیح کو فسخ کرنا ہو یا عقد ہی فاسد ہو ہو)
 - ۴۔ وفات۔ چاروں حالات میں بیوی کو مقررہ عدت پوری کرنا ہوتی ہے جس کا ذکر عدت
 کے بیان میں ہو چکا ہے، یہاں دوران عدت نفقے کا ذکر مقصود ہے۔
- پہلی صورت طلاق رجعی کی ہے تو بیوی زمانہ عدت میں ہر طرح کے نفقے کی حقدار
 ہوگی، اگر اس دوران شوہر کی وفات ہو جائے تو عدت طلاق عدت وفات میں منتقل ہو جائے
 گی اور مقرر شدہ نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر اس نفقہ کو قرض قرار دیا گیا ہے تو وہ
 نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

دوسری صورت طلاق بائن کی ہے تو اگر بیوی حاملہ نہیں ہے تو وہ نفقے کی حقدار
 نہ ہوگی کیونکہ شوہر پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کا نفقہ
 شوہر پر واجب ہے۔ بشرط یہ ہے کہ بیوی اس گھر سے نہ نکلے جہاں ایام عدت گزارنے کے لئے

اُسے رکھا گیا ہے۔

تیسری صورت فسخ عقد کی ہے۔ اگر عقد صحیح کو فسخ کر دیا گیا ہے تو جو حکم طلاق بائن سے مطلقہ بیوی کا ہے وہی نافذ ہوگا۔ لیکن علیحدگی اگر عقد فاسد کی بنا پر ہوئی ہے مثلاً ایک عورت جو عدت میں تھی اُس نے کسی اور سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خلوت صحیحہ بھی ہو گئی پھر اس عقد کے باطل ہونے کا علم ہوا اور اس بنا پر دونوں میں علیحدگی کرادی گئی تو اس عورت کو دو عدتیں گزارنا ہوں گی، ان کی ابتدا علیحدگی کی تاریخ سے ہوگی اور اس میں وہ عرصہ داخل ہوگا جو دوسرے خاوند سے ملنے سے پہلے گزرا ہے پس اگر عورت کو ایام ماہواری ہوتے ہیں تو دوسرے خاوند سے علیحدگی کے بعد تین حیض آجانے تک انتظار کرنا ہوگا اگر دوسرے خاوند سے ملنے سے پہلے ایک حیض آچکا ہے تو وہ پہلے شوہر کی عدت میں محسوب ہوگا اور دوسرے سے مباشرت کی بنا پر تکمیل عدت کے لئے مزید دو حیض کا انتظار کرنا ہوگا، اس طرح دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی یعنی ایک ساتھ پوری ہوں گی، چنانچہ یہ دو ایام حیض دوسری بار پہلی عدت میں محسوب ہوں گے اور پہلی بار دوسری عدت میں۔ ایسی حالت میں نفقہ کا ذمہ دار پہلا شوہر ہوگا۔ کیونکہ نکاح فاسد کی بنا پر علیحدگی کے بعد عدت اگرچہ واجب ہوتی ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی بیوی کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے اور بیوی یہ افواہ سن کر کہ اُس نے وفات پائی کسی اور سے شادی کر لے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مفقود الخبر شوہر واپس آجائے تو دوسرے شوہر سے بیوی کی تفریق کرادی جائے گی اور دوران عدت کا نفقہ نہ تو دوسرے شوہر پر عائد ہوگا اور نہ پہلے شوہر پر کیونکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی اس لئے اُس کی عدت نہیں۔ اور دوسرا نکاح فاسد ہوا ہے اس لئے تفریق کے بعد عدت تو واجب ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی صورت شوہر کے وفات پا جانے کی ہے تو وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہوتا ہم بیوی کو شوہر کے گھر میں رہنے کا حق ہے جب تک عدت پوری نہ ہو جائے جس کی مبادی چار مہینے دس دن ہے، اسی طرح جس عورت کو طلاق بائن ہوئی ہو، وہ بھی مکان میں رہنے کے علاوہ کسی اور نفقے کی حقدار نہ ہوگی، اور رہنے کا حق عدت پوری ہو جانے تک ہے۔ اگر بیوی حاملہ ہے اور اسے طلاق بائن مل گئی تو نفقے کے اقسام سہ گانہ (خوراک لباس اور

مکان اکامہتیا کرنا شوہر پر واجب ہوگا یہ نفقہ طلاق یافتہ بیوی کا نہیں بلکہ اُس حمل کے لئے ہوگا اور اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک ولادت نہ ہو جائے۔

اگر طلاق یافتہ عورت کہے کہ اُس کے طہر کا زمانہ طویل ہو گیا ہے اور حیض کے دن نہیں آئے تو اُس کے قسم کھا لینے پر بات تسلیم کر لی جائے گی اور عدت جاری رہے گی یہاں تک کہ اس کا پورا ہو جانا ثابت ہو جائے۔ مطلقہ حاملہ کو طلاق کے دن سے دو سال تک نفقہ حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ دو سال گزر جائیں اور پتہ چلے کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو شوہر کو یہ نہ چاہئے کہ خرچ کردہ نفقے کی رقم واپس لینے کا مطالبہ کرے، دوران عدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر بیوی نے اس کا مطالبہ نہیں کیا اور مدت حمل گزر گئی تاہم اگر حاکم شرع کے حکم سے یا باہمی فیصلے سے نفقہ مقرر کیا جا چکا ہو تو وہ ساقط نہ ہوگا۔ غیر حاملہ طلاق بائنہ والی عورت نفقہ پانے کی مستحق نہیں رہتی اس لئے اگر وہ زمانہ عدت میں طہر کی مدت طویل ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہے یہ مالکی فقہا کی رائے ہے۔

غیر موجود شوہر پر نفقہ عائد ہونا بیوی کو یہ حق ہے کہ اپنے شوہر سے مطالبہ کرے کہ سفر پر جائے وقت واپسی کے وقت تک کا نفقہ دے کر

جائے لیکن یہ اُس صورت میں جب ایک مقررہ عرصے کے لئے سفر میں جانے کا ارادہ ہو لیکن اگر لمبی مدت کے لئے جس کی میعاد مقرر نہ ہو سفر پر جانے کا ارادہ ہو تو بیوی ایک خاص عرصے کے لئے پیشگی نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اور بعد کے لئے کسی کفیل کو ذمہ دار بنانے کا مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ حیثیت کے مطابق جو خرچ بیوی پر ہونا چلا آیا ہے وہ اُس خاص عرصے کے بعد بیوی کو دیتا رہے۔ اگر شوہر کی موجودگی میں دونوں میاں بیوی کسی کفیل کی ذمہ داری پر راضی ہو جائیں کہ وہ بیوی کو مقررہ نفقہ دیتا رہے گا تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

اگر ایسا نہ ہو اور شوہر بغیر نفقے کا انتظام کئے چلا گیا تو حاکم شرع اُس کی بیوی کے حق میں نفقے کا فیصلہ کرے گا بشرطیکہ اس امر کی شہادت موجود ہو کہ وہ فلاں شخص کی بیوی ہے جو غیر حاضر ہے اور اُس شخص کا مال جس شخص کی تحویل میں ہو وہ بھی اقرار کرتا ہو کہ اُس کا مال میری تحویل میں ہے اور یہ عورت اسی کی بیوی ہے یا خود حاکم شرع کو اس کا علم ہو تو بیوی کو اُس میں سے

نفقہ ملے گا ورنہ اُسے قرض لینے کا حکم دیا جائے گا۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں شوہر پر زوجیت کا نفقہ اُس وقت تک واجب نہیں آتا جب تک بیوی اپنے شوہر کے حوالے نہ کر دے اس لئے غیر موجود شوہر پر نفقہ اسی وقت عائد ہوگا جب حاکم شرع اس بات کا اعلان کر دے کہ بیوی خود کو شوہر کے سپرد کرنے (یعنی رخصتی) کیلئے تیار ہے۔ اگر بیوی نے خود کو شوہر کے حوالے کر دیا اور پھر وہ کہیں چلا گیا تو نفقہ اُس پر لازم الادا ہوگا۔ جس طرح بچھلے دنوں کے بقایا نفقہ کی ضمانت درست ہے اسی طرح آئندہ نفقہ کی ضمانت بھی درست ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تک یہ عورت فلاں شخص کی بیوی ہے میں اس کے نفقے کا ضامن ہوں تو اُس شخص پر مثالی نفقہ کی ادائیگی لازم ہے۔

شوہر کا ادا کئے نفقہ سے عاجز ہونا اگر شوہر اپنی بیوی کا خرچ اٹھانے سے عاجز ہو تو بیوی کو حق ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا

مطالبہ کرے۔ اس بارے میں حنفی مسلک تو یہ ہے کہ اس عاجزی کی بنا پر تفریق نہیں کرائی جائے گی بلکہ قاضی یا حاکم شرع بیوی کو حکم دے گا کہ وہ قرض لے، اور قرض کو شوہر کے ذمے واجب الادا کرے کیونکہ فقر و افلاس جب مانع نکاح نہیں ہے تو بقائے رشتہ زوجیت کے لئے اُسے کیوں مانع قرار دیا جائے۔ رزق کی سبیل اللہ سپید فرماتا ہے، ارشاد باری ہے:

اِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ اَوْ يَغْنَمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

اگر وہ آج تنگ دست ہیں تو کل اللہ اپنے فضل سے اُن کو فراخ دست بنا دے گا۔

اگر شوہر تنگ دست ہے تو ہو سکتا ہے کہ اُس کا باپ، چچا یا بھائی یا بیٹا (جو اس بیوی سے نہیں ہے) خوش حال ہو یا خود بیوی کا باپ، چچا یا بھائی خوش حال ہو تو یہ صاحب توفیق اقارب نفقہ ادا کریں پھر جب شوہر کو سہولت میسر ہو تو جو کچھ بیوی پر خرچ ہوا ہے وہ ادا کر دے۔ دین و اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ بیوی صبر و تحمل سے عارضی تکلیف کو جھیل جائے۔ حاکم یا اسلامی جماعت کو قرآن کی اس ہدایت کے مطابق کہ اِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلَىٰ مَيْسَرَةٍ حکم دینا چاہیے، یعنی جو تنگ حال ہوں اُن کو خوش حالی تک کی مہلت دی جائے گی۔ یہ مسائل اُس حالت میں ہیں جب شوہر کے پاس بہ ظاہر کوئی مال نہ ہو بصورت دیگر اُس کے مال سے جبراً

نفقہ وصول کیا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر بیوی کا خرچ نہ اٹھا سکے تو وہ عقد نکاح کے فسخ کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور حاکم شرع شوہر کی طرف سے طلاق رجعی دے سکتا ہے بشرطیکہ یہ تین شرطیں پوری ہوتی ہوں:

۱۔ شوہر حال یا مستقبل میں بیوی کو خوراک اور لباس مہیا کرنے سے عاجز ہو۔ لیکن اگر وہ محض پچھلا بقایا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو بیوی کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ شوہر کے ذمے قرض واجب الادا ہے (عدم ادائیگی قرض کی بنا پر نکاح فسخ نہیں ہو سکتا)

۲۔ بیوی کو نکاح کرتے وقت شوہر کی مفلسی کا علم نہ تھا، اگر تھا اور وہ نکاح پر راضی تھی تو اسے فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ جس وقت شادی ہوئی تھی اس کا شوہر کوئی کاروبار کرتا تھا بعد میں وہ ترک کر دیا تب وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

۳۔ یہ ثابت ہونے پر کہ شوہر فی الواقع نادار اور ادائے نفقہ سے عاجز ہے، حاکم ایک خاص مدت اپنی سمجھ کے مطابق ادائے نفقہ کے لئے متعین کر دے گا جس عرصے میں اس کی تنگدستی دور ہو جانے کی توقع ہو۔ پھر اگر وہ مدت گزر جائے اور نفقہ نہ دے سکے تو اس کی طرف سے طلاق رجعی دیدی جائے گی۔

جو شخص باوجود استطاعت کے بیوی کا نفقہ اور اس کی ضروریات پورے نہیں کرتا اس کو متعنت کہا جاتا ہے۔ تعنت ظلم کی شکل ہے اور مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا مسلمان کا فرض ہے، فقہ مالکی میں عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ قاضی یا مسلمانوں کی جماعت کے سامنے دعویٰ پیش کر کے فسخ نکاح کرائے، اس کو یہ دعویٰ تب ہی کرنا چاہیے جب کوئی دوسرا ذریعہ معاش یا کوئی دوسرا سرپرست موجود نہ ہو۔ یا اس کا شوہر اس کی طرف توجہ نہ کرتا ہو اور اسے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ مسلمان حاکم یا اسلامی جماعت کا فرض ہوگا کہ شہادتوں سے معاملے کی پوری تحقیق کر لیں پھر شوہر سے کہیں کہ تم کو اتنی مہلت دی جاتی ہے کہ تین ماہ کے اندر تم تعنت کی روش ترک کر دو ورنہ ہم تفریق کرا دیں گے، اگر اس مدت میں وہ روش

بدل دے اور اگر بیوی اس سے مطمئن ہو جائے تو اُسے دعویٰ واپس لینے کو کہا جائے گا ورنہ تین ماہ کے ختم ہوتے ہی تفریق کرادی جائے گی یعنی ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی۔ اب اگر عدت پوری ہونے سے پہلے وہ حق تلفیوں سے باز آجائے تو بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد بھی اگر اظہار ندامت کرے اور آئندہ حق تلفی سے باز رہنے کا وعدہ کرے تو عورت کی رضامندی سے تجدید نکاح کر سکتا ہے۔

نفقة اولاد کے لئے اولاد لڑکے ہوں یا لڑکیاں کم عمر ہوں یا بالغ اگر خود کمانہ سکتے ہوں یا تعلیم حاصل کر رہے ہوں اور کوئی مال نہ رکھتے ہوں تو اُن کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ باپ کی معذوری کی صورت میں ماں کفیل ہوگی اور جو کچھ خرچ کریگی وہ بچوں کے باپ پر قرض رہے گا، باپ اور ماں دونوں معذور ہوں تو پھر دادا اگر صاحب توفیق ہو تو وہ بچوں کا نفقہ ادا کرے گا لیکن اگر دادا صاحب حیثیت نہ ہو اور چچا یا بھائی صاحب حیثیت ہوں تو ان میں سے کسی پر نفقہ واجب ہوگا اور بچوں کی ماں کو حق ہے کہ ان دونوں میں سے کسی سے بلا تزیح نفقہ اولاد کا مطالبہ کرے۔ بصورت دیگر ان بچوں کا جو سب سے قریب رشتہ دار ہو اُس پر واجب ہوگا کہ اُن کا خرچ برداشت کرے اور ہر صورت میں صحیح یہ ہے کہ جو کچھ کسی نے خرچ کیا ہے وہ باپ سے جب بھی اُسے توفیق ہو اپنا مطالبہ وصول کر لے۔ البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں خرچ کرنے والے کو یہ حق نہ رہے گا، وہ یہ ہے کہ دادا نے خرچ کیا ہو اور باپ اپاہج ہو۔ تو یہ سمجھا جائے گا جیسے باپ وفات پا گیا ہے اور نفقہ ساقط متصور ہوگا پھر جب کوئی قرابت دار اپنا نہ ہو جو ان کا نفقہ ادا کر سکے تو اسلامی حکومت بیت المال سے نفقہ ادا کرے گی۔

ماں کے ذمہ نفقہ عائد نہیں ہوتا البتہ اُس پر لازم ہے کہ پیدائش کے ابتدائی ایام میں اپنا دودھ پلائے کیونکہ جب تک پہلے پہل بچے کو ماں کا دودھ نہ ملے وہ بالعموم زندہ نہیں رہتا۔

باپ دادا اور قرابت داروں کا نفقہ باپ دادا جب کہ وہ کما کر کھلانے سے معذور ہو جائیں تو اولاد پر لازم ہے کہ وہ اُن پر خرچ کرنے اسی طرح نانا پر خرچ کرنا ضروری ہے جب وہ محتاج ہو ماں بھی باپ کے مانند ہے۔ اگر کوئی بیٹا اپنے والدین میں سے صرف ایک کے لئے نفقہ فراہم کر سکتا ہے تو ماں کو باپ پر

فوقیت دی جائے گی، اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو نفقہ ادا کرنے سے باز رہے اور کہے کہ میرا باپ خوش حال ہے تو لازم ہے کہ اس دعوے کو گواہوں سے ثابت کرائے ورنہ باپ کا کہنا تسلیم کیا جائے گا، اگر کسی باپ کے بیٹا اور بیٹی دونوں خوش حال ہیں تو دونوں کو برابر کی مقدار میں نفقہ ادا کرنا پڑے گا، ورنہ جو زیادہ مالدار ہو اس کا حصہ باپ کے نفقے میں زیادہ ہوگا۔ صاحب توفیق بیٹے کا یہ فرض بھی ہے کہ باپ کی بیوی کو جو اس کی ماں نہیں ہے، نفقہ دے اور ماں کا حق سب پر مقدم ہے البتہ اگر باپ کی کئی بیویاں ہیں تو بیٹے پر صرف ایک بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ قرابت داروں میں نسبی قرابت داروں کو دیکھا جائے گا یعنی پسری یا پدری حیثیت کو اگر ایسا کوئی قرابت دار محتاج ہے تو صاحب توفیق پر اس کا نفقہ واجب ہے۔ نسبی رشتہ کے بعد قریب ترین رشتہ دار مقدم ہے مثلاً باپ کو نفقہ فراہم کرنا بیٹے پر زیادہ لازم ہے بہ نسبت پوتے کے کیونکہ وہ قریب ترین ہے، اسی طرح اگر کسی کی ایک بیٹی ہے اور ایک پوتا ہے تو بیٹی پوتے سے زیادہ قریب ہے اس لئے بیٹی پر نفقہ کی ذمہ داری بہ نسبت پوتے کے زیادہ ہے۔ حقیقی بھائی اور بیٹی ہو تو بھی بیٹی باپ سے قریب تر ہے کیونکہ وہ اس کا جزو بھی ہے۔ اگر کسی کی ایک بہن اور بیٹی ہے اور وہ عیسائی ہو گیا ہے تو بھی نفقہ بیٹے کے ذمے ہوگا (اگرچہ وہ عیسائی ہونے کی وجہ سے وارث نہیں ہے) اگر کسی شخص کا حقیقی بھائی بھی ہے اور نواسہ بھی موجود ہے تو نفقہ نواسے کے ذمے ہوگا (حالانکہ سگے بھائی کی موجودگی میں نواسہ وارث نہیں ہوتا)

مختصر آئیہ کہ مطالبہ نفقہ کے بارے میں سب سے پہلے اصول و فروع (جڑ یا شاخ) کے رشتہ داروں کو دیکھا جائے گا اور ان میں بھی جو قریب ترین ہوگا وہ مقدم رکھا جائے گا مثلاً: ایک شخص نفقے کا ضرور تمند ہے اور اس کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہیں اور قرابت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں، یہاں بیٹے پر نفقہ کی ذمہ داری اس لئے ڈالی جائے گی کہ اسے اس حدیث کی رو سے تریح حاصل ہے: "انت و مالک لا بیک" یعنی تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے۔ نفقہ بجز قرابت داروں کے کسی اور پر واجب نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ صاحب توفیق ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب توفیق کی کیا تعریف ہے؟ بعض علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو، بعض لوگوں نے کہا ایسا

شخص جو کاشتکار یا تاجر ہو اتنا مال جمع رکھ سکتا ہو جس سے اُس کے اور اس کے بال بچوں کا خرچ پورا ہو کر اس قدر بچے کہ بطور نفقہ حقدار کو دے سکے یا ایسا شخص ہو جو یومیہ اجرت پر کام کرتا ہو اور اہل و عیال کے روزانہ خرچ کو پورا کر کے کچھ بچ جائے تو وہ صاحب توفیق ہے۔ نفقہ دینے والا نسبی رشتہ دار تو ہونا ہی چاہیے اُس کا محرم ہونا بھی ضروری ہے لہذا چچا کی بیٹی پر واجب نہیں ہے کیونکہ وہ نسبی رشتہ دار ہونے کے باوجود نامحرم ہے۔ دودھ کے رشتے والے جو قرابت دار نہ ہوں اُن پر بھی نفقہ واجب نہیں ہے۔ مذہب کا اختلاف بھی نفقہ کو واجب نہیں کرتا، بجز دو صورتوں کے باپ اور بیٹے کا رشتہ، میاں اور بیوی کا رشتہ۔

حضانت (بچے کی پرورش) حضن کے معنی گود کے ہیں، خاصاً وہ عورت جو بچے کو اپنی آغوش میں پالتی ہے اصطلاح شرع میں حضانت کے معنی بچے کو حتی المقدور مضر توں سے بچانا اُسے صاف ستھرا رکھنا اور ضروریات صحت کا خیال رکھنا، حق حضانت یعنی بچے کی پرورش کے حقدار اور اصلاح و تربیت کے ذمہ دار علی الترتیب یہ لوگ ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے حضانت کا حق ماں کو ہے خواہ وہ باپ کے نکاح میں ہو یا طلاق یافتہ ہو پھر
 ۲۔ نانی پر نانی ۳۔ دادی پر دادی ۴۔ حقیقی بہن ۵۔ سوتیلی بہن (جو ماں کی بیٹی ہو) ۶۔
 خالہ ۷۔ بھوپنی کو ترتیب وار حق حضانت حاصل ہے۔ اس باپ میں مادری رشتوں کو پدری
 رشتوں پر اولیت حاصل ہے۔ خالہ کی بھوپنی کی ماموں اور چچا کی بیٹیوں کو حق حضانت نہیں
 ہے، اسی طرح لڑکی کی پرورش بھتیجیوں کے سپرد نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ اُس کے محرم نہیں ہیں۔
حضانت کے لئے شرائط بچہ جس کو پرورش کے لئے سپرد کیا جائے اُسے عاقل و بالغ
 ہونا ضروری ہے، اس کے علاوہ چند اور بھی شرائط ہیں جن کا

لحاظ رکھا جائے گا، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مرتد یعنی اسلام سے برگشتہ نہ ہو، دوسری شرط یہ کہ
 بدکار نہ ہو، چوری یا ایسا ذلیل پیشہ جسے لوگ اچھی نظر سے نہ دیکھتے ہوں مثلاً رقصہ تو ایسے
 اشخاص کو حق حضانت نہیں ہے، تیسری شرط یہ ہے کہ حائضہ نے بچے کے باپ کے سوا کسی اور
 سے شادی نہ کر لی ہو البتہ اگر اس نے اس کے پدری رشتہ دار، مثلاً بچے کے چچا سے شادی

کی ہے تو ہرج نہیں ہے، اجنبی شخص سے شادی کے بعد حق حضانت نہیں رہتا لیکن اگر وہ طلاق دیدے تو پھر حاصل ہو جائے گا، چوتھی شرط یہ ہے کہ بچے کی نگہداشت میں غفلت کرنے والی نہ ہو، وہ مائیں جو تمام وقت گھر سے باہر رہتی ہیں اور بچے کی دیکھ بھال نہیں کرتیں انہیں حضانت کا حق نہیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بچے کا باپ خوش حال ہو اور ماں بچے کی پرورش سے انکار کر دے لیکن بچہ بھی بلا معاوضہ پرورش کرنے پر آمادہ ہو تو وہ کر سکتی ہے ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ بچے کی ماں ام ولد نہ ہو (یعنی وہ کتیز جس سے بچہ پیدا ہوا ہو) ام ولد پر حضانت کی ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی۔

اگرچہ فقہاء کے نزدیک حق پرورش کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی مسلمان شوہر کی عیسائی بیوی کو بچے کی پرورش کا حق ہے تاہم اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ بچے کو سوز کا گوشت کھلائے یا شراب پلائے یا یہ دیکھا جائے کہ وہ بچے کو لیکر گرجا گھر جاتی ہے تو باپ کو حق ہے کہ بچہ کو اُس سے علیحدہ کر لے کیونکہ دین و اخلاق کے پاکیزہ ماحول میں بچے کی پرورش ہونا ضروری ہے۔

حضانت کی مدت لڑکے کی پرورش کے لئے سات سال کی مدت اور لڑکی کے لئے نو سال کی عمر مقرر کی گئی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

اگر پرورش کنندہ ماں ہے تو لڑکے کے جوان ہو جانے تک اُس کی پرورش لازم ہے اور لڑکی کی مدت حضانت اس وقت تک ہے کہ شادی ہو جائے اور شوہر اُس کے ساتھ حق زوجیت ادا کرے۔
حضانت کی اجرت حاضنہ خواہ ماں ہو یا کوئی اور اُسے بچے کی پرورش کا معاوضہ لینا ثابت ہے، یہ اجرت بچے کی دودھ پلانی اور بچے کے نفقے کے علاوہ

ہے، باپ یا وہ شخص جس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے وہی دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی اجرت ادا کرے گا۔ حاضنہ کو خوراک و لباس مہیا کرنا اور اگر اُس کا کوئی مکان نہ ہو تو اُسے بھی فراہم کرنا لازم ہے، اگر بچے کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو صاحب حیثیت باپ کو اس کے لئے بھی حکم دیا جائے گا۔ ماں جو دائرہ زوجیت میں ہو اور بچے کے باپ سے علیحدہ نہ ہوئی ہو اُسے جس طرح دودھ پلانے کی اجرت کا حق نہیں ہے، اسی طرح پرورش کی اجرت لینے کا بھی حق نہیں ہے۔

کتاب الیمین

یمین کی تعریف - لغت میں یمین کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے (۱) دایاں ہاتھ (۲) قوت

(۳) قسم۔ بعد میں اس کا استعمال خلف یعنی قسم کھانے کے لئے ہونے لگا، کیونکہ قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ جب لوگ باہم کسی بات پر حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر قسم کھاتے یا اس لئے کہ قول و قرار کی پختگی اور قوت کو ظاہر کرنے کے لئے یمین یعنی دایاں ہاتھ سے اس لئے تشبیہ دی جاتی کہ وہ بائیں ہاتھ سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا۔

یمین (قسم) کا حکم کسی بات کو موکد کرنے اور اس میں زور پیدا کرنے کے لئے قسم کھانی جاتی ہے۔ نکاح و طلاق، ایلاء و خلع، بیع و شراہ میں قسم کھانے کی ضرورت

اکثر پیش آتی ہے، چنانچہ متعلقہ ابواب میں قسم کھانے کا ذکر آیا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں جہاں معاملات قرض و رہن اور خرید و فروخت بیان ہوئے ہیں وہیں قسم کے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ قسم کا استعمال جس طرح بیع و تجارت مضاربت و مزارعت میں ہوتا ہے اسی طرح نکاح و طلاق، ایلاء و خلع میں بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم نے معاشرتی معاملات کے ساتھ یہاں بیان کر دینا مناسب سمجھا۔ قسم کی شرعی حیثیت حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے جب حلف پر کسی امر واجب کی تعمیل موقوف ہو تو وہ واجب ہو جاتا ہے مثلاً ایک بے قصور ان کو جس نے خون نہیں کیا موت سے بچانا اگر حلف پر موقوف ہو تو حلف اٹھانا واجب ہے، اسی طرح کسی ایسے کام کے لئے حلف اٹھانا جو ناروایا خلاف حق ہو حرام ہے۔ قسم کھانا کبھی مستحب ہوتا ہے جب کسی نیک کام کی اہمیت جتنا اس کی طرف رغبت دلانا یا بُری بات سے نفرت دلانا مقصود ہو اسی قبیل سے ہے، جھگڑا مٹانے کے لئے قسم کھانا، مسلمان کے دل سے کینہ دور کرنے کے لئے یا کسی کو کسی کے شر سے بچانے کے لئے قسم کھانا وغیرہ کسی اچھے کام کو چھوڑنے اور کسی ناپسندیدہ بات کو اختیار کرنے کی قسم مکروہ ہے اس کے برعکس طاعت الہی کے لئے یا ترک معصیت کے لئے قسم کھانا مباح ہے اپنے مدعا کی تاکید کے لئے یا اپنے کو سچا ثابت کرنے کے لئے قسم کھانا بھی

مباح ہے، مثلاً آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ "فواللہ لایہل حتی تہلوا (خدا کی قسم، اللہ تو نہیں اکتائے گا مگر تم اکتا جاؤ گے) کسی امر کی اہمیت جتانے کے لئے قسم کی مثال آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتکم قليلاً ولبکیتم کثیراً" (خدا وہ بات جو مجھے معلوم ہے اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم بلاشبہ کم ہنسوا اور زیادہ روؤ) جس طرح قسم کھانا واجب و حرام، مکروہ و مستحب اور مباح ہو جاتا ہے اسی طرح سے قسم توڑنا بھی کبھی واجب ہو جاتا ہے اگر کسی نے قسم کھا کر کہا شراب پیوں گا یا نماز نہیں پڑھوں گا تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ دے۔ کبھی قسم توڑنا حرام ہوتا ہے جب صورت اس کے برعکس ہو، مثلاً بدکاری سے اجتناب کی قسم کھانا اور نماز مفروضہ قائم کرنے کی قسم کھانا تو ایسی قسم کا توڑنا حرام ہے۔ کبھی قسم توڑنا مستحب ہوتا ہے اگر کسی امر مستحب سے باز رہنے کی قسم کھائی اسی طرح اگر کسی امر مکروہ کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو اس کا توڑنا بھی مکروہ ہے کبھی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہوتا ہے مثلاً کسی مباح کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی جیسے کسی غذا کے نہ کھانے کی تو بہتر یہی ہے کہ اللہ کے نام کا پاس کرتے ہوئے اُسے پورا کرے اور اگر توڑ دی تو بہر حال کفارہ واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ دے مثلاً یہ کہ میں اپنے ماں باپ سے ایک دن یا ایک مہینہ کلام نہیں کروں گا۔ اگر کسی گناہ کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو اس پر فرض ہو گیا کہ قسم پر قائم رہے، اُسے ہرگز نہ توڑے و جب کو ترک نہ کرے، اگر واجب ترک ہوتا ہو تو قسم کو توڑ دینا فرض ہے، اگر ایسے کام کی قسم کھائی جس کا نہ کرنا بہتر تھا یا جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر تھا یا کرنا نہ کرنا دونوں برابر تھے، اس کی مثالیں یہ ہیں۔ خدا کی قسم میں آج پیاز کھاؤں گا یا خدا کی قسم میں آج نماز چاشت پڑھوں گا یا خدا کی قسم میں آج روٹی نہیں کھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاحْفَظُوا أَيَّهَا نَفْسُ" اپنی قسموں پر قائم رہا کرو، قسم میں اگر وقت کی قید نہیں لگائی گئی تو قسم کھانے والا عمر بھر حالت قسم میں رہے گا اور اس کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوگا۔ اسی لئے بے وجہ اور بے مقصد قسم کھانا شریعت میں ناپسندیدہ ہے، اس سے خدا کی ذات یا اس کی کسی صفت کی توہین ہوتی ہے اور وہ شخص بھی ذلت و اہانت سے دیکھا جاتا ہے۔

قسم کا شرعی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا تاکہ
عہد کو پورا کرنے کی ترغیب اور اللہ کی عظمت کا اعتراف ہو۔

قرآن - حدیث اور اجماع سے ثابت ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِالْغُرُوبِ إِنَّمَا يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰیْمَانَ (مائدہ - ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں کرتا البتہ ان قسموں پر مؤاخذہ کرے گا
جو تم نے کسی مقصد سے کھائی ہیں۔

ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے "وَاللّٰهُ لَا غُرُوْبَ قُرَيْشًا"
(بخدا میں قریش سے ضرور جہاد کروں گا) یہ الفاظ حضورؐ نے تین بار فرمائے اور آخری بار انشاء اللہ
کا اضافہ فرمایا، روایات میں ان الفاظ کے ساتھ آنحضرتؐ کا قسم کھانا مذکور ہوا ہے "لَا وَ مَقْلَبِ
الْقُلُوْبِ" (دلوں کو بدلنے والے کی قسم) اور "وَالَّذِي نَفْسِيْ بِیَدِهِ" (اُس ذات کی قسم جس
کے ہاتھ میں میری جان ہے)

تمام فقہائے امت کا اجماع ہے کہ قسم امور شرع میں سے ہے۔

قسم کی قسمیں

قسم کھانا تین طرح کا ہوتا ہے (۱) لغو (۲) منعقدہ (۳) غموس۔

قسم لغو وہ ہے جو بے کار اور بے مقصد کھائی جائے، اس میں نہ گناہ ہے نہ
کفارہ۔ لغو قسم کی دو صورتیں ہیں کبھی گزری بات پر سچ جاتے ہوئے یا صحیح گمان کرتے ہوئے
قسم کھا لینا، حالانکہ وہ بات صحیح نہ ہو یا بلا ارادہ زبان سے قسم کے الفاظ نکل جانا جس کی نہ ضرورت
ہو نہ مقصد، بعض لوگ دوران گفتگو "قسم خدا کی" کہہ جاتے ہیں یا تکیہ کلام کے طور پر ان کے منہ
سے بھی خدا کی قسم یا اللہ جیسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا ایسی
قسموں کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "ترجوا ان لا یؤاخذ اللہ بہا
صاحبہا، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مؤاخذہ نہیں کرے گا۔"

قسم منعقدہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا ہے۔ تو جس کام کے کرنے
کی قسم کھائی ہے اگر وہ نہ کرے یا جس کام کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اگر وہ کرے تو اُس پر
کفارہ دینا لازم ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خدا تعالیٰ یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کا

نام لے کر کوئی بات ثابت کرنے یا انجام دینے کی قسم کھائی جائے تو وہ پڑ جاتی ہے۔ قصد و ارادہ بھول چوک یا جبر کا سوال اٹھا کر اس کو غیر مؤثر نہیں قرار دیا جائے گا مگر امام شافعیؒ اور امام مالکؒ قصد و ارادے کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن میں "بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ" کہا گیا ہے یعنی جن قسموں کو تم نے باندھ لیا ہو۔ دوسری جگہ ہے "بِمَا كَسَبَتْ فُلُوبُكُمْ" یعنی جو کچھ تمہارے دلوں نے کمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسم میں دل کا ارادہ اور نیت نہ ہو تو وہ قسم نہ ہوگی۔ اس طرح بھول چوک اور زبردستی کی قسم منعقد نہ ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے "سَفَعِ عَنِ امْتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْرَاهُوا عَلَيْكَ" یعنی میری امت سے غلطی اور بھول معاف ہے اور وہ عمل جس پر مجبور کیا گیا ہو۔

قسم غموس یہ ہے کہ کوئی شخص دیدہ و دانستہ اللہ کی جھوٹی قسم کھالے، یہ ضروری نہیں کہ وہ ماضی کا ہی واقعہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت کا ہو۔ ماضی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے جانتے بوجھتے زید کو مارا اور پھر اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے زید کو نہیں مارا یا اس نے خالد سے ایک ہزار روپے لئے اور پھر کہا خدا کی قسم خالد سے میں نے ایک ہزار روپے نہیں لیے جال کی مثال یہ ہے کہ کسی نے کہا خدا کی قسم یہ تو سونا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چاندی ہے۔ جھوٹی قسم عام طور پر کسی کا حق مارنے یا نقصان پہنچانے کے لئے کھائی جاتی ہے یا اپنی ذات کے لئے ناجائز فائدہ کمانے کے لئے۔ اس شناعیت کے علاوہ دوسری شناعیت یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر جھوٹ بولا جاتا ہے جو انتہائی بدترین بات ہے، اسی لئے شریعت میں یہ گناہ کبیرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل اور والدین کی نافرمانی کے ساتھ اس کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا حق مار بیٹھتا ہے اس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ دل میں کچھ اور ہو اور قسم کے ذریعے زبان سے کچھ اور ظاہر کیا جائے تو یہ جھوٹی قسم ہے جس کا رشتہ نفاق سے مل جاتا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ اتَّخَذُوا اٰيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ

(بے شک منافقین جھوٹے ہیں جو اپنی قسموں کو ڈھال بناتے ہیں اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے) سورہ منافقون کی یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں ہے جو آپ کو سچا جانتے

ہوئے قسمیں کھا کر آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ ایسی قسم کا کفارہ نہیں، اس کو غموس (ڈبو دینے والی) اس لئے کہتے ہیں کہ دروغِ حلفی گناہ میں غرق کر دیتی ہے، اس کے لئے جہنم ہے۔

قسم واقع ہونے کی شرطیں قسم واقع ہونے کی چند شرطیں ہیں: ایک یہ کہ قسم کھانے والا مکلف ہو، لہذا نابالغ اور دیوانے کی قسم واقع نہیں

ہوتی، دوسری یہ کہ با اختیار ہو۔ لہذا جبراً اگر قسم کھلوائی گئی تو وہ واقع نہ ہوگی لیکن قسم کھانے کے بعد اگر جبراً تڑوائی گئی تو وہ حانت (یعنی قسم توڑنے والا) مانا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قسم قصداً کھائی گئی ہو، لہذا ایسی قسم جو زبان پر بلا ارادہ عادتاً آجائے اسے قسم قرار نہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر قصداً کھائی ہوئی قسم بھول چوک سے ٹوٹ جائے تو وہ حانت ہو جائے گا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام یا اس کی صفات میں سے کوئی صفت ہو، پانچویں شرط یہ ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے وہ خود بخود ظہور میں آجانے والی نہ ہو۔ نہ عادتاً نہ عقلاً، لہذا ایسی تمام قسمیں لغو ہیں جیسے خدا کی قسم سورج مشرق سے نکلے گا یا قسم خدا کی ہم مر جائیں گے، یا اللہ کی قسم یہ جسم مٹھوس ہے یا خدا کی قسم میں کل کا دن آج نہیں ٹوٹا کر لاؤں گا یا بخدا میں اس پتھر کو سونا نہیں بناؤں گا۔ تو اس طرح کی قسمیں واقع نہیں ہوں گی، البتہ وہ باتیں جن کا کرنا عقلاً اور عادتاً ممکن ہے اگر ان کی قسم کھائی جائے گی تو پڑ جائے گی۔ مثلاً اگر قسم کھا کر کہا کہ میں اس گھر میں ضرور جاؤں گا یا اس گھر میں ہرگز نہ جاؤں گا تو یہ قسمیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ باتیں عقلاً و عادتاً ممکن ہیں ایسی بات جو صرف عادتاً ناممکن ہو تو اس پر قسم کھاتے ہی وہ ٹوٹ بھی جائے گی مثلاً قسم اللہ کی میں پہاڑ کو اٹھا کر لاؤں گا یا آسمان پر چڑھ جاؤں گا، عقلاً اور عادتاً دونوں طرح ناممکن بات پر قسم کھانے کا بھی یہی حکم ہے یعنی قسم کھانے والا حانت مانا جائے گا۔ قسم واقع ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ کلمہ استنشا (انشاء اللہ) سے خالی ہو۔ حنفی علماء کی رائے میں قسم کے لئے لازم ہے کہ اس میں کوئی استثنانہ ہو خواہ یہ الفاظ مشیت جیسے انشاء اللہ یا "بجز اس کے کہ اللہ چاہے" یا ما شاء اللہ (جو بھی اللہ چاہے) یا بغير الفاظ مشیت کے جیسے

”ما سوا اس کے کہ کوئی اور بات میری سمجھ میں آجائے“ یا ”میں ایسا نہ کروں گا بلا سوچے“ یا ”میں ایسا نہیں کروں گا بغیر اس کے کہ اور کوئی صورت پسند آجائے“

اس طرح استثنائے بعد اگر وہ بات کر لی تو حانت قرار نہیں دیا جائے گا اسی طرح اگر یوں کہے۔
 ”ایسا نہیں کروں گا بشرطے کہ اللہ نے میری مدد کی یا وہ ایسا ضرور کروں گا بشرطیکہ اللہ نے سہولت دی“ وغیرہ وغیرہ اب اس طرح قسم کھانے کے بعد اگر وہی کام کر لیا تو نہ قسم ٹوٹی نہ کفارہ لازم ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم میں استثناء مؤثر ہے لیکن طلاق کے بارے میں اگر ”اللہ نے مدد کی“ یا ”اللہ کی مدد سے“ کے الفاظ استعمال کئے اور ان سے مراد استثناء ہو تو اس کا فیصلہ اُس کے اور اللہ کے درمیان ہے، قاضی کی عدالت اس کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں دے گی۔

استثنائے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا الفاظ اس طرح بولے جو سُننے اور سمجھے جاسکیں، دوسری شرط یہ ہے کہ جس بات پر قسم کھائی اُس بات کے ساتھ ہی استثنائے الفاظ بولے جائیں اگر دونوں کے درمیان غیر ضروری فاصلہ ہو گا تو استثنائے بے فائدہ ہے مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق اور ساتھ ہی انشاء اللہ یا کوئی استثنائی الفاظ زبان سے ادا ہو گئے تو طلاق واقع نہ ہوگی، خواہ بلا ارادہ ہی وہ الفاظ ادا ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ قسم بھی معتبر نہیں ہے جہاں حلف کے الفاظ اور اس بات میں جس پر قسم کھائی جا رہی ہے فاصلہ ہو۔ لہذا حلف لینے کا یہ طریقہ کہ کسی سے اللہ کی قسم کھلوائی، جب اس نے قسم کھالی تو کہا اب کہو کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو یہ قسم واقع نہیں ہوتی کیونکہ اُس نے دوسرے کی بات کو صرف دہرایا ہے اور اللہ کا نام لینے اور اس بات کے درمیان جو خاموشی رہی وہی فاصلہ ہے

اللہ کا نام لے کر یا اللہ کی صفات میں سے کسی
 وہ الفاظ جن سے قسم پڑ جاتی ہے صفت کا ذکر کے قسم کھائی جائے تو وہ قسم پڑ جاتی

ہے جیسے اللہ کی قسم، خدا کی قسم، خدا کو حاضر ناظر جان کر، اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ کام ضرور کروں گا یا جیسے رحمن و رحیم کی قسم، عزت و جلال والے کی قسم، پروردگار کی قسم۔
 رب العالمین کی قسم، اُس کی قسم جسے قدرت و کبریائی حاصل ہے تو ان سب صورتوں میں اگر کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی تو اُسے نہ کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر نہ کرنے کی قسم

کھائی ہے تو کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی، خدا کی ذات و صفات کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس جرم میں وہ کفارہ ادا کرے کیونکہ اُس نے خدا کو اپنے اعمال کی ڈھال بنایا اور اُس کے احترام کو ملحوظ نہ رکھا، اگر کسی نے یوں کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کام نہ کروں گا تو یہ بھی خدا کی قسم کھانا ہے۔ کلام اللہ کی قسم کھانے سے بھی قسم پڑ جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کی صفت میں سے ایک صفت ہے۔ مصحف (کتاب اللہ) کی قسم منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اُس کی قسم کھائی گئی۔ حلف، شہادت، قسم اور عزم کے الفاظ سے قسم کھائی جاتی ہے، عربی میں "أَقْسَمْتُ بِاللَّهِ" "الْبَيْتِ بِاللَّهِ" "شَهَدَاتُ بِاللَّهِ" "حَلَفْتُ بِاللَّهِ" "يَا عَزَمْتُ بِاللَّهِ" کہنے سے قسم واقع ہو جاتی ہے، اگر ان الفاظ کے ساتھ اللہ کا نام نہ لیا جائے مگر دل میں اللہ کی نیت ہو تو بھی قسم پڑ جائے گی۔ البتہ نیچے دیئے ہوئے الفاظ سے قسم نہیں پڑے گی خواہ ارادہ قسم ہی کا ہو "أَسْتَعِينُ بِاللَّهِ" (میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں)۔ "أَعْتَصِمُ بِاللَّهِ" "يَا أَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ" (خدا پر بھروسہ کرتا ہوں) "عَلِمَ اللَّهُ" (اللہ کو علم ہے) "عِزُّ اللَّهِ" (عزت اللہ کی ہے) "تَبَارَكَ اللَّهُ" (اللہ کی ذات برکت والی ہے) "أَلْحَمْدُ لِلَّهِ" (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) "يَا سُبْحَانَ اللَّهِ" (اللہ پاک ہے) وغیرہ۔

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کا حکم اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے قسم نہیں پڑتی، چنانچہ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کعبے کی یا جبریل کی یا کسی ولی یا بزرگ شخصیت کی قسم کھائے تو قسم نہیں پڑے گی، ایسی قسم کھا کر توڑ دی جائے تو اس کا کفارہ بھی نہیں ہے، ایسی قسموں میں اگر کسی کو اللہ کے برابر سمجھنے کا تصور ہے تو شرک ہے اور اگر رسول اللہ یا کعبے یا فرشتے وغیرہ کی توہین ہوتی ہو تو کفر ہے۔ حدیث میں ہے "مَنْ حَلَفَ لِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ اشْرَكَ" جس نے خدا کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا، بعض فقہانے قرآن کی قسم کھانے کو بھی غیر اللہ کی قسم میں داخل کیا ہے! اگر اُس سے قرآن کی جلد مراد ہو اور کلام الہی کا تصور نہ ہو۔

حلف بالتعلیق یعنی قسم کے ساتھ کسی امر کو وابستہ کرنا مثلاً یوں کہنا کہ "بجدا ایسا نہیں

کروں گا خواہ مجھے بیوی کو طلاق دینا پڑ جائے۔ حنفی علماء کے نزدیک یہ کہنا اسی وقت جائز ہے جب فریق ثانی کو محض اپنی قسم کی سختگی کا یقین دلانا مقصود ہو۔ لیکن اگر یہ مقصد نہ ہو تو یہ ایک مکروہ قول ہے۔ یہی حال ان قسموں کا ہے، تیرے باپ کی قسم، تیری جان کی قسم، تیرے سر کی قسم وغیرہ۔

دوسرے کی طرف سے قسم کھانا یا دلانا کسی نے دوسرے سے کہا کہ واللہ یا بخدا تم ایسا ضرور کرو گے تو اگر اس سے مقصد مخاطب کو قسم دلانا ہے تو نہ تو یہ قسم ہوگی اور نہ اس سے کسی پر کچھ واجب ہوگا۔ لیکن اگر مخاطب کو قسم دلانا مقصود نہ ہو تو اس کو قائل کی طرف سے قسم سمجھا جائے گا، لہذا اگر مخاطب نے وہ کام نہ کیا تو کہنے والا عانت ہو جائے گا اور اس پر کفارہ عائد ہوگا۔ مخاطب پر کچھ لازم نہ ہوگا لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد اس طرح کہنے سے صرف مخاطب کا ارادہ دریافت کرنا تھا تو یہ قسم نہیں سمجھی جائے گی۔ یہ ہے علمائے احناف کی رائے، باقی تینوں ائمہ کے نزدیک بھی یہی صورت ہے تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کسی سے اللہ کی قسم کے ساتھ کوئی کام کرنے کو کہا جائے اور اس کام کو کر دینے میں اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کی قسم کو پورا کر دیا جائے۔

قسم کا کفارہ کب واجب ہوگا قسم واقع ہونے کی شرطیں بیان کی جا چکی ہیں تو اگر ان شرطوں کے مطابق منعقدہ قسم کو توڑا جائے گا تو کفارہ واجب ہوگا اور اگر قسم نہیں ٹوٹی تو کفارہ واجب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے منت مانی ہے کہ یہ کام کروں گا اور وہ کام نہیں کیا تو کفارہ واجب ہو جائے گا۔ یا کہا کہ مجھے قسم ہے ایسا ضرور کروں گا، اگرچہ یہاں اللہ کا نام نہیں لیا پھر بھی قسم ہو جائے گی اور اگر وہ ٹوٹ گئی تو کفارہ دینا واجب ہوگا۔ یہ بات بھی کفارہ واجب کرتی ہے اگر کوئی شخص حلال چیز کو کہے کہ مجھ پر اس کا کھانا حرام ہے تو اس سے چیز تو حرام نہیں ہو جاتی لیکن اگر اسے کھایا تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا، ہاں اگر اس نے محض اطلاع دینے کے لئے کہا کہ فلاں شخص کا مال یا کوئی چیز مجھ پر حرام ہے تو قسم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ اگر

ایسا کروں تو اللہ سے پھروں۔ یا اللہ کی کتاب سے پھروں یا رسول اللہ سے پھروں، تو اگر اس نے وہ کام کیا تو قسم ٹوٹنے والا کفارہ لازم ہوگا، مگر یہ کہ خدا شاہد ہے یا فرشتے گواہ ہیں ہیں ایسا کروں گا یا اگر نہ کروں تو رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں تو ان الفاظ سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ یہ کہنا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو کافروں کے زمرہ میں ہوں تو اب اگر وہ اُسے کرتا ہے تو کفارہ دینا بڑے گناہ کا۔ اور اگر وہ اس بات کو کر چکا ہے اور پھر یہ کہہ رہا ہے تو وہ دروغ جلفی کا مجرم اور گناہ گار ہے۔

قسم کا کفارہ ادا کرنے کا طریقہ قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، ان تینوں باتوں میں سے

ایک بات اختیار کی جاسکتی ہے۔ غلاموں کی خرید و فروخت اب ہوتی نہیں لہذا اُسے کفارے میں آزاد کرنے کا طریقہ ختم ہو گیا ہے۔ بس اب دو ہی طریقے ہیں، لیکن اگر ان دو میں سے کوئی بات نہ کر سکتا ہو یعنی فی الحقیقت عاجز ہو تو اب تین روزے رکھ سکتا ہے یعنی کفارے میں روزے تب ہی رکھے جائیں گے جب پہلی مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکتا ہو۔ کھانا کھلانے سے متعلق یہ امور ملحوظ رکھے جائیں: دس محتاجوں کو دو دنوں وقت کھانا کھلانے

یعنی جن دس محتاجوں کو صبح کھلائے انہیں دس محتاجوں کو شام بھی کھلائے یا پھر صدقہ فطر میں جتنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا اتنا غلہ دس فقیروں کو دے، یعنی ہر ایک کو پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا اس کی قیمت۔ گیہوں کے بجائے گیہوں کا آٹا اور جو کے بجائے جو کا آٹا دیا جاسکتا ہے، دس آدمیوں کا آٹا بیس آدمیوں کو تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح کفارے کی پوری مقدار ایک ہی محتاج کو ایک ہی دن ایک دفعہ میں دیدینا یا دس دفعہ کر کے دیدینا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر دس دن تک ہر روز ایک ہی محتاج کو پوری مقدار حبس کی (یا قیمت) دی گئی تو جائز ہے، کیونکہ دس مسکینوں کی شرط اس طرح پوری ہو جائے گی۔ ایک شخص کی خوراک دو آدمیوں میں بانٹنا درست نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جس مسکین کو صبح کھانا کھانا کھلایا جائے تو اسی کو شام کے کھانے کی قیمت دیدی جائے۔

کپڑا پہنانے سے متعلق یہ باتیں ملحوظ رہیں گی: دس مسکین اگر مرد ہیں تو ان میں ہر ایک

کا جوڑا ایسا ہونا چاہیے کہ جسم ڈھک جائے، کزتا یا قمیص اور پاجامہ یا لنگی۔ عورتیں اگر ہیں تو اوڑھنی بھی دینا چاہیے تاکہ نماز پڑھ سکیں۔ کپڑا پُرانا نہ ہو اور اتنا مضبوط ہو کہ تین ماہ سے زائد عرصے تک پہنا جاسکے اور اوسط درجے کے لوگوں کے پہننے کے لائق ہو۔

روزے کا کفارہ صرف اسی حال میں درست ہے جب کھلانے اور پہنانے کا مقدور نہ ہو۔ وہ شخص صاحب مقدور قرار دیا جائے گا جس کے پاس اتنا مال ہو کہ گزارے کے اخراجات نکال کر کفارہ دے سکے، غیر مستطیع کو یہ اجازت ہے کہ وہ قسم کے کفارے میں تین روزے رکھے۔ اگر مسلسل تین نہیں رکھ سکا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ روزہ کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ اس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک مقررہ تعداد مسلسل نہ پوری کی جائے، باقی تین امام قسم کے کفارے میں مسلسل روزہ رکھنا لازم نہیں سمجھتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ قسم کے کفارے میں جو حکم قرآن و حدیث میں مذکور ہوا ہے اُس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی گئی ہے:

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيُّهَا نَكَدُ (مائدہ - ۸۹)

جس کو کھانا کپڑا دینا میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔

(ضوری نوٹ) فقہ کی کتابوں میں مختلف قسم کی مثالیں قسموں کی دے کر یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ وہ کن کن اعمال سے ٹوٹ جاتی ہیں اور کن اعمال سے نہیں ٹوٹتیں۔ اسی طرح قسم کے الفاظ سے بھی جو تغیرات اُس کی تعبیر میں واقع ہوتے ہیں بحث کی گئی ہے۔ کھانے پینے کے بارے میں قسم، گھر کے اندر جانے اور گھر سے باہر آنے کے بارے میں قسم، ترک کلام کے بارے میں قسم، خرید و فروخت کرنے نہ کرنے کے بارے میں قسم، نکاح کرنے یا نہ کرنے، قرض دینے یا نہ دینے اور طرح طرح کی قسموں کے بارے میں تفصیل سے مسائل بیان کئے گئے ہیں، ہم نے صرف اصولی باتیں اس کتاب میں بیان کر دی ہیں۔

نذر کے مسائل

نذر کی تعریف نذر یہ ہے کہ مکلف انسان اپنے اوپر کوئی ایسی بات واجب کر لے جسے شارع علیہ السلام نے ضروری قرار نہ دیا ہو، اصطلاح میں اسے منت ماننا کہتے ہیں۔

نذر کی حیثیت اور ثبوت شریعت نے منت مانی ہوئی بات کو پورا کرنا واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ ماننے والا صحت مند ہو اور شرائط کو پورا کرتا ہو جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے "وَلْيُؤْتُوا ذُرًّا لَهُمْ" (چاہیے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

من نذر ان يطبع الله

فليطعه و من نذر ان

يعصى الله فلا يعصه۔

جس نے ایسی منت مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے تو اسے ضرور کرے اور جس نے ایسی منت مانی جو معصیت الہی ہے تو معصیت قطعاً نہ کرے۔

منت کو پورا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ بات ہو جائے جس کے لئے منت مانی ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نذر کو اگرچہ وہ عبادت ہی کی کیوں نہ ہو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر کی بابت فرمایا ہے کہ "انہ لم یات بیخیر" (اس سے کچھ فائدہ نہیں) ہاں بخیر سے کچھ خرچ کروانے کا ذریعہ ہے۔ نذر اللہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتی، البتہ اگر وہ بات جس کی منت مانی ہے پوری ہو جائے تو نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ امام مالک امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر نذر کو کارِ ثواب سمجھ کر اور شکر الہی بجالانے کے طور پر کوئی اپنے اوپر واجب کر لے کہ جب اللہ کا نعام اس پر ہو یا کوئی مشکل نل گئی یا کسی تکلیف سے نجات یا مریض کو شفا اللہ نے عطا کی تو شکرانے کے طور پر وہ کارِ ثواب بجالائے گا تو اس صورت میں منت ماننا مستحب اور اسے

پورا کرنا فرض ہے۔ نذر جائز اسی حال میں ہے جب یہ خیال نہ ہو کہ اس نذر کے ماننے کی وجہ سے فلاں کام ہو جائے گا، ایسا خیال ہو تو وہ نذر حرام ہوگی، ایسی ہی نذر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

لا تَنْذِرُوا فَإِنَّ الْمَنْذِرَ
لَا يَرُدُّ مِنْ قِضَاءِ اللَّهِ شَيْئاً
(مسلم)

منت نہ مانا کرو کیونکہ منت اللہ کے
حکم میں سے ذرا سی چیز کو بھی نہیں ٹال
سکتی۔

اگر منت پوری کرنے کو کار خیر یا اللہ کا شکر ادا کرنے پر نہیں بلکہ کسی اور عمل پر موقوف رکھا تو اس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نذر کو کارِ ثواب اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں کوئی ثواب کا کام مثلاً روزہ، نماز، حج صدقہ وغیرہ ادا کرنا ہوتا ہے اور شرعی امر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم "وَلْيُوفُوا الصَّوَابَ لَكُمْ" (چاہئے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں) قرآن پاک میں موجود ہے۔

نذر کی دو قسمیں ہیں (۱) نذر تَبَرُّرٌ (۲) نذر لِحَاجٍ
نذر کی قسمیں (۱) تَبَرُّرٌ۔ بر سے مشتق ہے جس کے معنی نیکی کے ہیں۔ ایسی نذر جس میں نیک کام اور اللہ کا قرب حاصل کرنا پیش نظر ہو وہ نذر تَبَرُّرٌ ہے، اس کی بھی دو ذیلی صورتیں ہیں: (۱) نذر جو کسی دلی مراد کے پورے ہونے پر موقوف ہو۔ مثلاً اگر مریض کو شفا ہوگئی تو شکرانے میں روزہ رکھوں گا، اس کو نذر عِجَازَاتٌ کہتے ہیں کیونکہ جو منت مانی ہے وہ کسی بات کے جواب میں ہے (۱۱) نذر جو کسی بات کے ہو جانے پر موقوف نہ ہو مثلاً میں نے نذر مانی ہے کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر روزہ رکھوں گا، یہ دونوں قسمیں نذر تَبَرُّرٌ کی ہیں۔

۲۔ لِحَاجٍ۔ ضد یا اصرار کی بنا پر یا غصہ اور ناراضگی کے موقعوں پر یہ نذر مانی جاتی ہے۔ اس سے مقصد کبھی کسی فعل سے باز رہنا ہوتا ہے مثلاً اگر میں فلاں شخص سے بات کروں تو مجھ پر خدا کا یہ فرض عائد ہوگا یا اگر فلاں شخص ایسا کرے تو مجھ پر یہ فرض عائد ہوگا پہلی مثال میں اپنے کو دوسرے آدمی کے ساتھ گفتگو سے باز رکھنا ہے، اور دوسری مثال میں دوسرے شخص کو کام سے روکنا ہے۔ اور کبھی اس نذر سے مقصد کسی کام پر خود کو آمادہ

کرنا ہوتا ہے، یا کسی اور کو آمادہ کرنا۔ مثلاً: اگر گھر میں نہ گیا تو مجھ پر یہ کام لازم ہو گا یا اگر اُس نے یہ کام نہ کیا تو مجھ پر یہ واجب ہو گا اور کبھی اس نذر سے مقصد کسی بات کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً: اگر وہ بات نہ ہوئی جو تم نے مجھ سے کہی تھی تو مجھ پر خدا کی طرف سے یہ لازم ہو گا۔

اس طرح نذر تبرر کی دو قسمیں اور نذر لجاج کی تین قسمیں، کل پانچ قسمیں ہوتیں۔ نذر تبرر کی دونوں صورتوں میں جو بات مانی ہے اُس کا پورا کرنا فرض ہے اور منت ماننے والے پر لازم ہے کہ نذر مشروط میں مراد حاصل ہونے پر جو منت مانی تھی اُسے پورا کرے اور غیر مشروط میں اگر وقت متعین کیا ہے تو اسی وقت پورا کر دے اور اگر کوئی وقت متعین نہیں کیا ہے تو کچھ تاخیر کی جاسکتی ہے۔ نذر لجاج کی تینوں صورتوں میں جو منت بھی مانی ہو اگر وہ ثواب کے کام کی ہے تو درست ہے، جو امور کارِ ثواب نہیں ہیں اُن کی نذر ماننا درست نہیں، تمام جائز نذروں کو پورا کرنا ہو گا ورنہ کفارہ یمن عائد ہو گا (یعنی قسم توڑنے کا کفارہ)۔

نذر تبرر صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ نذر ماننے والا مسلمان ہو، نذر پوری کرنے پر قادر ہو۔ بچہ، نابالغ یا جنون زدہ نہ ہو۔ (نابالغ یا مجنون کی نذر اگر روزے یا نماز کی ہو تو درست ہے، مالی نذر درست نہیں ہے۔)

جس بات کی نذر مانی گئی ہے اُس کی شرط یہ ہے کہ وہ کوئی ثواب کا کام ہو جس کی تعیین بنیادی طور پر شرع میں نہ کی گئی ہو (اگر نذر میں کوئی فرض عین مانا تو وہ نذر منعقد نہ ہوگی کیونکہ فرائض یعنی نماز پنجگانہ اور روزہ ماہ رمضان وغیرہ تو پہلے ہی شرعاً لازم ہیں) نفل کام ہو یا فرض کفایہ (نماز جنازہ وغیرہ) ہو اور نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہو تو نذر مانی جاسکتی ہے لیکن وہ تمام امور جو کارِ ثواب نہیں ہیں خواہ وہ حرام و مکروہ ہوں یا مباح، سب نذر ماننے کے قابل نہیں سمجھے جائیں گے، اور حرام کی نذر درست نہیں ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اور حدیث میں صراحت ہے کہ:

لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ فعل گناہ کی نذر اور ایسی بات کی نذر
وَلَا فِي مَا لَا يَمْلِكُهُ ابْنُ آدَمَ ماننا جو آدمی کے بس میں نہ ہو درست نہیں ہے۔
امِ مَكْرُوهِ كِي نَذْرٍ بَعْضِي مَكْرُوهِ ہوگی مثلاً ہمیشہ روزہ رکھنے کی منت مانی تو وہ درست نہ ہوگی۔

امر مباح کی نذر جیسے ”میں گوشت نہیں کھاؤں گا، یا ایک میل تک پیدل جاؤں گا تو اگر یہ نذر پوری نہ کی تو کفارہ لازم آئے گا۔ بعض فقہاء کفارہ واجب نہ ہونے کے حق میں ہیں۔ اور وہ نذریں جس میں کارِ ثواب یا اللہ کی خوشنودی کے لئے کچھ کرنے کی منت مانی گئی ہو تو انہیں پورا کرنا یا کفارہ یہاں ادا کرنا لازم ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ امرِ معصیت کی نذر ماننے کو نادرست کہا گیا ہے، اس میں وہ امر بھی شامل ہے جو بذاتِ خود معصیت نہ ہو مگر خارجی سبب کی بنا پر گناہ ہو جائے مثلاً نماز پڑھنا بذاتِ خود کارِ ثواب ہے لیکن مقصود یہ یا ناجائز قبضہ کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا حرام ہے، لہذا اس کی نذر ماننا بھی صحیح نہیں ہے۔

وراثت

معاملات کے ضمن میں امانت، عاریت، ہبہ اور وصیت کا بیان جداگانہ کیا گیا ہے۔ یہاں وراثت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانی معاشرتی حقوق و واجبات اور صلہ رحمی سے ہے۔

وراثت کے معنی لغت میں وراثت کے معنی منتقل کرنے کے ہیں اس کا استعمال خاص طور پر مال اور جائداد، عزت و شرف کے لئے ہوتا ہے جیسے ”ورث الہمال والہجد عن فلان“ (وہ فلاں شخص کے مال اور اس کی عظمت کا وارث ہوا)۔ اصطلاح میں کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے ترکہ کو مستحق لوگوں کی طرف منتقل کرنے کو وراثت کہتے ہیں۔

وراثت کی تقسیم کا طریقہ اور وارثوں کے حصے شریعت نے متعین کئے ہیں ان کو بیان کرنے سے پہلے چند اصطلاحوں کو جان لینا ضروری ہے:

میت؛ وفات پانے والا شخص جس نے مال اور سامانِ زندگی چھوڑا ہے۔

ترکہ؛ وہ مال و اسباب جو متوفی نے چھوڑا، اسے میراث بھی کہتے ہیں۔

وارث؛ وہ شخص جو متوفی کے چھوڑے ہوئے مال اور سامان کا شریعت کے حکم سے

مالک قرار پائے۔

مورث، ترکہ چھوڑنے والا یعنی میت جو اپنی زندگی میں اس مال و اسباب کا مالک تھا۔
ذوی الفروض؛ وہ لوگ جن کا میت سے نسبی تعلق ہو اور ان کا حصہ شریعت نے ترکے میں
مقرر کر دیا ہو۔

عُصْبہ؛ جن کا میت سے نسبی تعلق مرد کے واسطے سے ہو اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو
باقی بچے وہ ان کا ہو۔

ذوی الارحام؛ وہ رشتہ دار جن کا تعلق میت سے عورت کے واسطے سے ہو مثلاً بھالہ اور
نواسی وغیرہ۔

حقیقی بھائی بہن؛ جنہیں عینی بھی کہتے ہیں وہ ہیں جو میت کے باپ اور ماں کی اولاد ہوں۔

اخیانی بھائی بہن؛ جو میت کی ماں کی اولاد ہوں، لیکن اس کے باپ کی اولاد نہ ہوں۔

علاتی بھائی بہن؛ جو میت کے باپ کی اولاد ہوں لیکن اس کی ماں کی اولاد نہ ہوں۔

محروم؛ وہ شخص جو اپنے کسی غلط فعل کی وجہ سے ترکے میں اپنا حق کھو چکا ہو۔

محبوب؛ وہ شخص جو کسی وارث کی موجودگی میں خود وارث نہ قرار پائے۔ اس کی دو صورتیں

ہو سکتی ہیں؛ یا تو وراثت میں اس کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہو جائے گا،

اُسے حُجْبِ نَقْصَانِ کہتے ہیں یا اس کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے بالکل نہ رہے

گا اُسے حُجْبِ حَرْمَانِ کہتے ہیں۔

اصول؛ میت کے باپ دادا، پردادا۔

فروع؛ میت کے بیٹے پوتے اور بیٹے پوتی۔

مورث کی وفات کے بعد مورث کا چھوڑا ہوا مال اُس کے وارثوں کی میراث ہے

لیکن اُسے اُس وقت تک تقسیم نہیں کیا جائے گا جب

تک تین چیزوں کا خرچ اس سے پورا نہ کر لیا جائے (۱) تجہیز و تکفین (۲) قرض (۳) وصیت۔

قرض و وصیت کا بیان دوسری جگہ ملے گا۔ یہاں صرف تکفین و تدفین کا ذکر کیا جا رہا ہے

میت نے جو کچھ چھوڑا ہے اُس میں سب سے پہلے کفن اور دفن کا سامان کیا جائے گا

مگر اس میں فضول خرچی جائز نہیں ہے۔ بلکہ فضول خرچی کرنے والے کو ایسے زائد مصارف خود برداشت کرنا ہوں گے۔ کفن اسی حیثیت کے کپڑے کا ہو جیسا متوفی اپنی زندگی میں استعمال کرتا رہا ہو لیکن زیادہ کم قیمت کفن نہ دینا چاہیے اور اس معاملے میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ اسراف نہ ہو۔

قبر بہر حال میں کچی بنانا چاہیے چاہے میت غریب کی ہو یا مالدار کی۔ قبر کی کھدائی کا خرچ ترکے سے لینا چاہیے، اگر قبر کے لئے زمین خریدنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی قیمت بھی ترکے سے لی جاسکتی ہے، مگر عام حالت میں اس سے زیادہ اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ قبر کے تختوں کی قیمت بھی ترکے سے لینا چاہیے، اگر ضرورت ہو تو نہلانے والوں اور قبرنگ پہنچانے والوں کو بھی مزدوری دی جاسکتی ہے، اگر اعترہ واقارب خوشی سے خرچ برداشت کر لیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ میت کا ترکہ اُس کے وارثوں کا حق ہے اس لئے فضول خرچی دو ہرے گناہ کا سبب ہوگی، ایک سنت نبوی کی مخالفت کا گناہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی جس کی اہمیت اس قدر ہے کہ اگر مورث اپنی تجہیز و تکفین پر حقیقی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کی وصیت کر جائے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تدفین کے وقت صدقات دینا یا میت کو دفن کرنے کے لئے جو لوگ آئیں اُن کی تواضع کرنا تو اگر بالغ ورثہ اپنے حصے سے اس پر خرچ کرتے ہیں تو کوئی ہرج نہیں مگر جو وارثان ایسا اپنی خوشی سے نہیں کرتے بلکہ محض نام و نمود کی خاطر، تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح نابالغ وارثوں کے حصے سے بھی صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں ہے۔ تیجہ۔ جہلم۔ برسی کا دستور خواہ اس میں ترکے سے خرچ کریں یا اپنے پاس سے، ناروا ہے، یہ دستور نہ تو سنت ہے اور نہ صحابہ اور تابعین نے ایسا کیا ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

وارث کے علاوہ کسی شخص کی طرف سے تجہیز و تکفین کی پیش کش اگر کوئی شخص ثواب کی

نیت یا محبت میں تجہیز و تکفین کرنا چاہے تو وارثوں کی مرضی سے کر سکتا ہے، وارثوں کو یہ پیش کش قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق ہے۔

بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ سب سے پہلے شوہر کے
 ادب سے ہے، اگر شوہر موجود نہ ہو تو بیوی کے ترکے سے لیا
 جائے گا۔

جس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو اُس کی تجہیز و تکفین کا خرچ
 ترکہ چھوڑنے کی صورت
 میں جو لوگ اُس کے
 وارث ہوتے ہیں وہ لوگ میت کی تجہیز و تکفین پر خرچ کریں گے، اگر اُس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو نصف
 خرچ وہ اٹھائے گا جو آدھے ترکے کا حقدار ہوتا اور باقی نصف ان وارثوں کو دینا ہو گا جو ترکہ
 کے حقدار ہوتے۔

لا وارث کی تجہیز و تکفین
 ایسی میت کی تجہیز و تکفین جس کا نہ کوئی وارث ہو نہ رشتہ دار
 اسلامی حکومت پر یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو محلہ کے
 یا بستی کے لوگوں پر واجب ہے۔ حکومت بیت المال سے خرچ کرے گی اور بستی کے لوگ آپس
 میں چندہ کر کے خرچ کریں گے۔

مورث کے ذمے قرض
 مورث وفات سے پہلے کسی کا مقروض ہو اور اس کا علم وارثوں
 کو ہو یا اس کا اقرار اُس نے مرض الموت میں کیا ہو تو تجہیز و تکفین
 کے بعد اس طرح کے تمام قرضے ادا کرنے کے بعد ترکہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ قرض میں
 بیوی کا مہر اور اگر کسی چیز کا نقصان ہو گیا ہو تو اس کا تاوان بھی شامل ہے۔ وہ فرائض عبادات
 جن کے ادا نہ کرنے پر فدیہ واجب ہو گیا ہو یا نماز کا کفارہ دینا ہو یا زکوٰۃ واجب ہو، تو حکم یہ ہے
 کہ زکوٰۃ تو اُس کے مال سے دیدینا چاہیے لیکن قرض کے ادا کر چکنے کے بعد جو کچھ بچے اس میں
 سے پُر حصہ کفارہ فدیہ اور وصیت کو پورا کرنے میں خرچ کیا جائے گا اگر ان کی مقدار پُر سے زیادہ
 ہو تو پھر ورثہ کی مرضی پر ہے کہ وہ زائد مقدار کو ادا کریں یا نہ کریں، بہر حال پُر کے اندر وصیت
 کے مطابق ادا کرنا واجب ہے۔

ترکہ کی تقسیم
 قرض کی اداگی اور وصیت کی تکمیل کے بعد میت کا ترکہ شریعت کے
 مقرر کردہ حصوں کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کبھی ایسے

اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کے باعث ایک وارث ترکے میں اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے یا اس کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔

بالکل محروم ہو جانے کے دو اسباب ہیں، مورث کا قتل اور دین میں اختلاف۔

محروم ہونے کے اسباب

۱۔ اگر کسی بالغ وارث کے ہاتھ سے مورث کا قتل ہو گیا خواہ وہ عمداً اور ظماً کیا گیا ہو یا غلطی سے ہوا ہو تو وہ مورث کے ترکے سے بالکل محروم ہو جائے گا۔ محروم ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ عقل و ہوش رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ وہ بالغ ہو، تیسرے یہ کہ قتل اپنے دفاع میں نہ کیا گیا ہو۔ پاگل اور نابالغ شرعی پابندی سے آزاد ہونے کے سبب ناقابل مواخذہ ہیں اس لئے ان سے قتل کا ارتکاب ہونا جرم قابل سزا نہیں قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر وارث نے ظلم سے قتل نہیں کیا بلکہ اپنا بچاؤ کرنے میں مورث کا قتل ہو گیا تو وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

۲۔ کوئی مسلمان نہ کسی غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی غیر مسلم مسلمان مورث کی وراثت پاسکتا ہے، اسلامی شریعت دونوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار نہیں دیتی۔ یہی حکم مرتد یا دین اسلام سے پھر جانے والا کا ہے کہ وہ بھی مسلمان کی وراثت سے محروم رہے گا۔

وہ وارث جو اپنے فعل سے نہیں بلکہ دوسرے کسی وارث کے بیچ میں حائل ہونے کے سبب حجاب

محبوب ہو جانے والے وارث

(پردے) میں آجاتے ہیں اور اس وجہ سے یا تو ان کا حصہ میراث میں کم ہو جاتا ہے یا بالکل نہیں رہتا، پہلی صورت کو شریعت میں حجب نقصان اور دوسری صورت کو حجب حرمان کہتے ہیں۔

وہ وارث جو دوسرے وارث کے باعث محبوب نہیں ہوتے

حجب نقصان
یا حجب حرمان

سے دو وارث متاثر نہیں ہوتے یعنی وہ نہ اس بنا پر وراثت سے محروم ہو سکتے ہیں اور نہ اس بنیاد پر ان کا حصہ کم کیا جاسکتا ہے، وہ دو وارث میت کا بیٹا اور بیٹی ہیں۔

حجب نقصان کی تفصیل جن وارثوں کا حصہ دوسرے وارثوں کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے،

۱- اگر ذوی الفروض (وارثوں) میں صرف میت کے ماں باپ ہوں تو ان کو میراث کا حصہ ملتا ہے لیکن اگر میت کے بیٹا بیٹی وغیرہ بھی ہوں تو پھر ماں باپ کا حصہ گھٹ کر رہ جاتا ہے۔

۲- ماں کا حصہ میراث میں رہتا ہے۔ جس طرح اُس کے لڑکوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ گھٹ جاتا ہے اسی طرح میت کے بھائی بہن یا اُس کی اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی ماں کا حصہ اُس سے رہا ہو جائے گا۔

۳- شوہر کے ترکے میں بیوی کا حصہ چوتھائی رہتا ہے لیکن اگر شوہر نے اولاد چھوڑی ہے تو ان کی موجودگی میں بیوی کا حصہ آٹھواں رہا ہو جائے گا۔

۴- بیوی کے ترکے میں شوہر کا حق نصف (رہتا ہے) لیکن اگر بیوی کے بطن سے کوئی اولاد ہے تو پھر شوہر کو صرف چوتھائی (رہتا) کا حق ہوگا۔

۵- اسی طرح پوتی کا حصہ حقیقی بیٹی کی موجودگی میں۔ علاتی بہن کا حصہ حقیقی بہن کی موجودگی میں، دادا کا حصہ اولاد کی موجودگی میں کم ہو جاتا ہے۔

حجب حرمان کی تفصیل وہ وارث جو بعض وارثوں کی موجودگی میں بالکل محروم ہو جاتے ہیں یہ ہیں:

۱- اگر میت کے وارثوں میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، یا باپ دادا میں کوئی موجود ہو تو حقیقی اور اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں۔

۲- اگر میت کے بیٹے موجود ہوں تو پوتا پوتی کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ شریعت نے ذوی الفروض میں ترکے کی تقسیم میں جو ترتیب قائم کی ہے وہ اس طرح ہے کہ پہلے قریب تر کو ملے پھر اس سے دور کو یعنی بیٹے پھر پوتے اور پھر ان سے نیچے کے لوگ، اسی طرح باپ پھر دادا اور پھر ان سے اوپر کے لوگ، غرض جو لوگ نسبی تعلق اور ترتیب کے اعتبار سے قریب تر ہوں گے وہ ترکہ پانے کے حقدار ہوں گے اور جو اسی ترتیب سے جتنے دور

ہوں گے وہ قریب تر کی وجہ سے محبوب ہو جائیں گے مثلاً باپ سے دادا محبوب ہو جائے گا اور دادا سے پردادا، اسی طرح لڑکوں سے پوتے محبوب ہو جائیں گے اور پوتوں سے پرپوتے اسی طرح ماں کی موجودگی میں نانیاں اور دادیاں محبوب ہوں گی۔

۳۔ سائے ذوی الارحام، ذوی الفروض اور عصبات کی موجودگی میں ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے مثلاً نانا، نانی، بھانجا، بھانجی، خالہ، ماموں، پھوپھی وغیرہ محبوب ہو جائیں گے اگر میت کے بیٹے، بیٹی، ماں باپ اور بھائی موجود ہیں۔

محبوب پوتے کا مسئلہ شریعت نے جو تقسیم وراثت کی ترتیب رکھی ہے وہ بڑی مضبوط و مستحکم ہے جس کو اگر ذرا بھی بدلا جائے تو

استحکام باقی نہیں رہتا۔ پوتا وراثت سے محبوب ہو جاتا ہے جب اُس کے باپ اور چچا یا دونوں میں سے کوئی ایک موجود ہو، اب اگر مورث کی زندگی میں ایک بیٹا وقات پا گیا اور وہ اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑ گیا تو شریعت کے مطابق مورث کا ترکہ اُس کے زندہ بیٹوں کو ملے گا اور وہ پوتا جو یتیم ہے محبوب ہو جائے گا۔ اسلام نے شرعی قوانین کے ساتھ ساتھ اخلاقی ہدایات بھی دی ہیں۔ قانون پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے بھی یتیم پوتے کے محبوب الارث ہونے کی تلافی کی گئی ہے، شریعت نے ہر مورث کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے پُر حصہ جس کا رخیہ میں لگانا چاہے اُس کی وصیت کرے لہذا مورث کو اپنے یتیم پوتے کے لئے اپنی وصیت کرنے کا حق ہے، اس کے علاوہ وہ اپنی زندگی میں یتیم پوتے کے لئے دوسری صورتیں بھی نکال سکتا ہے۔ یتیم پوتے کے علاوہ یتیم نواسے، یتیم بھانجے اور یتیم بھائی بہن کے لئے یہی کچھ کیا جاسکتا ہے لیکن شرعی قوانین میں تغیر کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔

یتیم اور بے سہارا لوگوں کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات یتیم اور بے سہارا لوگوں کے لئے

اُن کے سرپرستوں، خاندان والوں، اسلامی جماعتوں اور حکومت کی جو ذمہ داریاں ہیں انہیں قرآن کی آیات اور ارشادات نبوی میں دیکھا جائے اور ان احکام پر عمل کیا جائے۔ قرآن کریم میں آغاز نزول سے آخر تک حقوق اللہ کی بنیادی باتوں کے ساتھ ہی ساتھ

بندگان خدا کے حقوق پر بھی برابر احکام نازل فرمائے جاتے رہے، ماں باپ کے بعد یتیموں اور بے نواؤں کے ساتھ حسن سلوک کو بہت بڑی نیکی بتایا گیا ہے۔ سورہ البلد میں ارشاد ہے:-

فَلَا اقْتَرَبُوا الْعُقَبَةَ ۝ وَآذُرِكْ بِالْعُقَبَةَ ۝ فَكَرَّ بِيَوْمِ ذِي مَسْجِنٍ ۝ يَتَّبِعُونَ إِذَا مَقْرَبَةَ ۝
 أَوْ مَسْكِينًا إِذَا مَتْرَبَةَ ۝

(سورہ البلد ۱۱-۱۶ تا ۱۶)

تو اُس نے وہ گھائی نہیں عبور کی اور جانتے ہو کہ وہ کیا گھاٹی ہے؟ کسی کی گردن غلامی سے چھڑانا یا تکلیف اور فاقے کے دن کسی رشتے دار یتیم کو کھانا کھلانا یا کسی خاک بسر غریب نادار کو کھلانا۔

یعنی جو انسانی ہمدردی کی اس بلندی تک بھی نہ آسکا کہ کسی انسان کو غلامی کے بھندے سے چھڑا دے یا کسی اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلا دے جبکہ وہ فقر و فاقے میں مبتلا ہو یا کسی خاک نشین مسکین کا پیٹ بھر دے تو وہ انسانیت کے اونچے مراتب تک کیسے پہنچ سکے گا۔ سورہ الضحیٰ میں ہے:

فَأَنَا الْيَتِيمُ فَلَا تَقْرَبُنِي ۝ وَأَنَا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرُنِي ۝
 (الضحیٰ ۹، ۱۰)

تو تم یتیم پر کوئی ظلم اور دباؤ نہ ڈالو اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دو۔ انسان اپنی ذرا سی تکلیف پر شکایت کرنے لگتا ہے لیکن کسی غریب کی تکلیف کا اُسے دُکھ محسوس نہیں ہوتا، اس خود غرضی پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔

كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْيَتِيمِ ۝ وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ

اَكْلَانَنَا ۝
 (سورہ فجر ۱۶ تا ۱۹)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم خود یتیم کی دلداری نہیں کرتے اور نہ دوسروں کو حوصلہ دلاتے ہو کہ مسکین کو کھانا دیں اور تر کے کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم پر شفقت کرنے اور اس کے اجر و ثواب کے بارے میں فرمایا کہ:

”جس نے خدا کی مرضی کے لئے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس یتیم کے سر کے ہر بال کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھی جائے گی“ (ترمذی)

آپ نے فرمایا کہ:

”یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے (آپ

نے دو انگلیاں ملا کر دکھائیں)“ (بخاری)

آپ نے فرمایا۔ ”جو شخص یتیم کو اپنے کھانے میں شریک کر لے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔“

آپ نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کو بھلائی کا معیار اور اُن کے ساتھ بدسلوکی کو بُرائی کا معیار بتایا:

خَيْرُ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسِنُ إِلَيْهِ وَيُسِرُّ بَيْتٍ مِنَ

الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ (ابن ماجہ)

مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ

اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر مسلمانوں کا وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس

کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔

ان ہدایات کے بعد یہ کہنا کہ اسلامی قانون پوتے کو دادا کے ترکے سے محروم کر کے انصاف

نہیں کرتا بالکل بے معنی ہے۔ پوتا اپنے باپ کے ترکے سے کسی حال میں محروم نہیں ہے، دادا

کے ترکے سے براہ راست حصہ نہ پانے کے باوجود یتیم ہونے کی صورت میں اس کو ایسی مراعات

دی گئی ہیں جو اُسے محرومی کا احساس بھی نہیں ہونے دیتیں۔ مسلم معاشرہ جن اخلاقی قدروں

پر استوار ہے وہ معاشرے کے کسی فرد کو بھی بے یار و مددگار نہیں رکھے گا۔

۱۔ اگر میت کا ایک لڑکا بالغ اور

کم عمری اور بیوگی حق وراثت کیلئے مانع نہیں ایک نابالغ ہے تو ترکے سے

حصہ دونوں کو برابر ملے گا۔

۲۔ کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو شوہر کے ترکے سے حسب دستور حصہ پائے گی خواہ اُس نے

دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا ہو۔ دوسرا نکاح اُسے ترکے سے محروم نہیں کرتا۔

ناقران اولاد اور حق وراثت بدکردار اور نافرمان لڑکا جسے عام طور پر لوگ عساق
 کہتے ہیں، وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا اس کو
 اپنے مورث کی وفات کے بعد شرعی حصہ ملے گا البتہ اگر جائیداد متروکہ کے برباد ہو جانے کا اندیشہ
 ہو تو ایسے وارث کے لئے حجر کا قانون نافذ کر کے جائیداد اور مال پر تصرف کرنے سے عارضی طور پر
 روکا جاسکتا ہے، بالکل محروم نہیں کیا جاسکتا۔

میت کے رشتہ دار جو وارث نہیں ہوتے ۱۔ سوتیلے لڑکے اپنے سوتیلے باپ
 کے اور باپ اپنی سوتیلی اولاد کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک عورت نے یکے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کیا۔ مثلاً افضل
 سے پھر خالد سے، اور دونوں کی اولادیں ہیں تو افضل کے لڑکے خالد کی جائیداد سے کوئی ترکہ
 نہیں پائیں گے اور نہ افضل کے لڑکوں کی جائیداد سے خالد کو کوئی ترکہ ملے گا۔

۲۔ اسی طرح ایک مرد کی اولاد دو بیویوں سے ہو تو اولاد اپنے باپ کے ترکے سے تو حصہ پائے
 گی لیکن ایک بیوی کے لڑکے دوسری بیوی کے ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے اسی طرح دونوں
 مائیں اپنی سوتیلی اولاد کی میراث سے ترکہ نہیں پائیں گی۔

شوہر اور بیوی کے قرابت داروں کا ترکہ شوہر کے باپ دادا، ماں اور بھائی
 بہن کے اور بیوی کے باپ دادا، ماں اور بھائی بہن کے درمیان اگر کوئی خونی رشتہ نہ ہو تو نہ تو بیوی اپنے ساس، سسر، دیور اور نند
 کی میراث سے حصہ پاسکتی ہے اور نہ شوہر اپنے سسر، سالی، ساس اور سالیوں کی میراث
 سے حصہ پاسکتا ہے۔

میراث کی بنیاد خدمت و احسان نہیں ہے ایک شخص اپنے دوست کی خدمت
 کرتا رہا اور اس کی ضروریات پوری کرتا رہا تو اس خدمت و احسان کے بدلے وہ اپنے دوست کی میراث کا حقدار نہیں ہوگا۔
 میراث اس کے قانونی وارثوں کو ہی ملے گی۔ اسلامی معاشرہ اپنے افراد کے درمیان کاروباری
 تعلقات کو قرابت کے تعلق کا درجہ نہیں دیتا، البتہ بے غرض خدمت و احسان کا اجر اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی قرار دیتا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں حاصل ہوگی۔
 اگر کسی مورث کے دو وارث ہوں ایک فرماں بردار اور خدمت گزار ہو اور دوسرا نافرمان
 اور سرکش ہو تو بھی ترکے کی تقسیم دونوں میں قانون کے مطابق ہوگی۔ فرماں برداری کا اجر اور
 اور نافرمانی کی سزا آخرت میں ملے گی۔

متبذنی کا میراث میں حق نہیں میراث صرف مستحق رشتہ داروں کے لئے ہے اب
 اگر کسی نے کوئی لڑکا یا کوئی لڑکی پال لی تو اس کے
 ساتھ جو سلوک چاہے اپنی زندگی میں کر سکتا ہے لیکن اس کا حق اس کے ترکے پر نہیں ہے جو
 اس کی موت کے بعد رہ جانے والا ہے۔ مستحق وارثوں کو محروم کرنا سخت گناہ ہے۔

ناجاگز اولاد وارث نہیں زنا سے جو لڑکا لڑکی پیدا ہوں وہ زانی کے ترکے سے
 حصہ نہیں پاسکتے اور نہ زانیہ کا اس مرد کی میراث میں
 کوئی حصہ ہے البتہ یہ لڑکے لڑکیاں اپنی ماں کے ترکے سے حصہ پائیں گے۔

وہ میت جس کا وارث نہ ہو اگر کوئی شخص بعد وفات ترکہ چھوڑے لیکن قانونی حق
 وراثت کسی کو نہ پہنچتا ہو تو اگر اسلامی حکومت ہے تو
 وہ مال اس کے قبضے میں چلا جائے گا اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی جماعت
 کے امانت دار دیندار لوگ اسے یا تو فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیں یا کسی کار خیر میں لگا دیں
 جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچتا رہے، فقراء و مساکین میں وہ لوگ مقدم ہوں گے جو
 میت کے عزیز واقارب ہوں مگر ترکے میں شرعی حق نہ ہو۔

ترکے کی تقسیم کے مسائل

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ تمہید تھی یہ سمجھنے کے لئے کہ وراثت کے حقدار کون لوگ ہوتے
 ہیں اور جن کو حق نہیں پہنچتا وہ کون کون اوگ ہیں۔ اسی میں محروم اور محبوب کا بھی ذکر آگیا
 ہے، اب ترکے کی تقسیم کے طریقے اور وارثوں کی تعداد کے لحاظ سے ترکے میں حصے لگانے

کے مسائل اور حصّوں کے مقدار کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں بنایا جا چکا ہے ورثہ پانے والے رشتہ دار تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ (۱) ذوی الفروض (۲) عصبہ (۳) ذوی الارحام۔ ہر ایک کے حصّے کی الگ الگ تفصیل ہے۔

ذوی الفروض ذوی الفروض ان وارثوں کو کہتے ہیں جن کے حصّے کی مقدار قرآن و حدیث میں مقرر کر دی گئی ہے، جب تک ان لوگوں کو ترکے سے حصّہ نہ مل

جائے، دوسرے قسم کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔ سورہ نسا کے دوسرے رکوع میں ان تمام ذوی الفروض کا ذکر ہے، یہ کل تیرہ آدمی ہیں (۱) باپ (۲) دادا (۳) ماں (۴) بیٹی (۵) بھتیجی (۶) شوہر (۷) بیوی (۸) حقیقی بہن (۹) اخیافی بھائی (۱۰) اخیافی بہن (۱۱) علاتی بہن (۱۲) جدہ صحیحہ (دادی) (۱۳) جدہ فاسدہ (نانی) ان آیات کی ابتدا یُوَصِّیْکُمُ اللّٰهُ

سے ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو یہ وصیت کرتا ہے ان الفاظ سے کہی جانے والی باتوں کی اہمیت کو پہلے سے واضح فرمایا ہے اور آخر میں ہے تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ یَا مَعْزِبُ اللّٰہِ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ دُونِ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّہُمْ یَتَّقُوْنَ۔ جو کوئی اللہ اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اور ان حد بندیوں سے باہر جائے گا اسے ہمیشہ کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

۱۔ باپ کی حیثیت اور اس کا حصّہ باپ ذوی الفروض میں ہے اور اس کی اصل حیثیت یہی ہے لیکن بعض وارثوں کے

نہ ہونے کی وجہ سے وہ عصبہ بھی ہو جاتا ہے اور اس کا حصّہ بڑھ جاتا ہے۔ ذوی الفروض کی حیثیت سے اس کا حصّہ ۱/۲ سے کبھی کم نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ جب وہ عصبہ بھی ہوتا ہے تو کبھی ۱/۲ اور کبھی اس سے زیادہ حصّہ ہو جاتا ہے۔

باپ کو بیٹے کی میراث سے ترکہ ملنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں، ذیل میں ان کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

(۱) مرنے والے نے کوئی نرینہ اولاد چھوڑی تو باپ کا حصّہ ۱/۲ ہوگا۔ مثلاً خالد نے وفات

پائی اور اُس کی بیوی، ایک لڑکا اور والد ذوی الفروض میں ہیں تو بیوی کو آٹھواں اور باپ کو چھٹا اور باقی لڑکے کا حصہ ہوگا۔ ۸ اور ۶ کا ذواضعاف اقل ۲۴ ہوتا ہے لہذا کل جائداد کو ۲۴ حصوں میں تقسیم کر کے ۱ یعنی ۳ حصے بیوی کو اور ۱ یعنی ۴ حصے باپ کو اور باقی ۱۷ حصے لڑکے کو ملیں گے۔ گویا جب میت کی کوئی نرینہ اولاد ہوگی تو باپ کو ۱۷ حصے ہی ملے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا۔

(۲) مرنے والے نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی لیکن بیٹی (یا پوتی) چھوڑی تو اس صورت میں بھی ذوی الفروض کی حیثیت سے باپ کا حصہ تو ۱۷ حصے ہی رہے گا لیکن لڑکی کی موجودگی میں وہ ذوی الفروض کے ساتھ عصبہ بھی ہو گیا اس لئے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی رہ جائے گا وہ بھی باپ کو ملے گا مثلاً اوپر دی ہوئی مثال میں اگر لڑکے کی جگہ لڑکی ہوتی تو تقسیم یوں ہوتی ۲۴ حصوں میں سے ۱۷ یعنی تین حصے بیوی کو اور ۱۲ حصے لڑکی کو اور ۱ یعنی ۴ حصے باپ کو ملنے کے بعد جو حصے باقی بچے وہ باپ کو بحیثیت عصبہ ملیں گے، اس طرح باپ کو ۹ حصے ملیں گے اور اگر بیٹی نہ ہوتی تو وہ ۱۲ حصے بھی باپ کو مل جاتے۔

۳۔ میت نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اس صورت میں باپ کا کوئی خاص حصہ مقرر نہیں ہے۔ دوسرے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ سب باپ کو ملے گا مثلاً خالدا نے تین وارث چھوڑے، ماں، باپ اور بیوی تو ماں کو ۱۷ اور بیوی کو ۱۷ دے کر جو کچھ باقی رہے گا وہ سب باپ کو ملے گا۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ میت کا باپ کبھی ذوی الفروض رہتا ہے جیسے پہلی مثال میں۔ کبھی ذوی الفروض بھی رہتا ہے اور عصبہ بھی جیسے دوسری مثال میں ہے اور کبھی صرف عصبہ ہی رہتا ہے جیسے تیسری مثال میں ہے۔

قرآن میں ان تینوں صورتوں کا ذکر ہے، پوری آیت "ماں" کے ذکر کے سلسلے میں نفل کی جائے گی۔

۲۔ دادا کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں دوسرا دادا ہے، قرآن میں لفظ آباء کی تفسیر اس طرح فرمائی گئی ہے

کہ رسول اللہ نے باپ کی غیر موجودگی میں دادا کو وراثت میں باپ کا درجہ دیا ہے جس طرح باپ ذوی الفروض میں ہے اسی طرح دادا بھی ہے اور جس طرح باپ بعض ورثہ کے نہ ہونے کی صورت میں عصبہ بھی ہو جاتا ہے اسی طرح دادا بھی عصبہ ہو جاتا ہے گو یا دادا کی وہی تین حیثیتیں ہیں جو باپ کی ہیں مگر یہ اسی وقت جب باپ زندہ نہ ہو۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کے ترکے میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ مرنے والے کی ماں کی موجودگی میں باپ کا حصہ کم نہیں ہوتا مگر دادا کا حصہ ماں کی موجودگی میں کم ہو جاتا ہے۔

۳۔ ماں کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں تیسری شخصیت ماں کی ہے۔ باپ کی طرح ماں بھی کبھی ترکے سے محروم نہیں ہوتی ہے اور جس طرح باپ کا حصہ پر سے کم نہیں ہوتا اسی طرح ماں کا بھی پر سے کم نہیں ہوتا۔ حصے کے اعتبار سے اس کی تین حیثیتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ (۱) اگر مرنے والے کا لڑکا لڑکی (یا پوتا پوتی) موجود ہوں تو ماں کو ترکے کا پر ملے گا۔ (۲) اگر مذکورہ وارثین نہ ہوں مگر دو بھائی یا دو بھائی بہن یا صرف دو بہنیں ہوں (خواہ حقیقی یا اخیانی یا علاتی) تو بھی صرف پر ملے گا۔

دوسری یہ کہ مرنے والا اگر مرد ہے اور اس نے ماں کے ساتھ بیوی اور باپ دونوں چھوڑے ہیں تو بیوی کا حصہ نکال کر جو باقی رہے گا اس میں ماں کو تہائی (۱/۳) ملے گا۔ اور اگر مرنے والی عورت ہے تو اس کے شوہر کا حصہ نکال کر باقی میں سے ۱/۳ ماں کو ملے گا۔ تیسری یہ کہ اگر مذکورہ بالا وارثوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر میت کے کل ترکے کا ۱/۳ اس کی ماں پائے گی۔ مختصر یہ کہ میت کی ماں کو پورے ترکے کا تہائی حصہ اس وقت ملے گا جب (۱) میت کی کوئی اولاد نہ ہو (۲) اس کے دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن نہ ہوں (۳) میت کی بیوی یا میت کا شوہر اور میت کا باپ ساتھ ساتھ موجود نہ ہو۔

قرآن میں والدین کے حصے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

وَالْوَالِدَاتُ لِكَوْنِ وَاٰحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّرُكُ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدُ وَالْوَالِدَاتُ لَآءِ وَوَرِثَةُ الْاَبُوَّةِ

فَلَا تَرِثُوْنَ الْاٰلِهَةَ

اگر میت کی اولاد موجود ہے تو ماں باپ کے لئے تر کے میں چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر کوئی اولاد نہ ہو (یعنی صرف ماں باپ ہی وارث ہوں) تو ماں کا حصہ ایک تہائی ہے۔

اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ باقی جو دو تہائی رہا وہ باپ کو ملے گا۔

۴۔ بیٹی کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں چوتھا نمبر بیٹی کا ہے جس طرح ماں باپ تر کے سے محروم نہیں ہوتے

اسی طرح بیٹی بھی کبھی محروم نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کا بھائی (یعنی میت کا بیٹا) موجود ہو تو وہ عصبہ بن جاتی ہے، اس کے حصے پانے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں صورتوں میں اس کا حصہ کم و بیش ہو جاتا ہے۔

(۱) اگر میت نے صرف ایک لڑکی چھوڑی ہو اور لڑکا نہ ہو تو لڑکی کو تر کے کا نصف (۱/۲) ملے گا، اگر اس کے علاوہ دوسرے وارث ہوں تو باقی ۱/۲ ان میں تقسیم ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو پھر وہ نصف بھی لڑکی ہی کو ملے گا۔

(۲) اگر وارثوں میں دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں اور لڑکا نہیں ہے تو پھر ان لڑکیوں کو کل تر کے کا دو تہائی (۲/۳) ملے گا اور یہی تمام لڑکیاں برابر تقسیم کر لیں گی، اب اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو تو باقی ۱/۳ بھی ان لڑکیوں کو مل جائے گا۔

(۳) اگر وارث لڑکا اور لڑکی دو ہیں تو بھائی بہن دونوں عصبہ ہو جائیں گے، کوئی حصہ مقرر نہیں رہے گا بلکہ دوسرے ذوی الفروض کو دے کر جو باقی بچے گا وہ ان دونوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ کل باقیماندہ مال کے تین حصے کئے جائیں گے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا۔ قرآن میں بیٹی کا حصہ ان الفاظ میں مذکور ہوا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْاُنثَيَيْنِ ۗ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ

(نساء - ۱۱)

فَإِن كُنَّ نِسَاءً مَّا تَرَكَ تُوَّانَ كَانَتْ وَاحِدَةً فَأُولَئِكَ النِّصْفُ

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر دینے کا حکم دیتا ہے اگر سب لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کے لئے تر کے کا دو تہائی حصہ ہے (جو سب میں برابر تقسیم ہوگا) اور اگر صرف ایک

لڑکی ہی ہو تو اس کے لئے آدھا۔

یہاں لڑکی کا ترکے میں حق بیان کیا گیا ہے، لڑکے کے بارے میں شروع میں بتا دیا کہ اس کو لڑکی کے حصہ کا ڈھرا ملے گا۔ تو اس سے خود لڑکے کا حکم بھی معلوم ہو گیا (تفصیل آگے آتی ہے) باپ سے ورثہ پانے والے لڑکے اور لڑکیاں آپس میں حقیقی یا عسلاقی بھائی بہن ہوں گے، اسی طرح ماں سے ورثہ پانے والے لڑکے اور لڑکیاں آپس میں حقیقی یا اخیانی بھائی بہن ہوں گے، اوپر کا حکم سب طرح کے لڑکے اور لڑکیوں کا ہے جو میت کا ورثہ پانے والے ہو سکتے ہیں۔

۵۔ پوتی اور پرپوتی کا ترکے میں حصہ ذمی الفروض میں پانچویں حقدار پوتی ہے۔ اگر میت کی لڑکیاں اور لڑکے بقید حیات

نہ ہوں اور ایک یا کئی پوتیاں ہوں تو وہ اپنے دادا کی میراث پائیں گی، پوتی سے مراد صرف بیٹے کی لڑکی ہی نہیں بلکہ پوتے کی لڑکی اور پوتی بھی مراد ہے ان کے میراث پانے کی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کے لحاظ سے حصہ کم و بیش ہو جاتا ہے۔

(۱) اگر میت کی لڑکی یا لڑکا زندہ نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو بیٹی کی طرح اس کو ترکے کا نصف

(۱/۲) ملے گا اور پھر اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو باقی نصف (۱/۲) بھی اسی کو مل جائے گا۔

(۲) اگر صرف دو پوتیاں ہوں تو جس طرح دو بیٹیاں دو ثلث (۲/۳) کی وارث ہوتی ہیں اسی

طرح یہ دونوں بھی وارث ہوں گی اور یہ ورثہ دونوں میں برابر تقسیم کر لیا جائے گا۔

(۳) اگر میت کی ایک پوتی اور ایک پوتا موجود ہو (بیٹی یا بیٹا زندہ نہ ہو) تو جو حکم بیٹی کے لئے

تیسری صورت میں بیان کیا جا چکا ہے وہی نافذ ہوگا یعنی ذمی الفروض کو دینے کے بعد

جو بچے کا پوتے اور پوتی پر تقسیم ہو جائے گا مگر پوتی کو پوتے سے آدھا حصہ ملے گا۔

اس تیسری صورت میں پرپوتی پوتے کی موجودگی میں محبوب ہو جائے گی۔ جس طرح بیٹے

کی موجودگی میں پوتیاں محبوب ہو جاتی ہیں۔

(۴) اگر میت کی صرف ایک بیٹی اور پوتیاں ہوں (بیٹا یا پوتا زندہ نہ ہو) تو پوتیوں کو صرف

۱/۲ ملے گا خواہ ایک ہو یا کئی ہوں۔ لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پھر پوتیاں

کچھ نہ پائیں گی۔

استدراک پوتیوں کو میراث سے حصہ ملنے کا جو بیان کیا گیا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی بیٹے کی اولاد ہوں اگر میت کے کئی بیٹوں کی اولاد ہوں گی جب بھی سب کو برابر حصہ ملے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر ایک بیٹے کی ایک لڑکی اور دوسرے بیٹے کی دو لڑکیاں ہوں تو ایک لڑکی کو ایک ثلث اور دو لڑکیوں کو ایک ثلث میں سے آدھا آدھا دیا جائے بلکہ تینوں کو برابر حصہ ملے گا۔

حق وراثت باپ کا دادا کو منتقل ہو جاتا ہے اگر باپ موجود نہ ہو اسی طرح پوتی بیٹی کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔

۶۔ شوہر کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں چھٹا وارث شوہر ہے بیوی وفات پا جائے اور ترکہ چھوڑا ہو تو اس میں شوہر کو بھی حصہ

ملے گا۔ ماں، باپ، بیٹا، بیٹی کی طرح یہ بھی محروم نہیں ہوتا۔ میراث پانے کے تعلق سے اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو وفات پانے والی بیوی اولاد والی ہوگی پاپے اولاد۔

(۱) اگر زائدہ نے وفات کے بعد شوہر، ماں اور باپ چھوڑے تو اس کے ترکے کے چھ حصے کر کے تین حصے یعنی آدھا شوہر کو اور باقی آدھا ماں باپ کو اس طور پر ملے گا۔ ماں کو $\frac{1}{2}$ باپ کو۔

(۲) اگر زائدہ کے کوئی لڑکا لڑکی بھی ہے تو اس کے شوہر کو آدھے کے بجائے چوتھائی حصہ ترکے سے ملے گا (خواہ یہ لڑکا پہلے شوہر کا ہو یا اسی شوہر کا) قرآن میں شوہر کے حصے کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبُعُ

(نساء۔ ۱۲)

تمہارے لئے بیوی کے چھوڑے ہوئے مال میں آدھے کا حق ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔ تو اگر ان کی اولاد موجود ہو تب تمہیں چوتھائی حصہ ملے گا۔

۷۔ بیوی کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں ساتویں وارث بیوی ہے جس طرح شوہر اپنی بیوی کے ترکے سے محروم نہیں ہوتا اسی طرح بیوی بھی شوہر کے ترکے سے کبھی محروم نہیں ہو سکتی۔ ترکہ پانے کے لحاظ سے بیوی کی بھی دو حیثیتیں ہیں:

(۱) اگر شوہر نے بعد وفات اپنا بیٹا، بیٹی یا پوتا پوتی نہیں چھوڑے ہیں تو بیوی کو اس کے کل ترکے کا چوتھائی ملے گا۔

(۲) اگر شوہر نے مذکورہ اولاد میں سے کوئی چھوڑا ہے (خواہ سابقہ بیوی کے بطن سے ہو) تو بیوی کو چوتھائی کے بجائے آٹھواں حصہ ملے گا، قرآن میں ان دونوں صورتوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَهْنَ الزَّوْجَةُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ (نساء۔ ۱۲)

بیویوں کے لئے تمہارے ترکے سے چوتھائی حصہ ہے جب تمہاری کوئی اولاد موجود نہ ہو، اگر کوئی اولاد ہے تو پھر ان کا حصہ آٹھواں ہے۔

طلاق یافتہ بیوی بھی میراث پائے گی اگر شوہر کا انتقال عدت کے دن گزرنے سے پہلے ہوا۔ بعد میں انتقال ہوا تو پھر میراث کا حق نہیں رہے گا لیکن جس عورت نے طلاق لی ہو یا خلع و تفریق کرائی ہو تو پھر وہ میراث کی بالکل مستحق نہ ہوگی۔

۸۔ اخیافی بھائی ماں جایا بھائی جس کا باپ دوسرا ہو ذوی الفروض میں آٹھواں وارث ہے۔ ایسے بھائی کبھی حصہ پاتے ہیں اور کبھی محروم بھی ہو جاتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے:-

میت کے اصول و فروع میں سے کوئی بھی موجود ہوگا تو اخیافی بھائی ترکے سے محروم نہیں رہیں گے، اصول میں باپ دادا اور فروع میں بیٹا بیٹی پوتا پر پوتا ہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو یہ محروم نہیں ہوں گے۔

۱۔ اب اگر صرف ایک اخیافی بھائی ہو تو اس کو صرف چھٹا حصہ یعنی ترکے کا ۱/۶ ملے گا۔

۲۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکے کا ایک تہائی (۱/۳) ملے گا جو آپس میں برابر تقسیم ہو جائے

گا۔ قرآن میں یہ دونوں صورتیں بیان کی گئی ہیں جو آگے نقل کی جا رہی ہیں۔

ذوی الفروض میں تو یہ وارث ماں جانی بہن ہے جس طرح اخیافی بھائی
۹۔ اخیافی بہن کے حصہ پانے یا نہ پانے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں وہی صورتیں اخیافی
 بہن کے حصہ پانے یا نہ پانے کی ہیں، قرآنی آیت میں بھائی کے ساتھ ہی بہن کا ذکر ہے۔ ارشاد
 فرمایا گیا ہے کہ:

وَلَنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَلَا أَخًا أَوْ أُخْتًا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

(نساء۔ ۱۲)

الذُّوْرُ

اگر کوئی میت (خواہ مرد ہو یا عورت) ایسی ہے جس کے اصول و فرع میں کوئی زندہ
 نہیں ہے اور اس کے ایک اخیافی بھائی یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کو
 اس کے ترکے سے چھٹا حصہ ملے گا۔

یہ تو ایک بھائی یا بہن کے لئے حکم ہے لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بھائی یا بہن بھائی
 مل کر ہوں تو:

(نساء۔ ۱۲)

وَلَنْ يَكُوْنُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ

اگر یہ ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی (۱/۳) میں سب برابر کے شریک رہیں گے۔
 یعنی ترکے کا ایک تہائی حصہ ملے گا جس کو یہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گے یہاں وہ
 قاعدہ جو پہلے ذکر کیا گیا اور آئندہ بھی ملے گا کہ بھائی کو بہن سے دو گنا حصہ دیا جائے نافذ نہیں
 فرمایا گیا ہے یہ صرف اخیافی بھائی بہنوں کی خصوصیت ہے کہ دونوں کا حصہ برابر ہوگا۔

ذوی الفروض میں دسویں وارث حقیقی بہنیں ہیں۔ ان کا حصہ ترکے میں
۱۰۔ حقیقی بہنیں بعض حالات میں ہوتا ہے اور بعض حالات میں نہیں ہوتا اور پھر حصے

کی مقدار بھی حالات کے اعتبار سے بدل جاتی ہے، اس معاملے میں ان کا حال اخیافی بھائی
 بہنوں کی طرح ہے۔ جس طرح میت کے باپ دادا یا بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں وہ محبوب
 ہو جاتے ہیں، اسی طرح حقیقی بہنیں بھی ترکہ نہیں پاتیں۔ مگر جب مذکورہ بالا وارثوں میں سے
 کوئی موجود نہ ہو تو حقیقی بہنوں کو ترکہ میں سے حصہ پانے کی چار صورتیں ہیں:

۱- میت کی اگر تنہا ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کو کل تر کے کا نصف یعنی $\frac{1}{2}$ ملے گا۔
 ۲- دو حقیقی بہنیں یا زیادہ ہوں تو تر کے کا دوثلث یعنی $\frac{2}{3}$ سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

۳- اگر میت کی بیٹی، پوتی یا پرپوتی میں سے کوئی موجود ہو تو پھر حقیقی بہن عصبہ ہو جائے گی یعنی تمام ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ حقیقی بہن کو ملے گا مثلاً اگر کسی نے بعد وفات بیوی، بیٹی اور حقیقی بہن چھوڑی تو تر کے آٹھ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، نصف (چار حصے) بیٹی کو اور $\frac{1}{2}$ (یعنی ایک حصہ) بیوی کو ملے گا اور باقی (یعنی ۳ حصے) حقیقی بہن کو ملیں گے۔

۴- اگر میت کی بہن کے ساتھ ایک یا دو بھائی بھی ہوں تو بہن بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی، یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ ان بھائی اور بہن کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا مثلاً سلمیٰ نے اپنے پس ماندگان میں شوہر، والدہ اور ایک بیٹی چھوڑی اس کی ایک بہن اور ایک بھائی بھی ہے تو اس کے تر کے کو ۳۶ حصوں میں بانٹ کر شوہر کو $\frac{1}{2}$ (یعنی ۱۸ حصے) والدہ کو $\frac{1}{4}$ (یعنی ۹ حصے) لڑکی کو نصف (یعنی ۱۸ حصے) دئے جائیں گے۔ تین حصے باقی بچیں گے وہ بہن اور بھائی کو اس طرح تقسیم ہوں گے کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ۔ اگر حقیقی بھائی زندہ نہ ہوں اور علاتی بھائی زندہ ہوں تو حقیقی بہن کی موجودگی میں انھیں کچھ نہیں ملے گا اور تینوں حصے بہن کو مل جائیں گے۔ قرآن کریم میں یہ چاروں صورتیں بیان فرمادی گئی ہیں۔

إِنْ أَمْرًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَا أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ، وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ تَرَكَ لَهَا وَلَدًا فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثَّلَاثُ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (النار، ۱۷۷)

اگر ایک مرد جس کے کوئی اولاد نہیں فوت ہو جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو تر کے کا آدھا اسے ملے گا، اور بھائی اس بہن کا وارث ہے اگر اس کا بیٹا نہ ہو۔ پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کو تر کے کا دو تہائی ملے گا اور اگر کئی بھائی بہنیں ہیں

تو مرد کا حصہ در عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

- ۱۱۔ **علاقہ بہنیں** گیارہویں ذوی الفروض حقیقی بہن کی عدم موجودگی میں علاقہ بہنیں ہیں جو حقیقی بہن کی قائم مقام ہوں گی اور ان کا حصہ ترکہ میں بھی وہی ہوگا جو حقیقی بہن کا ہوتا۔ البتہ جس طرح حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے علاقہ بہن عصبہ نہیں ہوگی بلکہ محروم ہو جائے گی۔ اور حقیقی بہن کے ساتھ محروم نہیں ہوگی مگر حصہ کم ہو جائے گا۔
- ۱۔ یہ بات تو پہلے بتائی جا چکی کہ وفات پانے والے کے اصول و فروع میں جب کوئی نہ ہو تب ہی بھائی بہنوں کو ترکہ کا حصہ پہنچتا ہے ورنہ نہیں پہنچتا۔ البتہ بیٹی پوتی یا پیر پوتی کی موجودگی میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بہنوں کو ملے گا۔
- ۲۔ اگر بیٹی پوتی وغیرہ میں سے کوئی موجود نہ ہو لیکن حقیقی بہنیں زندہ ہوں تو علاقہ بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔ ایک سے زیادہ علاقہ بہنیں اگر ہوں گی تو یہی حصہ سب پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔
- ۳۔ اگر حقیقی بہن کوئی نہ ہو اور صرف ایک علاقہ بہن ہو تو حقیقی بہن کی طرح اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔

- ۴۔ اگر علاقہ بہن ایک سے زیادہ ہوں (اور میت کی بیٹی پوتی اور حقیقی بہن میں سے کوئی نہ ہو) تو اس صورت میں ترکہ کا دوثلث (۲/۳) ان کو ملے گا جسے آپس میں برابر بانٹ لیا جائے گا۔

لیکن اگر علاقہ بہنوں کے ساتھ علاقہ بھائی بھی ہو تو علاقہ بہنیں بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور ذوی الفروض کو ان کا شرعی حصہ دے چکنے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ علاقہ بھائی بہنوں میں تقسیم ہو جائے گا، بھائی کا حصہ بہن سے دوگنا ہوگا۔ متذکرہ بالا صورتوں میں کچھ نہ کچھ حصہ ترکہ سے علاقہ بہن کو مل جاتا ہے لیکن جن صورتوں میں وہ محروم رہتی ہیں یہ ہیں:

۱۔ اگر میت کا ایک حقیقی بھائی یا کئی حقیقی بھائی بہن موجود ہوں تو علاقہ بہن ترکہ سے محروم رہے گی۔

- ۲۔ میت کی بیٹی موجود نہ ہو اور نہ حقیقی یا علاقہ بھائی ہوں مگر دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں موجود ہوں تو علاقہ بہن ترکہ سے محروم رہے گی۔ البتہ اگر کوئی علاقہ بھائی زندہ ہوتا

تو وہ عصبہ ہو کر حصہ پاتیں۔ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاقائی بہن کو ¼ ملے گا مگر یہ اسی وقت ہو گا جب میت کے کوئی لڑکی یا پوتی وغیرہ نہ ہو۔ اگر حقیقی بہن کے ساتھ بیٹی یا پوتی بھی ہوگی تو علاقائی بہن بالکل محروم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں حقیقی بہن عصبہ ہو کر پورے حصے کی حقدار ہو جاتی ہے۔ حقیقی بہن کے سلسلے میں جو قرآن کی آیت نقل کی گئی ہے اس میں علاقائی بہن کا حکم موجود ہے۔

۱۲۔ جدہ أم الاب (دادی) کا ترکے میں حصہ ذوی الفروض میں بارہواں
۱۳۔ جدہ أم الام (نانی) نام جدہ کا ہے۔ جدہ دو

ہوتی ہیں۔ دادی اور نانی۔ ترکے کے سلسلے میں دونوں کے مسائل قریب قریب یکساں ہیں مگر ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے چند مقدمات کو سمجھ لینا چاہیے۔ پہلی بات یہ کہ دادی صرف باپ کی ماں ہی نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں بھی ہے۔ اسی طرح نانی صرف ماں کی ماں ہی نہیں بلکہ نانی کی ماں اور اس کی ماں کو بھی جدہ ہی کہتے ہیں اور ان سب دادیوں اور نانیوں کو میت کی طرف سے ترکہ پہنچ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان دادیوں نانیوں میں جو قریبی ہیں اُنھیں جدہ صحیحہ اور جو دور کی ہیں اُنھیں جدہ فاسدہ کہا جائے گا اور اُن کا شمار ذوی الفروض میں نہیں بلکہ ذوی الارحام میں ہوگا، اُن کے حصوں کا بیان بھی وہاں آئے گا۔ نانیوں میں وہ نانی دور کی کہی جائے گی جس کے رشتے میں کوئی مرد درمیان میں آئے مثلاً ماں کے باپ کی ماں دور کی نانی ہے بخلاف ماں کی ماں اور نانی کی ماں کے یہ سب قریب کی نانی ہیں کیونکہ درمیان میں مرد کا رشتہ نہیں ہے۔

جدہ صحیحہ کا حکم ۱۔ جدہ صحیحہ یعنی قریب کی دادی اور نانی کی موجودگی میں جدہ فاسدہ یعنی دور کی دادیوں نانیوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا وہ محروم رہیں گی۔

۲۔ اگر میت کے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہو تو پھر باپ کی موجودگی میں دادیاں اور ماں کی موجودگی میں نانیاں حصہ نہیں پائیں گی۔

۳۔ اگر میت کا دادا زندہ ہو تو دوسری تمام دادیاں محروم رہیں گی البتہ اگر باپ کی ماں زندہ ہے تو وہ حصہ پائے گی۔

۴۔ مذکورہ بالا وارثوں کی غیر موجودگی میں دادی اور نانی کو ترکے کا پانچواں حصہ ملے گا، اگر قریب کی دادی اور قریب کی نانی دونوں موجود ہوں تو یہ پانچ میں شریک ہوں گی اور سب کو برابر ملے گا۔

۵۔ اگر قریب کی نانی اور دور کی دادی موجود ہوں یا قریب کی دادی اور دور کی نانی موجود ہوں تو دونوں حالتوں میں دور کی دادی اور نانی محروم ہو جائیں گی۔

۶۔ دادی محبوب ہوگی اگر باپ یا دادا موجود ہوں لیکن نانی ان کی وجہ سے محروم نہیں ہوگی۔ نانی صرف میت کی ماں یعنی اپنی بیٹی کی وجہ سے محروم ہو جائے گی۔

عصبات کا بیان میراث کی تقسیم میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات کو ملے گا۔ عصبات دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ عصبہ بنفسہ۔ وہ ورثہ ہیں جو یا تو خود مرد ہوں یا کسی دوسرے مرد کے واسطے سے میت سے رشتہ رکھتے ہوں جیسے بیٹا، باپ، دادا، پوتا، چچا، بھتیجا۔

۲۔ عصبہ بالغیر۔ وہ ورثہ ہیں جو یا تو خود عورت ہوں یا کسی عورت کے واسطے سے میت سے رشتہ رکھتے ہوں۔ مثلاً بیٹی بیٹے کے ساتھ اور بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ بالغیر ہیں۔

تقسیم ترکہ میں عصبات کی درجہ بندی کے چار درجے ہیں جن کے اعتبار سے یکے بعد

دیگرے ان کو حصہ ملتا ہے یعنی اگر پہلے درجے کے عصبات موجود ہوں گے تو دوسرے درجے والوں کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب دوسرے درجے کے

عصبات کو پہلے درجے کے عصبات کی عدم موجودگی میں حصہ ملے گا تو تیسرے اور چوتھے درجے کی عصبات محروم رہیں گے۔ محرومی کا مطلب یہ ہے کہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ترکے

میں حصہ نہیں ہوگا لیکن اگر ان میں کوئی ذوی الفروض میں بھی ہے تو اس کو اس حیثیت سے حصہ ملے گا مثلاً بیٹی کی موجودگی میں باپ کو ذوی الفروض میں ہونے کی وجہ سے پانچواں حصہ ملے گا اگر بیٹا

موجود نہیں ہے تو باپ بحیثیت ذوی الفروض تو حصہ پائے گا لیکن بحیثیت عصبہ بھی اس کو وہ حصہ مل جائے گا جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی رہ جائے۔

پہلے درجے کے عصبات پہلے درجے میں میت کے فروغ (یعنی جو اُس کی نسل سے ہوں) آتے ہیں جن میں سب سے مقدم لڑکا ہے پھر پوتا پھر اس کے نیچے کے لوگ، ان کی موجودگی میں دوسرے درجے کے وارثوں کو عصبہ کی حیثیت سے کچھ نہ ملے گا لیکن ذوی الفروض کی حیثیت سے جو حصہ ہوتا ہے وہ ملے گا۔

دوسرے درجے کے عصبات دوسرے درجے میں میت کے اصول (یعنی جن کی نسل سے وہ خود ہو) آتے ہیں جن میں سب سے مقدم باپ ہے پھر دادا پھر پردادا وغیرہ۔ ان کی موجودگی میں تیسرے درجے کے عصبات کو کچھ نہ ملے گا۔ تیسرے درجے کے عصبات میں وہ وارث ہیں جو میت کے علاوہ اُس کے باپ کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے بھائی اور بھتیجے اور بھائی کے پوتے وغیرہ۔

چوتھے درجے کے عصبات چوتھے درجے کے عصبات میں وہ لوگ ہیں جو میت کے باپ کے علاوہ اُس کے دادا کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے چچا، چچا زاد بھائی اور چچا کے پوتے وغیرہ۔

عصبات میں تقسیم ترکہ کے اصول ۱۔ اول درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے دوسرے درجے کے عصبات کو اور دوسرے درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے تیسرے اور اسی طرح چوتھے درجے کے عصبات کو حصہ نہیں ملتا۔

۲۔ ہر درجے کے وارثوں میں میت سے قریب تر کو فوقیت ہوگی مثلاً پہلے درجے کے عصبات میں بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ بیٹا میت سے قریب تر ہے، یہ اصول کہ قریب کی موجودگی میں بعید کو نہیں ملے گا سب جگہ نافذ ہوگا کیونکہ بغیر اس کے تقسیم وراثت میں کوئی نظم قائم ہی نہیں رہ سکتا، اسی اصول کی بنا پر یتیم پوتوں کو بھی محروم ہونا پڑتا ہے گو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے دوسری صورتیں پیدا کی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ اگر پہلے درجے کے عصبات میں کئی وارث ایک ہی درجے کے ہوں مثلاً پوتے

ہی پوتے ہوں تو پھر سب کو برابر کا حصہ ملے گا، کیونکہ حق کے اعتبار سے سب لڑکے ایک ہی درجے کے ہیں۔ یہی حال دوسرے درجے کے عصبات کا ہے مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا کو اور دادا کی موجودگی میں پردادا کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ باپ بہ نسبت دادا کے میت سے قریب تر ہے اور دادا بہ نسبت پردادا کے۔

پہلے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں چونکہ پہلے درجے کے عصبات کئی طریقے سے حصہ پاتے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کے حصہ پانے کی کیفیت تفصیل سے بیان کی جاتی ہے:

بیٹے کا حصہ عصبات میں سب سے مقدم میت کے بیٹے ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی عصبہ وارث حصہ نہیں پاسکتا، بجز میت کی بیٹیوں کے جو عصبہ بالغیر ہو کر حصہ پاتی ہیں۔ بیٹیوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، اسی لئے ان کا شمار ذوی الفروض میں نہیں ہوتا لیکن ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بیٹیوں اور ان کے ساتھ بیٹیوں کو مل جائے گا۔ اسی لئے ان کا حصہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتا ہے، اگر ذوی الفروض وارثوں میں کوئی نہ ہو اور صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو لڑکے کا دو تہائی $\frac{2}{3}$ لڑکے کو اور ایک تہائی لڑکی کو مل جائے گا اگر لڑکی بھی نہ ہو تو کل لڑکے کو مل جائے گا جس قدر ذوی الفروض زیادہ ہوں گے لڑکے کا حصہ اتنا ہی کم ہوتا جائے گا مگر کبھی ایسا موقع نہیں آسکتا کہ وہ بالکل محروم ہو جائے بلکہ اُس کی موجودگی میں ذوی الفروض کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس لئے لامحالہ اُس کو حصہ ملتا ہی ہے۔

۲۔ اگر میت کے کئی بیٹے ہوں تو وہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

۳۔ اگر بیٹیوں کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبہ بالغیر ہو کر اپنے بھائیوں کا آدھا پائیں گی، مثال کے طور پر ایک شخص نے وفات پائی اور اُس کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں تو ترکہ کو سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دگنا ہوتا ہے۔ اس لئے دو لڑکوں کو چار لڑکیوں کے برابر سمجھا جائے گا، ان سات حصوں کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	کل
دو حصہ	دو حصہ	ایک حصہ	ایک حصہ	ایک حصہ	۷ حصے

جیسا کہ اوپر نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ کئی بیٹے ہوں تو باپ کا ترکہ اُن پر برابر تقسیم ہو جائے گا اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر باپ کی دو بیویاں رہی ہوں، ایک سے ایک لڑکا اور دوسری سے دو لڑکے ہوں تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ تین برابر کے حصوں میں تقسیم ہو کر تینوں لڑکوں کو دیا جائے گا اسی طرح اگر ماں یکے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہی اور دونوں سے اُس کی اولاد ہے تو ماں کا ترکہ دونوں شوہروں کی اولاد کو برابر برابر حصوں میں دیا جائے گا خواہ ایک شوہر سے ایک ہی لڑکا ہو اور دوسرے شوہر سے کئی ہوں، یہ نہیں ہوگا کہ آدھا ایک شوہر کی اولاد کو اور آدھا دوسرے شوہر کی اولاد کو دیا جائے۔

پوتے کا حصہ بیٹے کے بعد عصبیات میں دوسرا درجہ پوتے کا ہے یعنی اگر میت کے کوئی

بیٹا زندہ نہ ہو مگر پوتے موجود ہوں تو وہ باپ کے قائم مقام ہوں گے یعنی

ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ سب پوتے کا ہوگا اور اگر کوئی ذوی الفروض وارثوں میں سے نہ ہو تو کُل ترکہ پوتے کو مل جائے گا اور اگر کئی پوتے ہوں گے تو وہ سب برابر تقسیم ہو جائے گا خواہ وہ سب ایک بیٹے کی صلب سے ہوں یا دو تین بیٹوں کی صلب سے۔

۲۔ اگر ان پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی ہوں تو پوتوں کے ساتھ عصبہ بالغیر بن کر وہ بھی حصہ پائیں گی جس طرح بیٹے کے ساتھ بیٹی حصہ پاتی ہے۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پوتے بیٹوں کے سامنے محروم ہو جاتے ہیں، وہ اس صورت میں جب اُن کے چچا زندہ ہوں لیکن اگر اُن کے باپ نے کوئی جائیداد چھوڑی ہے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا اُس میں پھر چچا کا حصہ نہیں ہوگا، اُس کے وہی مالک ہوں گے۔ دادا کا ترکہ باپ یا چچا کی موجودگی میں بالکل نہیں ملے گا۔ ایسے پوتے جو دادا کے سامنے یتیم ہو جائیں اور اُن کے باپ نے کوئی جائیداد اُن کے لئے نہ چھوڑی ہو تو دادا پر اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال اور جائیداد سے کچھ اُن کو دینے کی وصیت کر جائے یا اپنی زندگی میں اُن کو دے جائے، اگر ایسا نہ کرے گا تو اُن وعیدوں کا جو یتیم پر قہر کرنے اور اس کا اکرام نہ کرنے پر آئی ہیں مستحق ٹھہرے گا۔

اوپر نمبر (۱۱) میں کہا گیا ہے کہ پوتے باپ کے قائم مقام ہوں گے، یہ اُس صورت میں جب

باپ اور چچا نہ ہوں تو وہ دادا سے وہی ترکہ پائیں گے جو باپ اور چچا پاتے صرف دو باتوں میں بیٹے اور پوتے میں فرق ہے۔

(الف) ایک یہ کہ میت کے بیٹوں کی موجودگی میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں رہتیں بلکہ عصبہ بالغير ہو کر بیٹوں کا آدھا حصہ پاتی ہیں۔ لیکن پوتوں کے ساتھ وہ ذوی الفروض ہی رہتی ہیں یعنی میت کی بیٹی کو آدھا ترکہ ملے گا باقی دوسرے ذوی الفروض اور پوتوں کے لئے ہوگا۔ اگر میت کی کئی بیٹیاں ہوں گی تو دوثلث $\frac{2}{3}$ ان سب کا نکلنے کے بعد باقی میں دوسرے ذوی الفروض اور پوتوں کا حصہ ہوگا۔

(ب) دوسرے یہ کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محروم رہتی ہیں لیکن پوتے کے ساتھ پوتیاں عصبہ ہو جاتی ہیں اور جس قدر پوتے کو ملتا ہے اُس کا آدھا پوتی کو ملتا ہے۔

پیر پوتے کا حصہ جس طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتنا اور پوتیاں محبوب رہتی ہیں اسی طرح پوتے کی موجودگی میں پیر پوتیاں اور پیر پوتے محبوب ہوتے ہیں اور جس طرح بیٹے کے زندہ نہ ہونے کی صورت میں پوتنا وارث ہوتا ہے اسی طرح پوتے کے نہ ہونے کی صورت میں پیر پوتے وارث ہوتے ہیں اور وراثت کے معاملے میں جو مسائل پوتے کے سلسلے میں بیان ہوئے ہیں وہی پیر پوتوں کے لئے بھی ہیں۔

دوسرے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں دوسرے درجے کے عصبات کی حیثیت دوہری ہو جاتی ہے جب درجہ اول کے عصبات میں سے کوئی نہ ہو۔ ان کی ایک حیثیت تو ذوی الفروض کی ہے اور دوسری حیثیت عصبہ کی کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ دوسرے درجے کے عصبات پر تقسیم ہوگا۔

باپ کا حصہ باپ اپنے بیٹے کے ترکے سے بحیثیت ذوی الفروض جو حصہ پائے گا اُس کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ باپ اُس وقت عصبہ بھی ہو جاتا ہے جب درجہ اول کے عصبات موجود نہ ہوں اور نہ میت کی کوئی بیٹی یا پوتی موجود ہو تو ذوی الفروض وارثوں کے حصے نکلنے کے بعد جو باقی بچے گا وہ باپ کو بحیثیت عصبہ (مزید) مل جائے گا۔

۲۔ اگر میت کی کوئی بیٹی یا پوتی ہو تو پہلے تو باپ کو ذوی الفروض کی حیثیت سے ترکے کا چھٹا حصہ (۱/۶) ملے گا پھر تمام ذوی الفروض وارثوں کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ بھی بحیثیت عصبہ باپ کو ملے گا۔

۳۔ درجہ اول کے عصبات کی موجودگی میں باپ عصبہ نہیں ہوگا۔ بحیثیت ذوی الفروض ترکے کا ۱/۶ حصہ ہی پائے گا۔

ذوی الفروض کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا دادا کا حصہ محروم ہے اور اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا قائم مقام ہے بالکل یہی حیثیت عصبہ ہونے کی ہے یعنی باپ کی موجودگی میں دادا کو بحیثیت عصبہ کچھ نہ ملے گا لیکن اگر میت کا باپ بقید حیات نہیں اور دادا موجود ہے تو وہ اسی طرح حصہ پائے گا جس طرح باپ کے حصے کی تفصیل اوپر کی گئی ہے یہی حال پر دادا کا بھی ہے۔

باپ اور دادا کی وراثت کے سلسلہ میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ اگر میت کی بیوی اور دادا دونوں موجود ہوں گے تو ماں کا حصہ کم نہ ہوگا یعنی کل ترکے میں ۱/۶ ملے گا جبکہ باپ اور بیوی کی موجودگی میں ماں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں دادی محروم نہیں ہوگی جبکہ باپ کی موجودگی میں دادی محروم رہتی ہے۔

تیسرے درجے کے عصبات کو ترکے ملنے کی صورتیں اگر پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات موجود

نہ ہوں تو پھر ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ تیسرے درجے کے عصبات باہم تقسیم کر لیں گے۔ اس درجے میں بھائی، بھتیجے اور بھتیجے کے بیٹے پوتے شامل ہیں۔ تیسرے درجے کے عصبات میں سب سے مقدم بھائی ہے اور اس کے بعد بھتیجے وغیرہ ہیں۔

حقیقی بھائی جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات اگر نہ ہوں گے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ کل حقیقی بھائی کو مل جائے گا۔

۲۔ اگر کئی حقیقی بھائی ہوں تو سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

۳۔ اگر بھائی کے ساتھ حقیقی بہنیں موجود ہیں تو وہ بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور بھائی کے حصے کا نصف پائیں گی۔

۴۔ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی اور علاقائی بہنیں محروم رہیں گی۔

پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات بھی نہ ہوں اور حقیقی بھائی بھی نہ ہو
علاقائی بھائی تو علاقائی بھائی میت کا وارث ہوگا۔ یہ بھی اگر کئی ہوں گے (تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی رہے گا) اُسے برابر تقسیم کر لیں گے۔ اگر علاقائی بھائی کے ساتھ علاقائی بہنیں بھی ہوں تو سب بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور بھائی کا آدھا حصہ لیں گی۔

علاقائی بھائی بہن اُس وقت محروم رہیں گے جب میت کی حقیقی لڑکی موجود ہو۔

۱۔ جب میت کا حقیقی یا علاقائی کوئی بھائی نہ ہو تو پھر بھتیجا وارث ہوگا۔

۲۔ اگر میت کی حقیقی یا علاقائی بہنوں میں سے کوئی ہے تو وہ بھائی کے ساتھ

تو عصبہ ہو جاتی ہیں مگر بھتیجوں کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتیں بلکہ اصلی حالت ہی میں

رہتی ہیں یعنی ذوی الفروض۔

۳۔ بھتیجیاں خواہ سگے بھائی کی بیٹیاں ہوں یا سوتیلے بھائی کی وہ نہ عصبات میں ہیں نہ ذوی الفروض

میں بلکہ اُن کا شمار ذوی ارحام کی تیسری قسم میں ہے۔

۴۔ حقیقی بھتیجے کے ہوتے ہوئے میت کے علاقائی بھائی کے لڑکے محروم رہیں گے۔

علاقائی بھتیجا اگر حقیقی بھائی کا لڑکا نہ ہو اور علاقائی بھائی کا لڑکا موجود ہو تو وہ حقیقی بھتیجے

کی جگہ میت کا وارث ہوگا اور اس کا حال بھی قریب قریب وہی ہے جو

حقیقی بھتیجے کا بیان کیا جا چکا ہے۔

حقیقی اور علاقائی بھائیوں کے پوتے اگر میت کے بھائی حقیقی یا علاقائی زندہ نہ ہوں

اور نہ اُن کے لڑکوں میں کوئی زندہ ہو تو پھر

حقیقی بھائی کے پوتے اور وہ بھی نہ ہوں تو علاقائی بھائی کے پوتوں پر میت کی وراثت تقسیم ہوگی۔

میت کی حقیقی یا علاقائی بہنیں اگر ہیں تو وہ بھائی کے پوتوں کے ساتھ بھی عصبہ نہ ہوں گی

اور بدستور ذوی الفروض رہیں گی۔

پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کے
چوتھے درجے کے عصبات کا ترکہ میں حصہ
عصبات کو دیکھا جائے گا جن میں سب
سے مقدم چچا ہے۔ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ چچا کو ملے گا پھر چچا کے بیٹے پھر
چچا کے پوتے پھر میت کے باپ کے چچا پھر ان کے لڑکے پھر ان کے پوتے۔

چچا کا حصہ میت کے باپ کا بھائی خواہ وہ چھوٹا بھائی ہو یا بڑا بھائی ہو۔ غم کھلاتا ہے اگر
تینوں درجے کے عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو چوتھے درجات کے عصبات میں سب
سے مقدم چچا ہے یعنی اگر ذوی الفروض میں اتفاق سے کوئی نہ ہو تو میت کے تمام ترکے کا مستحق
چچا ہوگا، اگر کئی چچا ہوں گے تو جو ترکہ ملے گا سب کے آپس میں برابر تقسیم کرنا ہوگا۔

۲۔ میت کی بھوپھی یعنی باپ کی بہن چچا کی موجودگی میں حصہ نہیں پائے گی۔

۳۔ چچا کی بیوی یعنی میت کی چچی کو اس حیثیت سے کوئی حصہ میراث سے نہیں ملے گا کہ
وہ چچی ہے البتہ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا نسبی رشتہ ہو تو میراث میں سے حصہ پاسکتی ہے۔

۴۔ بحیثیت عصبہ چچا کی بیٹیوں کو بھی کوئی حصہ نہیں ملے گا ان کا شمار ذوی الارحام میں ہے۔

علاقی چچا اگر میت کے باپ کا سگا بھائی موجود نہ ہو بلکہ علاقائی بھائی موجود ہو تو حقیقی چچا
کی عدم موجودگی میں علاقائی چچا کو وہی حصہ ملے گا اور حقیقی چچا کے لڑکے حصہ
نہیں پائیں گے جس طرح بھائی کی موجودگی میں بھائی کے لڑکے حصہ نہیں پاتے۔

حقیقی اور علاقائی چچا کے لڑکے ۱۔ چچا (حقیقی یا علاقائی) کی موجودگی میں ان کے لڑکے
میت کے ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے۔ البتہ اگر میت

کے چچا کوئی بھی موجود نہ ہوں تو پہلے حقیقی چچا کے لڑکوں کو اگر وہ نہ ہوں تو پھر علاقائی چچا کے
لڑکوں کو ترکہ ملے گا اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر حقیقی چچا کے پوتوں کو اور وہ بھی نہ ہوں تو علاقائی چچا
کے پوتوں کو حصہ ملے گا۔

باپ کے حقیقی اور علاقائی چچا اگر میت کا مذکورہ بالا عصبات میں کوئی وارث موجود نہ
ہو تو پھر باپ کے چچا یعنی میت کے دادا کے حقیقی بھائی

کو ترکہ ملے گا اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے دادا کے علاقائی بھائی کو اگر وہ بھی نہ ہوں تو ان کے حقیقی

لڑکوں کو اور پھر اگر وہ بھی نہ ہوں تو ان کے پوتوں کو ملے گا۔

ذوی الارحام اور میت کے ترکے میں ان کے حصے وراثت کا بیان شروع کرتے وقت یہ بتایا جا چکا ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں سب سے پہلے ذوی الفروض کو حصہ دیا جائے گا اس کے بعد عصبہ کو لیکن اگر عصبات میں کوئی نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو دیا جائے گا یہ تیسرے درجے کے وارثین کہلاتے ہیں۔ ذوی الارحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو عورت کے واسطے سے نسبی تعلق رکھتے ہوں یا خود عورت ہوں مثلاً خالہ، پھوپھی اور ان کی لڑکیاں وغیرہ نواسیاں اور نواسے۔ صرف ماں اور نانی ذوی الارحام میں اس لئے شامل نہیں ہیں کہ ماں اور ماں کی ماں کا حصہ ذوی الفروض میں مقرر ہو چکا ہے حالانکہ یہ دونوں بھی عورتیں ہیں۔ اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ذوی الفروض اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور مشکل ہی سے کوئی وفات پانے والا ایسا نکلتا ہو جس کا کوئی نہ کوئی عصبہ (قریب یا دور کا) نکل نہ آئے اس لئے ترکے کی تقسیم کی نوبت ذوی الارحام تک پہنچنے کا امکان بھی بہت شاذ و نادر ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم وارثوں کی دوہی قسمیں تسلیم کرتے ہیں یعنی ذوی الفروض اور عصبہ۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی وارث نہ پایا جائے تو پھر سارا ترکہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں دیدینے کا حکم دیتے ہیں ان کے نزدیک ذوی الارحام کا شمار وارثوں میں نہیں ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میت کا پورا ترکہ بیت المال میں داخل کرنے سے پہلے ذوی الارحام کو بھی دیکھنے کا حکم دیتے ہیں اور عام طور پر اسلامی ملکوں میں ان کے مسلک ہی کو اختیار کیا گیا ہے پھر اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو متروکہ مال بیت المال میں جائے گا اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں غریبوں میں تقسیم ہوگا۔

ذوی الارحام کی حیثیت ذوی الفروض اور عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو میت کی میراث میں سے کچھ پانے کا حق نہیں ہے۔

ذوی الفروض کے حقوق مقرر ہیں ان مقررہ حقوق کو دے چکنے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ دوسرے وارثوں کو جو عصبات میں ہیں تقسیم ہو جاتا ہے اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو ذوی الفروض نذر

حصہ لینے کے بعد بقیہ ترک بھی وہی پاتے ہیں۔ اس طرح ذوی الفروض کی موجودگی میں ذوی الارحام کے حصہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مگر تیرہ ذوی الفروض میں سے صرف دو وارث ایسے ہیں کہ اگر تنہا وہی ہوں اور کوئی دوسرا عصباء یا ذوی الفروض میں سے نہ ہو تو ذوی الارحام کو ان کے ساتھ حصہ مل سکتا ہے، وہ دو ذوی الفروض شوہر اور بیوی ہیں یعنی اگر مرد میت نے اپنے ذوی الفروض میں صرف بیوی کو یا عورت میت نے صرف شوہر کو چھوڑا تو ان کو شرعی حصہ دینے کے بعد باقی ذوی الارحام کو دیا جائے گا یہ اس لئے کہ بیوی اور شوہر کو فرض مقررہ سے زیادہ نہیں ملتا ہے جبکہ دوسرے ذوی الفروض بقیہ ترک بھی پاتے ہیں اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو۔

ذوی الارحام کی درجہ بندی ذوی الارحام کو چار قسموں میں بانٹا گیا ہے جب تک پہلی قسم کے لوگ موجود ہوں گے اُس سے نیچے درجے کی اقسام والوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہر ایک قسم کے ذوی الارحام اور انھیں ترکہ ملنے کا تناسب بیان کیا جاتا ہے۔ ذوی الفروض سے صرف گیارہ وہ لوگ مراد ہیں جو ذوی الارحام کا حصہ روک سکتے ہیں (یعنی شوہر اور بیوی کے علاوہ)

پہلی قسم کے ذوی الارحام سب سے مقدم نواسے اور نواسیاں ہیں جنہیں اپنے نانا کا ترکہ اُسی وقت ملے گا جب ان کے رشتہ داروں (ذوی الفروض و عصباء) میں سے کوئی زندہ نہ ہو۔ اگر ایک نواسہ یا ایک ہی نواسی ہوگی تو کل مال اُس کو مل جائے گا اور اگر دونوں ہوں گے یا کئی ہوں گے تو نواسے کو دو اور نواسی کو ایک حصے کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

نواسے اور نواسی نہ ہوں تو پوتی کی اولاد وارث ہوگی اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر نواسے اور نواسی کی اولاد کو حصہ ملے گا۔ پھر اگر نواسے اور نواسی کی اولاد نہ ہو تو پوتے کے نواسے نواسی اگر وہ بھی نہ ہوں تو پوتی کے پوتے پوتیاں وارث ہوں گے۔

دوسری قسم کے ذوی الارحام ذوی الفروض میں دادا، دادی اور نانی کے مقررہ حصوں کا ذکر کیا جا چکا ہے، وہاں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ قریبی دادا، دادی اور نانی کی موجودگی میں دور کے دادا، دادی اور نانی کو نہیں ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام

میں شمار ہوتے ہیں اور نانا تو نہ ذوی الفروض میں ہے اور نہ عصبات میں اس لئے وہ مستقل ذوی الارحام ہی میں شمار ہوتا ہے۔ نانا کو میت کے ترکے سے کچھ نہیں ملے گا اگر ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام کی پہلی قسم میں سے کوئی موجود ہوگا۔ جب ان میں سے کوئی نہ ہو اور نانا زندہ ہو تو وہ میت کے ترکے کا مستحق ہوگا۔ دوسری قسم کے ذوی الارحام کے لوگ سب محروم ہوں گے۔ اگر میت کے نانا نہ ہوں تو پھر میت کے باپ کے نانا اگر وہ بھی نہ ہوں تو ماں کے دادا۔ ان کی عدم موجودگی میں ماں کے نانا اور ماں کی دادی ترکے کی مستحق ہوں گی۔ پھر اگر ان میں سے بھی کوئی نہ رہا ہو تو میت کے دادا کے سلسلے کے ذوی الارحام کو حصہ ملے گا۔

اس قسم میں میت کی بہن کی تمام اولاد اور بھائی کی تیسری قسم کے ذوی الارحام غیر عصبہ اولاد شامل ہے۔ بہن کی اولاد سے مراد میت کے ہر طرح کے بھانجے اور بھانجیاں ہیں اور بھائی کی وہ اولاد جو عصبہ نہیں ہے ان سے مراد میت کی بھتیجیاں وغیرہ ہیں ان کی تعداد دس ہوتی ہے۔ حقیقی بہن کے لڑکے لڑکیاں حقیقی بھائی کی لڑکی، علاقائی بھائی کی لڑکی، اخیافی بھائی کے لڑکے اور لڑکی۔ ان میں کوئی مقدم اور مؤخر نہیں ہے، اگر ایک ساتھ سب موجود ہوں تب بھی سب کو حصہ ملے گا بس فرق یہ ہوگا کہ مرد کو جننا ملے گا عورت کو اس کا آدھا ملے گا۔ اور اگر صرف ایک ہی ہو اور اوپر کے ورثہ میں سے کوئی نہ ہو تو پورا ترکہ اس ایک ہی کو مل جائے گا۔ بھانجے بھانجیوں اور بھتیجیوں کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد حصہ پائے گی۔

اگر کوئی بھتیجا زندہ ہو تو اس کے سامنے تمام بھانجیاں اور بھتیجیاں محروم رہیں گی کیونکہ بھتیجا عصبہ ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔

بھانجے بھانجیوں اور بھتیجیوں میں ترکہ تقسیم کرنے کی ایک صورت اوپر بیان ہوئی دوسری صورت یہ ہے کہ انھیں ترکہ ان کے والدین (یعنی میت کے بھائی اور بہن) کے لحاظ سے ملے یعنی جس طرح بھائی کو بہن کے مقابلے میں دو گنا ملتا اسی طرح بھتیجیوں کو وہی دو گنا ملے گا اور بہن کی اولاد کو اس کا آدھا۔ البتہ بھانجیوں کے ساتھ بھانجے بھی ہوں تو انھیں بھانجیوں کا ڈہرا ملے گا۔

چوتھی قسم کے ذوی الارحام اس قسم میں میت کی پھوپھیاں، خالائیں، ماموں اور
 اخیانی چچا ہیں۔ اور جب یہ نہ ہوں تو ان کی اولاد اور
 اگر وہ بھی نہ ہوں تو حقیقی اور علاقائی چچا کی اولاد پھر اگر یہ بھی نہ ہوں تو ماں یا باپ کی پھوپھیاں،
 خالائیں اور ماموں وغیرہ مستحق ہوں گے۔

ذوی الفروض کے حصوں کا مختصر نقشہ

تمام وارثوں کے حصوں کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے اور یہ بھی کہ ذوی الفروض
 کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں مگر عصبہ اور ذوی الارحام کا کوئی مقرر حصہ نہیں ہے
 بلکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ عصبہ کو دیا جائے گا۔ لیکن عصبات میں
 سے کوئی نہ ہو تو پھر بقیہ ذوی الارحام کو دیا جاتا ہے۔

ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے:

(۱) نصف (آدھا) حصہ پانچ وارث مخصوص حالات میں پائیں گے۔

الف۔ میت کا شوہر جب میت کی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کی بیٹی جب وہی تنہا ہو اُس کا بھائی موجود نہ ہو۔

ج۔ میت کی پوتی جب میت کا بیٹا بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو۔

د۔ میت کی بہن جب اکیلی ہو اور میت کے بیٹا یا بیٹی یا باپ موجود نہ ہو۔

۵۔ میت کی علاقائی بہن جب حقیقی بہن نہ ہو اور بیٹا بیٹی اور باپ بھی نہ ہو۔

(۲) ثلثان (دو تہائی) حصہ چار وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

(الف) میت کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیوں کو جب اُس کی نرینہ اولاد نہ ہو۔

(ب) میت کی دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کو جب بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(ج) میت کی دو یا دو سے زیادہ بہنوں کو جب بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(د) میت کی دو یا دو سے زیادہ علاقائی بہنوں کو جب حقیقی بہنیں، بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(۳) ثُلُث (ایک تہائی) حصہ دو وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے۔

الف۔ میت کی والدہ کو جب میت کی اولاد نہ ہو اور بھائی بہن بھی نہ ہوں۔

ب۔ میت کے اخیافی بھائی بہن کو جب وہ ایک سے زیادہ ہوں۔

(۴) رُبُع (چوتھائی) حصہ دو وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

الف۔ میت کی بیوی کو جب اُس کے کوئی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کے شوہر کو جب اُس کی اولاد نہ ہو۔

(۵) سُدُس (چھٹا) حصہ چار وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

الف۔ میت کے باپ کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کی ماں کو جب میت کی اولاد ہو یا بھائی بہن ہوں۔

ج۔ اخیافی بھائی کو جب تہا ہو۔

د۔ پراخیافی بہن کو جب تہا ہو۔

(۶) ثَمَن (آٹھواں) حصہ صرف ایک وارث یعنی بیوی کو ملتا ہے جب بیٹا، بیٹی یا پوتی بھی ہو۔

غرض ذوی الفروض کے حصوں کی مقدار (مذکورہ) چھ طرح سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی

ہے۔ ترکے کا پانچواں، ساتواں، نوواں اور دسواں حصہ کوئی ذوی الفروض نہیں پاسکتا ہے

البتہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض وارث موجود نہیں ہوتے تو ان کا حصہ دوسرے ذوی الفروض

کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جاتا ہے اس طریقے کو شریعت میں رد (لوٹانا) کہتے ہیں جس کا

بیان آگے آرہا ہے اس طرح بعض ذوی الفروض عصبہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ مزید پالیتے ہیں۔

مگر اس کا حصوں کی تقسیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی یہ نہیں ہوتا کہ چھٹا حصہ پانے والے کو

پانچواں اور چوتھائی حصہ پانے والے کو تیسرا حصہ مل جائے۔

شریعت نے حصہ تقسیم کرنے کا ڈھنگ وہ مقرر

میراث کے حصے لگانے کا طریقہ کیا ہے کہ کوئی حصہ ٹوٹنے نہ پائے یعنی ادھا

تین اور پانچ بھی پورے پورے حصوں کی شکل میں ہو اس کے لئے عول کا طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

عول کے معنی لغت میں عول کے معنی سیدھی چیز کو ایک طرف جھکانے کے بھی ہیں اور زیادتی کرنے کے بھی۔ شریعت کی اصطلاح میں عول اس اضافے کو کہتے ہیں جو ترکے کی تقسیم میں اگر تنگی محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے لئے کیا جائے۔ درمختار میں عول کی تعبیر یہ کی گئی ہے:

هُدْ زِيَادَةُ السِّهَامِ إِذَا كَثُرَتْ
الْفُرُوضُ عَلَى مَخْرَجِ الْفَرِضِيَّةِ
لِيَدْخُلَ النَّقْضُ عَلَى كُلِّ
مِنْهُمْ لِقَدْرِ فَرِضِيَّةٍ

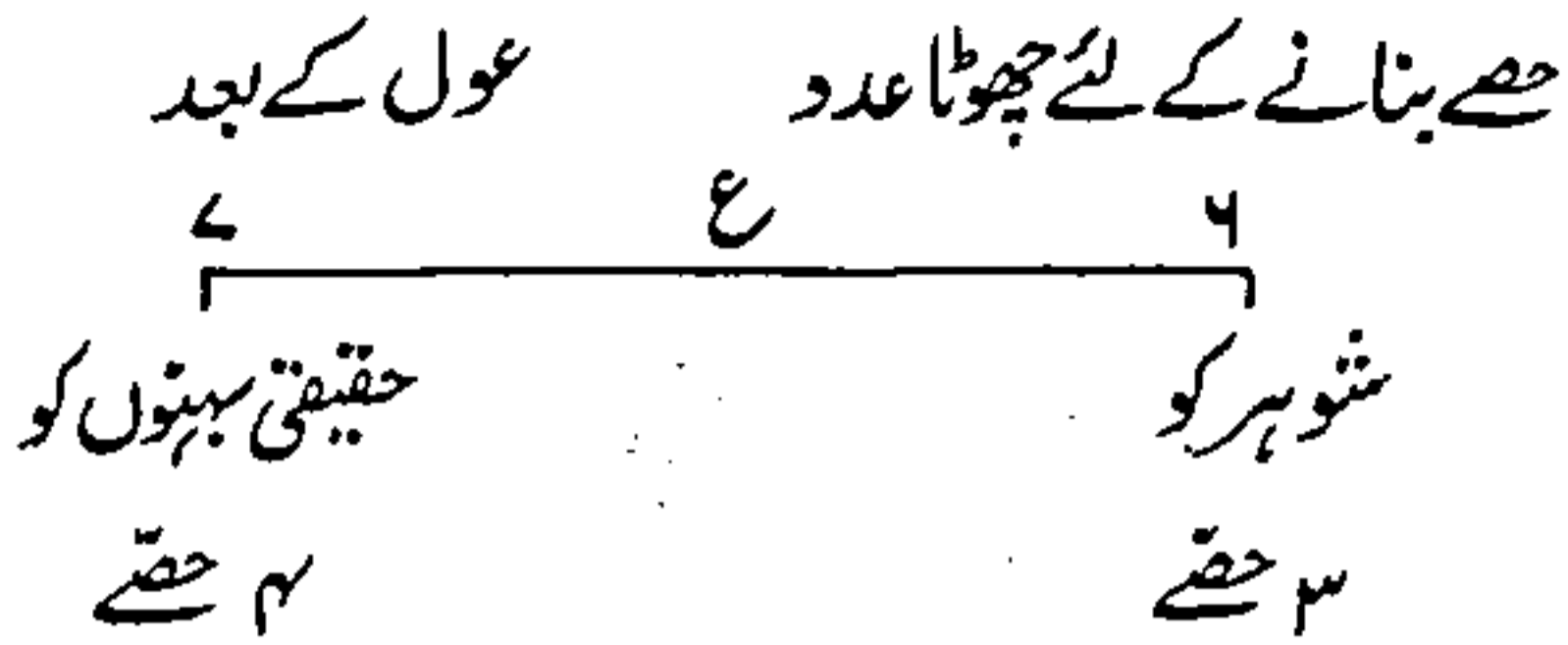
اگر مخرج فرض (یعنی وہ عدد جس سے وارثوں کے حصے نکل رہے ہیں) سے حصوں کے تعداد زیادہ ہو جائے تو اس عدد کو بڑھا لیا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام وارثوں کے حصوں میں بقدر

ان کے حقوق کے قدرے کمی ہو جاتی ہے۔ یہ عمل عول کہلاتا ہے

عول کی ضرورت اُس وقت ضرورت پڑتی ہے جب حصے پورے تقسیم میں نہ آتے ہوں یعنی کسی کا حصہ کم ہوتا نظر آتا ہو اور حصوں کو توڑنا یا ان کی کسر کرنا پڑتی

ہو تو مخرج فرض میں اضافہ کر لیا جائے تاکہ حصوں میں کسر نہ کرنا پڑے اور حصے میں اس طرح جو کمی آئے وہ سب حصوں میں برابر سے آجائے۔ مثلاً ایک عورت نے بعد وفات شوہر اور دو حقیقی بہنوں کو وارث چھوڑا، ذوی الفروض میں شوہر کا حصہ نصف یعنی $\frac{1}{2}$ اور بہنوں کا حصہ دو تہائی یعنی $\frac{2}{3}$ ہے۔ ترکہ کی تقسیم کے لئے سب سے چھوٹا عدد چھ ہے (یعنی $\frac{2}{3}$ اور $\frac{1}{2}$ کا ذواضعاف اقل) اب اگر ترکے کے چھ حصے کر کے تین حصے شوہر کو دیدئے گئے تو باقی رہے تین جبکہ $\frac{1}{2}$ کا $\frac{2}{3}$ چار ہوتا ہے، ایسے موقع پر عول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بجائے چھ کے سات کر کے $\frac{3}{4}$ حصے شوہر کو اور چار حصے دونوں بہنوں کو دیئے جائیں گے۔ ایک عدد کا اضافہ کرنے سے جو تھوڑی کمی حصوں میں آئی اس کا اثر سب حصوں پر برابر پڑ گیا اور کسر نہیں پڑی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا عدد جس سے شروع میں تقسیم کیا تھا لکھا جائے پھر عول کی رع بنا کر بڑھا ہوا عدد لکھ دیا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اضافہ عول کی وجہ سے ہے۔

بیان کردہ صورت میں عول کا طریقہ اس مثال سے سمجھ میں
عول کا طریقہ آجائے گا۔



طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا عدد تلاش کیا جائے جس سے پہلے وارث (شوہر) کو ٹھیک ٹھیک حصہ مل جائے اور پھر باقی وارثوں کو بھی حصہ مل سکے تو یہاں وہ چھوٹا عدد چھ ہے لیکن جب ۶ کا آدھا یعنی ۳ شوہر کو دیدیا گیا تو باقی ۳ بچے جو کل (۶) کے $\frac{2}{3}$ سے کم رہے اس لئے عول کرنے کی ضرورت پڑی لہذا ۶ کے بجائے ۷ کر کے ہم دوسرے وارثوں کو دیدیئے گئے، مطلب یہ ہوا کہ پہلے جو ۶ حصے تھے انہیں میں تھوڑی کمی کر کے ان کو ۷ بنا لیا گیا اور تمام وارثوں کے حصے پورے کر دیئے گئے۔ اس کمی کا اثر کسی ایک وارث پر نہیں پڑا بلکہ سب کے حصوں میں مساوی طور پر کچھ کمی آگئی۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ شروع ہی سے کیوں نہ کل ترکے کے سات حصے بنائے گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے نہیں کرتے کہ اس صورت میں حصوں کے اعداد کو ٹوڑنا پڑے گا اور پھر بھی وارثوں کا حصہ پورا نہیں ہوگا، مثلاً اگر کل ترکہ ۷ مانا جائے تو آدھا $\frac{1}{2}$ شوہر کو دیکر بہنوں کا حصہ (۲ ثلث) کیسے پورا کریں گے۔ شریعت کا مقصد تو یہ ہے کہ کوئی حصہ ٹوٹنے نہ پائے یعنی آدھا پونانہ ہونے پائے، اسی لئے عول کا طریقہ رائج کیا گیا، مذکورہ بالا صورت میں حصے تو چھ کئے گئے بعد میں انہیں کو بڑھا کر ۷ کر دیا گیا جس سے حساب ٹھیک ہو گیا اور اس طرح کرنے سے جو حصوں کے حجم میں کمی واقع ہوئی وہ بہت معمولی ہوئی۔

عول کا نتیجہ عول کرنے سے حصوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا ہے اس اضافے کی نسبت سے تمام وارثوں کے حصوں میں ذرا ذرا سی کمی ہو جاتی ہے، اوپر کی مثال میں شوہر کو تین دئے گئے اس کے بعد بہنوں کو ہم حصے دیئے تو حساب میں شوہر کے حصے سے ۱ کی کمی

ہوگئی، اسی طرح بہنوں کے حصے سے بھی ۱/۲ کی کمی ہوگئی، دونوں کی کمیوں کی وجہ سے حصوں کی تقسیم آسانی سے پوری پوری ہوگئی اور کسر نہیں کرنا پڑی اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ایک تو اپنا اور حصہ پالیتا اور دوسرا کم پاتا یا محروم رہ جاتا۔ کمی تو ضرور ہوئی مگر بہت کم اور کسی کو نقصان نہیں پہنچا نہ کسی کو حق سے زیادہ ملا۔

عول کس صورت میں نہیں ہوتا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ میت کے لڑکے کی موجودگی میں عول کی ضرورت کبھی نہیں پڑتی کیونکہ لڑکے کے ساتھ دوسرے وارثوں کے حصے یا تو کم کر دیئے گئے ہیں یا انھیں محروم کر دیا گیا ہے۔

رد کا بیان رد کے معنی لوٹا دینے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایک یا کئی ذوی الفروض کو وراثت کا مقررہ حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اُسے پھر انھیں لوٹا دینا رد کہلاتا ہے، یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو۔ شریعت نے ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کو دینے کے بعد باقی ترکہ عصبات میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا ہے لیکن اگر اتفاق سے کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر باقی ترکہ بھی اُن ذوی الفروض پر ہی تقسیم کر دیا جائے گا اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کا ہے جب کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عصبات کی عدم موجودگی میں میراث کا باقیماندہ بیت المال میں داخل کر دینا چاہئے البتہ اگر بیت المال کا نظام نہ ہو تو پھر ذوی الفروض پر تقسیم کر دیا جائے۔

جس طرح عول کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورے سے رائج فرمایا اور تمام صحابہ نے جو فقہائے امت بھی تھے اس کو مانا اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح رد کا طریقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحابہ کے مشورے سے منظور اور نافذ کیا۔ مگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور یہی رائے امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ہے، گویا ان بزرگوں نے اجتماعی مفاد کو شخصی مفاد کے مقابلے میں قابل ترجیح جانا اسی لئے بیت المال میں میت کے باقی مال کو جمع کر دینا اولیٰ قرار دیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اجتہاد کو قرین صواب

جانتے ہیں کیونکہ وراثت کا تعلق رشتہ اور نسبی قرابت سے ہے جب تک وہ تعلق موجود ہے اس کو مقدم رکھنا چاہیے۔ قرآن میں بھی یہی ارشاد ہے :

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (سورہ انفال آیت ۷۵)

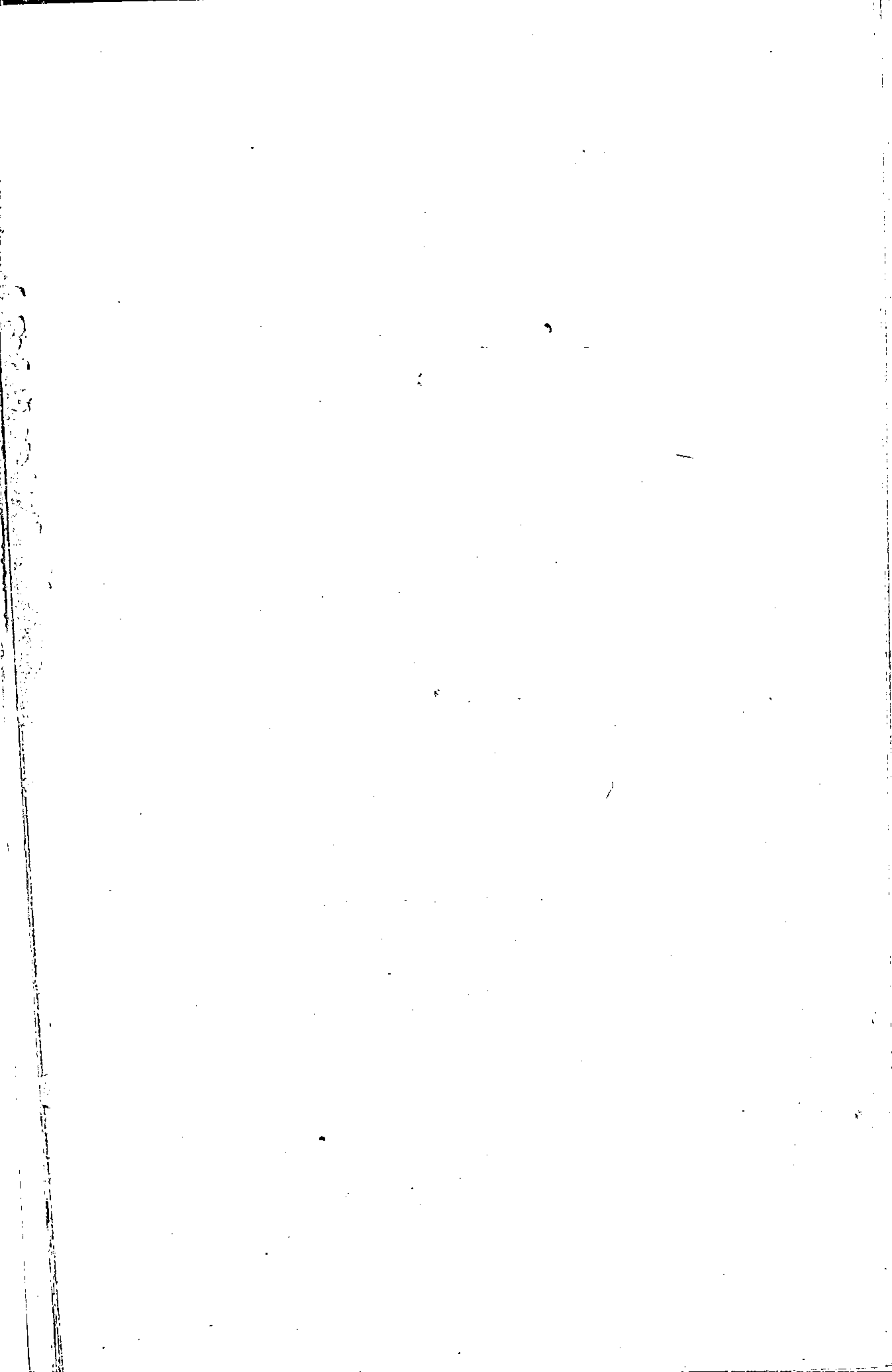
اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں کو آپس میں ایک دوسرے کا زیادہ حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ آیت سورہ انفال کی ہے اور ان مہاجر مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بعد میں اسلام لائے اور پھر مدینے کی طرف ہجرت کی، قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اس تاخیر کی وجہ سے ان کا وہ حق ختم نہیں ہو گیا جو رشتے کی وجہ سے ان کو پہنچتا ہے تو رشتہ دار کا حق بہر حال فائق ہے عام مسلمانوں کے حق سے۔

وہ ذوی الفروض جن پر رد نہیں ہو سکتا
اگر ذوی الفروض وارثوں میں صرف بیوی یا شوہر ہو تو ان دونوں کو میراث کا وہی

حصہ ملے گا جو مقرر ہے اس سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اگر عصبہ موجود ہیں تو باقی ترکہ وہی پائیں گے ورنہ ذوی الارحام پائیں گے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان رشتہ نسبی و خوئی نہیں ہوتا اس لئے وہ ایک دوسرے کے عصبہ نہیں ہوتے البتہ اگر کوئی رشتہ پہلے سے ایسا ہو جس سے ترکہ مل سکتا ہو مثلاً دونوں ایک دادا کے پوتا اور پوتی یا پر پوتی ہوں جس سے ترکہ مل سکتا ہو تو اس حیثیت سے بقیہ میراث سے حصہ مل سکتا ہے رشتہ زوجیت کی وجہ سے نہیں۔

رد کی صورت میں تقسیم
رد میں باقی ترکہ اسی اعتبار سے دوبارہ تقسیم کیا جائے گا جس اعتبار سے انھوں نے مقررہ حصہ پایا تھا یعنی وہی تناسب

ملحوظ رہے گا۔ جس کو پہلے زیادہ ملا تھا، رد کی صورت میں بھی زیادہ ملے گا اور جس کو پہلے کم ملا تھا، رد کی صورت میں بھی کم ملے گا۔



معاملات

تجارت

مضاربت

شراکت

قرض

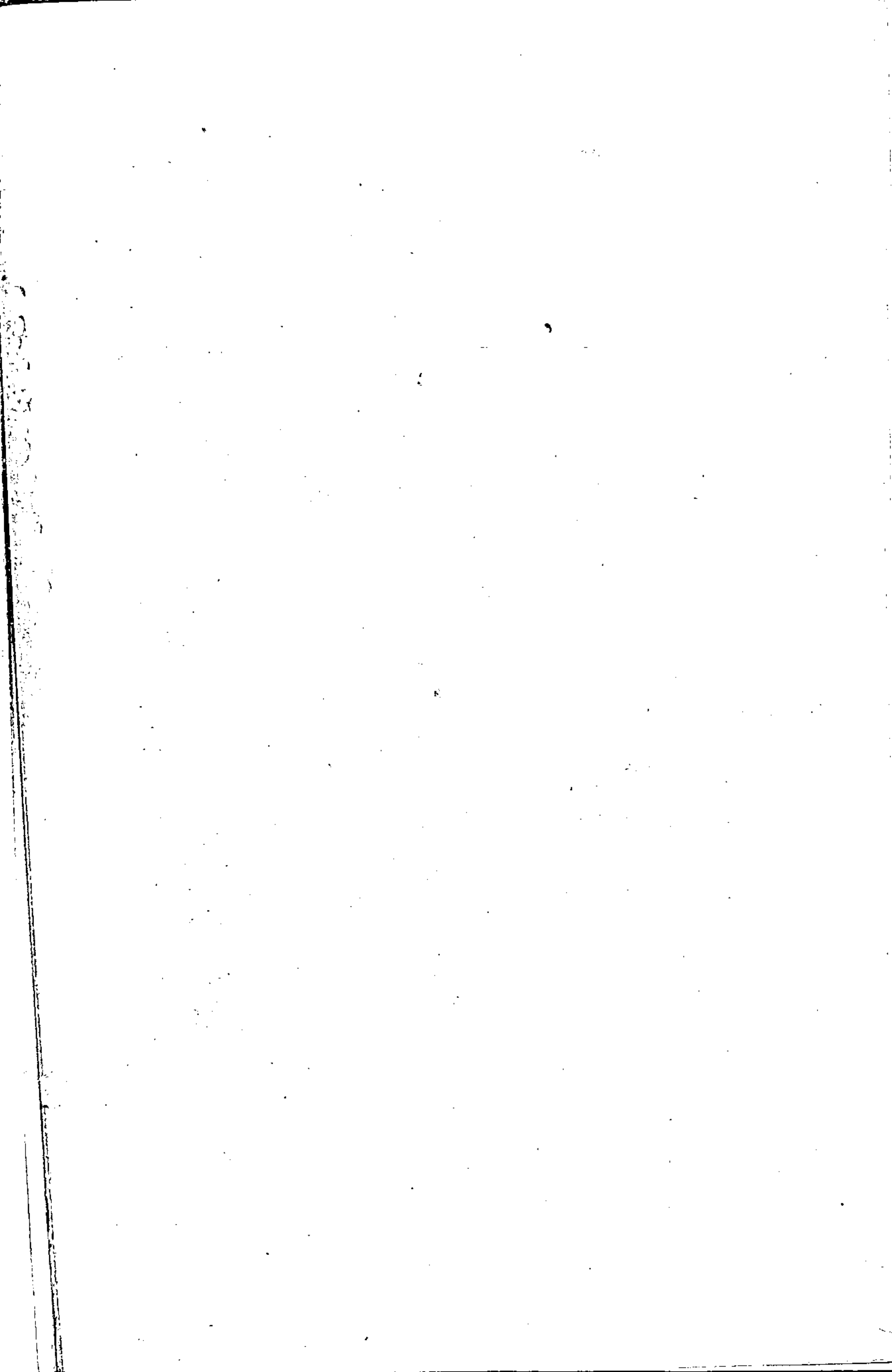
رهن

امانت

عاریت

اجاره

زراعت



معاملات

انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے روزی کمانے اور سامان رزق ہتیا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے جہاں روح کو اخلاقی غذائیں فراہم کرنے کی ہدایات دی ہیں وہاں جسم کو مادی غذا پہنچانے کے ذرائع اور وسائل استعمال کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔
عام طور پر جن ذریعوں اور وسیلوں سے انسان رزق حاصل کرتا ہے اور ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) تجارت ؛ یعنی آپس میں لین دین اور خرید و فروخت۔ (۲) مضاربت ؛ یعنی ایک شخص کا روپیہ اور دوسرے کی محنت (۳) شراکت یعنی کئی شخصوں کا مل کر خریدنا یا بیچنا یا کوئی کاروبار چلانا۔ (۴) قرض ؛ یعنی کسی دوسرے شخص سے مال یا رقم اُدھار لے کر کام کرنا (۵) ہین ؛ یعنی اپنی کوئی چیز ضمانت میں دے کر مال یا روپیہ حاصل کرنا (۶) اجارہ ؛ یعنی اپنی چیز کرایہ پر دے کر یا دوسرے کی چیز کرایہ پر لے کر کام کرنا یا اپنی محنت کی اجرت لینا اور دوسروں کی محنت کا معاوضہ دینا (۷) زراعت ؛ یعنی اپنی زمین پر خود کھیتی کرنا یا دوسروں کی مدد سے کھیتی کرانا۔
وسائل معاش کے ان طریقوں کو برتنے میں کبھی اپنا مال کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھنے یا دوسروں سے مال عاریت لینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

اسلام نے ان سب طریقوں سے کام لینے کے اصول اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں، انہیں کو اصطلاح میں ”معاملات“ کہا جاتا ہے۔ معاملہ کے معنی باہم عمل کرنے کے ہیں ان

میں کم از کم دو آدمیوں یا چیزوں کی شرکت ہوتی ہے مثلاً تجارت میں خریدنے والے اور بیچنے والے کی۔ زراعت میں مالک زمین، کاشتکار، بیج، پانی اور آلات زراعت کی۔ مضاربت میں صاحب مال اور کارکن کی، یہی حال اجارہ کا ہے جس میں اجیر و مستاجر یا مالک و مزدور کی شرکت ہوتی ہے۔

اسلامی ہدایات مذکورہ بالا معاملات میں شریعت اسلامی کی ہدایات موجود ہیں یعنی صحیح کام کا حکم اور غلط کاموں کی ممانعت۔ اولین بنیادی ہدایت یہ ہے کہ جو معاملہ بھی کیا جائے اس میں تراضی یعنی فریقین کی رضامندی ہونا پہلی شرط ہے۔ اگر فریقین میں کوئی ایک راضی نہ ہوگا تو اسلام میں وہ معاملہ باطل اور ناجائز قرار پائے گا۔ ممانعت یہ کی گئی ہے کہ رضامندی کسی حرام چیز جیسے سود لینے یا دینے، دھوکہ کرنے، جھوٹ بولنے وغیرہ میں نہ ہو تو اگر کوئی تجارت یا زراعت کا معاملہ ایسا کیا جائے جس میں ان ممنوعہ باتوں کی آمیزش ہو تو اسلامی شریعت میں وہ حرام سمجھا جائے گا، خواہ معاملہ کرنے والے آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ شراب بنانے کا کارخانہ یا ایسے سامان تیار کرنے کا کارخانہ جس سے اخلاق بگڑتے ہوں یا دولت بے کار ضائع ہوتی ہو، اسلامی شریعت میں ممنوع ہوگا بلکہ مزدوروں کو بھی ایسے کارخانوں میں کام کرنے سے روکا جائے گا خواہ صنّاع اور خریدار، مالک و مزدور آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ حرام پر رضامندی کی اجازت تو صرف شدید معاشی مجبوری یا جان و مال اور عزت و آبرو کے سخت خطرے کی حالت ہی میں دی جاسکتی ہے۔

اسلامی شرعی ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ

دُنیا میں یہ ہے کہ نہ معاملہ کرنے والوں میں کوئی اختلاف ہوگا نہ ایک فریق دوسرے پر ظلم کر سکے گا۔ معاشی وسائل و ذرائع چند لوگوں کے لئے سامان عشرت مہیا کر کے باقی لوگوں کے لئے باعث مصیبت نہ بن سکیں گے۔ آج کل پوری دنیا اور خاص طور پر برصغیر میں ضروریات زندگی کی قلت اور گرانی کے سبب جو بے چینی پائی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اُن حکموں (ادامہ) اور ممانعتوں (نواہی) کی صحیح طور پر پابندی

ہنیں کی جاتی۔

آخرت میں جس طرح باہمی رضامندی کے بغیر یا باطل اور حرام شرائط پر معاملہ کرنے سے کسی نہ کسی کی حق تلفی اور نقصان ہوتا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ایسا معاملہ کرنے والوں کو ناکامی اور خسران سے سابقہ کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں حرام طریقوں اور تراشی کے بغیر روزی کمانے والوں کے عمل کو قتل اور ظلم قرار دیا ہے اور آخرت میں دوزخ کی سزا ان کے لئے فرمادی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمۡ بَيْنَكُمۡ يٰۤاَبٰطِلٍ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ وَّ مِّنْكُمْ
 وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمۡ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۷ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدُوًّا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيْهِ
 نَارًا وَّ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۸

(نسا، آیت - ۲۹-۳۰)

اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ رضامندی کے ساتھ کوئی تجارت ہو (تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اور باطل معاملہ کر کے) ایک دوسرے کو (معاشی طور پر) قتل نہ کرو، اللہ تم پر رحم فرماتا رہے (تو تم بھی رحم کے خلاف کام نہ کرو) اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم عنقریب آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

رشوت اور چھوٹے مقدمات کے ذریعے روپیہ کمانے والوں کو یہ کہہ کر اس کام سے منع کیا گیا ہے کہ ”ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ و حالانکہ تم اس گناہ کو جانتے ہو“ اسی طرح یتیموں کا مال ہڑپ کر جانے والوں کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ”اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں“

ایسے حرام طریقوں سے اور آپس کی رضامندی کے بغیر روزی کمانے کا معاملہ کرنا کچھ دنوں کیلئے کسی آدمی کو دنیا میں نائدہ پہنچا بھی دے لیکن دوسروں کو نقصان ہی پہنچائے گا اور خود اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ تباہی کا سبب ہوگا۔ قرآن نے باطل طریقے پر مال کھانے والوں کو ”اَكَاثُوْنَ لِلسُّخْتِ“ کہا ہے۔ سُخْت کے معنی نیست و نابود کر دینے کے ہیں یعنی رزق کا یہ ذریعہ انجام کار خود کو بھی نیست و نابود کرتا ہے اور دوسروں کو بھی۔

حلال کمائی کی ترغیب قرآن میں دی گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی تفصیل سے موجود ہے، آپ نے سب سے زیادہ

اپنے ہاتھ کی کمائی پر زور دیا کیونکہ اس میں باطل اور سحت کا شائبہ کم ہوتا ہے، آپ نے فرمایا:

مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا

كُوِيَ رَوْزِيَّ اس رَوْزِيَّ سَبَّهْتُمْ

خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَيْلِ يَدٍ ۝

کونئی روزی اس روزی سے بہتر نہیں ہے جو محنت مزدوری کر کے حاصل کی گئی ہو۔

آپ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں قریش کی بکریاں ایک قیراط روزانہ اجرت پر چراتا تھا۔ حضرت داؤد، حضرت ادریس اور بعض دوسرے انبیاء کی نسبت حدیث میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے عمل سے کماتے تھے۔ صحابہ کرام اور بہت سے بزرگان قوم کا ذریعہ معاش ان کے ہاتھ کی کمائی رہا ہے۔

حرام مال عبادت کو غیر مقبول بنا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں سے چند یہ ہیں:

حرام مال سے پلا ہوا جسم جنت میں نہیں جاتا۔ اُس کی دُعا مقبول نہیں ہوتی جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلم سے دہالی قیامت میں اُسے لعنت کا طوق پہنایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کا اجر جہاد کے برابر ہے۔

یہ تو تھیں معاملات کے باب میں قرآن و سنت کی بنیادی ہدایات۔ رہیں ہر معاملے پر ان ہدایات کی روشنی میں مجتہدین کی رائیں تو ان کی تفصیل بھی جاننا ضروری ہے مگر پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حرام چیزیں ہیں کیا کیا؟

معاملات کے مسائل بیان کرنے سے پہلے فقہ کی کتابوں میں باب المحظور والاباحۃ یعنی حلال و حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے۔

حلال اور حرام چیزیں جو جانور حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، اِلا یہ کہ کوئی شدید ضرورت لاحق ہو جائے۔ ہاں اگر

اُن کے سینگ اور چمڑے کو ذباغت (پکانے) کے بعد استعمال کیا جائے یا خرید و فروخت کی جائے یا اُن سے کوئی سامان تیار کر کے بیچا جائے تو جائز ہے لیکن سور کا چمڑا یا اُس کی کوئی چیز کسی حال میں جائز نہیں۔

۲۔ مردار۔ مرے ہوئے جانور کا گوشت (بڑی جانور کا) بیچنا حرام ہے۔ اُس کے چمڑے کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔

۳۔ نشہ آور چیزیں مثلاً ہر قسم کی شراب، تاڑی، افیون، بھنگ، گانجا، چرس وغیرہ حرام ہیں۔

۴۔ تمام زہریلی چیزیں مثلاً سنکھیا وغیرہ حرام ہیں۔

۵۔ سونے چاندی کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے مگر اُسی حد تک کہ مناسب زینت ہو جائے۔ مردوں کے لئے اُن کا استعمال حرام ہے اور اُن سے بنے ہوئے برتن، چمچے، خاص دان، گھڑی اور آئینے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

۶۔ مردوں کو ریشمی کپڑوں کا استعمال جائز نہیں یعنی خالص ریشم سے بنے ہوئے کپڑوں کا۔

۷۔ سود اور اُس کی جتنی بھی قسمیں ہیں سب حرام ہیں۔

۸۔ جوا اور اُس کی جتنی بھی قسمیں ہیں مثلاً لاٹری، سٹہ بازی، گھڑ دوڑ پر شرط لگانا، غائب مال کی خرید و فروخت، دھوکہ اور فریب دے کر تجارت کرنا۔ یہ سب اعمال ناجائز اور حرام ہیں۔

۹۔ ناپچ گانا اور سامانِ رقص و سرود بنانا۔

۱۰۔ جاندار کی مصوری یا فوٹو گرافی۔ ایسی تصویریں اور فلمیں بنانا جن میں ناپچ گانے اور عورتوں کی نمائش ہو۔

حلال اور حرام جانور پرندوں اور چوپایہ جانوروں کی تفصیل جن کا کھانا حرام ہے ذیل میں دی جاتی ہے (۱) ایسے تمام پرندوں کا گوشت حرام

ہے جو پنجوں سے شکار کرتے ہوں مثلاً شکار۔ باز۔ شاہین، گدھ، عتاب چیل وغیرہ۔ وہ پرندے جن کے پنجے تو ہیں لیکن اُن سے شکار نہیں کرتے جیسے کبوتر، فاختہ وغیرہ وہ حلال

ہیں۔ ہڈی، لٹورا جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے (جس کی مخصوص غذا گوشت ہے) اُتو۔ چمگادڑ، جنگلی ابا بیل، چتکبرا کو جو مردار کے سوا کچھ نہیں کھاتا، یہ سب حرام ہیں، البتہ کھیت کا کوا جس کا رنگ کالا ہوتا ہے اور چونچ پاؤں سرخ ہوتے ہیں حلال ہے۔ پرندوں میں سے ہر قسم کے چڑے، بیڑ، چنڈول، بھٹ تیر، چکور بلبیل، طوطا، شتر مرغ، مور، سارس، بلیغ، مرغابی دوسرے مشہور پرندے اور طوطی حلال ہیں۔

۲۔ وہ تمام درندہ جانور جو کچلیوں سے دوسروں پر حملہ کرتے ہیں حرام ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، ہاتھی، بتدر، تیندوا، گیدڑ، بلی۔ ان میں وہ کچلی کے دانت والے جانور داخل نہیں ہیں جن کی کچلیاں تو ہوں لیکن اُن سے حملہ نہ کرتے ہوں جیسے اونٹ کہ وہ حلال ہے۔ پالتو گدھا، گھوڑا اور خچر حرام ہیں۔ مالکی فقہاء کے نزدیک خچر اور گدھا مکروہ اور گھوڑے کا گوشت کراہت کے ساتھ روا ہے، فقہائے احناف کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ ہرن، نیل گائے کی تمام قسمیں، بھینس، بیل، گائے بکری، بھیڑ اور دنبہ حلال ہیں، نیولا، گوہ، بجو، لومڑی، سنجاب، سمور، سہی اور فٹک (لومڑی جیسا جانور جس کی کھال نہایت نرم ہوتی ہے) حلال نہیں ہیں۔

۳۔ حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑے) کھانا حرام ہے جیسے بچھو، سانپ، چوہا، مینڈک، چوئیٹ وغیرہ۔

۴۔ دریائی جانور جو پانی میں رہتے ہیں حلال ہیں اگرچہ اُن کی شکل مچھلی جیسی نہ ہو جیسے بام مچھلی جس کی شکل سانپ جیسی ہوتی ہے، غرض سوائے مگر مچھ کے تمام اقسام کی مچھلیاں حلال ہیں، فقہائے احناف کے نزدیک وہ دریائی جانور جو مچھلی سے مشابہ نہ ہو حلال نہیں ہے، اور مچھلیوں میں طافی کا کھانا جائز نہیں، طافی وہ مچھلی ہے جو پانی میں طبعی موت مکر پلٹ گئی ہو، پیٹ اوپر اور پیٹھ نیچے ہو گئی ہو۔

۵۔ کچھوا حرام ہے خشکی کا ہو یا دریائی ہو جو ترسہ کے نام سے مشہور ہے یہ خشکی میں بھی رہتا ہے اور تری میں بھی۔

۶۔ سورا اور کتا اور مرا ہوا ہر جانور (جو شریعت کے مطابق ذبح کئے بغیر مر جائے) حرام

ہے۔ خون حرام ہے (جگر اور تلی خون میں شامل نہیں اس لئے وہ حلال ہیں) وہ حلال جانور جو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو (منحنتہ) یا کسی آلے سے ضرب لگا کر مارا گیا ہو (موقوذہ) یا بلندی سے گر کر ہلاک ہوا ہو (متردیہ) یا کسی دوسرے جانور نے سینگ وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو (لطیجہ) ان سب کا گوشت کھانا حرام ہے، سوائے اس کے کہ مرنے سے پہلے انھیں ذبح کر لیا جائے اور وقت ذبح ان میں زندگی کے آثار پوری طرح پائے جاتے ہوں۔

دوسری حلال و حرام اشیاء اوپر حرام جانوروں کی تفصیل بیان کی گئی تو جو جانور حرام ہیں ان کی خرید و فروخت بھی بغیر کسی عذر شرعی

کے حرام ہے۔ اگر ان کے سینگ کھال اور چمڑے کو دباغت کر کے یعنی پکا کر استعمال کیا جائے یا ان کی خرید و فروخت کی جائے یا ان سے سامان بنا کر بیچا جائے تو جائز ہے لیکن سور کا چمڑا یا اس کی اور کوئی چیز کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ ہر مردار جانور کا گوشت یا چمڑا بیچنا حرام ہے البتہ (مدبوغ) پکایا ہوا چمڑا اگر کوئی بچے تو جائز ہے۔

۲۔ ہر ایسی چیز جو انسان کے بدن یا اس کی عقل کے لئے نقصان دہ ہو اس کا باہمی لین دین حرام ہے مثلاً: افیون، بھنگ، کانجا، چرس، کوکین اور ایسی ہی وہ تمام اشیاء جو نشہ آور نقصان رساں یا زہریلی ہوں۔

پینے کی اشیاء حرام ہیں شریعت اسلامی میں شراب کا پینا سخت حرام ہے کبیرہ گناہ اور بدترین جرم ہے کیونکہ اس میں اخلاقی جسمانی

اور اجتماعی نقصانات پر اس کا حرام ہونا کتاب اللہ، سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے، قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْكَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ لَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ٥

(سورہ مائدہ - ۹۰-۹۱)

اے ایمان والو! یہ شراب اور جو اور یہ بت اور پانسے گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور

جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے

اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟

اس آیت میں شراب کے حرام ہونے کی دس دلیلیں ہیں (۱) شراب کو جوئے، بت اور پانسوں کے تیروں کی طرح بُرا قرار دیا گیا (۲) جس یعنی گندگی جیسی مکروہ چیز (۳) شیطانی عمل ہونا (۴) پرہیز کے قابل چیز (۵) نجات اس کے ترک پر منحصر ہونا (۶) شیطان اسے باہمی عداوت پیدا کرنے میں استعمال کرتا ہے (۷) اُسے کینے کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے (۸) اللہ کی یاد سے باز رکھنا چاہتا ہے (۹) نماز سے روک دینا چاہتا ہے (۱۰) اس سے باز نہ آنے والوں کو سخت تہدید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یشرَب الخمر حین یشرَبہا وهو مؤمن (شراب پینے والا پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔

تمام اُمت اور ائمہ مسلمین کا اجماع ہے کہ شراب حرام ہے اُس کا پینا بدترین گناہ اور شدید ترین جرم ہے۔

خمر کے معنی ہیں عقل پر پردہ ڈالنے والی چیز تو جو چیز عقل کو ضبط کر دینے والی ہو وہ خمر ہے خواہ وہ انگور سے بنائی جائے یا کھجور یا شہد یا گہوں یا جو یا کسی اور چیز سے تیار کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح بھی فرمادی ہے کہ ما اسکر کثیرہ فقلیدہ حرام (جو زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے) خواہ نشہ نہ لائے۔ انگور سے بنی ہر قسم کی شراب خواہ وہ خمر ہو (جو شیرہ انگور کا خمر اٹھا کر اور جوش دے کر بنائی جاتی ہے یا باذق (بادہ) ہو جو شیرہ انگور کو دو تہائی تحلیل کر کے بنتی ہے یا مُنصَف (یعنی دو آتشہ) یا مُثَلَّث (یعنی سہ آتشہ) ہو سب حرام ہیں) اسی طرح سکر (تازہ کھجوروں کو بھگو کر بنائی گئی) اور یخ (خشک کھجور کو پانی میں بھگو کر بنائی گئی) اور بیذا التمر (کھجوروں کا پانی جوش دے کر بنائی ہوئی) یہ سب جب نشہ آور ہو جائیں حرام ہیں خواہ زیادہ ہوں یا ایک ہی قطرہ ہو۔ یہی حکم کشمش، منقہ وغیرہ کا ہے جب اُنھیں جوش دے کر نشہ آور بنا لیا جائے۔ کھجور اور انگور کا مرکب مشروب یا شہد، زیتون اور جو وغیرہ سے تیار شدہ ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو جائے حرام ہے، ان شرابوں کی تھوڑی مقدار کا حکم بھی وہی ہے جو کثیر مقدار کا ہے۔ ہر مکلف عاقل جس پر شریعت کے احکام عائد ہوتے ہیں (شراب حرام ہے۔ مجبور و ناچار پر نہیں۔

جس طرح پینا حرام ہے، اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، ارشاد نبویؐ ہے:

ان الذی حرم شرہا حرم جس ذات پاک نے اس کا پینا حرام کیا ہے بیعہا۔ اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی ہے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے متعلق دس شخصوں پر لعنت کی ہے (۱) اس کا نچوڑنے والا (۲) اس کا نچڑوانے والا (۳) پینے والا (۴) اٹھا کر لانے والا (۵) جس کیلئے لائی جائے (۶) اس کا پلانے والا (۷) بیچنے والا (۸) اس کی قیمت کھانے والا (۹) اس کا خریدنے والا اور (۱۰) وہ شخص جس کے لئے خریدی جائے (ابن ماجہ و ترمذی) شراب کو بطور دوا استعمال کرنا بقول معتمد حرام ہے، اُس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا کہ ”شراب دوا ہے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لیست بداء و انسہاھی داء (یہ دوا نہیں۔ یہ مرض ہے) (مسلم) نبی کریمؐ نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل انزل الداء اللہ نے مرض اور علاج دونوں نازل والدواء وحجل لکل داء دوا فرمائے اور ہر مرض کی دوا پیدا کی۔ نم حرام ولاتدوا و اجرام۔ چیز کے ساتھ علاج نہ کیا کرو۔

انگور کا رس تازہ نچوڑ کر پینا حلال ہے، فقاع جو گیہوں اور کھجور سے اور بعض کے نزدیک دوسرے میوؤں کے رس سے بنایا جاتا ہے جائز ہے۔ تمام وہ مشروبات جن میں نشے کا اندیشہ نہ ہو مباح ہیں لیکن اگر تندمی و نشاط ہو، جھاگ اور پھین آجائے تو حرام ہوگا اور نجس قرار دیا جائے گا اور نشہ آنے پر حد ماری جائے گی۔ تاڑی، افیون، بھنگ، گانجا، چرس وغیرہ نشہ آور چیزیں ہیں لہذا یہ سب حرام ہیں۔

زہریلی چیزیں حرام ہونا ہر وہ چیز جو ضرر رساں ہو اور سمیت پیدا کرنے والی ہو خواہ وہ سریع التأثير ہو جیسے سنکھیا وغیرہ یا جس کے بُرے اثرات بعد میں ظاہر ہوتے ہوں حرام ہیں۔

حرام و حلال لباس ایسا لباس جو مال حرام سے یا دھو کے اور بددیانتی سے حاصل کیا گیا ہو پینا حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اللہ

تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا اور نہ روزہ جس نے چادریا کرتا حرام کمانی کا پہن رکھا ہو جب تک اُسے ہٹانہ دے۔ اسی طرح فخر اور تکبر کے لبطور لباس پہننا حرام ہے، مردوں کو ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، اُن کو زعفرانی رنگ والا اور سرخ رنگ والا لباس پہننا مکروہ ہے، عورتوں کو ریشم کا لباس اور ہر طرح سے اس کا استعمال حلال ہے اور ہر رنگ کا لباس پہننا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

ریشم کی بنی ہوئی جانا نماز پر نماز پڑھنا مردوں کو جائز ہے، تسبیح کا ریشمی ڈورا، قرآن شریف کا ریشمی غلاف بنانا جائز ہے۔ کپے پر ریشم کا غلاف پڑھانا بالکل جائز ہے۔ ایسا لباس مرد کے لئے حلال ہے جس میں ریشم کے ساتھ روئی یا کتان یا اون ملا ہوا ہو مگر ضروری ہے کہ ریشم برابر کا ہو یا کم ہو، اگر ریشم کا حصہ زیادہ ہو تو ناجائز ہے، ریشم کا حاشیہ یا گوٹ اور پیل بھی جائز ہے بشرطیکہ چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو۔

سونے چاندی کا استعمال سونے چاندی کا استعمال بجز ان صورتوں کے جو انھیں

استعمال کرنے کی متقاضی ہوں، حرام ہے۔ حرمت کا

سبب یہ ہے کہ نقدی جس سے عام لوگ کاروبار کرتے ہیں کمیاب ہو جاتی ہے اور نادار لوگوں پر معیشت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ صرف عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ سونے چاندی سے خود کو آراستہ کریں کیونکہ عورت کے لئے زیب و زینت ضروریات میں سے ہے لہذا وہ سونے چاندی کے زیورات پہن سکتی ہے، اسی طرح مرد کو بھی چاندی کی انگوٹھی پہننا روا ہے کیونکہ بعض اوقات اس کو نگینے پر نام نقش کرانے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے قاضی اور حاکم کو لبطور مہر کے اور یہ سنت بھی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی دو درہم کے برابر تھی اس سے زیادہ وزن کی انگوٹھی نہ ہونا چاہیے اور ایک سے زیادہ انگوٹھیاں پہننا بھی مرد کے لئے جائز نہیں۔ سونے چاندی کے برتن رکھنا اور ان میں کھانا پینا حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو نہ

ان کے بنے ہوئے پیالوں میں کھاویہ دنیا

میں ان کے لئے اور آخرت میں تمہارے

لا تشربوا فی انیۃ الذهب

والفضۃ ولا تاکلوا فی صحافہا

فانہا لہم فی الدنیا و لکم

فی الذخيرة - لئے ہیں۔

جس طرح ان کا استعمال حرام ہے اسی طرح ان کا کھنا بھی حرام ہے اس سے پنے ہوئے چمچے، آئینہ، عطر دان، پاندان، خاصدان اور گھڑی وغیرہ چائے اور قہوے کی پیالی، سگریٹ کیس، حقہ کی ٹہنناں یہ سب ناجائز ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حلال ہے ان میں شکار اور ذبحے اور ان میں حلال و حرام سے جو جانور شکار کرنے کے قابل ہوں ان کا شکار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کو بے آرامی یا نقصان نہ ہو اور شکار کی غرض محض ہو و لعب (کھیل) نہ ہو کیونکہ ایسی صورتوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

شکار کی اجازت :- قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے :-

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ

(مائدہ - ۴)

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے واسطے کیا کیا حلال کیا ہے تو انہیں بتادو کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ وہ شکاری جانور جنہیں تم نے سدھا لیا ہے اور انہیں وہ کچھ سکھا رکھا ہے جو تمہیں اللہ نے سکھایا تو اگر وہ (سدھے ہوئے جانور) تمہارے لئے شکار کو دبوچ رکھیں تو وہ کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔

اسی طرح یہ ارشاد فرمایا ہے إِذَا خَلْتُم نَاصِطَادًا وَآرَجِبَ جِجَ سَ فَا رَعِ هُوَ جُكُو تُو شَكَارِ كَر سَكْتَنَ ہوں ان آیات سے شکار شدہ جانور کا حلال ہونا ثابت ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو ثعلبہ سے روایت موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایسی سرزمین میں ہوں جہاں شکار دستیاب ہیں میں اپنی کمان سے اور سدھائے ہوئے کتے سے اور بے سدھائے کتے سے شکار کیا کرتا ہوں کیا یہ باتیں ٹھیک ہیں، آپ نے فرمایا جو تم نے تیر سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے کر تیر چلایا تو اسے کھاؤ، اور جو سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے لیا تو وہ بھی کھاؤ اور بے سدھائے کتے سے جو شکار کیا تو اگر اسے ذبح کر سکے تو کھاؤ۔

امام مسلم نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رمیت بسھبک فاذکر اسم
اللہ فاذا وجدته میتافکل الا
ان تجده قد وقع فی السماء
فہات فانک لا تدری السماء
قتلہ اوسھبک۔

یعنی تیر چلانا ہو تو اللہ کا نام لے کر چلاؤ
اب اگر شکار مرجائے تب بھی کھا سکتے ہو
لیکن اگر وہ پانی میں جا پڑا اور مر گیا تو تمہیں
کیا معلوم کہ اُس کی موت پانی سے ہوئی
یا تمہارے تیر سے (یعنی پانی میں مرجانے
والا جانور کا کھانا جائز نہیں)

عدی بن حاتم نے دریافت کیا تھا کہ معراض سے شکار کرنے کا کیا حکم ہے، معراض ایسا تیر ہے جس کے دونوں پہلو دھار دار ہوتے ہیں اور بیچ سے موٹا ہوتا ہے، زخم پہلوؤں سے لگتا ہے توک سے نہیں لگتا تو آپ نے فرمایا:

اذا أصبت بحدیہ فکل و اذا
أصبت لعرضہ فلا تاكل
فانہ وقید۔

یعنی اگر شکار تیر کے پہلو سے زخمی ہو گیا تو
کھاؤ اور اگر درمیان سے ہو تو نہ کھاؤ کیونکہ
وہ وقید (چوٹ سے مارا ہوا) ہو جائے گا
جو حرام ہے۔ (بخاری و مسلم)

ان احادیث میں شکار کے متعلق اہم احکام ہیں:

اس بات میں سب کا اجماع ہے کہ شکار حلال ہے بشرطیکہ مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں :-
۱- جن جانوروں کا شکار حلال ہے ان میں ایک تو وہ ہیں جن کا کھانا حلال ہے دوسرے وہ جانور
ہیں جن کا کھانا حلال نہیں جیسے درندے تو ان کا شکار کرنا ان کے ضرر سے محفوظ رہنے کے
لئے حلال ہے، اسی طرح دانت اور بال یا کھال سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے بھی شکار
کرنا حلال ہے۔

۲- جو جانور فطری طور پر انسان سے غیر مانوس ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، جنگلی خرگوش وغیرہ
ایسے جانوروں کا شکار جائز ہے لیکن جو جانور انسان سے فطری طور پر یا مستقل طور پر مانوس
ہو جائیں تو ایسے حلال جانور بغیر ذبح کئے حلال نہیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی جانور بے قابو

ہو جائے اور قابو میں لانا دشوار ہو تو عقیر کر کے کھایا جاسکتا ہے، عقیر کے معنی یہ ہیں کہ تیر یا نیزے وغیرہ سے بدن کے کسی حصے کو زخمی کر دیا جائے کہ خون اس کے جسم سے بہ جائے اور اسی زخم سے ہلاک ہوا ہو اور عقیر کرنے وقت تذکیہ (ذبح کرنے) کی نیت رہی ہو۔ ایسے جانور جو پکڑے جاسکتے ہیں وہ شکار کے ذریعے حلال نہ ہوں گے جیسے مرغی، پالتویط، ہنس اور کبوتر بخلاف جنگلی کبوتر کے ان میں وحشت ہوتی ہے اور گرفت میں نہیں آتے لہذا ان کا شکار حلال ہے۔

۳۔ ایک شرط یہ ہے کہ اس جانور کا کوئی دوسرا شخص مالک نہ ہو۔ اس کا کوئی دوسرا مالک ہو تو شکار حرام ہے۔

۴۔ اگر شکار شدہ جانور زندہ ہاتھ آیا ہو تو بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا

شکاری سے متعلق شرائط
۱۔ مسلمان یا اہل کتاب کا مارا ہوا شکار حلال ہے۔ مجوسی بت پرست اسلام سے مرتد ہو جانے والا ذہریہ اور وہ شخص جو الہامی

کتابوں میں سے کسی کا پیروں نہ ہو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ اس جانور پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ پکارا گیا ہو دوسری یہ کہ وہ جانور اس کا اپنا مال ہو کسی دوسرے کا نہ ہو تیسری شرط یہ کہ وہ جانور ایسا ہو جو اہل کتاب کی شریعت میں بھی حلال ہو اور ہماری شریعت میں بھی۔ اگر وہ جانور ہماری شریعت میں حلال اور شکار کرنے والے اہل کتاب کے یہاں حرام ہو تو وہ شکار بھی حرام ہوگا جس طرح دوسرے حرام جانوروں کا شکار ہمارے لئے حرام ہے۔

۲۔ جن لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں ان کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار بھی حلال نہیں مثلاً نابالغ جو با شعور

ہو یا گل جو حالت جنون میں ہو، بدست جو مدہوش ہو، ہچڑا اور عورت اور بدکار انسان

۳۔ ذبح یا شکار کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو کسی اور کے نام لینے سے شکاری کا مارا ہوا شکار

حلال نہ ہوگا، اگر تیر چلانے اور شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہہ لیا تو اب اس سے

جو شکار بھی ہوگا وہ حلال ہوگا، اگر کوئی تیر اٹھا کر شکار کے لئے اللہ کا نام لیا لیکن اس تیر کو چھوڑ کر

وئی اور تیر بغیر اللہ کا نام لئے چلا دیا تو شکار حلال نہ ہوگا، بخلاف اس کے اگر ہاتھ میں چھری لیکر

ذبح کرنے کے لئے بسم اللہ کہا لیکن اُس چھری کو چھوڑ کر کسی اور چھری سے دوسری بار بسم اللہ کہے بغیر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا کیونکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام جانور پر لیا جاتا ہے اور شکار کے وقت اُس آلہ پر جس سے شکار کیا جاتا ہے۔

۴۔ شکاری کتے یا شکاری جانور کو شکار کے لئے چھوڑا گیا ہو خواہ شکاری نے خود چھوڑا ہو یا خادم کو چھوڑنے کا حکم دیا ہو، شکار کا حکم دینے والے کی نیت اور اللہ کا نام لینا کافی ہے لیکن اگر شکار کرنے والے یا ذبح کرنے والے نے جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ کی مثلاً کسی جانور کو کسی آلہ سے ضرب لگائی جس سے اُس کا گلہ زخمی ہو گیا اور وہ مر گیا تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ اس ضرب سے جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ تھی۔ بعض فقہاء کے نزدیک شکار کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے کسی معین جانور کو شکار کرنے کا ارادہ کیا ہو اب اگر نشانہ ٹھیک بیٹھے تو اُس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اگر نشانہ خطا ہو گیا اور جس پر نشانہ لگایا اُس کے بجائے اُس کے کسی ہم جنس کو لگ گیا تو اُس کا کھانا جائز ہے مثلاً بہرن کی ڈار پر تیر چلایا اور اُس سے کوئی بھی بہرن گھائل ہو گیا تو اُس کا کھانا حلال ہے کیونکہ ارادہ بہرن کو شکار کرنے کا تھا، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کسی خاص جانور کا ارادہ کیا اور کوئی دوسرا شکار ہو گیا۔ لیکن اگر نہ تو کسی متعین جانور کا ارادہ کیا اور نہ کسی جنس کا بلکہ دھار دار ہتھیار کسی جانور کے لگ گیا جس سے خون بہہ گیا یا ذبح ہو گیا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ ذبح کرنے کی نیت ہی سرے سے نہ تھی۔

آلات شکار کے شرائط شکار دو قسم کے آلات سے کیا جاتا ہے، پہلی قسم بے جان آلات کی ہے جیسے تیر، نیزہ، بلم، تلوار اور خنجر، دوسری قسم جاندار آلات کی ہے جس کی مثال شکاری جانور ہیں، کتا جسے شکار کرنے کے لئے سدھا یا گیا ہو یا شیر، تیندوا اور چیتا جس کو تربیت دیکر سدھا یا گیا ہو، اسی طرح شکار، باز، عقاب و شاہین۔

پہلی قسم کے آلات سے حلال شکار ہونے کی شرط یہ ہے کہ جانور آلے کی دھار یا نوک کے زخم سے مرا ہو لیکن اگر دھار یا نوک کے بجائے ان آلات کے دوسرے حصوں کی ضرب سے مرا اور اُسے زندہ پا کر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ مُردار ہے جیسے لکڑی ملاٹھی یا پتھر کی چوٹ کھا کر مر جائے تو وہ حلال نہ ہوگا۔

گولی یا چھترے کا زخم کھا کر اگر زندگی باقی رہ گئی اور اُسے ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو گیا۔ متاخرین فقہانے گولی سے مارا ہوا جانور حلال قرار دیا ہے کیونکہ گولی لگنے سے خون بہتا ہے۔ زخم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پھاڑنے والا ہو اگر سوراخ والا زخم ہو تب بھی صحیح ہے، گولی سے شکار کرنے میں یہ شبہ رہتا ہے کہ شکار کی موت زخم سے ہوئی ہے یا چوٹ سے، اگر یہ یقین ہو جائے کہ زخم کھا کر خون بہنے کے بعد موت ہوئی ہے تو حلال ہو گا ورنہ جب تک وہ فی الواقع زندہ ہاتھ نہ آئے اور اُسے حلال نہ کر لیا جائے اُس کا کھانا جائز نہ ہو گا۔ چھترے سے شکار کئے ہوئے جانور کا حکم بھی گولی سے شکار کئے گئے جانور کی طرح ہے۔

شکار کے حلال ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ شکار کے ہتھیار سے جانور کا کوئی عضو بدن زخمی ہو جائے اور وہاں سے خون بہے اور ایک شرط یہ ہے کہ اس شکار کا اُسی تیر یا کسی آلہ شکار سے مرنا ثابت ہو اور اس کی موت میں کسی اور سبب کو دخل نہ ہو مثلاً کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ زخمی ہو گیا لیکن کہیں ایسے پانی میں جا پڑا جہاں ڈوب کر مر جانے کا احتمال ہے، اب اگر وہ وہاں مردہ پایا گیا تو وہ حلال نہ ہو گا، کیونکہ مرنے کے بعد دو سبب ہو گئے، ایک ایسا تھا کہ اُس کا کھانا حلال ہے یعنی تیر کا زخم اور دوسرا سبب ایسا تھا جو حلت سے مانع ہے یعنی پانی میں ڈوب کر مرنا اب احتیاطاً اس سبب کو تریح دی جائے گی جو اس کے حلال ہونے سے مانع ہے۔

اگر شکار آلہ شکار سے ایسا زخمی ہوا کہ دو ٹکڑے ہو گیا تو اس کے تمام اجزا حلال ہیں لیکن اگر ایسا عضو کٹا کہ اس کے بغیر اس جانور کے زندہ رہنے کا امکان ہے مثلاً ہاتھ پیر یا ران۔ پھر اُسے ذبح کر لیا جائے تو اُس کا کھانا حلال ہے لیکن وہ عضو جو کٹ کر الگ ہو گیا ہے حرام ہو گا کیونکہ زندہ جانور سے جو حصہ جدا ہو جائے مردار ہوتا ہے۔ اگر کٹا ہوا حصہ بالکل علیحدہ نہ ہو اور گوشت کے ساتھ لٹکا ہوا ہو تو یہ وابستہ حصہ ذبیحہ کے حکم میں ہے۔

شکاری جانوروں کے ذریعے شکار کرنے کے شرائط یہ ہیں کہ شکاری جانور خود وہ منہ سے بھینٹ کر شکار کرتا ہو جیسے کتا چیتا وغیرہ یا بچوں سے شکار کرتا ہو جیسے باز، شاہین وغیرہ وہ سدھا لیا گیا ہو، قرآن میں تَجْلِيْهُنَّ كَالْفِطْرِ (جنہیں تم نے سکھایا ہو) اور ایسا سدھا لیا گیا ہو کہ وہ شکار کو دبوچ رکھے، قرآن میں ہے فَكُلُوا مِنَّمَا أَمْسَلْنَ عَلَيْكُمْ (پس کھاؤ جس کو تمہارے لئے پکڑ رکھا

ہے، جانور کا سدھا ہونا چار باتوں پر موقوف ہے (۱) اسے شکار پر چھوڑتے وقت اگر روکا جائے تو رک جائے (۲) جب شکار پر چھوڑا جائے تو شکار کرنے کے لئے تیار ہو جائے یعنی مالک کا اشارہ پاتے ہی جھپٹ پڑے (۳) شکار کو پکڑ کر مالک کے لئے روک رکھے۔ چھوڑے نہیں (۴) اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔

بینچوں سے شکار کرنے والے جانور کا سدھا ہونا ہونے کی پہچان یہ ہے کہ جس وقت اس کو شکار پر چھوڑا جائے تو وہ مالک کی اطاعت کرے اور جب واپس بلایا جائے تو واپس آجائے رہا شکار نہ کھانا تو یہ شرط شکاری پرندوں کے لئے لازم نہیں ہے لہذا شکاری پرندوں کا مارا ہوا شکار حلال ہے گو اس میں سے کچھ کھایا ہو اور شکار زخمی ہو لیکن گلا دبوچ کر مارا ہوا شکار مباح نہیں ہے۔ اگر شرائط مندرجہ بالا میں سے کوئی شرط شکاری جانور کے تربیت یافتہ ہونے کی نہ پائی گئی تو شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر زندہ ہاتھ آجائے اور اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا۔

حرام جانور جن کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو خواہ ہاتھ سے یا مٹھین سے، جو کسی چیز سے ٹکرا کر یا کسی ضرب سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو کسی دوسرے جانور سے لڑ کر یا اس کے سینگ مار دینے سے مرا ہو، جس کو کسی درندے نے مار ڈالا ہو اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

چند اور حرام چیزیں وہ تمام معاملے جن میں سود کی آمیزش ہو حرام ہیں، اس کی تفصیل الگ سے بیان ہوگی، اسی طرح جو اور اس کی تمام قسمیں حرام ہیں مثلاً بلاٹری، سٹہ بازی، پانسہ پھینکنا، شرط لگا کر مقابلہ کرنا، خرید و فروخت کا معاملہ ایسے وقت کرنا جب کہ مال موجود نہ ہو وہ تجارت جس میں دھوکہ یا فریب کو دخل ہو یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ ناچ گانا اور ناچنے گانے کا سامان، فلم سازی اور تصویر سازی جس میں رقص و سرود اور عورتوں کی نمائش ہو شریعت اسلامی میں منع ہے۔

ریشمی کپڑوں اور

وہ چیزیں جن کا استعمال حرام ہے لیکن خرید و فروخت حرام نہیں سونے چاندی

کا استعمال مردوں پر حرام ہے لیکن وہ عورتوں کے لئے ریشمی کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں

کو خرید اور بیچ سکتے ہیں، حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اور جربی حرام ہے مگر ہڈی، سینگ و ربال کی خرید و فروخت جائز ہے کیونکہ ان سے ایسی چیزیں بنائی جاتی ہیں جن کو سب استعمال کر سکتے ہیں، اسی طرح مردار کی کھال کو پکانے یعنی دباغت کرنے سے پہلے استعمال کرنا اور بیچنا جائز ہے لیکن اگر اسے پکایا جائے اور اس کے بعد فروخت کر دیا جائے تاکہ اس کے جوتے یا بکس وغیرہ بنائے جائیں تو جائز ہے مگر سور کی کوئی چیز کسی حال میں حلال نہیں ہے، اسی طرح مردار جانور کی چربی اگر کسی چیز پر لگانے کے کام میں لائی جائے تو بعض فقہاء کے نزدیک مباح ہے۔

اسپ دوانی اور تیر اندازی کے مقابلے گھوڑ دوڑ یا شتر دوانی یا تیر اندازی کے مقابلے جب جہاد اور علاقائی تحفظ کے لئے کرائے جائیں

وائمہ فقہ کے نزدیک یہ سنت طریقہ ہے، حدیث صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمرة (چھبرے بدن کے) گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ اسی طرح تمام ایسے مقابلے جن سے مقصد جسمانی ورزش اور قوت جہاد حاصل کرنا ہو روا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

”وَلَعِيدٌ وَاللَّهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ“ یعنی دشمنان دین سے مقابلے کی تیاری کے لئے جہاں تک ہو سکے اپنی طاقت بڑھاؤ۔

فقہاء کے نزدیک ایسے تمام مقابلے جو جنگی کارروائیوں میں کارآمد ہوں اور جن کی غرض مشق و طاقت کو بڑھانا ہو اور پھر نہ کسی کے لئے مضرت رساں ہوں اور نہ معاوضہ کی شرط ہو تو سب حلال ہیں اور اگر دل بہلانے اور کھیل کے لئے ہوں جیسے پانسہ پھینکنا اور شرطیج کھیلنا تو حرام ہیں۔

گھوڑ دوڑ شتر دوانی یا تیر اندازی پر انعام کی شرط لگانا اس صورت میں جائز ہے جب فریقین مقابلہ میں سے صرف ایک فریق یہ کہے کہ اگر تم سبقت لے گئے تو یہ انعام تم کو دوں گا اور اگر میں جیت گیا تو تم سے کچھ نہ لوں گا یا کوئی تیسرا شخص یوں کہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں جو بازی لے جائے گا میں اس کو اس قدر انعام عطا کروں گا مگر مقابلہ کرنے والوں میں ہر ایک کی طرف سے مال شرط پر لگایا جائے تو حلال نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جوا ہو جائے گا۔ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کے لئے یہ شرط ہے کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے گھوڑے کی رفتار سے بے خبر ہو اور یہ کہ معاوضہ یا انعام کوئی دیانت دار شخص مقرر کرے جو خود مقابلے میں حصہ لینے والا نہ ہو پھر اگر کسی شخص نے

جیتنے والے کے لئے کوئی انعام پیش کیا تو سبقت لے جانے والے کو اس کا لینا حلال ہے۔ اسی طرح اگر مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک نے یہ شرط لگائی کہ اگر فریق مقابل بازی لے جائے تو وہ اس قدر مال یا رقم اُسے دے گا لیکن دوسرے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی اور وہی مقابلہ جیت گیا تو معاوضہ لینا حلال ہوگا اور اگر معاوضہ دینے والا سبقت لے گیا تو اُسے کسی سے کچھ لینے کا حق نہیں ہے بلکہ اُسے رقم حاضرین میں تقسیم کر دینا ہوگی لیکن اگر دونوں میں سے ہر ایک نے معاوضہ دینے کی شرط کی کہ جو جیتے وہ لے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جوئے کی شکل ہے البتہ اگر دونوں نے شرط لگائی اور ایک تیسرا شخص اور شامل ہو گیا جس نے معاوضہ کی کوئی شرط نہیں کی تو یہ طریقہ جائز ہے بشرطیکہ یہ تیسرا شامل ہونے والا شخص اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی رفتار سے بے خبر ہو لیکن اگر اُسے اُن کی رفتار کا علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کا اپنا گھوڑا اُن دونوں گھوڑوں سے آگے جائے گا جنھوں نے شرط لگا رکھی ہے تو مسابقت کا عمل جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے "من ادخل فرساً بین فرسین وهو یعلم انه یسبقهما فهو قمار" (اگر کوئی دو مقابلے میں شریک ہونے والے گھوڑوں میں اپنا گھوڑا مقابلے کے لئے شامل کرے اور جانتا ہو کہ اُس کا گھوڑا اُن دونوں سے آگے جائے گا تو یہ جو ہے)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں دوڑ کے مقابلے کے لئے معاوضہ یا انعام مقرر کرنا درست ہے اور مقابلے کے فریقوں میں سے ہر ایک کو معاہدہ توڑ دینا روا ہے مگر دوڑ شروع ہوجانے کے بعد جب ایک کی برتری دوسرے پر نظر آئے لگے تو ہارتے ہوئے فریق کو معاہدہ توڑنا جائز نہ ہوگا البتہ برتری حاصل کرنے والا معاہدہ فسخ کر سکتا ہے۔ معاہدے کی صحت پانچ شرطوں پر موقوف ہے۔

۱۔ گھوڑ سواروں کا تعین ایک دوسرے کے سامنے کیا گیا ہو اور شروع سے آخر تک کوئی رد و بدل نہ ہو یہی بات تیر اندازوں کے لئے ضروری ہے۔

۲۔ گھوڑے باہم ایک نوع کے ہوں، اصیل (عربی) گھوڑے کا مقابلہ ہجین (دوغلی) گھوڑے کے ساتھ صحیح نہیں، اسی طرح عربی کمان (قوس نیل) کا مقابلہ فارسی کمان (قوس نشاب) سے صحیح نہیں۔

۳۔ مسافت اور منزل کی حد مقرر ہو یعنی دوڑ شروع ہونے اور ختم ہونے کے مقامات متعین ہوں اور دوڑ کی ابتدا ایک متعین لمحے سے کی جائے، اسی طرح تیر اندازی کے لئے فاصلہ

اور نشانہ متعین ہو۔

۴۔ معاوضہ جو مقرر کیا جائے وہ سب کو معلوم ہو یا آنکھوں کے سامنے ہو، اور ایک متعین شے ہو اور کوئی حرام شے نہ ہو جیسے سوریہ یا شراب۔

۵۔ جوئے سے مشابہت نہ ہو یعنی تمام شرکار کی طرف سے مال کی پیش کش شرط نہ ہو۔

وہ چیزیں جو حالات کی تبدیلی سے خالص ریشمی کپڑے پہننا مردوں کے لئے جائز جائز یا ناجائز ہو جاتی ہیں نہیں عورتوں کے لئے جائز ہے۔ چاندی سونے کی

بنی ہوئی چیزوں کا استعمال صرف عورتوں کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ زیور کی شکل میں ہوں ورنہ نہیں۔

اس لئے ان چیزوں کی خرید و فروخت حرام نہیں ہے۔ حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اور اس کی

چربی ہر حال میں حرام ہے لیکن اگر ان کی ہڈی، سینگ اور بالوں کا استعمال کیا جائے تو جائز ہے اسی

طرح مردار کی کھال کو پکالے (دباغت کرنے) سے پہلے استعمال کرنا ناجائز ہے لیکن دباغت کے

بعد استعمال کرنا جائز ہے اور ان سے بنی ہوئی چیزوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ مگر سور کی کوئی

چیز کسی حال میں حلال نہیں ہے مردار کی چربی کھانے کے علاوہ کسی دوسرے استعمال میں ضرورۃً لائی جاسکتی ہے۔

چند اصطلاحیں خرید و فروخت کے سلسلے میں جن الفاظ کا ذکر بار بار آئے گا ان کا مفہوم ذہن میں حاضر رہنا چاہیے مثلاً بیع، شراہ، ایجاب و قبول، بیع اور ثمن۔

(۱) بیع کے معنی بیچنے کے ہیں اور بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔

(۲) شراہ کے معنی خریدنے کے ہیں اور خریدنے والے کو مشتری کہتے ہیں۔

(۳) ایجاب و قبول۔ بیچنے اور خریدنے والے کے وہ الفاظ ہیں جن سے معاملہ طے پاتا ہے مثلاً

جب بائع نے کہا کہ یہ چیزیں نے اتنے میں بیچ دی تو یہ ہوا "ایجاب" اور مشتری نے کہا کہ

میں نے خرید لی تو یہ ہوا "قبول" دوسری صورت اس کی یہ ہے کہ خریدنے والے نے بیچنے والے

سے کہا کہ اس چیز کی اتنی قیمت لے لیجئے اور اس نے قیمت لے لی تو مشتری کا کہنا ایجاب ہوا

اور بائع کا لے لینا قبول ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بائع نے کوئی چیز دکھا کر قیمت بتائی

اور مشتری نے کہا مجھے منظور ہے تو ایجاب و قبول ہو گیا۔ لیکن اگر ایجاب و قبول کے الفاظ

صیغہ مستقبل میں بولے جائیں گے یعنی خریدوں گا یا بیچوں گا تو بیع صحیح نہ ہوگی۔

۴ مبیع۔ وہ چیز ہے جو بیچی جائے۔

۵۔ ثمن وہ رقم ہے جو مبیع کے بدلے میں دی جائے۔ ثمن اور قیمت میں تھوڑا فرق ہے۔ فریقین میں جو دام طے ہو جائیں وہ ثمن اور جو اُس کی اصلی قیمت ہو وہ قیمت کہلاتی ہے۔

تجارت

روزی کمانے کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ تجارت ہے، زراعت، صنعت اور دوسرے تمام ذریعے اس کے بعد ہیں، تجارت اگر صحیح طریقے سے ہو یعنی ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، خود غرضی اور بددیانتی وغیرہ سے پاک ہو تو زراعت و صنعت کی پیداوار بھی ملک کی خوش حالی میں اضافہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تجارت صحیح طریقے پر نہ ہو تو اُس کا اثر کمائی کے دوسرے ذریعوں پر بھی پڑتا ہے۔ چیزوں کی کمی اور گرانی ملک کی معیشت کو تباہ کرتی ہے اور عام بد حالی پھیل جاتی ہے۔ تجارت کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے ذرائع رزق کا ۱/۹ حصہ تجارت میں ہے، باقی ۱/۸ حصہ تجارت کے علاوہ دوسرے کمائی کے طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے تاجروں کی اصلاح کے لئے جو ہدایات دی ہیں وہ اخلاقی اور قانونی دونوں قسم کی ہیں جو بات ایمان، عقیدے اور عام انسانی قدروں کے خلاف ہوگی وہ اخلاقاً بھی ناپسندیدہ ہوگی اور آخرت میں قابلِ سزا ہوگی اور جو بات مقررہ قانون کے خلاف کی جائے گی اُس کی سزا دنیا میں مل جائے گی۔ اس کتاب میں قانونی احکام بیان کئے جا رہے ہیں لیکن چونکہ اُن کا تعلق ایمان و عقیدے سے جڑا ہوا ہے اس لئے اخلاقی ہدایات کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے قرآن نے باطل اور سحت کھانے کمانے والوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ایسے لوگوں کو ظالم کہا ہے۔ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی ارشادات موجود ہیں جن میں سے چند ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

”تاجر اپنی اور عام انسانوں کی عزت و آبرو کے محافظ اور زمین میں اللہ کے

امانت دار ہیں“

”سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوگا“
 ”اللہ اس شخص پر رحم کرے گا جو بیچنے خریدنے اور تقاضا کرنے میں نرم دل اور رحیم ہو“
 ”تمام تاجر قیامت کے دن بجز ان کے جو خدا سے ڈرتے اور لوگوں کے ساتھ نیکی و نرمی
 سے پیش آتے رہے، گنہگار اٹھیں گے“ یعنی جنہوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ وہ لوگوں کے
 لئے تکلیف و زحمت کا سبب بنے، گناہ گار قرار پائیں گے۔

”جھوٹ بول کر یاد دھوکہ دے کر جو تجارت کی جاتی ہے وہ بظاہر تو فائدہ بخش نظر آتی ہے
 مگر نتیجہ میں نقصان کا سبب ہوتی ہے“

”تجارت آپس کی رضامندی سے ہی صحیح ہو سکتی ہے“

اسلام نے ان ہی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر تجارت کی پوری عمارت کھڑی کی ہے۔ یہی وہ صاف ستھرا
 طریقہ ہے جو انسانوں کی بھلائی اور خوش حالی کا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ امام ابو حنیفہؒ
 کے مشہور شاگرد امام محمدؒ سے کسی نے کہا کہ آپ زہد و تقویٰ کے بارے میں کوئی کتاب کیوں نہیں تصنیف
 کر دیتے، اس پر انہوں نے جواب دیا ”صنعت کتاب البیوع“ (میں نے خرید و فروخت پر ایک
 کتاب تصنیف کر دی ہے) جس میں حلال ذریعے حصول رزق کے اختیار کرنے اور حرام طریقوں سے
 پرہیز کرنے کا ذکر ہے۔ زہد و تقویٰ اسی کو کہتے ہیں۔

تجارت یا بیع کی تعریف
 بیع۔ یا بیع و شرا، خرید و فروخت کے لئے بولا جاتا ہے، اسی کے
 لئے اسلامی شریعت میں تجارت کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے
 جس کے معنی ہیں فائدے کے لئے ایک چیز دوسری چیز کے مقابلے میں دینا یا لینا۔ لیکن اسلامی شریعت
 میں ایسی پسندیدہ چیزوں کو جو باطل اور حرام نہ ہوں باہمی رضامندی کے ساتھ آپس میں تبادلہ
 کرنے یا بیچنے اور خریدنے کا نام تجارت ہے۔ جو تجارت باطل اور حرام چیزوں میں یا ایسے ذرائع سے
 جو حلال نہ ہوں کی جائے گی باطل اور فاسد قرار پائے گی خواہ اس میں بہ ظاہر فائدہ ہی کیوں نہ نظر
 آتا ہو۔ حلال چیزوں اور حلال ذرائع سے کی گئی تجارت بھی باطل سمجھی جائے گی اگر تراضی ثابت نہ ہو،
 لہذا تجارت کا باطل و فاسد نہ ہونا اور باہمی رضامندی سے ہونا لازم ہے۔

باطل اور فاسد کی تعریفیں جو چیزیں اسلام نے قطعاً حرام قرار دی ہیں مثلاً شراب، سورا، گنا، مردار کا گوشت اور اُس کی چربی، رقص و سرود کا سامان

وغیرہ اور جن ذرائع سے کمائی کرنا حرام ٹھہرایا ہے۔ مثلاً سود اور جوئے کی تمام شکلیں۔ تو ایسی چیزوں کی اور ایسے ذریعوں سے ہر تجارت باطل ہوگی۔ یہی حال اُن چیزوں کی خرید و فروخت کا ہے جو نہ کسی کے قبضے میں آئی ہوں اور نہ ابھی اُن کا وجود ہوا ہو جیسے غلہ جو درختوں کی بالیوں میں ہو۔

فاسد تجارت کی مثال یہ ہے کہ مال بازار میں آیا نہ ہو اور تاجر اُس کا غائبانہ لین دین شروع کر دیں۔

بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کی رضامندی کو تراضی کہتے ہیں۔

تراضی کی تعریف

اس قید لگانے کا مقصد یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

نہ کسی پر ظلم ہونے کسی کا مال ناحق لیا جائے، ایسی تجارت جس میں کچھ لوگوں کا نفع متعین ہو اور کچھ کا غیر متعین

صحیح نہ ہوگی۔ وہ تجارت بھی ممنوع ہوگی جس میں عام آدمی حالات اور ضروریات سے مجبور ہو کر

ناپسندیدگی کے ساتھ چیز خریدے، مثلاً ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کی وجہ سے اشیاء کی

قلت اور گرانی ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی تاجر جھوٹ بول کر زیادہ دام لے لے تو بظاہر خریدار

رضامندی سے خرید رہا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ یہ علم ہونے پر کہ جھوٹ بول کر دام لے گئے

وہ انتہائی ناراض ہوگا، غرض یہ کہ دھوکہ، فریب، جھوٹ اور بے جا دباؤ کے جتنے کاروبار ہیں سب

عدم تراضی کی فہرست میں آتے ہیں۔

تجارت ایک معاہدہ ہے جو خریدنے والے اور بیچنے والے کے

تجارت کی حیثیت

درمیان طے پاتا ہے اور دونوں اُس کے پابند ہوتے ہیں جس

طرح کوئی معاہدہ دھوکہ فریب کے ساتھ اور فریقین کی رضامندی کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اسی

طرح خرید و فروخت کے معاہدے میں بھی اگر دھوکہ فریب ہو یا رضامندی نہ ہو تو وہ بھی مکمل اور

صحیح نہ ہوگا۔

خرید و فروخت کوئی چیز بھی بیچی یا مولی جائے چھ باتیں اس کام کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں:

(۱) بیچنے والا (۲) خریدنے والا (۳) چیز جو بیچی جا رہی ہے (۴) رقم یا

ماں جو چیز کے عوض دی جائے (۵) لہجہ اور (۶) قبول۔ ان ہی کو ارکان بیع کہتے ہیں۔ طریقہ

خرید و فروخت کا یہ ہے کہ خریدار اس چیز کو اچھی طرح دیکھ لے جسے وہ خرید رہا ہے اور بیچنے والا قیمت کو اچھی طرح طے کر لے اور پھر زبان سے اقرار کیا جائے یعنی بیچنے والا اپنی چیز کی قیمت بتا دے اور خریدنے والا اسے دیکھ کر ہاتھ میں لے کر کہہ دے کہ مجھے منظور ہے۔ یا خریدار کسی چیز کی قیمت خود لگا دے اور کہے کہ میں یہ چیز اس قیمت میں لوں گا اور بیچنے والا کہے کہ اچھا قیمت لائیے، دونوں صورتوں میں بیع درست ہوگی اور اس ایجاب و قبول کے بعد خریدار کو اس چیز کا خریدنا اور دوکاندار کو بیچنا ضروری ہے، اگر ان میں کوئی انکار کرے گا تو قانوناً انھیں اپنا قول و قرار پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اس قول و قرار کو شریعت میں ایجاب و قبول کہتے ہیں، اس کی شرط یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے موافق ہو یعنی چیز کی مقدار اس کا وصف قیمت کی شکل (نقد یا جنس) کا یکساں اظہار ہو اور حالت اور وقت بھی ایک ہو۔ لہذا جب بائع نے کہا کہ میں نے ایک گھر ایک ہزار میں بیچا اور مشتری نے کہا کہ میں نے یہ گھر پانچ سو میں لیا تو بیع نہیں ہوئی، اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں نے ایک ہزار چاندی کے روپوں میں بیچا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے ایک ہزار نوٹوں کے بدلے میں لیا تب بھی بیع نہیں ہوگی تا وقتیکہ ایک ہزار کے نوٹ ایک ہزار چاندی کے روپوں کے برابر نہ ہوں۔ یہ بھی شرط ہے کہ یہ بات چیت ایک نشست میں طے پا جائے جب تک خرید و فروخت کی بات چیت کا سلسلہ جاری ہو اس وقت تک دونوں کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر معاملہ طے ہو گیا تو پھر کسی کو اختیار نہیں ہے، ہاں بات چیت کے دوران دوسرا فریق اس جگہ سے اٹھ گیا یا کسی دوسرے کام میں اس طرح لگ گیا جس سے ظاہر ہو سودا کرنا نہیں چاہتا تو معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔ حنفی اور مالکی فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ جہاں گفتگو ہو رہی ہو جب تک وہاں سے چلے نہ جائیں اس وقت تک ایجاب و قبول کا اختیار باقی رہے گا خواہ گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ کیوں نہ گیا ہو۔ صرف اٹھ کھڑے ہونے سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ سودا کرنا نہیں چاہتے۔ اسے شریعت کی اصطلاح میں خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ جب بات چیت سے سودا ہو جائے تو اسے اسی وقت طے کر دیا جائے۔

جس طرح زبان سے رضامندی کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح تحریر سے بھی ہوتا ہے اگر وہ ایسی

قابل اطمینان شکل میں لکھی جائے کہ پھر جانبدار میں اختلاف نہ ہو۔

بیع تعاطی زبان سے قول و قرار کی جگہ اگر عمل سے بائع و مشتری کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو مثلاً،

جن چیزوں کی قیمت بازار میں معین ہے جیسے بعض قسم کے صابون یا پالش کی ڈبیا تو صرف اُس کی قیمت دے دینا ہی کافی ہے۔ کسی چیز کی قیمت کا تعین ہونا اور خریدار کا اس کو دے دینا اقرار اور رضامندی سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی چیز کسی دکان سے لے کر یہ کہا کہ اس کی اتنی قیمت لے لیجئے اور دکاندار نے وہ لے لی تو یہ بھی رضامندی ہوئی اور بیع ہو جائے گی یا دکاندار نے کسی ترکاری کی ڈھیریاں بنا رکھی ہوں اور ایک ڈھیری دس پیسے میں باک رہی ہو کوئی شخص دس پیسے دے کر ایک ڈھیری اٹھالے تو اگرچہ زبان سے دونوں نے کچھ نہ کہا پھر بھی بیع ہو جائے گی۔

سو دے اور قیمت کا بیان بچنے والی چیز کو بیع اور اُس کی قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔ بیع کے لئے چند باتوں کا ہونا اور چند باتوں کا نہ ہونا ضروری ہے:

بیع: (وہ چیز جو بیچی جائے) سامنے موجود ہونا چاہیے، اگر موجود نہ ہوگی تو اُس کا بیچنا صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے ہندوستان میں بیٹھے ہوئے امریکہ میں خریدے گئے کپڑے کا سودا کیا تو صحیح نہ ہوگا البتہ اگر اُسے اس شرط پر بیچا جائے کہ خریدار دیکھنے کے بعد آخری فیصلہ کرے گا تو اس کی اجازت ہے یا اُس مال کا نمونہ سامنے ہو اور اُس کے مطابق مال دینے کی شرط کر لی جائے تو معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جو چیز ابھی وجود میں نہ آئی ہو مثلاً وہ باغ جس میں ابھی پھل نہیں آیا یا جانور کا بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے تو ایسے پھل اور بچے کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی اسی طرح وہ چیز جو موجود تھی مگر کہیں کھو گئی تو اُسے نہیں بیچا جاسکتا۔

بیع یا تو بیچنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اس کو بیچنے کی اجازت دی ہو، تب ہی اُسے فروخت کیا جاسکے گا۔ تالاب یا دریا کا پانی یا اُس کی مچھلیاں، فضا میں اڑتے ہوئے کبوتر جنگل کی لکڑیاں یا اُس میں رہنے والے جانور اور میدان کی گھاس، یہ ایسی چیزیں ہیں جو اسلام میں کسی کی ملک نہیں ہیں لہذا ان کو بیچنے کا حق کسی کو نہیں ہے چاہے وہ بظاہر کسی کی ملکیت سمجھی جاتی رہی ہوں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پانی، گھاس اور آگ تمام انسانوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی جانور گم ہو گیا اور اُسے فروخت کر دیا گیا یا جنگل کے جانوروں کو فروخت کر دیا گیا تو بیع باطل ہوگی۔

ناپاک چیز یا ناپاک کرنے والی چیز کی بیع صحیح نہیں جیسے شراب اور سورہ۔ اسی طرح ان چیزوں کی بیع بھی صحیح نہیں جن سے شرعی طور پر کوئی نفع نہیں اٹھایا جاسکتا جیسے وہ حسنرات الارض جن سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

جنگل کی لکڑی، گھاس اور دریا
دریا کی مچھلی اور گھاس وغیرہ کی خرید و فروخت
کی مچھلی اور ان جیسی تمام چیزیں
اُس وقت تک بک سکتی ہیں جب ان پر محنت یا روپیہ صرف کیا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص محنت کر کے جنگل سے لکڑی کاٹ کر لایا یا پیسہ خرچ کر کے اور محنت کر کے گھاس لگائی یا دریا سے مچھلی پکڑی یا پکڑنے کے لئے کوئی تدبیر کی تو ان صورتوں میں وہ ان چیزوں کو بیع سکتا ہے۔

اگر کسی شخص یا حکومت نے دریا پر بند باندھا یا تالاب کا پانی باقی رکھنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا دریا سے ہنر نکال کر یا کسی مشین کے ذریعے اُس کا پانی باہر نکالا تو اس شخص یا حکومت کے لئے پانی کا بیچنا یا بیچنے کی اجازت دینا جائز ہے، اسی طرح زمین کے اندر کی معدنی اشیاء جب تک اُنھیں نکال نہ لیا جائے بھی نہیں جاسکتیں مثلاً بوا، تانبا، سونا، چاندی، گندھک، ابرک، کونلہ، پٹرول، مٹی کا تیل وغیرہ لیکن جب ان چیزوں کے دریافت کرنے اور اُنھیں نکالنے پر محنت اور دولت خرچ کی گئی ہو تو محنت کرنے والے اور روپیہ خرچ کرنے والے کی ملکیت تسلیم کی جاسکتی ہے۔

کسی شے کا ملک میں آنا مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ ابن ہمام نے
ملکیت کی تعریف فتح القدیر (جلد ۵ ص ۲۵۶) میں اس کی یہ تعریف کی ہے "الملك

هو قدرة يثبتها الشارع ابتداء على التصرف ملكية اُس تصرف پر قابو ہونے اور قدرت رکھنے کا نام ہے جس کا حق ابتداء شریعت نے دیا۔ فقہائے اس کی اور بھی تعریفیں کی ہیں۔ ان سب کی روشنی میں شیخ مصطفیٰ زرقان نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی" میں یہ جامع تعریف کی ہے، تصرف کی وہ خصوصیت جو کسی شخص کو شریعت کی اجازت سے اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مانع نہ ہو (المدخل الفقہی جلد ۱ ص ۲۲) حاجز سے مراد یہ ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اُس سے منتفع نہ ہو سکے۔ مانع کا مطلب ہے

تصرف سے روکنے والا۔ یعنی وہ تصرف کے لائق اور استعمال کے قابل ہو کوئی دوسرا شخص اس کو تصرف اور استعمال سے روکنے والا نہ ہو۔

ملکیت کی دو قسمیں ہیں (۱) ملک عین یعنی اصل شے پر تصرف کا اختیار (۲) ملک منفعت یعنی اصل چیز سے حاصل ہونے والے منافع پر تصرف کا اختیار۔ فقہائے احناف ملک اور مال میں یہی فرق کرتے ہیں۔ ملک کی تعریف یہ ہے کہ وہ چیز جس کا آدمی مالک ہو خواہ اُس متعین چیز کا یا اُس سے حاصل ہونے والی منفعت کا، اور مال کی تعریف ہے وہ چیز جس کا وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے خواہ اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاسکے یا نہ لے جایا جاسکے۔ گویا مال کا اطلاق صرف مادی چیز پر ہوتا ہے اور ملک میں مادی اور غیر مادی (یعنی نفع اندوزی) دونوں شامل ہیں۔

ملکیت میں آنے کی صورتیں کسی چیز کا مالک ہونے کی چار صورتیں ہیں اور ان چار ذریعوں سے ہی کوئی شخص مالک بنتا ہے۔

(۱) عقود: یعنی دو آدمی باہم معاہدہ کر کے ایک دوسرے کو اپنی اپنی چیز کا مالک بنا دیں اسی کی ایک قسم عقود جبر یہ ہے یعنی حکومت کسی شخص کو دوسرے شخص کی چیز کا مالک بنا دے، مثال کے طور پر مقروض کا مال قرض دینے والے کو دلا دینا یا ناجائز طور پر ذخیرہ کیا ہو اماں احتکار کرنے والے (ذخیرہ اندوز) سے لے کر بازار کے بھاؤ فروخت کر دینا۔ شفعہ کی صورت میں بھی ہمسایہ کو حق دلانے کے لئے یہی ہوتا ہے، اسی طرح عام رعایا کی بہبود کے لئے کسی کی ملک کو حکومت اپنے قبضے میں لے کر لگا دے جیسے اسکول یا مسجد یا راستے کے لئے کوئی زمین کسی کی ملک سے نکال لی جائے۔

(۲) احراز المباحات: یعنی وہ چیزیں جو پوری نسل انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہوں اور کسی شخص واحد کی ملکیت نہ ہوں اُن پر اگر کوئی اپنی محنت اور پیسہ لگا کر اُسے حاصل کر لے تو وہ چیز اُس کی ملک ہو جائے گی مثلاً بسندر کا پانی، مچھلیاں اور دوسری چیزیں جو سمندر میں ہوتی ہیں۔ جنگل کی گھاس، قضا میں اڑنے والے پرندے، ان چیزوں پر کسی کا مستقل اقتدار اور تسلط صحیح نہیں ہے لیکن جب محنت کر کے یا پیسہ خرچ کر کے کوئی شخص انہیں حاصل کر لے تو یہی چیزیں اُس

کی ملک ہو جائیں گی۔

(۳) خلفیت یعنی جانشینی۔ (۱) جانشین اور وارث بن کر مالک ہو جانا (۲) نقصان کا معاوضہ اور جرمانہ پا کر مالک ہو جانا۔ مقتول کے وارثوں کو دیت میں کوئی مال ملے تو وہ بھی اس کے مالک ہوں گے۔

۴م، اوپر لکھی تین صورتوں کا ذکر عام طور پر کیا جاتا ہے جو تھی صورت ملکیت کی جس کو فقہانے الگ سے بیان نہیں کیا ہے یہ ہے کہ جو چیز ملکیت سے طبعی طور پر پیدا ہو جیسے درخت سے پھل، جانوروں کے بچے، بکری کا دودھ، بھڑکے بال یہ بھی ملکیت اسی کی رہیں گی جو درختوں یا جانوروں کا مالک ہوگا۔

نمبر ۲ میں جو صورت ملکیت کی بیان کی گئی اس کے سوا وہ چیزیں کسی کی ملک نہ ہوں گی جن پر سب انسان قابو حاصل نہ کر سکیں لہذا سمندر پر فضا پر یا فضا کی چیزوں پر ملکیت کا دعویٰ کرنے والا انسان کے مشترکہ سرمایہ کا غاصب سمجھا جائے گا۔ بیع کے بارے میں باقی ضروری باتیں یہ ہیں: بیع کے تمام اوصاف خریدار کو بتادینا ضروری ہے مثلاً گھوڑوں اگر بیچا جا رہا ہے تو اس کی تفصیل سفید یا لال۔ موٹا یا پتلا اور اگر چاول ہے تو نیا یا پرانا۔ موٹا یا باریک۔ اسی طرح مکان اگر ہے تو اس کی پوری کیفیت، حیوب اور خوبیاں، زمین اگر ہے تو اس کی زرخیزی کی حیثیت، جانور کے محاسن و معائب۔ کپڑا ہے تو اس کی نوعیت اور کٹا پھٹا ہونے کی صورت میں اس کی وضاحت کر دینا چاہئے تاکہ خریدار کو شکایت نہ پیدا ہو، مثال کے طور پر اگر مکان ٹپکتا ہے۔ زمین شور یا بنجر ہے۔ جانور مارتا ہے۔ کپڑا دنوں سے رکھے رکھے کمزور ہو گیا ہے یا تھکان کے اندر کوئی حصہ کٹا پھٹا ہے، اگر یہ باتیں خریدار کو نہیں بتائی گئیں تو بیع فاسد ہو جائے گی اور خریدار کو حق ہوگا کہ مال واپس کر دے۔

اسی طرح جو صفت بتائی گئی ہو اگر چیز اس کے خلاف نکلی تو بھی بیع فاسد ہوگی مثلاً: کپڑے کا رنگ پختہ بتایا لیکن کچا نکلا۔ موتی سچے بتائے گئے لیکن جھوٹے نکلے۔ زیور سونے کا بتایا گیا لیکن ملمع نکلا، ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جن چیزوں کا مالک ہوں وہ سب بیچتا ہوں تو بھی بیع صحیح

نہ ہوگی، ملکیت کی وضاحت ہونا ضروری ہے، مجہول چیز کی بیع فاسد ہے۔

ناپاک چیز یا ناپاک کرنے والی چیز کی بیع صحیح نہ ہونے کا ذکر ہم کر چکے ہیں اسی طرح جو چیزیں اسلامی شریعت میں حرام ہیں وہ شرعاً مال قرار نہیں دی جائیں گی، اُن کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے، اگر وہ کسی مخصوص انسانی صنف کے لئے جائز قرار دی گئی ہوں تب ہی اُن کا کاروبار جائز ہوگا مثلاً، سونا، چاندی اور ریشمی کپڑے جو عورتوں کے لئے جائز مگر مردوں کے لئے حرام ہیں۔

وہ چیزیں جو بلا صراحت بیع میں داخل اگر کوئی شخص مکان بیچے تو اُس کے دروازے، ہو جاتی ہیں اور جو نہیں ہوتیں کھڑکیاں اور اُس میں جانے کا راستہ بھی بک گیا، اسی طرح باور چیخانے اور پاخانے وغیرہ کو بھی مکان کا جزو ہی مانا جائے گا۔ گائے یا بھینس جو دودھ دینے والی ہو یا اُس کے ساتھ دودھ پیتا بچہ ہو تو دودھ اور بچہ دونوں اُس کے ساتھ بک جائیں گے ہاں اگر بچہ دودھ نہ پیتا ہو تو وہ اُس میں داخل نہ ہوگا۔ قفل بیچے گا تو کئی بھی اُس کے ساتھ بک جائے گی۔ اگر زمین بیچے گا تو اُس پر اُگے ہوئے پڑ بھی بیع میں داخل سمجھے جائیں گے۔

خرید و فروخت کا معاہدہ ہو جانے کے بعد اور چیز خریدار کے قبضے میں آنے سے پہلے اگر اُس میں کچھ اضافہ ہو گیا تو وہ خریدار کا حق ہے مثلاً کسی نے باغ خرید لیا لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا تھا کہ پھل نمودار ہو گیا یا گا بھن جانور خرید اور ابھی اُسے لے نہیں گیا تھا کہ اُس نے بچہ دیدیا تو یہ سب خریدار کا حق ہے۔ بیچنے والا کا نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنا باغ بالکل بیچ دیا اور درختوں پر پھل تھا یا اپنا کھیت بیچ ڈالا جبکہ اُس پر فصل کھڑی تھی تو پھل اور فصل بائع کے ہیں، مشتری کو کوئی حق نہیں ہوگا، جب تک معاملہ کرتے وقت یہ صراحت نہ کر دی گئی ہو کہ پھل اور لگی ہوئی فصل بھی بیع میں شامل ہے۔ اسی طرح اگر مکان فروخت کیا تو وہ چیزیں جو مکان کا جزو نہیں ہیں مثلاً تخت، پلنگ، کرسی، میز اور گھر کا دوسرا سامان اُن پر خریدار کا کوئی حق نہیں ہے۔

خرید و فروخت میں جن باتوں کی آزادی ہے بازاروں میں عام طور پر تول کر، ناپ کر یا گن کر چیزیں فروخت

ہوتی ہیں، بیچنے والے کو یہ اختیار ہے کہ چاہے ان کو تول کر ناپ کر بیچے یا ان کے ڈھیر کو (اگر غلہ اور پھل ہو) اندازے سے فروخت کر دے، گن کر بیچے یا ٹوکری میں رکھ کر پوری ٹوکری بیچ دے لیکن اگر کوئی ٹوکری یہ کہہ کر بیچی گئی کہ اس میں اس قدر پھل ہیں اور اس کی یہ قیمت ہے تو اگر گننے سے تعداد کم نکلی تو خریدار کو اختیار ہوگا چاہے خریدے یا نہ خریدے لیکن اگر بتائی ہوئی تعداد سے زیادہ ہوئے تو وہ بیچنے والے کے ہوں گے۔

بیع اگر سامنے ہو جیسے غلے، ترکاری یا پھل کا ڈھیر اور بیچنے والے نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ڈھیر میں اتنے روپوں میں بیچتا ہوں تو یہ جائز ہے۔

درخت اور پودے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن میں پھول اور پھل آتے کا کوئی موسم متعین نہیں ہے، مثلاً: امرود، مہوا، بعض ترکاریاں اور پھولوں کے پودے۔ دوسرے وہ جن کے پھلنے کا وقت معلوم ہے مثلاً: آم، بیر، غلے کے پودے وغیرہ۔ اول الذکر قسم کے درختوں میں جب کچھ پھل آجائیں تو انھیں بیچا جاسکتا ہے لیکن دوسرے قسم کے درختوں میں جب آنے والے سب پھل ظاہر ہو جائیں چاہے وہ کھانے کے لائق نہ ہوں تو ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے مثال کے طور پر جب بیر درختوں میں چمکنے لگیں، آم میں کیریاں آجائیں، گیہوں میں بالیاں ظاہر ہو جائیں تو انھیں فروخت کیا جاسکتا ہے۔

مشترک زمین یا جائداد میں ہر حصہ دار کو اپنا حصہ فروخت کر دینے کا حق ہے خواہ وہ تقسیم ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ دوسرے شریکوں سے اجازت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو۔

ثمن وہ چیز کہلاتی ہے جو کسی مال کو خریدنے کے بدلے میں دی جائے یہ کبھی نقد رقم ہوتی ہے اور کبھی چیز کے بدلے میں دوسری چیز۔ جیسے ایک جانور کے بدلے میں دوسرا جانور یا ایک کپڑے کے بدلے میں دوسرا کپڑا۔ اس کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں ذرا سی بے احتیاطی سے خرید و فروخت کے معاملے میں سود کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ مفصل بیان سود کے ضمن میں آئے گا۔ یہاں چند باتیں اس بارے میں لکھی جا رہی ہیں:

۱۔ ثمن یعنی چیز کی قیمت فروخت کھل کر بتائی جائے اگر کسی نے مجمل بتائی تو بیع فاسد ہوگی۔ مثال کے طور پر کوئی کہے کہ اس بیگ میں یا اس ہاتھ میں جتنا روپیہ ہے اس کے بدلے میں فلاں

چیز مول لینا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دکاندار جس سے چیز خریدی جا رہی ہے اگر کہے ”چیز لے جائیے جو مناسب دام ہوں گے آپ سے لے لئے جائیں گے“ یا ”دام میں بعد کو بتاؤں گا“ یا ”جتنا فلاں دے وہی آپ بھی دے دیجئے گا“ یا ”آپ جو مناسب سمجھیں دیدیجئے“ یا فلاں صاحب جو دام لگا دیں گے وہی آپ کو بھی دینا ہوں گے۔ ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔ البتہ قیمت بتانے اور طے کرنے کے بعد اگر کہے کہ لے جائیے مہنچ کر لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کیجئے گا پھر اگر سوچ کر خریدار نے قیمت بھجوا دی تو بیع ہوگئی۔

۲۔ مقدار یا تعداد کی صراحت اُس وقت ضروری نہیں جب خریدی جانے والی چیز اور اُس کی قیمت سامنے موجود ہو۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ سامنے رکھی ہوئی رقم یا موجود غلے کے بدلے ہم یہ چیز بیچتے ہیں۔

۳۔ اگر خریدتے وقت قیمت نہ دی جائے مگر بائع کو بتا دیا جائے کہ ہم اتنے روپے میں یہ چیز خریدتے ہیں اور روپے بعد میں ادا کریں گے۔ تو یہ جائز ہے۔

۴۔ کوئی چیز خریدی لیکن قیمت ادا کرنے کے لئے چو مدت بتائی وہ مبہم تھی مثلاً ”بارش ہونے تک“ تو بیع فاسد ہوگی۔

۵۔ اگر خریدار کوئی چیز ادھار خریدے اور ادائیگی کی کوئی مدت نہ بتائے تو مدت ایک ماہ شمار ہوگی، ایک مہینہ ہوتے ہی قیمت ادا کر دینا چاہیے۔

۶۔ اگر کسی دکاندار کے یہاں سے سامان اتار ہوتا ہے اور مہینے میں حساب ہو جاتا ہے تو یہ صورت اسی وقت جائز ہے اگر قیمت مقرر کرنے میں کسی اختلاف کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اختلاف کا خوف ہو تو ناجائز ہے۔

۷۔ جس ملک میں جو سکہ رائج ہو۔ قیمت اُسی سکتے ہیں ادا کی جائے گی۔ مثلاً روپیہ خواہ نوٹ کی شکل ہو خواہ بندھے ایک روپے کی خواہ ایک روپیہ کی ریزگاری ہو البتہ اگر پہلے سے طے کر لیا گیا ہو کہ ریزگاری نہیں لی جائے گی تو اُس کے لینے سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی ملک میں کئی طرح کے سکتے رائج ہوں مثلاً ریاں، ڈالر، پونڈ جن کی قیمتوں میں فرق ہے تو بیع کرتے وقت اس کی تصریح ضروری ہے۔

۸۔ جو مال اُدھار بیچا جائے اُس میں مدت مقرر کر کے اکٹھا قیمت لینا اور قسط مقرر کر کے لینا دونوں درست ہے مگر مدت کا تعین ضرور ہونا چاہیے۔

بیع کا واقع ہونا جب بائع اور مشتری۔ ایجاب و قبول کے بعد چیز اور اُس کی قیمت طے کر لیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا تو پھر دونوں میں سے کسی کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ بائع کو بیچنا اور مشتری کو خریدنا ہی پڑے گا۔

معاملہ ہو چکنے کے بعد بائع نے کہا کہ بیع کل لے لیجئے گا یا مشتری نے کہا کہ میں کل قیمت ادا کروں گا اور چیز لے جاؤں گا تو یہ درست ہے۔ طے شدہ معاہدہ کی پابندی دونوں کریں گے۔ اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ گناہ گار ہوگا۔ یعنی دوسرے دن اگر چیز کا نرخ بڑھ یا گھٹ گیا ہو تو بھی یہ دونوں اسی معاہدے کے پابند رہیں گے جو طے ہو چکا ہے اور اسلامی حکومت قانوناً اسی کو نافذ کرے گی۔

بیع کا فسخ کرنا خریدار مال خریدنے کے بعد اُسے پھیرنا چاہے، یا دکاندار کسی وجہ سے وہ مال نہ دینا چاہے، ایسی صورتوں میں دونوں کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہوں۔ رضامندی کی صورت میں خریدار مال واپس کر سکتا ہے اور دکاندار قیمت۔ شریعت میں اس کو اقالہ کہتے ہیں۔

اگر خریدار نے مال کا کچھ حصہ استعمال کر لیا ہو یا دکاندار نے قیمت کا کوئی جز خرچ کر دیا ہو تو بھی استعمال شدہ حصے کی قیمت وضع کر لینے کے بعد پھیرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ بقیہ قیمت واپس لینے پر خریدار راضی ہو، اور باقی ماندہ مال واپس کر لینے پر دکاندار راضی ہو لیکن اگر اس پر وہ راضی نہ ہوں تو کوئی ایک دوسرے کو مال یا قیمت واپس لینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اگر خریدار نے پوری چیز استعمال کر لی تو اب اُس کی واپسی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا خواہ چیز پسند آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اچھی رہی ہو یا خراب ہو گئی کیونکہ جب وہ چیز ہی نہیں ہے تو واپسی بھی نہیں ہو سکتی۔

قیمت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اگر وہ خرچ کر دی گئی ہے تو روپیہ کے بدلے دوسرا روپیہ دیا جاسکتا ہے اس لئے اگر بائع چیز کو واپس لینے پر راضی ہو تو قیمت کے خرچ ہو جانے کا عذر صحیح نہیں ہے البتہ یہ اختیار ہے کہ خریدار کی رضامندی سے قیمت بعد میں ادا کرے۔

اقالہ لغتی واپسی کی شرطیں (۱) بیع کی واپسی اصل قیمت سے زیادہ پر نہ ہونی چاہیے۔
 (۲) اگر دکاندار نے بازار کے بھاؤ سے قیمت زیادہ لی ہے تو
 اُس کو واپس کرنا ضروری ہے (۳) اگر مشتری نے اُس میں کوئی اضافہ یا عیب پیدا کر دیا ہے تو
 اقالہ نہیں ہو سکتا۔

بیع یا ٹمن واپس کرنے کی دوسری صورتیں معاملہ طے ہونے سے پہلے جو اختیار
 رد و قبول کا فریقین کو رہتا ہے اُسے
 خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد مال کو واپس کر کے قیمت پھر لینے
 کی سات صورتیں ہیں: خیار شرط، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعین، خیار رویت، خیار عیب،
 خیار غبن ان سب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

خیار شرط خرید و فروخت کا معاملہ طے کرنے کے بعد خریدار یہ شرط لگا دے کہ میں دو یا تین
 دن میں بتاؤں گا کہ میں اس کو لیتا ہوں یا نہیں یا یہ کہ میں اس چیز کو گھر میں دکھانے
 کے بعد بتاؤں گا، یا بالتح یہ شرط لگا دے کہ میں خریدار کی پسندیدہ چیز کو بیچ ڈالنے کا فیصلہ دو یا
 تین دن کے بعد کروں گا تو دونوں کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد واپسی کا اختیار ہے اس کو
 خیار شرط کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھنا چاہئیں:

(۱) خیار شرط کی مدت کی تعیین ضروری ہے کہ کتنے دن میں لینے یا نہ لینے کا جواب دے گا اگر
 وہ مدت گزر جائے گی تو واپسی کا اختیار نہیں رہے گا ہاں اگر بالتح خوشی سے واپس کر لے تو جائز
 ہے۔ (۲) اگر خریدار نے گھر لے جا کر وہ چیز استعمال کر لی تو اُس کی واپسی کا اختیار باقی نہیں
 رہے گا الا یہ کہ وہ چیز ایسی ہو جس کو استعمال کرنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہو مثلاً: گھڑی
 جس سے صحیح وقت دینے کا اندازہ استعمال کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ موٹر، سائیکل یا گھوڑا جس
 کی رفتار کا اندازہ استعمال کر کے ہی کیا جاسکتا ہے یا دودھ کا جانور جس کے دودھ کا اندازہ
 دوہنے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے تو ان صورتوں میں مقررہ مدت کے اندر ان چیزوں کا استعمال
 کرنے کا حق ہے کیونکہ ان چیزوں کی اچھائی بُرائی بغیر استعمال کے نہیں معلوم کی جاسکتی۔ لیکن
 اگر استعمال کرنے سے کوئی خرابی اس چیز میں واقع ہو جائے تو پھر واپسی کا حق نہ ہوگا اور خریدار کو

قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

خیار شرط کی مدت کے دوران بائع یا مشتری میں سے اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو ان کے وارثوں کو اُس شرط کے توڑنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ بائع کی موت ہو جائے تو مشتری کو وہ چیز لینا ہی پڑے گی، اگر مشتری وفات پا جائے تو بائع کو اُس کی قیمت لینے کا حق ہوگا۔ مشتری کے وارثوں کو چیز واپس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ (ہدایہ باب خیار الشرط)

اگر خیار شرط بائع کی طرف سے ہے تو مال اسی کی ملکیت سمجھا جائے گا، اگر اس مدت میں وہ مال مشتری سے ضائع ہو گیا تو اُسے اُس کی اصل قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اگر خیار مشتری کی طرف سے ہے اور قبضہ کے بعد اس مدت میں مال ضائع ہو گیا تو مشتری کو ثمن یعنی طے شدہ رقم دینا ہوگی۔

خیار وصف بیع کی جو تعریف یا اس کے جو اوصاف بوقت خریداری بتائے گئے ہوں اگر وہ اُس کے مطابق نہیں پائی گئی تو خریدار کو اُس کی واپسی کا حق ہے بشرطیکہ اُس نے اُس چیز کو استعمال نہ کیا ہو، استعمال کر لینے کی تفصیل جو خیار شرط میں بیان کی گئی ہے وہی یہاں بھی معتبر ہوگی۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا ایجنٹ کے ذریعے خریدی ہوئی چیزوں کو اگر وہ اُس نمونے کے مطابق نہ ہوں جو ایجنٹ نے دکھایا تھا۔ لیکن اگر وہ چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دی تو اُس کا حکم وہی ہے جو استعمال کر لیے جانے کا ہے۔ خیار وصف کی صورت میں اگر خریدار کا انتقال ہو جائے تو اُس کے وارثوں کو واپسی کا حق باقی رہے گا۔

خیار رویت بے دیکھے اگر کوئی شخص چیز خرید لے تو دیکھنے کے بعد اُسے خریدنے یا نہ خریدنے کا حق باقی رہے گا۔ خیار رویت کا حق بیچنے والے کو نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی شخص نے مالیت کی کوئی چیز یا جائیداد کسی دوسرے شہر میں حاصل کی یا ورثہ میں پائی اور اُسے دیکھنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب اُس کو دیکھنے کے بعد واپسی کا حق نہیں چاہے اُس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، یہ اس لئے کہ چیز اُس کی ملکیت میں تھی اور وہ اُسے دیکھ سکتا تھا بخلاف خریدار کے جس کو خریدنے کے بعد دیکھنے کا اختیار ملا۔ خریدار اگر کسی دوسرے ملک سے کوئی مال منگالے اور دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو اُسے لینے یا نہ لینے کا حق حاصل ہوگا اور یہی حق اُسے کسی دوسری جگہ مکان خریدنے کی صورت میں رہے گا۔

خیار رویت کے سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

۱- کسی چیز کا نمونہ دیکھ لینے کے بعد بیع کا معاملہ طے پا گیا تو واپسی کا حق نہیں ہے الا یہ کہ مال نمونے کے مطابق نہ ہو تو اسی صورت میں واپسی ہو سکتی ہے۔

۲- جہاں کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر اسی جیسی چیزوں کا اندازہ نہ ہو سکے مثلاً ایک بکری دکھا کر سو بکریوں کا معاملہ کرنا، ایک بیل دکھا کر چار بیلوں کا معاملہ کرنا یا ایک پھل دکھا کر پوری ایک گاڑی پھلوں کا معاملہ کرنا تو ان سب میں خریدار کو خیار رویت کا حق رہے گا کیونکہ ان چیزوں میں یکسانی نہیں ہوتی۔

۳- کھانے پینے والی چیزوں کے خریدنے میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ چکھنے کا بھی اختیار ہے بشرطیکہ چیز خراب نہ ہو جائے اور بائع کو اطلاع ہو کہ چیز چکھی جائے گی اگر بائع راضی ہو تو چکھنے کے بعد خریدار اُسے واپس کر سکتا ہے لیکن اگر راضی نہیں ہو تو چکھنے کا حق بھی نہیں ہے اور نہ اُس کو خریدار مجبور کر سکتا ہے۔ بعض چیزیں سر بند ڈبوں میں ہوتی ہیں مثلاً جلی وغیرہ جن کے کھل جانے کے بعد قیمت گھٹ جاتی ہے اور خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے، لیکن معمولی پھل وغیرہ چکھنے میں یہ بات نہیں ہے۔ اس لئے اُسے چکھنے کی اجازت ہے۔ اگر گہوں یا آٹا خریدار اور پکانے پر وہ خراب نکلا تو اُسے واپس کرنے کا حق خریدار کو ہے اور استعمال شدہ کی قیمت وضع کر لینے کا حق بائع کو ہے۔

۴- اگر چیز کو دیکھنے کے بعد خریدار نے معاملہ کیا تو پھر خیار رویت کا حق باقی نہیں رہتا البتہ اگر دیکھنے اور معاملہ کرنے کی درمیانی مدت میں کوئی خرابی آگئی مثلاً بارش آگئی یا دفعتاً کوئی حادثہ ایسا پیش آگیا جس سے مال خراب ہو گیا تو اس کو واپس کرنے کا حق ہے۔

۵- اگر مال کو خریدنے والا کسی دوسرے شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر خریداری کے لئے بھیجے اور وہ مال کو دیکھ کر خرید لائے تو اصل خریدار کو واپسی کا حق نہیں ہے لیکن اگر اس نے یہ صراحت کر دی ہو کہ میں اس نمائندے کو محض مال کو اٹھوانے یا بحفاظت پیک کر دینے کے لئے بھیج رہا ہوں تو اصل خریدار کو دیکھنے کے بعد واپس کرنے کا اختیار باقی رہے گا۔

۶- اگر زیادہ مقدار میں خریدی ہوئی چیز خریدار استعمال کرنا یا فروخت کرنا شروع کر دے تو

پھر واپسی کا حق نہیں ہے البتہ اگر شروع میں ہی اُس کی خرابی معلوم ہو گئی یا اُس کا تھوڑا سا حصہ فروخت کرتے ہی اُس کے خرید لے والے نے خرابی کی شکایت کی تو پھر اُسے مال واپس کر دینے کا حق ہے۔

۷۔ اگر کوئی اندھا ہو اور وہ اپنے ہاتھ سے چھو کر، چکھ کر، سونگھ کر یا دوسرے سے پوچھ کر کوئی چیز خرید لے تو اُسے خیار رویت کا حق باقی نہیں رہے گا۔

ان تمام صورتوں میں جن میں خریدار کو خیار رویت کا حق ہوتا ہے اگر مدتِ خیار میں مشتری کا انتقال ہو جائے تو اُس کے وارثین کو وہ حق نہیں پہنچتا۔ معاملہ طے شدہ ہی سمجھا جائے گا۔

عیب ایسی خامی، کمی یا نقصان کو کہتے ہیں جس سے چیز کی قیمت گر جاتی ہے۔

خیار عیب

عیب دار چیز کو بغیر اُس کا عیب ظاہر کئے بیچنا اب ہی حرام ہے جیسے خراب

نوٹ یا کھوٹا روپیہ قیمت میں دینا اور ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہوگا اور ایسی خرید و فروخت باطل ہوگی۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلہ بیچنے والے کے پاس تشریف لائے اور غلہ کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو کچھ نمی محسوس ہوئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا بارش سے یہ غلہ بھیگ گیا تھا، آپ نے فرمایا بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کر دو تا کہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں پھر فرمایا جس نے دھوکے سے کوئی چیز فروخت کی وہ میری امت سے نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں یاد رکھنے کی ہیں:

۱۔ بائع نے کوئی چیز اُسی قیمت پر بیچی جس پر وہ صحیح حالت میں بک سکتی تھی۔ اب اگر اُس

میں عیب نکلا تو خریدار کو واپس کر دینے کا حق ہے۔ البتہ اگر بائع اپنی خوشی سے قیمت کم

کر دے اور خریدار اُس عیب دار چیز کو لینے پر راضی ہو جائے تو اس کا اختیار ہے۔

۲۔ اگر بائع نے عیب خود بتا دیا اور اس کے باوجود خریدار نے اُسے خرید لیا تو اب اُس

کو واپسی کا حق نہیں رہا۔

۳۔ عیب اور نقص جو بائع کے گھر یا دکان پر پیدا ہوا ہو اُسی چیز کو واپس کرنے کا حق خریدار

کو ہوگا لیکن اگر عیب خریدار کے پاس آکر واقع ہوا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے اسی طرح

ایک چیز جس میں بائع کے یہاں عیب پیدا ہو چکا تھا، خریدار کے یہاں پہنچ کر دوسرا

عیب پیدا ہو گیا تو اس صورت میں بھی اُس کو واپسی کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کپڑا خریدا وہ کچھ کٹا ہوا تھا، گھر میں آنے کے بعد اُس پر پان کارنگ پڑ گیا، روشنائی گر گئی یا جو ہے نے کاٹ لیا تو یہ دوسرا عیب پیدا ہو جانے کی وجہ سے واپسی کا حق نہیں رہا، البتہ پہلے عیب کے بعد قیمت کم کرانے کا حق ہے، قیمت کا تعین اس پیشے کے ماہر یا خرید و فروخت کرنے والوں سے کرنا چاہیے، اگر بائع دوسرے عیب کے باوجود واپس لے لے تو اُس کی شرافت ہے مگر خریدار کو ایسی شرافت اور مروت سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیے جس میں نقصان پہنچ رہا ہو۔

۴۔ بائع نے کوئی چیز یہ کہہ کر فروخت کی کہ ظاہری طور پر اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور خریدار نے بھی اُسے دیکھ بھال کر لیا تو اب خیار عیب کا حق باقی نہیں۔ لیکن اگر خریدار نے دیکھ بھال کر نہیں لیا تو اُسے واپسی کا حق باقی ہے۔

۵۔ عیب پر خبر ہوتے ہی چیز کو واپس کر دینا چاہیے اور استعمال نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر اس کے بعد بھی اُسے استعمال کر لیا تو پھر واپسی کا حق نہیں رہا۔ البتہ جن چیزوں کا عیب کھوڑا استعمال کرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً جوتے کو پیر میں ڈال کر، سوئٹر کو پہن کر، گھڑی اور فاؤنٹین پن کو چلا کر سائیکل، موٹر کار یا سواری کے جانور پر سواری لیکر ہی حسن و فلاح کا پتہ چل سکتا ہے تو ان چیزوں کے مختصر استعمال کے بعد اگر عیب پایا جائے تو واپسی کا حق ہے لیکن اگر کئی دن استعمال کر لیا تو یہ حق جاتا رہا اور جن چیزوں کا سقم بغیر استعمال کے ہی معلوم ہو سکتا ہے اگر اُن کو استعمال کر لیا، کپڑے کو رنگ لیا، زمین میں درخت بو دیا تو یہ سب باتیں خیار عیب کے حق کو ختم کر دیتی ہیں۔

۶۔ کوئی چیز بڑی مقدار یا تعداد میں خرید کی مثلاً غلہ یا پھل۔ پھر دیکھا کہ اُس میں کچھ خراب ہے اور کچھ اچھا ہے تو خریدار کو یہ حق نہیں ہے کہ اچھا رکھ لے اور خراب واپس کر دے۔ بلکہ یا تو پورا لے لے یا پورا واپس کر دے، چھانٹ کر لینے کا حق اس وقت ہے جب بیچنے والا ہنسی خوشی اس پر راضی ہو۔

۷۔ غلے میں اگر تھوڑا گرد وغبار ہو یا کسی دوسرے غلے کی بہت معمولی سی ملاوٹ ہو یا کچھ کنکری نکل آئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، عرف عام میں جتنا گرد وغبار غلوں میں رہا کرتا ہے یا دوسرے اناج کی ملاوٹ رہتی ہے تو وہ عیب شمار نہیں ہوگا لیکن اگر ایک من میں تین چار سیر گرد وغبار یا ملاوٹ نکلے تو یہ عیب ہے اور واپسی کا حق ہے۔

اسی طرح ایک سیر بادام یا چار درجن انڈوں میں دو چار خراب نکل جائیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا البتہ اگر زیادہ خراب نکلیں تو ان کی قیمت خریدار کو واپس لینے کا حق ہے۔

۸۔ ایسی ترکاریاں یا پھل جن کے اچھے یا خراب ہونے کا پتہ کاٹنے کے بعد ہی چل سکتا ہے اگر سب بیکار اور پھینک دینے کے قابل نکلیں تو خریدار کو قیمت واپس لینے کا حق ہے، اگر کھانے کے قابل نہ ہوں مگر کسی دوسرے کام میں آجائیں تو ان کی قیمت کم کرانے کا حق ہے، مثال کے طور پر خر بوزہ یا لوکی یا لکڑی خریدی جب کاٹ کر دیکھا تو کھانے کے قابل نہ پایا، ایسی صورت میں واپس کرنے اور قیمت لوٹانے کا حق ہے، اگر خود نہیں کھایا اور کسی جانور کو کھلا دیا تو قیمت کم کرنے کا حق ہے یا اگر دودھ صاف ستھرے برتن میں لیا اور پھٹ گیا پھر اگر وہ استعمال کے قابل تھا تو قیمت کم کرائی جاسکتی ہے اور اگر پھینک دینے کے قابل تھا تو پوری قیمت واپس لینے کا حق ہے۔

خیار تعین بائع نے کئی قسم کا مال قیمت بتا کر دیدیا کہ جو اس میں سے پسند ہو لے لیجئے تو بیع صحیح ہوگی اور مقررہ مدت کے اندر مشتری کو پسندیدہ چیز کا تعین کر لینا ضروری ہوگا۔

خیار غبن بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی کو شدید قسم کا دھوکا دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں دونوں کو مال یا قیمت واپس کر دینے کا حق ہے مثلاً کسی نے سونے کے زیور خریدے لیکن وہ سونے کے نہ تھے ان پر سونے کا ملمع تھا یا جو روپے کسی مال کے معاوضے میں دیئے گئے وہ کھوٹے تھے یا جعلی۔ دونوں صورتوں میں بیع فسخ کرنے کا حق فریقین کو ہے۔

خیار نقد خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جائے لیکن قیمت ادا نہیں کی گئی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اگر قیمت فوراً دینے کا وعدہ تھا تو جب تک خریدار قیمت ادا

نہ کر دے بائع کو اپنی چیز اپنے پاس روکے رکھنے کا حق ہے (۲) اگر معاملہ اُدھار طے ہوا تھا اور خریدار مال اپنے گھر لے گیا تو بائع کو اپنی چیز واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار خود واپس کر دے تو اور بات ہے ورنہ اُس کی حیثیت مقروض کی ہوگی اور بائع قرض خواہ کی حیثیت میں ہوگا، اور جس طرح مقروض سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے اُسی طرح وصول کیا جائے گا۔

بائع اور مشتری کے لئے شرائط بائع اور مشتری دونوں کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک ان دونوں میں سے بچہ ہے تو بیع

صحیح نہیں ہوگی۔ اسی طرح مجنون اور فاقر العقل کی بیع بھی معتبر نہ ہوگی البتہ اگر بچہ سمجھ دار ہے اور فاقر العقل خرید و فروخت کو سمجھتا ہے اور دونوں اس قابل ہیں کہ گفتگو سمجھ سکتے اور صحیح جواب دے سکتے ہیں تو خرید و فروخت تو صحیح ہو جائے گی مگر اُس پر عمل ولی کی اجازت سے ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بائع یا مشتری خود مختار ہوں ان پر کوئی جبر یا دباؤ نہ ڈالا گیا ہو۔ کیونکہ جبر کی صورت میں تراضی باقی نہیں رہتی اس لئے خرید و فروخت کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا۔ خریدار قیمت ادا کرنے سے پہلے بیع پر قبضہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ قیمت دیدنے کے بعد ہی مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر کوئی زمین فروخت کی جس میں فصل کھڑی ہے یا باغ بیجا جس میں پھل لگا ہوا ہے تو زمین کو خالی کر دینا اور پھلوں کو توڑ لینا ضروری ہے ورنہ بیع صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ مشتری فصل کٹ جانے یا پھل پک جانے تک کی اجازت دیدے مگر بیع کے وقت یہ شرط نہ ہونا چاہیے ورنہ بیع فاسد ہوگی۔ بائع مشتری کو بیع پر قبضہ دلا سکتا ہو۔ یعنی چیز نہ تو کہیں رہن ہو نہ اُس میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ رہن ہونا یا کسی دوسرے کی شرکت ہونا دونوں قبضہ دلانے میں مانع اور مزاحم ہیں۔ بیچی ہوئی چیز خریدار کے حوالے اس طرح کی جائے کہ قبضہ کرنے میں کوئی مانع نہ ہو۔ کسی ہندوستانی تاجر نے مصر یا امریکہ میں اپنا کوئی مال بیجا اور خریدار کے حوالے کر دیا تو بیع ہو گئی اب اگر خریدار ہندوستان کا رہنے والا ہو یا چین و جاپان کا تو بائع پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ مال کو چین، جاپان یا ہندوستان میں لا کر اس کے پاس پہنچائے۔ یہ خریدار کی ذمہ داری ہے کہ جب اُس نے رضامندی سے خرید لیا ہے تو وہ جہاں چاہے لے جائے لیکن

اگر خریدار نے یہ شرط لگا دی تھی کہ یہ مال ہم فلاں جگہ لیں گے تو بائع کو شرط کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا۔

اگر بائع نے ایسا مال بیچا جو سامنے نہ تھا اور یہ بھی نہیں بتایا کہ مال کہاں رکھا ہے۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کو معلوم ہوا کہ مال ایسی جگہ ہے جہاں سے لانا خطرے کا سبب ہے یا بہت خرچ آئے گا تو وہ عفتدیر کو ختم کر سکتا ہے۔

اگر معاملہ طے ہو گیا لیکن قیمت خریدار نے ابھی ادا نہیں کی تو جب تک بائع اجازت نہ دے اُس کو چیز اٹھانے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اٹھالیا اور چیزیں کوئی خرابی آگئی تو اب اس کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کو قیمت دینا پڑے گی لیکن اگر خریدار کے ہاتھ میں آنے سے پہلے چیزیں خرابی آگئی تو اس کا نقصان بائع کو برداشت کرنا ہوگا مثلاً شیشے یا چینی کے برتن خریدنے کے بعد قیمت ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی برتن ٹوٹ جائے تو خریدار پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اُس نے پسند کر کے اٹھالیا یا اپنے سامنے رکھ لیا اور پھر وہ کسی طرح گر کر ٹوٹ گیا تو خریدار پر قیمت ادا کرنا ضروری ہو گیا۔

معاملہ طے ہو جانے کے بعد اگر قیمت ادا کرنے سے پہلے مشتری کو یا چیز حوالہ کرنے سے پہلے بائع کو موت آگئی تو بائع کو قیمت لینے کا اور مشتری کو بیع لے لینے کا حق ہوگا۔ مثلاً خریدار نے کسی دکان سے دو سو روپے کا غلہ خریدا لیکن قیمت ادا کرنے سے پہلے اجل آگئی تو بائع کو قیمت لینے کا حق ہے، متوفی کے قرض خواہ قیمت کی ادائیگی کو روک نہیں سکتے، اسی طرح اگر بائع نے قیمت تو لے لی تھی مگر غلہ حوالہ نہیں کیا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا تو خریدار کو غلہ اٹھالینے کا حق ہے، اگر کوئی قرض خواہ اس غلے کو اپنے قرض میں لینا چاہے تو اُسے حق نہیں کہ وہ مشتری کو غلہ اٹھانے سے روک دے۔

اگر بائع نے کوئی چیز مشتری کو بخوشی زیادہ دیدی یا مشتری نے قیمت کچھ زیادہ دے دی تو معاملہ طے ہو جانے کے بعد کسی کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً ایک دکاندار چار آنے میں دو درجن بٹن بیچتا ہے اور اُس نے کسی کو اپنی خوشی یا رعایت سے ڈھائی درجن چار آنے میں دیدیے تو اب اُس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، اسی طرح اگر خریدار نے بخوشی چار آنے سے

بڑھا کر ساڑھے چار آنے قیمت دے دی تو اُس کو بھی واپسی کا حق نہیں ہے البتہ اگر غلطی سے دونوں نے زیادہ دے دیا تو واپسی کا حق باقی رہے گا۔

قیمت کی ادائیگی اور بیع کے اخراجات
دست بدست خرید و فروخت میں آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کچھ خرچ نہیں ہوتا لیکن کوئی بڑی یا زیادہ چیز خریدی جائے یا کوئی بھی چیز باہر سے منگائی جائے یا تبادلہ کیا جائے تو ڈاک یا بار برداری کا بھی خرچ ہوتا ہے ان کے اخراجات کے بارے میں اسلامی شریعت نے یہ ہدایات دی ہیں:

۱۔ قیمت کی ادائیگی کے سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے وہ خریدار کے ذمے ہوں گے مثلاً منی آرڈر اور بیمہ وغیرہ کا خرچ۔

۲۔ بیع نامہ لکھنے اور دستاویز کی رجسٹری وغیرہ کے اخراجات خریدار کو دینا پڑیں گے۔

۳۔ بیع یعنی بیچی ہوئی چیز خریدار کے حوالے کرنے میں جو خرچ تولتے ناپنے وغیرہ پر آئے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا، جائداد بیچنے کی صورت میں اُس کے کاغذ کی تکمیل و تحصیل کا خرچ بھی بائع کے ذمہ ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی چیز انداز سے بیچ دی گئی جیسے کھڑی فصل یا باغ کی پیداوار تو کھیت کاٹنے یا باغ کے پھل تڑوانے کی ذمہ داری بائع پر نہیں مشتمل ہوگی۔

۵۔ جو چیز ڈاک خانے یا ریل یا کسی دوسری سواری یا مزدور کے ذریعے بھیجی جائے تو اس کے تمام اخراجات خریدار کو برداشت کرنا پڑیں گے۔ اگر بائع خود بخوشی برداشت کرے تو یہ اُس کا احسان ہوگا۔ خریدار کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے، اگر وہ ایسی شرط لگائے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

۶۔ اشیاء کا اشیاء سے تبادلہ ہو جیسے ہندوستان کی حکومت یا اُس کا کوئی تاجر امریکہ سے غلہ منگائے اور اُس کے بدلے میں پٹ سن، چمڑا یا کوئی اور جنس دے تو دونوں کو اپنی اپنی چیزیں منگانے اور بار برداری اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے، البتہ اگر دونوں میں طے ہو جائے کہ فلاں مقام تک پہنچادیں گے تو دونوں کو اپنی اپنی چیز پہنچانے کا خرچ

برداشت کرنا پڑے گا۔

عام طور پر تین طریقوں سے فروخت ہوتی ہے اور اسلامی شریعت بیع کے جائز طریقے نے تینوں طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔

- ۱- بیع اور اُس کی قیمت کا تبادلہ دست بدست ہو، بائع کو قیمت مل جائے اور مشتری کو مال۔ یہ طریقہ سب سے بہتر ہے اور زیادہ تر اسی طریقے کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔
 - ۲- بیع یعنی بیچی جانے والی چیز فوراً دیدی جائے اور قیمت اُدھار کر لی جائے۔ اس بیع کو بیع نسبیہ کہا جاتا ہے جس کی اجازت خریدار کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے۔
 - ۳- قیمت پیشگی وصول کر لی جائے مگر چیز بعد میں دی جائے، اس بیع کو بیع سلم یا بیع سلف کہتے ہیں، اس میں بائع کی سہولت کو اور خریدار کے فائدے کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- ان تینوں طریقوں سے دست بدست لین دین کا ذکر اوپر کی تفصیلات میں آچکا ہے۔ بیع نسبیہ اور بیع سلم کے بارے میں بھی کچھ کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے کچھ باتیں اور بیان کی جاتی ہیں۔

یعنی بیچی گئی چیز خریدار کے حوالے کر دی جائے اور قیمت اُس کے کچھ دن بعد لی جائے۔

بیع نسبیہ قیمت کے بیان میں کچھ باتیں کہی جا چکی ہیں۔ مزید باتیں اس طریقے سے متعلق یہ ہیں۔

۱- اُدھار معاملہ کرنے کی صورت میں بائع کی رضامندی لازمی ہے۔ بغیر رضامندی کے قیمت اُدھار لگانا جائز نہیں ہے۔

۲- ادائے قیمت کی مدت مقرر ہونا چاہئے یعنی یہ کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ یا دن کو قیمت دی جائے گی جیسے عید کے دن یا عید الاضحیٰ کے دن تو بھی جائز ہے مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ موسم سرما یا موسم گرما یا بارش تک کیونکہ ان میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ پھر دیں گے، یا جب پیسہ آئے گا تو دیں گے۔

۳- اُدھار بیع دینے کے بعد بائع کو وہ فروخت شدہ چیز واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔

۴- اُدھار کی مدت بڑھانے کا اختیار بائع کو ہے۔

۵- اگر اُدھار کی مدت مقرر نہیں کی تو یہ مدت زیادہ سے زیادہ ایک ماہ سمجھی جائے گی، ایک ماہ کے بعد خریدار یا تو فوراً قیمت دے یا بائع سے کچھ اور مہلت مانگے۔

اگر مہلت نہ دی تو لامحالہ خریدار کو قیمت اس مدت کے ختم تک دے دینا ہوگی۔

۶۔ ادھار کی مدت اُس وقت سے شمار ہوگی جس وقت بائع نے چیز خریدار کے حوالے کر دی اگر بائع نے معاملہ طے کرنے کے ایک ماہ بعد یا دس دن بعد چیز دی تو یہ مدت بھی ایک ماہ یا دس دن بعد سے شروع ہوگی۔ اور اگر بائع نے چیز حوالے کر دی مگر مشتری اُس وقت اس کے پاس سے نہیں لے گیا تو جس وقت بائع نے حوالے کیا اسی وقت سے ادھار کی مدت شمار ہوگی، خریدار کے لے جانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اگر بائع قیمت کی ادائیگی کی قسط مقرر کر دے تو پھر پوری قیمت اکٹھا مانگنے کا حق اُس کو نہیں ہے۔

۸۔ بائع کو اختیار ہے کہ نقد بیچنے کی صورت میں چیز کی قیمت کچھ سستی اور ادھار کی صورت میں کچھ گراں کر دے مگر خریدار کو یہ معلوم ہونا اور اُس کا منظور کر لینا بھی ضروری ہے۔

ادھار خرید و فروخت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایتیں خریدار اور بائع کو دی ہیں ان کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔

خریدار کو ہدایت ہے کہ جب قیمت اُس کے پاس ہو جائے تو ٹالنا اور بائع کو پریشان کرنا حرام ہے، اسلامی حکومت ایسے شخص کو سزا دے گی جو استطاعت کے باوجود بقایا رقم ادا نہ کرے، آپ نے فرمایا ہے ”مطل الغنی ظلم“ دینے کی قدرت رکھنے والے کا طال مطول ظلم ہے، آپ نے فرمایا ”سب سے اچھا وہ شخص ہے جو کسی کا بقایا اچھے طریقے پر ادا کر دے۔“

بائع کے بارے میں ہدایت ہے کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد تقاضے اور سختی کے ساتھ قیمت وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ایک بار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کسی کی کوئی رقم باقی تھی اس نے کچھ سختی کی، بعض صحابہ کو یہ بہت ناگوار ہوا، اور اُنھوں نے اُسے سختی سے جھڑکنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ”إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا“ (حق دار کو کہنے سننے کی آزادی ہے) لیکن اس قانونی حق کے استعمال میں اس بات کا خیال بھی رہنا چاہیے کہ ممکن ہے کچھ ایسی مجبوری ہو کہ یہ شخص نہ دے سکتا ہو، اسی بنا پر آپ نے فرمایا جو شخص کسی تنگ دست کو ادائیگی کی مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو خدا تعالیٰ قیامت کی دشواریوں سے اُس کو نجات دے گا۔

بیع سلم یعنی بائع مشتری سے قیمت پہلے لے لے یا مشتری خود قیمت پہلے دے دے اور چیز بعد میں دینے کا وعدہ ہو تو اس طریقے سے خرید و فروخت جائز ہے۔ یہ اجازت بائع اور مشتری دونوں کی سہولت کے لئے دی گئی ہے کیونکہ اس کی ضرورت کبھی بیچنے والے کو اور کبھی خریدنے والے کو پڑتی رہتی ہے۔ ہر اس چیز کی بیع سلم جائز ہے جس کی صفت زبان سے بیان کی جاسکے یا تحریر میں لائی جاسکے اور اس کی مقدار کا اندازہ کیا جاسکے تاکہ بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہو۔ بیع سلم کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں اگر کوئی شرط ان میں سے نہ پائی جائے تو بیع باطل ہو جائے گی۔

پہلی شرط چیز کی پوری تفصیل معلوم ہونا ہے مثلاً اگر غلہ لینا ہے تو اس کی نوعیت اور قسم اس میں گرد و غبار نہ ہونا، دوسرے غلوں کی ملاوٹ سے پاک ہونا، خشک ہونا وغیرہ یا اگر کپڑا لینا ہے تو اس کا نام، سوئی یا ریشمی، رنگ اور عرض وغیرہ اسی طرح گھڑی، فاؤنٹین پن یا سائیکل وغیرہ صنعتی چیزوں کے لئے کارخانہ اور ماڈل کی تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے، بہتر یہ ہے کہ نمونہ دکھا دیا جائے۔ یہ کہنا کہ چیز کیسی بھی ہو صحیح نہیں ہے، اس میں اختلاف کا خدشہ ہے جس کی وجہ سے بیع درست نہ ہوگی۔

دوسری شرط بھاؤ اور قیمت کا طے ہونا ہے؛ مثلاً غلے کی صورت میں یہ بات پہلے سے واضح ہونا چاہیے کہ کس بھاؤ سے کتنے روپے کا لینا ہے۔ یہ کہنا کہ فصل کے وقت جو بھاؤ ہوگا لے لینا صحیح نہیں ہوگا۔ یا کسی کارخانے میں تیار ہونے والی چیز کو منگا کر دینے کے لئے اس کی قیمت کا علم ہونا ضروری ہے تب ہی پیشگی رقم دینا جائز ہوگا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے میں پڑے گی لے لیجئے گا، نرخ اور قیمت دونوں کی بات چیت ہو جانا چاہیے تاکہ اختلاف نہ ہو، ہاں منگانے کے اخراجات کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ جتنا خرچ ہو وہ دے دیجئے گا کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اور یہ خریدار کے ذمے ہے۔

تیسری شرط خرید و فروخت کی تکمیل کے لئے مدت کا تعین ہے یعنی یہ طے ہو جانا چاہیے کہ فلاں مہینے میں یا فلاں تاریخ کو بیع مکمل ہو جائے گی۔

چوتھی شرط جگہ کا تعین جہاں خریدار چیز کو وصول کرے گا۔ یہ شرط ان چیزوں میں ہے

جو آسانی سے منتقل نہ ہو سکتی ہوں اور بڑی مقدار میں ہوں۔ اگر ایسی چیزیں ہیں جو بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانی جاسکتی ہیں مثلاً گھڑی، فاؤنٹین پین، دس بیس گز کپڑا یا دس بیس سیرغلہ تو ان میں یہ شرط مطلوب نہیں ہے۔

پانچویں شرط معاملہ کرتے وقت قیمت ادا کر دینا ہے۔ اگر بات چیت آج ہوئی اور روپیہ کل دیا تو بائع کو حق ہے کہ وہ یا تو از سر نو معاملہ کرے یا انکار کر دے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہونے کی جو مدت مقرر کی گئی ہو اس دوران وہ چیز بازار میں موجود ہو۔ اگر وہ بازار سے غائب ہو جائے تو بائع روپیہ واپس کر سکتا ہے۔ یہ قید فقہائے احناف نے لگائی ہے، باقی تینوں ائمہ کے نزدیک چیز اس وقت موجود ہونا چاہیے جب اس کو دینا ہے، پوری مدت میں موجود رہنا ضروری نہیں ہے۔ عام حالات میں فقہائے احناف کی رائے پر عمل مناسب تر ہے۔ شدید ضرورت مثلاً اشیا کی قلت ہو جانے کے باعث ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

بیع سلم ان چیزوں میں صحیح نہیں ہے جن کی تعیین نہ کی جاسکے مثلاً جانور۔ مگر امام مالک اور امام شافعی ان میں بھی تعیین ممکن خیال کرتے ہیں۔ اگر عرف عام میں تعیین ہو جائے تو بیع سلم ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

مقررہ مدت گزر جانے پر اگر بائع نے چیز نہیں دی تو اس روپے سے خریدار کو دوسری چیز لینے کا حق نہیں ہے، اسے روپیہ واپس لے لینا چاہیے یا کچھ اور مہلت دے دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر خریدار کو وہ چیز خریدنے کی ضرورت نہیں رہی جس کے لئے اس نے روپیہ دیا تھا تو وہ معاملہ ختم کر سکتا ہے مگر اس کے بجائے دوسری چیز نہیں لے سکتا۔ پہلے وہ اپنا روپیہ واپس لے پھر دوسری چیز خریدنے کا دوسرا معاملہ کرے۔

یہ حکم اہم وجوہ کے ماتحت ہے؛ پہلی وجہ یہ کہ اگر بائع کسی وجہ سے مال نہ دے سکا تو جب وہ دوسری چیز خریدار کو دے گا تو اس میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور ملحوظ رکھے گا۔ رعایت کے نتیجے میں اسے کچھ ملے گا نہیں بلکہ نقصان ہوگا اور اسی کا نام سود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ روپیہ بطور قرض دیا گیا تھا اور قرض کے بدلے میں نفع اٹھانا منع ہے، اور یہ رعایت ایک طرح کا

نفع ہے، تیسری وجہ یہ کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

بیع استصناع استصناع کے معنی بنوانے کے ہیں یعنی وہ بیع جو کسی چیز کے بنوانے کے لئے کی جائے۔ یہ بیع سلم ہی کی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بیع سلم میں قیمت معاملہ کرتے ہی ادا کی جاتی ہے اور بیع استصناع میں قیمت فوراً ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ جب مال مل جائے تب قیمت ادا کرنا ہوگی۔ باقی تمام باتیں بیع سلم کی طرح پہلے ہی طے ہو جانا چاہئیں۔

مثلاً ایک جوڑ جوتا بنوانے کا آرڈر دیا تو یا تو نمونہ دکھا کر معاملہ طے کرنا چاہئے یا پھر پوری تفصیل طے ہو جانی چاہیے کہ وضع کیا ہوگی اور رنگ کیا ہوگا۔ فیتے دار ہوگا یا نیوٹ وغیرہ۔ یا اگر کسی فرم کو سائیکل یا موٹر کار آرڈر دیا تو اس کے ماڈل اور پوزوں کے متعلق بھی صراحتاً کرنا ہوگی کہ امریکن ہوں گے یا جرمن یا برطانیہ کے بنے ہوئے قیمت کس کسے میں ادا ہوگی اور کیا ہوگی، سامان کتنی مدت میں اور کس جگہ سپلائی کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ، غرض کہ وہ تمام باتیں طے ہو جانا چاہئیں جن سے بعد میں کوئی اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

بیع کے ناجائز طریقے بیع کے وہ طریقے جن سے وہ ناجائز قرار پاتی ہے عموماً ان کی تین قسمیں ہیں: باطل، فاسد اور مکروہ۔

بیع باطل یہ ہے کہ خرید و فروخت سودی طریقے پر ہو یا جوئے کے ذریعے سے ہو۔ یا حرام چیزوں مثلاً شراب وغیرہ کی تجارت ہو تو یہ سارا کاروبار حرام اور باطل ہوگا۔ بیع فاسد وہ ہے جس میں بیع بک تو سکتی ہے لیکن جس صورت میں بیچ جا رہی ہے، وہ صحیح نہیں ہے مثلاً گھاس کا بیچنا ناجائز نہیں۔ لیکن اگر وہ میدان کی خورد و گھاس جس کا مالک وہ نہیں ہے بیچ رہا ہے تو بیع فاسد ہوگی۔ اگر غلطی سے ایسی خرید و فروخت ہو گئی تو اس معاملے کو فسخ کر دینا چاہئے۔ اگر نہیں کرے گا تو اسلامی حکومت فسخ کرادے گی۔

بیع مکروہ یہ ہے کہ مال حلال تو ہو اور بیچنے والے کی ملک بھی ہو مگر خرید و فروخت سے ناجائز فائدہ اٹھانا مقصود ہو مثلاً کسی چیز کی قیمت دس روپے طے ہو گئی اور بیچنے والے

اس پر راضی بھی ہو چکا تھا کہ ایک تیسرا شخص اسی چیز کو گیارہ یا بارہ روپے دے کر لیتا ہے تو بیع مکروہ ہوگی یا کبھی دام بڑھانے سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بائع کا فائدہ ہو جائے، چونکہ خریدار کو ضرورت ہے اس لئے وہ زیادہ پیسے لگائے گا یہ زیادہ قیمت محض اس دوسرے شخص کی وجہ سے دینا پڑتی ہے اس لئے اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کر دیا جائے مگر اسلامی حکومت زبردستی فسخ نہیں کرائے گی البتہ اگر بطور پیشہ یہ عمل اختیار کیا جائے یا بائع خود اس طرح کے دلال مقرر کرے تو بیع فاسد قرار دی جائے گی اور اس کا حکم وہی ہوگا جو بیع فاسد کا بیان ہو چکا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھاؤ کے اوپر بھاؤ لگانے سے منع فرمایا ہے۔ نیلام کا حکم اس سے جدا ہے۔

سودی کاروبار اسلامی شریعت نے سود کو قطعی حرام ٹھہرایا ہے۔ صرف قرض دیئے ہوئے روپیہ کے بدلے میں ایک ماہ یا ایک سال بعد کچھ زیادہ رقم وصول کرنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی سود ہے کہ تجارت میں لگانے کے لئے روپیہ اس شرط پر لیا جائے کہ اس کو بڑھا کر لوٹایا جائے گا۔ یا قرض تو بلا سودی دیا مگر روپے دینے کے عوض قرضدار سے روپے لینے کے علاوہ کچھ اور فائدہ اٹھایا مثلاً اپنی خدمت لی یا کوئی چیز قرض دینے کی رعایت میں سستی خریدی تو یہ سب سود میں داخل ہے اسی طرح جو چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں ان کی خرید و فروخت اور تبادلہ میں بھی بعض اوقات سود ہو جاتا ہے، اس لئے ہر طرح کے سودی کاروبار کی اسلام میں ممانعت ہے، قرآن میں سود کو نجس کہا گیا ہے، سود لینے والوں کو شیطان کے ہاتھوں کا کھلونا کہا گیا ہے، جو لوگ مسلمان ہوں اور سود لیں ان کے لئے ارشاد ہے کہ خدا سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ یعنی اُسے اللہ سے بغاوت قرار دیا گیا ہے، وہ شخص خدا کا باغی اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اس کو وہی سزا ملے گی جو باغیوں اور سرکشوں کو ملتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، سودی کاروبار لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی ہے، حضرت عمر نے اس کی حرمت کی شدت کے پیش نظر فرمایا کہ ربوہ (سود) اور زبیبہ (مشبہ) دونوں چھوڑ دو یعنی سود اور جس میں سود کا ذرا بھی شائبہ پایا جائے اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔

ان سخت احکام کے پیش نظر ایسی تمام خرید و فروخت کے معاملے جن میں سود کی آمیزش کا شبہ بھی ہو جائے ممنوع قرار دئے گئے ہیں۔

ہمدردی اور بھی خواہی انسانیت کا جوہر ہے
سود اخلاقی حیثیت سے ناپسندیدہ اور قرآن و حدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔

سود اس جوہر انسانیت کی نفی کرتا ہے اور اس کی جگہ خود غرضی اور منفعت پرستی سکھاتا ہے۔ اپنے نفع کی خاطر دوسروں کی عزت و آبرو بلکہ جان و مال سے کھیلنے کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ اگر کسی لاوارث کی تجہیز و تکفین کے لئے چند روپے دے گا تو اس کی خواہش یہ ہوگی کہ اس روپیہ کا سود اگر نہ ملے تو کم از کم اصل روپیہ ہی لوگ چندہ کر کے اُسے واپس کر دیں غرض یہ کہ انسانیت کا یہ جوہر اُس سے چھین جاتا ہے، حالانکہ اسلام اسی کو پیدا کرنے کا داعی ہے۔ قرآن میں بغیر احسان جتائے دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا سبق دیا گیا ہے، دکھاوے کے لئے یا کسی غرض سے مالی اعانت کرنے کی مذمت کی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور فرمایا کہ بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے ظاہر ہے کہ جو اخلاق و کردار اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے وہ سود خورانہ ذہنیت کے ساتھ ممکن نہیں۔

بینک اور ڈاک خانے سے ملنے والا سود چونکہ ڈاک خانہ اور بینک اپنی جمع کردہ

رقوم پر سود دیتا ہے۔ اس لئے وہ بھی حرام

ہے اور ان دونوں اداروں سے سود پر روپیہ لے کر تجارت کرنا بھی حرام ہے۔ یہی حکم نیشنل سیوننگز سرٹیفکیٹ پر ملنے والے سود کا بھی ہے، رہا زمینداری بانڈ میں سود کے نام سے جو رقم درج کی گئی ہے بعض فقہاء اس کو سود نہیں گردانتے کیونکہ جس چیز کے معاوضے میں یہ رقم دی جا رہی ہے اس چیز کی اصل قیمت ان رقم سے کہیں زیادہ ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ، بیکاری فنڈ یا کسی اور فنڈ میں جو رقم ملازم کی تنخواہ سے کٹ کر ہر مہینے جمع ہوتی رہتی ہے اُس پر حکومت کی طرف سے جو سود ملتا ہے وہ سود ہی ہے اس لئے وہ بھی جائز نہیں اگرچہ بعض فقہاء نے اُس کو حکومت کی طرف سے انعام تصور کرتے ہوئے اُسے جائز قرار دیا ہے مگر پھر بھی اس میں سود کا شبہ موجود ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا اولیٰ ہے۔

۱۹۵۶ء میں جب غلے کا بھاؤ بڑھنا شروع ہوا تو تاجروں نے زیادہ سے

زیادہ روپیہ غلے کی تجارت میں لگانے کے لئے بینکوں سے سود پر لے کر پیشگی غلے کی خریداری کے لئے تقسیم کیا اور بینکوں نے جی کھول کر روپیہ قرض دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گہوں جو بازار میں بارہ روپے من بکتا تھا وہ بیس بائیس روپے من ہو گیا اور پھر گراں ہوتے ہوتے ساٹھ ستر روپے من ہو گیا کیونکہ جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اُس کی مانگ بھی زیادہ ہوتی ہے اور لوگ اُسے ہر قیمت پر خریدنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں، بڑے تاجر ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ غلہ جمع کر کے غریبوں اور کم آمدنی والے لوگوں سے وہی دام وصول کرتے ہیں جو دولت مندوں اور امیروں سے لیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب عوام تکلیف اور تنگ حالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں گویا چند بینکوں کے مالکوں اور غلے کے بڑے بڑے تاجروں کو سودی کاروبار سے فائدہ پہنچتا ہے اور باقی دنیا کو خسارہ۔

ادھار خریدنے اور بیچنے کی وجہ سے سود جن چیزوں کو ہم استعمال کرتے ہیں اور ان میں کمی بیشی کر کے یا ادھار بیچتے ہیں وہ عموماً پانچ طرح کی ہوتی ہیں (۱) سونا چاندی یا ان سے بنی ہوئی چیزیں (۲) تول کڑی جانی والی چیزیں جیسے لوہا، تانبا، پتیل، غلہ، ترکاری، میوے، مسالے، روٹی اور گھی وغیرہ۔

(۳) پیمانے سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزیں (۴) میٹر، گزی فٹ سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزیں اور (۵) وہ چیزیں جو گن کر بکتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا بیان الگ کیا جاتا ہے۔

۱۔ چاندی اور سونے کا حکم سونے اور چاندی سے بنی ہوئی چیزیں اگر سونے یا چاندی کے سکوں سے خریدی یا بدلی جائیں تو دو باتیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ دونوں کا وزن برابر ہو، دوسری یہ کہ دست بدست خرید فروخت ہو، اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوگی تو سود کا معاملہ ہو جائے گا مثلاً کسی کے پاس چاندی ہے اور وہ چاندی سے بنا ہوا زیور لینا چاہتا ہے، یا سونا ہے اور وہ سونے سے بنا ہوا زیور لینا چاہتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ معاملہ دست بہ دست کرے اور دونوں کا وزن برابر ہو۔ اگر ادھار معاملہ کیا یا وزن میں کمی

بیشی کی تو سود ہو جائے گا۔ اگر زیور کی بنوائی دینا ہو تو الگ سے دینا چاہیے، جس چاندی یا سونے کے بدلے میں نئی چاندی و سونایا اس سے بنا ہوا زیور لیا جا رہا ہے اس میں کمی یا بیشی نہ ہونا چاہیے۔ جن ملکوں میں چاندی یا سونے کے سکے چلتے ہیں مثلاً حجاز میں دینار اور امریکہ میں ڈالر تو ان ملکوں کے بدلے میں اگر وہ سونے کے ہیں تو سونا اور اگر چاندی ہو تو اتنی ہی چاندی لینا چاہیے۔ سونے اور چاندی کے سکوں کا تبادلہ بھی برابر کی بنیاد پر ہونا چاہیے، دو حکومتوں کے درمیان یہ تبادلہ اگر بڑے کاٹ کر کیا جائے تو یہ بھی اسلام میں سود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دینار کو دو دینار کے بدلے یا ایک درہم کو دو درہم کے بدلے نہ بیچو، آپ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے موجودہ زر مبادلہ کے طریقے کو سمجھنا ضروری ہے۔ سکوں کی بلیک مارکنگ بھی حرام ہے۔

سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے بدلنا ہو یا سونے سے چاندی کے سکے اور چاندی سے سونے کے سکے خریدنا ہوں تو وزن کی شرط باقی نہیں رہے گی لیکن یہ شرط ضرور رہے گی کہ معاملہ دست بدست ہو ادا نہ ہو، یعنی جائز طریقہ یہ رہا کہ اگر سونے یا چاندی کو یا ان سے بنی ہوئی چیزوں کو ایک ہی جنس سے بدلنا ہے تو اس میں دونوں شرطوں کا لحاظ ہوگا، وزن کی برابری اور دست بدست خرید و فروخت لیکن اگر جنس بدل جائے تو پھر وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں، دست بدست خرید و فروخت ہونا ضروری ہے۔

اگر کسی نے دس تولے چاندی اس طرح خریدی کہ ۵ تولے چاندی یا چاندی کا زیور اور باقی پانچ تولے کی قیمت ریزرگاری یا نوٹ کی شکل میں ادا کر دی جائے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر سونے کا تیار زیور جو زیادہ وزن کا ہو پرانے کم وزن کے سونے کے زیور اور اس کے ساتھ نوٹ یا ریزرگاری ملا کر خریدا جائے تو یہ صورت بھی جائز ہے لیکن معاملہ دست بدست ہونا بھی ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس سونے یا چاندی یا ان سے بنی ہوئی چیزوں کا وزن اگر ان چیزوں کے وزن سے کم ہو جنہیں خریدا جا رہا ہے تو نوٹ یا ریزرگاری ملا کر اس سے زیادہ وزن کی قیمت ادا کر دینا جائز ہے لیکن یہ کمی اگر چاندی سونے یا ان کے سکوں سے پوری کی تو جائز نہیں، کیونکہ ایک ہی جنس کی چیزوں کا ہم وزن ہونا ضروری ہے۔ سچے گوٹے، ٹھپے، انگوٹھی برتن وغیرہ

چاندی کی چیزوں کا یہی حکم ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں میں نصف سے زیادہ ملاوٹ ہو اور پھر ان سے چاندی یا چاندی کے زیور یا سونے کو خریداجائے تو پھر وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں لیکن معاملہ دست بدست ہونا چاہیے۔ اگر ملاوٹ کم تر ہے تو اس کا حکم سونے یا چاندی کی طرح ہے جیسا کہ عام طور پر زیور میں ذرا سا تانبا ملا دیتے ہیں تو اس سے حکم نہیں بدلتا۔

۲۔ تل کر بکنے والی چیزوں کا بیان
غله، ترکاری، خشک میوے، شکر، نمک، گوشت
بوا، تانبا، پیتل، المونیم وغیرہ روپے پیسے سے

بھاؤ اور قیمت طے کر کے خریدی اور بیچی جاسکتی ہیں لیکن اگر یہی چیزیں یا ان کی بنی ہوئی چیزیں ایک دوسرے سے بدلی جائیں مثلاً تانبے کا لوٹا دے کر تانبے کی پتیلی لیں۔ ایلومینیم دے کر ایلومینیم، شکر دے کر شکر گہوں دے کر گہوں کا تبادلہ کریں تو وزن کی برابری اور دست بدست کا معاملہ ہونا دونوں شرطیں پوری ہونا ضروری ہیں مثلاً کوئی شخص خراب گہوں دے کر اچھا گہوں لینا چاہتا ہے یا آٹے سے بدلنا چاہتا ہے تو دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیے اور دست بدست خرید و فروخت ہونا چاہیے البتہ اگر اس نے گہوں قیمت دے کر خرید لیا تو اس قیمت سے وہ جس بھاؤ بھی دوسرا گہوں خریدنا چاہے خرید سکتا ہے، غرض کہ تول سے بکنے والی چیزوں میں بھی اگر ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس کی دوسری چیز سے کرنا ہو تو وزن میں برابری اور دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اگر چیزیں مختلف جنس کی ہوں مثلاً گہوں دے کر جو لیے جائیں یا جو دے کر دھان لئے جائیں یا غلے کے بدلے میں ترکاری لی جائے یا تانبے کی چیز دے کر لوہے یا پیتل کی چیز لی جائے تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیے اُدھار یا وعدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُدھار معاملہ کرنے میں چیز بدل بھی سکتی ہے اور وزن بھی گھٹ بڑھ سکتا ہے جو جھگڑے کا سبب ہوگا۔

۳۔ پیمانے سے بکنے والی چیزیں
پیمانے سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزوں کا بھی وہی حکم ہے جو تول کر بیچی جانے والی چیزوں کا

بیان ہو چکا۔ مثلاً ایک سمیٹ کی بوری کے بدلے میں دوسری سمیٹ کی بوری یا سوفٹ چونا

دے کر دوسرا سو فٹ چونا لینا ہے تو دونوں کے پیمانوں کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی۔ لیکن ایک بوری سیمنٹ دے کر چونا یا چونا دے کر سیمنٹ لینا ہو تو پیمانہ کم و بیش ہو سکتا ہے مگر معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہونا چاہیے۔

۴۔ گز یا فٹ سے ناپ کر اور [کپڑا، فیتہ، ٹاٹ وغیرہ فٹ، گز یا میٹر سے ناپ کر بیچی
۵۔ گنتی سے بکنے والی چیزیں] جاتی ہیں اور آم انڈے وغیرہ گن کر بیچے جاتے ہیں۔
اگر دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو شرط یہ ہوگی کہ معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہو یعنی دینے والی چیز فوراً دے دی جائے اور لینے والی چیز فوراً لے لی جائے۔

لیکن اگر دونوں طرف مختلف چیزیں ہوں تو ان صورتوں میں ناپ، تول اور گنتی کے برابر ہونے کی ضرورت نہیں اور ادھار میں بھی لین دین ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر چیز تو ایک طرح کی ہو مگر اس کی صورت یا نوعیت بدلی ہوئی ہو مثلاً چھالٹین کے بدلے مٹل، یا دودھ کے بدلے میں کھویا یا کاپی کے بدلے میں کاغذ خریدنا ہو تو برابر ہونا اور دست بدست ہونا ضروری نہیں ہے۔

غرضکہ وزن اور پیمانے سے بکنے والی چیزیں اگر دونوں طرف ایک ہی جنس کی ہوں تو دو شرطیں ہیں، وزن اور پیمانے میں مساوات اور ہاتھ کے ہاتھ لین دین۔ مگر ناپ کر اور گن کر بیچی جانے والی چیزیں اگر ان کی جنس الگ الگ ہو مثلاً گیہوں اور جو، دھان اور چنا تو وزن، پیمانے اور تعداد کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف دست بدست ہونا ضروری ہے اور جو چیزیں پیمانے یا تول سے نہیں بکتیں یا دونوں طرف دو الگ الگ قسم کی چیزیں ہیں تو ان میں نہ تو وزن و پیمانہ اور تعداد کی برابری ضروری ہے اور نہ دست بدست کی مثلًا تانبے کی پتیلی دے کر ایک درجن پلیٹین چینی یا تام چینی کی خریدی جائیں یا ایک ٹھکان کپڑے کے عوض ایک من شکر خریدی جائے تو دونوں میں سے کوئی شرط موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

جوعے اور شرط لگانے کی حرمت
سودی کاروبار کی طرح جوعے کا کاروبار بھی حرام ہے جو خواہ بازی لگا کر ہو یا کوئی شرط لگا کر یا بخت

اتفاق کی بنا پر فائدہ اٹھانے کی شکل ہو، اسلام نے ان سب طریقوں سے کمائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں نیشیز کو حرام کہا گیا ہے۔ میسر صرف یہی نہیں ہے کہ چند روپے یا چند

پیسوں کی بازی لگا کر فائدہ یا نقصان اٹھایا جائے بلکہ جوئے اور قمار ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے جس میں ایک آدمی کا پیسہ دوسرے آدمی کو بخت و اتفاق سے مل جائے۔ لاٹری، ریس اور معموں وغیرہ کے ذریعے جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہ جوئے میں داخل ہے کیونکہ فائدہ اور نقصان اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

میسر یعنی جوئے کی تعریف علماء نے میسر کی تعریف یہ کی ہے "تعلیق الملك على الخطر" (اپنی ملکیت کو خطرے میں ڈالنا) یعنی جس کا فائدہ محض اتفاق پر منحصر ہو اسی لئے بیع الغرر کی مانعت ہے، غرر کے معنی ہیں دھوکہ یہ ایک جامع لفظ ہے اس میں ہر وہ کاروبار داخل ہے جس میں دھوکے کی صفت پائی جائے۔ بیع غرر کی چند قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

بیع منابذہ مثلاً کسی نے کہا کہ اس باغ کے پھل میں نے اس شرط پر بیچے کہ اس میں پانچ ہزار پھل سے زیادہ جتنے پھل ہوں گے وہ سب میرے ہوں گے اور اگر کم ہوں گے تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوگی۔ یا کوئی کہے کہ اس چارمن گہوں کے بدلے اس مٹر کے کھیت کی فصل میں نے خرید لی یا فلاں ویگن میں جتنا سامان ہے وہ سب اتنی قیمت میں بیچا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں بیع صحیح نہ ہوگی کیونکہ جو چیز بیچی یا خریدی جا رہی ہے وہ متعین نہیں ہے اگر معاملہ اس طرح طے ہو جائے اور بائع یا مشتری کو نقصان اٹھانا پڑے تو جھگڑے اور اختلاف کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ اگرچہ نقصان اور فائدے کا امکان ہر تجارت میں ہوتا ہے مگر اس کی وجہ دوسری ہوتی ہے، اصل معاملہ اتفاق پر مبنی نہیں ہوتا چونکہ ایسے واقعات جن میں ایک آدمی نے کسی جہاز میں لدے ہوئے مال کو بغیر دیکھے خرید لیا اور پھر وہ سخت خسارے میں پڑ گیا، ظہور میں آچکے ہیں، اس لئے بیع منابذہ ناجائز ہے۔

بیع الملامسہ اور بیع الحصاصہ ملامسہ کے معنی چھونا اور حصاصہ کے معنی کتکری کے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بہت سے رکھی ہوئی چیزوں میں سے جس پر مشتری کا ہاتھ پڑ جائے وہ اس کی ہو جائے یا وہ ایک کتکری پھینکے

اور جس چیز پر وہ پہنچ جائے وہ اُس کی ہو جائے، یہ سب طریقے ناجائز ہیں، رئیس اور لاٹری میں یہی ہوتا ہے کہ لاکھوں روپے کا مال صرف پانسہ پھینک کر اور بازی بد کر بک جاتا ہے۔

معمر بازی میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کا فائدہ تو متعین ہوتا ہے، ایک معمر جاری کرنے والے کا اور دوسرا اُس شخص کا جس نے بازی جیتی یا انعام پایا مگر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی جیب سے پیسہ نکال کر صرف دو آدمیوں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ صریحاً ظالمانہ ہے کہ ہزاروں آدمی صرف ایک موہوم امید پر اپنا پیسہ لگائیں اور نقصان اٹھائیں اگر وہ جان پاتے کہ اُن کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا تو روپیہ اور محنت معمر حل کرنے میں ضائع نہ کرتے۔

معمر کا حل اگر فیس کے ساتھ نہ بھی لیا جاتا ہو تو رسالے کی کوپن کے ساتھ تو بھیجنا ہی بڑتا ہے اس لئے ہر معمر بھیجنے والے کو رسالہ خریدنا لازم ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح خرچ کرنا ایک موہوم امید پر مصارف کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

خواہ مال کا بیمہ ہو یا جان کا دونوں ناجائز ہیں اس میں سود بھی ہے جو ابھی اور رشوت بیمہ بھی۔ مال کے بیمہ میں جو معاوضہ بیمہ کمپنی دیتی ہے وہ مال کا معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ اُس رقم کا ہوتا ہے جو بیمہ کرانے والے اُسے سالانہ ادا کرتے رہتے ہیں ورنہ بیمہ شدہ مال سے تو کمپنی کو کوئی فائدہ ہوتا ہی نہیں، ظاہر ہے کہ معاوضہ کی ادائیگی بخت و اتفاق پر مبنی ہے، اسی کا نام بیمہ (جو) ہے۔ یہ سود اس طرح ہے کہ نقصان کا جو معاوضہ کمپنی دیتی ہے وہ یا تو اُس رقم سے زیادہ ہوگا جو بیمہ کرانے والوں سے ملی ہے یا کم ہوگا، دونوں صورتوں میں ایک فریق کا نقصان ہوگا اور دوسرے کا فائدہ اسی کا نام سود ہے۔ جان کا بیمہ سود ہونے کے ساتھ رشوت بھی ہے، اسلام میں جان ایسا مال نہیں جو خرید و فروخت کے بدلے میں استعمال ہو سکے اور معاملات میں دونوں طرف ایسی چیزیں ہونا ضروری ہیں جو عوض بن سکیں اور رشوت کی تعریف بھی یہی ہے کہ وہ کسی مال کے عوض میں نہ ہو۔

رشوت سود اور جوئے کی طرح رشوت بھی حرام ہے، قرآن میں اس کی ممانعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنم میں جائیں گے۔ رشوت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کام پر مقرر ہو اُس کا معاوضہ حکومت سے یا کسی

ادارے یا شخص سے بطور تنخواہ پاتا ہو اور پھر بھی اسی کام کے کرنے کا معاوضہ کچھ اور لے لے مثلاً: ایک دفتر کا کلرک اس لئے مقرر ہے کہ وہ لوگوں کے پاسپورٹ بنا دیا کرے اب اگر پاسپورٹ بنانے میں تنخواہ کے علاوہ پاسپورٹ بنوانے والے سے اس نے کچھ لیا تو رشوت ہوگی کیونکہ اس کو اس کام کا معاوضہ مل رہا ہے اب یہ معاوضہ وہ کس چیز کے بدلے میں لے رہا ہے کسی اہل کار کو اس کے کار منصبی کی وجہ سے کوئی تحفہ یا ہدیہ ملے تو وہ بھی رشوت ہے۔ ایک بار ایک شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا جب وہ واپس ہوا تو اس نے کہا اتنا مال زکوٰۃ کا ہے اور اتنا مجھے ہدیہ ملا ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کے دیکھے کہ کوئی اس کو ہدیہ دیتا ہے یعنی یہ ہدیہ عہدے کی وجہ سے ملا۔

مستقبل کے سودے ایک شخص جانور کے ایک یا کئی حمل کو بیچ دے، اس کو جبل الحبلہ کہتے ہیں، ایک شخص اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل دلو تین سال کے لئے بیچ دے، اس کو بیع معاومہ کہتے ہیں، حدیث میں ان دونوں سے منع کیا گیا ہے مثلاً کسی کے کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا یا باغ کا پھل سو روپے میں بلکا تو اسی پر قیاس کر کے یا انداز سے آٹھ دو تین سال کے لئے معاملہ کر لیا۔ یا جانور نے ابھی بچہ نہیں دیا ہے مگر ہونے والے بچے کو فروخت کر دیا۔ اس قسم کے تمام کاروبار سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ بھی میسر کی ایک قسم ہے۔

مستقبل کے سودے کا طریقہ دو پہلوؤں سے ناجائز ہے ایک تو یہ کہ جو چیز بیچی جاتی ہے وہ سامنے اور قبضے میں نہیں ہوتی، دوسرے فائدہ محض بخت اتفاق پر مبنی ہوتا ہے یہ خصوصیات جس کاروبار میں پائی جائیں گی وہ ناجائز ہوگا۔ مستقبل کے سودوں میں بیشتر چھوٹے تاجروں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور بڑے تاجروں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ چیزوں کا اسٹاک کر کے گرانی پیدا کریں اور خوب فائدہ اٹھائیں۔

بیع الحبلہ کی بعض اور صورتیں بیع الحبلہ صرف حمل کے بیچنے کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر مجہول چیز کے بیچنے کو کہتے ہیں مثلاً کسی نے کہا کہ گائے کے تھن میں جو دودھ ہے وہ میں بیچتا ہوں یا بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہیں وہ سب

بیچتا ہوں یہ سب بیح الحبلہ میں داخل اور ناجائز ہے، دودھ کو نکال کر بیچنا اور بال کو کاٹ کر بیچنا صحیح ہے، اسی طرح مکان میں لگے ہوئے بالنس یا کڑیوں کو بیچنا بھی باطل ہے۔ ان کو نکال کر بیچنا چاہیے۔

کاروبار میں دھوکہ یا فریب غرر، بخش، غش اور مصرات جیسے دھوکے کے کاروبار اسلام میں حرام ہیں، غرر کے معنی خطرہ برداشت کرنے کے ہیں، ایسا معاملہ جس میں کسی فریق کا فائدہ خطرے میں پڑتا ہے یا ایسی چیز فروخت کی جائے جو قبضے میں نہ ہو جیسے دریا کی مچھلیاں جو دریا میں ہی ہوں ان کا ٹھیکہ دینا بھی فاسد ہے، بخش یہ ہے کہ خراب مال کی اس لئے تعریف کی جائے کہ اس کے دام بڑھیں۔ غش کے معنی کھوٹ کے ہیں کھوٹی چیز کو کھرا کہنا بھی دھوکہ دینا ہے، مصراۃ تھن پر تھیلی چڑھانے کو کہتے ہیں تاکہ دودھ روک کر یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ بڑی دودھاری گائے یا بکری ہے۔ غرض کہ وہ تمام کاروبار جو غلط پروپیگنڈے، خراب اور عیب دار چیز کو عمدہ دکھا کر نقلی کو اصلی بنا کر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے کئے جاتے ہیں اسلام میں ناجائز ہیں۔

غیر موجود مال یا قیمت پر ادھار کاروبار مال اور قیمت دونوں موجود نہ ہوں اور ادھار خرید و فروخت کر لی جائے اس کو حدیث میں الکالی بالکالی کہا گیا ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، بعض ساحلی شہروں میں لاکھوں روپے کا کاروبار صرف چند منٹ بات کر کے ہو جاتا ہے بس صرف یہ معلومات فراہم کرنا پڑتی ہے کہ مال کہاں ہے اور کہاں سے آرہا ہے، اپنی جیب سے پیسہ خرچ کئے اور مال کے موجود ہوئے بغیر لاکھوں روپے کا فائدہ یا نقصان لوگ اس کاروبار سے اٹھاتے ہیں جس کو عام خریداروں کی جیب سے حاصل کیا جاتا ہے۔

ایک ادھار معاملے پر دوسرا ادھار معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے مثلاً کسی نے ایک مکان خریدا اور قیمت ادھار کر لی پھر کچھ دن بعد اس نے مکان بیچنے والے سے کہا کہ اس مکان کی اگر تم اتنی قیمت دیدو تو پھر تم کو واپس کر دوں یا اتنا روپیہ دے کر اپنا مکان واپس لے لو تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

کوئی مال امریکہ یا روس سے چلا ہے ابھی وہ راستہ ہی میں ہے کہ مال کے ایجنٹوں سے بمبئی یا کلکتے کا ایک تاجر معاملہ طے کر لیتا ہے اور پھر وہ تاجر کسی دوسرے تاجر سے منافع لے کر اسی مال کو بیچ دیتا ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ اس الٹ پھیر کی وجہ سے وہ چیز جو چار آنے میں بکتی اب پانچ یا چھ آنے میں بکتی ہے۔

بیچ سے فائدہ اچک لینا
 بائع اور خریدار کے درمیان واسطہ بن کر کچھ بیچ کے لوگ
 اس فائدے کو اچک لیتے ہیں جو بائع اور خریدار کو ہوتا
 مثلاً دلال یا وہ تاجر جو مال بازار میں آنے سے پہلے ذخیرہ کر لیتے ہیں تاکہ جو فائدہ صارفین کو ہوتا
 ہے اُسے خود مار لیں، ایسے تمام لوگ اسلامی شریعت میں ناپسندیدہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے
 روایت ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَنْ يَتَلَفَى الْجَلْبُ فَإِنْ تَلَفَاهُ
 إِنْسَانٌ فَابْتِغَاءُ فَصَاحِبِ
 السَّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فائدہ اچک
 لینے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی ایسا کرے
 تو بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ اپنا مال
 واپس لے لے۔

ایک روایت میں ہے "نَهَى عَنِ التَّلْفِ الْبَيْعِ" (خرید و فروخت کو اچک لینے سے منع فرمایا) دوسری روایت میں اور زیادہ واضح الفاظ میں "نَهَى عَنِ التَّلْفِ السَّلْعِ حَتَّى تَهْبِطَ الْأَسْوَاقُ" (مال بازار میں آنے سے پہلے بیچ سے اچک لینے کو آپ نے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح شہری دلالوں کو دیہاتیوں کا مال خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ کسی چیز کے بازار میں آنے سے پہلے جتنے زیادہ واسطے ہوں گے وہ چیز اتنی ہی زیادہ گراں ہوگی کیونکہ سب کچھ نہ کچھ فائدہ کمانے کی فکر میں رہیں گے اس طرح وہ چیز بازار میں آتے آتے گراں ہو جائے گی، عام خریداروں پر بوجھ بڑھے گا۔ اسلامی شریعت نے ان تمام لوگوں پر پابندی عائد کی ہے جن کے بیچ میں آنے کی وجہ سے عام خریداروں کو مال گراں پڑتا ہے کیونکہ دوچار آدمیوں کو فائدہ اور عوام الناس کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔

عام ائمہ فقہ و حدیث اس کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ

طریقہ بیع ناجائز نہیں اگر اس کی وجہ سے عوام کو وقت نہ ہو لیکن اگر وہ دقت میں پڑ جائیں اور سامان گراں ہو جائے تو پھر یہ ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ الفاظ یہ ہیں: شہری دیہاتی کی خرید و فروخت کا واسطہ نہ بنے، لوگوں کو چھوڑ دو، وہ خود اپنا معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ بعض کے ذریعے بعض کو روزی دیتا ہے، یعنی ایک ہی واسطہ ہونا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت کئی واسطوں کے۔

بیع میں ناجائز شرائط (۱) اگر کسی نے خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ تم اپنا مکان میرے ہاتھ بیچ دو تو میں اپنا فلاں کھیت تمہارے ہاتھ بیچ دوں تو معاملہ ناجائز ہو جائے گا اس کو حدیث میں ایک بیع کے اندر دو بیع کہا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنا کھیت یا مکان یا جانور بیچا مگر شرط لگائی کہ کھیت میں ایک فصل بولوں گا تب اس کو تمہارے حوالے کروں گا۔ یا مکان میں ایک مہینہ رہ کر چھوڑوں گا یا جانور کو چار مہینے استعمال کرنے کے بعد دوں گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

(۳) اسی طرح کپڑا خریدتے وقت یہ شرط کہ اسے کاٹ کر اور سی کر دیا جائے اور غلہ یا پھل خرید اس شرط کے ساتھ کہ اسے گھر تک پہنچایا جائے تو ان شرطوں کی وجہ سے بیع ناجائز ہوگی۔

(۴) بھینس یا گائے کی خریداری اس شرط کے ساتھ کرنا کہ اگر چار سیر دودھ روز دے گی تو لوں گا، یا بچنے والے کا یہ کہنا کہ یہ چار سیر دودھ دے گی، دونوں شرطیں باطل ہیں۔ کیونکہ جانوروں کا دودھ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، البتہ یہ کہنے میں کوئی ہرج نہیں کہ یہ گائے دودھاری ہے۔

۵۔ بیع کرتے وقت یہ شرط لگانا کہ اسے کسی کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے یا مکان میں فلاں تصرف نہ کیا جائے، باطل ہے اس شرط پر دھیان نہیں دیا جائے گا۔

شرط لگانے کا قاعدہ کلیہ ایسی شرط جو نفس معاملہ سے متعلق ہو اور اس سے کوئی مزید مالی منفعت حاصل کی جا رہی ہو تو وہ ناجائز ہے

اور بیع باطل ہے۔ جو شرط نفس معاملہ سے متعلق نہ ہو بلکہ زائد ہو تو اگر وہ یک طرفہ مالی منفعت کے لئے ہو تو بیع فاسد ہوگی اور اگر اس سے کوئی فائدہ مطلوب نہیں تو شرط لغو ہوگی اصل

معاملے پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

معاملہ خواہ خرید و فروخت کا ہو یا عقد نکاح کا یا مضاربت کا (یعنی ایک سرمایہ دے دوسرا محنت کرے) یا شرکت کا، ان سب میں اگر کوئی فریق شرط لگاتا ہے تو اگر وہ شریعت اسلامی سے متصادم نہیں ہے تو شرعاً قابل قبول ہوگی، حدیث میں ہے "المسلمون علی شروطہم" (مسلمان اپنی شرط کے پابند ہیں) لیکن اگر وہ شرط کسی شرعی حکم سے ٹکراتی ہے یا اس سے کوئی زائد مالی منفعت کسی ایک فریق کو ہوتی ہے تو فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے۔ مالی معاملات میں ایسی کوئی شرط جس کا تعلق مال سے نہ ہو اصل معاملے پر اثر انداز نہ ہوگی۔ فقہائے احناف تین طرح کی شرطوں کو اگر وہ نفس معاملہ سے متعلق بھی ہوں، اس اصول سے مستثنیٰ کرتے ہیں:

۱۔ وہ شرط جس کی اجازت شریعت نے دیدی ہے مثلاً قیمت تاخیر سے ادا کرنا کسی کو خیار شرط دینا علیٰ ہذا القیاس خیار نقد و تعیین۔ گو یہ شرط نفس معاملہ میں ہے۔

۲۔ وہ شرط جو اصل معاملے کے مناسب ہو۔ مثلاً ادھار معاملے میں یہ شرط کہ مشتری تا ادائے قیمت کوئی چیز رہن رکھ دے یا کوئی ضامن دے کیونکہ بائع نے یہ شرط بغرض تحفظ مناسبت سمجھتے ہوئے لگائی ہے۔

۳۔ وہ شرط جو عرف عام میں مروج ہو مثلاً بعض چیزیں ایک سال لی گارنٹی پر فروخت ہوتی ہیں لہذا ہر یہ تینوں شرطیں اصل معاملے میں بطور منفعت زائدہ کے ہیں جس سے بیع فاسد ہو جانا چاہیے مگر عرف عام کی بنا پر یا تراضی طرفین کی بنا پر کسی ایک کی منفعت یا کسی ایک کا نقصان اس میں نہیں ہے اس لئے انہیں صحیح قرار دیا ہے۔

ممنوعات بیع خریدار کے لئے یہ منع ہے کہ روپیہ قرض لینے یا کوئی چیز عاریتہ حاصل کرنے کی بنیاد پر خرید و فروخت کرے یا قرض اس شرط پر دے کہ اگر تم میری فلاں چیز خرید لو یا اپنی فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو تو میں قرض دے سکتا ہوں۔ وجہ مانع یہ ہے کہ قرض دے کر اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص اپنا مکان بیچتے وقت کہے کہ اس کا ایک کمرہ نہیں دوں گا یا باغ کے پھل فروخت کرتے وقت کہے کہ پانچ سو پھل میرے ہوں گے تو یہ بھی منع ہے، وجہ مانع کرے

اور سچلوں کی قسم کا مجہول ہونا ہے۔ اگر تعین کر دیا جائے تو جائز ہے۔
تصویر کی بیع جاندار کی تصویر بنا کر بیچنا حرام ہے خواہ وہ بچوں کے کھلونے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کو کوئی توڑ دے یا خراب کر دے تو اُس سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ اسلامی شریعت میں یہ مال ہی نہیں ہیں۔

یہ بھی حرام ہے کہ اپنے مال کو بیچنے کے لئے عورت کی تصویر بنا کر لوگوں کو راغب کیا جائے بلکہ اس میں دوہرا تہرا گناہ ہے، ایک تصویر بنوانے کا، دوسرے عورت کو ترغیب کا ذریعہ بنانے کا تیسرے غلط ترغیب دے کر مال بیچنے کا۔

فحش نادلیں، غرباں، تصویریں،
ایسے سامان کا بیچنا جن سے جرائم کو بڑھاوا ملے اخلاق سوز گانوں کے ریکارڈ،

ٹپ، ایسی فلمیں جس سے چوری، ڈاکے یا کسی اور جرم کرنے کی ترغیب ہوتی ہو، ایسی کتابیں یا اشتہار جو زنا، شراب اور سود لینے کی طرف راغب کریں، ان سب کا بیچنا اور خریدنا حرام ہے۔
بیع عینہ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی مگر قیمت ابھی ادا نہیں کی ہے کہ بائع نے کہا کہ کچھ قیمت کم لے کر اُسے پھر میرے ہاتھ فروخت کر دو، اسے شریعت میں بیع عینہ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرا معاملہ بیع عینہ کا ہے لیکن پہلا بیع نسبیہ ہے جو درست ہے اور اپنی جگہ باقی رہے گا۔ امام مالک اور امام حنبلؒ فرماتے ہیں کہ دونوں باطل ہو جائیں گے۔

بیع نجش (دام پر دام لگانا) کسی خریدار نے ایک چیز کی قیمت لگائی اور بائع اُسے دینے پر تیار ہو گیا، اس درمیان میں ایک اور شخص اسی چیز کی قیمت بڑھا دیتا ہے تاکہ وہ نہ خرید سکے یا زیادہ قیمت دے کر خریدے یا دام بڑھانے والا خود اُس کو خرید لے۔

اسی طرح ایک دکاندار کسی چیز کی قیمت بتائے اور خریدار لینے کے لئے تیار ہو کہ ایک دوسرا دکاندار اسی چیز کا نمونہ دکھا کر کہے کہ میں اسے کم دام پر دے سکتا ہوں، یہ تمام صورتیں ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ بیع باطل ہے، دوسرے ائمہ اسے کالعدم

نہیں قرار دیتے بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔

بیعانہ یا ایڈ وانس خریدار نے کسی چیز کا سودا کیا اور کچھ رقم پیشگی دکاندار کے اطمینان

کھلنے دیدی اب اگر دکاندار یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر آپ چیز نہ لے جائیں گے تو میں یہ پیشگی لی ہوئی رقم واپس نہیں کروں گا۔ تو یہ باطل ہے۔ یا کسی نے موچی سے کہا ایک جوڑا جو تیار کر دو، موچی نے کہا کچھ بیعانہ دیجئے اگر آپ نے جو تانہ لیا تو بیعانہ واپس نہ ہوگا تو اسے یہ شرط لگانے کا حق نہیں ہے۔ اگر بغیر شرط کے پیشگی یا بیعانہ کے نام سے کوئی رقم لے لے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر سودانہ لینے کی صورت میں وہ بیعانہ ضبط نہیں کر سکتا اس کو بیع عربون کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے امام احمد بن حنبل کے نزدیک پیشگی رقم ادا کرنے والے نے اگر بطیب خاطر یہ شرط قبول کر لی ہو تو جائز ہے۔

دام کے دام یا نفع لے کر بیچنا دام کے دام چیز بیچ دینے کو بیع تو لیبہ کہتے ہیں اور نفع

لے کر بیچنے کو بیع مرابحہ کہتے ہیں۔ نفع لینے پر اسلامی شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ مگر بازار بھاؤ سے زیادہ پر بیچنا بُرا ہے بعض ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو بازار میں بیچنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ ایسے شخص کو بازار سے اٹھا دیا کرتے تھے اس سلسلہ میں چند مسائل ذہن میں رہنا چاہئیں :

(۱) تاجر پر ضروری نہیں کہ اپنی خریداری کے دام بتائے لیکن اگر کوئی تاجر کہدے کہ میں نے یہ مال اتنے میں خریدا ہے اور ایک آنہ فی روپیہ نفع لے کر فروخت کرتا ہوں تو پھر اس سے زیادہ لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار کو معلوم ہو جائے کہ اس نے دھوکہ دیا ہے تو اسے واپس کر دینے کا اختیار ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دام کم کر کے پھر لینا جائز نہیں۔ مگر ان کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ اس کی اجازت دیتے ہیں جبکہ امام محمدؒ خریدار کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں کہ چاہے تو واپس کر دے یا چاہے تو دام کم کر کے خرید لے، یہ تو وہ صورت تھی جب اس نے کہا تھا کہ نفع لے کر بیچتا ہوں لیکن

(۲) اگر اس نے کہا کہ میں دام کے دام یہ چیز دیتا ہوں اور پھر دھوکہ ثابت ہو جائے تو سب کے نزدیک خریدار کو قیمت کم کرانے کا حق ہے۔

مال منگانے کے مصارف کو یا مال خریدنے کے بعد ڈکاندار نے جو کچھ خرچ کیا اس کو اصل قیمت میں شامل کرنے کا حق ہے مثلاً بریل کا اور چنگی کا خرچ، پیک کرانے، خرید شدہ کاغذ کی کاپیاں بنوانے، خرید شدہ کتابوں کی جلدیں بنوانے پر جو خرچ ہو اسے اصل قیمت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے مگر وہ یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے بلکہ یہ کہے کہ اتنے میں پڑا ہے۔ تاکہ جھوٹ نہ ہو، کیونکہ جھوٹ بول کر بیچنا حرام ہے۔

کمیشن پر یا اجرت پر ایجنٹ مقرر کرنا ایجنٹوں سے ضمانت لی جاسکتی ہے مگر یہ شرط لگانا کہ اگر اتنا مال فروخت نہ

کیا یا اتنے دن کام نہ کیا تو ضمانت کاروبار ضبط کر لیا جائے گا۔ جائز نہیں۔ البتہ اگر ہدایت کے خلاف عمل کرے اور نقصان ہو جائے، یا وہ کوئی چیز لے کر غائب ہو جائے تو اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے ضمانت کاروبار لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ایجنٹ کو مال دیا اور ہدایت کی کہ ایک روپیہ فی درجن یا بیس روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کرو۔ اس نے وہ چیز سواروپے فی درجن یا بائیس روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کر دی تو یہ چار آنے یا دو روپے ایجنٹ کے نہیں مالک کے ہوں گے۔ ایجنٹ اٹھائیس نہیں لے سکتا۔ مالک اگر اپنی خوشی سے دیدے تو جائز ہے۔

۳۔ باغ کا پھل فروخت کیا تو خریدار کو اسی وقت توڑ لینا چاہیے مگر عرف عام میں پھل پکنے تک درخت پر ہی رہتا ہے جس کی اجازت بائع کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اگر بائع اس پر راضی نہ ہو تو وہ پھل توڑ لینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

۴۔ کسی چیز کو نیلام کر کے بیچنا جائز ہے، یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۵۔ ہنڈی میں بٹہ کاٹنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ ریلوے اسٹیشن سے مال اٹھالینے کی ایک مدت مقرر ہوتی ہے جس کے بعد ڈیمرج لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن مال کو فروخت کر کے اس کی قیمت ریلوے کو لے لینے کا حق نہیں ہے، قیمت مال والے کو ہی ملنا چاہیے۔

۷۔ یہ اشتہار دے کر فروخت کرنا جائز ہے کہ جو صاحب فلاں وقت تک قیمت یا چندہ

بھیج دیں گے، اُن کو یہ کتاب یا رسالہ یا مال اتنے روپے میں ملے گا اور اس کے بعد قیمت بڑھ جائے گی۔

۸۔ لیکن بیع کا یہ طریقہ کہ جو شخص اتنا روپیہ یا اتنی فیس مہجری ادا کر دے اُسے زندگی بھر ادارہ کا رسالہ یا اُس کی مطبوعات دی چاہئیں گی کئی وجوہ سے ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع معاومہ مستقبل کا سودا ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ یا بیع الحبلہ ہے یعنی چیز وجود میں نہیں آئی ہے اس کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے یا یہ ایک طرح کا جو ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ادارہ آئندہ نہ چل سکے۔ زندگی بھر کسی رعایت کا لالچ دے کر روپیہ وصول کرنا ایک دھوکہ ہے۔

۹۔ بیع کا ہر وہ معاملہ جس میں سود کا شائبہ ہو فاسد ہے۔ بیع باطل اور فاسد دونوں حرام ہیں۔

۱۰۔ خریدار کو مال والے سے یہ پوچھنا ضروری نہیں ہے کہ تم نے یہ چیز حلال ذریعے سے کمانی ہے یا حرام ذریعے سے لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ چوری یا دھوکے فریب سے چیزیں حاصل کرتا ہے تو احتیاطاً دریافت کر لینا چاہیے اور انہیں خریدنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۱۔ جو مال بطور وراثت یا ہدیہ ملے اور یہ معلوم ہو کہ اسے حرام طریقے سے حاصل کیا گیا تھا یا کسی کا حق مار کر لیا گیا تھا تو مال جس کا ہے اُسے واپس کر دینا چاہیے اور اگر وہ نہ ملے تو صدقہ کر دینا چاہیے۔ اگر استعمال کر لیا تو اگرچہ حکومت اُس کو اس لئے سزا نہیں دے گی کہ اُس نے حرام طریقے سے کمانے کا جرم خود نہیں کیا مگر دیانتہ گنہگار ضرور ہو گا کہ اس نے حرام طریقے سے کمائے ہوئے مال کو رغبت سے کھایا۔ بہت زیادہ تنگدستی اور معذوری کی حالت میں بقتدر کفایت اگر اُس میں سے کھائے تو گناہ نہ ہو گا۔

۱۲۔ اگر ناپاک چیز بیچ دی گئی اور خریدار کو اس کا علم ہو گیا تو وہ اُسے واپس کر سکتا ہے۔

۱۳۔ تیل یا گھی وغیرہ ناپاک ہو جائے تو اُسے خریدار کو بتا کر بیچ دینا جائز ہے تاکہ وہ اُسے کھانے میں استعمال نہ کرے اور دوسرے کام میں لائے۔

۱۴۔ عورت کا دودھ بیچنا ناجائز ہے۔

۱۵۔ جانور اس شرط کے ساتھ دینا کہ اُسے کھلانے پلانے اور چرانے کے بعد جب بچے

ہوں گے تو دونوں بانٹ لیں گے اسے دیہات میں ادھیا کہتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے۔ بچے مالک کے ہی رہیں گے اور چرواہا کھلانے اور چرانے کی اجرت کا حقدار ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنی زمین درخت لگانے کے لئے اس لئے دی کہ پھلوں اور درختوں میں آدھا آدھا حصہ دونوں کا ہوگا تو یہ بھی ناجائز ہے، لگانے والا صرف پودوں اور اپنی محنت کا معاوضہ لے سکتا ہے، درختوں اور پھلوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر لگے ہوئے باغ میں پھلوں کی نگرانی کرنے کی اجرت میں کچھ پھل دیئے جائیں تو یہ جائز ہے۔

۱۶۔ غیر جاندار چیزوں کے بنے ہوئے کھلونوں کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔

۱۷۔ کتاباں شوق و تفریح کے لئے حرام ہے، البتہ اگر کھیتی، مکان یا جانوروں کی حفاظت یا شکار کے لئے پالا جائے تو اس کی اجازت دی گئی ہے مگر حتی الامکان گھر کے اندر نہ جانے دینا چاہئے۔ کتے کی خرید و فروخت کی اجازت امام ابوحنیفہؒ نے اس لئے دی کہ ضرورت کے لئے اس کا پالنا جائز ہے۔ دوسرے ائمہ جو اس کی خرید و فروخت کو فاسد کہتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں کتے کی قیمت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۸۔ خریدار خریدنا ہو اماں اگر واپس کرے تو بار برداری کی مزدوری بھی اسی کو دینا ہوگی۔

۱۹۔ اگر کسی نے ایسا مرغ خرید لیا جو ناوقت بولتا ہے یا ایسا جانور خرید جو غلیظ کھاتا ہے تو یہ عیب ہے جس کی بنا پر واپسی کی جاسکتی ہے۔

۲۰۔ اگر جانور دو تین دفعہ بھاگ جائے تو عیب نہیں ہے لیکن اگر برابر بھاگ جاتا ہو تو عیب ہے خریدار اسے واپس کر سکتا ہے۔

۲۱۔ اگر ایسا مکان خریداجسے لوگ منحوس کہا کرتے تھے اگرچہ اسلام میں نحوست کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن چونکہ اس شہرت کے سبب کوئی کرایہ دار نہیں آئے گا اور بیچتے وقت قیمت گھٹ جائے گی اس لئے مشتری اس کو واپس کر سکتا ہے۔

۲۲۔ بعض صنعتی اور تجارتی ادارے یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو اتنے ٹکٹ فروخت کر دے گا اس کو فلاں چیز ادارہ بطور انعام دے گا۔ اس طریقے سے حاصل شدہ چیز جائز نہیں کیونکہ اس میں یہ شرط چھپی ہوتی ہے کہ اتنے ٹکٹ نہ بکے تو روپیہ ضبط ہو جائے گا گویا یہ بخت و اتفاق پر موقوف ہے۔

ہے، اسی کا نام جو اسے پھر یہ شرط بھی فاسد ہے کہ اتنے ٹکٹ بیچ کر خریدار پیدا کئے جائیں، فاسد شرط کا حکم سود کا سا ہے۔

۲۳۔ مال جب تک مشتری کو نہ مل جائے، ریل یا راستے یا جہاز میں اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کی ذمہ داری بائع پر ہوگی مگر جب مال وہاں پہنچا دیا گیا جہاں مشتری نے منگایا ہے اور مشتری نے دیکھ لیا کہ مال پورا ہے تو بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب اگر مال کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو مشتری کو برداشت کرنا ہوگا، اگر ریلوے اسٹیشن پر نقصان پہنچا تو تاوان ریلوے سے وصول کیا جائے گا۔

احتکار (ذخیرہ اندوزی) ضرورت کی چیزیں کچھ خود غرض لوگ اس لئے ذخیرہ کر لیتے ہیں کہ جب بازار میں ان کی قلت واقع ہو اور ان کی مانگ

زیادہ ہو تو وہ غرض مندوں کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچ کر دولت کمائیں۔ اس فعل کو شریعت میں احتکار کہتے ہیں جو اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذخیرہ اندوز کو ملعون فرمایا ہے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ عام انسان کے لئے تکلیف اور زحمت کا سبب ہوتا ہے جس زمانے میں ذرائع آمد و رفت اور حمل و نقل محدود تھے تو تکلیف اٹھانے والا طبقہ محدود تھا لیکن جب سے یہ ذرائع عام ہوئے تو ذخیرہ اندوزی کے اثرات پورے ملک کو تکلیفوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جہاں سیلاب یا خشک سالی سے غلے کی پیداوار گھٹتی ہے اس کا پتہ ان خود غرض تاجروں کو ہو جاتا ہے اور وہ غلے کا اسٹاک کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ گہرائی ملک گیر پیمانے پر بڑھے، اگرچہ ملکی قانون بھی ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس پر پابندی بھی نہیں لگائی گئی ہے جبکہ اسلامی شریعت اس پر پابندی لگاتی ہے اور چاروں ائمہ مجتہدین احتکار کی کراہت پر متفق ہیں کیونکہ اس سے ذخیرہ اندوزوں کے سوا سب کو مضرت پہنچتی ہے۔

البتہ اگر ذخیرہ اندوزی کسی مضرت کا سبب نہ ہو تو یہ ممانعت باقی نہیں رہے گی، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

فان المحتکر الذی یعمد جو ذخیرہ اندوز ضرورت کی چیزیں خرید کر

الی شراء ما یحتاج الیه الناس
من الطعام فیحبسه عنہم
ویرید اغلائه وهو ظالم
لعہوم الناس وحبینذنا لولی
الامران یکرہ المحتکرین
علی بیع ما عندہم بقیۃ ^{بمثل}
عند ضروریۃ الناس الیہ۔

اُن کا اسٹاک کرتا ہے اور ارادہ یہ
ہوتا ہے کہ ان کو گراں بیچ کر فائدہ
اٹھائے تو عوام کے لئے وہ ظالم ہے،
اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اس کو
زبردستی مجبور کرے کہ اس مال کی جو
مناسب قیمت ہو اس پر فروخت کر کے
لوگوں کی ضرورت پوری کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں بازار کی نگرانی خود کرتے تھے اور عجمی تاجروں
کو بازار میں غلہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، بظاہر اس کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ تجارت
کے اسلامی طریقوں کا لحاظ نہ رکھیں گے اور دوسری وجہ یہ کہ اُن کی ذہنیت کا اثر مسلمان تاجر
قبول نہ کر لیں۔

اپنی پیداوار کو اپنی ضرورت کے لئے روکنا احتکار نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے ہاتھ بیچنے
کے لئے گرائی کے انتظار میں روکنا احتکار ہے اور حکومت اس کو اپنے مقرر کردہ بھاؤ پر بیچنے کے لئے
مجبور کر سکتی ہے۔ (ردالمحتار)

تسعیر (بھاؤ مقرر کرنا) اسلامی شریعت نے کسی شخص یا حکومت کو کسی چیز کا بھاؤ
مقرر کرنے کی اجازت عام حالات میں نہیں دی ہے تمام ائمہ
اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں جو اسوۂ رسول اللہ کے مطابق ہے، ایک بار مدینے کے بازار میں غلہ
بہت گراں ہو گیا تو صحابہ نے آپ سے غلے کا بھاؤ مقرر کر دینے کی خواہش کی جس پر آپ
نے فرمایا کہ یہ حق صرف خدا کو ہے، وہی رزق دینے والا ہے اور تنگی و فراخی لانے والا ہے، میں
خدا کے سامنے اس حال میں جانا نہیں چاہتا کہ میرا دامن کسی کی جان و مال پر ظلم سے داغدار
ہو۔ مقصد یہ ہے کہ گرائی کو روکنے کا یہ غیر فطری طریقہ ہے کہ کوئی ایک شخص چیز کا بھاؤ اپنی
صوابدید سے بنائے، بہتر اور فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی ذہنیت ایسی بن جائے کہ لوگ
اپنے فائدے کے لئے دوسروں پر ظلم نہ کریں۔ لیکن اگر پھر بھی گرائی بڑھ جائے، لوگ فاقے

کرنے لگیں اور اس گرانہی کی وجہ تاجروں کی خود غرضی ہو تو حکومت بھاؤ مقرر کر کے تمام تاجروں کو پابند کر سکتی ہے کہ وہ اسی قیمت پر اپنا مال فروخت کریں مگر یہ اضطراری حالت دور ہوتے ہی قیمت کی تعیین ختم ہو جائے گی۔

قیمت متعین کرنے کی یہ اجازت فقہانے محض ہنگامی اصلاح کے لئے دی ہے یعنی اس وقت جب عوام کو سخت تکلیف ہو رہی ہو اور لوگ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ہوں زمانہ حال میں بعض ملکوں میں جو کنٹرول ریٹ قائم کر دیئے جاتے ہیں اور حکومت خود تاجروں کو فروخت کرنے لگتی ہے، اسلامی شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بلیک مارکنگ کو ہی فروغ ہوتا ہے جو بہت بڑی لعنت ہے۔

مُضَارَبَت

یعنی ایک شخص کاروبار اور دوسرے کی محنت

اسلامی شریعت نے انفرادی کاروبار کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے دوسرے طریقے کاروبار کے مہیا کئے ہیں بعض لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے مگر محنت کر کے روزی کمانے کی صلاحیت کم ہوتی ہے یا ایک غریب آدمی جس کے پاس پیسہ تو نہیں ہوتا لیکن محنت کر کے روزی کا سامان حاصل کر سکتا ہے، اسلام نے اس بات کی اجازت اور ترغیب دی ہے کہ لوگ اپنا پیسہ غریبوں کو دے کر ان سے محنت کرائیں اور دونوں مل کر فائدہ اٹھائیں، اسی سے مُضَارَبَت اور شرکت کے اصول تجارت شریعت اسلامی نے وضع کئے۔

ساہوکار سے سود پر قرض لے کر کاروبار کرنے کا طریقہ جو جاہلیت کے زمانے میں رائج تھا، اسلام نے اسے قطعی حرام ٹھہرایا، موجودہ دور میں بینکنگ سسٹم اسی نمونے پر چل رہا ہے یعنی بینک سود پر قرض دیتے ہیں، قرض لینے والے پر سود کا بار اتنا پڑتا ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر کاروبار کرے تو نہ تو سود ادا کر سکے اور نہ اپنا گھر چلا سکے۔ مجبوراً وہ ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جن سے یہ دونوں باتیں پوری ہوں، نتیجہ میں عوام الناس پر تمام بوجھ پڑتا ہے اور

اور وہی مصیبت اٹھاتے ہیں، اگر مضاربت کی بنیاد پر بینک روپیہ دینے لگیں تو یہ تمام مصائب دور ہو سکتے ہیں۔

مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح لغت میں ضرب کے معنی مارنے یا چلنے پھرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں

رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ اور چلنے پھرنے کے ہیں، چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ لگاتا اور دوسرا اپنی محنت اور دوڑ دھوپ سے اُس سے کمانے اور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس معاملے کو مضاربت کہتے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے:

يُضَيِّبُونَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

زمین میں دوڑ دھوپ کر کے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں

نبی کریم علیہ السلام نے حضرت خدیجہؓ کا روپیہ لے کر اسی طریقے سے تجارت کی تھی۔ عام صحابہؓ بھی لوگوں سے روپیہ لے کر یا دوسروں کو روپیہ دے کر خود بھی فائدہ اٹھاتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے تھے۔ (ہدایہ)

روپیہ دینے والا رب المال، محنت کرنے والا مضارب اور جو سرمایہ کار و بار کے لئے دیا جاتا ہے وہ رأس المال کہلاتا ہے۔

رب المال اور مضارب دونوں معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک کے مضاربت کا معاہدہ روپے اور دوسرے کی محنت سے جو کچھ فائدہ ہوگا اُس میں

آدھا (۱/۲) یا چوتھائی (۱/۴) سرمایہ لگانے والا پائے گا اور آدھا (۱/۲) یا تین چوتھائی (۳/۴) محنت کرنے والے کو ملے گا۔ یا ایک تہائی (۱/۳) سرمایہ لگانے والے کو اور دو تہائی (۲/۳) محنت کرنے والے کو ملے گا۔

مضاربت کی قسمیں دو قسموں کی مضاربت ہوتی ہے (۱) مقید اور (۲) مطلق۔

مقید وہ مضاربت کہلاتی ہے جس میں رب المال کسی خاص جگہ، خاص مدت، یا خاص کاروبار کی قید لگا دے مثلاً اس روپیہ سے تم صرف لکھنویا کانپور ہی میں کام کر سکتے ہو دوسری جگہ نہیں۔ یا یہ کہ محض ایک سال کے لئے روپیہ تم کو دیا جا رہا ہے یا یہ کہ یہ روپیہ صرف کپڑے کے کاروبار ہی میں لگایا جائے دوسرا کام نہ کیا جائے مطلق وہ

مضاربت کہلاتی ہے جس میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو بلکہ مضارب کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ معاہدہ توڑنے کا اختیار معاہدہ طے ہو گیا لیکن مضارب نے ابھی کام شروع نہیں کیا تو دونوں میں ہر ایک کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اس میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ کام شروع کر دینے کے بعد معاہدہ فسخ کرنے کا حق رہتا ہے یا نہیں اس میں ائمہ کی رائیں یہ ہیں :-

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب کسی کو معاہدہ فسخ کرنے کا حق نہیں اگر مضارب فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کو حق ہوگا کہ وہ اس روپے سے کام کریں اور فائدہ اٹھائیں کیونکہ کام شروع کرنے کے بعد فسخ کرنا مضارب کے لئے باعث تکلیف ہو سکتا ہے اور اُس کی محنت اور وقت کا ضیاع بھی۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ جب چاہیں معاملہ فسخ کر دیں، ایسی صورت میں مضارب نے جتنا کام کیا ہے اُس کی اجرت دستور کے مطابق اُسے دی جائے گی۔ ”دستور کے مطابق“ سے وہ اجرت مراد ہے جو عام طور پر اس قدر کام کی ملا کرتی ہے، ان دونوں امام صاحبان کے نزدیک کسی ایک فریق کی موت سے بھی یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا مگر فسخ کی اطلاع دینا فریقین یا ان کے ورثہ کو ضروری ہے، اسی طرح وقت کی قید کی صورت میں۔ مدت متعینہ ختم ہوتے ہی دونوں میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔

۱۔ ربُّ المال اور مضارب دونوں کا عاقل ہونا ضروری ہے، بالغ ہونا لازم نہیں۔ عاقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں معاملات اور نفع نقصان کو سمجھتے ہوں۔

۲۔ جو رقم مضاربت کے لئے طے ہوئی ہو وہ فوراً مضارب کے حوالے کر دی جائے۔ صرف وعدہ کر لینے سے مضاربت مکمل نہیں ہوتی۔

۳۔ جتنی رقم سے کام شروع کرنا ہے وہ اُسی وقت بتا دی جائے، اگر مجمل رکھا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔ یعنی یہ واضح کر دیا جائے کہ کام سو، دو سو یا پانچ یا دس ہزار سے شروع ہوگا۔

۴۔ یہ طے ہونا چاہیے کہ منافع میں کتنا حصہ رب المال کا ہوگا اور کتنا مضارب کا، اگر رب المال نے صرف یہ کہا کہ ہم دونوں فائدے میں شریک رہیں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ نصف منافع رب المال کا اور نصف مضارب کا ہوگا لیکن اگر یہ کہا کہ جو منافع ہوگا مناسب طور پر تقسیم کر لیا جائے گا تو مضاربت فاسد ہوگی کیونکہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔

۵۔ دونوں تحریری طور پر معاملے کے شرائط لکھ کر اپنے اپنے پاس رکھ لیں تو بہتر ہے تاکہ بعد کو اختلاف نہ ہو اگر بغیر تحریر کے کوئی صورت اطمینان کی ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

۶۔ مطلق مضاربت میں رب المال اور مضارب یہ بھی طے کر لیں کہ کتنے دن بعد حساب کر کے منافع تقسیم ہوگا۔

مضاربت فاسد ہونے کی صورتیں
۱۔ اگر رب المال یا مضارب دونوں میں سے کوئی یہ شرط لگائے کہ نفع میں ایک متعین رقم میری ہوگی اور جو باقی بچے وہ تمہاری ہوگی۔ یا یہ طے کرے کہ سو یا دوسو روپے پہلے میں لوں گا اور باقی منافع میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے تو دونوں میں مضاربت فاسد ہوگی۔

اس طرح ایسے کارخانہ داروں کا کاروبار ناجائز ہوگا جو دوسروں کے روپے سے مضاربت کے طور پر کوئی کارخانہ لگائیں اور حق محنت کے طور پر انتظامی دیکھ بھال کے نام سے اپنے لئے کچھ منافع خاص کر لیں پھر باقی منافع اپنے اور حصہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیں۔ اگر مضارب کارخانہ دار نے کوئی باتنخواہ مینجر یا کلرک رکھا تو اس کی تنخواہ وہ منافع کی رقم سے دے سکتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے جب کارخانہ دار نے اپنا روپیہ کاروبار میں نہ لگایا ہو لیکن اگر اپنا روپیہ بھی لگایا ہو تو یہ مضاربت نہیں بلکہ شراکت ہوگی جس کا بیان آگے آتا ہے۔

۲۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف روپے پیسے میں مضاربت صحیح سمجھتے ہیں مگر امام مالکؒ

کے نزدیک سامان میں بھی مضاربت صحیح ہے۔ یعنی کسی نے سامان دیا اور کہا کہ اسے بیچو، جو فائدہ ہوگا ہم لوگ نصف نصف بانٹ لیں گے، امام مالکؒ کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس لئے صحیح نہیں سمجھتے کہ اس صورت میں اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اگر یہ کہا کہ اس سامان کو بیچ کر جو روپیہ ملے اس سے مضاربت کرو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مضاربت جائز ہو جائے گی۔

۳۔ رب المال نے روپیہ نقد نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ ہمارا اتنا روپیہ فلاں کے پاس ہے اس سے وصول کر کے کاروبار کرو، نفع میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ مضاربت صحیح ہوگی۔ لیکن اگر یہ کہا کہ تمہارے ذمہ جو روپیہ ہے اس سے تجارت کرو تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہوا جو ناجائز ہے، اسی طرح اگر مضارب نے پورا روپیہ وصول کرنے سے پہلے ہی کام شروع کر دیا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

۴۔ مضاربت میں روپیہ لگانے والا (رب المال) صرف روپیہ دیگا، کام میں شرکت کی شرط صحیح نہیں ہے، اگر اس نے مضارب سے یہ شرط کی کہ میں خود یا میرا کوئی آدمی تمہارے ساتھ شریک کار رہے گا تو یہ شرط مضاربت کو فاسد کر دے گی کیونکہ یہ مضارب کے حق محنت میں مداخلت ہوگی۔ اگر مضارب چاہے تو خود کسی کو رکھ سکتا ہے۔

رب المال اور مضارب کے حقوق و اختیارات
۱۔ رب المال یعنی سرمایہ لگانے والے کو یہ حق ہے کہ وہ کسی خاص کاروبار میں روپیہ لگانے کی شرط رکھے، اگر مضارب اس کے خلاف کرے اور اس میں نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔

۲۔ رب المال یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ کاروبار فلاں جگہ پر کیا جائے جیسے دہلی، بمبئی یا لکھنؤ وغیرہ۔

۳۔ رب المال یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ روپیہ فلاں وقت تک کے لئے دیتا ہوں مثلاً: چھ مہینے یا ایک سال۔

۴۔ رب المال نے ایک ہزار روپیہ دیا، مضارب نے اس میں سے سو روپے کاروبار کے

انتظام میں خرچ کر دیئے پھر ایک سال یا چھ مہینے میں دو سو روپے کمائے تو ایک سو روپیہ اصل سرمایہ میں سے نکل جائے گا اور باقی ایک سو اصل نفع شمار ہو کر دونوں کے درمیان معاہدے کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

- ۵۔ رب المال اور مضارب کی موجودگی تقسیم کے وقت ضروری ہے۔
۶۔ رب المال اگر یہ شرط لگائے کہ خسارہ دونوں میں مشترک رہے گا تو مضاربت فاسد ہوگی۔

اس کو اس کا حق نہیں ہے

- ۱۔ مضارب نے جو سرمایہ کار و بار کرنے کے لئے لیا اس کا وہ امین بھی ہے اور وکیل (نمائندہ) بھی۔ جس طرح ایک امین امانت کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح اس کو اس سرمایہ کی حفاظت کرنا چاہئے، اگر اتفاق سے سرمایہ میں کوئی نقصان آجائے یا وہ ضائع ہو جائے تو اس پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی یعنی اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ اس نے قصداً مال کو ضائع کیا ہے تو اس پر ذمہ داری ہوگی، اگر اس نے سرمایہ لگانے والے کے شرائط کے خلاف کام کیا اور گھٹا ہوا تب بھی اس پر ذمہ داری ہوگی۔
- ۲۔ مضارب کو وکیل ہونے کی حیثیت سے پورا اختیار ہے کہ طے شدہ شرائط کے تحت جس طرح کار و بار کرنا چاہے کرے، اگر کسی مخصوص کار و بار کرنے یا کسی خاص جگہ پر کار و بار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو اس سے تجاوز کرنا صحیح نہیں، مثلاً اگر یہ شرط لگا دی ہے کہ لکھنؤ میں رہ کر پٹری کی خرید و فروخت کیجئے تو مضارب پر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔
- ۳۔ مضارب کو حق ہے کہ نقد یا ادھار مال خریدے اور بیچے یا اپنی مدد کے لئے کسی کو تنخواہ پر یا روزانہ اجرت پر رکھ لے، رب المال کوئی مداخلت نہیں کر سکتا، اگر اس نے کسی خاص اور محدود کار و بار کی قید نہ لگائی ہو اور مضارب کی صوابدید پر کار و بار کرنے کا اختیار دیا ہو تو وہ جو کار و بار چاہے اور جہاں چاہے کر سکتا ہے لیکن اگر اس نے خرید و فروخت میں غیر معمولی دھوکہ کھایا تو اس کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ مضارب کو یہ حق نہ ہوگا کہ مضاربت کے مال میں سے کسی کو قرض دے یا ہبہ کرے، اس کے لئے رب المال کی اجازت ضروری ہے، اگر اجازت کے بغیر مضاربت کا روپیہ قرض دیدیا اور وہ مارا گیا یا

نقصان ہو گیا تو اُس کی ذمہ داری اُس پر ہوگی۔

۴۔ مضارب کو جو سرمایہ رب المال نے سونپا ہے اُس میں سے مضارب کو بوقت ضرورت رہن یا امانت رکھنے اور حوالہ کرنے کا اختیار ہوگا ان تینوں صورتوں میں اگر اتفاقاً کوئی نقصان ہو جائے تو اُس کا تاوان مضارب پر نہیں ڈالا جائے گا۔ (امانت اور حوالہ کا بیان آگے آتا ہے)

۵۔ مضارب ”کاروبار“ اگر اپنے وطن ہی میں کرے تو اپنے خورد و نوش وغیرہ کے مصارف مضاربت کے مال سے نہیں لے سکتا۔ سواری خرچ صرف اس صورت میں لے سکتا ہے جب بڑا شہر ہو جہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے سواری کی ضرورت پڑتی ہو یا اسٹیشن دور ہو اور مال سواری پر ہی لایا جاسکتا ہو۔ البتہ اگر مال خریدنے یا بیچنے کے لئے وطن سے باہر جانے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ کھانے پینے، سواری اور کپڑوں کی دھلائی کا خرچ مضاربت کے مال سے لے سکتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوا کا خرچ بھی لے سکتا ہے اگر صحت قائم رہنے کے لئے دوا ناگزیر ہو۔ تنہا کام نہ کر سکتا ہو تو کوئی دوسرا آدمی اجرت پر رکھ سکتا ہے۔ لیکن ان اخراجات کو لیتے وقت یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ جس حیثیت کا وہ خود ہے اُس سے زیادہ خرچ نہ کرے مثلاً وہ دوسرے درجے میں سفر کرنے اور دال روٹی اپنے گھر میں کھانے کا عادی ہے تو مضارب کی حیثیت سے بھی اُسے اونچے درجے میں سفر کرنا اور زیادہ قیمتی کھانا کھانا جائز نہیں۔

۶۔ مضاربت کے مال میں کوئی نقصان ہو جائے بشرطیکہ اس میں مضارب کی غفلت کو دخل نہ ہو تو اُسے نفع کی رقم سے پورا کیا جائے گا، مضارب سے اُس کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ اگر نقصان فائدے سے زیادہ کا ہو تو رب المال برداشت کرے گا۔ مضارب صرف اس صورت میں نقصان کا ذمہ دار ہوگا جب اُس کی غفلت سے یا مال خریدنے میں کوئی بڑا دھوکہ کھا جانے کے سبب نقصان ہو، مثال کے طور پر کوئی مال دس روپے فی من کے حساب سے خرید اور بازار میں اُس کا بھاؤ یہی تھا لیکن دوسرے دن ایک دم بھاؤ گر گیا تو جو نقصان اس صورت میں ہوگا اُس کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہوگی لیکن اگر

اُس چیز کا عام بھاؤ آٹھ روپے فی من تھا اور اُس نے بے جانے بوجھے نو یا دس روپے کے بھاؤ سے خرید لیا تو اس نقصان کا ذمہ دار وہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اُس نے مال کی حفاظت نہیں کی اور وہ خراب ہو گیا یا اُس نے رب المال کی ہدایت کے خلاف عمل کیا اور نقصان ہو گیا تو ایسے نقصانات کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی اور تناوان دینا ہوگا جس کا اندازہ وہ لوگ لگائیں گے جو اُس کاروبار کے کرنے والے ہوں۔

۷۔ منافع کی تقسیم اخراجات وضع کرنے کے بعد کی جائے گی مثلاً: اصل سرمایہ ایک ہزار روپے ہے۔ سفر اور دوسری کاروباری ضرورتوں میں دو سو روپے خرچ کئے۔ منافع چار سو روپے ہوا تو دو سو جو اصل سرمایہ سے خرچ ہوئے وضع کر کے باقی دو سو معاہدے کے مطابق دونوں میں تقسیم ہوں گے۔

مقصد یہ ہے کہ فائدے کی صورت میں اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے اور نقصان کی صورت میں مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر اُس نے غفلت نہ برتی ہو نہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو۔

۸۔ مضاربت کا معاملہ کسی وجہ سے فسخ ہو جائے تو مضارب نے جتنا کام کیا ہو اُس کی اجرت اُسے ملے گی لیکن وہ اُس منافع کی مقدار سے زیادہ نہ ہوگی جو اُس نے اب تک کمایا ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے جب کچھ فائدہ ہوا ہو لیکن اگر فائدہ ہونے سے پہلے معاملہ ختم ہو جائے تو اُسے کچھ نہ ملے گا۔ مثلاً ایک ہزار روپے سے کاروبار شروع کیا گیا، دو سو روپے کا فائدہ ہوا کہ مضاربت فسخ ہو گئی تو جتنے دن اُس نے کام کیا جوڑ کر اجرت کا حساب ہوگا لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور معاملہ ختم ہو گیا تو مضارب کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اگر فائدہ ہوا ہے مگر وہ اتنا کم ہے کہ اجرت فائدے سے زیادہ ہوتی ہے تو منافع کی رقم سے زیادہ اجرت نہیں دی جائے گی۔

مضاربت کی شرائط پر روپیہ فراہم کر کے بینک قائم کیا جاسکتا ہے، اس کی تفصیل امانت کے بیان میں آئے گی۔

شرکت

مضاربت کی طرح اسلامی شریعت نے کاروبار کی بعض اور صورتیں بھی جائز قرار دی ہیں تاکہ وہ لوگ جو سرمایہ کم رکھتے ہیں یا بالکل نہیں رکھتے وہ بھی اپنی روزی کا سامان کر سکیں اور صنعتی و تجارتی کاروبار میں ترقی کا سبب بنیں ان میں سے ایک شرکت سے کاروبار کرنا ہے خواہ وہ تجارت میں ہو یا صنعت میں یا زراعت میں یا کسی دوسرے پیشے اور علمی کام میں ان کاموں میں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنے آدمی چاہیں شرکت کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں اس طرح سے بڑے بڑے تجارتی اور صنعتی کاروبار چل رہے ہیں جن لوگوں نے زیادہ پیسہ لگایا ہے انہیں زیادہ فائدہ ہو رہا ہے جبکہ کم پیسہ لگانے والوں کو فائدہ بہت کم ہوتا ہے، عام طور پر شرکتی کاروبار کرنے والے لاکھوں آدمیوں کو حصہ دار بناتے ان سے روپیہ حاصل کر کے سرمایہ جمع کرتے ہیں پھر اُس میں سے کچھ رقم انتظامی امور پر، کارخانے کی عمارت اور مشینوں کی خریداری پر صرف کرتے ہیں، کارکنوں کو تنخواہیں دیتے ہیں اور جب کاروبار چلنے لگتا ہے تو سالانہ آمدنی میں سے مذکورہ مصارف وضع کرنے کے بعد جو رقم بچتی ہے وہ حصہ داروں کو بقدر حصہ تقسیم کرتے ہیں اب اگر کوئی حصہ دار فائدہ نہ دیکھ کر علیحدہ ہونا چاہے تو اُسے وہی چند روپے مل پاتے ہیں جو بحیثیت حصہ دار دیئے تھے یعنی اُس کا حصہ اصل قیمت واپس کر کے خرید لیا جاتا ہے، اس طرح سارے کاروبار پر آہستہ آہستہ وہی لوگ قابض ہو جاتے ہیں جنہوں نے اسے شروع کیا تھا۔

اسلامی شریعت نے شرکت میں کام کرنے والوں کے لئے جو اصول اور ضوابط مقرر کئے ہیں اگر انہیں ملحوظ رکھا جائے تو بڑے سے بڑا کاروبار شرکت میں چلایا جاسکتا ہے۔ سارے حصہ دار فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور ہزاروں بے وسیلہ لوگ روزی کما سکتے ہیں، وہ ساری بے انصافی، زیادتی اور بددیانتی ختم کی جاسکتی ہے جو اس طرح کے کاروبار میں ہو رہی ہے، اسلام بے انصافوں اور زیادتی

اور بددیانتی کرنے والوں کو مجرم قرار دیتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 ”جب دو شریک مل کر کوئی کام کرتے ہیں تو جب تک وہ آپس میں خیانت و بددیانتی نہیں کرتے
 میں اُن کے ساتھ ہوتا ہوں (مدد کرتا اور برکت دیتا ہوں) لیکن جب وہ بددیانتی شروع کر دیتے
 ہیں تو میں اُن کی مدد کرنا چھوڑ دیتا ہوں“ (مشکوٰۃ)

شرکار کی حیثیت اپنی غرض اور اپنے مادی فائدوں کے پیش نظر ہی موجودہ زمانے
 میں لوگ اشتراک کرتے ہیں ان میں کوئی اخلاقی قدر مشترک نہیں
 ہوتی لیکن اسلامی شریعت نے مادی فائدے کے ساتھ شرکار کی اصل حیثیت یہ قرار دی ہے
 کہ ہر شریک مال کا اور اُس سے کئے جانے والے کاموں کا امین بھی ہے اور وکیل بھی۔ یعنی
 جس طرح امانت کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح شرکت کے مال کی حفاظت ہر شریک کرے
 اسی لئے اگر غلطی سے کوئی نقصان ہو جائے تو شریعت تاوان عائد نہیں کرتی۔ وکیل کی حیثیت
 سے کوئی شریک مال کو یا مشترک کاروبار کو اپنے فائدے کے لئے استعمال نہ کرے بلکہ منفعت میں
 ہر شریک کے حقوق کا خیال رکھے کسی کو یہ شکایت نہ ہو کہ فلاں نے سارا فائدہ سمیٹ لیا اور باقی شرکار
 نقصان میں رہے۔ صحابہ کرامؓ نے اسوۂ نبوی کی روشنی میں جب شرکت کا کوئی کاروبار کیا تو
 مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں تک سے ایسا انصاف کیا ہے جو تاریخ میں یادگار رہ گیا ہے خیبر کے
 یہودیوں سے طے تھا کہ وہ مسلمانوں کی زمین میں کاشت کریں جو کچھ پیدا ہوگا اُسے دونوں فریق
 نصف نصف بانٹ لیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو آنحضرتؐ نے غلہ وصول کرنے کے
 لئے بھیجا تو انھوں نے یہودی مزارعین سے کہا کہ یا تم لوگ خود تقسیم کر دو یا کہوں تو میں کروں اُن
 لوگوں نے ان ہی سے بانٹ دینے کو کہا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے دو برابر کے حصے الگ الگ
 لگا دیئے اور کہا ان میں سے جو چاہو لے لو، یہ انصاف دیکھ کر یہودی پکار اُٹھے وَبِهِ قَامَتِ
 السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ یعنی اسی انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

شرکت کی قسمیں شرکت دو طرح کی ہوتی ہے ایک شرکت املاک، دوسری شرکت عقود
 (۱) شرکت املاک، یعنی ملکیت میں شرکت۔ جیسے چند آدمیوں کو
 وراثت میں یا بطور ہبہ ایک جائداد یا ایک مجموعی نقد رقم ملی۔ دو یا دو سے زیادہ لوگوں نے مل کر

کوئی چیز خریدی تو یہ سب صورتیں شرکت املاک کی ہیں یعنی ایک چیز کی ملکیت میں دو یا کئی آدمی شریک ہیں۔

۲۔ شرکت عقود۔ یعنی دو یا چند آدمیوں کا آپس میں معاہدہ کر کے کسی کاروبار میں شریک ہونا، عقد کے معنی بندھنے یا پابند ہونے کے ہیں۔ اس میں شرکاء معاہدہ کر کے اس کی شرائط کے پابند ہو جاتے ہیں۔

شرکت املاک کا حکم جتنے لوگ شریک ہوں ان میں سے کسی شریک کو تمام شرکاء کی

اجازت کے بغیر مشترک جائداد یا روپیہ میں تصرف کا حق

نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ یا چند قطعے مکانات ترکے میں چھوٹے تو اس میں جتنے

حصہ دار ہیں خواہ کسی کا حصہ کم ہو یا زیادہ ان میں سے کسی ایک کو بغیر سب کی مرضی کے روپیہ کام

میں لانے مکانوں کو بیچنے یا کرایہ پر دینے کا حق نہیں ہے اور نہ تقسیم کرنے کا۔ اسی طرح اگر دو

یا کئی آدمیوں نے مل کر غلہ، کپڑا، باغ یا اس کے پھل خریدے تو (۱) اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن

میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا مثلاً جو، گیہوں وغیرہ یا ایک ہی قسم کے کپڑے کے بہت سے

تھان تو دوسرے شرکاء کی موجودگی کے بغیر بھی اس کی تقسیم کی جاسکتی ہے، ایک شریک اپنا

حصہ لے لے اور باقیوں کے حصے الگ کر کے رکھ دے تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن دوسرے شریکوں

کے پہنچنے سے پہلے اگر اس کا حصہ ضائع ہو گیا تو دوسرے شرکاء کے حصوں میں سے اتنا حصہ

لینے کا حق ہے کہ اس کا حصہ سب حصوں کے برابر ہو جائے (اگر دو شریک ہوں تو $\frac{1}{2}$ اور تین ہوں

تو $\frac{1}{3}$ اور چار ہوں تو $\frac{1}{4}$) (۲) اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں کچھ فرق ہوتا ہے مثلاً مختلف

کپڑوں کے دس بیس تھان یا پھل یا جانور خریدے تو چونکہ کوئی تھان اچھا کوئی خراب، کوئی پھل

بڑا کوئی چھوٹا، کوئی جانور تیز کوئی سست ہو سکتا ہے اس لئے سب شریکوں کی موجودگی کے بغیر

ان کو تقسیم نہیں کرنا چاہئے اور نہ کام میں لانا چاہئے کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

شرکت عقود کی کیفیت باہم معاہدہ اور اقرار سے شرکت قائم ہوتی ہے جس کی

صورت یہ ہے کہ دو یا کئی آدمی تھوڑا تھوڑا سہرا یا فراہم کر کے

پس میں طے کرتے ہیں کہ ہم سب مل کر اس روپے سے فلاں کام کریں گے اور جو نفع ہو گا وہ

آپس میں اتنے فی صدی تقسیم کر لیں گے یا کسی کام کے بارے میں یہ طے کر لیں کہ سب مل کر اس کو انجام دیں گے اور جو فائدہ ہوگا بانٹ لیں گے، یہ اقرار زبانی بھی ہو سکتا ہے اور تحریری بھی، امام سرخسی نے تحریری معاہدے پر زور دیا ہے (مبسوط) معاہدے کے شرکار میں سے ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے معاہدے کو نسخ کر دے اور علیحدہ ہو جائے، اس کا اثر دوسرے شرکار پر نہیں پڑے گا۔ شرکار میں سے اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو اس کا معاہدہ خود بخود نسخ ہو جائے گا لیکن اگر ورثا چاہیں تو اس کی تجدید کر سکتے ہیں۔

شرکت عقود کی قسمیں شرکت عقود کی کئی قسمیں ہیں اور ان کے جدا جدا احکام ہیں مگر چند باتیں سب میں مشترک ہیں:

- ۱۔ شرکت کا قول و قرار باقاعدہ ہونا۔ خواہ زبانی ہو یا تحریری۔
- ۲۔ منافع کی تقسیم کا تناسب صاف صاف بیان ہونا کہ کتنا کتنا کس کس کو ملے گا۔
- ۳۔ ہر شریک مشترکہ مال کا امین بھی ہوگا اور وکیل بھی۔ امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت کا اور وکیل کی حیثیت سے کاروبار کے نظم و تصرف میں برابر کا ذمہ دار ہوگا۔
- ۴۔ اگر تمام شرکار کا حصہ سرمایہ اور کام میں برابر کا ہو تو بھی آپس کی رضامندی سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم منافع دینا طے کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔
- ۵۔ ہر شریک کو خود یا اپنے کسی نمائندے کے ذریعے کام میں حصہ لینا ضروری ہے لیکن اگر کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکتا ہو تب بھی نفع میں شریک رہے گا کیونکہ گھٹا ہو جانے کی صورت میں اس کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔
- ۶۔ لیکن اگر معاملہ کرتے وقت کسی شریک نے یہ کہہ دیا کہ میں اس کام میں شریک نہیں رہوں گا تو شرکت اس کے حق میں فاسد ہوگی۔

مجلس انتظام شرکت کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلانے اور اس کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے شریکوں میں سے کسی ایک یا کئی آدمیوں کو ذمہ داری سونپی

جاسکتی ہے یا ان کے علاوہ کسی آدمی کو یہ کام سپرد کیا جاسکتا ہے، ایسے شریک کے منافع کا حصہ اس کا وقت زیادہ صرف ہونے یا انتظامی صلاحیت ہونے کی بنا پر کچھ بڑھا کر مقرر کیا جاسکتا

ہے۔ باہر کا آدمی اگر کام کرنے کے لئے بحیثیت شریک کار و بار میں شامل ہو تو منافع کا کچھ مناسب حصہ اُس کا مقرر کر کے اُسے مضارب تصور کیا جائے گا، اور اگر وہ اجرت لینا پسند کرے تو تنخواہ مقرر کر دی جائے گی اور اس صورت میں وہ منافع میں شریک نہیں ہو سکتا، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ متعین تنخواہ بھی لے اور منافع میں بھی شریک ہو۔

شرکت کی قسمیں اور اس کے احکام و شرائط

۱۔ شرکتِ مفاوضہ۔ مفاوضہ کے معنی ایک دوسرے کے سپرد کرنے کے ہیں، اس کو شرکتِ مفاوضہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شریک دوسرے کو اپنا مال سپرد کر دیتا ہے، اس میں شرط یہ ہے کہ تجارت کے منافع میں ہر ایک کا حصہ سرمایہ کے مطابق بغیر کسی فرق کے ہوگا اور شرکار میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مال میں تصرف (یعنی خرید و فروخت کرنے) کرایہ پر لینے اور دینے کا حق ہوگا۔ اس شرکت کے لئے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں:

- ۱۔ شرکار کا سرمایہ تجارت میں برابر ہو۔
- ۲۔ شرکار منافع میں برابر کے حصہ دار ہوں۔
- ۳۔ ہر شریک کو مال خریدنے، بیچنے، تصرف کرنے اور قرض دینے کا اختیار ہو۔
- ۴۔ اگر کوئی شریک اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کوئی چیز خریدے تو دوسرے شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر ادھار لی ہیں تو جس سے ادھار لی ہیں اُس کو دوسرے شرکار سے بھی تقاضے کا حق ہے۔
- ۵۔ یہ شرکت صرف مسلمان بالغوں کے درمیان ہو سکتی ہے کیونکہ غیر مسلم یا نابالغ (ان امور کی پابندی نہیں کر سکتا جو ضروری ہیں۔

(۲) شرکتِ عنان: یہ شرکت عقود کی سب سے مشہور قسم ہے، عام طور پر یہی طریقتہ شرکت کا رائج ہے۔

- ۱۔ اس میں نہ تو سرمایہ کا برابر ہونا ضروری ہے اور نہ نفع میں برابری شرط ہے۔ اس میں ہر شخص شریک ہو سکتا ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس میں شرکت مفاوضہ کی طرح

سرمایہ اور نفع کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شرکار کا سرمایہ کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے مطابق نفع میں بھی حصہ کم و بیش ہو سکتا ہے۔

۲۔ کاروبار میں ایک شریک نے ایک ہزار روپیہ لگایا اور دوسرے شریک نے پانچ سو روپیہ اور دونوں نے بخوشی طے کیا کہ منافع دونوں کا برابر ہوگا تو یہ جائز ہے کیونکہ منافع کا تعلق محض سرمایہ سے نہیں ہوتا۔ اس میں ذہنی صلاحیت اور سوچ بوجھ، عملی محنت اور دوزدھوپ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ زیادہ ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیت کم ہو۔ دوسرا شخص کم سرمایہ رکھتا ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیتوں میں اس سے بڑھا ہوا ہو۔ تو یہ شخص سرمایہ کی کمی کی تلافی اپنی ذہنی اور عملی صلاحیتوں سے کر سکتا ہے، بہر حال اس کا تعلق آپس کی رضامندی سے ہے، جبر اور دباؤ سے نہیں ہے۔

۳۔ تمام شرکار کا سرمایہ برابر ہو لیکن نفع میں کمی اور زیادتی طے ہوئی ہو۔ عام شرکار عملی محنت کرنے کو تیار نہ ہوں بلکہ پورے کاروبار کی ذمہ داری کسی ایک یا دو کے سپرد کریں تو جس کے سپرد کام کیا گیا ہو اگر یہ وہ شخص ہے جس کا نفع زیادہ مقرر ہوا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر کام کرنے کی ذمہ داری اس شخص کو سونپی گئی ہے جس کا نفع کم رکھا گیا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے سرمایہ برابر لگایا اور محنت بھی کی اور پھر بھی منافع کم ملا تو وہ نقصان میں رہے گا جس کو شریعت روا نہیں رکھتی۔

۴۔ نفع تقسیم کرنے کی مقدار کا تعین ہو جانا چاہیے یعنی $\frac{1}{4}$ ، $\frac{1}{2}$ یا دس فیصد فلاں کو اور بیس فی صد فلاں کو یا سب کو برابر۔ اگر یوں طے کیا گیا کہ ایک ہزار روپے تو فلاں آدمی کے متعین ہیں باقی جو بچے اس میں باقی شرکار کا حصہ ہو جائے یہ صحیح نہیں (ہدایہ)

۵۔ نقصان اگر ہو جائے تو وہ اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔ نفع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بشرطیکہ نقصان قصداً نہ کیا گیا ہو بلکہ اچانک ہو گیا ہو، اگر کسی شریک نے جان بوجھ کر نقصان پہنچایا تو وہ اس کے نفع یا اصل سے پورا کیا جائے گا، جیسا کہ مضاربت کے بیان میں گزرا۔

۶۔ تمام شرکار نفع اور نقصان دونوں میں شریک سمجھے جائیں گے، اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ نقصان اس کے ذمے، اور نفع میں سب لوگ شریک رہیں گے تو یہ شرکت ناجائز ہوگی۔

(۷) شرکت اگر فاسد ہو جائے یا معاہدہ فسخ کر دیا جائے تو منافع سرمایہ کے مطابق تقسیم کرنا ہوگا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے اور کسی نے دو ہزار روپے لگائے تھے تو ایک ہزار روپے والے کو $\frac{1}{3}$ اور دو ہزار والے کو $\frac{2}{3}$ ملے گا خواہ شرکت کرتے وقت زیادہ اور کم منافع لینے کی شرط ہی کیوں نہ کی گئی ہو، وہ شرط شرکت فاسد یا منسوخ ہونے کی صورت میں کالعدم سمجھی جائے گی۔

۸۔ جس غرض کے لئے شرکت کی گئی ہو اس میں ہر شریک کو مال خرچ کرنے اور دوسرے تصرفات کا برابر حق ہے۔ مال منگانے، چھڑانے، ادھار بیچنے یا ادھار لگانے کا ہر شریک کو حق ہے۔ اگر کسی سے نقصان ہوگا تو سب کی ذمہ داری سمجھی جائے گی، البتہ اگر ایک شریک نے دوسرے کو کسی چیز کے خریدنے سے منع کیا اور اس نے اسے پھر بھی خرید لیا اور اس میں نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری تنہا اس پر ہوگی، اسی طرح اگر اس نے خریدنے یا بیچنے میں شدید قسم کا دھوکہ کھایا تو بھی اسی پر اس کی ذمہ داری ہوگی دوسرے شریکوں کا سرمایہ محفوظ سمجھا جائے گا۔

۹۔ شرکت کے مال میں ذاتی مال ملانا یا دونوں کا کاروبار سجائی کرنا جائز نہیں جب تک کہ دوسرے شریک اس کی اجازت نہ دیں، اسی طرح تمام شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی نئے آدمی کو شریک بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

۱۰۔ مشترک کاروبار جس میں کئی شریکوں کا سرمایہ لگا ہے اور کوئی شریک اسی طرح کا کاروبار اپنے ذاتی روپے سے الگ شروع کر دے تو اسے بھی مشترک سمجھا جائے گا اگرچہ وہ یہ ثبوت ہی کیوں نہ دے کہ یہ اس کا ذاتی کاروبار ہے، البتہ اگر وہ اس مشترک کاروبار سے مختلف کوئی دوسرا کام اپنے ذاتی روپے سے کرے مثلاً مشترک کاروبار کپڑے کا ہے اور وہ اپنی ذاتی دکان جوتے کی کھولے تو اس کی اجازت ہے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ مشترک کاروبار کو اس کے ذاتی کاروبار سے نقصان نہ پہنچے یا مشترک سرمایہ کو ذاتی منفعت کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

۱۱۔ تمام شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی ایک شریک کسی کو مشترک سرمایہ سے قرض نہیں دے سکتا۔

- ۱۲۔ اگر سرمایہ قرض لے کر چند آدمی مشترک کاروبار کریں تو جائز ہے بشرطیکہ قرض سودی نہ ہو۔
- ۱۳۔ مشترک کاروبار کے سلسلہ میں اگر سفر کرنا پڑے، مزدوری یا دکان کا کرایہ دینا پڑے یا کارخانہ اور مشین لگانے میں خرچ کرنا پڑ جائے تو اس سب کا بار مشترک سرمایہ پر ہوگا۔
- ۱۴۔ اگر کسی ایک شریک نے دوسرے شریک کو یا چند شرکاء نے ایک شریک کو مشترک سرمایہ سپرد کر کے کہا کہ تجارت یا صنعت میں سے جو کام چاہو کرو تو اس کو اختیار ہوگا کہ جو کام چاہے اور جس طرح چاہے کرے، لیکن اگر قصداً سرمایہ برباد کرے گا (مثلاً فضول کاموں پر یا اپنے تعیبات پر خرچ کرنا وغیرہ) تو نقصان اُس کے سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔
- ۱۵۔ اگر کسی شریک یا چند شرکاء نے کسی خاص شہر یا مقام پر کام کرنے کی رائے دی لیکن دوسرے شرکاء نے سرمایہ اُن کی رائے کے خلاف دوسری جگہ لگایا اور اس میں نقصان ہو گیا تو اس کی ذمہ داری ان ہی شریکوں پر ہوگی جنہوں نے ایسا کیا ہے۔ وہ شرکاء جنہوں نے پہلے رائے دی تھی اُس معاہدے کے مطابق منافع پائیں گے جیسا کہ طے ہوا تھا۔

۳۔ شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنایع یہ شرکت عقود کی تیسری قسم ہے، اس سے مراد وہ شرکت ہے جس میں سرمایہ کے بغیر

دو ہم پیشہ باہم مل کر یہ طے کریں کہ ہمارے عمل سے جو یافت ہوگی اُسے آپس میں معاہدے کے مطابق بانٹ لیں گے۔ مثلاً اسٹیشن پر سامان ڈھونے یا ایک دیوار تعمیر کرنے کا معاہدہ یا دو سناروں کے درمیان زیور بنانے کا معاہدہ یا دو موچیوں کے درمیان یہ معاہدہ کہ جو کام ملے گا اُسے مل کر یا علیحدہ علیحدہ کریں گے اور فائدے میں برابر کے شریک رہیں گے تو یہ سب شرکتیں جائز ہیں، ان میں سرمایہ مشترک نہیں ہوتا لیکن عمل یا صنعت مشترک ہوتی ہے، اسے شرکت تفتیل بھی کہتے ہیں یعنی دو آدمیوں کا ایک کام کو قبول کر لینا۔ عہد رسالت میں صحابہ اس قسم کی شرکت کرتے تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ حضرت سعد اور حضرت عمار نے غزوہ بدر میں معاہدہ کیا کہ جو کچھ مال غنیمت ملے گا وہ سب کا مشترک حصہ ہوگا خواہ ایک ہی کیوں نہ پائے، اس شرکت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو یہ ہیں :-

۱۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کام برابر کرے اور کام کا معاوضہ سب کو یکساں ملے۔ ایک

جو ان بوڑھے سے زیادہ کام کرے گا اور اپنی محنت کے مطابق معاوضہ کا حقدار ہو گا یا ایک درزی سلانی میں زیادہ محنت کر سکتا ہے اور دوسرا درزی تراش (کننگ) میں ماہر ہے یا ایک باریک کام کر سکتا ہے اور دوسرا صرف موٹا کام کر سکتا ہے تو دونوں کی اجرت میں تفاوت ہو سکتا ہے لیکن یہ رضامندی سے ہونا چاہیے۔

- ۲- کام دینے والے کو ہر شریک سے تقاضے کا حق ہے خواہ کسی کا معاوضہ کم ہو یا زیادہ۔
- ۳- ایک شریک آرڈر قبول کر لیتا ہے تو یہ قبولیت سب ہی شرکار کی قبولیت مانی جائے گی۔
- ۴- کام پورا ہو جانے کے بعد ہر شریک اُس کام کا پورا معاوضہ لے سکتا ہے، آرڈر دینے والا کسی ایک شریک کو معاوضہ پورا ادا کر دے تو دوسرے کسی شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ اگر آرڈر دینے والے سے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ ادائیگی فلاں کو کی جائے تو پھر کسی اور شریک کو معاوضہ ادا نہیں کرنا چاہیے۔

۵- اگر کسی شریک نے کام کیا اور کسی نے نہیں کیا تو کام دینے والے کو اعتراض کا حق نہیں ہے البتہ اگر یہ شرط لگا دی گئی ہو کہ فلاں شخص کے ہاتھوں سے یہ کام ہو تو اس کی پابندی ضروری ہوگی یا مثلاً دو کارگیروں کو مکان کی تعمیر کا ٹھیکہ اس شرط پر دیا کہ دونوں عملاً شریک کار بھی رہیں گے تو اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

- ۶- اگر شرکار میں سے ایک کسی مجبوری کی وجہ سے (بیماری یا کسی دوسری مصروفیت کے سبب) کام نہ کر سکا تو بھی وہ فائدے یا اجرت میں شریک سمجھا جائے گا۔
- ۷- اگر نقصان ہو گا تو تمام شرکار اس کا تاوان ادا کریں گے مثلاً چند آدمیوں نے مل کر ایک پیل بنانے کا ٹھیکہ لیا اور اس میں نقصان ہو گیا تو تمام شرکار اپنے حصے کے مطابق اس کو برداشت کریں گے مثلاً جس کا حصہ فائدے میں $\frac{1}{3}$ تھا وہ خسارے کا $\frac{1}{3}$ اور جس کا حصہ $\frac{2}{3}$ تھا وہ خسارے کا $\frac{2}{3}$ برداشت کرے گا۔

۸- اگر دو پیشہ ور اس طرح شرکت کریں کہ دکان ایک کی ہو اور اوزار یا محنت دوسرے کی تو یہ بھی جائز ہے۔

۹- اگر دو ٹرک والے یہ معاہدہ کر لیں کہ حمل و نقل کا جو کام ملے گا اُسے دونوں میں سے کوئی

اپنے ٹرک سے پہنچا دیا کرے گا اور اس طرح کرایہ کی آمدنی دونوں تقسیم کر لیا کریں گے تو یہ جائز ہے لیکن اگر شرکت اس طرح ہو کہ دونوں جو کچھ اپنے اپنے طور پر کمائیں گے اُسے بانٹ لیا کریں گے تو جائز نہیں ہے، مطلب یہ کہ کام اور اجرت دونوں میں شرکت ہونا شرط ہے، محض اجرت میں نہیں۔

۱۰۔ اگر ایک گھر کے سربراہ نے کسی کام کو کرنے کا معاہدہ کیا اور پھر وہ کام گھر میں بیٹھ کر کر لیا اگر کام میں اُس کے گھر کے لوگ بھی شریک ہو گئے تو وہ قانونی شریک نہیں ہوں گے بلکہ مددگار شریک ہوں گے، انہیں الگ سے معاوضے کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔

۴۔ شرکت الوجوہ یہ شرکت عقود کی چوتھی قسم ہے، دو یا دو سے زیادہ نہ تو سرمایہ میں شریک ہوں اور نہ عمل و صنعت میں بلکہ اپنی ساکھ اور وجاہت کی بنا پر یہ معاہدہ کر لیں کہ تاجروں سے مال اُدھار لے کر فروخت کریں گے اور مال کی اصل قیمت ادا کرنے کے بعد جو فائدہ ہوگا اُسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

۱۔ اس شرکت کے لئے وہی شرائط ہیں جو شرکتہ الصبائح کے ہیں یعنی منافع طے شدہ تناسب سے ہر شریک کو ملے گا اور گھاٹا ہر شریک اُسی تناسب سے برداشت کرے گا۔ البتہ ایک شرط زیادہ ہے وہ یہ کہ جو اپنی ساکھ اور وجاہت سے جتنا زیادہ حاصل کرے گا اور جتنے زیادہ مال کی ذمہ داری (ضمانت) لے گا اتنا ہی زیادہ نفع کا مستحق ہوگا، اگر شرط یہ کی گئی کہ مال خواہ برابر حاصل کریں یا کم یا زیادہ مگر فائدے میں برابر کی شرکت رہے گی تو یہ شرط لغو سمجھی جائے گی۔ جس نے جتنا زیادہ مال لیا ہے اُسی اعتبار سے نفع میں حصہ ملے گا اگر کوئی فریق یہ شرط کرے کہ نصف مال کا وہ ذمہ دار ہے مگر فائدہ زیادہ لے گا تو بھی شرط لغو ہے دونوں پر اُدھا اُدھا منافع تقسیم ہوگا۔

۲۔ خسارے کی صورت میں بھی اُسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا ہوگا جتنا مال لیا ہے اور جس کی ذمہ داری لی ہے مثلاً کسی نے دو حصے مال حاصل کیا اور اُس کی ذمہ داری اور دوسرے نے ایک حصہ مال حاصل کیا اور اُس کی ذمہ داری لی تو خسارے کی صورت میں اُسی تناسب سے نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ (المجلد)

ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے مال کا ضامن ہے، اگر وہ ضائع ہو گیا یا اس میں نقصان آ گیا تو تاوان اسی اعتبار سے عائد ہوگا۔ منافع بھی اسی ضمانت اور ذمہ داری کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔

قرض

روپیہ ادھار لینے کی ضرورت اکثر اور بیشتر لوگوں کو ہو جاتی ہے۔ بے سہارا یا غریب افراد ہی نہیں بلکہ دولت مند لوگ اور بڑی حکومتیں بھی بعض اوقات قرض لینے پر مجبور ہو جاتی ہیں، مثال کے طور پر ایک شخص جو لاکھوں روپے کا مالک ہے سفر میں کبھی وہ تھوڑے پیسے قرض لینے کا حاجت مند ہو جاتا ہے، یا ایک کمانے والا آدمی جو ہزاروں روپے ماہوار کماتا ہوتا ہے بکایک فوت ہو جاتا ہے اور اس کے گھر والے اپنی ضرورتیں پوری کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ حکومتیں جنگ کے زمانے میں عام افراد سے قرض لینے کی اپیل کرتی ہیں، غرض یہ کہ انفرادی، اجتماعی، معاشی ضرورتوں کے علاوہ سیاسی ضرورتیں بھی قرض کے سہارے پوری کرنا پڑ جاتی ہیں، یہ سہارا شدید ضرورت کے وقت عزت و آبرو یا جان بچانے کی خاطر تلاش کرنا چاہیے، ورنہ عام حالت میں یہ ایک ناپسندیدہ بلکہ تباہ کن آفت ہے جو افراد اور حکومتوں کو بھی پہنچنے نہیں دیتی، اس کی مضرت اور بڑھ جاتی ہے اگر سود اور منفعت پرستی کا دخل ہو جائے، قرض دینا انسانی ہمدردی اور خیر و برکت کی نیت سے ہو تو باعث صلاح ہے لیکن اگر مادی نفع حاصل کرنے اور خود غرضی کے لئے ہو تو تباہی کا سبب ہے۔ ”خود غرضی“ سود لینے پر آمادہ کرتی ہے، خود غرضی یہ نہیں سوچتا کہ جو اصل رقم واپس کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ سود کہاں سے دے گا، وہ قرض دار سے اظہار ممنونیت کا طالب رہتا ہے اور سود میں کمی یا اس کے مارے جانے کا خطرہ ہو تو اصل کی طرح اُسے بچانے کی فکر کرتا ہے اور بسا اوقات قرض دار کی عزت اور آبرو سے بھی کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اُسے یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ خود اُس پر ایسا وقت پڑ سکتا ہے کہ دوسروں سے قرض لینے پر مجبور ہو جائے۔ یہی مجرمانہ ذہنیت قرض دینے والی حکومتوں کی ہوتی ہے، دس بیس

سال تک اصل رقم کے ساتھ اس کا سود بھی وصول کرتی رہتی ہیں اس طرح قرض لینے والے کو اصل رقم سے ڈیڑھ گنا یا کم از کم سوائی رقم یعنی ا کے مقابلے میں ا ۱/۲ دینا پڑ جاتی ہے بقروض حکومتیں سود کے ساتھ ساتھ کچھ سیاسی اور تجارتی حقوق بھی قرض خواہ حکومتوں کو دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں امریکہ اور اس جیسی بڑی حکومتیں قرض دے کر دوسرے ممالک کو پابہ زنجیر کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن کے دلوں میں انسانی ہمدردی اور احساسِ مروت ہو وہ سود لینے سے گریز کرتے ہیں اور قرض دینے سے بھی گھبراتے ہیں کہ کہیں ان کا روپیہ مارا نہ جائے۔

شریعتِ اسلامی کی ہدایات چونکہ قرض لینے کی اجازت ناگزیر انسانی ضرورت کو پورا کرنے یا سخت حالات سے نکلنے کے

لئے دی گئی ہے ساتھ ہی ایسی اخلاقی پابندیاں قرض دینے والے اور قرض لینے والے پر عائد کر دی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے ضرورت بہ آسانی رفع ہو جائے اور سود کی لعنت اور قرض خواہ کی ممنونیت سے بھی بچیں اور ان نقصانات سے بھی محفوظ رہیں جو مادی وغیر مادی دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔

قرض کے بیان میں قرآن میں کہا گیا ہے "لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ" یعنی نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے "لَا ضَرَّ مَرًا وَلَا ضَرَّ اِدْرًا" یعنی نہ خود نقصان اٹھاؤ، نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔ آسودہ حال لوگوں کو ضرورت مندوں غریبوں اور مسکینوں (بے سہارا لوگوں) کی ضرورت و حاجت کا خیال رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے، یہاں تک کہ اگر وہ سوال کریں تو اسے رد نہ کیا جائے اور بغیر معاوضہ لئے مدد کی جائے اور اگر وہ شرم و حیا سے سوال نہ کر سکیں تو خود ان کی ضرورت معلوم کر کے اسے پورا کریں۔ اگر اس طرح کی مدد نہیں کر سکتے تو بطور قرض کے تو دے ہی دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دو بار قرض دیتا ہے تو اس کا ثواب وہی ہوتا ہے جو ایک بار صدقہ دینے کا ہوتا ہے۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ لِيَقْرِضَ مُسْلِمًا
قَرْضًا مَرَّتَيْنِ إِلَّا كَانَ
كَصَدَقَتِهَا مَرَّةً

صدقہ اسی کو کہتے ہیں کہ ایک آسودہ حال مسلمان دوسرے ضرورت مند مسلمان کی ضرورت
اس طرح پوری کرے کہ اُسے اپنا مال واپس لینے یا معاوضہ وصول کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔
لیکن اگر وہ اتنا فراخ دل نہیں ہے تو بطور قرض ہی دیدے اور سود یا نفع اندوزی کا خیال
بھی دل میں نہ لائے اس اعتبار سے وہ مستحق اجر ہوگا اور دوبار ایسا کر کے وہ اُس ثواب کا مستحق
بن جائے گا جو ایک بار صدقہ کر کے اُسے ملتا۔ قرض دے کر اُس کی ادائیگی میں مہلت دینا اور
غریب ہو تو معاف کر دینا ایسا نیک کام ہے جو آخرت میں مغفرت کا سبب ہوگا، قرآن میں ہے،

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (بقومہ)

(یعنی اگر قرض دار تنگ دست ہے تو کشادگی تک مہلت دو اور اگر بالکل معاف کر دو تو

تمہارے لئے بہ (صدقہ کر دینا) عمل خیر ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک نیک آدمی کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

رَأَىٰ سَاجِدًا كَانَ فِيهِمْ كَانَ
مِنْ قَبْلِكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ
لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ
هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ
مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أَنْظِرْ
قَالَ مَا أَعْلَمُ غَيْرَ آتَىٰ
كُنْتُ أَبَايَعُ النَّاسَ
فِي الدُّنْيَا وَأَجَابِيَهُمْ
فَأَنْظِرُ الْمُوسِرَ وَاتَّجَاوَزُ
عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ
اللَّهُ الْجَنَّةَ۔

(تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان میں ایک
آدمی تھا، جب موت کے فرشتے نے اُس
کی روح قبض کی تو اُس سے پوچھا کیا تم
نے کوئی نیک کام کیا ہے اُس نے کہا
مجھے ایسا کوئی کام نظر نہیں آتا۔ پھر کہا
گیانور کرو اُس نے کہا مجھے اس کے علاوہ
اپنا کوئی نیک کام نظر نہیں آتا کہ میں لوگوں
سے ادھار لین دین کرتا تھا اور انہیں
مال اٹھالے جانے کی اجازت دیدیتا
تھا پھر اگر وہ خوش حال ہے تو اس کو
قیمت ادا کرنے کے لئے مہلت دیتا تھا
اور اگر تنگ حال ہے تو اُسے معاف کر دیتا
تھا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیک

کے بدلے میں اس کو جنت میں داخل فرمایا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنَجِّيَهُ اللَّهُ
مَنْ كَرِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فَلْيَتَنَفَّسْ عَنِ مَعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ
عِنْدَهُ - (مسلم)

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اُسے قیامت کی
سختیوں سے اللہ نجات دیدے تو
تو اسے چاہیے کہ تنگ دست مقروض کو
مہلت دے یا اسے معاف کر دے۔

بے ضرورت قرض لینا شریعت اسلامی میں مذموم ہے صرف عزت و آبرو کی حفاظت اور شدید معاشی ضرورت کے لئے اجازت ہے بالکل اس طرح جیسے مرتے ہوئے کو مردار کھانے کی (وہ بھی اگر سڈ رُمق سے زیادہ کھائے گا تو فعل حرام ہوگا اور قانوناً سزا کا مستحق ہوگا) یہی حال قرض لینے کا ہے کہ بدرجہ مجبوری اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص عیش کوشی، اپنی عرفی ساکھ یا مصنوعی معیار زندگی کو قائم رکھنے کے لئے قرض لے یا ضرورت واقعی کے لئے قرض لے کر اُس کی ادائیگی سے بے خبر ہو جائے یا استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں لیت و لعل کرے تو وہ اخلاقاً بھی مجرم ہے اور قانوناً بھی۔ دنیا میں بھی مستحق سزا ہے اور آخرت میں سخت پکڑ کے قابل۔

قرض ادا نہ کرنا کس قدر ناپسندیدہ ہے؟ اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ اُس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرض چھوڑ کر وفات پا جاتا اور ادائے دین کے لئے کوئی ترکہ بھی نہ چھوڑ گیا ہوتا، ایک بار ایک صحابی کا جنازہ لایا گیا، آپ نے دریافت کیا تھَلَّ عَلَيْهِ دَيْنٌ (ان پر کوئی قرض تو نہیں) معلوم ہوا وہ دینار کے مقروض تھے آپ نے فرمایا ان کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ ایک صحابی حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ دونوں دینار کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں۔ تب آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

سوتے وقت اور پنج وقتہ نمازوں کے بعد جو دعائیں مانگتے ان میں گناہوں کے ساتھ قرض سے بھی پناہ مانگتے ہوئے فرماتے "اعوذ من الهاشم والمغرم" (میں گناہ اور قرض کے بوجھ سے پناہ مانگتا ہوں)

ایک بار آپ کفر و قرض دونوں سے پناہ مانگ رہے تھے۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ!

کیا آپ قرض کو کفر کے برابر قرار دیتے ہیں؟ فرمایا، ہاں! (نسائی، حاکم)
 اسلام کسی مومن کو ذلت میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ہے جب خدائے تعالیٰ
 کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اُس کی گردن پر قرض کا بار رکھ دیتا ہے۔ (حاکم)
 بلندی، عزت اور آزادی کے بجائے کمتری، ذلت اور غلامی کا احساس پیدا ہونا مومن
 کی شان کے خلاف ہے، ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو کچھ نصیحت فرما رہے تھے
 اُس میں یہ بھی فرمایا کہ قرض کم لیا کرو، آزاد ہو کر زندہ رہو گے۔ (بیہقی)
 آپ صحابہ کو قرض سے سبکدوش ہونے کی دعا تلقین فرمایا کرتے تھے، حضرت علیؓ کو
 ایک بار یہ دعا سکھائی:

اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ
 حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ
 عَنِ سَوَائِكَ۔
 اے اللہ! اپنے حلال رزق کے ذریعے
 حرام سے بچا اور اپنے فضل سے مجھے
 اُن سے بے نیاز کر دے جو تیرے سوا ہیں۔

قرض سے پناہ مانگنے اور اُس کی ادائیگی کی تعلیم فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ مقروض کے ذہن
 میں ہر وقت یہ بات تازہ رہے کہ اُسے قرض ادا کرنا ہے، دوسرے یہ کہ وہ خدا سے اس کی توفیق
 بھی طلب کرتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ وہ ادا کرنے کی کوشش کرے اور کامیاب نہ ہو۔

قرض کے سلسلے میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر بھی
 یہ ذمہ داری ہے کہ
 اہل حاجت کو بیت المال سے غیر سودی قرضے دے اور اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو قرضہ معاف بھی
 کر دے، ابتدائے اسلام میں جب تک مہاجرین اور انصار تنگ دست تھے اور بیت المال
 اسلامی حکومت کا قائم نہیں ہوا تھا اُس وقت قرضدار میت کا جنازہ پڑھانے میں آپؐ اس
 لئے توقف فرماتے کہ اعترہ اقارب یا معاشرے کے خوش حال افراد اُس کا قرض ادا کرنے کو
 آگے بڑھیں لیکن جب بیت المال قائم ہو گیا اور اُس میں رقم جمع ہونے لگی تو تنگ دست مقروض
 کا قرض آپؐ بحیثیت نبی اور سربراہ حکومت خود ادا فرمانے لگے اور نماز جنازہ میں توقف کرنے
 کا سبب بھی یہی تھا کہ کوئی قرض ادا کر دے، حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں:

فلما فتح الله على رسوله
 فقال انا اولى بكل مومن
 من نفسه فمن ترك ديننا
 فعلى ومن ترك مالا
 فلو سرتته۔

جب اللہ نے اپنے رسولؐ کو کشادگی عطا
 کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں (سربراہ حکومت)
 ہر مومن کا اُس کی اپنی جان سے زیادہ ہمدرد
 سرپرست ہوں تو جو شخص قرض چھوڑ گیا تو اُس کی
 ذمہ داری مجھ پر یعنی اسلامی حکومت پر ہے۔

اور جو مال چھوڑ کر رخصت ہوا وہ اُس کے وارثوں کا حق ہے۔

اسلامی حکومت ان لوگوں سے بجز قرض وصول کرنے کی مجاز ہے جو ادائیگی کی قدرت رکھتے
 ہوئے ٹال مٹول کریں، حکومت کسی کا حق ضائع نہ خود کرے گی اور نہ کسی کو ایسا کرنے دے گی۔
 عہد مبارک کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں اور پھر جہاں جہاں اسلامی حکومت رہی
 اسی پر عمل کیا گیا چنانچہ آج بھی مسلم معاشرے میں بلا سودی قرض کا جتنا رواج ہے کسی دوسرے
 معاشرے میں نہیں ہے۔

قرض کے معنی اور تعریف

ادھار لینے کے لئے عربی میں دو لفظ ہیں "قرض اور دین"۔
 دین کے معنی بدل کے ہیں بس لفظ میں یہ بات پوشیدہ

ہے کہ ادھار دینے والا صرف اُس کا پورا پورا بدل ہی لے سکتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرض کے معنی
 کاٹ دینے کے ہیں چنانچہ قینچی کو مقرض کہتے ہیں، جو شخص کسی کو ادھار دیتا ہے وہ گویا اپنے
 مال کا ایک حصہ کاٹ کر دیتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی اس میں پوشیدہ ہے کہ اگر اس معاملے
 میں شرعی حدود کی پابندی لوگ نہ کریں تو قرض دونوں کے تعلقات کو کاٹ دینے کا سبب بن جاتا
 ہے، اسی سے یہ ضرب المثل مشہور ہے۔ القرض مقرض المحبۃ (قرض محبت کے لئے
 قینچی ہے) دین اور قرض میں عام و خاص کا فرق ہے، ہر قرض کو دین کہہ سکتے ہیں مگر ہر دین کو
 قرض نہیں کہہ سکتے، قرض وہ نقد و جنس کہلاتا ہے جو کسی کو واپسی کی شرط کے ساتھ دیا جائے اور
 اگر کوئی چیز خرید لی مگر قیمت باقی ہے تو اُسے قرض نہیں کہا جائے گا بلکہ دین کہا جائے گا اسی طرح
 اگر قیمت پیشگی وصول کر لی لیکن مال ابھی نہیں دیا تو یہ مال بائع کے ذمہ دین کہلائے گا قرض
 نہ ہوگا، قرض دینے والے اور قرض لینے والے کو ان اخلاقی ذمہ داریوں اور ہدایتوں پر عمل کرنا

چاہیے جو اس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے مقرر کی ہیں، قرآن اور حدیث میں تاکید آئی ہے کہ یہ قانوناً مناسب ہے۔ نہ لکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں، اگر دونوں فریق ایک دوسرے پر بھروسہ رکھتے ہوں۔

قرض دینے والے کو ہدایات قرض دینا کسی فرد کی طرف سے ایک تبریح اور انعام ہے اگر استطاعت کے باوجود کسی ضرورت مند کی حاجت پوری نہیں کرتا تو اخلاق و دیانت کے اعتبار سے وہ مجرم قرار پائے گا مگر اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قرض ضروری دے، البتہ حکومت پر یہ فرض ہے کہ وہ بے سہارا لوگوں کی مدد کرے خواہ صدقہ دے کر یا قرض دے کر۔

۲۔ قرض دینے والوں کو، خواہ حکومت ہو یا افراد، یہ ہدایت ہے کہ وہ قرض پر سود نہ لیں یعنی کسی مال یا چیز کے بدلے میں بغیر کسی عوض کے کوئی متعین رقم لینا یا دینا دونوں ناجائز ہے۔ قرض دینے کے عوض میں مہاجنی سود، یا قرض دیئے ہوئے روپے سے منفعت اٹھانے کی وجہ سے بینک و ڈاک خانے کا سود یہ سب ناجائز ہے، اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے:

كُلُّ قَرْضٍ حَبْرٌ نَفْعًا فَهُوَ رِبَاٌ۔ جو قرض نفع کھینچ لائے وہ سود ہے۔

۳۔ اوپر بیان کی گئی صورت کے علاوہ نفع اٹھانے کی اور بھی بے شمار شکلیں ہیں، مادی بھی اور غیر مادی بھی جیسے اپنی نیاز مندی کرانا، تحفوں کا طالب ہونا، تجارت یا کسی دوسرے معاملے میں رعایت مانگنا یہ سب باتیں ناجائز ہیں یا حرام ہیں، ایسی تجارت یا خرید و فروخت بھی مکروہ ہے جس میں مقروض سے فائدہ اٹھایا جائے، قرآن میں قرض حسنہ کا ذکر آیا ہے جس سے مراد وہ قرض ہے جس میں سود نہ ہو، مدت کی تعیین نہ ہو اور احسان دھرنے کی بات نہ ہو، احسان جتانے والوں کے مال کو اس مٹی سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی چٹان پر ہو اور ایک ملکی سی بارش سے بہ جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اقرض احدكم قرضاً

یعنی جب کوئی کسی کو قرض دے تو مقروض

فاہدی الیہ او حملاً

اگر اس کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے یا اسے

عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبُهَا
وَلَا يَقْبَلُهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ
جَمَاعِي بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ مَبْلٌ
ذَلِكَ -

اپنی سواری پر سوار کرے تو اس کو نہ تو
سواری استعمال کرنا چاہیے نہ ہدیہ قبول
کرنا چاہیے البتہ اگر قرض دینے سے پہلے
اس کے تعلقات ہوں اور تحفہ تحائف
دینے کا معمول رہا ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قرض کے بیان میں نہیں بلکہ سود کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ گویا
مقروض کا ہدیہ بھی ایک طرح کا سود ہے۔

۴۔ قرض دینے والا اگر ادائے قرض کے لئے کوئی مدت مقرر کر دے اور مدت گزرنے سے
پہلے اس کو شدید ضرورت پیش آجائے تو وہ تقاضا واپسی قرض کا کر سکتا ہے گو اخلاقاً ایسا
نہ کرنا چاہیے مگر قانوناً اس کو اس کا حق ہے۔ اخلاق کا تقاضا تو یہی ہے کہ جو شخص قرض کو واپس
کرنے کے قابل نہ ہوا ہو اس کو مزید مہلت دینا چاہیے۔ مگر قانون اسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ مہلت
دے ہی دے، ایک بار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی جانور قرض لیا تھا، مدت
گزرنے پر اس نے سختی سے تقاضا کیا، صحابہ کو اس کا یہ عمل بُرا معلوم ہوا مگر آپ نے فرمایا،
دَعْوَاهُ أَنْ لِمَا حَقَّ مَقَالًا۔ اسے کچھ نہ کہو صاحب حق کو کہنے کا حق ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا ایک جانور اس سے اچھا خرید کر اس کو دے دو چنانچہ ایسا کیا گیا۔

(بخاری و مسلم)

۵۔ اگر مقروض ادائے قرض کی قدرت رکھتے ہوئے ادا نہیں کرتا تو اس کے بارے میں ارشاد
نبوی ہے:

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ۔ قدرت رکھنے والے کا ادا کرنے میں طال مطول کرنا ظلم ہے۔

لِيُؤَلِّجِدَ يُحِلُّ عِرْضَهُ
وَعُقُوبَتَهُ۔ باتھ میں پیسہ ہوتے ہوئے دیر لگانا اس
کی آبرو کو غیر محفوظ اور سزا کا مستحق کر دیتا ہے۔

یعنی قرضخواہ اس کو بُرا کہنے کے بدنام کر سکتا ہے اور اس کے خلاف دعویٰ کر کے سزا دلوا سکتا
ہے۔ فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کو قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں

خوش حال اور بد حال دونوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا، دوسرے ائمہ صرف صاحبِ قَدْر کو ہی سزا کے لائق قرار دیتے ہیں لیکن اگر نادار شخص قرض لے کر کھا جانا ہی اپنا پیشہ بنالے تو وہ سزا سے بری نہیں ہوگا۔

قرض لینے والے کو ہدایات
۱۔ کسی ہنگامی ضرورت یا شدید معاشی ضرورت کے وقت ہی قرض لینا چاہیے، تعیش یا تفریح کے لئے قرض لینا منع ہے اس طرح سے قرض لینے والا سے مشکل ہی سے ادا کر سکتا ہے، لوگوں کا حق اور روپیہ مارا جاتا ہے۔

۲۔ قرض دار کو ادا کرنے کے قابل ہوتے ہی فوراً ادا کر دینا چاہیے ورنہ وہ ظالم شمار ہوگا اور بے آبرو بھی ہوگا۔

۳۔ اگر قرض دینے والا خود ضرورت مند ہو جائے تو قرض دار کو اپنی جائیداد اور گھر کا سامان بیچ کر بھی قرض ادا کرنا چاہیے ایک بار حضرت معاذ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کا کل اتنا تہ فروخت کر کے قرض ادا کروایا۔ (منتقی)

۴۔ ضرورت ہو تو معاشرے کے افراد سے چندہ لے کر قرض خواہ کی رقم واپس کی جاسکتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا قرض دوسرے صحابہ کی مدد سے ادا کرایا تھا ایسا ان حالات میں ہو جب اسلامی بیت المال نہ تھا اور قرض خواہ کو شدید ضرورت تھی۔

۵۔ معاشرے کے آسودہ حال افراد کسی تنگ دست شخص کے ضامن اور ذمہ دار بن کر اس کو قرض دلانے میں معاونت کریں۔

قرض دی جانے والی چیزیں
ہر وہ چیز جس کے مثل دوسری چیز، تول کرناپ کر یا شمار ہو کر واپس ہو سکتی ہو قرض میں دی جاسکتی

ہے مثلاً سکہ راجح الوقت جو اسی قدر بہ آسانی دیا جاسکتا ہے، گھی تیل آٹا تول کرناپ کر واپس کیا جاسکتا ہے، خرچ ہو جانے کے بعد بازار سے منگا کر دیا جاسکتا ہے اور اس کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے، لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کا مثل بازار میں نہیں ملتا یا بہت مشکل سے ملتا ہے تو ایسی چیز قرض میں نہیں لی جاسکتی۔

ہدایات

- ۱- چنز جو قرض لی گئی۔ اگر اُس کی قیمت بازار میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تو اس کا اثر قرض پر نہیں پڑے گا۔ چیز جتنی تول یا ناپ کر لی گئی تھی اتنی ہی ادا کرنا ہوگی البتہ اگر وہ قیمت لینے پر راضی ہو جائے تو قیمت بھی لے سکتا ہے۔
- ۲- اگر کسی نے ایک ایک روپے کے سو نوٹ یا ریزگاری قرض لی تو یہ ضروری نہیں کہ واپسی بھی ایک ایک کے نوٹ یا ریزگاری میں ہو بلکہ مجموعی رقم نوٹوں یا سکوں میں ادا ہونا چاہیے۔
- ۳- جو چیزیں جس طرح بکتی یا لی اور دی جاسکتی ہیں اُسی طرح لینا اور دینا ہوں گی۔ شمار کر کے یا تول کر یا ناپ کر۔
- ۴- کوئی چیز اگر دو طرح سے بکتی ہے تو جس طرح قرض لی ہے اسی طرح واپس کرنا چاہیے۔
- ۵- روپیہ پیسہ قرض لینے کی صورت میں واپسی کے لئے جگہ کی قید نہیں ہے کہ وہیں ادا ہو جہاں قرض لیا تھا بلکہ دوسری جگہ بھی ادا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر قرض جنس کی شکل میں لیا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہی جنس دوسری جگہ بھی دی جائے بلکہ وہاں اُس کی قیمت دی جاسکتی ہے اور اگر قرض خواہ لینا چاہے تو قیمت لے لے کیونکہ غیر جگہ جنس کا ادا کرنا دشوار ہوتا ہے لیکن اگر وہی جنس دینا چاہتا ہے لیکن اُسی جگہ جہاں اُس نے چیز قرض لی تھی تو اُس کو ضمانت دینا پڑے گی کہ وہاں جا کر ضرور دے گا۔ قیمت دینے کی صورت میں اُسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جہاں چیز کو قرض لیا تھا۔ دوسری جگہ جو بھی اس جنس کی قیمت یا بھاؤ ہو اُس کا لحاظ نہیں جائے گا۔
- ۶- اگر وہ چیز یا جنس بازار میں فی الوقت نہیں ہے تو پھر قرض خواہ وقت کا انتظار کرے یا قیمت لینے اور دینے پر دونوں پر راضی ہو جائیں۔
- ۷- قرض لینے والا شئی مقروض کا مالک ہوتا ہے اور اس میں تصرفات کر سکتا ہے یہاں تک کہ اُسے بیچ بھی سکتا ہے لیکن اگر قرض دینے والا اُسی چیز کو (جو وہ قرض دے چکا) بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے ہاں وہ اُس چیز کو قرضدار سے خرید سکتا ہے۔
- ۸- کسی شرط کی قید قرض میں لگانا قرض کے معنی کے خلاف ہے اور قرضدار اُس کا پابند نہیں۔
- ۹- قرض لی ہوئی چیز سے بہتر کی واپسی درست ہے لیکن اگر کمتر ہے تو قرض خواہ کو اختیار ہے۔

لے یا نہ لے۔

۱۰۔ اگر ادا کرنے کی قدرت کے باوجود قرض ادا نہ کرے تو قرض دہندہ اسی طرح کی اُس کی کوئی چیز اگر چاہے تو بے اجازت لے سکتا ہے مثلاً گہوں یا روپیہ قرض لیا تھا اور یہ چیزیں اُس کے پاس بیسرا ہوں پھر بھی ادا نہ کرے تو قرض خواہ کو اُس کا گہوں یا روپیہ اگر ہاتھ لگ جائے اور اپنے قرض میں لے لے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر جنس مختلف ہو یا اُس سے بہتر ہو تو جائز نہیں۔

کفالت

قرض لینے کی ضرورت یا ادھار خریدنے کی حاجت بسا اوقات پیش آتی ہے لیکن قرض دینے والا یا ادھار بیچنے والا یہ اطمینان چاہتا ہے کہ اُس کی چیز واپس مل جائے گی یا قیمت ادا کر دی جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ادائے قرض یا ادائیگی قیمت کا تقاضا ہونے لگتا ہے اور ابھی اس کو ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ ایسی تمام صورتوں میں کسی دوسرے شخص کو بطور ضمانت پیش کیا جاسکتا ہے جو یہ ذمہ داری لے سکے کہ اگر اس نے نہ دیا تو میں دوں گا بالکل اسی طرح ایک مجرم جس کو عدالت تحقیق جرم ہو جانے تک قید میں رکھنا چاہتی ہو وہ ایک آدمی کو بطور ضمانت پیش کر دے کہ جب ضرورت ہوگی ضامن اُسے حاضر عدالت کر دے گا، تو عدالت ضمانت مان کر اُسے چھوڑ دیتی ہے، اس طرح کی ضمانت کو شریعت میں کفالت کہا جاتا ہے لہذا کفالت کی تعریف یہ ہوئی:

”کسی مال کی ادائیگی یا کسی شخص کو وقت پر حاضر کر دینے کی ذمہ داری لینا“

۱۔ ضمانت لینے والے اور ذمہ داری قبول کرنے والے شخص کو کفیل

اصطلاحات

کہتے ہیں۔

۲۔ اصل ذمہ دار شخص جو کسی کو اپنا ضامن بنائے اصیل یا مکفول عنہ کہلاتا ہے۔

۳۔ جس کا مطالبہ اصیل پر ہو اُسے مکفول لہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ وہ مال یا وہ شخص جس کو ادا کرنے یا پیش کرنے کی ضمانت دی جائے مکفول بہ کہا جاتا ہے۔

کفالت کا طریقہ کفیل مکفول لہ سے کہے کہ آپ کی جو رقم یا مال فلاں (مکفول عنہ) پر باقی اور واجب الادا ہے اُسے ادا کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ اب اگر

اصیل اس کو ادا نہ کرے تو ذمہ داری کفیل پر ہوگی۔ یہ تین طریقوں سے ہوتی ہے:

۱۔ کفیل مطلقاً ذمہ داری لے کہ میں اس کو ادا کروں گا تو مکفول لہ کو اصیل و کفیل دونوں سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

۲۔ کفیل یہ ذمہ داری لے کہ اگر اصیل نے ادا نہ کیا تو میں ادا کروں گا تو مکفول لہ پہلے اصیل سے مطالبہ کرے اگر وہ نہ دے تو پھر کفیل سے مانگے۔

۳۔ اگر مکفول لہ نے کوئی مہلت دیدی ہے تو اُس مدت کے گزر جانے کے بعد وہ کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

کفالت صحیح ہونے کی شرطیں ۱۔ کفالت اسی وقت صحیح ہوگی جب اصیل اور کفیل دونوں عاقل و بالغ ہوں۔

۲۔ مکفولہ بہ یعنی جس چیز یا شخص کی کفالت کی جا رہی ہے اُس کا نام اور پتہ کفیل کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے، مال کی مقدار بتانا ضروری نہیں بلکہ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں کے قرض کا یا فلاں مال کا میں ذمہ دار ہوں۔

۳۔ رہن رکھی ہوئی چیز یا عاریتہ لی ہوئی چیزیں کفالت صحیح نہیں ہے کیونکہ مرہن اور مستعیر پر اُس کے تلف ہو جانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اسی طرح امانت اور ودیعت میں بھی کفالت صحیح نہیں ہے۔ حدود (قصاص و سزا) میں کفالت نہیں۔ سزا دوسرا آدمی نہیں پاسکتا۔

کفیل کی ذمہ داریاں ۱۔ اگر کفیل نے کسی شخص کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور وقت پر وہ حاضر نہ کیا گیا تو کفیل کو قید کر لیا جائے گا اُس

وقت تک کے لئے کہ وہ اس کو حاضر کرادے، یہ رائے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ

کی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حاضر نہ کرنے کی صورت میں بطور تاوان مال لیا جائے گا سزا نہیں دی جائے گی۔

۱۔ کفیل یا اصیل دونوں میں سے کوئی مر جائے تو کفالت کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

۲۔ اگر مکفول لہ مر جائے تو کفالت ختم نہیں ہوگی۔

۳۔ اصیل اگر مکفول بہ کو ادا نہیں کرے تو کفیل کو دینا پڑے گا۔

۴۔ مکفول لہ اصیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۵۔ چند آدمیوں نے مل کر قرض لیا اور ان میں سے ایک کو سب کی طرف سے ذمہ دار

ٹھہرا لیا تو پورا مطالبہ ہر ایک سے کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ اگر کسی آدمی کے کئی آدمی کفیل ہوں تو یا تو ہر ایک نے الگ الگ ذمہ داری قبول کی ہوگی

یا اکٹھا۔ پہلی صورت میں ہر کفیل سے پوری رقم یا مال کا مطالبہ ہو سکتا ہے، دوسری

صورت میں کل مطالبہ کفیلوں پر تقسیم کر کے جس کے حصے میں جتنا آئے گا اتنا ہی وصول

کرنے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ اگر کفیل کے پاس اصیل کا روپیہ یا مال امانت رکھا ہوا ہے اور کفیل اس صراحت کے ساتھ

ذمہ داری لیتا ہے کہ اگر اصیل ادا نہ کرے گا تو میں اس کی امانت سے دیدوں گا، تو وہ

امانت سے مکفول لہ کو ادا کرنے پر مجبور ہے۔ اب اگر یہ امانت چوری ہو گئی یا کسی اور

طرح ضائع ہو گئی تو ذمہ داری باقی نہیں رہے گی لیکن اگر کفالت کرنے کے بعد وہ

امانت لوٹا دی تو پھر کفیل کو اپنے پاس سے ادا لگنی کرنی ہوگی۔

۸۔ اگر کسی شخص نے زید کو عدالت میں حاضر کرنے کی ضمانت لی اور زید کے ذمے عدالت کا

کوئی مطالبہ ہے تو حاضر نہ کرنے کی صورت میں کفیل کو مطالبہ ادا کرنا ہوگا اگر عندالطلب

ادا کرنے کی شرط ہے تو فوراً، اور اگر کوئی مدت مقرر ہے تو اُس وقت پر کفیل ادا کرنے کا

ذمہ دار ہوگا غرض جن قیود کے ساتھ قرض یا بقایا ہے اسی قید کے ساتھ کفیل کی

ذمہ داری ہے۔

۹۔ مکفول لہ کی طرف سے ادا لگنی کی مدت مقرر کر دی گئی اور اصیل کہیں باہر جانا چاہتا ہو

جس کی واپسی کا وقت مقرر نہ ہو تو اُس کا کفیل اُسے قانونی طور پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اداگی کر کے باہر جائے یہ اُسی وقت ضروری ہے جب مکفولہ حکومت سے درخواست کرے کہ اُس کا قرض واپس دلایا جائے۔

۱۱- کفیل نے مکفولہ کے مطالبہ پر چیز اُس کو دیدی تو اب وہ اصیل سے اُسی طرح کی چیز واپس لے سکتا ہے جس کی کفالت اُس نے کی تھی مثلاً ایک من لال گیہوں کی ضمانت لی تھی لیکن اس نے ایک من سفید گیہوں مکفولہ کو دیدیا تو اب کفیل اصیل سے لال گیہوں ہی لے گا جس کی کفالت اُس نے کی تھی۔ مطلب یہ کہ اگر کفیل اپنی مرضی سے بہتر چیز مکفولہ کو پہنچا دے تو اس کی ذمہ داری اصیل پر نہیں۔

۱۲- مال کی کفالت بہر حال کفیل کو نبھانا پڑے گی اگر وہ یا اصیل فوت بھی ہو جائے تو جو ذمہ داری لی ہے وہ ساقط نہیں ہو جائے گی اُس کے ترکے سے وصول کر لی جائے گی۔

کن چیزوں میں کفالت ہو سکتی ہے
۱- نقل و حمل کی کفالت بھی صحیح ہے جس طرح کسی کو حاضر کرنے کی ضمانت۔

۲- ریل سے سفر کرنے والے نے جہاں تک کا ٹکٹ لیا ہے یا اپنا مال جہاں تک لے جانے کے لئے بک کر لیا ہے ریلوے کا محکمہ اس مقام تک پہنچانے کا ذمہ دار یعنی کفیل ہے اگر گاڑی کسی وجہ سے رُک جائے یا اگر جائے اور مسافروں کی جان و مال کا نقصان ہو جائے یا ریل کے حادثے میں ٹکٹ گم ہو جائے تو نقصان کی تلافی اور مقام مقصود تک پہنچانے کی ذمہ داری محکمہ نقل و حمل کی ہے اگر وہ تلافی نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے ہاں اگر وہ شخص بے ٹکٹ تھا تو پھر پہنچانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۳- جو مال تاجر لوگ ریل کے راستے منگاتے یا بھیجتے ہیں اگر وہ گم ہو جائے یا ٹوٹ پھوٹ جائے تو نقصان محکمہ ریل کو دینا ہوگا اور بھیجنے والا قانون کے ذریعہ لے سکتا ہے کیونکہ شریعت میں اس کو الكفالة بالتسليم کہتے ہیں۔

اسی طرح ڈاک خانہ تمام خطوط، رجسٹری، منی آرڈر، بیمہ اور پارسل کو مکتوب الیہ تک پہنچانے

کا ذمہ دار اور کفیل ہے، اگر ان کے گم ہو جانے کا ثبوت مل جائے تو ڈاک خانے کو ان پر ہرجانہ ادا کرنا ہوگا اس کو الكفالة بالدمارت کہتے ہیں۔

چیز کو پہنچانے کا بیمہ جہازوں اور کمپنیاں بعض صورتوں میں اچیر مشترک اور بعض صورتوں میں امین بالاجرت ہوتی ہیں، اگر ایسی کمپنی ذمہ داری لیتی ہو کہ یہ مال فلاں جگہ پہنچا دے گی اور اتنی فیس لے گی اور اگر مال ضائع ہو گیا تو اس کا تادان اس کے ذمے ہوگا، اصطلاح میں اسے بیمہ کرنا کہتے ہیں تو یہ بیمہ جائز ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں:

۱- جتنا مال ہو۔ صحیح صحیح اتنا ہی درج کرایا جائے، اگر غلط طور پر کوئی شخص زیادہ مال لکھائے گا تو گنہگار ہوگا۔

۲- اس پر جان و مال کے اس بیمہ کو قیاس نہ کیا جائے جو آج کل عام طور پر رائج ہے جس کی تفصیل سود کے بیان میں آچکی ہے۔

مردے کی طرف سے کفالت اگر کوئی شخص مقروض فوت ہو جائے اور اس کے قرض کی ذمہ داری دوسرا آدمی لے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ کفالت اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ ترکے میں کچھ چھوڑ گیا ہو ورنہ صحیح نہیں ہے، یعنی کفیل پر ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔ مگر دوسرے ائمہ متوفی کی طرف سے کفالت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے ایسے مقروض کی ذمہ داری لی اور آپ نے ان سے ادا کرایا، حالانکہ متوفی نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا، حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مرنے والے کا قرض نہیں اتر جاتا وہ ایک قیدی کے مانند رہتا ہے، اگر کفیل اس کو قید سے نجات دلاتا ہے تو اس کے حق میں کار خیر کرتا ہے اور خود بھی ثواب کماتا ہے۔

حوالہ

جس طرح قرض اور کفالت کو کسی غریب اور ضرورتمند آدمی کی حاجت روائی کے لئے شریعت نے جائز کر دیا ہے، اسی طرح قرض میں پھنسے ہوئے آدمی کو ایک اور سہولت عطا کی ہے جسے حوالہ کہتے ہیں۔

لفظ ”حوالہ“ کے معنی اور شرعی تعریف
 حوالہ کے معنی ہیں ”اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈالنا“ شریعت میں اس کی تعریف
 ”نَقَلَ الدَّيْنَ مِنْ ذِمَّةِ إِلَى ذِمَّةٍ“ (قرض کی ذمہ داری دوسرے کی طرف منتقل کرنا) ہے۔
 جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے آسودہ حال لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اگر کوئی نادار مسلمان اپنے قرض کی ذمہ داری ان پر ڈالے تو اسے سنبھالیں یہ ذمہ داری قبول کر لینا چاہیے، آپ نے فرمایا:

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا
 مَالِدَار كَاثِلٌ مَطُولٌ كَرْنَا ظَلَمَ هُوَ جَبُّ كَوْنِي نَادَار
 أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ
 كَسَى آسُودَهُ هَالِ كِ ذِمَّةِ اِبْنَا قَرْضِ ذَا نَا چَا لِهَ تُو
 قَلِيَّتْبِعُ (ابوداؤد)
 آسودہ حال کو ذمہ داری لے لینا چاہیے۔

حوالہ ایک اخلاقی ذمہ داری
 کوئی قانونی کارروائی حوالہ قبول نہ کرنے والے کے خلاف نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک اخلاقی فرض ہے اور یہی سمجھ کر اسے قبول کرنا چاہیے خواہ اس میں مالی نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے، قبول کر لینے کے بعد اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔

حوالہ سے متعلق بعض اصطلاحیں
 ۱۔ محیل یا مندیون وہ شخص جس پر اصل بار ہے اور وہ کسی دوسرے کو اپنی ذمہ داری حوالہ کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ محتمل یا محال لہٰذا دائن وہ شخص جس کی بقایا محیل پر ہے۔

۳۔ محتال علیہ یا محال علیہ وہ شخص جس نے بقایا ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔
 ۴۔ محتال بہ یا محال بہ وہ بقایا جس کا حوالہ کیا گیا ہو۔

مثال کے طور پر خالد کے ذمہ احمد کے ایک ہزار باقی ہیں، خالد نے طارق سے کہا کہ آپ احمد کے روپیوں کی ذمہ داری لے لیجئے اور طارق نے قبول کر لیا تو خالد کو محیل، احمد کو محتال یا محال نہ، طارق کو محتال علیہ یا محال علیہ اور ایک ہزار روپیوں کو محتال بہ یا محال بہ کہیں گے اور پورے معاملہ کو حوالہ کہیں گے۔

کفالت اور حوالہ میں فرق
 کفالت میں اصیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور حوالہ میں صرف محتال علیہ سے۔ اگر کفالت میں یہ شرط لگادی کہ اصیل سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا تو کفالت نہیں رہے گی، حوالہ ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر حوالہ میں یہ شرط لگادی کہ محال علیہ کے ساتھ محیل سے بھی مطالبہ ہو سکتا ہے تو یہ ”حوالہ“ نہیں رہا بلکہ اسے کفالت کہا جائے گا۔

حوالہ کی قسمیں
 اس کی دو قسم ہیں (۱) حوالہ مقیدہ اور حوالہ مطلقہ۔
 حوالہ مقیدہ یہ ہے کہ محیل کاروبار جو ایک شخص کے ذمے ہے وہ اپنے قرض میں محتال کو دلوادے مثلاً خالد پر احمد کے ایک ہزار روپے ہیں اور احمد طارق کا ایک ہزار روپے کا مقروض ہے، احمد نے خالد سے تقاضا کیا۔ خالد نے اس سے کہا کہ میرے اتنے روپے طارق کے ذمے ہیں تم ان سے لے لو، اگر احمد اور طارق دونوں نے منظور کر لیا تو یہ حوالہ ہو گیا اب احمد خالد سے نہیں بلکہ طارق سے مطالبہ کرے گا، اسی طرح اگر خالد نے احمد کو طارق سے جو روپیہ دلوایا اگر وہ اسی قدر ہے جتنا احمد کا اس کے ذمہ ہے تو اب احمد خالد سے کچھ نہیں مانگ سکتا۔ لیکن اگر کم ہے تو اتنا وضع کرنے کے بعد باقی رقم کا مطالبہ احمد خالد سے کرے گا۔ اگر خالد کاروبار احمد کے مطالبہ سے زیادہ ہے تو باقی روپیہ خالد طارق سے طلب کرے گا۔

حوالہ مطلقہ یعنی محیل کا کسی کے ذمہ کچھ باقی نہ ہو، بلکہ وہ اپنی ادائیگی قرض کا بار کسی دوسرے کے حوالے کرے مثلاً خالد احمد کا مقروض ہے اس نے طارق سے کہا کہ ”تم میری طرف سے احمد کا روپیہ ادا کر دو میرے پاس جب ہوگا دیدوں گا“ اگر طارق نے اسے قبول کر لیا تو ادائیگی اس پر ضروری ہوگی۔

”حوالہ“ کے ارکان (۱) دونوں کا اچھی طرح باخبر ہونا یعنی محتال (جس کو رقم دلوانا ہے) اور محتال علیہ (جس سے دلانا ہے) دونوں کو خبر ہو کہ لینا کسے ہے اور دینا کسے اور وہ راضی ہوں اگر ان میں سے کوئی فریق بھی بے خبر رہا تو حوالہ صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ محیل اور محتال کی موجودگی۔ اگر محتال علیہ موجود نہ ہو تو حرج نہیں ہے بشرطیکہ اُس کی اجازت پہلے سے حاصل ہو ورنہ وہ جب تک اجازت نہ دے دے حوالہ معلق رہے گا (قاضی خان)

پہلی شرط تینوں (محیل، محتال اور محتال علیہ) کا عاقل اور بالغ ہونا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پاگل ہو یا بچہ جسے مجبور (اپنی ملکیت میں تصرف کے ناقابل) قرار دیا گیا ہو تو ان سب کا حوالہ باطل ہوگا۔

دوسری شرط: حوالہ والی چیز کا قابل کفالت ہونا ہے مثلاً اپنی رکھی ہوئی چیز کی نہ تو کفالت صحیح ہے نہ حوالہ تیسوی شرط: حوالہ میں رقم معلوم ہونا ضروری ہے جبکہ کفالت میں یہ ضروری نہیں۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ یہ جو کچھ خریدیں گے اگر اُس کی قیمت یہ ادا نہ کریں گے تو میں ادا کروں گا اُس صورت میں کفالت ہو جائے گی لیکن اگر محیل محتال سے کہے کہ جو میں خریدوں یا قرض لوں اُس کی ذمہ داری آپ لے لیجئے تو حوالہ صحیح نہیں ہے، اُسے بتانا ضروری ہے کہ کس چیز کی کتنی رقم کا حوالہ کر رہا ہے۔ چوتھی شرط: اپنی ذات کے لئے قرض لی ہوئی چیز کا حوالہ جائز ہے اسی طرح اگر وہ کسی کا کفیل یا محتال علیہ ہے اور وہ اُسے ادا نہیں کر پاتا ہے، تو وہ بھی اُس کو کسی کے حوالہ کر سکتا ہے۔

حوالہ کے احکام ۱۔ حوالہ ہو جانے کے بعد صرف محتال علیہ سے مطالبہ کیا جائے گا، محیل سے نہ ہوگا اور اگر محیل کا کوئی کفیل ہے تو حوالہ کے بعد وہ بھی بری ہو جائے گا۔

۲۔ محتال علیہ محیل کی رقم ادا کرنے کے بعد اپنی رقم محیل سے وصول کر سکتا ہے اور محیل ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے تو اُس کے ترکہ سے وصولی ہوگی۔ اگر اس کے کچھ اور دان یا حقدار نکلیں تو محتال علیہ کو دیدینے کے بعد انہیں بھی دیا جائے گا۔

۳۔ اگر محیل کا روپیہ کسی کے یہاں امانت رکھا ہے اور اسی کو محتال علیہ بنایا تو وہ محیل کا روپیہ ادا کر کے امانت کے روپے سے اپنا روپیہ وصول کر سکتا ہے۔ اس اثنا میں اگر امانت کے روپیہ محتال علیہ سے ضائع ہو گئے تو حوالہ باطل ہو جائے گا محتال محیل سے طلب

کرے گا لیکن امانت باضمانت ہونے کی صورت میں حوالہ باطل نہ ہوگا۔

۴۔ زید احمد کا مقروض ہے، زید کا کچھ مال خالد کے پاس رکھا ہے، زید اپنے قرض کو خالد کے حوالہ کرتا ہے کہ وہ اُس کا مال بیچ کر احمد کا قرض ادا کرے، خالد نے منظور کر لیا تو اب وہ محتال علیہ ہو گیا اب اُسے محتال (احمد) کا روپیہ ادا کرنا ضروری ہوگا اور قانوناً اُسے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۵۔ محتال علیہ حوالہ کی گئی رقم کو ادا کرنے سے پہلے محیل سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

۶۔ محیل نے جو چیز دینے کے لئے محتال علیہ کو بتائی ہو وہی چیز وہ محیل سے واپس لینے کا حقدار ہے۔ اگر محتال علیہ نے اپنی طبیعت سے کوئی چیز دیدی تو وہ چیز محیل سے نہیں لے سکتا، مثلاً محیل نے محتال علیہ سے چار تولہ چاندی کسی شخص کو دینے کے لئے کہا لیکن محتال علیہ نے اُسی قیمت کا سونا اُس شخص کو دیدیا۔ اب اگر محتال علیہ محیل سے چار تولہ چاندی کے بجائے اُس قیمت کا سونا مانگے تو یہ جائز نہیں۔ وہ چار تولہ چاندی یا اُس کی قیمت ہی لے سکتا ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی نیاس کیا جائے۔

۷۔ اگر حوالہ کرنے کے بعد خود محیل نے ادائیگی کر دی تو محتال کو محتال علیہ سے مانگنے کا حق نہیں رہا۔

۸۔ محتال یا محتال علیہ کے مرنے سے حوالہ ساقط نہیں ہوگا، محتال علیہ کے ترم کہ سے حوالہ شدہ رقم محتال یا اُس کے وارث کو دی جائے گی۔

غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت
غیر ملکی تجارتوں میں تبادلہ زر اور تبادلہ
بنس کے لئے حوالہ اور کفالت دونوں

جائز ہیں لیکن بٹہ کاٹنا اسلامی شریعت میں جائز نہیں کیونکہ یہ سود کی شکل ہے۔ بغیر بٹہ کاٹے ہوئے کوئی رقم یا چیز دوسرے ملک میں حوالہ کی جائے تو صحیح ہے۔ محتال علیہ کی موجودگی ضروری نہیں اُس کی اجازت لے لینا کافی ہے۔

رہن

اگر سفر میں کسی کو روپے کی ضرورت پیش آگئی یا اپنے وطن میں ہی اس قدر روپیہ کی ضرورت پڑ گئی کہ اسے بہ آسانی قرض لینا ممکن نہ ہو، تو وہ اپنی چیز کسی کے پاس رہن (مگروہی) رکھ کر روپیہ لے سکتا ہے۔ اس طرح قرض دینے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے گا کہ اس کا روپیہ مارا نہیں جائے گا اور قرض لینے والے کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔

رہن ایک اخلاقی ذمہ داری ہے۔ کسی شخص کو مال قرض دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن اسلامی معاشرہ آسودہ حال افراد پر اپنے ضرورت مند بھائی کی مدد کرنا اخلاقاً ضروری قرار دیتا ہے۔ اب اگر وہ بغیر کسی ضمانت کے مدد نہیں کرنا ہے تو وہ اس کی کوئی چیز رہن رکھ لے اور مدد کر دے۔ چنانچہ قرآن پاک میں متقی مسلمانوں سے کہا گیا ہے:-

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَهُۥٓ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتِيَ اٰمَانَتَهُ

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ

(بقرہ - ۲۸۳)

”اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو اور اگر کوئی شخص دوسرے کا اعتبار (بھروسہ) کر کے معاملہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے، اسے چاہئے کہ امانت ادا کرے اور اللہ اپنے رب سے ڈرے۔“

سفر کی حالت میں رہن کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً سفر میں ایسی ناگہانی ضرورت پیش آتی ہے، ورنہ یہ صورت اگر حضر میں پیش آجاتے تو بھی رہن جاتزہ ہے۔

اس آیت میں واکن (قرض دینے والے) کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر بغیر رہن

کے اس کو اطمینان ہو جائے تو قرض دیدینا چاہتے مگر تنبیہ میدیوں (قرضدار) کو بھی کی گئی ہے کہ جس طرح اس نے اعتبار کر کے روپیہ دیدیا تو تمہاری ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس روپیہ کو ایک امانت سمجھ کر جب بھی روپیہ آجاتے تو فوراً واپس کر دو۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے ضرورت کے وقت رہن رکھ کر قرض لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار آپ کو کچھ غلے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے ایک یہودی سے تیس ضارع (ڈھائی من) غلہ ادھار لیا اور اس کے اطمینان کے لئے اپنی لوبہ کی زرہ رہن رکھ دی چنانچہ آپ کی وفات ہوئی تو وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن تھی۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ رہن رکھ دینے سے راہن (جو اپنی چیز گروی رکھنا ہے) اس فائدے سے محروم نہیں کیا جاسکتا جو اس چیز سے حاصل ہو۔“ یہ ارشاد مبارک ایک قانونی دفعہ بھی ہے اور اخلاقی ہدایت بھی۔ قانونی پہلو یہ ہے کہ مرہن کو رہن سے کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ اگر وہ فائدہ اٹھائے گا تو اس کا نادران دینا ہوگا۔ اس کی نایید آپ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ قرض سے جو فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے، اخلاقی پہلو یہ ہے کہ مرہن مسفوت کی غرض سے قرض دیکر کوئی چیز رہن نہ لے بلکہ خالص انسانی ہمدردی کی بنا پر قرض دے کیونکہ ممکن ہے کوئی وقت ایسا بھی آجائے کہ اُسے دوسروں سے قرض لینا پڑ جائے۔ رہن کی چیز سے اس لئے بھی فائدہ نہ اٹھانا چاہئے کہ چیز رہن رکھ لینے کے بعد اس کو نقصان کا اندیشہ نہیں رہا۔

رہن کے معنی اور شرعی تعریف :- کئی چیز کو کئی سبب کی بنا پر روک رکھنا یا پابند کر دینا رہن کے لفظی معنی ہیں۔ بشرط میں کسی کو کوئی چیز کسی مطالبے یا قرض کے بدلے اس لئے روک لینے کو کہتے ہیں کہ وہ مطالبہ یا قرض وصول ہو جائے، مارا نہ جائے۔ (ہدایہ۔ جلد ۱)

اصطلاحیں (۱) ارہنان - رہن لینا (۲) راہن :- رہن کرنے والا (مقروض یا دیون) (۳) مرہن :- رہن لینے والا (دائن یا مقدر) (۴) مرہون :- وہ چیز جو رہن رکھی جائے۔ (۵) عدل :- وہ شخص جس کے یہاں چیز امانت رکھی جائے۔

رہن کے ارکان و شرائط :- ۱۔ رہن ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں راہن و مرہن دونوں کا رہن رکھنے کے لئے راضی ہونا ضروری ہے یعنی راہن یہ کہے کہ میں نے فلاں قرض کے بدلے،

میں یہ چیز رہن رکھی اور مرہن اپنی قبولیت کا اظہار کرے۔ اس ایجاب و قبول میں لفظ رہن کا استعمال ضروری نہیں۔

۲۔ رہن کا دوسرا ضروری رکن قبضہ ہے یعنی جو چیز راہن نے مرہن کو دی، اس پر قبضہ بھی دے مثلاً: کوئی کھیت رہن رکھا مگر اس پر قبضہ دوسرے کا ہے تو یہ رہن صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ تیسری شرط راہن اور مرہن دونوں کا عاقل ہونا ہے بالغ ہونا ضروری نہیں۔ ہوشیار بچے جو سمجھ رکھتے ہوں، کوئی چیز رہن رکھ سکتے ہیں۔

۴۔ چوتھی شرط مرہون (یعنی چیز) کا اس قابل ہونا کہ اس سے قیمت وصول کی جا سکے مثلاً ٹالاب کی پھلی یا باغ کے پھل جو ابھی آتے نہیں ہیں یا کسی دوسرے ملک میں کوئی مال ہے جو ابھی آیا نہیں ہے، ان سب چیزوں کو رہن میں دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں فی الوقت نہ موجود ہیں، نہ ان پر قبضہ ہے۔ مرہون کی حیثیت :- جو چیز رہن رکھی جاتے وہ مرہن کے ہاتھ میں امانت یا ضمانت متصور ہوگی۔ وہ اس کی اسی طرح حفاظت کرے گا جس طرح امانت کی جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ امانت گم ہو جانے پر امین پر ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن مرہون چیز ضائع ہو جاتے تو اس کی ذمہ داری مرہن پر ہوگی۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر ضائع شدہ مرہون شے اسی قیمت کی تھی جتنی قرض کی رقم ہے تو راہن مرہن سے اپنے روپیہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ حساب برابر برابر سمجھ لیا جائے گا۔

۲۔ اگر گمشدہ مرہون چیز کی قیمت اصل رقم سے کم ہے تو قیمت محسوب کرنے کے بعد باقی روپیہ کا مطالبہ مرہن راہن سے کر سکتا ہے۔

۳۔ اگر ضائع شدہ مرہون شے کی قیمت اصل روپیہ سے زیادہ ہو تو پھر قرض کی رقم محسوب کر لی جائے گی اور نقصان راہن کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ مرہون چیز کے بقدر نقصان کا ذمہ دار مرہن تھا اور جو رقم زیادہ تھی وہ اس کے پاس امانت (بے ضمانت) تھی اور امین سے ایسی امانت کا ٹاوان نہیں لیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر :-

ایک شخص نے سو روپے قرض لئے اور ایک زیور مرہن کے پاس رکھ دیا اور وہ چوری ہو گیا تو اگر یہ سو ہی روپے کی قیمت کا تھا تو دونوں کا حساب برابر ہو گیا، کوئی کسی سے مطالبہ

ہنیں کر سکتا لیکن اگر یہ نوے روپے کا تھا تو سمجھا جائے گا کہ نوے روپے مرہن کو مل گئے اب صرف دس روپے کا مطالبہ راہن کر سکتا ہے اور اگر وہ زیور ایک ٹو پچیس روپے کا تھا تو سو روپے قرض میں محسوب منظور کئے جائیں گے اور ۲۵ روپے راہن کے ضائع ہوں گے۔ مرہن سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ مرہن بقدر سو روپے کے ضامن اور پچیس روپے کا امین تھا۔ امانت اگر قصداً یا غفلت سے ضائع نہ ہوئی ہو تو اس کی ذمہ داری امین پر نہیں آتی۔

۱۔ راہن کو جو چیز رہن رکھنا ہے اُسے مرہن کے حوالے کر دے۔

۲۔ مرہون چیز جب تک مرہن کے قبضہ میں نہیں دی ہے وہ معاہدہ رہن فتح کر سکتا ہے۔
۳۔ مرہون چیز کو مرہن کے قبضے میں دینے کے بعد راہن معاہدہ رہن کو بغیر مرہن کی رضامندی کے فتح نہیں کر سکتا۔

۴۔ مکفول عنہ کفیل کو اس کے اطمینان کے لئے کوئی چیز بطور رہن دے سکتا ہے اور خود کفیل بھی رہن کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۵۔ اگر دو آدمیوں نے مشترک طور پر ایک آدمی کو قرض دیا یعنی ایک آدمی دو آدمیوں کا مقروض ہوا تو وہ مقروض ایک ہی چیز دونوں قرضوں کے بدلے رہن رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ دونوں اس چیز کو مشترک طور پر رہن رکھ لیں۔ اسی طرح اگر مقروض دو ہوں اور ایک قرض دینے والا تو وہ دونوں مقروض بھی ایک مشترک چیز کو رہن میں دے سکتے ہیں اور قرض دینے والا اسے قبول کر سکتا ہے۔

۶۔ راہن کو شستی مرہونہ تبدیل کرنے کا اختیار ہے۔ اگر اُسے ضرورت پڑ جائے تو وہ

اس چیز کو واپس لے کر اس کے بدلے دوسری چیز مرہن کی رضامندی سے اس کے حوالے کر سکتا ہے۔
۷۔ دوران مدت رہن چیز میں کوئی اضافہ ہو یا منافع دیا تو وہ راہن کا ہو گا مثلاً باغ میں پھل آتے یا کھیت میں پیداوار ہوئی اور باغ یا کھیت رہن تھا، یا کوئی جانور رہن رکھا تھا اور اس نے بچہ دیا، یا مکان رہن رکھا تھا اس کا کرایہ وصول ہوا تو یہ سب اضافے راہن کے ہوں گے۔
مگر مرہن کے پاس امانت رہیں گے جب مرہونہ چیز واپس ہوگی تو اس کے ساتھ یہ چیزیں بھی واپس

ہوں گی جو چیز ان میں جلد خراب ہو جانے والی ہو مثلاً پھل ان کو راہن فروخت کر کے قیمت اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔
۸۔ مرہونہ چیز پر حاصل ہونے والا نفع چونکہ راہن کا حق ہونا ہی اس لئے اس کے بقا اور تحفظ پر جو کچھ خرچ کرنا پڑے وہ بھی راہن کے ذمے ہوگا۔ مثلاً جانور کے چارے کا خرچ یا چرواہے کی اجرت، اگر کھیت ہے تو اس کی لوائی، بتائی اور سینچائی پر ہونے والا خرچ راہن کے ذمہ ہوگا۔ پیداوار کا منافع مرہن کے پاس رہے گا، جب روپیہ ادا کر کے مرہونہ چیز چھڑائی جاتے، تو یہ منافع بھی اس کو ملے گا، یہی حکم باغ اور مکان کے منافع کا ہے۔

۹۔ راہن مرہن کی رضامندی کے بغیر مرہونہ چیز کو بیچ نہیں سکتا، اگر ایسا کیا تو بیع مرہن کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔

۱۰۔ راہن کی موت واقع ہو جائے تو راہن کا معاملہ فسخ سمجھا جائے گا۔ اس کے ورثہ اگر بالغ ہیں تو ان پر ضروری ہے کہ وہ اس کے ترکہ سے قرض ادا کر کے مرہونہ چیز واپس لے لیں یا مرہونہ چیز کو بیچنے کی اجازت دیدیں۔

اگر ورثہ نابالغ ہیں یا دور دراز مقام پر ہیں تو جو شخص اس کے ترکہ کا ذمہ دار ہو اس کو چاہئے کہ مرہونہ چیز کو بیچنے اور اس سے اپنا قرض وصول کر لینے کی اجازت مرہن کو دیدے۔ دوسری صورت میں مرہن قانونی چارہ جوئی سے مرہونہ چیز کو بیچ کر اپنا قرض وصول کرنے کی اجازت حاصل کر سکتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ولی، وارث یا عدالت کی اجازت کے بغیر اسے بیچنے کا حق نہیں ہے۔

مرہن کی ذمہ داریاں اور اسکے حقوق ۱۔ مرہن تنہا اپنی مرضی سے راہن کا معاملہ فسخ کر سکتا ہے۔

۲۔ مرہن مرہونہ چیز کا امین بھی ہے اور محافظ بھی اس پر اور اس کے گھر کے افراد پر شیئ مرہونہ کی حفاظت ضروری ہے۔

۳۔ اس دیکھ بھال اور حفاظت کے سلسلے میں اگر کچھ خرچ کرنا ہو تو اسے بھی مرہن برداشت کرے گا، مثلاً ہومن قلمیہ راہن رکھا تو اس کے لئے مکان کی ضرورت ہوگی یا جانور راہن رکھے تو علاج اور دیکھ بھال میں ہونے والا خرچ، لیکن اگر یہ خرچ مرہونہ چیز کی بقا یا منافع سے متعلق ہو تو وہ راہن کے ذمہ ہوگا مثلاً ہونہ جانوروں کا چارہ۔ مرہونہ کھیت کی سینچائی، مرہونہ پھلوں کی نگرانی، اس قسم کا خرچ راہن کے ذمہ ہوگا۔ مرہن یا تو راہن سے لیتا ہے یا اپنے پاس سے خرچ کے بعد میں راہن سے وصول کر لے۔

۴۔ مرہن مرہونہ چیز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا مثلاً اگر مکان ہے تو اس میں نہ رہ سکتا ہے نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ مرہون کیفیت کی پیداوار نہیں کھا سکتا۔ مرہون جانور اگر دودھ کا ہے تو اس کا دودھ نہیں پی سکتا ہے۔ اگر سواری کا ہے تو اس پر سوار نہیں ہو سکتا اگر بار برداری کا ہے تو اس پر سامان نہیں لاد سکتا۔ نقد روپیہ یا سونا چاندی رہن ہے تو اس سے تجارت یا کاروبار نہیں کر سکتا، ہاں اگر راہن سے کسی چیز کے استعمال کی اجازت لے لی ہو اور بخوشی دے دی ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہوگی لیکن رہن لیتے وقت اس قسم کی کوئی شرط لگانا مکروہ اور بلا اجازت استعمال حرام ہے۔ نقصان کی صورت میں ٹاوان ادا کرنا پڑے گا۔

۵۔ راہن اگر شئی مرہونہ کی بقا اور نگہداشت کا خرچ مرہن کو نہیں دیتا، تو مرہن ایسا کیا ہو خرچ نفع سے محسوب کرے گا۔

مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھانا عام ذہنیت یہ ہے کہ شئی مرہون جس کے پاس رہن ہوگی وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ درحقیقت کوئی بھی فائدہ اٹھایا گیا تو

وہ سراسر سود ہوگا۔ سود کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز سے اس کا عوض دئے بغیر فائدہ اٹھایا جائے۔ مرہون چیز سے فائدہ اٹھانا مرہن کے لئے سود ہے۔ رہن کے کیفیت کا غلبہ راہن کے باغ کچھل اگر مرہن استعمال کرے گا تو راہن کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے جس طرح سود خوار ایک سو روپے کا سود ایک ہزار تک وصول کر لیتا ہے اسی طرح یہ مرہن ایک سو قرض دے کر مرہون چیز سے کئی سو کا فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ استعمال کی اجازت اگر راہن مرہن کو دیتا ہے تو یہ محض مجبوری کی اجازت ہے جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

۶۔ رہن کے زمانے میں شئی مرہونہ پر جو فائدہ حاصل ہو گیا اس میں پیشی ہوگی وہ ملکیت راہن کی ہوگی مگر اس پر قبضہ مرہن کا رہے گا یعنی اسے بھی مرہون تصور کیا جائے گا اور جب مرہون چیز کی واپسی کا وقت آئے گا تو یہ زیادہ حاصل شدہ چیز بھی واپس کر دی جائے گی۔

۸۔ اگر راہن کچھ روپیہ ادا کرے اور کچھ باقی رکھے تو جب تک پورا روپیہ ادا نہ ہو جائے۔

مرہن کو چیز واپس نہ کرنے کا اختیار ہے۔

۹۔ شئی مرہونہ میں دوران رہن اگر کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مرہن پر ہوگی۔

اور راہن کو اختیار ہوگا کہ قرض ادا کرتے وقت بقدر نقصان روپیہ وضع کرے۔

۱۰۔ راہن اگر شئی مرہونہ کو مرہن کی اجازت سے کسی دوسرے کے یہاں رہن رکھنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ اس صورت میں پہلا راہن باطل ہو جائے گا۔

۱۱۔ مرہن شئی مرہونہ کو راہن کی اجازت اور مرضی کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر بغیر اجازت ایسا واقعہ ہو گیا تو اسے دو باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی۔ یا تو بیع کو منسوخ کرے یا راہن سے بیع کی اجازت حاصل کرے۔

۱۲۔ اگر راہن کی مدت ختم ہو جائے اور راہن رقم ادا کر کے اپنی چیز واپس نہ لے تو مرہن کو اسی بیع کر اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا اور جہاں اسلامی عدالت ہو، وہاں قاضی سے اجازت لے کر فروخت کرے گا۔

۱۳۔ اگر راہن موجود نہ ہو تو مرہن کو حکومت کی اجازت لینا پڑے گی، بغیر اس کے وہ بیع نہیں سکتا۔

۱۴۔ مرہن کی موت واقع ہو جائے تو اس کے ورثہ قائم مقام مرہن ہوں گے۔

راہن سے متعلق متفرق مسائل (۱) مشترک چیز کو راہن نہیں رکھا جا سکتا جب تک اس کی تقسیم نہ ہو جائے۔

۲۔ باغ کا پھل جو درخت پر موجود ہے یا کھیتی جو کھیت میں لگی ہے، ان کا راہن کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح محض درخت کا راہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر درخت راہن کرنا ہے تو اس کی زمین بھی راہن ہونا چاہئے۔

۳۔ اسی طرح درخت کو بغیر پھل کے اور زمین کو بغیر کھیتی کے راہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ چیزیں خود بخود راہن میں داخل ہوں گی۔ اس لئے ان کا علیحدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

۴۔ امانت، عاریت، مضاربت اور شریکت کی چیزوں کو راہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح درک یعنی استعناق کے خوف سے راہن رکھنا جائز نہیں مثلاً: فروخت کرنے والے نے کوئی چیز فروخت کی اور خریدنے والے نے قیمت ادا کر کے اس کو خرید لیا، پھر اُسے یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے، اس چیز کا مستحق کوئی اور نہ ہو جائے اور اس بنا پر وہ بائع سے کوئی چیز راہن رکھنے کو کہتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے قیمت وصول کی جاسکے۔ یہ درک ہے، درک کی بنا پر کفالت تو ہو سکتی

ہے لیکن رہن ناجائز ہے۔

امانت

انسان کو کبھی نہ کبھی ایسا موقع پیش آجائے کہ اسے اپنی چیز یا روپے پیسے کی حفاظت کے لئے دوسروں کی مدد درکار ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ جب اس سے مدد مانگی جائے تو وہ دریغ نہ کرے بلکہ خندہ پیشانی سے اس تکلیف کو گوارا کر لے کیونکہ ایسی ضرورت کبھی اس کو بھی پڑ سکتی ہے۔ شریعت میں اسے امانت اور ودیعت کہتے ہیں۔ دونوں میں تھوڑا اصطلاحی فرق ہے۔ ودیعت میں قصد و ارادہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ امانت قصد و ارادے کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور بغیر قصد و ارادے کے بھی۔ مثلاً: آپ راستے میں کوئی چیز بڑی پائی تو یہ چیز آپ کے ہاتھ میں امانت ہوگی، اس کو ودیعت نہیں کہیں گے لیکن اگر ایسی ہی چیز کوئی آپ کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھوائے تو اسے ودیعت بھی کہہ سکتے ہیں، اور امانت بھی۔

غرض یہ کہ ہر ودیعت کو امانت کہہ سکتے ہیں مگر ہر امانت کو ودیعت نہیں کہہ سکتے ہیں۔ قرآن میں ودیعت اور امانت دونوں کے لئے امانت ہی کا جامع لفظ استعمال ہوا ہے۔ حدیث میں دونوں لفظ ایک دوسرے کے مفہوم میں مستعمل ہوتے ہیں۔ فقہائے دونوں لفظوں کو عام طور پر علیحدہ علیحدہ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

امانت کے بارے میں قرآن و حدیث ارشاد کے جیسا کہ ذکر ہو چکا کسی کی چیز اگر بغیر قصد و ارادہ بھی ہاتھ میں آجائے تو وہ امانت ہوگی۔ اسی طرح اگر

آپ کوئی چیز مستعار لائیں، کرائے پر لیں، بطور رہن رکھیں یا اس چیز کا آپ کو ذمہ داری یا ولی بنا دیا جائے تو ان تمام صورتوں میں آپ اس چیز یا رقم کے ذمہ دار ہیں، اسے رکھ جائیں گے۔ آپ کو اس کی حفاظت اسی طرح کرنا ہے جس طرح اپنی چیز کی کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ اپنی چیز کی حفاظت تو الماری یا صندوق میں بند کر کے کریں اور دوسری کی چیز کھلی جگہ رکھ دیں، یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ امانت کے معنی ہیں، مامون و محفوظ ہونا۔ اگر محفوظ نہ ہوں تو یہ خیانت ہوگی۔

کسی یتیم کی جائداد یا لاوارث کا مال آپ کی ذمہ داری میں رکھا جائے تو ٹھیک ٹھیک اس کی دیکھ بھال

کرنا آپ پر لازم ہے تاکہ جس کا جو حق ہے وہ اُسے پہنچ سکے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو خیانت کے مرتکب منصور ہوں گے۔ اللہ کا حکم ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوا وَالْأُمَّنَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

(نساء-۵۸)

”اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں اور حق داروں تک پہنچا دو۔“
مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
سَاعِتُونَ (مومنوں) مومن وہ ہیں جو اپنے ذمے لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے
ہیں۔ اس کے برخلاف خیانت کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَكْلًا
خَوًّا إِنَّ كَفُورًا — خدا تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

یہودیوں کے باپے میں فرمایا کہ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ اگر ایک خزانہ ان کے پاس امانت
رکھ دیا تو وہ واپس کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ ایک دینار بھی ان کے پاس رکھ دو تو جب تک
سر پر سوار نہ ہو وہ واپس نہیں کر دیں گے۔ قرآن پاک نے امانت داری مومن کی خصوصیت بتائی ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، جس میں امانت داری نہیں اس کا
دل ایمان سے خالی ہے۔ آپ نے خیانت کو منافق کی نشانی فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ منافق کی پہچان
تین باتوں سے ہوتی ہے، ایک یہ کہ ”إِذَا انْتَهَبْتُمْ خَانَ“ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے
تو خیانت کرے، آپ نے ہدایت فرمادی ہے کہ ”أَدْرَا أَلَا مَانَةٌ إِيَّاكَ مِنْ أَمَانَتِكَ إِذَا تَقَطَّعْتَ
مَنْ خَانَكَ“ جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کر دو اور اگر تمہاری خیانت کوئی کر
بھی لے تو تم اس کی خیانت نہ کرنے لگو۔ یعنی اگر خائن آدمی بھی تمہارے پاس کوئی امانت رکھے تو تم اُس
کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو، اگر اس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو اس کی یہ بات تمہیں اپنی ذمہ داری
ادا کرنے سے نہ روکے۔

امانت ایک اخلاقی فرض ہے، خلوص، ہمدردی اور حسن سلوک کا نام ہے۔
امانت کا حکم

معاذ اللہ کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ امانت رکھے۔ اگر کسی اتفاقی حادثے
سے امانت ضائع ہو جائے تو امین پر اس کا ٹاوانا عائد نہیں ہوگا، ٹاوانا اسی صورت میں دینا پڑے
گا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قصداً اُس سے غفلت برتنی گئی اور اسے ضائع ہونے دیا گیا۔ مثال کے

طور پر راستے میں پڑی چیز اس خیال سے اٹھالی کہ اس کے مالک کو پہنچائی جائے تو یہ چیز امانت ہوگی۔ اگر وہ جانتا تھا کہ یہ فلاں شخص کی ہے، اب اگر وہ اتفاقی حادثے میں ضائع ہو جائے، تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، لیکن اگر وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ چیز فلاں شخص کی ہے تو یہ چیز نقطہ کہلائے گی۔

نقطہ کا حکم کسی نے کوئی پڑی ہوئی چیز پائی جس کے مالک کا علم نہیں تو وہ نقطہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے پاس امانت رکھ کر اعلان کرے کہ فلاں جگہ پائی ہے جس کی ہودہ لے جاتے۔ یہ اعلان برابر کرتا رہے۔ اگر ایک سال تک کوئی مالک نہ ملے تو بیت المال میں جمع کر دے۔ اگر مالک مل جاتے تو فوراً اس کے حوالے کر دے اگر ضائع کر دیا تو ٹاوان دینا پڑے گا الا یہ کہ وہ قسم کھالے کہ میں نے قصداً ضائع نہیں کیا ہے۔ قسم لینے کے بعد ٹاوان نہیں لگایا جائے گا۔

اگر اسلامی بیت المال نہ ہو جس میں جمع کیا جاسکے تو صدقہ کر دینا چاہئے، اپنے استعمال میں نہ لانا چاہئے، اگر وہ خود مفلس و حاجت مند ہے تو استعمال کر سکتا ہے۔

امانت کا دائرہ کتنا وسیع ہے اگر ایک شخص کسی ادارے یا دفتر میں کسی کام پر مامور ہے تو جتنی چیزیں اس کے چارج (قیضہ) میں دی گئی ہوں

مثلاً فرتیچر، کاغذ، قلم، دوات، چیرا سی وغیرہ سب اس کے ہاتھ میں امانت ہیں، انہیں اپنے ذاتی استعمال میں لانا نہیں چاہئے۔ اسی طرح جس وقت کی وہ تنخواہ پاتا ہے اس وقت میں اپنا ذاتی کام نہ کرنا چاہئے۔ جو وقت کام کے لئے مقرر ہے وہ ایک امانت ہے، اگر اپنا ذاتی کام کرے گا تو یہ خیانت ہوگی جس کا کاتاوان بھی لیا جاسکتا ہے۔ مفوضہ کام کرنے کے بجائے گپ لڑانا، تفریح کرنا یا وقت گزاری کرنا یہ سب وقت کی امانت میں خیانت ہے، اگر امانت کی اس ذمہ داری کو حکومت یا کسی ادارے کے کارکن اور ملازمین محسوس کر لیا کریں تو کم وقت میں زیادہ کام ہو۔ ہزاروں روپے کی بچت ہو سکتی ہے تب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاقی تصورات کو نظر انداز نہ کیا جاتے۔

ودیعت کی تعریف اور بیان کیا جا چکا ہے کہ امانت اور ودیعت دونوں لفظ ہم معنی بھی ہیں اور الگ الگ مفہوم و حکم بھی رکھتے ہیں۔ ودیعت کی تعریف شریعت میں

یہ کی گئی ہے :- "إِحَالَةُ الْمَالِكِ مَحَافِظَةَ مَالِهِ لِأَخْسَرِ" (اپنی کسی چیز یا مال کو حفاظت کی غرض سے دوسرے کے حوالے کرنا) مقصد یہ ہے کہ جو چیز ودیعت رکھی جائے، وہ ودیعت رکھنے

والے کی ملک بھی ہو اور اپنے قصد و ارادے سے وہ کسی کے سپرد کر دے تب ودیعت کا رکھنا صحیح ہوگا۔
ودیعت کا حکم جس کے پاس امانت و ودیعت رکھی جا رہی ہے، اگر وہ اس کو منظور کر لے تو
 گویا دونوں میں معاہدہ ہو گیا کہ جب تک بھی وہ چیز اس کے پاس رکھی ہے،
 اس کی حفاظت اپنے مال کی طرح واجب ہوگی، اگر حفاظت میں کوتاہی کی اور وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس
 کا تاوان دینا پڑے گا۔

بچنے دن کے لئے وہ چیز امانت رکھوائی تھی اگر وہ دن گزر
معاہدہ و ودیعت ختم ہونے کی مدت جائیں یا امین اور مودع (ودیعت رکھنے والے) میں
 سے کوئی معاہدہ نسخ کر دے تو معاہدہ و ودیعت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں کو معاہدہ نسخ کر دینے کا وقت
 اختیار ہے۔

چند شرعی اصطلاحیں ودیعت یا امانت رکھنے کے عمل کو ایداع۔ ودیعت رکھنے والے کو
مُودِع یا مُسْتَوْدِع اور جوامانت رکھ لے اسے امین یا
 مستودع کہتے ہیں۔ (دال کو زیر اور زیر کے ساتھ پڑھنے سے معنی بدلتے ہیں)

ودیعت رکھنے کے طریقے ایک طریقہ یہ ہے کہ مودع صراحتہ کسی سے کہے کہ میرا یہ مال امانت
 رکھ لیجئے اور دوسرا ہاں کہدے، تو وہ امین بن گیا۔ دوسرا طریقہ
 یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی کی دکان پر اپنی کوئی چیز رکھ دی، دکان دار نے رکھتے ہوئے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں
 یا ایک شخص دوسرے شخص کے پاس پلیٹ فارم پر پاریل اور بس میں اپنا سامان رکھ کر یہ کہتے ہوئے
 چلا گیا کہ ذرا میرا سامان دیکھتے رہئے گا اور دوسرا شخص کچھ بولا نہیں تو وہ چیز اس کی امانت میں آگئی جس
 کی نگرانی اس پر لازم ہوگی، اگر اس نے نگرانی چھوڑ دی اور چیز چوری ہو گئی تو مودع (سپردہ دار) کو
 تاوان لینے کا حق رکھنا ہے۔ البتہ اگر دکان دار نے دکان پر سامان رکھنے سے منع کر دیا تھا یا "میرا
 سامان دیکھتے رہئے گا" کے جواب میں اسی وقت یہ کہہ دیا تھا، کہ میں دیکھ نہیں سکتا۔ تو اس پر کوئی
 ذمہ داری نہیں۔

ودیعت کیلئے شرطیں ۱۔ وہی چیز بطور امانت رکھی جا سکے گی جس پر امین کا قبضہ ہو سکے، ہوا کے
 پرندے، تالاب کی پھلیاں یا کسی دوسرے شخص کے قبضے میں موجود شئی کو

امانت میں رکھنا صحیح نہیں ہے خواہ امین خاموش ہو جائے یا قبول کر لے۔

۲۔ مودع اور امین دونوں کا عاقل (یعنی سچے دار) ہونا ضروری ہے۔ نا سمجھ بچے اور پاگل نہ کوئی چیز امانت رکھ سکتے ہیں نہ رکھوا سکتے ہیں۔

۳۔ ودیعت کی مدت میں اگر چیز سے کوئی فائدہ حاصل ہو تو وہ مودع کا ہوگا، مثلاً جانور ودیعت میں رکھا، اگر اس نے بچہ دیا یا اس کا بون کا ٹاگیا یا دودھ دیا تو یہ سب مودع کا ہوگا، امین اگر بغیر اجازت ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا تو خیانت کا گناہ گار ہوگا اور تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

۱۔ امانت کی چیز کی حفاظت اپنی ذاتی چیز کی حفاظت کی طرح کرنا امین کی ذمہ داریاں چاہئے۔

۲۔ یہ حفاظت یا تو وہ خود کرے یا گھر کے ان افراد سے کر لے جن سے خونی یا دائمی رشتہ ہے اور وہ حاکم بھی نہیں ہیں، گھر میں آنے جانے والے نوکر کو بھی حفاظت کا ذمہ دار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ خیانت کا اندیشہ نہ ہو، اگر امانت ضائع ہو جائے گی تو تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ امین اگر امانت کو کسی غیر شخص کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو ایسا کرنا دو صورتوں میں جائز ہے، (۱) امین نے مودع سے دوسرے شخص کی حفاظت میں دینے کی اجازت لے لی ہو یا (۲) وہ ایسا آدمی ہو جس کے یہاں خود اپنی چیز میں رکھ دیا کرتا ہو، ان دو صورتوں کے علاوہ اگر کسی دوسرے کے پاس چیز رکھی اور وہ ضائع ہو گئی، تو امین اول کو ہی تاوان دینا پڑے گا جبکہ ان دو صورتوں میں تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

۴۔ امانت رکھی ہوئی چیز کو امین نے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور نہ اسے اپنی چیز میں لاسکتا ہے۔ ایسا کرنا اسی وقت جائز ہوگا، اگر مودع اس کی اجازت دیدے۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے ۱۰ روپے امانت رکھوائے تو امین پر لازم ہے کہ بوقت واپسی وہی روپے لوٹا دے۔ اگر امین نے اس روپے کو اس خیال سے خرچ کر دیا یا تجارت میں لگا دیا کہ جب واپسی کا وقت آئے گا، اپنے روپوں میں سے سو روپے دے دے گا۔ ذیہ امانت میں خیانت ہوگی۔ امین گنہ گار ہوگا۔ اسی طرح اگر کپڑا، زیور یا جوتا امانت رکھا تو اس کا پہننا گناہ ہے۔ امانت رکھوائی کرسی، میز، پلنگ یا برتن کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر مودع اجازت دیدے تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے:

۵۔ جہاں امین کو امانت سپرد کی گئی ہو اس کی واپسی اسی جگہ ہونا ضروری ہے، مودع اس کو دوسری جگہ کیلئے

مجبور نہیں کر سکتا۔ کسی نے کوئی چیز امانت میں رکھنے کے لئے اگر لکھنؤ میں دینی ہے تو دہلی میں اس کو مانگنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر امین نے کہہ دیا ہو کہ میں اسے دہلی میں رکھوں گا، تو پھر لکھنؤ میں مانگنے کا حق نہیں ہے۔

۶۔ چند آدمیوں کو ایک چیز کا امین بنانا بھی صحیح ہے، اگر سب نے اقرار کر لیا تو سب اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور باری باری یا جس طرح بھی ممکن ہو امانت کی حفاظت کرنا ہوگی۔

امانت کی نگرانی کی اجرت
امین کو اگر مامون شی کی دیکھ بھال کے لئے وقت یا محنت صرف کرنا پڑے تو کیا وہ اس کی اجرت لے سکتا

ہے، ائمہ فقہ کی رائے میں اختلاف ہے کیونکہ بعض اجازت نہیں دیتے اور بعض کچھ نثر الطہ کے ساتھ اجازت دیتے ہیں، مثلاً ایسا مال جسے چوروں سے بچانے کے لئے چوکیدار رکھنا پڑے یا اسے رکھنے کے لئے بڑی جگہ کی ضرورت ہو، ان حالات میں امانت رکھنے والا اجرت لے سکتا ہے۔ بڑے گوداموں یا کولڈ اسٹوریج میں مال رکھوانا عام ہے۔ اس لئے حفاظت مال کی اجرت دینا بھی ضروری ہے اور شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے۔ مجلۃ الاحکام کی یہ دفعہ اس رائے کی تائید کرتی ہے۔

إِذَا أَوْدَعَ رَجُلًا مَالَهُ عِنْدَ آخَرَ أَعْطَاهُ أَجْرَةً عَلَى حِفْظِهِ فَصَاعَ الْمَالِ بِسَبَبِ يُمْكِنُ التَّحَرُّرُ مِنْهُ كَالسَّرِقَةِ يَلْزَمُ الْمُسْتَوْدِعَ الضَّمَانَ

”اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس امانت رکھا اور اس امانت کی دیکھ بھال کی اجرت بھی ادا کی

ایسی حالت میں اگر وہ مال کسی ایسے سبب سے ضائع ہو گیا جس سے بچنا ناممکن

تھا، مثلاً چوری ہو گیا تو اس کو تادان دینا پڑے گا۔“

بینک ورڈاک خانے میں امانت رکھنا
آج کل بینک اور ڈاکخانے میں روپیہ، زیور اور دوسری قیمتی چیزیں امانت رکھنے کا رواج ہے، ایسا کرنا جائز

ہے مگر خود اس سے سود لے کر روپیہ وغیرہ جمع کرنا حرام ہے، جس کی صراحت پہلے کی جا چکی ہے۔

امانت کے مال سے تجارت
حنفی فقہاء کی تصریحات اس بارے میں نہیں ملیں لیکن صحابہ کے

دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امانت

کے روپے سے تجارت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ یتیموں کے والیوں کو ان کے مال سے تجارت کرنے کی ترغیب

اس لئے دیا کرتے تھے، کہ زکوٰۃ دیتے دیتے ان کا مال ختم نہ ہو جائے۔ ہدایہ میں ہے کہ "یقراض القاضی اموال المیتاھی" (قاضی کو چاہئے کہ وہ یتیموں کے مال کو قرض میں لگا دیا کرے تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا امانت کے روپے سے تجارت کرنے کا عمل تھا۔

یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مودع کی اجازت کے بغیر امانت کا روپیہ تجارت میں لگانا صحیح نہیں ہے اجازت ہونی چاہئے۔ اس صورت میں روپیہ امین کے ہاتھ میں امانت تو ہو گا ہی مگر اس کی ایک حیثیت مفاد کی بھی ہو جائے گی اور اس روپے سے تجارت کرنے میں جو نفع حاصل ہو گا، اس میں مودع شریک سمجھا جائے گا، اگر کسی یتیم کا ولی ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ وہ سارا نفع خود نہ سمیٹ لے بلکہ اس میں یتیم کا حصہ بھی لگائے۔

تاوان کے واپس ہونے یا نہ ہونے کی صورتیں - امانت ضائع ہو جانے میں اگر امین کی غفلت یا تساہل کو دخل نہ ہو تو امین پر ضائع ہونے کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اُس نے اگر تفریط یا تعدی کی، یعنی حفاظت میں تساہل کیا یا مودع کی ہدایت کے خلاف قدم اٹھایا یا مودع کی اجازت کے بغیر استعمال کر لیا تو ان تمام صورتوں میں اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ اسی طرح جب اس نے امانت کو رکھنے کی اجرت لے لی تو اب اس پر تاوان واجب ہو گیا۔ تاوان واجب ہونے اور نہ ہونے کی چند صورتیں لکھی جاتیں ہیں :-

- ۱۔ امانت کے روپے یا چیز کو استعمال کیا، پھر وہ چیز خراب ہو گئی یا ٹوٹ گئی یا روپیہ چوری ہو گیا تو تاوان دینا پڑے گا کیوں کہ استعمال کرنے کے نتیجے میں جو نقص بھی آئے گا، اس کا تاوان دینا ہی پڑے گا۔
- ہاں اگر اتفاق سے یا نادانستہ استعمال کر لیا لیکن پھر ندامت ہوئی اور اس کو حفاظت سے رکھ لیا، پھر نقصان ہوا تو اس پر تاوان نہیں ہو گا، کیونکہ نہ تعدی ہوئی، نہ تفریط۔
- ۲۔ جو چیز بکس یا تجوری میں رکھنے کی ہے، اُسے بے احتیاطی سے باہر رکھ دیا اور وہ ضائع یا خراب ہو گئی تو تاوان دینا ہو گا لیکن اگر گھر میں کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے اور اپنی قیمتی چیزیں بھی یوں ہی رہتی ہیں،

امام شافعی یتیم کے مال میں زکوٰۃ کے قائل ہیں، بخلاف امام ابو حنیفہ کے جن کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

تو پھر نقصان کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

۳۔ اگر غلطی سے قفل کھلا رہ گیا اور اس وجہ سے امانت کا مال صندوق کے اندر سے چوری ہو گیا یا اس کو چوہے نے کتر لیا یا کوئی اور نقصان پہنچ گیا تو سب صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔
۴۔ لیکن اگر خریدار دکان دار کی اجازت سے شیشے کا گلاس اٹھا کر دیکھے اور اس دوران وہ ٹوٹ جاتے تو اس کو تاوان نہیں دینا پڑے گا لیکن اگر بغیر اجازت کوئی چیز اٹھا کر دیکھے گا اور وہ ٹوٹ گئی یا خراب ہو گئی تو تاوان دینا پڑے گا۔

۵۔ اگر مودع نے ایسی شرط لگائی جس کا پورا کرنا ممکن تھا لیکن امین نے اس کے خلاف کیا تو تاوان دینا ہوگا، ہاں اگر اس شرط کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر تاوان نہیں دینا پڑے گا۔ مثلاً اس نے کہا کہ تمہارے علاوہ گھر کا دوسرا کوئی آدمی امانت کی نگرانی نہ کرے تو یہ شرط لغو ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی شخص ہر وقت چیز کی نگرانی کرتا رہے۔

۶۔ ناگہانی حادثے کے نتیجے میں اگر امانت کی چیز ضائع ہو جائے تو امین پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے مثلاً: گھر میں آگ لگ گئی۔ ڈاکہ پڑ گیا یا سیلاب میں مکان گر گیا۔

۷۔ مودع کو یہ شرط لگانے کا حق ہے کہ میری امانت اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہ رکھی جائے، اس صورت میں اگر خلاف ورزی کی اور نقصان ہو گیا تو اس کی ذمہ داری امین پر ہوگی لیکن اگر ناگہانی حادثے میں دوسری جگہ امانت منتقل کر دی تاکہ وہ محفوظ رہے اور پھر ضائع ہو گئی، تو اس پر تاوان نہیں ہے۔

ودیعت کی واپسی کا اختیار جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا، امین اور مودع دونوں میں سے ہر ایک کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ امانت کا معاہدہ جب چاہیں فسخ کر دیں۔ اسی طرح جب امانت کی مدت ختم ہو تو معاہدہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ دونوں صورتوں میں امین کو امانت فوراً مودع کے حوالے کر دینا چاہئے۔

دونوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے، اس صورت میں بھی معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔ پھر مودع کے ورثہ کو امانت واپس لے لینا یا امین کے ورثہ کو واپس کر دینا چاہئے۔ اگر انہیں پھر امانت رکھنا ہے تو دوسرا معاہدہ کرنا ہوگا۔

و دیعت کی واپسی سے انکار
 مودع کسی وقت اپنی امانت واپس مانگے یا امانت
 رکھنے کی مدت ختم ہو جانے پر اس کی واپسی کا مطالبہ کرے

تو فوراً واپس کر دینا چاہئے لیکن اگر اس نے کہا "کل لے جانا" اور کل تک وہ چیز ضائع ہو گئی، تو اس کی
 دو صورتیں ہیں: اگر مودع خوشی سے واپس چلا گیا تھا یعنی ایک دن کے لئے مزید اس کو امین بنا کر لوٹ گیا
 تھا تو چیز کے ضائع ہو جانے پر تاوان نہیں ہے لیکن دوسری صورت میں اگر مودع امین کے مال مٹول کئی
 وجہ سے ناراض ہو کر امانت کو ناخوشی سے اس کے پاس چھوڑ کر لوٹ گیا تھا تو گو یا امانت کی ذمہ داری سر
 معزول ہونے کے بعد بھی امین نے امانت کو قبضہ میں رکھا جس کی اسے اجازت نہ تھی تو اسے تاوان دینا
 پڑے گا۔

اگر مودع نے کسی دوسرے آدمی کو بھیجا کہ فلاں امانت فلاں شخص سے لے آؤ تو امین کو اختیار ہے
 کہ وہ اسے دے یا نہ دے۔ دینے کی صورت میں اگر وہ دوسرا آدمی جیانت کر جائے تو ذمہ داری
 امین پر ہوگی۔

امانت رکھتے اور لیتے وقت گواہ کی ضرورت
 بہتر ہے کہ امانت دیتے اور لیتے وقت دو آدمیوں
 کو گواہ بنا لیا جائے۔ ایسے مواقع پر شاید بنانے
 کی ناکید قرآن میں آئی ہے، چنانچہ نابجھوں اور عتیموں کے مال کی حوالگی کے وقت یہ حکم دیا گیا ہے،
 فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ (نساء: ۶) یعنی جب ان کا مال ان کے
 حوالے کرو تو ان پر گواہ بنا لو۔

تخسر پر اگر متوفی نے کوئی تحریر یا ہنی کھاتا ایسا چھوڑا جس میں لکھا ہے کہ فلاں شخص کا اتنا روپیہ
 یا فلاں چیز میرے یہاں امانت ہے تو اس کے ورثہ کو تحقیق کے بعد وہ مال یا چیز واپس کر دینا چاہیے
 اگر ورثہ کو خود علم ہو تو تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے۔

تاوان ادا کرنا
 امین پر تاوان واجب ہونے کی صورت میں ان امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے
 اگر امانت نقد رقم نہیں بلکہ کوئی جنس ہے، جیسے گھڑی، برتن، میز کرسی
 وغیرہ تو اسی طرح کی چیز تاوان میں ادا کرنا ہوگی۔ اگر نقد رقم یا سونا، چاندی یا ان سے بنے ہوئے زیور ہوں
 تو اتنی ہی نقد رقم یا اتنی ہی قیمت کا زیور یا اس کی قیمت دینا ہوگی، اسی طرح اگر جنس میں کوئی ایسی چیز ہے

جس کا ملنا دشوار ہے تو پھر قیمت بھی دی جاسکتی ہے مثلاً ویسٹرن گھڑی امانت تھی اور وہ ضائع ہو گئی، تو ویسی ہی گھڑی منگا کر دینا چاہئے، اگر وہ بازار میں نہ ملے تو پھر اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ قیمت وہی دی جاتے گی جو تادان واجب ہونے کے دن تھی، خواہ وہ دیتے وقت سستی ہو جائے یا مہنگی۔

عاریت

کم لوگ ایسے ہیں جن کو ضروریات زندگی کی ہر چیز ہر وقت حاصل ہو بہت سے لوگ ایسے نہیں گے جنہیں چیزیں وقتی طور پر دوسروں سے مانگنا پڑتی ہیں، اس مانگنے کو شریعت میں عاریت کہتے ہیں۔

جس طرح کفالت کرنا، قرض دینا، امانت رکھنا اسلامی معاشرہ کا اخلاقی فرض ہے، اسی طرح اگر کوئی حاجت مند وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی چیز مانگے تو معاشرہ کے افراد کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ چیز بغیر کسی حذر اور معاوضے کے فراہم کر دیں، اگرچہ قانوناً کسی کو عاریت دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، معمولی اور روزمرہ استعمال کی چیز تو بے تامل دیدینا چاہیے۔ قرآن نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ماعون کو دینے میں سخیل کرتے ہیں، چنانچہ ایک سورہ کا نام ہی الماعون ہے۔ اس سورت میں جن باتوں پر تنہید کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے :-

قَوْلِ الْمَصْلُوبِ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَآؤُونَ ۝ وَيَسْتَعِينُونَ

الماعون ۝

(الماعون، آیت ۴ تا ۷)

خرابی ہوان لوگوں کی جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں، یہ لوگ صرف دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور روزمرہ کی برتنے والی معمولی چیزیں دینے میں تامل کرتے ہیں۔

منقصد یہ کہ ایسی دکھاوے کی نماز سے کیا فائدہ جس سے نہ تودل میں خالق کی محبت پیدا ہو اور نہ مخلوق کی جس کو خالق سے محبت ہوگی وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرے گا۔ اس محبت کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی مخلوق کی ضرورت بے تامل پوری کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے چیز عاریتہ لی بھی ہے اور دی بھی ہے۔

ماعون۔ ماعون میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے دینے میں کوئی بڑا نقصان یا حرج نہ ہو، مثلاً

کسی کے یہاں مہمان آگئے۔ آپ سے چار پائی یا بستری یا کھانا کھلانے کے لئے برتن مانگے، اسی طرح نمک دیا سلائی، چھری یا صابن، پڑھنے کے لئے کتاب، پانی نکالنے کیلئے رسی اگر مانگی تو بے تکلف دیدینا چاہیے۔ صحابہ کرام جن کی زندگی نہایت سادہ تھی، ان کا طرز عمل یہی تھا، ان کے درمیان ماحون میں جو چیزیں لی جاتی تھیں ان میں سوئی، تانگا، ڈول رسی وغیرہ سب شامل تھے۔

کسی کو اپنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت بغیر معاوضہ دیدینا شریعت میں عاریت کی تعریف عاریت کہلانا ہے۔ اس فعل کو اعارہ، عاریت مانگنے کو استعارہ، عاریت دینے والے کو میئر، عاریت لینے والے کو مستعیر اور جو چیز عاریت لی جاتے اسے مستعار کہتے ہیں۔

۱۔ پڑوسی یا دوسرے کسی آدمی سے کہا گیا کہ آپ دو دن کے لئے مجھے ایک پلنگ یا کرسی دے دیجئے اور اس نے وہ چیز دے دی تو یہ عاریت ہوگی۔

۲۔ یہ مستعار چیز جب تک مستعیر کے یہاں رہے گی وہ امانت ہے ضمانت ہوگی یعنی اس کی حفاظت مستعیر پر اسی طرح لازم ہوگی جس طرح امانت کی۔ لیکن اگر اتفاق سے ٹوٹ پھوٹ گئی تو اس پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر ایسی چیزیں ہیں جن کا نقصان ہر شخص دیکھ سکتا ہے مثلاً جانور اور بڑی بڑی چیزیں تو مستعیر پر ضمانت ہوگی۔ امام شافعی کے رائے میں قبضہ کے بعد مستعار چیز میں کسی طرح کا بھی نقصان ہوگا تو مستعیر ضمانت قرار دیا جائے گا خواہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے: عاریتہ مضمونہ۔

۳۔ امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق اگر قصداً چیز کو خراب کر دیا یا توڑ دیا یا غلط طریقے سے استعمال کیا اور وہ چیز خراب ہوگئی تو مستعیر کو تاوان دینا پڑے گا۔ مثال کے طور پر مستعار لی گئی چار پائی پر اتنے زیادہ آدمی بٹھادئے کہ وہ ٹوٹ گئی۔ مستعار سائیکل کو ایسے خراب راستے پر چلایا کہ ٹاٹر پھٹ گیا۔ مستعار صنی کی پلیٹ چھوٹے پتے کے ہاتھ میں دیدی اور وہ ٹوٹ گئی۔ فرش یا دری پر دیا سلائی کی جلی ہوئی مستحلی یا سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا ڈال دیا اور فرش جل گیا تو اس کا تاوان نقصان کے بقدر دینا پڑے گا۔ لیکن اگر اتفاقیاً فرسش پر اگالداں لوٹ گیا یا گلاس ہاتھ سے اتفاق سے پاپیر پھسل جانے سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا، ایسی صورت میں تاوان نہیں ہے۔ غرض یہ کہ غلط استعمال سے یا قصد و ارادے سے جو چیز خراب کی جائے گی تو اس کا تاوان لیا جائے گا۔

۴۔ جتنے دن یا وقت کے لئے عاریت لی ہے اس کے بعد فوراً واپس کر دینا چاہئے، اگر دیر کی اور وہ چیز غائب ہو گئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو نقصان کی قیمت دینا ہوگی۔

۵۔ مستعار چیز کو اپنے ہی استعمال میں لانا چاہیے۔ مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نہ دینا چاہئے، اگر مالک کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے کو دی تو یہ گناہ بھی ہے اور نقصان ہو جانے کی صورت میں، معاوضہ بھی دینا ہوگا۔

۶۔ اگر معیر نے اپنے طور پر کوئی قید نہ لگائی ہو کہ عاریت دی گئی چیز کو کس وقت تک کس جگہ پر اور کس طریقے پر استعمال کیا جائے تو مستعیر کو اختیار ہوگا کہ وہ جس وقت تک چاہے جس جگہ چاہے اور جس طرح چاہے پوری احتیاط کے ساتھ استعمال کرے، اب اگر ایسا نا کوئی نقصان اس چیز کو ہو جائے تو مستعیر سے اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر بے احتیاطی سے یا جس طرح وہ چیز عام طور پر استعمال کی جاتی ہے اس کے خلاف استعمال کرنے سے نقصان پہنچا تو اجازت کے باوجود تاوان دینا پڑے گا۔ مثلاً ہسٹائل یا موٹر عاریت لی اور اسے بے احتیاطی سے چلایا کہ وہ ٹکرائی اور نقصان ہو گیا یا کسی دوسرے کو چوٹ لگ گئی، یا کوئی مالی نقصان پہنچ گیا تو نقصان کا تاوان مستعیر کو دینا ہوگا۔ یا چادر کو پلنگ پر بچھانے کے بجائے بطور دسترخوان استعمال کیا اور اس پر ایسا دھبہ لگا کہ اس کی قیمت گھٹ گئی تو اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی اور تاوان دینا پڑے گا۔

اسی طرح مستعار چیز کسی دوسرے کو برتنے اور استعمال کرنے کو دینا۔ اگر معیر نے اس سے منع نہ کیا ہو تو ایسی چیزیں دے دینے میں ہرج نہیں ہے جیسا کہ اگر دوسرے استعمال کریں تو چیزوں میں کوئی فرق نہ آسکے جیسے مکان، برتن، گلاس، چمچے، تخت وغیرہ، لیکن ایسی چیز جس میں دوسرے کے استعمال سے فرق آسکتا ہو، دینا جائز نہیں، مثلاً، گھڑی، فٹ وینٹن، بین، موٹر، سائیکل یا کوئی بھی سواری، پکڑا، جوتا، چھتری وغیرہ، یہ چیزیں دوسروں کے پاس جا کر خراب ہو سکتی ہیں، اس لئے نہ دینا چاہئے۔ بلکہ خود ہی استعمال کرنا چاہئے، اگر دینے کے بعد خراب ہو گئی یا گم ہو گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ معیر کی ہدایت کے خلاف استعمال کرے گا تو مستعیر کو نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

۸۔ کبھی عورت سے ایسی چیز مستعار مانگی جو اس کے شوہر کی ہے اور عورت نے شوہر سے پوچھے بغیر دیدی تو اگر وہ ایسی چیز ہے جو عموماً عورت ہی کے قبضے میں رہتی ہے جیسے گھی، تیل، نمک، شکر، برتن

زیور یا غلہ وغیرہ اور وہ دی ہوئی چیز اتفاقاً ضائع ہو گئی تو نہ مستعیر پر اور نہ عورت پر اس کا تاوان ڈالا جائے گا لیکن اگر ایسی چیز جس کا عورت سے تعلق نہیں ہوتا مثلاً جانور، مردانہ مکان کا فرنیچر یا سواری کی چیز تو ان کے ضائع ہونے کی صورت میں شوہر یعنی مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ تاوان لے مستعیر سے یا عورت سے۔

اکثر باتیں مذکور ہو چکی ہیں۔ ہدایت کے ضمن میں ان کا بھی اعادہ کیا جاتا ہے :-

مستعیر کیلئے ضروری ہدایات

۱- میعرب چاہے اپنی دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ مستعیر کو بلا عذر واپس کر دینا چاہئے اگر عذر کیا اور وہ چیز ضائع یا خراب ہو گئی تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا۔

۲- میعرب نے دو دن میں چیز واپس کرنے کو کہا لیکن مستعیر نے کہا کہ چار دن میں واپس کروں گا۔ میعرب خاموش ہو گیا تو یہ رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔ دو ہی دن میں واپس کرنا چاہئے۔

۳- میعرب یا مستعیر کی موت سے عاریت کا معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔

۴- میعرب اور مستعیر کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے۔ ناسمجھ بچوں یا پاگلوں سے عاریت لینا یا ان کو دینا صحیح نہیں ہے۔

۵- مستعار چیز پر مستعیر کا قبضہ ہونا ضروری ہے۔

۶- کوئی متعین چیز ہی مستعار دی جاسکتی ہے، چند سائیکلیں ایک جگہ ہوں تو یہ نہ کہے کہ ان میں سے ایک لے لو بلکہ متعین کر کے کہے کہ فلاں سائیکل لے لو یا اجازت دے کہ جو چاہو لے لو۔

۷- میعرب مستعیر سے چیز کی اجرت یا اس کا کوئی بدل نہیں لے سکتا۔

۸- عاریت لینے کے وقت سے واپسی کے وقت تک اگر کوئی خرچ مستعار چیز پر کرنا پڑے تو مستعیر کو برداشت کرنا ہوگا مثلاً سائیکل میں ہوا بھروانے یا پنچر درست کرانے کا خرچ، جانور کے چارے کا خرچ، مکان کی مرمت کا خرچ۔

۹- مستعار کو نہ تو مستعیر بیچ سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے، نہ کرائے پر لے سکتا ہے، البتہ کسی دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے۔ اب اگر چیز اتفاقاً ضائع ہو جائے تو تاوان عائد نہ ہوگا لیکن اگر مستعیر کی یا اس کے امین کی غلطی سے ضائع ہوئی تو تاوان دینا ہوگا۔

۱۰- عاریت کی مدت ختم ہوتے ہی چیز واپس کر دینا چاہئے، اگر مدت گزرنے کے بعد نقصان ہوا

تو مستعیر بر ذمہ داری ہے۔

۱۱۔ عاریت کی چیز مستعیر کو بذات خود اپنے یا معتبر آدمی کے ذریعے واپس کرنا چاہئے۔ اگر کسی غیر آدمی کے ہاتھ بھیجی اور ضائع ہو گئی یا خراب ہو گئی تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا۔

۱۲۔ عاریت کی چیز لے جانے اور واپس کرنے میں اگر بار برداری کے مصارف ہوتے تو مستعیر کو برداشت کرنا ہوں گے۔

۱۳۔ اگر باغ لگانے یا مکان بنانے کے لئے کوئی زمین عاریتہ لی تو معیر جب چاہے خالی کرا سکتا ہے البتہ اگر کوئی مدت متعین کر دی ہے تب بھی خالی کرانے کا اختیار ہے مگر قبل از وقت خالی کرانے سے جو نقصان مستعیر کو ہوگا اس کا معاوضہ معیر ادا کرے گا۔ مثلاً باغ لگانے کے لئے زمین دس برس واسطے دی لیکن معیر کو پانچ ہی برس میں زمین کو خالی کرانے کی ضرورت پیش آگئی تو مستعیر کو اپنے درخت کاٹ کر زمین خالی کر دینا چاہئے۔ اب رہا نقصان کا معاوضہ تو اگر دس برس باغ رہتا تو درختوں کی قیمت پانچ سو روپے ہوتی اور جس وقت خالی کر رہا ہے تو درختوں کی قیمت دو سو روپے ہے، اس طرح تین سو روپے نقصان کے معیر مستعیر کو دے گا، اگر معیر درخت بھی لینا چاہے اور مستعیر راضی ہو تو درختوں کی جو قیمت ہو وہ پوری ادا کرنا ہوگی۔

۱۴۔ اگر کسی کو قیمت جوتنے کے لئے دیا تو مدت مقرر ہو یا نہ ہو، جب تک فصل پک نہ جائے زمین کو خالی نہیں کرا سکتا۔

ہدیہ اور ہدیہ

صدقہ ہدیہ اور ہدیہ غرض ہوں اور ضرورت مندوں کی مدد کے طریقے ہیں، جن کی ترغیب کتاب و سنت میں دلائی گئی ہے۔ صدقہ کا بیان زکوٰۃ کے ضمن میں آچکا ہے۔ ہدیہ اور عطیہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "آپس میں ہدیے اور عطیے بھیجا کرو، اس سے محبت بڑھتی اور دلوں کی کدورت دور ہوتی ہے (ترمذی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہدیہ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، اس کو قبول کر لینا چاہئے اسی طرح معمولی عطیہ دینے میں بھی شرم نہ کرنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ "اگر کوئی مجھے گوشت کا ایک ٹکڑا یا کھڑ بھی بھیجے تو میں بہ خوشی قبول کروں گا۔" (مسند احمد و ترمذی)

ایک شخص جب کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ بھیجے یا ہبہ کرے یا صدقہ دے تو زبان سے کوئی ہدیہ کا بدلہ بات ایسی نہ کہنا چاہیے، نہ ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جس سے احسان جتنا یا اس کا اظہار محسوس ہو۔ قرآن اور حدیث میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ قرآن میں ہے "کہ احسان دھرنے والے یا دکھلوا کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی جمی ہو اور ہلکی سی بارش سے دھل جاتے، ایسا شخص نہ تو خدا پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن جو لوگ رحمت الہی کے سایہ سے دور ہوں گے، ان میں احسان جتانے والا بھی شامل ہے۔ غرض کہ صدقہ اور ہدیہ دیتے وقت نمود و نمائش یا احسان کرنے کا اظہار قطعاً نہ ہونا چاہئے۔ البتہ جس کو صدقہ یا ہدیہ دیا گیا اگر وہ بھی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق اس کے بدلے کوئی تحفہ یا ہدیہ دے تو مستحسن ہے لیکن اگر وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا تو کم سے کم اس کی تعریف اور اس کا شکریہ تو ادا کرنا چاہئے، اگر یہ بھی نہیں کیا تو احسان ناشناسی اور کفرانِ نعمت کیا (ابوداؤد و ترمذی)

غیر مسلم کو ہدیہ دینا اور لینا جس طرح معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہے جب تک کہ حلال و حرام کے حدود سے تجاوز نہ ہو، اسی طرح ہدیہ دیتے اور لینے میں بھی مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کا ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے :-

لَا يَنْهَى اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَفَرُوا فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۸۰﴾

"اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں نہ تو لڑائی کی، نہ تم کو گھر سے نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

عاریت میں دی گئی کوئی چیز نقد ہو یا مجلس مشروطہ یا عاریت ہدیہ اور عاریت میں فرق واپسی ہوتی ہے، مستغیر ایک متعین مدت کے لئے اس کا امین ہونا ہے لیکن بطور ہدیہ، ہبہ یا صدقہ جو چیز دی جاتی ہے، اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوتا۔ اس کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے، اب اس کا واپس لینا گناہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

”جو شخص ہبہ کر کے یا ہدیہ یا صدقہ دیکر واپس لے لے اس کی مثال اس کتے کی ہے جو کھانے کے بعد تے کر کے اور دوبارہ اس کو تنگل لے لے“ اس لئے آدمی کو خوب سوچ سمجھ کر دینا چاہئے کہ نہ تو بعد میں ندامت ہو اور نہ واپسی کی ضرورت لیکن اگر واقعی واپسی کی ضرورت پیش ہی آجائے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے یعنی ہبہ فسخ کیا جاسکتا ہے، قانونی تفصیل آگے بیان کی جاتے گی۔

ہبہ ہدیہ اور صدقہ میں فرق اس اعتبار سے کہ آدمی اپنی کسی چیز کا مالک دوسرے آدمی کو ہبہ ہدیہ اور صدقہ کے ذریعہ بنا دیتا ہے اور پھر اس کی واپسی کا اختیار اس کو نہیں رہتا، یہ حکم تینوں صورتوں میں یکساں ہے لیکن چونکہ ہر ایک میں دینے کا جذبہ الگ الگ ہوتا ہے، اس لئے تھوڑا سا فرق ہے گویتھے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

ہدیہ کی تعریف کسی کی ہمت افزائی اور محبت کے جذبے سے کوئی چیز دینا۔
صدقہ کی تعریف کسی کو محض ثواب کی خاطر کوئی چیز دینا۔

ہبہ کی تعریف بغیر کسی معاوضے کے اپنا کوئی مال دوسرے کی ملکیت میں دیدینا۔ لغت میں ہبہ کے معنی، دینے کے ہیں۔

صدقہ اور ہدیہ ہبہ کی ہی کی دو قسمیں ہیں؛ صدقہ میں محض ثواب کی نیت ہوتی ہے اور دوسرا کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اگر ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ صدقہ نہیں کہلائے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہبہ اور ہدیہ میں کوئی ثواب نہیں ملتا۔ اجر ہر نیکی کا ملنا ہے، ہبہ اور ہدیہ مثال صدقہ ہو تو ان کا ثواب بھی ملے گا۔

ہبہ کی اصطلاح ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اُسے موہوب کہتے ہیں۔

ہبہ کے ارکان و شرائط ۱۔ ہبہ کے لئے ایجاب و قبول اور قبضے کا ہونا ضروری ہے یعنی واہب بہ رفا اور رغبت کوئی چیز دے اور موہوب انہوشی سے قبول کر کے اُسے اپنے تصرف میں لے لے تو ہبہ ہو گیا اور وہ چیز واہب کی ملکیت کے بجائے موہوب کی ملکیت ہو گئی۔

۲۔ ایجاب و قبول میں ہبہ کا لفظ صراحتہً کہنا ضروری نہیں بلکہ جس لفظ یا جس طرز عمل سے دی ہوئی چیز لینے والے کی ملکیت ہو جاتی ہے وہ ایجاب و قبول سمجھا جائے گا مثلاً کسی نے کہا کہ میں اپنی یہ کتاب آپ کو ہدیہ کرنا ہوں اور آپ نے شکر بہ ادا کر کے لے لی تو کتاب ہبہ ہو گئی یا آپ نے خاموشی سے لے لی تو بھی وہ

آپ کی ملکیت میں آگئی یا اپنے کسی دوست سے کوئی چیز بطور ہبہ یا ہدیہ مانگی اور اس نے بخوشی دیدی تو وہ چیز ہبہ ہوگئی مگر حتی الامکان اس طرح مانگنا نہیں چاہئے۔ عاریتہ مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ کسی نے کپڑا خریدا اور بیوی سے کہا کہ اس میں سے اپنے لئے ایک جوڑا بنوالو، یا زیور بنو یا اور بیوی سے کہا، اے پہن لو، یہ ہبہ ہو گیا اور چیز عورت کی ملک ہوگئی، اب کسی ناراضگی کے وقت واپس لینا گناہ ہے۔
۴۔ واہب کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے، کوئی نابالغ بچہ اگر کوئی چیز ہبہ کر دے تو والدین یا مرثیہ والوں سے لے سکتے ہیں۔

۵۔ ہبہ میں واہب کی رضا و رغبت ضروری ہے اور رضامندی کے بغیر زبردستی ہبہ کرانا اور دباؤ ڈال کر یا اصرار کر کے ہدیہ لینا صحیح نہیں بلکہ گناہ ہے۔

۶۔ واہب نے کسی چیز کو واضح الفاظ میں ہبہ کیا، مثلاً: یہ گھڑی میں آپ کو دیتا ہوں، آپ اسے لے لیجئے اب موہوب لہ، اسی وقت لے لے یا بعد میں لے دو نوں جائز ہیں لیکن اگر مبہم الفاظ میں کہا کہ: میں یہ گھڑی آپ کو دیتا چاہتا ہوں یا روں گا۔ یہ نہیں کہا کہ لے لیجئے تو اگر موہوب لہ، اسی وقت گھڑی قبضہ میں لے لے تو وہ اس کی ہوگئی، لیکن اگر اس وقت نہ لے اور پھر کسی وقت لینا چاہے تو درست نہ ہوگا، جب تک دوبارہ واہب سے اجازت نہ لی گئی ہو۔

۷۔ خریدار اپنے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو ہبہ کر دینے کا حق رکھتا ہے۔

۸۔ ہبہ یا ہدیہ کی ہوتی چیز کو قبضے میں دیدنا ضروری ہے، اگر وہ چیز دوسرے کے قبضے میں ہے تو واہب کو اس کے قبضے سے نکال کر موہوب لہ کے حوالے کرنا چاہئے۔

۹۔ مال جس کے قبضے میں تھا اسی کو وہ ہبہ کر دیا، تو ہبہ ہو گیا، واہب پر لازم نہیں کہ دوبارہ قبضہ دلائے۔

۱۰۔ کسی نے اپنا قرض یا مطالبہ ہبہ کر دیا اور مقروض یا دیون نے اسے قبول کر لیا تو اب مطالبہ کا حق واہب کو نہیں رہا۔

۱۱۔ موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی گئی اس پر قبضہ سے پہلے واہب یا موہوب لہ کا انتقال ہو جاتے تو ہبہ باطل ہو جائے گا کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ یعنی موہوب لہ کے قبضے سے پیشتر وہ واہب ہی کی ملکیت رہے گی اور اس کی موت کے بعد ورنہ مالک ہو جائیں گے۔ اسی طرح موہوب لہ اگر فوت ہو گیا تو اب قبضہ

کون کرے گا۔

۱۲۔ نبالغ بچے ہمہ نہیں کر سکتے، مگر ان کو ہمہ کیا جاسکتا ہے۔

اگر باپ دادا اپنے لڑکے یا پوتے کو کوئی چیز دیں اور کہیں کہ یہ میں نے تم کو دی تو دے دینے بچوں کو ہمہ سے وہ چیز اس کی ملک ہوگئی، اب واپس لینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی بھائی یا بہن اپنے چھوٹے بھائی بہن کو کوئی چیز دے دے تو وہ اس کی ملک ہوگئی۔ مثلاً اس کا کپڑا بنوایا، اس کے لئے کتاب اور قلم خریدا تو یہ چیزیں اس کی ہو گئیں لیکن اگر خاص بچے کو ہمہ دیں یا یہ کہہ دیا کہ سب لوگ استعمال کریں تو پھر وہ کسی کی ملک نہیں ہوں گی۔

۱۳۔ چھوٹے ناکچھ بچوں کو جو کچھ عیدی یا انعام کے نام سے لوگ دیا کرتے ہیں تو مقصود ان کے ماں باپ کو دینا ہوتا ہے، چونکہ حقیقت رقم ہوتی ہے اس لئے بچے کے بہانے سے دی جاتی ہے، تو ایسی چیزیں بچوں کے والدین کی ملک سمجھی جاتی ہیں لیکن اگر کسی نے صراحت کے ساتھ یہ کہا کہ میں اس بچے کو ہی دے رہا ہوں تو اگر بچہ بچھا رہے، اور اس نے اسے لے لیا تو چیز اس کی ملک ہوگئی اور اگر ناکچھ ہے تو اس کے باپ دادا یا مرنی کا قبضہ کافی ہے لیکن انہیں یہ حق نہیں ہے کہ اس چیز کو اپنے استعمال میں لائیں یا اُسے کسی دوسرے بچے کو دیں۔

۱۴۔ اگر اپنی اولاد کو کوئی چیز ہمہ کرنا ہو تو سب کو برابر دینا چاہئے یعنی لڑکے اور لڑکیوں کو یکساں۔ یہ مسلک پیغمبروں اماموں امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی، رحمہم اللہ کلہم۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی رائے میں ہمہ بھی وراثت کی طرح ہونا چاہئے، یعنی لڑکیوں کا ایک ایک اور لڑکوں کے دو دو حصے۔

۱۵۔ ہمہ میں مدت کا تعین صحیح نہیں مثلاً یہ کہ ایک ماہ یا ایک سال کے لئے ہمہ کرنا جائز ہے۔

۱۶۔ واہب اگر ہمہ کرتے وقت کسی عوض یا فائدے کی شرط لگا دے تو یہ صحیح ہے، مثلاً یہ کہا کہ ”یہ مکان تمہیں دیتا ہوں“ اس شرط کے ساتھ کہ میں بھی اس میں رہوں گا، یا اس کے بدلے میں تم میرا فلاں قرض ادا کر دو یا ”فلاں زمین اس شرط پر ہمہ کرنا ہوں کہ تم میرے کھانے پکڑے کے کفیل رہو“ تو یہ ہمہ درست ہے۔ اب اگر واہب اس پیشروط ہمہ سے رجوع کرنا چاہے تو اس کا حق نہیں ہے جب تک وہ شرط پوری ہوتی رہے، البتہ اگر شرط پوری نہ ہو تو رجوع کر سکتا ہے۔

۱۷۔ ہمہ کی جانے والی چیز کا موجود ہونا ضروری ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ ”اس کھیت میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ ہمہ کرنا ہوں“ یا بانے میں جو کھیل آئیں گے یا اس جانور سے جو بچے پیدا ہوں گے انہیں ہمہ کرنا ہوں۔“

۱۸- واہب جو چیز بہہ کرے وہ اس کی اپنی ملکیت ہونا ضروری ہے، دوسرے کی چیز کسی کو دیدینا ناجائز ہے۔
 ۱۹- موہوب یعنی جو چیز بہہ کی جاتے اس کی تعیین ضروری ہے، چند گھریاں، چند سائیکل یا چند جانور ہیں، ان میں سے ایک گھری یا ایک سائیکل یا ایک جانور بہہ کرنا، تو اسے متعین کر کے بہہ کرنا چاہتے، یہ کہنا کہ ایک لے لیجئے، صحیح نہیں ہے، البتہ یہ کہنا کہ ان میں سے جو پسند ہو لے لیجئے اور موہوب لہ نے اسی وقت پسند کر کے لے لیا تو بہہ صحیح ہوگا لیکن اگر اس وقت نہیں لیا تو پھر اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔

بہہ کر چکنے کے بعد اس چیز کا واپس لینا گناہ ہے اور دیانت و اخلاق کے خلاف بھی۔
ہبہ اور ہبہ کی واپسی لیکن اگر موہوب لہ نے بھی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ واہب کو اسی چیز کی شدید ضرورت پڑ جاتے اور وہ موہوب لہ سے کہدے کہ آپ اس کو بھی نہ لیجئے تو گویا واہب نے بہہ سے رجوع کر لیا مگر قبضہ کے بعد بہہ سے واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو موہوب لہ خوشی سے واپس کر دے یا اسلامی عدالت اس بہہ کو فسخ قرار دے بشرطیکہ کوئی دوسرا قانونی مانع موجود نہ ہو۔

کن صورتوں میں ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی اگر ایسے شخص کو بہہ کیا ہے جس سے خونی رشتہ ہے اور نکاح حرام ہے تو واپسی کا حق نہیں ہے مثلاً

مان، باپ، بھوپچھا، پھوپھی، چچا، بھائی، بہن، بھانجے، بیٹے، پوتے، نواسے یا بیٹی پوتی نواسی داد اور دادی وغیرہ اب اگر کسی نے اپنے رضاعی بھائی، بہن اور ساس سسر کو بہہ کیا ہے تو اخلاقاً واپس لینا معیوب ہے، مگر قانوناً واپس کر سکتا ہے، کیونکہ ان سے نکاح تو حرام ہے مگر خون کا رشتہ نہیں ہے۔

۲- اگر میوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو کوئی چیز بہہ کی تو قبضے کے بعد پھر واپسی کا حق نہیں ہے۔

۳- اگر بہہ کی ہوئی چیز میں موہوب لہ نے ایسا اضافہ کر دیا جو اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا مثلاً زمین بہہ

کی تھی اس پر عمارت بنوالی یا درخت لگا دیئے، جانور بہہ کیا تھا، اس کو کھلا پلا کر خوب فرہ کر دیا، گھبوں،

دئے تھے انھیں پسوایا تو یہ تمام اضافے اصل چیز سے جدا نہیں کئے جاسکتے، لہذا واپسی کا حق جاتا رہا۔

لیکن اگر ایسی زیادتی ہے جو اصل سے جدا ہے تو اصل چیز کی واپسی ہو سکتی ہے اور زیادتی موہوب لہ کی ہوگی، مثلاً

بکری یا گائے بہہ کی تھی اس نے بچے دیدئے تو واہب اگر اپنی دی ہوئی چیز واپس لینا چاہے تو گائے یا بکری،

واپس لے گا، بچے موہوب لہ کے ہوں گے۔

(۴) اگر موہوب لہ نے موہوب کو فروخت کر دیا تو اب واپسی کا سوال نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) اسی طرح اگر بہہ کی ہوئی چیز موہوب لہ کے پاس ضائع ہو گئی تو بھی واہب واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔
 (۶) اگر واہب یا موہوب لہ مر جائے تو کسی کے ورثہ نہ واپس لے سکتے ہیں، نہ دے سکتے ہیں۔
 ہدیہ و صدقہ کی واپسی جو احکام بہہ کی واپسی کے ہیں وہی صدقہ اور ہدیہ کے ہیں۔
ضروری ہذا پہلے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ بہنہ ہدیہ یا صدقہ دے کر واپس لینا اخلاقاً مذموم اور گناہ ہے
 اگر موہوب لہ بخوشی واپس کر دے تب ہی جائز ہوگا لیکن اگر موہوب لہ رضی نہ ہو تو کسی غیر
 قانونی یا غیر اخلاقی طریقے سے واپس لینے کی کوشش کرنا دوسرے گناہ کا سبب ہوگا۔ ایک موہوب لہ کی
 ناراضگی کا، دوسرے غلط طریقے پر واپسی کی کوشش کا، الایہ کہ کسی شدید نقصان سے تحفظ کے پیش نظر
 اسلامی عدالت معاہدہ کو فسخ کر دے۔

اجارہ

فقہ کی کتابوں میں کتاب الاجارہ کے نام سے تین قسم کی اجرتوں کا ذکر اور اس کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔
 ۱- وہ اجرت جو کرایہ کی صورت میں دی جاتی یا جاتی۔
 ۲- وہ اجرت جو پیشہ ور لوگوں جیسے سنار، لوہار، درزی، بڑھی، دھوبی وغیرہ کو دی جاتی۔
 ۳- وہ اجرت جو ملازم یا مزدور کی حیثیت سے کسی کو دی جاتی یا کسی سے لی جاتی۔
 تینوں قسم کے مسائل ایک ہی باب سے متعلق ہیں لیکن چونکہ ان کی ہیئت میں معمولی فرق ہے، اس لئے
 ہر قسم کی اجرتوں کو الگ الگ بیان کیا جا رہا ہے۔

اپنی چیز کو کرایہ پر دینا یا دوسرے آدمی کی چیز کو کرایہ پر لینا جائز ہے۔
کرایہ پر لینا یا دینا (۱) یہ دو باتیں طے ہو جانے کے بعد کہ اس چیز کا کرایہ کتنا ہوگا اور وہ کتنے
 عرصے یا کس کام کے لئے کرایہ پر لی جا رہی ہے، کرایہ کا انعقاد عمل میں آسکے گا۔ کسی سواری کو کرایہ پر لیتے
 وقت یہ صراحت بھی کرنا ہوگی کہ سوار ہونے کے لئے لی جا رہی ہے، یا سامان ڈھونے کے لئے اور یہ کہ اُسے
 کہاں تک یا کتنے میل لے جانے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

(۲) اگر کرایہ اور مدت وغیرہ طے نہیں کی تو معاملہ کرایہ کا نہیں ہوا عاریت کا ہوا اس لئے عاریت کی شرطوں

کے مطابق معاملہ کرنا چاہئے۔

(۳) اگر کسی کمرے یا مکان کا کرایہ دس روپیہ ماہوار طے ہوا اور مدت نہیں طے کی گئی تو معاملہ صرف ایک مہینے کے لئے سمجھا جائے گا، دوسرے مہینے پھر سے معاملہ کرنا چاہئے اور مالک مکان ایک ماہ کے کرایہ دار سے مکان خالی کرا سکتا ہے اور اگر مالک مکان دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو کوئی اعتراض نہیں کیا تو دوسرے مہینے بھی اسی کرایہ پر رہ سکتا ہے گویا ہر ماہ مالک مکان کرایہ بھی بڑھا سکتا ہے اور اسے خالی بھی کرا سکتا ہے لیکن اگر کرایہ دار نے سال دو سال یا اس سے زیادہ مدت مقرر کر کے مکان کو کرایہ پر لیا ہے تو پھر اس مدت تک مالک مکان کو نہ تو کرایہ بڑھانے کا حق ہے اور نہ اُسے نکالنے کا۔

(۴) اگر مکان یا دکان کرایہ پر لینے کے بعد اُسے استعمال نہیں کیا، پھر بھی قبضے کے دن سے کرایہ دینا پڑے گا اور جتنے دن قبضے میں رکھے گا اتنے دن کا کرایہ دینا ہوگا۔

(۵) اگر موٹر، بس، سائیکل یا رکشا کرایہ پر لی تو اس پر اتنے ہی آدمی سوار ہو سکتے ہیں جتنے عام طور پر سوار ہوتے ہیں، مثلاً رکشا پر دو آدمی، لیکن اگر خود مالک زیادہ آدمیوں کو بٹھالے تو اُسے حق ہے۔

(۶) مشترک چیز خواہ وہ مکان ہو یا دکان یا کچھ اور۔ وہ کرایہ پر نہیں دی جاسکتی۔

(۷) مکان کی آرائش و زیبائش کے لئے کوئی چیز کرایہ پر لینا ناجائز ہے، البتہ اگر کسی کام کے لئے چیز کرایہ پر لی گئی ہو اور ضمناً اس سے آرائش و زیبائش بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۸۔ کتاب کرایہ پر لینا یا دینا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ یہ عام افادے کی چیز ہے اس لئے اسے کرایہ پر لینا صحیح نہیں ہے۔ حفاظت کے خیال سے صرف ضمانت لی جاسکتی ہے۔ باقی تینوں امام کرایہ پر دینے اور لینے کی اجازت دیتے ہیں۔ موقع و محل کے لحاظ سے کسی ایک راستے پر عمل کیسا جاسکتا ہے۔

۹۔ گائے، بھینس یا بکری کو اس لئے کرایہ پر دینا کہ ان کا دودھ کرایہ دار استعمال کرے، درست نہیں ہے، اسی طرح درخت کرایہ پر دینا کہ جب پھل آئیں تو کرایہ دار کھائے، درست نہیں ہے۔ ادھیا پر جانور کرائے پر دینا کہ جب پتے ہوں گے تو آدھے آدھے بانٹ لیں گے یا انڈے برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ وجود میں آنے سے پہلے کسی چیز کی نہ تو خرید و فروخت جائز ہے اور نہ کرائے پر دینا، البتہ گائے بکری وغیرہ کی چروائی طے کر کے اجرت پر دیا جاسکتا ہے۔

کرایہ کا معاملہ ختم کر دینا کسی چیز کو کرایہ پر لینے یا دینے کا معاملہ معاہدے سے طے پاتا ہے۔ اس لئے اُسے بغیر کسی مجبوری یا عذر کے توڑنا نہ چاہئے مثلاً: کرایہ پر دینے کے بعد کوئی دوسرا

شخص زیادہ کرایہ پر لینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو اصل کرایہ دار کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔

۲۔ کہیں جانے کے لئے کرایہ پر رکشیا یا موٹر منگائی۔ پھر ارادہ بدل گیا۔ ایسی صورت میں اُسے واپس کر سکتے ہیں لیکن اگر رکشا والے کا وقت ضائع ہوا ہے یا موٹر کئی میل سے چل کر آئی ہے تو وقت کی اجرت اور پیٹرول کی قیمت دینا چاہئے۔

۳۔ کرایہ دار یا مالک میں سے کوئی مر جائے تو کرایہ کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ وارثوں کو نیا معاہدہ کرنا ہوگا۔

۴۔ پیشگی کرایہ اس شرط پر لینا جائز نہیں کہ اگر کرایہ پر نہ لیا تو وہ پیشگی رقم ضبط کر لی جائے گی۔ یہ مالک کی طرف سے زیادتی ہے۔ اسلامی حکومت میں یہ بھی جائز نہیں ہوگا کہ ریل کا ٹکٹ خرید لینے کے بعد اگر اُس کی واپسی کی جائے تو اس کی قیمت کم لوٹائی جاتے۔

کرایہ کے بعض ضروری مسائل (۱) مدت کرایہ داری ختم ہونے کے بعد مالک کو خود اس چیز کو قبضے میں لے لینا چاہئے جو کرایہ پر دی تھی۔ کرایہ دار پر حوالگی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (۲) واپس لینے وقت جو کچھ اُس پر خرچ ہو گا وہ مالک کو دینا ہوگا، برخلاف کرایہ پر دیتے وقت لیجانے کا خرچ جس کا بار لینے والے پر ہے۔

۳۔ مکان یا دکان کرایہ پر لی لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا، تو یہ جائز ہے۔

۴۔ جو مکان یا دکان کرایہ پر دینا طے ہو جائے، اُسے فوراً کرایہ دار کے حوالے کر دینا چاہئے۔

۵۔ مکان یا دکان میں ایسا کوئی کام نہ کیا جائے گا جس سے اس میں خرابی یا کمزوری آنے کا احتمال ہو مثلاً: اگر کرایہ دار نے مکان میں اٹاپا پینے کی چکی لگائی یا دکان میں بھٹی لگائی۔ دونوں کاموں سے مکان اور مکان کے خراب اور کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے کاموں کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر مکان میں جانور رکھنا ضروری ہو تو اگر وہاں عام رواج ہو تو رکھا جاسکتا ہے، ورنہ اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۶۔ کرائے کی مکان کی درستی، مرمت، راستے کی آسانی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کی ذمہ داری مالک مکان پر آتی تھی، انہیں پورا کرنا ضروری ہے لیکن اگر کرایہ دار نے مکان کو مرمت طلب اور نادرست حالت میں پایا

پھر بھی وہ اس میں رہنے پر راضی ہو گیا تو وہ مالک کو مرمت کمرانے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا لیکن اگر کمرانے پر لیتے وقت اچھی حالت میں تھا، اب خراب ہو گیا یا مالک نے کرایہ پر دیتے وقت کہا تھا کہ میں مرمت کرا دوں گا تو دونوں صورتوں میں اسے مرمت کرانا ہوگی۔

۷۔ اگر کرایہ دار مکان میں اپنی آسانی کے لئے کوئی چیز بنوائے تو اگر مالک مکان کی اجازت سے وہ یہ کام کرتا ہے تو اس کا خرچ مالک مکان سے لے سکتا ہے ورنہ اس کے تمام مصارف کرایہ دار کو برداشت کرنا پڑیں گے۔

۸۔ اگر کمراتے دار کمرانے کی زمین میں کوئی درخت لگائے یا کوئی چیز اپنے خرچ سے بنوائے تو مکان کو چھوڑتے وقت مالک درخت کو کٹوا اور بنی ہوئی چیز کو ڈھوا سکتا ہے اور اس کو قیمت دیکر خرید بھی سکتا ہے مگر کرایہ دار مالک کو قیمت دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۹۔ مکان کرایہ پر لینے کے بعد اس کی صفائی اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کی ذمہ داری مالک مکان پر نہیں رہے گی۔

۱۰۔ اگر کرایہ دار مکان کو خراب یا بہت گندہ کر دے تو مالک مکان کو اسے الگ کر دینے کا اختیار ہے۔
۱۱۔ اگر ایسی چیز جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے مثلاً فتر، پنجر، برتن یا پیڑا وغیرہ کرایہ پر لائی جاتے لیکن استعمال نہ کی جاتے تو جتنے دنوں وہ کرایہ دار کے پاس رہے گی اس کا کرایہ دینا ہوگا لیکن اگر کرایہ کا معاملہ طے ہو گیا اور چیز لائی نہیں گئی تھی کہ اس کی ضرورت ختم ہو گئی۔ اس صورت میں کرایہ تو نہیں دینا پڑے گا، لیکن فوراً اطلاع دینا ضروری ہے۔

(۱۲) اگر کرایہ دار نے خاص اپنے استعمال کے لئے چیز کرایہ پر لی ہے تو کسی دوسرے کو کرایہ پر یا عاریتہ دینا صحیح نہیں۔

۱۳۔ اگر کوئی سواری اس شرط پر طے کی کہ فلاں مقام تک پہنچا دے۔ اب اگر راستے میں وہ خراب ہو جائے یا بگڑ جائے تو مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقام تک پہنچاتے جس کا وعدہ کر لیا ہے۔ اگر اس کی درستی میں دیر ہو رہی ہے اور سوار ہونے والے انتظار نہیں کر سکتے ہوں تو جتنی مسافت وہ طے کر چکے ہوں، اس کا کرایہ ادا کرنے کے بعد دوسری سواری سے جاسکتے ہیں اور اگر پورا کرایہ وہ ادا کر چکے ہیں تو باقی ماندہ مسافت کا کرایہ واپس لے کر دوسری سواری سے جاسکتے ہیں۔ اسلامی شریعت کی رو سے یہی طریقہ صحیح ہے۔

۱۴۔ جس جگہ کا ٹکٹ لیا ہے یا جس جگہ کے لئے سواری ملے گی ہے، اگر اس سے زیادہ جائے گا تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۱۵۔ اگر کسی شہر میں دو یا دو سے زیادہ اسٹیشن ہوں تو ایک کی تعین ضروری ہے کیونکہ اگر پہلے اسٹیشن کا ٹکٹ لیا ہے اور بعد والے اسٹیشن پر اترا تو تاوان اس کرایہ کے بقدر دینا ہوگا جو پہلے اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک کا ہے۔ مزید جرمانہ از روئے شریعت غلط ہے۔

ریل اور دوسری سواروں کے احکام کفالت کے بیان میں ذکر آچکا ہے کہ ریلوے اور ہزاروں کمپنیاں جس کو جہاں تک کا ٹکٹ دے دیتی ہیں وہ اسے بحفاظت وہاں

تک پہنچانے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی سامان بک کر یا ہے تو اسے لے جانے اور جب تک وہ اس اسٹیشن تک نہیں پہنچ جاتا، اس کے ٹوٹے بھوٹے اور نقصان کی بھی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کی حیثیت کیفل باجرت کی ہوتی ہے، اس لئے جن نثر آلہ پر اجرت دی جاتی ہے وہ پوری کرنا پڑتی ہیں، بعض، یا قس ایسی ہیں جن کا ذکر کیا جاتے یا نہ کیا جاتے محکمہ پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ ریلوے سے مال جہاں بھیجا جاتا ہے وہاں کے ریلوے اسٹیشن پر مال اتارنے کی ذمہ داری محکمہ ریل کی ہوگی۔ اسی طرح بعض ذمہ داریاں مال کے مالک کی ہوا کرتی ہیں خواہ ان کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے مثلاً جانور رکھنے، بھیس، بکری اور مرغی وغیرہ کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری جب وہ ریل یا جہاز پر ہوں یا چھلی اور انڈوں کو سرد رکھنے کا انتظام مالک کی ذمہ داری ہے اور ریلوے یا جہازوں کی کمپنی پر نہیں ہے۔ فرض مال کو حفاظت و سلامتی کے ساتھ پہنچانا محکمہ ریل کا فرض ہے اور مال کی بقا کی ذمہ داری مالک پر ہے۔

۲۔ جس قسم کا اور جس قدر سامان لے جانے کی اجازت محکمہ ریل دے دی ہو، اس کے خلاف یا اس مقدار سے زیادہ لے جانا درست نہیں ہے۔ چوری سے مال زیادہ لانا خواہ وہ مال گاڑی کا ڈبہ ہو، یا ٹرک یا ٹیلی نا جاتے ہو

اجیروں کی قسمیں بیساکہ ذکر کیا جا چکا، اجرت تین طرح سے ادا کی جاتی ہے یا لی جاتی ہے، ایک کرایہ کے ذریعے جس کا بیان ہو چکا، اب باقی دو قسموں کا ذکر کیا جائے۔

دوسروں کا کام کر کے روزی کمانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنا کام تلاش کرتے

دوسروں کے پاس جاتے ہیں۔ مثلاً مزدور، گھربلو ملازم، دفتر یا کارخانے کے کلرک، چیل ایجنس کام ملتا ہے تو اسے پورا کر کے کام لینے والے سے اپنی محنت کی مزدوری وصول کرتے ہیں۔ دوسرے وہ پیشہ ور لوگ جو کوئی ہنر جانتے ہیں، ایسے لوگ خود کسی کے پاس نہیں جاتے اور نہ کسی خاص آدمی کے ملازم ہوتے ہیں بلکہ دوسرے لوگ ان کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے آتے ہیں۔ جیسے گھڑی ساز، موچی، درزی، لوہار، سنار، رنگر، تیریا بھینس بلا کر اپنی ضرورت پوری کرانے ہیں۔ مثلاً بھلی، حجام، بھشتی، دھوبی، بہتر وغیرہ پہلی قسم کے لوگوں کو اجیر خاص اور دوسری قسم کے لوگوں کو اجیر مشترک کہا جاتا ہے۔

اجیر مشترک

۱۔ اجیر مشترک کی حیثیت امین کی ہوتی ہے۔ یعنی جو چیزیں بنانے، درست کرنے، دھونے یا رنگنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ بطور امانت اجیر کے پاس ہوتی ہیں اور یہ امانت "امانت با ضمانت" ہوتی ہے۔ یعنی وہ امانت کی حفاظت کے لئے اجرت لیتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اس حیثیت سے بھی اہم ہے کہ وہ کسی ایک آدمی کی چیزوں کا امین نہیں ہوتا بلکہ بہت سے لوگوں کی چیزیں اس کے قبضے میں ہوتی ہیں، اگر اسے ذمہ دار قرار نہ دیا جائے تو پھر بددیانتی کر کے بہت سے لوگوں کی چیزیں ہٹا کر لے سکتا ہے۔

(۲) چونکہ وہ امین ہونے کے ساتھ ضامن بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر اس کی غفلت سے کوئی چیز گم ہوگئی یا خراب ہوگئی تو اس کا تاوان لیا جاتا ہے، مثلاً دھوبی نے کپڑا گم کر دیا یا نیا کپڑا پھاڑ لیا، یا گدھے نے چھاڑا۔ سنار نے زیور گم کر دیا یا جو چیز مرمت کے لئے دی گئی اس میں زیادہ خرابی پیدا کر دی۔ درزی کو کپڑا لینے کے لئے دیا گیا، اس نے اتنا چھوٹا سہی دیا کہ پہننے میں تکلیف ہوئی، رنگر نے بننے کے بجائے زرد رنگ دیا تو ان تمام صورتوں میں تاوان لیا جاسکتا ہے، جس کی چیز خراب ہوئی ہے اسے قانونی طور پر تاوان لینے کا حق ہے، اب اگر وہ تاوان نہ لے تو یہ اس کا احسان ہوگا البتہ اگر کوئی ناگہانی آفت آگئی اور کوئی چیز اجیر مشترک کے پاس سے گم یا ضائع ہوگئی، تو تاوان لینا درست نہیں ہے مثلاً گھر گر پڑا یا آگ لگ گئی یا چوری ہوگئی تو ان صورتوں میں تاوان لینا درست نہ ہوگا، لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ وہ چیز گم یا ضائع نہیں ہوئی ہے تو پھر چیز کا مالک مطالبہ کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر دھوبی کے گھر سے کپڑے کی ایک لادھی چوری ہوگئی تو نہیں سمجھا جاتا ہے گا کہ ہر گاہگ کپڑا چوری ہو گیا۔ دھوبی کو یہ ثبوت دینا ہوگا کہ کس گاہگ کا کیا کپڑا

چوری ہوا ہے ورنہ تاوان لیا جائے گا البتہ اگر گھر کا پورا اثاثہ چوری ہونا ثابت ہو جائے تو کوئی گاہک تاوان نہیں لے سکتا۔

بعض اور شرطیں ۱۔ کام دینے والے اور کام لینے والے دونوں کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے، نا سمجھ بچے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اجیر اور مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

۳۔ جو کام کرانا ہے اس کی پوری تفصیل بتانا ضروری ہے مثلاً: کوئی زیور ہونا ہے تو وضع اور وزن کے بارے میں پوری تفصیل سنار کو بتادی جائے۔ جو تانا ہونا ہے تو پیر کی ناپ اور اس کی بناوٹ (شو، پمپ یا نیوکٹ وغیرہ) بتادی جائے۔

۴۔ چیز کی قیمت اور یہ کہ وہ نقد ادا ہوگی یا ادھار پہلے سے طے کر لینا چاہیے۔

اجیر مشترک کی اجرت اور دوسرے مسائل ۱۔ اجیر مشترک اپنا کام پورا کر لینے پر اجرت کا مستحق ہوتا ہے اس سے

پہلے نہیں۔ جب تک گھڑی ساز گھڑی کو ٹھیک نہ کر دے، موچی جو تہ تیار نہ کر دے، درزی کپڑا سی نہ دے اور دھو بی کپڑا دھو نہ دے وہ قانوناً اجرت نہیں مانگ سکتا لیکن اگر آپ دیدیں تو آپ کو اس کی اجازت ہے۔

۲۔ ماہوار تنخواہ پر کام کرنے والا اجیر مہینہ پورا ہونے سے پہلے اجرت نہیں مانگ سکتا۔

۳۔ پیشہ ور اجیر کچھ رقم پیشگی اس شرط پر لے لیتے ہیں کہ اگر آپ وہ چیز نہ لیں گے تو وہ رقم واپس نہ ہوگی۔ یہ ناجائز ہے (صرف امام احمد بن حنبلؒ اس کو جائز کہتے ہیں)۔

۴۔ اجیر مشترک اگر کوئی وقت مقرر کر دے کہ میں یہ چیز فلاں وقت دوں گا تو اخلاقاً اسے اپنے وعدے کو ایفا کرنا چاہیے لیکن قانوناً وہ کام کا پابند ہے وقت کا نہیں۔ البتہ اگر اس نے جلدی دینے کے وعدے پر کچھ اجرت زیادہ لی ہے تو اسے وقت پر دینا ضروری ہوگا۔

۵۔ اجیر مشترک کو جب تک اپنے کام کی مزدوری یا اجرت نہ مل جائے وہ اس چیز کو اپنے پاس روک سکتا ہے، اس روکنے کی مدت میں اگر مال ضائع یا خراب ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اجیر پر نہیں ہے، کیونکہ یہ مستاجر کی غلطی ہے کہ اس نے اجرت نہیں دی اور اس لئے اجیر مال کو روکنے پر

مجبور ہوا۔ یہ مسلک امام مالکؒ کا ہے مگر امام ابو حنیفہؒ اس کی دو قسمیں کرتے ہیں: ایک وہ پیشہ ور جن کا کام اصل چیز میں تبدیلی کرنا ہے جیسے درزی جو کپڑے کو کاٹ کر دیتا ہے، رنگریز جو کپڑے کو رنگ کر اس کی صورت بدل دیتا ہے اور دھوبی جو میلے کپڑے کو اُجلا کر دیتا ہے تو ایسے لوگوں کو یہ حق ہے کہ جب تک اُجرت نہ مل جائے وہ چیز مالک کے حوالے نہ کریں، دوسری قسم اُن پیشہ وروں کی ہے جن کے کام سے اصل چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جیسے سامان ڈھونڈنے والے قلی۔ ملاح، ریل اور جہاز چلانے والی کمپنیاں۔ موٹر، تانگے اور رکشا چلانے والے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان کو یہ حق نہیں ہے کہ اُجرت ملنے تک اُس مال کو روک لیں جسے انھوں نے پہنچایا ہے۔ موجودہ زمانے میں اگر یہ حکم دیا جائے کہ اُجرت ادا ہونے تک مال کو روک نہ رکھا جائے تو لوگ قلیوں اور سامان لے جانے والی دوسری سواریوں کی مزدوری قصداً ہٹپ کر لگیں گے اور خود غرض تاجروں کو بھی یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ اُن کا مال اُجرت ادا نہ ہونے کی وجہ سے روک لیا جائے گا لہذا وہ اپنا مال لے کر نکل جانے کے بعد اُجرت ادا کرنے کی فکر بھی نہیں کریں گے، اس لئے امام مالک اور دوسرے ائمہ کا مسلک ہی زیادہ مناسب ہے، صاحبین نے بھی اسی کو اختیار ہے۔

اجیر مشترک اجیر خاص بھی ہو جاتا ہے
 اجیر مشترک اسی کو کہتے ہیں جو کسی ایک آدمی
 کا کام نہیں کرتا لیکن اگر اس کو کوئی ایک
 شخص کچھ دیر یا کچھ دن کے لئے اپنے کام پر لگالے کہ اس عرصے میں دوسرا کوئی کام نہ کرے تو وہ
 اجیر خاص ہو جائے گا، اب اس پورے وقت میں وہ دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی بڑھی
 کو دن بھر کے لئے اپنے یہاں رکھا یا کسی سنار، درزی یا کسی اور پیشہ ور کو کچھ دن گھر پر بلا کر
 کام لیا تو وہ اُس پورے وقت میں اجیر خاص ہوگا، اسی طرح ایک یا دو گھنٹے کے لئے رکشیا موٹر
 کسی متعین جگہ تک جانے اور آنے کے لئے مخصوص کر لی یا ریل کی کوئی سبٹ ریزو کرالی تو آپ
 کو حق ہے کہ اتنی دیر تک کسی اور کو سوار نہ ہونے دیں۔ (المجلد ص ۶۲)

چند اصطلاحیں
 فقہ کی کتابوں میں جو اصطلاحیں کتاب الاجارہ میں استعمال ہوئی ہیں
 اُن کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ اُجرت کے بارے میں اسلامی شریعت

کی ہدایات اور اجرت پر کام کرنے والوں کے مسائل کو بخوبی سمجھا جاسکے۔

۱۔ اجرت۔ جو چیز محنت کے بدلے میں دی جائے (۱۲) اجیر۔ محنت کرنے والا (۳) متاجر یا آجر۔ کام لینے والا (۴) اجرت مثل۔ وہ اجرت جو حکومت کسی کام کی مقرر کرے، ان اصطلاحوں کو ہم اپنی روزمرہ کی زبان میں جس طرح ادا کرتے ہیں انہیں بھی دھیان میں رکھنا چاہیے۔

(۱) اجرت کے لئے لفظ مزدوری اور (۱۲) اجیر کے لئے لفظ مزدور عام طور پر بولا جاتا ہے۔

(۳) متاجر یا آجر کے لئے ان کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے نام لئے جاتے ہیں مثلاً

کارخانہ دار، فیکٹری کا مالک، ٹھیکیدار اور اگر حکومت خود اپنے کسی افسر کے ذریعہ اجیروں سے کام لے تو اسے سرکار کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے (۴) "اجرت مثل" کے لئے وہ مزدوری جو ملک کے عام کارخانوں میں مزدوروں کو کسی کام کے بدلے دی جاتی ہو سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی شریعت کی ہدایات جب شروع شروع میں مدون ہوئیں تو اس وقت ایک طبقہ غلاموں کا بھی موجود تھا جس سے ذاتی ملازمت اور محنت مزدوری کا کام لیا جاتا تھا اس لئے ان کے سلسلے میں جو احکام اسلامی شریعت نے دیئے ہیں ان احکام کا موجودہ زمانے کے ذاتی ملازموں، اجیروں، مزدوروں اور تمام محنت کش افراد پر اطلاق ہوگا۔

یہ اسلامی ہدایات کی برکت ہی تھی جس پر عمل کرنے سے غلاموں کی تعداد بہ تدریج گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اب اس بدترین پیمانہہ طبقے کا وجود ہی باقی نہ رہا۔ گو اب غلاموں کے مسائل نہیں ہیں لیکن دنیا کی آبادی اگر ڈھائی ارب ہے تو اس میں ایک ارب آبادی مزدوروں اور محنت کشوں کی ہے۔ ہندوستان میں ایک طبقہ ہریجنوں کا ہے جن کو اونچے طبقے کے ہندوستانی اپنا غلام سمجھتے اور معاشی و معاشرتی حقوق میں بھی اپنے برابر لانا گوارا نہیں کرتے ہیں لہذا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ایک طبقہ موجود ہے جس کو معاشی و معاشرتی حیثیت سے اطمینان حاصل نہیں ہے، کہیں وہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں پس رہا ہے کہیں حکومت اور اونچے طبقے کی اجارہ داری نے اسے اپنے چنگل میں لے رکھا ہے۔

محنت کش طبقے کی معاشی اور معاشرتی
اجنبوں کا حل اسلامی شریعت کی

مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت

اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں میں موجود ہے اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہ معاشی مشکلات باقی رہیں گی اور نہ کوئی معاشرہ ظلم و تشدد کی راہ اختیار کر سکے گا۔

اجرت کے معاملے میں اسلامی شریعت نے اخلاقی اور قانونی دونوں طرح کی ہدایتیں دی ہیں۔

اجرت کے بارے میں قرآنی ہدایات

قرآن میں دودھ پلانے والی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر تم

کسی غیر عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلاتے ہو تو چونکہ وہ اپنے جسم کا خون صرف کر کے تمہارے بچے کو دودھ پلاتی اور اُس کی پرورش کرتی ہے اس لئے تمہارا بھی فرض ہے کہ اپنی کمائی میں سے اُس کی ضروریات زندگی پر خرچ کرو۔ دونوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال ہونا چاہئے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا

(بقرہ- آیت- ۲۳۳)

جس کا بچہ ہے اُس کے اوپر معروف (یعنی زمانے کے دستور) کے مطابق دودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا ہے کسی شخص پر اُس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

لفظ معروف اور تکلیف کی تشریح آگے آرہی ہے جہاں اجرت کو معاہدہ قرار دینے کا فائدہ بتایا گیا ہے، قرآن نے حضرت موسیٰ اور حضرت شعیبؑ کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں حضرت شعیبؑ مستاجر اور حضرت موسیٰ اجیر ہیں۔ حضرت موسیٰ نبوت سے پہلے مدین کی طرف گزرے تو راستے میں ایک کنویں پر چرواہوں کی بھیڑ نظر آئی، انھوں نے دیکھا کہ وہاں دو لڑکیاں اپنے جانور لئے الگ کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ کو ان پر رحم آیا اور حال دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں وہ یہاں نہیں آسکتے، یہ چرواہے جب اپنے جانوروں کو پانی پلا چکیں گے تب ہم پانی بھریں گے اور اپنے جانوروں کو پلائیں گے۔ حضرت موسیٰ آگے بڑھے اور ڈول کھینچ کر ان کے جانوروں کو پانی پلایا، یہ لڑکیاں حضرت شعیبؑ کی بھتیجی، جانور لے کر جب گھر آئیں تب اس واقعہ کا ذکر اپنے والد سے کیا۔ حضرت شعیبؑ نبی بختے وہ کسی کی محنت خواہ وہ رضا کارانہ ہی کیوں نہ ہو ضائع کرنا گوارا نہ کر سکے اس لئے ان کو بلوانے کے لئے ایک لڑکی کو بھیجا تاکہ احسان کا

بدلہ احسان سے دیں، چنانچہ حضرت موسیٰ آئے اور حضرت شعیبؑ نے نہایت شفقت سے ان کا حال سنا۔ اثنائے گفتگو میں لڑکیوں نے کہا: ابا جان! ان سے زیادہ قوی اور امین آدمی نہیں مل سکتا، اس لئے آپ ان کو مستقل طور پر اجیر رکھ لیجئے۔ امین کا لفظ خاص طور پر حضرت موسیٰ کی عفت و پاکبازی پر دلالت کرتا ہے جسے ان لڑکیوں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا دونوں صفتیں وہ ہیں جن کی بنا پر اجیر کی اجرت بڑھائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ نے بحیثیت مستاجر حضرت موسیٰ سے اجرت کا معاملہ طے کیا جسے انھوں نے منظور کر لیا۔ حضرت شعیبؑ نے معاملہ کرتے وقت یہ بات واضح کر دی کہ:

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْسُقَ عَلَيْكَ سَعْدًا إِنَّ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۷﴾

(القصص ۲۷)

میں تم پر کوئی زیادتی کرنا نہیں چاہتا انشاء اللہ تم مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔
چونکہ معاہدے میں دونوں فریق اپنی رضامندی اور شرائط پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں کہا کہ:

قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجْلِينَ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۲۸﴾

(القصص ۲۸)

یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی ہے کہ دونوں مدتوں میں سے جسے بھی میں پورا کر لوں گا اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور جو کچھ ہم طے کر رہے ہیں اس پر خدا گواہ ہے۔

آخری فقرے کا مقصد یہ ہے کہ ظلم و زیادتی سے باز رہنے اور معاہدہ پر قائم رہنے کے لئے محض منفعت ہی مدنظر نہ ہو بلکہ یہ تصور بھی ہو کہ یہ معاملہ خدا کے سامنے طے ہو رہا ہے جو ہر ڈھکی کھلی بات کا جاننے والا ہے۔

اس سیاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ملاحظہ ہوں۔ سب سے پہلے آپ نے یہ بتانے کے لئے کہ محنت مزدوری کوئی گری پٹری چیز نہیں۔ فرمایا کہ تمام انبیاءؑ نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: ”یا رسول اللہ! آپ نے بھی ہاں“ فرمایا: ”ہاں میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا“

(بخاری)

مزدوروں کو اجرت دینے کا حکم آپ نے ان الفاظ میں دیا ہے "أَعْطُوا الْأَجِيرَ قَبْلَ
 أَنْ يَجُفَّ عَرَقُهُ" (اجیر کو اس کا پسینہ خشک سے پہلے اجرت دیدو) (ابن ماجہ)
 اگر کسی نے مزدوری نہ دی یا کم دی یا مال مٹول کی اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ قیامت
 کے دن جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا ان میں سے
 رَجُلٌ "اِسْتَلْجَرَ اَجِيرًا فَاَسْتَو" ایک شخص ہے جو کسی کو مزدوری پر رکھے اور
 فِي مِنتَه وَلَمْ يُعْطِهِ اَجْرَهُ اس سے پورا کام لے مگر مزدوری پوری
 نہ دے۔ (بخاری)

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف مزدوری کا نہ دینا نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ جتنی مزدوری
 اس کام کی اُسے ملنا چاہیے وہ نہ دی جائے اور اُس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کم اجرت پر کام
 کرایا جائے، شارحین حدیث اس کی تشریح میں فرماتے ہیں "وَلَمْ يُعْطِهِ اَجْرَهُ وَافِيًا"
 (اور اس کو پوری اجرت نہ دی) غلاموں کے تعلق سے جو حدیثیں ہیں اور ان میں جو احکام مذکور
 ہیں اُن کا اطلاق موجودہ زمانے کے ذاتی ملازموں، اجیروں اور محنت کش مزدوروں پر ہوتا
 ہے، ایک بار حضرت ابو ذر نے کسی غلام پر سختی کی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا اَهُمْ اِخْوَانُكُمْ
 جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتِ اَيْدِيكُمْ فَهَنْ جَعَلَ اَخَاهُ تَحْتِ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ
 وَ لْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبِسُ وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَاِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيَعِثْ
 عَلَيْهِ" (یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارا ماتحت بنایا ہے تو جس کا بھائی اُس کے ماتحت
 ہو جائے اُس کو اُسے وہی کھلانا چاہیے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنانا چاہیے جو خود پہنتا ہے اور اُس سے
 ایسا کام نہ لینا چاہیے کہ وہ تھک کر چور ہو جائے، اگر زیادہ محنت کا کام لینا پڑ جائے تو اُس کام میں
 اس کی اعانت کرنا چاہیے) (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے کئی باتوں کا حکم ملتا ہے :

۱۔ یہ کہ ملازموں اور مزدوروں کو اپنا بھائی سمجھو۔

۲۔ اُس کو اتنی مزدوری دو کہ جو معیار زندگی تمہارا ہے وہی وہ بھی قائم رکھ سکے۔

۳۔ ان پر طاقت سے زیادہ کام کرنے کا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ تھک کر چور ہو جائیں اور صحت خراب

ہو جائے۔

ائمہ حدیث نے حکم نمبر ۲ کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر مالک اپنے بخل کی وجہ سے خود موٹا جھوٹا کھاتا اور پہنتا ہے تو اُسے یہ حق نہیں کہ اپنے ملازموں اور اجیروں کو ایسا کرنے پر مجبور کرے۔ (مرقاۃ) اور حکم نمبر ۳ میں خود یہ صراحت موجود ہے کہ اگر کبھی زیادہ کام لینے کی ضرورت پیش آجائے تو عملاً اُس کا ہاتھ بٹایا جائے۔

آپ نے فرمایا ”آدمی کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ جس کی روزی اُس کے ذمہ ہو وہ اُسے روک لے یا ضائع کر دے“ (مسلم) ظاہر ہے کہ مزدور کی زندگی کا مدار اس کی پیشہ ورانہ کمائی پر ہوتا ہے اس لئے اگر اُس کو اُس کی ضرورت سے کم مزدوری دی گئی تو گویا اس کی مزدوری روک لی یا ضائع کر دی۔

آپ نے فرمایا ”اپنے ماتحتوں سے بد خلقی سے پیش آنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ (ترمذی) آپ نے فرمایا ”اَکْرَمُوهُمْ كَكْرَامَةِ اَوْلَادِكُمْ وَاَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ“ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ) یعنی ”اُن کی دیکھ بھال اس طرح کرو جیسے اپنی اولاد کی کرتے ہو اور جو تم کھاؤ اسی میں سے اُن کو بھی کھلاؤ“

ایک صحابی نے پوچھا ”اگر ملازم غلطی کرتا ہے تو کتنی بار اُس کو معاف کیا جائے؟“ آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا پھر بھی آپ خاموش رہے۔ جب تیسری بار پوچھا تو فرمایا: کُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً“ (ابوداؤد) یعنی اگر روزانہ ستر بار بھی غلطی کرے تو معاف کر دو۔

آپ کو اس مظلوم طبقے کا اتنا خیال تھا کہ مرض وفات میں جو آخری نصیحتیں فرمائیں اُن میں سے ایک یہ تھی ”اَلصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ“ (ابوداؤد، مسند احمد) (یعنی نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال ضرور رکھنا) ان ارشادات نبوی کے تحت ائمہ حدیث نے صرف غلاموں ملازموں اور مزدوروں کو ہی نہیں بلکہ محنت کش جاوڑوں کو بھی شمار کیا ہے جن کے قانونی حقوق کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اجرت کا معاملہ مستاجر اور اجیر کے حقوق

قرآن و حدیث کی ہدایات کی روشنی میں فقہاء نے مسئلہ اجرت کی قانونی حیثیت اور مستاجر اور اجیر کے اختیارات و حقوق کی تعیین کر دی ہے جس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

کام لینے اور اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے جو معاملہ اجیر و مستاجر
اجرت ایک معاہدہ یا مزدور اور مالک کے درمیان طے پاتا ہے اسے شریعت اسلامی

ایک معاہدہ قرار دیتی ہے جس طرح خرید و فروخت کا معاملہ بھی ایک معاہدے کی صورت میں طے پاتا ہے۔ یہاں اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے اور آجر اس کا معاوضہ، اجرت یا مزدوری کے نام سے دینے کا وعدہ کرتا ہے، دونوں اس پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں جس طرح بیع و شراہ میں بائع مال دیتا ہے اور مشتری اس کی قیمت ادا کرتا ہے۔ کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے بالکل اسی طرح اجیر و مستاجر کی حیثیت بھی برابر کی ہوتی ہے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا ہے اس لئے نہ تو اجیر یا مزدور کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی محنت ہی کو اصل چیز سمجھ کر مستاجر کو پریشان کرے اور نہ مستاجر کو یہ حق ہے کہ وہ سرمایہ کو اصل چیز سمجھ کر اجیر کو پریشان کرے یا حق تلفی کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور وہی معاملہ کریں جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔

اجرت کے معاملے کو معاہدہ قرار دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ
معاہدے کا فائدہ ہے کہ معاشی اعتبار سے دونوں کا درجہ مساوی کر کے معاشرے میں

مزدور ہمیشہ طبقے کو اوپر اٹھایا جاسکے اور معاشرتی اعتبار سے اجیر کا مرتبہ وہی ہو جائے جو ایک مستاجر کا ہے۔
 دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دونوں فریق معاملہ کرتے وقت ایک دوسرے کی ضرورت اور معاشی حالت کا پورا خیال رکھیں صرف اپنی غرض کے بندے نہ بنیں، اگر کوئی فریق زیادتی کریگا

تو حکومت مداخلت کرے گی، قرآن میں اُجرت کو ایک بنیادی شرط "معروف" کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، معروف کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اُجرت اتنی زیادہ ہو کہ اُجرت دینے والے کی قدرت سے باہر ہو اور نہ اتنی کم ہو کہ اُجرت پانے والے کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔ یہ آیت ہم قرآنی ہدایات کے ذکر میں پہلے بیان کر چکے ہیں،

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ وِزْرًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ- ۲۳۳)

اور بچے والے پر قاعدے اور دستور کے مطابق اُن کا کھانا کپڑا ہے۔ کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

حدیث میں "هُم اِخْوَانُكُمْ" (یہ تمہارے بھائی ہیں) اور "اَكْرَمُوهُمْ كِرَامَةً اَوْلَادِكُمْ" (ان سے تم اپنے لڑکوں کی طرح سلوک کرو) کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ اجیروں پر طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ وہ عمل ہونا چاہئے جو ایک بھائی کا بھائی سے اور باپ کا اولاد سے ہونا ہے اور یہی جذبہ اُجرت طلب کرنے میں اجیر کا ہونا چاہئے۔ محض فائدہ اور خود غرضی دونوں میں رابطہ رکھنے اور اس کے ختم ہونے کا سبب نہ ہوں۔

قرآن میں جو لفظ معروف آیا ہے اس کی تشریح امام ابو بکر جصاص نے اس طرح کی ہے، کھانے، کپڑے کی تعیین مرد کی حالت کے پیش نظر ہوگی، اگر وہ خوش حال ہے تو حیثیت کے مطابق دودھ پلانے والی کو کھانا کپڑا دینا چاہیے اور اگر غریب ہے تو اسی اعتبار سے اُجرت ادا کرنا چاہیے۔ "لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ وِزْرًا إِلَّا وُسْعَهَا" کی تشریح یوں کی ہے۔ کہ اگر عورت زیادہ اُجرت مانگے تو اُجرت مثل (یعنی جس اُجرت پر عام طور پر دوسری عورتیں دودھ پلایا کرتی ہیں، اس) سے زیادہ نہیں دی جائے گی اور اگر بچے کا باپ اُجرت مثل، سے کم اُجرت دے تو اُسے پوری اُجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُجرت کے معاملے میں حکومت کو دخل دینے کا پورا حق ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اُجرت مثل یا معروف اُجرت کی تعیین کون کرے گا اور تعیین کے بعد اگر کوئی زیادتی ہو تو اُسے دور کرنے کا اختیار کس کو ہوگا۔

معروف یا اُجرت مثل کا تعیین کرنے وقت حکومت مزدوروں کی ضرورت کے ساتھ متاجروں کے مالی فائدوں کو بھی دیکھ سکتی ہے، اگر ایک میل، ایک کوسال میں ایک لاکھ کا فائدہ ہوتا ہے، اور وہ پچاس ہزار اُجرت میں تقسیم کرتا ہے، اگر مزدور مسلمان نہیں ہوتے یا ان کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو مزید اُجرت

کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور اگر وہ نہ دے تو حکومت مداخلت کر کے اجرتیں بڑھا سکتی ہے کیونکہ جو اجرت وہ دے رہا ہے وہ معروف سے کم ہے اور بھائی چارے کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ ایک بھائی عیش و آرام کرے اور اس کے دوسرے بھائی جن کی محنت سے اس کو عیش و آرام حاصل ہوا، وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کو بھی پورا نہ کر سکیں۔ ارشادِ نبوی میں دونوں کو بھائی قرار دیا گیا ہے۔

(۳) معاہدے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس طرح خریدار کو یہ حق ہوتا ہے کہ چیز کو اچھی طرح دیکھ بھال اور غورو فکر کر کے لے اور بائع بھی سوچ سمجھ کر قیمت کا فیصلہ کرے، اسی طرح اجیر و مستاجر کو حق ہے کہ دونوں اجرت اور محنت کا اندازہ کر کے فیصلہ کریں مثلاً آجرنے اجیر سے کہا کہ اتنے فٹ مٹی فلاں جگہ سے ڈھو کر میرے گھر پہنچانا ہوگی یا میرے کارخانے میں روزانہ آٹھ گھنٹے مشین چلانا ہوگی اور اس قدر اجرت ملے گی۔ اجیر نے منظور کر لیا۔ مگر جب مٹی کا مٹی شروع کی تو وہ بہت سخت نکلی اور محنت کے اعتبار سے اجرت کم مقرر ہوئی یا آٹھ گھنٹے روزانہ مشین چلانا طاقت سے زیادہ نکلا اور معلوم ہوا کہ صرف چھ گھنٹے روزانہ ہی مشین چلائی جاسکتی ہے اور اجرت جو مقرر ہوئی تھی وہ چھ گھنٹے کی محنت ہی کی تھی تو اجیر کو مزید اجرت طلب کرنے کا حق ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس صورت میں اجرت معروف یا اجرت مثل کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

(۴) چوتھا فائدہ معاہدہ کا یہ ہے کہ آجر کو جب معلوم ہو جائے کہ یہ کام اجیر سے نہ ہو سکے گا تو وہ اس سے دوسرا ہلکا کام لے اور اگر کوئی دوسرا کام نہیں ہے تو اس کو علیحدہ کر سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اگر کوئی فریق یہ سمجھو کہ دوسرے فریق کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہے تو وہ حکومت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(۵) معاہدہ کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ انسانی حیثیت آجر اور اجیر بھائی ہیں اس لئے آجر اجیر کو اپنے سے کم درجہ کا انسان تصور نہ کرے۔ یہی بھائی چارے کی ذہنیت اجرت کی ادائیگی میں ہونا چاہئے، ارشادِ نبویؐ بھی یہی ہے کہ تم ان کو دہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ معاشرتی حیثیت سے بھی سوسائٹی میں برابر کا درجہ دیا جائے گا۔ اپنی قوت بازو سے معیشت حاصل کرنے کی بنا پر وہ معاشرتی حقوق سے محروم نہیں ہوگا جن کا ذکر احادیث رسول میں کیا گیا ہے مثلاً ان کے ساتھ کھانے میں عار نہ سمجھو، ان کو سلام کرنے میں بسقت کرو، ان کی خوشی و غم میں اسی طرح شریک رہو جس طرح وہ تمہاری خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں۔

ایک معاہدے کے بعد دوسرا معاہدہ
یہ بنایا جا چکا کہ اجیر و مستاجر معاہدہ کرتے وقت کام اور اجرت کی تعیین سوچ سمجھ کر کرنے کے حق میں برابر ہیں اور یہ حق استعمال کرنے کے بعد ہی معاہدہ کی تکمیل ہوگی لیکن اگر معاہدہ پہلی بار ہو چکنے کے بعد بھی کام یا اجرت کے بارے میں کوئی اعتراض ہو اور دوسرا

معادہ کرنا چاہتے ہوں تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں پہلا معادہ فسخ ہو جائے گا۔
معادہ کسب ہو سکتا ہے فسخ کرنے کا حق اس وقت پیدا ہوگا جب دونوں میں سے کسی کو ایسا عذر پیش
 آجائے جس میں مستاجر کام لینے سے اور مزدور کام کرنے سے معذور ہو جائے
 ہدایہ میں ہے:-

وتفسخ الاجارۃ بالاعذار۔

(اجرت کا معادہ عذرات کی بنا پر فسخ کیا جاسکتا ہے)

اسٹرائک اور کارخانہ بندی عذر کے معنی نہیں ہیں کہ مزدور جب چاہیں کسی بہانے کام کرنا چھوڑ دیں۔ یعنی،
 اسٹرائک کر دیں۔ یا مالک اور کارخانہ دار جب چاہے اپنا پھانگ مزدوروں پر بند
 کر دے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ معادہ کرنے والا، معادہ کو ایسا نقصان برداشت کرنے کے بعد ہی پورا کر سکے،
 جو معادے کی اسپرٹ (روح) کے منافی ہو (ہو عجز العاقبہ عن المضي فی موحیہ الاتجمل ضرر
 لم یستحق بہ) آگے لکھا ہے، ہذا اھو معنی العذ (یعنی عذر کے یہی معنی ہیں)

معادہ کیسے فسخ ہو؟ اس سوال کا جواب بغیر تفصیل میں گئے ہوتے نہیں دیا جاسکتا۔ صاحب ہدایہ نے
 لکھا ہے کہ معادہ کی تین غیر قانونی چارہ جوئی کے ممکن نہیں ہے۔ بعض ائمہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ غیر قانونی
 چارہ جوئی کے ممکن ہے۔ ان دونوں رایوں کے درمیان ایک تیسری راہ بعض فقہانے یہ نکالی ہے کہ اگر عذر اس
 قدر واضح ہو کہ ہر شخص اُسے محسوس کر سکے تو قانونی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر عذر ایسا ہے جسے
 صرف اجیر اور مستاجر ہی سمجھ سکتے ہیں تو غیر قانونی چارہ جوئی کے بغیر معادہ فسخ نہیں کیا جاسکتا مثلاً کوئی آسمانی یا زمینی
 آفت آبی یا کارخانے میں آگ لگ گئی تو حکومت کو اطلاع دیئے بغیر بھی کارخانہ دار کام بند کر سکتا ہے اور مزدور
 کو جواب دے سکتا ہے لیکن اگر کاروبار یا صنعت میں خسارہ ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے تو اس کا ثبوت حکومت
 کے سامنے رکھا جائے گا اگر وہ اُسے مقول سمجھے گی تو فسخ کر دے گی ورنہ نہیں۔

اسی طرح مزدور اگر بیمار پڑ گیا یا کسی حادثے کا شکار ہو کر کام کرنے سے معذور ہو گیا تو وہ کام چھوڑ سکتا ہے
 لیکن اگر وہ کسی دوسری جگہ جانے یا کوئی دوسرا کام کرنے کا غم کر چکا ہو یا اسے اجرت کم اور کام زیادہ ہو تو اس صورت میں
 تو اسٹرائک اور نہ کوئی غیر قانونی حرکت کرنا چاہئے بلکہ مستاجر کو فسخ معادہ پر راضی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے
 اگر وہ راضی نہ ہو سکے تو حکومت کو اپنی معذریاں اور مطالبات پیش کر کے مناسب فیصلہ کرنے کی درخواست

کرنا چاہتے، وہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرے گی۔ مقصد یہ ہے کہ معاہدہ حقیقت پسندی کے ساتھ ہونا چاہتے اور صرف اپنی خود مرضی اور منفعت کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہتے۔ بلکہ دوسرے کے فائدے اور نقصان کو بھی دیکھ لینا چاہتے، پھر اگر کسی طرف سے کوئی زیادتی ہوگی تو حکومت مداخلت کرے گی۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حکومت کی طرف رجوع کرنے کا مطلب دیوانی میں دعویٰ دائر کرنا نہیں ہے جہاں ہمسوں کچھری کی خاک چھاننا پڑے بلکہ صنعتی اداروں کی نگرانی ایک مخصوص اور مستقل محکمہ کرے گا جو ملک بھر کے مستاجروں اور اجیروں کے حقوق کا نگہبان ہوگا۔ آجر اور اجیر کے مابین جو اختلاف رونما ہوگا وہ چند گھنٹے یا چند دن میں طے کیا کریگا۔

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اجیر و مستاجر دونوں عقل و ہوش رکھتے ہوں۔ نادان بچوں یا پاگل اور بے عقل بالوں کے

معاہدہ اجرت کے صحیح ہونے کی قانونی شرطیں

درمیان اجرت کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ بالغ ہونا ضروری نہیں لیکن عاقل ہونا لازم ہے۔ نادان بچوں کے ولی اگر چاہیں تو ان کو اپنے کام میں شریک کر سکتے ہیں مگر وہ خود نہ اجیر ہو سکتے ہیں نہ مستاجر۔

۲۔ اجیر اور مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ ایسی رضامندی جس میں کسی دباؤ کا دخل نہ ہو، مثلاً: آجر کی طرف سے اپنے سرمایہ کا دباؤ ڈال کر کم اجرت پر کام لینے کی کوشش یا اجیر کی جانب سے مظاہرہ یا اسٹرائک کی دھمکی دیکر زیادہ اجرت حاصل کرنے کی کوشش۔

۳۔ اجرت کا متعین و معلوم ہونا ضروری ہے یا روزانہ یا ماہانہ کیا اجرت دی جائے گی البتہ اگر اس کام کی اجرت عام طور پر متعین ہو یا جتنا کام آجر لے رہا ہے اس کی قیمت پہلے سے مقرر ہے تو بغیر طے کئے ہوتے بھی معاملہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آجر کو اتنی ہی اجرت دینا اور اجیر کو لینا ہوگی جو اس کام کے لئے عام مزدوروں کو دی جاتی ہے۔ اس میں مقام کا لحاظ بھی رکھا جائے گا، کیونکہ ایک کام کی مزدوری بڑے شہروں میں زیادہ اور چھوٹے شہروں میں کم بھی ہو سکتی ہے۔

۴۔ اجرت کے ساتھ کام کی نوعیت، کام کرنے کی جگہ، کام کی مقدار یا اوقات کار بھی بتا دینا چاہئے کیونکہ مقام اور کام کی نوعیت کی وجہ سے اجرت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔

کام کی مقدار بتا کر بھی اجرت طے کی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ اتنا کام کر لو گے تو اتنی اجرت ملے گی جیسا کہ عام طور پر ٹھیکے میں ہوتا ہے لیکن اگر اجرت کے مقابلے میں کام زیادہ یا سخت ہوگا تو اتنے کام کی جو اجرت عام طور پر دی جاتی ہے، وہ دینا پڑے گی۔ اسی کو اجرت مثل کہا جاتا ہے۔ ماہوار تنخواہ پر بھی اجیر رکھا جا سکتا

ہے مگر اس میں بھی کام کی نوعیت اور مقام بنانا ضروری ہے۔

جو شرطیں بیان کی گئیں اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جاتے گی تو معاہدہ فاسد سمجھا جائے گا اور فسخ ہو جانے کی صورت میں جتنے دن اجیر نے کام کیا ہے ان کی اجرت ملے گی۔

اسلامی قانون اجرت
عام طور پر اجیر کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ متناجر سے اُسے زیادہ سحر زیادہ اجرت وصول ہونا چاہئے خواہ اُسے فائدہ ہو یا نقصان اسی طرح متناجر یہ سوچتا ہے کہ اجیر سے جیب ہی تک اُسے سہ و کار ہے جیب تک اُس کی محنت سے وہ فائدہ کمانا رہے لیکن جیب اس کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت گزر جائے، پھر اس سے کوئی تعلق نہیں، جیسے ایک مشین بیکار ہونے کے بعد پھینک دی جاتی ہے، اسی طرح اجیر بھی پھینک دینے کے قابل ہے۔ متناجر اپنے سہ ماہیہ کو اصل بنیاد بنا کر محنت کو اس کا تابع قرار دے لیتا ہے اور فائدے کا اصل حقدار بھی وہ اپنے کو سمجھتا ہے، اجیر کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ اصل فائدہ محنت اور تنظیم سے حاصل ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو سہ ماہیہ بیکار ہو جائے۔

اسلامی قانون میں دونوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین کر دی

گئی ہیں۔

متناجر کے حقوق اور ذمہ داریاں
متناجر کو یہ حق ہے کہ کسی صنعتی، تجارتی، زراعتی یا اپنے خانگی اور ذاتی کام کے لئے روزانہ اجرت پر یا ماہانہ معاوضے پر

اجیر سے ان شرائط پر کام لے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اجیر خواہ ایک ہو یا دو، یا لاکھ دو لاکھ ہوں۔ ان شرائط کے خلاف اگر کام لے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر کوئی قانونی طاقت سزا دینے والی نہ ہو تو آخرت میں مواخذہ ضرور ہوگا قرآن میں صاف مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجرت کے شرائط طے ہونے وقت فرمایا:-

وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُولُ وَكِیْلٌ (ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا نگران خدا تعالیٰ ہے)

حدیث میں ارشاد ہوا ہے:-

كَلِمَةٌ سَاعٌ وَكَلِمَةٌ مَسْئُولٌ عَنْ سَعِيْتِهِ

(تم میں سے ہر ایک دو سہروں کا رکھوالا ہے اور ہر ایک سے اپنی نگرانی میں آتے ہوئے لوگوں

کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (۴)

۲۔ اجیر کی بے روزگاری اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کم اجرت بہ زیادہ کام لینے کی کوشش نہ اخلاقاً درست ہے نہ قانوناً۔ اسلامی حکومت اس میں مداخلت کرنے کی مجاز ہوگی، خواہ وہ خود تحقیقات کر کے جان لے کہ مستاجر مزدوروں پر ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ خواہ مزدوروں کے توجہ دلانے پر اسے معلوم ہو۔

۳۔ مستاجر کسی اجیر کو کام بگاڑنے یا بدل لگا کر کام نہ کرنے کی وجہ سے الگ کر دے تو یہ حق اُسے ہے مگر الگ کرنے سے پہلے دو باتیں کرنا ہوں گی (۱) اُسے کوئی جسمانی عذر تو نہیں ہے، اگر ایسی بات ہے تو اس پر کوئی گرفت نہیں کی جانا چاہئے (۲) اس کی عدم دلچسپی کا سبب اجرت کی کمی تو نہیں ہے۔ اس حالت میں اجرت مثل کے مطابق اس کو اجرت ملنا چاہئے لیکن اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو مستاجر قانوناً اس سے پورا کام لینے کا حق رکھتا ہے اور قعداً کام بگاڑنے پر اس سے تاوان لے سکتا ہے۔

۴۔ اجیر سے کسی دن کام نہ لینے پر اُس دن کی اجرت نہیں دی جائے گی، اگر اُسے روزانہ کی مزدوری پر رکھا گیا ہے لیکن اگر ماہوار تنخواہ پر ہے تو کام نہ لینے یا چھٹی کے دن کی تنخواہ اُسے ملے گی۔

۵۔ اجرت دینے کے لئے مستاجر کو وقت مقرر کرنا اور وقت پر اجرت ادا کر دینا ضروری ہے۔ اتفاقاً دیر ہو جائے تو قابل گرفت نہیں لیکن اگر عادتاً ایسا کرتا ہے تو قانون اور اخلاق دونوں لحاظ سے جرم کا مرتکب ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینا۔

۶۔ مستاجر کی حیثیت راعی کی اور مزدوروں کی حیثیت رعیت کی سی ہوتی ہے۔ اوپر حدیث نقل کی جا چکی ہے کہ ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا لہذا اگر رعیت میں سے کوئی بیمار پڑ جائے تو اخلاقاً راعی اُس کے معالجے کا ذمہ دار ہوگا۔ قانوناً بھی یہ ذمہ داری اس پر ڈالی جاسکتی ہے۔ جس طرح ایک مفارب کام کے اخراجات کے علاوہ علاج کا خرچ بھی مفاربیت کے روپے سے لے سکتا ہے یعنی روپیہ لگانے والے کے سرمایہ سے۔ اسی طرح ایک مزدور جس کی حیثیت عملاً ایک مفارب کی سی ہے، اس کے علاج کی ذمہ داری بھی سرمایہ لگانے والے پر ہونا چاہئے اور شرائط اجرت میں اس کی صراحت کر دینا بہت مناسب ہے۔

۷۔ مزدوروں سے عام طور پر جتنا کام لیا جاتا ہے اُس سے زیادہ نہ لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے، حتیٰ کہ جانوروں کے بارے میں بھی یہ حکم دیا ہے۔

اسلامی حکومت نے بار برداری کی حد بھی مقرر کی ہے۔ اسی طرح مزدوروں پر کام کا بار ڈالنے کی بھی حد مقرر ہونا چاہئے۔

۸۔ مستاجر مزدوروں اور اجیروں کو کام پورا نہ کرنے پر ان کو وارننگ (آگاہی) تو دے سکتا ہے مگر اس سے زیادہ ان کے ساتھ بدزبانی کرنے یا زد و کوب کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر ایسا کرے گا تو حکومت اُسے سزا بھی دے سکتی ہے اور جرمانہ بھی کر سکتی ہے۔

مزدوروں و اجیروں کے حقوق اور ذمہ داریاں
جو معاہدہ اجیر و مستاجر کے مابین ہوا اجیر پر اُس کی پابندی لازم ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا یا کام کو بگاڑنا اخلاقی جرم بھی ہے صرف قانونی ہی نہیں، اگر قانونی گرفت سے بچ بھی جائے تو قیامت کے مواخذے سے نہیں بچ سکتا۔ "ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ" کے ساتھ "وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ" اجیر کی جانب سے اس بات کا اقرار ہے کہ خدا جس طرح مستاجر کے کھلے اور چھپے ظلم کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کی کھلی ڈھکی کوتاہیوں اور غفلتوں کا بھی نگران ہے۔

۲۔ اجیر مشترک (یعنی پیشہ ور) بڑھئی لوہار، سنار، درزی وغیرہ کی حیثیت امین با ضمانت کی ہوتی ہو جبکہ اجیر خاص امین بے ضمانت ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی کہ جس طرح ایک امین امانت کی چیز کا ذمہ دار محافظ ہوتا ہے اور اگر حفاظت کے باوجود اتفاق سے ضمانت میں آئی ہوئی چیز ضائع یا خراب ہو جائے تو امین سے تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر قصداً وہ چیز ضائع یا خراب کی جائے گی تو اس سے تاوان بھی لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر اجیر و مزدور بھی مستاجر کی طرف سے کام کا اور ان چیزوں کا جو اس کے چارج میں دی جاتی ہیں امین ہوتا ہے لہذا کسی اتفاقی عذر کی وجہ سے کوئی کوتاہی کام میں ہو گئی یا کوئی چیز جو اس کے چارج میں تھی اتفاق سے ٹوٹ گئی یا اس میں نقص آگیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر قصداً اُس نے کام میں کوتاہی کی یا جان بوجھ کر نقصان کیا تو اس کا تاوان لیا جائے گا۔ مثال کے طور پر مٹھن چلانے ہوتے اس کا کوئی رزہ خراب ہو گیا یا ٹوٹ گیا یا اتفاقاً کوئی چیز ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ٹوٹ گئی تو اس کا کوئی تاوان نہیں لیا جائیگا، لیکن اگر قصداً مٹھن سیدھی چلانے کے بجائے الٹی چلا دی یا دیسلائی جلائی اور تیل نے آگ پکرائی یا قصداً گلاس یا چینی کا برتن توڑ دیا تو تاوان لیا جائے گا کیونکہ اجیر نے خود وہ صورت پیدا کر دی جس کی وجہ سے نقصان ہوا۔ اسی طرح اگر کسی دن اتفاق سے کوئی رنج و غم پیش آگیا، طبیعت سست ہو گئی اور کام مقررہ

مقدار سے کم کیا تو اس سے باز پرس نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر عادتہ کام میں کمی کرتا ہے تو اس سے باز پرس کرنے کا اور اخراج کا حق بھی مستاجر کو ہے۔ اگر مستاجر کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کیا اور نقصان پہنچ گیا تو بھی تاوان دینا ہوگا۔

۳۔ اجیر کو مقررہ وقت سے پہلے اجرت مانگنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر اجیر خود دیدے تو وہ اس کا حق رکھتا ہے لیکن اس صورت میں اجیر پر ذمہ داری ہوگی کہ جس مدت تک کی اجرت وہ لے چکا ہے اس مدت تک کام کرے الیہ اگر اجرت اجرت مثل سے کم ہو تو جتنے دن کی اجرت (اجرت مثل کے اعتبار سے) باقی ہو، اس مدت تک کام کرنے کا ہی وہ پابند ہے۔ اور اسی کی اجرت اجیر کو ادا کرنا ہوگی۔

۴۔ جتنے دن یا جس قدر کام کے لئے اجرت کا معاہدہ کیا گیا ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے اجیر کو بغیر کسی عذر کے کام چھوڑنے کا حق نہیں ہے۔ عذر کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ البتہ اگر مستاجر ظلم کر رہا ہو تو وہ عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اسٹرائٹنگ اگر مستاجر اجرت روک لے تو اجیر کو کام بند کر دینے اور مطالبہ کرنے کا حق ہے یا نہیں ہے ان کو ان احکام کی روشنی میں دیکھنا چاہئے جو اجیر کو اجرت نہ ملنے کی صورت میں آجر کا مال یا چیز روک لینے کی اجازت کے بارے میں ائمہ فقہ نے دیئے ہیں (ملاحظہ ہو) "اجیر شترک کی اجرت اور دوسرے مسائل" نمبر ۵) کام بند کر دینے یا اسٹرائٹنگ کرنے کا طریقہ پہلے راج نہ تھا، اس لئے بالمرحمت اس کا ذکر فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ جس طرح اجرت نہ ملنے یا کم ملنے کی صورت میں اجیر کو یہ حق ہے کہ وہ مال کو روک لے (دینوں ائمہ علاوہ امام ابو حنیفہ کے اس باب میں متفق ہیں اور امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق صنعتی مزدوروں کو جن کے کام سے اصل چیز میں تبدیلی آجاتی ہے یہ حق پہنچتا ہے) تو اسی پر اسٹرائٹنگ کو قیاس کرنا چاہئے کیونکہ اس کا مقصد بھی مال کی تیاری کو روکنا ہے جو اجرت نہ ملنے یا صحیح اجرت نہ دی جانے کی پاداش میں کی جاتی ہے۔

۵۔ اگر مستاجر نے کسی کام کے بارے میں یہ قید نہیں لگائی کہ تم کو یہ کام کرنا ہے تو اجیر اپنے غرض دوسرے مزدور سے وہ کام کروا سکتا ہے لیکن اگر قید لگادی ہے تو اسی اجیر کو کرنا چاہئے۔ دوسرے سے اگر کام لے گا تو وہ ضامن ہوگا۔ نقصان ہو جانے یا کام خراب ہو جانے پر اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ خواہ اتفاقاً ہی نقصان واقع ہوا ہو۔

کو کسی آبرو پر یا کوئی اور کوئی نام جائز

تقسیم یا ٹریڈنگ دینے کی اجرت۔ اگر کسی تعلیمی ادارے یا صنعتی

کارخانے میں کام سیکھانے کی مدت اور اجرت مقرر ہے تو

مستعمل کو درحق کرنے کے بعد مقررہ اجرت دینا پڑے گی۔ خواہ وہ مستعمل سڑک یا کام سیکھے یا نہ سیکھے۔ مثلاً سکول میں باہر نہ

فیس لی جاتی ہے وہ اس کو دینا پڑے گی۔ خواہ سڑک یا سکول جاتے یا نہ جاتے۔ اگر اجرت متعین ہو مگر مدت مقرر نہ ہو

تو مقررہ اجرت نہ ہوگا۔ لڑکا بچتے وقت کام سیکھے گا اسے دن کی اجرت تعلیمی ادارے یا کارخانے دار کو دینی جاتی ہے

گی ذات دونوں کی کوئی اجرت نہیں ہے۔ جن میں تقسیم نہیں حاصل کی۔ اگر تقسیم یا ٹریڈنگ کی مدت مقرر کر دی گئی ہو اور اگر

اجرت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہو تو اجرت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ عرف عام کے مطابق کیا جائے گا۔ اجرت کا

مطالبہ حیب ہی ہو سکتا ہے اگر عام طور پر اس کام کے سکھانے کی اجرت لی جاتی ہو ورنہ مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ وہ ادارے یا محکمے جن میں حکومت یا پبلک کی طرف سے کسی ایک شخص کو ذمہ دار بنا دیا گیا ہو جیسے مدارس

اور تھیٹریٹ یا تحقیق کے ادارے۔ ان میں چھٹی یا بیماری کے زمانے کی اجرت بھی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ حکومت یا

پبلک نے اس کی اجازت دے رکھی ہو۔

۳۔ کارخانہ دار یا مستاجر کی طرف سے جو رقم اجیروں کو بطور انعام، عطیہ، بونس اور پراویڈنٹ فنڈ ملتی ہے اسے

اجرت میں کسی وقت بھی محسوب نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اجرت میں تقدر رقم کو معیار بنایا جاتے نہ کہ نہیں کو۔ اسی طرح کھانے پکڑے پر کسی کو ملازم نہ رکھا جائے کیونکہ ان

کی تعین میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اگر کسی ملک میں اس کا رواج ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن اس صورت میں وہی

کھانا پکڑا اجیر کو دیا جائے گا جیسا عام طور پر مشایخ خود کھانا پکھاتا ہے۔ مکاتب میں طالب علموں سے مٹھائی تقسیم

کرانے کا رواج صحیح نہیں ہے البتہ اگر بطور اجرت استاد ہو تو صرف استاد کے لئے جائز ہے۔ تقسیم کرنے کے

لئے درست نہیں ہے۔

۵۔ کسی سفارش پر اجرت لینا جائز نہیں، مگر۔

۶۔ اجرت دے کر کسی حافظے سے تراویح پڑھوانا بھی حلال ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی

سورتیں پڑھ کے نماز تراویح ادا کی جائے۔

۷۔ لہو و لعیب یا غیر حلال اور ناجائز چیزوں کی تیاری یا مرمت کی اجرت لینا جائز ہے جس طرح ہر

غیر اسلامی کام پر اجرت لینا حرام ہے۔

یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اجیر و مستاجر کے حقوق کا تعین کر کے ان پر عملدرآمد کرائے اور پھر اجیروں کے بیکار یا معذور ہو جانے پر ان کے ضروریات زندگی پورے کئے جانے کا انتظام کرے۔

محنت کش جانوروں کے حقوق محنت مزدوری کے سلسلہ میں مختلف قسم کے جانوروں سے کام لیا جاتا ہے اور انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسلامی شریعت نے جہاں

محنت کش انسانوں کے حقوق مقرر کئے ہیں وہاں ان بے زبان جانوروں کے حقوق بھی رکھے ہیں۔

قرآن کریم نے جانوروں کو بھی انسانوں کی طرح ایک امت کہا ہے :-

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُولَٰئِكَ أَهْمُ الْمَثَلِمْ (۱۱)

”زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور ہوا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری طرح امت ہے۔“

خدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسان اور یہ جاندار دونوں برابر ہیں۔ خدا نے جانوروں کو انسان

کا تابعدار بنا دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کی نیکی و آرام کا خیال رکھے بغیر جس طرح اور جتنا چاہے کام لیتا چلا جائے۔ یہ محض اخلاقی ہدایت ہی نہیں بلکہ قانونی دفعہ بھی ہے اس کی تائید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حمید اللہ نے حضرت عبداللہ بن بشیر سے سوال کیا کہ ایک شخص گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور بلا وجہ اس کے کورے بھی مارتا ہے، اس کے بارے میں نبی علیہ السلام کا کوئی ارشاد آپ کو معلوم ہے، وہ بولنے لگے مجھے معلوم نہیں۔ اندر سے ایک خاتون بولیں: خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ تمہاری جیسی ایک مخلوق ہے۔ پھر وہ آیت تلاوت کی جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا کی کسی مخلوق کو نیکی سے پہنچانا جرم ہے۔ سواری پر بیٹھے وقت یہ بڑھنے کی تلقین کی گئی ہے :-

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ

(پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا تابعدار بنایا۔ ہم اس کو قہقہے میں نہیں لاسکتے تھے)

یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ جانور جن پر ہمیں قابو بخشا گیا ہے، محض اللہ کا فضل ہے ورنہ ان

کو قابو میں لانا انسانی بس سے باہر تھا۔ ان ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر

ان جانوروں کے حقوق مقرر فرماتے ہیں جن سے ہم کام لیتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۱۔ جانوروں سے وہی کام لیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک تمثیل دے کر اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ ایک شخص بیل پر سوار ہو کر اس کو مارنے لگا تو بیل نے مڑ کر کہا کہ میں سواری کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔ (بخاری باب استعمال البقر للحراثة)

آپ نے فرمایا کہ سواری کے جانور کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے اسے صرف اس لئے تمہارا فرماں بردار بنایا ہے کہ جن مقامات تک تم مشقت سے پہنچ سکتے ہو، وہ آسانی سے پہنچا دے۔ منبر نہ بنانے کے دو مفہوم ہیں۔ (۱) جانور کی پیٹھ کو لکڑی یا پتھر سے بنا ہوا منبر نہ سمجھو کہ جتنی دیر چاہو بیٹھے رہو (۲) ایک جاندار کو آرام کرنے اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس سے کام لینے کے بعد اس کی غذا کا اور آرام کا سامان کرو۔

۲۔ جانوروں سے کام لینے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ بھوکے پیاسے اور نڈھال تو نہیں ہیں۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو ایسے اونٹ پر بیٹھا دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے بیٹھ گیا تھا۔ فرمایا: بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو اچھی حالت میں سوار ہو، "فارکبوھا صالحۃ" (ایو داؤد کتاب الجہاد) مطلب یہ کہ سوار ہونے سے پہلے اچھی طرح کھلا پلا لیا کرو اور یہ بھی دیکھ لیا کرو کہ بیمار تو نہیں ہیں۔ ایک انصاری اپنے اونٹ سے زیادہ کام لیتے اور چارے کا خیال کم رکھتے تھے۔ آپ نے ان کو بتا کر یہ تمثیل فرمائی:-

افلا تتقی اللہ فی ہذہ البہیمۃ الّتی ملک اللہ ایاک انک تجیعه وتدعبک
 "یہ اس جانور کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتے جس نے تم کو اس کا مالک بنایا اور تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور مشقت لیتے ہو۔"

حضرت انس بن مالک عام صحابہ کا اسوہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:- ہم لوگ جب منزل پر اترتے تھے تو نماز پڑھنے سے پہلے اونٹوں کے کجاوے کھول دیتے تھے۔ اس اسوے کی روشنی میں علمائے حدیث نے لکھا ہے کہ اپنے کھانے پینے اور آرام سے پہلے جانوروں کے کھانے پینے اور آرام کا سامان کرنا چاہئے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے منہ پر مارنے اور انھیں داغنے کی ممانعت فرماتی ہے اور ایسا کرنے والے کو طعون قرار دیا ہے۔

۴۔ جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ جانوروں کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا بھی آپ کو اسی طرح مبعوض تھا جس طرح انسان کو گالی دینا اور عادتوں یا مردود گنہہ دینا۔

جانوروں سے سلوک مذکورہ ہدایات کی حیثیت محض اخلاقی ہی نہیں قانونی بھی ہے یعنی ان کی خلاف ورزی کرنے کی قانونی حیثیت والوں کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ حکومت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جانوروں کے مالکوں کو چارے کا اچھا انتظام کرنے اور جانوروں کو آرام پہنچانے کی ہدایات جاری کرے مگر ان پر کوئی جبر نہ کرے۔ مگر امام مالک امام شافعی اور امام احمد حنبل متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے جانور کو ٹھیک طرح سے چارہ نہیں دیا تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اسے مجبور کرے کہ وہ یا تو ٹھیک سے چارہ دے یا جانور کو بیخ ڈالے (لہ ان تجبر علی نفقتها أو بیعها) امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جانور سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لیتا یا بوجھ لاتا ہے تو حاکم اس کو اس فعل سے روک دینے کا حق رکھتا ہے۔
(انہ یمنع من حملها ما لا تطیق)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنے جانور پر سوار جا رہا ہو اور وہ جانور کسی دوسرے کی چیز کا نقصان کر دے تو مالک کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔
مثلاً کسی کا کھیت کھالیا راستے میں کسی چیز کو توڑ ڈالا یا خراب کر دیا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب جانور کے جسم اور اعضاء سے ہونے والے نقصان کی ذمہ داری مالک پر ہے تو پھر خود جانور پر جو زیادتی یا ظلم ہو گا جس سے اس کے جسم و جان کو نقصان پہنچے گا، اس کا ذمہ دار وہ کیوں نہ قرار دیا جائے۔



زراعت

ذرائع معاش میں اہم اور بڑے ذریعے دو ہیں؛ ایک تجارت دوسرا زراعت یہ دونوں مبارک پیشے ہیں اور قرآن و حدیث میں دونوں کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

امام نسائی مشہور حنفی عالم نے اس سوال پر بحث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشادِ تحیّرُ النَّاسِ مَنْ هُوَ أَلْفَعُ النَّاسِ (بہتر آدمی وہ ہے جو عام لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچائے) کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے کہ:

فَالِإِشْغَالُ بِهَا يَكُونُ نَفْعَهُ
أَعْمَ يَكُونُ أَفْضَلَ۔
وہ کام جس کا فائدہ زیادہ عام ہو وہی
افضل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ملک میں غلہ وافر ہو لیکن تجارت کا نظام درست نہ ہو تو تجارت کے کام کو صحیح بیج پر کرنا بہتر اور مقدم ہے لیکن اگر غلے کی کمی ہو تو سب سے ضروری کام زراعت کو فروغ دینا ہوگا۔

خداوند تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنْعَامِ ۗ فَبِهَا فَكَيْهَاتُ وَالنَّعْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۗ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ
وَالزَّيْتَانُ ۗ

(سورہ رحمن - ۱۲)

خدا نے زمین مخلوق کے فائدے کے لئے بنائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت جن پر غلات ہوتا ہے اور بھوسے دار غلہ اور خوشبودار پودے پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن میں اس طرح کی آیتیں بہت ہیں جن میں ان کو خطاب کر کے یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا نے زمین کو تمہاری روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهَا ۗ

(سورہ ملک - ۱۵)

وہ اللہ جس نے زمین تمہارے لئے ایسی پست کر دی کہ تم اس کے اوپر چلو اور

اس کا اگایا ہوا رزق کھاؤ۔

ان آیات میں انسان کو زمین سے فائدہ اٹھانے اور اُس سے سامان رزق حاصل کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ زمین سے استفادہ کے اس عمل کو فقہانے مزارعت، مساقات اور محابرت کے اصطلاحی الفاظ میں بیان کیا ہے۔

زراعت کی لغوی تعریف اس کا مصدر "زرع" ہے جو دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) زرعہ (یعنی بیج) ڈالنا۔ جس کا مطلب زمین میں

بیج بونا ہے (۲) انبات (یعنی اگانا) اس معنی میں اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہی کی جاسکتی ہے، چنانچہ اس معنی میں کسی شخص کو زرعۃ کہنا حدیث میں منع فرمایا گیا ہے بلکہ حرثت کہنا چاہیے جس کے معنی ہیں "میں نے جوتا بویا" قرآن میں کہا گیا ہے:

أَفْرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ قُلْ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَ ۗ أَمْ عِنْدَ اللَّهِ الْزَّارِعُونَ ﴿۶۴﴾ (واقعہ آیت ۶۴)

تمہارا کیا خیال ہے جو کھیتی تم کرتے ہو کیا تم اُسے اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کھیتی کے کام یعنی بیج بونے کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا ہے رہا اُس کا اگانا تو بندے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے وہ صرف بیج ڈالتے ہیں اگانا ہرگز ان کے بس میں نہیں۔ اگر اگ بھی آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا يَعْنِي هُمْ چاہیں تو اُسے برباد کر کے رکھ دیں گے)

تاہم "زرع" کی نسبت انسان کی طرف ان معنوں میں جائز ہے کہ وہ زمین کو جوتے، اُس میں بیج ڈالے اور عام ذرائع کے مطابق اُس کی دیکھ بھال کرے رہا اُس کا اگانا تو آج سائنس کا ایک معمولی طالب علم جانتا ہے کہ بظاہر دو آدمی زمین میں محنت کرتے جوتے بوتے کھا دیتے اور پانی پہنچاتے نظر آتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنی ایک خفیہ فوج یعنی چھوٹے چھوٹے کیڑوں (بیکٹیریا) کے ذریعے کئی آدمیوں کی طاقت پہنچاتا ہے تب پودے اگ پاتے ہیں اور ہم غلہ اور پھل حاصل کرتے ہیں، اگر یہ خفیہ فوج کام چھوڑ دے تو انسان کی ساری محنت اکارت جاتے پھر یہ زمینی معدنیات کو لیے ہوئے سمندر کا کھاری پانی بھاپ میں تبدیل ہو کر کھیتی پر نہ برسے تو خشک زمین پر کچھ نہ آگے۔

اِنَّا نَسُوْقُ الْمَاءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ مِنْهَا زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

(سجدہ-آیت ۲۷)

ہم خشک زمین پر پانی برساتے پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں۔ جس کو تمہارے جانور بھی کھاتے ہیں اور تم بھی کھاتے ہو کیا وہ یہ دیکھتے نہیں رہتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ خدا کی قوت تخلیق کا نتیجہ ہے تو ان تمام حدود کی پابندی انسان پر لازم ہو جاتی ہے جو خالق کی طرف سے عائد کی جائے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِيَبْلُوهُمْ آيَاتِهِمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۱۱﴾ (کہف، آیت- ۷)

ہم نے زمین پر پیدا ہونے والی چیزوں کو اُس کے لئے رونق کا سامان بنا دیا تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

قرآن نے اُن چیزوں کا ذکر کر کے جن کا وارث انسان بن جاتا ہے کہا ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ لَا يَدْخُلْهُ نَارُ خَالِدًا فِيهَا هُنَّ (نساء، آیت- ۱۳)

جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اُس کے مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا اللہ

اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

زمین کی پیداوار کو کاٹتے وقت یہ حکم ہے کہ:

وَأْتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۚ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۲﴾ (الغام، آیت- ۱۲)

اس کا حق کٹائی کے دن دے دو اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

”حق“ میں ہر طرح کا وہ انسانی حق آگیا جو خدا نے انسان پر مقرر کر دیا ہے اور اسراف سے ممانعت میں وہ تمام زیادتیاں، حق تلفیاں بے احتیاطیاں آگئیں جو زمین کے سلسلہ میں آدمی کرتا ہے۔

ارشادات رسول میں حقوق کی پوری تفصیل اور وہ ہدایات ملتی ہیں جن سے زمین کو جائز

طریقے سے استعمال میں لانے کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ مِنْ ظُلْمٍ

جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلم سے

ظَلَمَ بِهَا فَإِنَّهُ يَطْوِيهِ يَوْمَ

دبائی اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں

الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ

ذلت کا طوق طرالے گا جو اُس زمین کے سات گنا بوجھل ہوگا۔

ظلم سے کوئی زمین حاصل کرنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زبردستی کسی کی زمین کا مالک بن جانا، دھوکہ دے کر یا جھوٹے مقدمہ کے ذریعہ زمین کو اپنے نام کر لینا، مقروض پر دباؤ ڈال کر اس کی زمین کم قیمت پر اپنے نام لکھوا لینا وغیرہ غرض حق تلفیوں کی تمام شکلیں ظلم میں داخل ہیں۔ کھیتی کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جو جائز طریقے سے زمین اُس نے حاصل کی ہے یا وراثت میں ملی ہے اُس کو اپنے ہاتھ سے جوتے بوائے، دوسری یہ کہ وہ کسی معذوری یا مشغولیت کے سبب خود یہ کام نہ کر سکے تو دوسروں سے مدد لے، اس کی تین صورتیں ہیں (اپنا کھیت کسی کو بٹائی پر دے یعنی زمین اور بیج وغیرہ اس کا ہو اور محنت ہل بیل دوسرے شخص کے اور اس اشتراک سے جو کچھ پیدا ہو دونوں بانٹ لیں (۲) نقد لگان طے کر کے زمین کسی کو دی جائے۔ زمین کا مالک مقررہ لگان وصول کرتا رہے اور لگان ادا کرنے والا پیداوار سے فائدہ اٹھاتا رہے (۳) زمین بیج، ہل بیل سب ایک آدمی کے ہوں۔ اور وہ آدمی دوسروں سے مزدوری پر کام لے۔ مزدوروں کو مزدوری دیتا رہے اور جو کچھ پیداوار ہو وہ خود لے۔

اپنے ہاتھ سے کھیتی کرنے کے فائدے
غذا انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔
اس لئے جو لوگ اپنے ہاتھ سے کھیتی
کر کے اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور ان کی ضرورت سے جو بیج جاتا ہے اُسے
دوسرے بندگان خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، وہ انسانی زندگی کے لئے بڑی خدمت
انجام دیتے ہیں تو جو شخص اپنی زمین پر جملہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے کھیتی کرتا ہے یا بیج لگاتا
ہے تو اپنے لئے حلال روزی کماتا ہے اور دوسری مخلوق اگر اُس میں سے کچھ کھالے تو اس شخص
کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، رسول اللہ نے فرمایا ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا
أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ
طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ
إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔
کوئی مسلمان جو درخت لگائے یا کھیتی کرے
اگر اُس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ
کچھ کھاپی لیتا ہے تو اس کے لئے یہ صدقہ
ہو جائے گا۔

اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا یا اس میں یہ کام کرنے کی
اجارہ ارض صلاحیت نہیں ہے تو اُسے حق ہے کہ وہ نقد لگان مقرر کر کے اپنی زمین
 دوسروں کو دیدے، اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مزارع (کاشتکار) پوری پیداوار
 کا مالک ہوگا اس کو شریعت میں اجارہ ارض کہتے ہیں، یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا دوسرے لوگ زمین کو لگان پر نہیں لیتے تو دوسری
مزارعت صورت یہ ہے کہ بٹائی پر کھیتی کرنے کے لئے دیدے یعنی غلہ کی پیداوار میں
 آدھا حصہ مالک زمین کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش اس کو مزارعت کہتے ہیں۔ ایک دوسری
 اصطلاح میں مخابزہ بھی اسی معنی میں ہے یعنی کھیتی باڑی کا معاہدہ جو پیداوار کے ایک حصے
 کی اجرت پر کیا جائے۔ مزارعت کا معاملہ اجرت اور کرایہ جیسا ہوتا ہے مگر نتیجے کے اعتبار سے یہ
 شرکت کا معاملہ ہے جس طرح اجرت اور کرایہ کے معاملہ میں کسی چیز کا فائدہ کچھ معاوضہ دے کر
 حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح مزارعت میں ایک مزارع (کاشتکار) کو مالک زمین کسی متوقع
 فائدے کے پیش نظر اپنی زمین حوالے کرتا ہے لیکن اس معاملے کے نتیجے میں جو پیداوار ہوتی
 ہے اس کی تقسیم ان ہی اصولوں پر ہوتی ہے جن پر شرکتی کاروبار کے فائدے کی تقسیم ہوتی ہے
 اس لئے مزارعت کے معاملے میں اجرت اور شرکت دونوں کے شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے
مزارعت کا خاص حکم جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ مزارعت ابتداءً اجرت اور کرایہ کا
 معاملہ لیکن نتیجتاً شرکت کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس کا خاص

اور امتیازی حکم یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصے کے اعتبار سے ہو یعنی پیداوار کا چوتھائی (۱/۴)
 یا نصف (۱/۲) یا دو تہائی (۲/۳) فلاں کو ملے گا اور باقی فلاں کو۔ اس طرح نہ ہو کہ اتنے من پیداوار
 یا زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے وہ تمہاری ہوگی، دونوں
 صورتوں میں بڑا فرق ہے، مقدار مقرر کر دینے کی صورت میں اگر بالفرض اتنا ہی غلہ پیدا ہوا جو
 مالک زمین نے اپنے لئے طے کیا تھا تو وہ سراسر فائدے میں رہے گا اور کاشتکار بالکل خسارے
 میں لیکن اگر حصے کے اعتبار سے پیداوار تقسیم کی جائے گی تو کم یا بیش جتنا بھی پیدا ہوگا دونوں
 کو اپنے حصے کے مطابق ملے گا اگر فائدہ ہوگا تو دونوں کو اور نقصان ہوگا تو دونوں کو ہوگا۔ اس

حکم کے صحیح ہونے کی بنیاد احادیث صحیحہ پر ہے، بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی سے حاصل شدہ نصف پھل یا پیداوار کے معاوضہ پر معاملہ کیا تھا۔

مزارعت کے ارکان و شرائط امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کے ارکان وہ امور ہیں جن سے مالک اور کاشتکار کے درمیان معاہدے

کی تکمیل ہوتی ہے، یہ ارکان ہیں ایجاب و قبول۔ اگر زمین کا مالک کاشتکار سے کہے کہ میں یہ زمین تم کو دیتا ہوں اور تم پیداوار کے نصف یا تنہائی پر کام کرو اور کاشتکار کہے کہ مجھے منظور ہے تو معاہدے کی تکمیل ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ الفاظ میں یہ امور شامل ہیں: کاشتکار کی محنت، قابل زراعت زمین، آلات کشتادری اور وہ بیج جو زمین میں ڈالا جائے۔ اسی لئے بعض اصحاب نے مزارعت کے ارکان کی تعداد چار بتائی ہے۔ زمین۔ کاشت کاری، بیج اور آلات کشتادری۔ شرائط میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں اپنی مرضی سے معاملہ کر سکنے کے قابل ہوں یعنی نفع نقصان کا شعور رکھتے ہوں، فاطر العقل اور بے شعور نہ ہوں۔ بالغ ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو زمین دی جائے وہ قابل کاشت ہو، اور یا بنجر زمین جس میں کاشت نہیں کی جاسکتی اس میں عقد مزارعت درست نہیں اور

(۲) جس رقبہ زمین کے بارے میں کھیتی کا معاہدہ ہوا ہے وہ معلوم ہو یعنی اس کے حدود اور پتہ بتا دیئے گئے ہوں ورنہ معاملہ درست نہ ہوگا، اسی طرح ایک خطہ زمین پر کاشتکار سے معاہدہ کرتے وقت اگر یہ کہا کہ اس قدر رقبہ پر گیہوں بونا اور اس قدر رقبہ پر چنایا کوئی اور چیز تب بھی معاملہ درست نہ ہوگا جب تک زمین کی حد بندی نہ کر دی جائے۔

تیسری شرط مالک اور کاشت کار دونوں کو یہ طے کرنا کہ کس کو پیداوار کا کتنا حصہ ملے گا اگر دونوں کے حصہ کا تذکرہ نہ ہو تو ایک حصہ کا ضرور ذکر کر دیا جائے۔ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے لئے ایک خطہ اراضی میں سے کوئی حصہ مخصوص کر کے یہ کہے کہ اس کی پیداوار میری ہوگی۔ اور نہ وزن و پیمانے کی مقدار مقرر کرنا جائز ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ زمین نہ ہل بیل اور بیج کے بارے میں طے ہونا چاہیے کہ کس کی کون سی چیز ہوگی۔

یعنی آیا (۱) مالک صرف زمین دے گا اور باقی تمام چیزیں ہل بیل، بیج اور محنت کاشتکار کی ہوگی۔ یا (۲) زمین، ہل بیل اور بیج سب چیزیں ایک شخص کی ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو۔ یا (۳) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل اور محنت دوسرے آدمی کی۔ یہ تینوں صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

یا (۴) زمین اور ہل بیل ایک آدمی کے ہوں اور بیج اور محنت دوسرے کی۔

یا (۵) بیج اور ہل بیل ایک کا ہو اور محنت اور زمین دوسرے کی۔

یا (۶) بیج ایک آدمی کا ہو اور تمام چیزیں دوسرے کی ہوں، آخری دونوں صورتیں متفقہ طور پر ناجائز ہیں جبکہ چوتھی صورت کو امام ابو یوسفؒ جائز کہتے ہیں، اُن کی رائے اس لئے بھی ورنہ ہے کہ قاضی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے معاملات اُن کے سامنے آتے رہتے تھے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین پر کاشت کرنے کی مدت کاشتکار کو بتادی جائے کہ اتنے مہینوں یا سال کے لئے ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ جو چیز بونے کے لئے زمین دی جا رہی ہے وہ بتادی جائے یا مزارع یہ بتادے کہ گیہوں بونے کا یا ترکاری یا تمباکو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کو بونا اپنی زمین میں پسند نہ کرتا ہو اور بعد میں اختلاف واقع ہو، پھر حصے کی تعیین میں بھی جنس کی صراحت کر دینے سے مدد ملتی ہے۔ البتہ اگر مالک زمین یہ اجازت دیدے کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو مزارع کو اختیار ہے جو چیز چاہے بونے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ زمین کو خالی کر کے کاشتکار کے حوالے کر دیا جائے۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ بٹائی پر دینے کے بعد طے شدہ حصہ کے مطابق پیداوار میں شریک رہنا ہے۔

فصل کٹنے کے بعد اگر کوئی فریق اس میں ترمیم کرنا چاہے گا تو قابل قبول نہ ہوگی۔

اجارہ ارض کی شرائط نقد لگان پر کھیت دینے کے لئے وہ تمام شرائط ملحوظ رہیں گے جو کسی چیز کے کرایہ پر دینے کے ہیں، اس کے علاوہ مزارعت

کی پانچویں اور آٹھویں شرط کے علاوہ تمام شرطیں پائی جانی چاہئیں۔ مزارعت کی تیسری شرط مالک و مزارع کے پیداوار میں حصے سے متعلق ہے۔ اجارہ ارض میں حصے کے بجائے لگان طے ہوگا۔ لگان کا تعین زمین اور بوئی جانے والی چیز کی نوعیت پر منحصر ہے، اس لئے ان دونوں کا وضاحت سے ذکر ہونا چاہیے کہ کونسی زمین کس چیز کو بونے کے لئے کاشتکار کو لگان پر دی جا رہی ہے۔ مکئی۔ باجرہ۔ تمباکو اور آلو کی کاشت میں فائدے کے لحاظ سے کافی فرق ہوتا ہے اس لئے بوئے جانے والی چیز کی صراحت ضروری ہے تاکہ بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اگر مالک زمین مطلقاً اجازت دیدے کہ جو چاہو بوؤ تو کاشتکار کو اختیار ہے چاہے آلو بوئے چاہے تمباکو یا زعفران۔ اسی طرح زمین یا کھیت کی صراحت بھی ضروری ہے تاکہ لگان قائم کرنے میں دھوکہ نہ ہو جو بعد کو اختلاف کا سبب بنے۔

۲۔ لگان پر زمین لینے والے کو یہ اختیار ہے کہ سال میں جتنی فصلیں چاہے بوئے اور کاٹے۔ البتہ اگر مالک زمین نے یہ قید لگا دی ہو کہ صرف ایک فصل بونے کے لئے زمین دی جا رہی ہے تو اسی صورت میں قانونی طور پر ایک سے زیادہ فصل کی کاشت کو روکنے کا حق حاصل ہے مگر اخلاقاً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

کھجور کے درختوں، انگور کی بیلوں وغیرہ کی بہتری اور دیکھ بھال کے لئے اس مساقات کی پیداوار کے مقررہ حصے کے معاوضہ میں کام کرنے کو مساقات کہتے ہیں۔

مساقات کے معنی اور تعریف سقی کے معنی پانی دینے کے ہیں۔ مساقات میں نخل و شجر وغیرہ میں پانی دینے کے علاوہ اور دو باتیں

بھی شامل ہیں مثلاً درختوں کی صفائی، ان کی کاٹ چھانٹ اور دیکھ بھال۔ ان کاموں میں پانی دینا سب سے اہم کام ہے، اس لئے اس کی وجہ تشبیہ میں دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا باغ یا درخت کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ تم اس باغ یا درختوں کی پوری طرح خدمت کرو، انہیں پانی دو اور ہر طرح کے نقصان پہنچانے والے جانوروں

اور کیڑوں وغیرہ سے محفوظ رکھو۔ پھر جو پھل ہوگا اُسے دونوں بانٹ لیں گے تو اس کو شریعت میں مساقات کہتے ہیں۔

مساقات کے شرائط مساقات کے شرائط اور مزارعت کے شرائط میں دو تین باتوں کی وجہ سے فرق واقع ہو جاتا ہے ان کے علاوہ شرائط یکساں ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ کہ مزارعت میں بونے اور غلہ پیدا ہونے کی شرط پر زمین دینا جائز ہے جبکہ مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درختوں میں جائز ہے۔ باغ یا درخت لگانے کی شرط پر مساقات کا معاملہ جائز نہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ مساقات کا معاملہ ہو جانے کے بعد بغیر غدر شدید کے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ علیحدہ ہو جائے، اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا تو قانوناً اُسے معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ بخلاف مزارعت کے جس میں صرف وہ فریق معاہدے سے الگ ہو سکتا ہے جس نے بیج دیا ہے لیکن دوسرا فریق اگر الگ ہوگا تو اس کو قانوناً معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ بیج دینے والے فریق کو اس لئے اجازت ہے کہ علیحدہ ہونے سے خود اُس کے بیج کا نقصان ہوگا اس لئے قانون کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن دوسرا شخص اگر علیحدہ ہوتا ہے تو بیج والے کا نقصان ہے اس لئے نقصان کی تلافی کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔ یہی صورت مساقات میں ہے کہ ایک کے علیحدہ ہونے میں دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے یعنی ایک کی محنت ضائع ہوتی ہے اور دوسرے کا مال اس لئے دونوں کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ بلا وجہ کسی کو نقصان پہنچائے۔

مزارعت و مساقات اور اجارہ ارض کے بعض ضروری مسائل ۱۔ کاشت کے لئے اگر جنس

کی وضاحت نہیں کی گئی اور نہ مالک زمین نے مزارع کو یہ اجازت دی کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو یہ مزارعت یا اجارہ ارض کا معاملہ کا عدم سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر معاملہ فسخ کرنے سے پہلے اس کی وضاحت ہو گئی تو معاملہ صحیح ہو جائے گا۔

۲۔ اگر لگان پر زمین دی تو جس مدت کے لئے دی ہے اُس کے اندر لگان بڑھانے کا اختیار نہ ہوگا خواہ کاشتکار کئی فصلیں بوئے اور کاٹے۔ مدت ختم ہونے کے بعد اگر چاہے تو

لگان بڑھا سکتا ہے۔

۳۔ جس مدت کے لئے زمین دی گئی ہے اگر اس مدت میں فصل تیار نہ ہو پائے تو فصل کٹنے تک مالک کو زمین خالی کرانے کا حق نہ ہوگا مگر جتنی مدت زیادہ کاشتکار کے پاس زمین رہے گی اُس کا لگان مزید دینا ہوگا جس کا اندازہ طے شدہ لگان کے مطابق کیا جائے گا۔

۴۔ مزارعت، مساقات یا اجارہ ارض میں اگر مالک زمین پر بھی کام کرنے کی شرط لگا دی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ محنت کاشتکار کی ہوگی وہ مالک زمین سے محنت نہیں لے سکتا، ہاں اگر وہ خود کرے تو اُس کو اختیار ہے۔

۵۔ فصل کی کٹائی، ڈھلائی اور دانوں سے بھوسا لگ کرنے کی ذمہ داری مالک زمین پر ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ کاشتکار سے اس کا تعلق ہے اس لئے اس کا ذکر کاشتکار کی ذمہ داریوں میں کرنا درست ہے۔

۶۔ غلہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر فریق اپنے حصہ کو خود اٹھالے جانے کا ذمہ دار ہے، اگر مالک زمین دوسرے فریق سے یہ کام لے گا تو مزدوری دینا پڑے گی۔

۷۔ یہ شرط کہ بیج کے بقدر غلہ لے لینے کے بعد باقی غلہ تقسیم کیا جائے گا فاسد ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غلہ اتنا ہی پیدا ہو جتنا بیج ڈالا گیا ہے اس لئے دوسرا بالکل محروم رہ جائے گا یہ بات شرکت کے اصول کے خلاف ہے۔

۸۔ مزارعت کے معاہدے میں دی گئی زمین کا کوئی حصہ، کھیت کا مالک اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتا مثلاً یہ کہنا کہ کھیت کے فلاں ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ میرا اور دوسرے ٹکڑے میں جو پیدا ہو وہ تمہارا۔ یا گہوں ہمارا اور جو تمہارے، یا بوئی ہوئی ترکاریوں میں لو کی ہماری اور باقی ترکاریاں تمہاری، یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔

اسی طرح مساقات کے معاملے میں یہ کہنا کہ باغ کے فلاں درخت مثلاً نر بہشت یا دہری کا پھل ہمارا ہوگا یا فلاں چیز کی فصل ہماری ہوگی باقی سب چیزوں کی فصل تمہاری تو یہ شرط لگانے سے معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

۹۔ غلے کا بھوسا بھی دونوں فریقوں میں تقسیم ہوگا، اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ کل بھوسا ہم

لیں گے یا غلہ ایک کا اور بھوسا دوسرے کا تو یہ معاہدہ صحیح نہیں ہوگا اور باطل قرار پائے گا البتہ اگر وہ شخص جس نے بیج دیا ہے بھوسہ لینے کی شرط لگا دے تو شرط صحیح ہوگی کیونکہ بھوسا ضمنی نتیجہ ہے بیج کا، اس لئے فقہانے اجازت دی ہے کہ وہ یہ شرط لگا سکتا ہے لیکن اگر معاملہ کرتے وقت اس شرط کو پیش نہیں کیا گیا تھا تو پھر غلے کی تقسیم کے مطابق بھوسے کی تقسیم بھی ہوگی۔

۱۰۔ بفرض محال مزارعت کا معاملہ ہو چکنے کے بعد کچھ پیداوار نہیں ہوئی تو مزارع کو کچھ نہ ملے گا لیکن اگر مالک نے زمین، بیج اور ہل بیل دے کر بطور اجیر کاشتکار سے کام لیا اور شرط یہ رکھی کہ جو پیداوار ہوگی اس میں اتنا حصہ تم کو دیں گے تو کچھ پیداوار نہ ہونے کی صورت میں اتنے دن کی مزدوری مالک کو دینا پڑے گی۔

۱۱۔ مزارعت کا معاہدہ ہو جانے کے بعد کاشتکار نے زمین پر محنت کی یعنی دو ایک بار ہل چلا چکا گھاس وغیرہ صاف کر کے زمین کو کھا دے چکا مگر ابھی تک اس نے بویا نہیں ہے تو مالک کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے، اگر بالفرض وہ معاملہ فسخ کرتا ہے تو اتنے دن کی محنت کی مزدوری اس کو دینا پڑے گی اور اگر کاشتکار نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے تو وہ واپس کرنا پڑے گا۔ (ہدایہ)

۱۲۔ اگر مالک زمین نے اپنا کھیت جوت اور بڑا کسی کے سپرد کر دیا کہ وہ اس میں پانی چلائے اور نگرانی کرے جو کچھ پیدا ہوگا اس کا چوتھائی یا چھٹا حصہ اُسے ملے گا تو یہ صحیح ہے اسی طرح اگر کاشتکار کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا چاہے تو اگر بیج مالک زمین کا ہے تو اس کی اجازت اس سے لینا ضروری ہے لیکن اگر بیج کاشتکار کا ہے یا وہ اس شرط پر شریک کر رہا ہے کہ اپنے حصے سے اتنا غلہ اُسے دیگا تو ان دونوں صورتوں میں دوسرے کو شریک کر لینے کا حق ہے۔

۱۳۔ یہ قانون کہ اگر کاشتکار اتنے سال تک کسی زمین میں کام کرتا رہے تو زمین پر اس کا حق ہو جاتا ہے صحیح نہیں ہے۔ کسی کا کھیت یا باغ وغیرہ کاشتکار کے پاس کرایہ لگانا یا بٹائی پر کتنے دن بھی رہے اسلامی شریعت کی رو سے اس پر اس کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی ایسا کرے تو یہ عمل حرام ہوگا اور ظلم و غصب قرار دیا جائے گا۔

۱۴۔ جب کھیتی پاک کر تیار ہوگئی ہو، باغ کے پھلوں کا بڑھنا رک گیا ہو اور پکنے لگے ہوں اس وقت مزارعت یا مساقات پر دینا صحیح نہیں ہے۔ شدید ضرورت کے بغیر بٹائی پر نہ دینا چاہیے۔

جب تک بالیاں ہری ہوں۔ پھل کی گٹھلیاں سخت نہ ہوئی ہوں، نرم ہوں، اُس وقت مزارعت یا مساقات پر کھیت یا باغ کو دینا صحیح ہوگا۔

مزارعت کا معاملہ فسخ ہو جانا ۱۔ جو شرطیں اجارہ ارض، مزارعت اور مساقات کے صحیح ہونے کی بیان کی جا چکی ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جائے گی تو معاملہ فاسد اور فسخ سمجھا جائے گا۔

۲۔ اگر زمین کے مالک اور کاشت کرنے والے میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو مزارعت یا مساقات وغیرہ کا معاملہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ البتہ کھیتی تیار نہ ہوئی ہو یا باغ کے پھل پکے نہ ہوں اور مالک زمین کا انتقال ہو جائے تو کاشت کار کو یہ حق ہوگا کہ تیار ہونے تک وہ فصل کی دیکھ بھال کرے اور کٹنے کے بعد اپنا حصہ اس میں سے لے لے۔ مالک زمین کے وارثین کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح کاشتکار کے وارثوں کو یہ حق ہوگا کہ کاشتکار کی وفات پر کھیتی یا پھل تیار ہونے تک اس میں محنت کریں اور جو حصہ کاشتکار کا مقرر تھا وہ لے لیں، انھیں اس حق سے محروم کرنے کا حق مالک زمین کو نہیں ہے البتہ اگر کاشتکار یا اس کے وارث کام کرنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا استحقاق ختم ہو جائے گا۔

مالک یا مزارع معاملے کو فسخ کر سکتے ہیں مزارعت، مساقات اور اجارہ ارض تینوں معاملات ایسے ہیں کہ جب ایک دفعہ

طے پا جائیں تو مزارع یا مالک کسی کو معاملہ فسخ نہ کرنا چاہیے جب تک کوئی شدید عذر نہ پیش آجائے جس کی چند ہی صورتیں ہو سکتی ہیں :-

۱۔ مثال کے طور پر مالک زمین مقرض تھا۔ فوری قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی وہ اپنی زمین کو بٹائی پر یا باغ کو نگرانی کے لئے دے چکا ہے لیکن ابھی کھیت میں بیج نہیں پڑا اور باغ میں پھل نہیں آیا تھا کہ زمین کو بیع کر قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو وہ معاملہ کو فسخ کر کے اپنی زمین بیع سکتا ہے لیکن اگر مزارع نے بیج ڈال دیا ہے یا باغ میں پھل آچکے ہیں تو اب دو صورتیں ہیں اگر کھیتی یا پھل تیار ہو چکے ہوں تو کھیتی کاٹ کر اور پھل توڑ کر زمین کو یا باغ کو بیع سکتا ہے لیکن اگر کھیتی پکی نہیں ہے یا پھل زیادہ کچھے ہیں تو اُس وقت تک

معاملہ فسخ کرنے اور بیچنے کا حق نہیں جب تک دونوں چیزیں پک نہ جائیں، قرض خواہوں کو کھیتی کٹنے اور پھل پک جانے کا انتظار کرنا پڑے گا، وہ نہ کریں گے تو قانوناً انھیں اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر مزارع اتنا شدید بیمار پڑ جائے کہ کھیتی کا کام نہ کر سکے یا باغ کی نگرانی نہ کر سکے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ معاملہ فسخ کر دے، اور اگر دوسرے شخص کے ذریعے کام لے کر معاملہ کو فسخ نہ کرے تو اس کا بھی اس کو حق ہے۔

۳۔ اگر مزارع کو کوئی زیادہ اچھا ذریعہ معاش مل رہا ہے جس کو اختیار کرنے کے لئے کھیتی باڑی چھوڑنا چاہتا ہے تو اس کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے بشرطیکہ یہ صورت اختیار کرنے پر وہ معاشی حیثیت سے مجبور ہو یعنی اس کی گزر بسر کھیتی باڑی سے نہ ہو پاتی ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔
(بدائع الصنائع)

فسخ ہونے کی صورت میں کس کو کیا ملے گا
مزارعت و مساقات صحیح نہ ہونے کی
جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں

سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو معاملہ فسخ سمجھا جائے گا۔ اب اگر معاملہ فسخ اس وقت ہوا جب مزارعت کا کام شروع ہو چکا تھا یعنی غلہ بویا جا چکا تھا یا درخت میں سپنجائی کرنے کے بعد پھول یا بور آنا شروع ہو گیا تھا تو محنت کرنے والے کو دستور کے مطابق اتنے دن کی مزدوری ملے گی اور اگر بیج کاشتکار نے دیا ہے تو مالک زمین کو دستور کے مطابق لگان دینا پڑے گا۔ لیکن اگر ابھی کام شروع ہی نہیں ہوا تھا تو کسی کو کچھ نہ ملے گا۔

ملکیت

کسی چیز کا مالک ہونے کی حیثیت
کسی زمین، جامداد یا مال پر کسی آدمی کا مالکانہ حق
تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے جب ان میں
سے کسی ذریعے سے کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہو جائے تو پھر اس حق کو اس کی مرضی کے بغیر نہ تو

کوئی شخص یا حکومت سلب کر سکتی ہے نہ اُس کی مرضی کے خلاف تصرف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حکومت اُس وقت دخل دے سکتی ہے جب وہ جائیداد اور مال کو فضول خرچی میں ضائع کرے یا اُس میں سلیقے سے رکھنے اور برتنے کی صلاحیت نہ ہو یا اس کے ہاتھوں کسی دوسرے شخص یا معاشرے کو نقصان پہنچ رہا ہو۔

کن صورتوں سے ملکیت قائم ہوتی ہے ۱۔ عام طور پر تین صورتیں ہیں کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آنے کی۔

۱۔ کوئی شخص اپنی ملکیت کو بہ رضا و رغبت دوسرے آدمی کی طرف منتقل کر دے یا معاوضہ لے کر یعنی بطور ہبہ و انعام دے دے یا قیمت لے کر فروخت کر دے تو وہ دوسرا شخص اس چیز کا مالک ہو جائے گا اور اب پہلا شخص اُس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

۲۔ آدمی کوئی چیز وراثت میں پائے اُس سے ملکیت بذریعہ وراثت قائم ہو جاتی ہے۔

۳۔ آدمی اپنی محنت اور کوشش سے کوئی مباح چیز جس کا کوئی مالک نہ ہو حاصل کر لے تو اُس پر بھی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

پہلی صورت کا بیان ہو چکا ہے اور دوسری صورت کا بیان وراثت کے ضمن میں آیا ہے، تیسری صورت کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں اُن میں سے جن چیزوں پر انسان نے محنت مشقت کر کے دست رس حاصل کر لیا ہے وہ بجا طور پر اُس کی ملک ہیں مگر اب بھی خدا کی بنائی ہوئی لاتعداد چیزیں ایسی ہیں جو پوری آبادی کا مشترک سرمایہ ہیں اور اُن کا استعمال ہر فرد کے لئے اس وقت مباح ہے جب تک کوئی اُن پر محنت یا سرمایہ صرف کر کے اُن کو اپنے قبضے میں نہ لے لے مثلاً پانی، ہوا، آگ، روشنی، خورد و گھاس، جنگلات اور زمین کے پوشیدہ خزانے جنہیں رکاز کہا جاتا ہے، آبادی سے دور بیکار بجز زمینیں جنہیں موات کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جن پر اسلام کسی کی ملکیت تسلیم نہیں

ان چیزوں پر کیسے اور کب ملکیت قائم ہوتی ہے

کرتا مثلاً سمندر، دریا، ہوا، فضا اور روشنی انہیں ہر انسان استعمال کر سکتا ہے اگر یہ استعمال دوسروں کے نقصان کا سبب نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا استعمال دوسروں کے لئے نقصان دہ ہوگا تو پھر اس سے روکا جائے گا مثلاً سمندر میں ہر حکومت اپنا تجارتی بھیج سکتی ہے۔ بحری بیڑا رکھ سکتی ہے، فضا میں بھی ہر حکومت اپنا جہاز اڑا سکتی ہے۔

ہر شخص سورج اور چاند کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ خواہ وہ فائدہ شمسی چولہا بنا کر اٹھائے یا کسی اور طرح سے، لیکن سمندر میں جہاز رکھنے کا مقصد یا فضا میں ہوائی جہاز اڑانے کا مقصد اگر کسی ملک پر حملہ کرنا ہو تو اسلامی شریعت کے مطابق اسے ظلم اور غصب قرار دیا جائے گا اور اس عمل کو دوسرے انسانوں کے لئے مصیبت نہ بننے دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص سورج کی کرنوں سے دھوپ چولہا تیار کرتا ہے تو اسے اس کا حق ہے لیکن اگر وہ کوئی ایسی چیز تیار کرتا ہے جو انسانی زندگی کے لئے مہلک ہو تو اسے ضرور روکا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں بھی اگر اسلامی اقتدار قائم اور غالب ہوتا تو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے تجربوں پر ضرور پابندی عائد کرتا۔

لیکن اگر اپنی محنت سے یا سرمایہ لگا کر کوئی شخص دریا کے پانی یا سورج کی روشنی کو اپنے قبضہ میں کر کے کوئی نہر نکال دے یا روشنی کو سیلوں میں محفوظ کر لے تو اس کی ملکیت ان چیزوں پر قائم ہو جائے گی کیونکہ اس نے محنت کر کے اور سرمایہ لگا کر انہیں بنایا ہے۔ اب وہ نہر سے آبپاشی کرنے پر آپنا نہ لے سکتا ہے۔ سیس کو فروخت کر سکتا ہے۔ اسی طرح کی مباح چیزیں محنت و سرمایہ لگانے کے بعد ملکیت میں آجاتی ہیں۔ کچھ چیزوں کا الگ الگ ذکر کیا جا رہا ہے۔

پانی کے ذخائر کو چار درجات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) سمندر اور بڑے بڑے دریا۔ دریاؤں کا پانی۔ اس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

پانی

(ب) جھیلیں، بڑے تالاب، تندی اور نالے۔ یہ بھی کسی کی ملکیت نہیں۔ اس لئے اس پانی کا بھی وہی حکم ہے جو بڑے دریاؤں کے پانی کا۔

(ج) وہ تالاب، حوض، پوکھریں، نہریں، کنوئیں جن کو حکومت نے یا کسی شخص نے سرمایہ لگا کر بنوایا ہے ان کے پانی کا حکم یہ ہے کہ سرمایہ لگانے والے کی ملکیت تو مسلم ہے لیکن مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روک دے یا پانی پلانے کا کوئی کرایہ وصول کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کی ممانعت فرماتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے۔
 (بدائع ج ۱ ص ۱۸۹) البتہ اگر جانوروں کی کثرت آمدورفت سے تالاب یا حوض کے کنارے ٹوٹنے لگیں اور
 اندیشہ ہو کہ وہ خراب ہو جائیں گے تو پابندی عائد کی جاسکتی ہے کہ لوگ باری باری سے احتیاط کے ساتھ جانوروں کو
 پانی پلانے کو لائیں۔ خلاف ورزی کی صورت میں بالکل روک دینے کا بھی حق ہے۔ جو لوگ ایسے آبی
 ذخیروں سے کھیتوں کی آبپاشی کرنا چاہیں تو مالک کو حق ہے کہ یا تو وہ منع کر دے یا کرایہ لے کر انھیں پانی دے۔
 اسی طرح ٹوب و یلز، کنوئیں یا نہر سے آبپاشی کے لئے جو چھوٹی نالیاں بنائی جاتی ہیں، ان کا پانی بھی
 انسانوں اور جانوروں کے پینے کے لئے مباح ہے۔ کسی حکومت کے لئے یہ زیادہ مناسب نہیں کہ عوام کے
 پیسوں سے بنائی ہوئی نہروں یا ٹوب و یلوں کا پانی کا کرایہ لے۔ اسلامی حکومت زراعتی ٹیکس تو لیتی تھی مگر
 ایسا نہ لینے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

(۵) وہ پانی جو آدمی اپنے گھڑے میں یا کھشتی مشک میں بھر لیتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ وہ اس
 پانی کو بیچ بھی سکتا ہے۔ دوسروں کو پینے سے منع بھی کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے
 بیتاب ہے اور پانی رکھے والا نہ دے تو اس سے زبردستی لیا جاسکتا ہے۔

دریا اور تالاب کی مچھلیاں کسی کی ملکیت نہیں ہیں جس کا جی چاہے انھیں پکڑ سکتا ہے۔
پانی میں شکار اگر کسی نے دریا سے مچھلیاں پکڑنے کے لئے کسی سے اجرت کا معاملہ کیا تو صحیح نہیں ہوگا۔
 مچھلیاں جو وہ مزدور شکار کرے گا اسی کی ملکیت ہوں گی، مناجرت کی نہیں ہوں گی۔ اگر اس نے مچھلیاں پکڑنے کا
 جال اپنے پیاس سے دیا ہے تو اس کا کرایہ لے سکتا ہے مگر خدا کی اس نعمت پر اپنی ملکیت قائم نہیں کر سکتا۔
 جب تک وہ اسے اپنی محنت سے حاصل نہ کرے۔ البتہ اگر کسی نے اپنے ذاتی تالاب یا حوض میں مچھلیاں پالی ہوں
 یا کسی تالاب میں مچھلیاں لاکر ڈالی ہوں اور ان کی پرورش اور افزائش پر کچھ خرچ کیا ہو تو اگر اس تالاب یا
 حوض میں مچھلیاں اتنی زیادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت کے انھیں پکڑا جاسکتا ہے تو وہ بلاشبہ اس کی ملکیت ہیں، وہ
 انھیں تالاب یا حوض میں رہتے ہوئے بھی بیچ سکتا ہے لیکن اگر انھیں پکڑنے کے لئے کھلیے شست لگانا پڑتی ہے،
 یا جال ڈالنا پڑتا ہے تو چونکہ مچھلیاں اس کی ملکیت ہیں، اس لئے انھیں پکڑنے سے دوسروں کو منع کر سکتا ہے
 اگر خود بیچنا چاہتا ہے تو پہلے ان کا شکار کرے پھر انھیں فروخت کرے۔

(۲) خود روگھاس خواہ وہ کسی شخص کی اپنی زمین پر ہی کیوں نہ ہو، وہ کسی کو اس کے کالٹے یا جانوروں کو

چرنے یا چرانے سے روک نہیں سکتا اور نہ اسے بیچ سکتا ہے۔ اس کو بہر حال یہ حق ہے کہ اپنی زمین کے احاطے میں کسی کو نہ آتے دے لیکن اگر اس نے گھاس اگانے پر خرچ کیا ہے یا محنت کی ہے تو پھر اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ دوسروں کو کاٹنے یا چرانے سے روک دے اور یہ بھی حق ہے کہ خود کاٹ کر یا مزدوری پر کٹوا کر یا بغیر کاٹے ہوئے بیچ دے۔

(۳) خود سوا جنگلات :- بھی کسی کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ ان سے ہر انسان کو لکڑی کاٹنے اور لیجانے کا حق ہے، البتہ اگر وہ جنگل کسی نے لگایا ہے یا کسی کی زمین پر لگا ہے تو وہ اسی شخص کی ملکیت متصور ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسے خود جنگل سے جو نہ کسی نے لگایا ہو، نہ کسی شخص کی زمین پر ہو لکڑی کاٹے یا مزدوری دے کر کٹواتے تو وہ لکڑی اسی کی ہوگی، کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔

رکاز اور کنز زمین میں پائی جانی والی وہ چیزیں جو کھدائی کے بعد ہی معلوم کی جاسکتی ہیں، رکاز کہلاتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خود بخود زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں جیسے کوئلہ، پٹرول، لبرک، گندھک، سونا، چاندی، لوہا، تانبا، بتیل اور نمک وغیرہ ان کو معدنیات کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ چیزیں جن کو کسی انسان نے زمین میں دفن کر دیا ہو انھیں کنز (خزانہ) کہتے ہیں۔ معدنیات میں ایک تو وہ معدنیات شمار ہوتی ہیں جو آگ سے نرم کی جاسکتی ہیں، جیسے لوہا، چاندی، سونا، تانبا وغیرہ دوسرے وہ چیزیں جو قہرنا۔ سیال ہوں جیسے پٹرول اور تیل وغیرہ یا وہ جو سیال تو نہیں مگر آگ سے سیال بنائی جاسکتی ہیں، تو اگر کوئی شخص پہلی قسم کا معدن پا جائے یا دریافت کر لے تو اگر وہ ایسی زمین میں ہو جو اس کی ملک ہے تو اس معدن کا پانچواں (۱/۵) حصہ اسلامی حکومت لے لے گی اور باقی (۴/۵) حصہ اس کا ہوگا لیکن اگر وہ زمین اس کی ملک نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہوگی تو اس صورت میں بھی ۱/۵ حصہ بیت المال کا اور باقی ۴/۵ حصہ دریافت کرنے والے کا حصہ ہوگا لیکن اگر وہ زمین عام لوگوں کی ملکیت ہو یعنی سب کا مفاد اس زمین سے وابستہ ہو تو پھر وہ پورا معدن اسلامی حکومت کا ہوگا۔ اسی طرح اگر حکومت کسی ماہر طبقات الارض کے ذریعے کوئی معدن دریافت کرے تو وہ اسلامی حکومت کی ملکیت ہوگا۔

کنز :- کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اُسے کسی شخص نے دفن کیا تھا تو اس کا حکم "لقطہ" کا ہوگا، اور اگر نہ معلوم ہو تو پھر ۱/۵ حکومت کا اور باقی ۴/۵ پانے والے کا حصہ ہے۔

موات موات کے لفظی معنی مری ہوئی یا بیکار چیز کے ہیں اور ثمر لیت میں اس زمین کو کہتے ہیں جو آبگ

مردہ پڑی ہوتی ہے یعنی وہ آباد نہیں ہوتی۔ یا کبھی آباد کی گئی تھی مگر اب اُس کا کوئی مالک باقی نہیں ہے۔ وہ پرتی، پڑی ہوتی ہے۔ ایسی زمین کو جو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ یعنی جس نے کسی بے کار اور غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہوگی (ترمذی) ایک دوسرا ارشاد ہے: مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهِيَ لِأَحَقِّ بِهَا یعنی جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو، اسے جس نے آباد کیا وہی اُس کا حق دار ہے۔ (بخاری)

۱۔ وہ پیکار، بخر اور دوسرے زمین موات قرار دی جائے گی۔
جوا آبادی کے اندر نہ ہو اور نہ آبادی کے آس پاس ہو بلکہ آبادی

موات کا مالک بننے کی شرطیں

سے تین چار فرلانگ دور ہو۔ آبادی کے اندر کی پیکار زمینیں مکان بنانے یا کسی اجتماعی کام کے لئے یا بطور چراگاہ استعمال کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ان پر کوئی بے اب زت قبضہ نہیں کر سکتا۔ آبادی سے قریب خالی زمینیں جو زراعت کے علاوہ اور کسی کام میں نہ آسکتی ہوں ان پر حکومت کی اجازت سے قبضہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ وہ پیکار پڑی ہوئی زمین جس کا کوئی مالک نہ پہلے تھا نہ اب ہے، یا کوئی مالک رہا ہو لیکن تین برس تک اس نے اُسے غیر مز روہ چھوڑ رکھا ہو تو حکومت اُسے حجر قرار دے کر کسی دوسرے کو دے دے گی۔

(حجر کی تعریف آگے بیان کی گئی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَيْسَ نَنْهَى عَنْ بَيْعِ ثَلَاثِ سَنِينَ حَقٍّ (یعنی تین سال تک زمین پیکار چھوڑ دینے والے کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے)

۳۔ حکومت سے اجازت لے کر ہی کسی پیکار زمین کو آباد کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص حکومت کی

اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو وہ مالک نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا حَيْثُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَا سَوْلُهُ يَعْنِي كَيْسِي بِيكَارِ زَمِينٍ كَوِ اِنْبَانِي كَا حَقِّ مَرَاتِ اللّٰهِ اَوْرَاسِ كِ رَسُوْلِ كُوْهِي يَعْنِي،

حکومت کو۔ زمانہ جاہلیت کے اس طریقے کو کہ جہاں پیکار زمین کو دیکھتے کہ اس میں زرخیزی کے آثار پاتے

جاتے ہیں تو اُسے اپنے اور اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسلامی حکومت میں اس طریقے کو منسوخ فرمایا ہے: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں کوئی آدمی امام

(یعنی حکومت) کی اجازت کے بغیر کسی بے کار زمین کا مالک نہیں ہو سکتا مگر امام مالک کے نزدیک

صحرائی اور بیابانی زمینیں یا آبادی سے بہت دور کی زمینوں کو اگر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اپنے تصرف

میں لے آئے تو اس کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا کیونکہ ایک عام آدمی کیلئے حکومت کی اجازت حاصل کرنے میں کافی دشواری ہے امام شافعی

امام احمد حنبل اور حنفی مسلک کے دو امام (امام ابو یوسف اور امام محمد) بھی اسی راستے کی تائید کرتے ہیں۔
 عام تمدنی اور انتظامی اعتبار سے امام ابو حنیفہ کی رائے مرجح ہے لیکن ملک میں غلہ کی شدید ضرورت
 کے وقت ملک کی بیکار زمینوں کو قابل کاشت بنانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے تمدنی اور
 انتظامی حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بیکار زمینوں پر کاشت کرنے کی عام اجازت حکومت کی طرف سے
 دی جیسا کرے کہ جو جتنی زمین آباد کر کے غلہ پیدا کرے گا، اس زمین پر اس کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔

۴۔ بیکار پڑی ہوئی زمین کا مالک بننے کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ جس زمین کو آباد کرنا وہ چاہتا ہو، اس کی
 جھانی اور زمین توڑنے کا کام شروع کر دے، پانی دینے کی تالیباں وغیرہ بنا دے۔ یہ چار شرطیں اگر پائی
 جائیں گی تو غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا، ورنہ نہیں۔

بعض دوسرے ضروری مسائل (۱) اگر کسی بیکار پڑی ہوئی زمین کے بارے میں حکومت کسی کو

صرف یہ اجازت دے کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ مگر حق ملکیت

نظام نہیں ہوگا تو اسے اس کا حق ہے (مجلد صفحہ ۲۵) لیکن ملکیت میں دیدینے کے بعد پھر حکومت بغیر کسی وجہ کے
 واپس نہیں لے سکتی۔

۲۔ حکومت سے دس ایکڑ زمین کاشت کرنے کے لئے کسی نے لی، اس میں سے ۵ ایکڑ زمین جوت بولی
 اور ۵ ایکڑ چھوڑ دی تو اگر معذوری کے سبب ایسا کیا ہے تو غیر ورنہ تین برس کے بعد حکومت وہ پانچ
 ایکڑ کسی دوسرے کو دے سکتی ہے۔ اگر تمام زمین آباد کر دی اور پانچ میں تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی ہے تو اس
 سے کوئی حرج نہیں، وہ اس کی ملکیت میں رہے گی، حکومت دوسرے کو نہیں دے گی۔

۳۔ اگر کسی کی آباد کردہ زمین کے گرد دوسرے لوگوں نے زمینیں آباد کر لیں تو انہیں ضرور اتنا راستہ
 چھوڑنا پڑے گا جس سے پہلا آدمی اور اس کے جانور گزر سکیں۔

۴۔ اگر کسی نے زمین کے گرد چہار دیواری بنا دی یا کھاتی کھود لی یا لوہے کے تار سے گھیر لیا لیکن زمین کو جوتنا
 بویا نہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے زمین کو آباد کر لیا۔ خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس نے صرف
 کانٹے دار گھاس یا چند پیچر ادھر ادھر لگا دیتے یا رکھ دیتے یا اس کی گھاس وغیرہ صاف کر دی یا کتواں کھوڑ لیا
 اور تین برس تک کھیتی نہیں کی تو اس پر آباد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ حکومت وہ زمین کسی دوسرے
 شخص کو دے سکتی ہے یا اگر وہی بھر لینا چاہے اور حکومت کو یہ باور کرائے کہ وہ کسی معذوری کی وجہ سے آباد

نہ کر سکا تھا تو اسی کو دے سکتی ہے۔

۵۔ جو کنواں اس نے غیر آباد زمین میں کھودا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوگا، خواہ زمین اسی کی ملکیت نہ رہے۔
غیر مسلم کا حکم جس طرح مسلمان کسی زمین کو آباد کر کے اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح اگر غیر مسلم بھی کوئی زمین آباد کرے گا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آب ساقی کا انتظام ۱۔ کھیتی کو پانی دینے کے لئے کنواں کھودنا یا ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے انتظام کرنا ہر شخص کا حق ہے۔ ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے ایک ہی گھاٹ ہو اور چند کیفیت والوں میں پہلے یا بعد میں آب پاشی کرنے پر اختلاف واقع ہو جائے تو جس کا نقصان زیادہ ہو رہا ہو وہ پہلے آب پاشی کرے گا۔ ندی یا تالاب میں مشین لگا کر بھی پانی لینے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے دوسروں کا نقصان نہ ہوتا ہو، اگر پانی ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو، مغرب اور کم آمدنی والے لوگوں کے لئے آب پاشی کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو۔ یا اس سے دوسری اجتماعی ضرورتیں یا جانوروں کو پانی پلانے کی سہولت متاثر ہوتی ہو تو مشین لگا کر پانی نکالنے سے روکا جائے گا۔

۲۔ جہاں آب پاشی کا انتظام نہ ہو یا ہو تو ناکافی ہو تو حکومت پر اس کا انتظام کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اگر حکومت کے خزانے میں گنجائش نہ نکلے تو عام پبلک سے رضا کارانہ اس کام کو کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے لیکن اس صورت میں حکومت ان سے پانی کا کرایہ نہیں لے سکتی۔

۳۔ تالاب، سہزیں، کنویں جن سے آب پاشی کی جاتی ہے، اگر پٹ جاتی یا خراب ہونا شروع ہو جائیں تو ان سے فائدہ اٹھانے والوں پر ذمہ داری ہے کہ سب مل کر انہیں درست کرائیں۔ حکومت بھی ان کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔ اگر حکومت خود مرمت کرائے گی تو وہ عام ملکیت ہو جائیں گے۔ پھر ان سے فائدہ اٹھانے والوں کو یہ حق نہ ہوگا کہ کسی دوسرے کو فائدہ اٹھانے سے روک سکیں۔

کنویں کے اطراف کی زمین جس کی زمین میں کنواں کھودا گیا ہو اور کھودنے سے پہلے اس کی اجازت ملی جا چکی ہو اور اس نے اس سے منع نہ کیا ہو تو اس کے گرد اتنی زمین کنویں کی ملکیت سمجھی جاتی گی جتنی اس سے کام لینے والوں کو ضرورت ہوتی ہے مثلاً آدمیوں یا جانوروں کے پانی پینے کے لئے تقریباً دس گز زمین کنویں کی سمجھی جائے گی اور اگر اس سے کھیتوں کو بھی پانی دیا جاتا ہو تو حسب ضرورت اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

حجر

لغت میں حجر کے معنی روک دینے یا بیکار کر دینے کے ہیں لیکن اسلامی شریعت میں یہ اصطلاح ملکیت میں تصرف کا حق روک دینے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جس کی اجازت قرآن اور حدیث سے ملتی ہے جن کو ملکیت میں تصرف کرنے سے روکا جاسکتا ہے، ان کے اصطلاحی نام یہ ہیں:-

صیغی (نابالغ بچہ) مجنون (پاگل جس کے حواس نہ ہوں) معتویہ (جو اتنا کم فہم ہو کہ اپنے نفع نقصان کو نہ سمجھ سکے) سفیہ (دولت کو بے سوچے سمجھے صرف کرنے والا) جیاش، بدچلن، غفلت اور حماقت سے نقصان اٹھانے والا)

تصرف روکنے کا سبب حجر دو سببوں سے کیا جاسکتا ہے (۱) تصرف کی صلاحیت نہ ہو یا (۲) صلاحیت ہو مگر استعمال غلط طریقے سے کیا جائے جس کی وجہ سے کوئی تمدنی بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو تصرف سے روک دیا جائے گا۔

مثلاً کوئی نابالغ بچہ ہو، یا کوئی پاگل ہو گیا ہو یا عقل کی اتنی کمی ہو کہ معاملات کی اچھائی برائی کو سمجھ نہ پاتا ہو، ایسے تمام لوگوں کو جائداد اور مال میں تصرف سے روکا جائے گا۔

اسی طرح جو عاقل بالغ اور سمجھ دار ہونے کے باوجود دولت کو بے جا صرف کرتا ہو یا غفلت و حماقت کی وجہ سے ہمیشہ معاملات میں نقصان اٹھاتا ہو اسے بھی تصرف سے روکا جائے گا۔

حجر کا حق کس کو ہے ایسی اور مجنون کو اس کے مال اور جائداد میں تصرف سے روکنے کا حق سب سے پہلے اس کے ولی کو ہے، اس کے بعد جس کو مری اور وصی بنا دیں، وہ مال اور جائداد کی نگرانی کرے جب تک صبی بالغ نہ ہو جائے اور مجنون صحیح الحواس نہ ہو جائے۔ جب وہ محسوس کرے کہ لڑکا بالغ ہو گیا ہے اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا ہے تو اس کا مال اور جائداد اس کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح مجنون کا پاگل پن دور ہو جائے تو اس کے مال اور جائداد کو بھی اس کے سپرد کر دیں۔ اگر کوئی ولی یا مری اور وصی نہ ہو تو پھر حکومت اپنی نگرانی میں جائداد اور مال و دولت کو لے گی اور ولی کی طرح نگرانی کرے گی اور ایسا انتظام کرے گی کہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

۲۔ سفیہ (جو اپنی دولت کو بے جا صرف کرتا ہے) کو اپنی جائداد اور مال میں تصرف سے روکنے کا حق قانونی

طور پر ولی یا وصی کو نہیں ہے خواہ وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کا قانونی حق صرف حکومت کو ہے۔ ان دو قسموں کے علاوہ ایک اور قسم جن کا ذکر حدیث نبویؐ میں ہے، وہ مقرر من کے مال و جائداد کو حجر کرنا (روکنا) ہے۔ اگر کوئی مقرر من صاحب مال و جائداد ہوتے ہوئے قرض خولہ کا قرض ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ کی درخواست پر حکومت اس کی جائداد ڈاک خانے یا بینک کاروپیدہ یا اسباب خانہ داری کو قرض کر کے اس کو مجبور کرے گی کہ وہ قرض ادا کر دے، اگر وہ ادا نہیں کرے گا تو حکومت اس کی جائداد یا سامان کو فروخت کر کے دائن (قرض خواہ) کا قرض ادا کرے گی۔

سفیہ و مسہرات اور نابالغ بچوں کے بارے میں قرآن میں تفصیلی احکام موجود ہیں، ان کے دلی اور مہربانی لوگوں کو یہ ہدایات دی گئی ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السَّفَهَاءَ اَمْوَالِكُمْ الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَمًا وَاَرْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْتُمُوهُمْ وَقَوْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿۵﴾

(نساء، آیت-۵)

اور وہ مال جس کو اللہ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے کم عقلموں کو نہ دو کہ وہ اسے ضائع کریں، ان کو کھانا کپڑے دیتے رہو اور ان سے اچھائی اور بھلائی کی باتیں کہتے رہو۔

وَابْتَغُوا الْيَسْرَةَ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ اُنْتَهَمْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوهَا اِسْرَافًا وَّيَدًا اِنْ تَكْفُرُوا ﴿۶﴾

(نساء، آیت-۶)

اور نابالغ یتیموں کو آزمانے رہو یہاں تک کہ وہ جین نکاح کی عمر کو پہنچیں اور تم ان کو اہل اور نیک چلن محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور تم اپنی نگرانی کے دوران ان کے مال کو جلدی جلدی بے جا طریقے سے نہ کھاؤ کہ مبادا وہ بڑے ہو جائیں گے۔

ان آیات میں حسب ذیل باتوں کا حکم ملتا ہے:

۱۔ کبھی شخص کو اپنی ملکیت میں نفرت کا حق اسی وقت تک ہے، جب تک کہ وہ اس کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کرے، لیکن جب وہ جائز حدود سے تجاوز کرنے لگے تو اس کے حقوق جو اس کی اپنی ملکیت پر تھے سب کھینچے جائیں گے۔ مال اگرچہ ایک آدمی کا ہوتا ہے مگر خدا نے اُسے بہت سے آدمیوں کی زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، فنونِ خیر کرنے والا اپنا مال ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مفاد بھی تباہ کر رہا ہے، لہذا یہ بات سب کے مفاد میں ہے کہ اُسے نفرت کے حق سے معزول کر دیا جائے البتہ اس کی بنیادی ضرورتیں ہر حال میں پوری کی جائیں۔

۲۔ یتیم نابالغ بچے جو اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، ان کا مال ان کے ہاتھ میں سہ دینا چاہیے بلکہ ان کے ولی اور مربی کی نگرانی میں رہے اور جب ان میں رشد یعنی اچھے برے کی سمجھ اور تصرف کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اللہ کی بخشی ہوئی دولت برباد نہ ہو۔

۳۔ ولی اور مربی کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ایک امین کی حیثیت سے مال و جائداد کا تحفظ اور اس کی نگرانی کریں اور اس سلسلہ میں انہیں جو خدمت سرانجام دینا پڑے اس کا مناسب معاوضہ بھی اس مال و جائداد سے لیں لیکن انہیں یہ ہرگز زیبا نہیں کہ یتیم کا سرمایہ جس کے وہ امین اور محافظ بناتے گئے ہیں اس میں سے جلد سے جلد بیجا مصارف کرتے رہیں اور جب وہ سن رشد کو پہنچے تو اس کا سرمایہ تقریباً ختم ہو چکا ہو۔ اگر خدانے ان کو خوشحالی عطا کی ہے تو انہیں چاہیے کہ یتیم کے مال سے کچھ بھی نہ لیں۔

حجر کی کچھ اور صورتیں
کوئی مدرس بچوں کو غلط پڑھاتا ہو۔ کوئی معلم اخلاق اپنے شاگردوں کے اخلاق سدھارنے کے بجائے بگاڑتا ہو۔ کوئی دارالاشاعت فحش مواد شائع کرتا ہو۔ کوئی مفتی غلط

فتوے دیتا ہو، کوئی غیر سند یافتہ ڈاکٹر یا نیم حکیم مطلب کھول کر لوگوں کی صحت برباد کرتا ہو یا کوئی پیشہ ور دھوکے کا کاروبار کرتا ہو تو ایسے تمام لوگوں کو ان کے پیشے سے روک دیا جائے گا جس کا حق صرف اسلامی حکومت ہی تو ہے۔ عام لوگ حکومت تک شکایت پہنچا سکتے ہیں مگر قانون ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ حکومت بھی صرف پیشہ یا پریکٹس کو روک دے گی، باقی معاملات پر پابندی نہیں لگائے گی۔

حجر کا حکم دیتے وقت حجور کی موجودگی
جس کسی کو تصرف سے روکا جاتا اس وقت اس کی موجودگی ضروری نہیں، مال اور جائداد کو صاحب مال کی عدم موجودگی میں بھی حجر کیا جاسکتا ہے البتہ اس کو اس کی اطلاع ضروری جائے گی۔

حجر کے متعلق بعض ضروری مسائل
۱۔ اگر کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہے تو حکومت اس کو تو امین شرعی کے مطابق سزا دے گی لیکن جائداد اور دوسرے اموال کو

حجر نہیں کریگی۔۔۔ اسی وقت ہوگا جب وہ اپنے مال کو غلط یا بیجا طریقوں سے منافع کرنے لگے۔

۲۔ نا سمجھ لڑکے کا ولی مال پر تصرف کرنے کی اجازت اس کو نہیں دیکھا اور اگر وہ کوئی تصرف کرتا ہے تو وہ باطل قرار پائے گا اور اس کے تصرف کرنے سے اگر کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس کا گناہ ولی پر ہوگا۔ اس کی بیع و شراہ و فروخت اور خریدہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر ولی نے اجازت بھی دے دی ہو تو وہ قانوناً معتبر نہ ہوگی۔

۳۔ نابالغ لڑکا اگر سمجھ دار ہو اور وہ ایسا معاملہ کرے جس میں نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو بلکہ فائدہ ہی متوقع ہو، تو ایسا معاملہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی نے اس کو تحفہ کوئی چیز دی یا ہبہ کی اور اس نے اسے قبول کر لیا تو وہ چیز اس کی ملک ہو جائے گی لیکن اگر اس نے ایسا معاملہ کیا جس میں فائدے کی کوئی توقع ہی نہ تھی بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ تھا تو اگر ولی نے معاملہ کرنے کی اجازت دے دی ہو تو بھی معاملہ باطل قرار پائے گا، حتیٰ کہ اس کا ہبہ کرنا اور ہدیہ دینا بھی نامعتمد ہے۔ وہ چیز قانوناً واپس لی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی سمجھ والا لڑکا جس میں نفع اور نقصان کی تیز ہے کوئی چیز ولی کی اجازت سے بیچے یا خریدے تو صحیح ہے لیکن اگر ولی اجازت نہ دے تو باطل ہے۔

۴۔ بالغ ہو جانے کے بعد جب ولی اس کی جائداد یا مال اس کے حوالے کرنا چاہے تو پہلے تھوڑا مال دے کر اس کی اہلیت کی جانچ کر لے، جب یہ تجربہ اور جانچ ہو جاتے کہ وہ کام کو بخوبی سمجھتا ہے تو قابل ہوگا ہے تب ہی وہ اس کی ساری جائداد اور مال اس کے حوالے کرے۔

۵۔ سمجھ دار نابالغ کو اس کی دولت و جائداد سپرد کر دینے کے بعد اگر ولی محسوس کرے کہ تصرف ٹھیک ڈھنگ سے نہیں کر رہا ہے تو وہ دوبارہ حجر کر سکتا ہے لیکن بالغ ہو جانے کے بعد حکومت حجر کر سکتی ہے۔ ولی کو یہ حق نہیں رہتا۔

۶۔ اجازت صراحتاً الفاظ سے دی جاتی ہے لیکن کبھی طرز عمل سے بھی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ ایک ہوشیار نابالغ لڑکے کو اس کا ولی خرید و فروخت کرتے دیکھے اور کوئی روک ٹوک نہ کرے تو یہ اجازت سمجھی جائے گی اور لڑکے کا تصرف کرنا صحیح مانا جائے گا۔

بالغ ہونے کی عمر لڑکے ۱۲ بارہ برس کی عمر سے ۱۴ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں ۹ برس سے تیرہ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتی ہیں، علامات بلوغ ظاہر ہوں یا نہ ہوں۔ پندرہ برس کی عمر ہونے پر لازمی بالغ قرار دیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ولایت کا حق دار باپ ہے اس کے بعد وہ جسے باپ حجر کے سلسلے میں ولی کس کو قرار دیا جائے گا نے اپنی زندگی میں وصی مقرر کر دیا ہو یعنی لڑکے کا مربی اور نگران، اگر باپ کی وفات ہو گئی ہو لیکن اس کا مقرر کردہ وصی موجود ہو تو وہ جس کو لڑکے کا مربی مقرر کر دے

اب وہ ولی ہو جائے گا۔ باپ یا باپ کے مقرر کردہ وصی دونوں کے انتقال کی صورت میں دادا (اگر زندہ ہے) ولی ہوگا۔ اور اسے بھی باپ کی طرح اپنی زندگی میں دوسرے کو ولی مقرر کر دینے کا حق ہے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر حکومت اس کی ولی ہوگی۔ رہے دوسرے اعزہ واقربا، تو حجر میں وہ ولی نہیں ہو سکتے۔ البتہ باپ دادا یا حکومت ان میں سے کسی کو نگران بنادیں تو انھیں ولی کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

سقیہ اور مدیون کی حیثیت جب سینہ اور مدیون کو اپنی جائداد اور مال میں تصرف سے روکا جائے گا تو ان کا معاملہ نابالغ کے ساتھ معاملے سے مختلف نہیں ہوگا،

سوائے اس کے کہ ان کی ولایت کا حق بحکم حکومت کے اور کسی کو نہ ہوگا۔

- ۲- حکومت ان کا اور ان کے بال بچوں کا خرچ ان کی جائداد یا مال سے پورا کرے گی۔
- ۳- جین دوسرے لوگوں کے حقوق ان پر ہوں گے وہ بھی ان کی جائداد یا مال سے پورے کئے جائیں گے۔

۴- مدیون کا وہی مال یا جائداد ترقی کی جائے گی جو حجر کے وقت موجود ہوگی۔ اس کے بعد وہ جو کچھ کماتے گا اس میں حکومت کو مداعت کا حق نہیں ہے۔

- ۵- مدیون کی جائداد اور مال جس پر تصرف روک دیا گیا ہے اگر اس کے علاوہ مدیون کے پاس کوئی ذریعہ معاش اور نہیں ہے تو اسی سے اس کے بال بچوں کا خرچ پورا کیا جائیگا۔
- ۶- سیفہ جسے اپنی جائداد میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے، اگر کوئی قرض لے لے تو وہ بھی اس کی جائداد سے ادا کیا جائے گا، البتہ اگر کسی فصول خرچ کے واسطے قرض لیا ہو تو حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہوگی۔

شُفْعہ

شُفْعہ کے معنی اور تعریف
شُفْعہ کے معنی ملانے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں کسی شخص کی خریدی ہوئی جائداد کو اپنی جائداد سے ملانے کو کہتے ہیں جس کا حق پڑوسی کو ہوتا ہے۔

متعلقہ اصطلاحیں
۱۔ شُفْع (شُفْعہ کرنے والا) (۲) مشفوع (جس زمین یا مکان کا شُفْعہ کیا جائے) (۳) مشفوع بہ (شُفْع کی اپنی زمین یا مکان یا آن کا حصہ جو مشفوع سے ملحق ہو) (۴) جارِ پڑوسی (۵) جارِ مُلاصِق (وہ پڑوسی جس کا مکان بالکل ملا ہوا ہو۔)

شُفْعہ کا حق
کوئی شخص اپنی جائداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاسکتی مثلاً: زمین یا مکان بیچنا چاہتا ہے تو اُس کی زمین یا مکان تو کسی بڑی زمین اور مکان کا حصہ ہوگا یا اُس کے ملحق دوسروں کی زمین اور مکان ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں اُس کے تعلقات دوسرے حصہ داروں اور پڑوسیوں سے ہوں گے یعنی آپس میں ایک دوسرے کے نفع نقصان اور تکلیف و آرام کا خیال رکھتے ہوں گے جیسا کہ ایک صالح معاشرے میں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی اجنبی شخص اُس بیچنے والے شخص کے حصہ زمین یا مکان کو خریدتا ہے تو ہو سکتا ہے اُس سے پڑوسیوں کے تعلقات استوار نہ رہیں یا اُس کا مزاج اُن لوگوں سے مختلف ہو جس سے دونوں کو تکلیف ہو یا معاشرے میں کسی قسم کا بگاڑ رونما ہو اس مصلحت کے پیش نظر شریعت نے شُفْعہ کا قانون نافذ کرنے کی اجازت دی ہے یعنی یہ بائع جتنی قیمت میں یہ جائداد بیچ رہا ہے اگر شُفْع چاہے تو اتنی ہی قیمت پر وہ جائداد لے سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مشترک جائدادوں میں

شُفْعہ کا فیصلہ فرمایا ایک حدیث میں ہے:

قضى بالشفعة في كل شركة
 لم تقسم ربعة او حائط
 لا يحل له ان يبيع حتى
 يوذن شريكه فان شاء
 اخذ وان شاء ترك فان
 باعه ولم يوذن فهو
 احمق به (مشکوٰۃ)

ہر مشترک جائداد میں خواہ مکان ہو یا باغ اور زمین
 ہو آپ نے شفیعہ کا فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ جائز
 نہیں ہے کہ اُسے بیچ دے تا وقتیکہ دوسرے
 شریک سے اجازت نہ لے لے۔ اگر شریک چاہے
 تو خود خرید لے ورنہ چھوڑ دے اگر شریک
 کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا تو شریک
 زیادہ حقدار ہے۔

شفعة کے اسباب

۱- وہ شخص جو فروخت ہونے والی جائداد میں حصہ دار ہو۔
 ۲- وہ شخص جس کی زمین یا مکان اور فروخت ہونے والی زمین یا
 مکان میں کسی نوع کی شرکت ہو مثلاً دونوں اشخاص کی زمینوں کو ایک ہی کتوں سے پانی دیا جاتا ہو
 یا دونوں کے مکاؤں کا ایک ہی راستہ ہو۔ (۳) وہ پڑوسی جس کی زمین فروخت کرنے والے کی
 زمین سے یا جس کا مکان فروخت کرنے والے کے مکان سے ملا ہوا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک
 ان سب کو شفیعہ کی اجازت ہے مگر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پہلے دو
 شخصوں کو اجازت ہے، تیسرے شخص یعنی پڑوسی کو نہیں ہے۔

حق شفیعہ میں ترتیب

پہلا حقدار شفیعہ کرنے کا وہ شخص ہے جو فروخت ہونے والی جائداد
 میں حصہ دار ہو۔ دوسرا حقدار وہ شخص ہے جو جائداد سے نفع
 اٹھانے میں اشتراک رکھتا ہو تیسرا حقدار وہ پڑوسی ہے جس کا مکان یا زمین ملی ہوئی ہے یعنی
 پڑوسی۔ اُس پڑوسی کو فوقیت حاصل ہوگی جو نفع اٹھانے میں مشترک ہو جیسے دونوں کے مکاؤں
 کا راستہ ایک ہو یا دونوں زمینوں کو ایک ہی ذریعے سے پانی پہنچتا ہو۔

(نوٹ) دو منزلہ مکان جس میں اوپر کی منزل کسی ایک شخص کی ہو اور دوسری منزل کسی دوسرے
 کی تو دونوں ایک دوسرے کے جارِ ملاقا ہیں۔

۲- اگر دو پڑوسیوں کے مکاؤں کی ایک دیوار مشترک ہو تو دونوں مکان میں شریک سمجھے
 جائیں گے یعنی پہلے ان ہی کو شفیعہ کا حق ہوگا لیکن اگر کسی پڑوسی نے پڑوسی کی دیوار پر پٹی یا کڑی

رکھ لی یا اُس پر سلیب لگا لیا اور پڑوسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس سے وہ شریک نہیں بلکہ پڑوسی ہی سمجھا جائے گا۔

۳۔ اگر کسی زمین یا مکان کے دو یا زیادہ شیفع ہوں اور سب کے حصے برابر نہ ہوں تو بھی حق شفیعہ کے لئے سب برابر ہوں گے۔ مثلاً تین شریک ہوں جن میں ایک کا آدھا حصہ ہو اور باقی آدھے میں دو آدمی ہوں جن میں سے ایک کا تیسرا اور ایک کا چھٹا حصہ ہو تو اگر آدھے حصے والا اپنا حصہ بیچتا ہے تو ان دونوں کو برابر کے شفیعہ کا حق ہوگا اور دونوں اُسے حق شفیعہ سے لے کر برابر تقسیم کر لیں گے قیمت بھی دونوں کو برابر دینا ہوگی۔ حصے کی کمی بیشی کا کوئی اثر حق شفیعہ پر نہیں پڑے گا۔

شفیعہ کے شرائط اور ضروری مسائل جیسے ہی شفیعہ کو اطلاع ملے کہ شرکت کی یا جواری کی زمین بیچی یا ہبہ کی گئی ہے اسی وقت اُسے اعلان کر دینا چاہیے کہ میں شفیعہ کا حق استعمال کروں گا یا ایسا طرہ عمل جس سے اُس کی ناراضگی یا شفیعہ میں لینے کا رجحان واضح ہو اختیار کرنا چاہیے۔ اگر وہ یہ سن کر خاموش رہا تو پھر شفیعہ کا حق نہیں رہے گا۔

۲۔ جائیداد فروخت کرنے یا ہبہ کرنے سے پہلے محض ارادہ معلوم ہونے پر شفیعہ کا حق قائم نہیں ہوتا۔
۳۔ جس جائیداد کے بیچنے یا ہبہ کرنے میں شفیعہ کی رضامندی شامل ہو اُس میں اُس کو شفیعہ کا حق نہیں ہے مثلاً اُس نے خود بیچنے کا مشورہ دیا یا بیع کا علم ہونے پر کہا کہ ”اچھا ہوا“ تو پھر اُس کو شفیعہ کا حق نہیں رہا۔

۴۔ صرف غیر منقولہ جائیداد مثلاً باغ، زمین اور مکان وغیرہ میں ہی شفیعہ ہو سکتا ہے۔ منقولہ اموال یا وقف اور حکومت کی جائیداد میں شفیعہ کا حق نہ ہوگا۔

۵۔ اگر جائیداد خریدنے والے سے شفیعہ نے یہ کہا کہ تم اتنی رقم دو تو میں حق شفیعہ سے باز آ جاؤں تو اس کہنے سے شفیعہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور حق کا دباؤ ڈال کر روپیہ لینا رشوت کی طرح حرام ہے۔

۶۔ کسی مکان کا خریدنے والا شفیعہ کو گمراہ کرنے کے لئے کہے کہ میں نے یہ مکان دس ہزار

میں خریدا ہے۔ شفیع نے رقم کی زیادتی کی وجہ سے شفعہ نہیں کیا لیکن بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ وہ مکان کم قیمت میں بکا ہے تو اُسے دوبارہ شفعہ کرنے کا حق ہوگا۔

۷۔ لیکن اگر اس عرصے میں خریدار نے بیع میں کوئی اضافہ کر دیا مثلاً زمین میں کوئی عمارت بنائی یا بنی ہوئی عمارت میں توسیع کر دی یا درخت لگالیے تو شفیع یا تو تمام کی قیمت دے کر اس جائداد کو لے لے یا اپنے حق سے باز آجائے۔

۸۔ شفیع نے جس مکان یا باغ کا شفعہ کیا ہے اس کی پوری قیمت ادا کرنا ہوگی خواہ مکان شفعہ کرنے کے بعد گر گیا ہو یا باغ کے درخت سوکھ گئے ہوں بشرطیکہ خریدنے والے نے قصداً مکان گرایا نہ ہو اور باغ کے درختوں کو جان بوجھ کر نقصان نہ پہنچایا ہو۔

۹۔ اگر شفعہ کا دعویٰ کرنے کے بعد فیصلہ ہونے سے پہلے شفیع کا انتقال ہو جائے تو شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا، وارثوں کو یہ حق منتقل نہ ہوگا۔

۱۰۔ شفیع نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے لیکن اس کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے تو اس تاخیر سے اس کا حق متاثر نہیں ہوگا۔ شفیع مشفوع کو دو طرح سے حاصل کر سکتا ہے:

۱۔ اسلامی حکومت کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کر کے۔

۲۔ خریدار کو قیمت ادا کر کے اگر وہ اس پر راضی ہو جائے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا حق دفع ضرر کے
مسلم اور غیر مسلم کا حق برابر ہے لئے ہے اس میں مسلم، غیر مسلم، باغی، عادل سب
 برابر ہیں۔ اس لئے شفعہ کا استحقاق بھی برابر سب کو حاصل ہے۔

غضب

کسی کی کوئی چیز اُس کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر اور بلا استحقاق زبردستی لے لینا
 غضب کہلاتا ہے اور یہ بڑا گناہ ہے، قرآن اور حدیث میں اس کی سخت مذمت فرمائی گئی ہے
 یہاں تک کہ بیوی کو شوہر کی چیز اور شوہر کو بیوی کی چیز، باپ کو بیٹے کی چیز اور بیٹے کو باپ کی چیز

بھی بے اجازت لینا اور استعمال کرنا صحیح نہیں ہے ایسا کرنے والے کو غاصب کہا جائے گا۔ اس کی سزا اس کو دنیا میں بھی دی جاسکتی ہے اور آخرت میں اس کو عذاب کی وعید ہے۔ ”غصب“ ظلم کی بدترین قسم ہے، قرآن میں ناحق اور بلا ضرورت کسی کا مال کھانے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں یعنی اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا رہے ہیں۔ قرآن نے یہاں ظلم کا لفظ استعمال کیا ہے جو ہر طرح کی زیادتی، زبردستی، سستی، تلخی اور غصب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ غصب تو ظلم اس حیثیت سے بھی ہے کہ غاصب یا تو کسی کمزور کا یا کسی نابالغ یتیم کا مال ناروا طریقے سے کھاتا ہے، اگر کمزور کو طاقت حاصل ہوتی اور یتیم اگر بالغ ہوتا تو اپنی دولت کو اس طرح ہرگز برباد کرنے کی اجازت نہ دیتا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں اس کی مذمت کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غصب ایک بدترین ظلم ہے، آپ نے تاکید اور تنبیہ کے انداز میں فرمایا (جو الہیہ قطنی)
 اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اِلَّا لَا يَحِلُّ
 ہوشیار! خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا۔ ہوشیار! خبردار کسی
 مَالٌ اَمْرًا اِلَّا بِطَيِّبِ نَفْسِهٖ ۔
 آدمی کا مال اُس کی مرضی کے بغیر لینا حرام ہے
 آپ نے فرمایا کہ بلا اجازت کسی کی چیز نہ تو سنجیدگی سے لینا درست ہے نہ مذاق اور تفریح کے انداز سے۔

لَا يَأْخُذْنَ اَنْحَدُكُمْ مَتَاعَ
 اَخِيْهِ جَادًا وَّلَا لَاعِبًا ۔
 تم میں سے ہرگز کوئی اپنے بھائی کا مال نہ تو
 سنجیدگی سے لے اور نہ ہنسی میں۔
 آپ نے فرمایا کسی کی چھڑی بھی بغیر اجازت نہ اٹھانا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کا دودھ دینے والا جانور پاجائے اور بغیر اجازت اس کا دودھ دوہ لے، آپ نے ایک تمثیل دے کر فرمایا کہ تمہارے کھانے پینے کی کوئی چیز کسی برتن میں ہو کیا تم پسند کرو گے کہ اس کو توڑ دیا جائے اور وہ چیز گرجائے تو جس طرح تم یہ گوارا نہیں کرو گے کہ تمہارے کھانے پینے کی چیز کوئی اس طرح برباد کر دے۔ جانور بھی غذا کے برتن کی طرح ہیں، ان کو مالک کی اجازت بغیر خالی کر لینا درست نہیں ہے۔ (مسلم)

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک یا لشت زمین بھی کسی کی ناحق دبا لے تو قیامت کے دن

اس کی سات گئی زمین کا بوجھل طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کر لے تو اُس کو اُس کھیتی کا حاصل نہیں دیا جائے البتہ اُس کی محنت کی مزدوری دیدی جائے۔ اسلامی قانون میں اسی پر عمل ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت میں کسی کا حق مارنے والے سے کہا جائے گا کہ وہ غصب کی ہوئی چیز واپس کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا لہذا اس کی نیکی کا کچھ حصہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کی چیز غصب کی گئی ہوگی۔ اگر اُس کے اعمال نامے میں کوئی نیکی نہ ہوگی تو حقداروں کے گناہوں کا کچھ بوجھ اس پر ڈال دیا جائے گا اور جس کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی اس کو اجر ملے گا بشرطیکہ اس نے بھی ظلم کے بدلے میں ظلم اور غصب کے جواب میں غصب نہ کیا ہو یہ تو تھا آخرت کا عذاب، دنیا میں غصب اور ظلم کی سزا کی تفصیل آگے ذکر کی جا رہی ہے۔

۱۔ غاصب۔ غصب کرنے والا (۲) معصوب۔ وہ چیز جو غاصب نے غصب کی۔

اصطلاحات

۳۔ معصوب منہ۔ وہ شخص جس کا مال غصب کیا گیا۔

غصب کی شرعی تعریف

کسی حلال مال کو اُس کے جائز مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح لینا کہ وہ معصوب منہ یعنی اصل مالک کے قبضہ سے نکل کر غاصب کے قبضہ میں آجائے۔

غصب کا حکم

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کسی کی چیز اُس کی اجازت کے بغیر لے لینا سخت گناہ ہے، اگر لینے والے نے قصداً ایسا کیا ہے، اور اگر غلطی سے یاد ہو کہ کھا کر اپنی چیز تصور کرتے ہوئے کسی کی کوئی چیز لے لی تو گناہ تو نہیں ہوگا صرف وہ چیز واپس کرنا ہوگی۔ غلطی اور چوک کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے اگر صدق دل سے استغفار کیا جائے۔ شریعت کے مطابق دونوں صورتوں میں معصوب چیز معصوب منہ کو واپس کرنا ہوگی بیا اُس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۲۔ غاصب کے پاس معصوب جوں کا توں موجود ہو تو بعینہ وہی اُس سے واپس لیا جائے گا لیکن اگر اُسے خرچ کر دیا یا ضائع کر دیا تو اگر وہ چیز ایسی تھی جس کے مثل مل سکتی ہے تو خرید کر واپس کرنا ہوگی لیکن اگر نہیں مل سکتی یا بالکل اسی طرح کی نہیں ملتی تو پھر اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

۳۔ مغبوب مال کی قیمت غاصب واپس کر دے اور مغبوب منہ قبول نہ کرے تو حکومت اس کو لینے پر مجبور کرے گی۔

۴۔ مغبوب چیزیں خرابی یا کمی آنے کی وجہ سے اگر معمولی خرابی ہے تو وہ چیز واپس کرنے کے ساتھ خرابی کے بقدر تاوان بھی دینا پڑے گا لیکن اگر زیادہ خرابی آئی ہے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چیز واپس لے اور نقصان کے بقدر اس کا تاوان لے لے۔ یا چیز واپس نہ لے بلکہ پوری قیمت وصول کر لے۔

۵۔ اگر غاصب نے مغبوب چیز میں ایسی تبدیلی کر دی کہ اس کی نوعیت یا نام بدل گیا جیسے گہوؤں عصب کر کے اس کا آٹا بنا دیا یا بکری غصب کر کے ذبح کر ڈالا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز غاصب کی ملکیت بن گئی تو اس کو چیز کی پوری قیمت دینا پڑے گی اور جب تک قیمت ادا نہیں کر دے گا اس کو استعمال کا حق نہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے کپڑا غصب کیا اور اسے رنگوالیا تو مالک کو کپڑا لینے یا پوری قیمت لینے یعنی دونوں باتوں کا حق ہوگا، کپڑا لینے کی صورت میں رنگائی کی قیمت مالک کو دینا پڑے گی، اسی طرح اگر کسی نے سونا یا چاندی غصب کر کے اس کا زیور بنوا لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہی چیز مالک کو واپس کر دینے کا حکم دیتے ہیں مگر صاحبین کے نزدیک زیور نہیں بلکہ سونے یا چاندی کی قیمت دلائی جائے گی۔

۶۔ مغبوب چیز میں جو خود بخود زیادتی ہوگی وہ سب مالک (یعنی مغبوب منہ) کی ہوگی مثلاً: جانور نے بچہ دیا یا باغ میں پھل آگیا تو یہ سب مالک کا حق ہے، اگر غاصب اسے فروخت یا ضائع کرے گا تو تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ اگر غاصب نے غصب کرنے کے بعد اس میں خود کچھ اضافہ کر دیا مثلاً زمین کو غصب کر کے مکان بنا لیا یا اس میں درخت لگا لیے تو اسے حکم دیا جائے گا کہ اپنی تعمیر کو ڈھادے۔ درختوں کو کاٹ لے جائے لیکن اگر مکان کو گرانے یا درختوں کو کاٹنے سے زمین کو کوئی نقصان ہوتا ہو تو مالک اگر اس کی قیمت دے کر خود لے لے تو یہ بات اخلاقاً زیادہ مستحسن ہے بہ نسبت اس کے کہ قالوٹا غاصب پر زیادتی کی جائے۔

اتلاف مال

کسی کا نقصان کر دینا یا قصد کسی نقصان کا سبب بننا بھی بڑا گناہ ہے۔ جان کا تلف کرنا تو سب سے عظیم گناہ ہے اس کے احکام بھی بہت سخت ہیں یہاں صرف مال کو تلف کرنے کے بارے میں احکام کا ذکر مقصود ہے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کا برتن توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاوان دلوادیا۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی کی چیز قصد آیا بغیر قصد کے ضائع کرتا ہے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ قصد ابیں گناہ بھی ہوگا اور تاوان بھی دینا پڑے گا جبکہ بلا قصد ضائع کرنے میں گناہ تو نہیں ہوگا مگر تاوان لیا جائے گا۔

کسی چیز کو ضائع کرنے یا نقصان پہنچانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ براہ راست کوئی چیز ضائع کر دی یا اس کو نقصان پہنچا دیا، دوسرے یہ کہ کوئی فعل نقصان کا یا ضائع کرنے کا سبب بنا مثلاً کسی نے ایک چیز زمین پر پٹک دی اور وہ ٹوٹ گئی یا قصد ایسی جگہ رکھ دی یا کسی نا سمجھ بچے کے ہاتھ دے دی کہ گر کر ٹوٹ گئی۔ تو پہلی صورت براہ راست نقصان کی ہوتی جبکہ دوسری صورت میں وہ نقصان کا سبب بنا۔ دونوں صورتوں میں تاوان دینا لازم ہوگا پہلی صورت میں تو نقصان پہنچانے والا اول و آخر ایک ہی شخص ہے لیکن دوسری صورت میں ایک دوسرا شخص بھی نقصان رسانی کا مرتکب ہوا تو پہلے شخص پر اس کی ذمہ داری نہیں رہے گی مثلاً کسی نے راستے میں کنواں کھود لیا اب اگر کوئی آدمی اس میں خود گر گیا تو اس کا خوں بہا کنواں کھودنے والے کو دینا پڑے گا لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی کسی آدمی یا جانور کو کنویں میں گرادے تو اس کی ذمہ داری گرانے والے پر ہوگی، کنواں کھودنے والے پر نہیں ہوگی۔

براہ راست نقصان کرنے والے کو تاوان دینا پڑے گا خواہ
قصد کیا ہو یا بغیر قصد کے مثلاً کسی نے کوئی چیز مستعار لی
یا بطور کرایہ لی یا بطور امانت رکھی اور اس نے اس کو قصداً توڑ دیا یا غلط طریقے پر استعمال کیا اور

اس کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کی تو اس کو نقصان کا جرمانہ دینا پڑے گا جیسے کسی نے سائیکل لی اور خراب راستے پر یا مجمع میں تیز چلائی اور کوئی پرزہ ٹوٹ گیا یا کسی سے لڑائی تو اس کو اس کا جرمانہ دینا پڑے گا یا کسی سے کتاب غارتی اور اسے ایسی جگہ رکھ دیا کہ چوہے نے اس کا کچھ حصہ کاٹ دیا یا کسی بچے نے اسے پھاڑ دیا تو اس کو نقصان کے بقدر تاوان دینا پڑے گا اور اگر وہ بالکل بیکار ہو گئی تو پوری قیمت دینا پڑے گی۔

۲۔ کوئی پھسل کر گر پڑا اور ہاتھ میں دوسرے کی کوئی چیز تھی جو ٹوٹ گئی یا کسی چیز کے اوپر گر پڑا اور وہ چیز ٹوٹ گئی تو دونوں صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز اپنی سمجھ کر توڑی یا ضائع کر دی یا خرچ ہونے والی چیز کو خرچ کر دیا تو اس کا بھی تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ ایک شخص نے کسی کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور وہ پھٹ گیا تو پوری قیمت دینا پڑے گی۔ لیکن اگر اس نے دوسرے آدمی کا دامن پکڑا اور دوسرے نے جھٹکا دیکر چھڑا یا اور کپڑا پھٹ گیا تو نصف قیمت دینا پڑے گی کیونکہ دونوں کے فعل سے کپڑا پھٹا اس لئے ذمہ داری آدھی آدھی ڈالی جائے گی۔

۵۔ اگر کسی کا بچہ کسی شخص کی چیز کا نقصان کر دے تو تاوان اس کے وارث سے نہیں لیا جاسکتا البتہ اس بچے کے نام کوئی مال یا جائیداد ہے تو اس سے اس کی قیمت ادا کی جائے گی یا اس وقت تک انتظار کیا جائے گا جب وہ ادائیگی کے قابل ہو جائے۔ یہ قانونی حکم ہے۔ لیکن اخلاقاً بچے کا باپ جو اس کے تمام مصارف کا کفیل ہے قیمت ادا کر سکتا ہے۔

۶۔ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے مکان کا کوئی حصہ گرا دیا یا کوئی درخت کاٹ دیا یا درخت کا پھل توڑ کر گرا دیا تو نقصان کرنے والے کو تاوان دینا پڑے گا۔ مکان جو گرا دیا اس کے ملے کی قیمت (اگر اس کی کوئی قیمت ہے) وضع کر کے بقیہ کا تاوان مالک مکان کو ادا کیا جائے گا۔ مالک مکان کو اختیار ہے کہ ملے مکان ڈھانے والے کو دیدے اور پورے نقصان کا معاوضہ لے لے۔ اسی طرح درخت کی لکڑی اور پھل کی قیمت وضع کر کے تاوان لے یا پوری قیمت لے دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

۷۔ اگر گاؤں یا محلہ میں آگ لگ جائے اور لوگ اس خیال سے کہ دوسرے مکانوں تک نہ

پہنچے پاس کامکان گرا دیں اور پیٹ پیٹ کر آگ کو دبا دیں تو مکان گرانے یا آگ بجھانے میں کوئی چیز ٹوٹ گئی تو اس کا تاوان ان لوگوں کو دینا پڑے گا جن لوگوں نے نقصان کیا ہے۔ البتہ اگر حکومت کے ذمہ داروں کے حکم سے مکان گرایا گیا یا اس کو نقصان پہنچایا گیا ہے تو گرانے والوں سے کوئی تاوان نہیں لیا جاسکتا اس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

نقصان کے بدلے میں نقصان کرنا جائز نہیں ۸۔ اگر زید نے عمر کی کسی چیز یا مال کا نقصان کیا ہے تو عمر اس سے تاوان لے سکتا ہے لیکن شریعت نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ زید کی کسی چیز یا مال کا نقصان کرے اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا اور زید کی چیز کے نقصان کا معاوضہ بھی دینا پڑے گا۔ نقصان کے بدلے میں نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ صرف تاوان ہی بدلہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ دونوں کو ایک دوسرے کے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

نقصان کرنے پر تاوان ہے محض حکم دینے پر نہیں ہے ۹۔ اگر خازن نے طارق سے توڑ دو یا پھینک دو یا کسی اور طرح کا نقصان پہنچاؤ تو سزا اور تاوان نقصان کرنے والے پر ہے حکم دینے والے پر نہیں۔ البتہ اگر یہ حکم اسلامی حکومت کا ذمہ دار دے یا ایسا کرنے پر اسے مجبور کر دیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں کرنے والے پر ذمہ داری نہیں ہے۔

نقصان کا سبب بننا "الْمُسَبِّبُ لَا يُضْمَنُ إِلَّا بِالتَّعَدُّ" کسی نقصان کا سبب بننے والا قصد و ارادے سے ہی ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ تشریحات یہ ہیں۔

۱۔ کسی نے کسی شخص کے کمرے یا بکس کا قفل کھول دیا اور اس سبب سے کوئی چیز چوری ہو گئی تو اس کا تاوان کمرے یا بکس کا قفل کھولنے والے پر ہوگا۔ اسی طرح کسی نے کسی کی کھیتی یا باغ میں پانی جانے نہیں دیا جس سے کھیتی یا پھلوں کو نقصان ہو گیا یا اپنے کھیت کا زیادہ پانی دوسرے کے کھیت میں کاٹ دیا جس سے اس کی زراعت ضائع ہو گئی تو پانی کے روکنے والے اور کاٹ دینے والے سے اس کا تاوان لیا جائے کیونکہ ان تمام صورتوں میں

قصداً نقصان پہنچایا گیا۔

۲۔ کوئی شخص راستے میں جا رہا ہے کوئی جانور اُسے دیکھ کر بھڑکا اور رستی تڑا کر بھاگ گیا اور وہ گم ہو گیا تو اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے البتہ اگر اُس نے بھڑکا دیا تھا یا چھتری دکھا کر ڈرایا تھا تو اُسے اُس کی قیمت دینا پڑے گی۔ کسی نے شکار کرنے کے لئے بندوق چلائی اور آواز سے ڈر کر کوئی بچہ گر پڑا اور اُسے موت آگئی یا کوئی جانور رستی تڑا کر بھاگا اور گم ہو گیا تو بندوق چلانے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اُس نے قصداً ڈرانے ہی کے لئے بندوق چھوڑی تھی تو وہ ذمہ دار ہوگا۔

۳۔ اگر کسی نے عام راستے پر کوئی کنواں حکومت کے حکم سے کھودا اور کوئی گر گیا تو اس پر اس کا خون بہا نہیں ہے بلکہ حکومت پر ہے لیکن اگر خود اُس نے اپنی طبیعت سے ایسا کیا ہے تو اُس کو خون بہا دینا پڑے گا۔ اگر اُس نے اپنی ذاتی زمین میں کوئی کنواں کھودا اور کوئی آدمی گر کر مر گیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

مزدوروں اور پیشہوروں کے نقصان کرنے اور تاوان لئے جانے کا بیان اجارہ کے

باب میں آچکا ہے۔

جانوروں سے نقصان ہونے کا تاوان
۱۔ اگر کسی کا جانور رات میں یادن میں
اتفاق سے کھل گیا اور اُس نے کسی کا کھیت

کھا لیا تو اس نقصان کا تاوان جانور کے مالک سے نہیں لیا جاسکتا، نبی کریم کا ارشاد ہے:
العَجْمَاءُ جُرْحَهَا جَبَاسًا۔
جانور کے نقصان کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

لیکن اگر قصداً اُس نے کھول دیا یا کھل جانے کا علم ہوا اور اُس نے باندھنے کی کوشش نہیں کی، یا چرواہا ساتھ تھا مگر اس کے باوجود کھیت میں جانور پڑ گیا تو ان تمام صورتوں میں خواہ رات ہو یا دن تاوان لیا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے جانور عام راستے سے لے جا رہا ہے اور جانوروں نے کسی کا کھیت چر لیا یا کچل دیا یا اُس میں گھس گئے اور بہت سے پودے ضائع ہو گئے تو اُس کو تاوان دینا پڑے گا۔ البتہ اگر جانور نے پیر جھاڑا، دولتتی چلائی یا دم ہلانی اور اس سے کوئی نقصان

ہو گیا تو تاوان نہیں ہو گا کیونکہ یہ حیوان کی فطرت ہے جس سے مالک اُس کو باز نہیں رکھ سکتا۔
 ۳۔ سواری کے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے جو عام جانوروں کا ہے۔ لیکن اگر راستے میں کوئی گھوڑے یا اونٹ پر سوار جا رہا ہو اور کسی نے اُسے بھڑکا دیا اور وہ سھاگ پڑا تو جتنا نقصان ہو گا اُس کا تاوان بھڑکانے والے کے ذمہ ہو گا سوار پر نہیں ہو گا۔ اگر بھڑکانے والے کو جانور کی دولتیں لگے اور وہ مرجائے تو اس کاخوں بہا بھی مالک سے نہیں دلایا جائے گا کیونکہ مرنے والے نے خود جانور کو چھیڑا تھا۔

۴۔ اگر دو چرواہے جانوروں کے ساتھ ہوں ایک ان کے آگے (قائد) اور دوسرا اُن کے پیچھے (سائق) تو جانوروں سے جو نقصان ہو گا اُس کا تاوان ان دونوں چرواہوں سے لیا جائے گا۔
 وہ بے جان سواریاں جو ڈرائیور
 (چلانے والے) کے ذریعہ چلائی جاتی ہیں خواہ قصد اُن سے نقصان پہنچے یا بغیر قصد کے اس کا تاوان ڈرائیور سے لیا جائے گا جیسا کہ سائق اور قائد کے بارے میں ابھی بیان کیا گیا۔ الا یہ کہ کوئی خود سواری کے آگے آجائے یا کوئی چیز ڈال دے تو پھر ڈرائیور کی ذمہ داری نہیں ہے۔

وکالت

بہت سے کام ایسے پیش آجاتے ہیں جن کو آدمی خود انجام نہیں دیتا بلکہ دوسرے لوگوں سے انجام دلاتا ہے۔ کسی کام کے انجام دینے یا نہ دے سکنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں: کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی کام کی آدمی کو ضرورت تو ہوتی ہے لیکن اس کو پورا کرنے کی خود اُس میں صلاحیت نہیں ہوتی، کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کام میں مشغول ہوتا ہے اور کوئی دوسرا کام پیش آجاتا ہے اس لئے دوسرے سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے یا یہ کہ وہ کام اتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے دوسروں کو شریک کرنا پڑتا ہے، غرض یہ کہ جو کام آدمی خود کر لیتا ہے یا کر سکتا ہے اُس کو دوسروں سے بھی کر سکتا ہے، شریعت میں

اس کی اجازت ہے اور اسی کو وکالت کہتے ہیں۔

وکالت کے معنی اور اس کی ضرورت

وکالت کے معنی حفاظت، ذمہ داری اور کار سازی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت

وکیل بھی ہے کیونکہ وہ تمام کاموں کا نگران، محافظ اور کار ساز ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا وکیل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا محافظ یا اُس کے بجائے اُس کا ذمہ دار ہے، اسی سے لفظ وکیل ہے جس کے معنی کسی کو نگران مقرر کرنے یا کسی کو کام کا ذمہ دار بنانے کے ہیں۔

جو شخص کسی دوسرے کو اپنا کام سپرد کرتا یا ذمہ دار بناتا ہے اُسے موکل اور جو یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اُسے وکیل اور جس کام کے لئے وکیل بنا اُسے موکل فیہ یا موکل بہ کہتے ہیں مثال کے طور پر احمد کو ایک گھڑی خریدنا ہے لیکن اُسے گھڑی کی اچھائی بُرائی کی شناخت نہیں ہے اس لئے وہ ایک گھڑی کی پہچان رکھنے والے شخص خالد سے کہتا ہے کہ آپ میرے لئے ایک گھڑی اتنے روپے میں خرید دیجئے۔ خالد اس بات کو قبول کر لیتا ہے تو احمد موکل ہوا اور خالد وکیل اور گھڑی ”موکل بہ“ ہوئی۔ اسی طرح ایسے تمام کاموں کے لئے آدمی کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے جنہیں وہ خود انجام دینے کا حق تو رکھتا ہے لیکن کسی وجہ سے نہیں دے پاتا۔ ایسے موقعوں پر وکالت کا ذریعہ اختیار کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے جو اجماع سے ثابت ہے ائمہ فقہ میں کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے، قرآن سے اس کا جواز سورہ کہف کی اس آیت میں ہے:

فَاتَّبِعُوا أَحَدَكُمْ يَؤُدُّكُمْ مِّنْ ذَاتِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقِ

مِنَهُ (سورہ کہف، آیت ۱۹)

اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دے کر شہر میں بھیجو اور وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں

ملتا ہے وہاں سے وہ کچھ کھانے کے لئے لائے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بہت سے کاموں کے لئے دوسروں کو وکیل بنایا

ہے، مثلاً آپ نے حضرت حکیم بن حزام کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے فرمایا اور وہ

خرید کر لائے اور آپ نے حضرت ابو رافع کو ام المومنین حضرت میمونہ سے نکاح کے لئے اپنا وکیل بنا کر بھیجا، اُس وقت آپ مدینہ میں تھے اور حضرت میمونہ بنت حارث مکہ میں تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خرید و فروخت، مضاربت، شرکت، رہن، صلح، اپنے دعوے کی پیروی نکاح وغیرہ کاموں میں اپنا وکیل بنانے کی شریعت اسلامی میں اجازت ہے۔

وکالت کی فقہی تعریف اور وکیل کی حیثیت

وکالت کا لفظ عموماً ہماری زبان میں اس پیشے کے لئے بولا جاتا

ہے جس کے ذریعہ حق یا ناحق، سچ یا جھوٹ اپنا دعویٰ منوانے کی کوشش کی جاتی ہے اور وکیل وہ کہلاتا ہے جو غیر اسلامی قانون کے ذریعے غیر اسلامی عدالت کے سامنے ایسے مقدمات کی پیروی اور نمائندگی کرتا ہے لیکن اسلامی شریعت میں وکالت کا مفہوم اس سے بہت بلند ہے۔ وکیل حق و ناحق کی تمیز کے بغیر پیسہ کمانے والے کو نہیں کہتے۔ جو جائز ذمہ داری کسی انسان کے سپرد کی جاتی ہے اس کے لئے شریعت میں امانت کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی وہ اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک امین اپنی امانت کو ادا کرتا ہے۔ وکالت بھی ایک ذمہ داری ہے اور اسے اسی طریقے سے پورا کرنا ہے جس طرح ایک امین امانت کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے، وکالت کی تعریف فقہانے یہ کی ہے "تَقْوِيضُ أَحَدٍ أَمْرَهُ لِأَخْرَاجِ إِقَامَتِهِ مَقَامَهُ" کسی کو اپنا کام دوسرے کو سپرد کرنا اور اُسے اپنا قائم مقام بنا دینا۔"

کسی سے بھی معاملہ کرنے کے لئے دو چیزیں بنیادی طور پر ضروری ہیں: تراضی یعنی معاملہ کرنے والوں کی رضامندی اور معاملہ کا حرام، باطل اور ناحق نہ ہونا۔ ظاہر ہے کہ کسی غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا اور غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ چاہنا اسلامی شریعت کے نزدیک باطل ہے اور باطل پر رضامند ہونا جرم ہے۔ وکالت کے پیشے کی یہ محدود غلط اور غیر ذمہ دارانہ حیثیت اسلامی شریعت میں مقبول نہیں ہے بلکہ وکالت کا مفہوم امانت اور حق کی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔

وکالت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) وکالت با اُجرت اور (۲) وکالت بے اُجرت، دونوں کے احکام یکساں ہیں۔ صرف ایک معاملے میں وکیل بے اُجرت

کی ذمہ داری وکیل با اجرت سے کم ہو جاتی ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اجرت لے کر یا کمیشن پر کام کرنے والا وکیل با اجرت کہلاتا ہے، اسی طرح حکومت کے تمام ملازم اپنی حکومت کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں وہ حکومت کے وکیل با اجرت ہوتے ہیں اسی طرح اگر آپ اپنے ذاتی ملازم سے کام لیں یا کوئی کمیشن ایجنٹ مقرر کر دیں تو دونوں آپ کے وکیل قرار پائیں گے یعنی انھیں آپ کی ہدایت کے مطابق کام کرنا ہوگا۔

وکالت کے ارکان و شرائط ۱۔ دوسرے تمام معاملات کی طرح وکالت میں بھی موکل اور وکیل آپس میں معاہدہ کرتے ہیں اس لئے دونوں کا ایجاب و قبول ضروری ہے زبانی یا تحریری۔ مثلاً آپ نے کسی سے کہا یا کسی کو لکھا کہ میرا فلاں کام آپ کر دیجئے اور اُس نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ میں آپ کا فلاں کام کروں گا تو ایجاب و قبول ہو گیا۔ یا اُس نے کوئی جواب زبانی یا تحریری تو نہیں دیا مگر آپ کا کام کرنا شروع کر دیا تو اب وہ وکیل ہو گیا۔ اگر وہ زبانی یا تحریری طور پر آپ کے کہنے یا لکھنے کو رد کر دے تو اُس کو اُس کا حق ہے۔

۲۔ ایجاب و قبول کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل موکل کی رائے اور مرضی کے مطابق کام کرے کیونکہ اگر وہ آپ کی مرضی اور رائے سے مختلف کوئی کام کرے گا تو اُس کی ذمہ داری اُسی پر ہوگی مثلاً آپ نے اپنے ملازم سے ایک تھان چھالٹین کالانے کو کہا اور وہ مارکین خرید لایا یا آپ نے منقے منگوائے اور وہ کتشمش لے آیا۔ آپ نے کہا ادھ سیر سیب لے آؤ اور وہ ایک سیر ناسپاتی لے آیا وغیرہ وغیرہ تو آپ یہ چیزیں واپس کر سکتے ہیں اور اگر دکاندار واپس نہ لے اور آپ بھی رکھنا نہ چاہیں تو ملازم یا تو اُسے بیچ دے یا اپنے استعمال میں لائے، آپ اُس سے اپنے دام وصول کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر حکومت کے ملازمین اور اہلکار اگر حکومت کے منشاء کے خلاف کام کریں جس سے کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس ملازم کارکن پر ہوگی البتہ اگر آپ نے وزن نہیں بتایا اور کہا گوشت لادو یا کپڑے کی قسم نہیں بتائی اور کہا دس گز کپڑا لے آؤ تو وہ جتنا بھی گوشت اور جیسا بھی کپڑا لائے گا اُسے لینا پڑے گا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ موکل اور وکیل دونوں صاحب عقل و تیز ہوں نا سمجھ بچے یا پاگل نہ کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں نہ خود وکیل بن سکتے ہیں۔

۴۔ وکیل چونکہ ایک ایجن اور موکل کے نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جو کام اُسے سپرد کیا گیا ہے اُس کی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں ہے موکل کی طرف ہونا چاہیے۔ البتہ خرید و فروخت کرایہ پر دینا یا لینا، مزدوروں کا تقرر کرنا اس شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جن معاملات میں اپنی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے اُن میں مطالبہ موکل سے ہوگا وکیل سے نہیں مثلاً اگر کسی نے کسی کا نکاح بحیثیت وکیل کر دیا تو عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں موکل سے کرے گی۔ کسی مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہو تو اُس کا جو جرمانہ ہوگا یا جو جائداد اور مال ادا کرنا ہوگا وہ سب موکل ادا کرے گا وکیل سے کوئی مطلب نہیں۔ جن معاملات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی اجازت وکیل کو نہیں ہے اگر ان کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے تو اس کی وکالت صحیح نہیں ہے۔ جن معاملات میں اس کو اپنی طرف نسبت کرنے کی اجازت ہے اُس کام سے جتنے مطالبات متعلق ہوں گے اس کا ذمہ دار وہی ہوگا مثلاً آپ کے ملازم نے کوئی چیز اُدھار خریدی اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کے لئے خرید رہا ہے تو اب دکاندار اُسی سے مطالبہ کرے گا موکل سے نہیں کر سکتا لیکن اگر ملازم نے یہ کہہ کر کوئی چیز اُدھار خریدی یا بچھی کہ یہ فلاں صاحب کی ہے یا فلاں صاحب کے لئے ہے تو پھر اس کے اوپر ذمہ داری نہیں ہے، اس کی حیثیت ایک قاصد اور پیامبر کی ہوگی۔ لہذا اگر کسی نے کسی کو اپنے کاروباری امور کا وکیل بنا دیا پھر اگر وکیل موکل کی کوئی چیز ہبہ کرے یا اس کے لئے ہبہ دہد یہ قبول کرے یا اس کے لئے کوئی چیز عاریتہ لے یا دے یا کسی معاملے میں شرکت کرے یا بطور مضاربت روپیہ لے یا اُس کے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرے یا اس کے مقدمے کی پیروی کرے تو وکیل کو معاملہ کرنے والوں سے واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں فلاں کی طرف سے بحیثیت وکیل کام کر رہا ہوں۔ لیکن اگر خرید و فروخت یا اجارہ و کرایہ کا وکیل بنایا گیا ہے تو موکل کا نام لئے بغیر بھی وہ خرید و فروخت کر سکتا ہے اور کوئی چیز کرایہ پر لے یا دے سکتا ہے۔

۵۔ وکیل نے موکل کے لئے کوئی چیز خریدی یا کسی سے اُس کا قرض وصول کیا لاتے ہوئے راستے میں چیز ہاتھ سے گر کے ٹوٹ گئی یا روپیہ کہیں کھو گیا تو اگر اس میں قصد و ارادہ نہ ہو تو جہی اور غفلت کا دخل نہیں ہے تو اس کا تاوان نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس کی حیثیت امین کی ہے اور امانت گم ہو جانے پر تاوان نہیں ہے لیکن یہ بات ثابت ہونے پر کہ چیز صریحاً غفلت اور لاپرواہی

سے ضائع ہوئی ہے یا قصداً ایسا کیا گیا ہے تو اس پر ذمہ داری ہوگی۔

۶۔ وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ جس چیز کو موکل نے اپنے لئے خریدنے کو کہا ہو اُسے وہ خود خرید لئے البتہ اگر موکل نے یہ بتا دیا تھا کہ فلاں قیمت سے زیادہ قیمت نہ دی جائے اور اُس قیمت پر وہ چیز نہیں مل رہی ہے تو اُسے حق ہے کہ زیادہ قیمت پر اپنے لئے خرید لے لیکن قیمت کا ذکر اگر نہیں کیا تھا تو پھر وہ چیز اُس کو اپنے لئے کسی قیمت پر خریدنے کا حق نہیں ہے۔

۷۔ اگر موکل نے وکیل کو کسی معاملے میں اپنی طرف سے کام کرنے کو کہا اور کوئی قید نہیں لگائی تو وہ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہے معاملہ کو سرانجام دے سکتا ہے لیکن یہ اختیار اس کو معروف طریقوں اور رواج عام کے خلاف جانے کی اجازت کسی حال میں نہیں دے سکتا۔

۸۔ مقدمہ خواہ وہ دیوانی معاملے سے متعلق ہو یا فوجداری سے غیر اسلامی عدالت میں غیر اسلامی قانون کے مطابق کسی مسلمان کو لے جانے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ غیر اسلامی قانون کی توجیہ کے لئے کسی مسلمان کو وکیل بننا چاہیے، قرآن میں اُن لوگوں کو ظالم، فاسق بلکہ کافر تک کہا گیا ہے جو غیر اسلامی قانون کے مطابق معاملے کا فیصلہ کرائیں یا ایسی عدالت میں لے جائیں جو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرتی ہو۔

۹۔ اگر کسی معاملے میں دو آدمیوں کو وکیل بنانا ہو تو دونوں کو موجود رہنا چاہیے۔

۱۰۔ وکیل کو بطور خود کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا حق نہیں ہے جب تک موکل کی مرضی نہ معلوم ہو۔ آپ نے کوئی چیز اپنے ملازم سے منگائی، اُس نے پیسہ کسی دوسرے کو دیدیا اور کہہ دیا کہ فلاں چیز لیتے آنا۔ آپ کو یہ حق ہے کہ دوسرے کی لائی ہوئی چیز کو لیں یا واپس کر دیں۔

۱۱۔ کوئی جنس یا کوئی چیز لانے کے لئے کسی شخص کو وکیل بنایا تو اُسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ چیز اپنے پاس سے آپ کو دیدے۔ اگر چیز اُس کے پاس ہے اور وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے تو اُسے بتا دینا چاہیے کہ یہ چیز میرے پاس ہے، اگر اجازت ہو تو میں ہی دیدوں۔

وکیل کی برطرفی
۱۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے یا بعد میں موکل کو حق ہے کہ وکیل کو علیحدہ کر دے لیکن اگر وکیل نے کام ادا ہو کر کیا ہے تو علیحدگی کا حق

نہیں ہے، اگر اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہوتا ہو۔ اسی طرح کام کرنے سے پہلے وکیل

کو بھی علیحدہ ہو جانے کا حق ہے لیکن کام ادھورا کرنے کی صورت میں اُسے بھی علیحدگی کا حق نہیں ہے اگر اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہوتا ہو۔ لیکن اگر کوئی حق وابستہ نہ ہو اور نہ کسی کو کچھ نقصان ہوتا ہو تو پھر وکیل کے علیحدہ ہو جانے یا موکل کے علیحدہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

۲۔ وکیل کو علیحدہ کرنے کی اطلاع خواہ زبانی دی جائے یا تحریری یا کسی آدمی کے ذریعے یہ تمام صورتیں صحیح ہیں، اسی طرح وکیل موکل کو اپنی معذوری کی اطلاع زبانی، تحریری یا کسی آدمی کے ذریعہ دیدے تو یہ بھی صحیح ہے یعنی وکالت سے علیحدگی ہو جائے گی۔

وقف

وقف کے لغوی اور اصطلاحی معنی وقف کے معنی لغت میں روک لینے، قائم و ساکن کر دینے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں اپنی کوئی چیز یا اُس کا فائدہ کسی ایک مقصد یا کار خیر کے لئے خاص کر دینے کو وقف کہتے ہیں۔ جس طرح صدقہ کر دینے سے وہ چیز آپ کی نہیں رہتی لیکن اُس کا ثواب آپ کو ملتا رہتا ہے اسی طرح کسی چیز کو نیک کام کے لئے وقف کر دینے سے بھی وہ چیز واقف کی ملکیت نہیں رہتی بلکہ جس اچھے کام کے لئے ثواب کی نیت سے وقف کیا ہے اُس کا ثواب اُس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اس طرح صدقے سے بھی زیادہ اجر اُس کو ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موت کے بعد انسان کے تمام اعمال اُس سے منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْكَ (۱) صدقہ جاریہ یا (۲) علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں یا (۳) نیک اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے (۱) صدقہ جاریہ سے مراد اپنی چیز کو خیر اور بھلائی کے کاموں پر خرچ ہونے کے لئے وقف کر دینا ہے کیونکہ اُس کا ثواب جاری رہتا ہے جب تک وہ نیک کام انجام پاتا رہے اور لوگ اُس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ علم سے فائدہ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ علم دین لوگوں کو بڑھایا اور انہوں نے دوسروں کو

کو پڑھایا یا کوئی کتاب اسی جذبے سے لکھی کہ لوگ اُسے پڑھتے اور دین کا علم حاصل کرتے رہیں۔
تو جب تک اس کتاب اور علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے گا اُس کا ثواب ملتا رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جب مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بیٹھے پانی کی بڑی کمی تھی، شہر کے جس حصے میں آپؐ اور مہاجرین آباد تھے اُس میں صرف ایک کنواں (بیر رومہ) تھا جو ایک شخص کی ملکیت تھا جس کا پانی وہ بہ قیمت دیتا تھا آپؐ نے اُس سے کہا کہ ”تم اس کو عام لوگوں کی رفاہ کے لئے وقف کر دو خدا اس کا بدلہ جنت میں دے گا“ اُس نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! میرے اور میرے اہل و عیال کی پرورش کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے“ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے خدا اس کا اجر جنت میں عطا کرے گا، یہ ارشاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو اُسھوں نے ۳۵ ہزار درہم دے کر کنواں اُس کے مالک سے خرید لیا اور آں حضرت کی خدمت میں آکر اس کی خبر دیدی آپؐ نے فرمایا ”جَعَلْتَهَا لِلْمُسْلِمِينَ“ میں نے اس کو عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ (المنتقى)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک باغ صدقہ کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باغ کو اپنے قبضے میں رکھو اور اس کا پھل غرباء، مساکین اور محتاجوں کے لئے مخصوص کر دو چنانچہ اُسھوں نے ایسا ہی کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب نہ تو یہ باغ بیجا جاسکتا ہے نہ کوئی اسے بخی وراثت لے سکتا ہے۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باغ کانگراں حضرت عمرؓ ہی کو بنایا لیکن اس کا فائدہ رفاہ عام کے لئے مخصوص کر دیا۔

آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک گھوڑا خدا کی راہ میں ایمان و احتساب کے ساتھ وقف کرتا ہے تو گھوڑے کا کھانا پینا، اُس کا بول و براز اور ہر چیز اس کے حق میں نیکی ہے۔ (بخاری)

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (تم اُس وقت تک نیکی نہیں پاسکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو تو حضرت ابو طلحہ انصاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیڑ خاکی زمین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے میں چاہتا ہوں اسے فی سبیل اللہ وقف کر دوں! آپؐ نے فرمایا تمہارے قبیلے میں

جو نادار لوگ ہیں ان کے لئے اس کو وقف کر دینا پنچہ اٹھوں نے حضرت حسان بن ثابتؓ، ابی بن کعب اور بعض دوسرے غریب اہل خاندان کے لئے وہ زمین وقف کر دی۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ ارشادات نبوی سے کئی اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کو بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک شخص کو صدقہ دیدینے کا ثواب محدود ہوتا ہے لیکن رفاہ عام کے لئے اپنی چیز کو وقف کر دینا یا رفاہ عام کے لئے کوئی چیز بنوا کر یا ایسا کام کر کے جس کا فائدہ دوچار افراد کو نہیں بلکہ بے شمار افراد کو پہنچے چھوڑ جانا بڑے اجر کا سبب ہے، اس کا ثواب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ چیز قائم رہتی ہے مثلاً کسی نے مدرسہ قائم کیا۔ کتاب خانہ کھول دیا تو جب تک لوگ ان اداروں سے فیض پاتے رہیں گے ان کے بانیوں کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ اجر و ثواب کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ خالص رضائے الہی کی طلب ہو، نام و نمود اور شہرت کی خواہش اصل مقصود نہ ہو، ویسے یہ چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں تو انہیں محض اللہ کا فضل سمجھا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ موقوفہ چیز صحیح معنی میں فائدہ بخش ہو یعنی انسان کی مادی دنیاوی ضرورت کو اس طرح پوری کرتی ہو کہ اخلاق و کردار میں بگاڑ نہ آنے پائے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی تو وہ چیز جب تک رہے گی ثواب کے بجائے گناہ کا اضافہ واقف کے نامہ اعمال میں ہوتا رہے گا۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص اچھا طریقہ رائج کر جائے گا تو جو لوگ اس پر چلیں گے ان کا ثواب اُس کو ملتا رہے گا، اور جو لوگ بُری راہ دکھا جائیں گے ان کی گردن پر ان لوگوں کا عذاب بھی ڈال دیا جائے گا، اگر آپ نے شفا خانہ بنانے کے بجائے سینما ہاؤس بنا کر وقف کر دیا۔ تعلیم گاہ بنائی لیکن مشرکانہ و ملحدانہ تعلیم کا دروازہ بھی کھلا رکھا تو جتنا عذاب سینما دیکھنے والوں اور طالب علموں کے مشرکانہ و ملحدانہ خیالات سے ان پر ہوگا اسی کے بقدر عذاب آپ کی گردن پر بھی ہوگا۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی جو چیز صدقہ کر کے یا وقف کر کے دیتا ہے وہ ایسی چیز ہو جس سے اُس کا دلی لگاؤ اور محبت بھی ہو۔ اگر آپ کے پاس کئی مکان ہیں اور ایک مکان وقف کرنا چاہتے ہیں یا کئی زمینیں ہیں اور ان میں سے ایک کو وقف کرنا چاہتے ہیں تو وہ مکان اور وہ زمین وقف کیجئے جو آپ کے نزدیک سب سے عمدہ اور پسندیدہ ہو کیونکہ اللہ کی رضا گھٹیا اور ردی چیز سے حاصل نہیں کی جاسکتی اور نہ اس کا ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ کا ایک ہی بچہ ہے اور اُس سے آپ کو شدید محبت ہے تو آپ کی دینداری اور اسلامی جس کا تقاضا ہے کہ اُس کو غیر دینی اور اخلاق کو بگاڑنے والی تعلیم نہ دلائیں بلکہ دینی اور خدا پرستانہ تعلیم دلائیں، ایسے ہی بچے کی دُعا اور اُس کا عمل آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہو سکے گا، غلط تعلیم و تربیت پا کر جو لڑکا جوان ہو گا وہ نہ تو صالح اعمال والا ہو گا کہ اُس کے نیک اعمال کا ثواب آپ کو ملے اور نہ وہ آپ کے حق میں دُعا کر سکے گا۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ جو چیز آپ وقف کریں اُس کی نگرانی ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیے جو امانت داری سے اُس رفاہی کام میں خرچ کریں جس کے لئے آپ نے وقف کیا ہے جو شخص خود نگرانی کا خواہاں ہو اُسے یہ امانت نہ سونپی جائے اور نہ فاسق کو اس کام پر رکھا جائے جو اسلامی احکام کا پابند نہ ہو۔ یہ دونوں باتیں یا ایک بھی جس کسی میں پائی جائے اس کو متولی بنانا صحیح نہ ہوگا۔

وقف کا حکم آدمی جب اپنی زبان سے کہہ دے کہ فلاں چیز میں نے وقف کر دی تو اب وقف ہو گئی اُس نے کوئی زمین قبرستان کے لئے دیدی اور اُس میں کسی میت کو دفن کر دیا گیا تو یہ زمین وقف ہو گئی، وقف دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اُس کو خدا کے لئے وقف کر دے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے، دوسری صورت یہ کہ وہ یہ شرط لگا دے کہ میں اپنی زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھاؤں گا اور میرے بعد یہ عام مسلمانوں کی رفاہ کے لئے ہو گا یا میرے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصے سے فائدہ اٹھائے گی باقی رفاہ عام کے لئے ہو گا تو دونوں صورتوں میں موقوف پر واقف کا کوئی حق نہیں رہتا۔ وہ اللہ کی ہو گئی اب نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے نہ اُس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے، البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لئے جس قدر اور جس عرصے تک فائدہ اٹھانے کی قید لگا دی ہے تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ (ہدایہ)

ضروری مسائل ۱۔ اگر وقف کی چیز خراب ہو رہی ہو تو اس کے متولی کا فرض ہے کہ وہ اس کو درست کرائے اگر اس کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہ ہو یا وہ ایسی چیز ہو جس سے کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو تو اسلامی حکومت کا اور اگر حکومت غیر اسلامی ہو تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو درست کرالیں۔

۲۔ اگر کسی نے مسجد بنا دی تو اب اس کی کوئی چیز مسجد بنانے والا یا کوئی اور شخص اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاسکتا حتیٰ کہ اینٹ، گارا، لوٹا اور چٹائی بھی اپنے ذاتی استعمال میں لانا ممنوع ہے۔ اگر اس کی کوئی چیز بیکار ہو جائے یا سڑ گل جائے تو اُسے بیچ کر پھر مسجد کے کام میں لگا دینا چاہیے۔

۳۔ مسجد یا مدرسہ بنا کر وقف کر دینے والا اگر ان کے دروازے کے ساتھ یا بغل میں کچھ دکانیں اس خیال سے بنوائے کہ ان کے کرایہ سے وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کر لے گا تو یہ جائز ہے، ان دکانوں کو موقوفہ مسجد یا مدرسہ سے کے قریب یا ان کے نیچے ہونے کی وجہ سے وقف نہیں سمجھا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اجازت بھی دی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد بنا کر اس کے اوپر کے حصے میں اپنے رہنے کے کوئی عمارت بنوائے تو یہ جائز ہے البتہ اُس کو پیشاب پاخانے کے لئے ایسا انتظام کرنا ضروری ہوگا کہ مسجد کا احترام پوری طرح برقرار رہے۔

وصیت

وصیت کی تعریف

از روئے لغت اس لفظ کا استعمال تین معنوں میں ہوتا ہے :-
 (۱) کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا یعنی اس کو مال کا مالک بنا دینا
 (۲) کسی سے اپنے لڑکے کے بارے میں وصیت کرنا یعنی لڑکے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کو کہنا (۳) کسی کو نماز کی وصیت کرنا یعنی نماز کا حکم دینا۔

فقہاء کی اصطلاح میں وصیت نام ہے اپنی چیز کا دوسرے کو مالک بنا دینا جب وصیت کرنے والے کی وفات ہو جائے، لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ وصیت کرتے وقت ”میرے مرنے کے بعد“ بھی کہا جائے، اگر صرف یہ کہا کہ ”میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں“ تب بھی درست ہے یا اگر وصیت کا لفظ صراحتاً نہ کہا بلکہ ایسی بات کہی جو وصیت پر دلالت کرتی ہو تب بھی وصیت صحیح ہوگی مثلاً یہ کہا کہ ”میرے مال کے ایک تہائی حصے میں سے ایک ہزار روپے فلاں شخص

کے لئے ہیں، تو یہ وصیت ہی منظور ہوگی کیونکہ ایک تہائی حصہ وصیت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔
وصیت کا ثبوت اس کا حکم شرعی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَافِئًا خَيْرًا لِّلْوَصِيَّةِ (بقرہ، ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی کی موت قریب آئے اور تر کہ میں مال چھوڑنا ہے تو اس کی بابت وصیت کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

ما حق امرئ مسلم له
 شيء يوصي فيه يبيت
 ليلتين الا وصية مكتوبه
 عنده۔
 یعنی یہ امر احتیاط اور صحت سے بعید ہے
 کہ ایک مسلمان کے پاس قابل وصیت مال
 ہو اور دو راتوں میں بھی وصیت لکھ کر اپنے
 پاس نہ رکھے۔

دو راتوں سے مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد یہ کام کر لیا جائے۔

وصیت کے ارکان اور شرائط وصیت کے اجزائے لازم یہ ہیں :-
 (۱) موصی (وصیت کرنے والا) (۲) موصی لہ (جس

کے حق میں وصیت کی جائے) (۳) موصی بہ (جس کی بابت وصیت کی جائے) اور (۴) الفاظ وصیت۔
 وصیت کسی شے کی بابت ہو یا کسی شے کی منفعت کی بابت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
 فقہائے احناف کا یہی مسلک ہے، مالکی فقہاء وصیت کو ایک عقد یعنی معاملہ قرار دیتے ہیں
 جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق
 واجب ہو جاتا ہے یا متوفی کے اُس مال میں متوفی کی نیابت کسی شخص کو حاصل ہو جاتی ہے
 پس وصیت کرنے والا یا تو اپنی موت کے بعد کسی کو اپنا نائب (قائم مقام) بناتا ہے یا مال کی
 بابت وصیت کرتا ہے۔

وصیت کا صرف ایک رکن ہے ایجاب و قبول جیسا کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔
 ایجاب یہ ہے کہ ایک شخص کہے میں فلاں کے حق میں یہ وصیت کرتا ہوں یا میری یہ وصیت

فلاں شخص کے لئے ہے یا میں نے فلاں شخص کو اپنی موت کے بعد اپنے مال کے ایک تہائی کا حقدار بنا دیا (اسی طرح کے اور الفاظ جو وصیت کے معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں) وصیت کی قبولیت موصی کی وفات کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وصیت میں تملیک موت پر موقوف رہتی ہے، قبولیت یا تو صراحتاً ہوگی یعنی زبان سے کہے کہ میں نے وصیت کو قبول کر لیا یا دلالتاً یعنی موصی لہ کا طرز عمل لفظاً قبول کرنے کے بجائے منظور ہو۔ اگر موصی لہ یا وصی نے عملاً وصیت کو پورا کر دیا تو اسے قبول کرنا تسلیم کیا جائے گا۔

وصیت کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو یعنی دوسرے کو مال کا نہ حق دے سکے ایسا شخص وہ ہو سکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں :

ایک یہ کہ وہ بالغ ہو کم عمر بچے کی وصیت صحیح نہ ہوگی خواہ وہ صاحب شعور ہو یا نہ ہو تاہم ایک امر ایسا ہے کہ اس بارے میں باشعور بچے کی وصیت درست مانی جائے گی وہ ہے ”تجیز و تکفین کے بارے میں وصیت“ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صغیر سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی تھی وہ روایت اسی پر مجہول ہے۔

دوسری بات یہ کہ وصیت کرنے والا بالغ ہونے کے ساتھ ذمی عقل بھی ہو کسی مجنون کا وصیت کرنا درست نہیں۔ اگر اُس کا جنون جاتا رہے اور اچھا بھلا ہو کر اُس کی وفات ہوئی ہو تو بھی اُسکی وصیت پر عمل نہیں ہوگا کیوں کہ اُس وقت وہ وصیت کرنے کا اہل نہ تھا۔ اگر جنون دور ہونے کے بعد وصیت کی اور پھر جنون طاری ہو گیا اور مستقل چھ مہینے تک یہی حالت رہی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ورنہ باطل نہ ہوگی۔ صحت مند کی حالت میں وصیت کرنے کے بعد دسوسوں کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ حواس جاتے رہے اور اسی حالت میں موت واقع ہو گئی تب بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے پر اتنا قرض نہ ہو جو اُس کے تمام مالی سرمایہ کے برابر ہو، ایسی صورت میں وصیت کرنا درست نہیں۔ قرض کی ادائیگی وصیت کو پورا کرنے پر مقدم ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا نہ تو وصیت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو نہ اُسے کسی

فریب میں ڈالا گیا ہو، بلکہ پوری سنجیدگی اور آزادی رائے کے ساتھ وصیت کی جائے جس میں تمسخر کو دخل نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا غلام نہ ہو اور مکاتب بھی نہ ہو۔ یہ شرط زمانہ ماضی میں مفید تھی جب غلاموں کا ایک طبقہ پایا جاتا تھا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی زبان بند نہ ہو۔ یعنی اگر ایسا مرض زبان کو لاحق ہو گیا کہ بول نہیں سکتا تو جب تک زبان ٹھیک نہ ہو جائے وصیت درست نہ ہوگی۔ گونگا آدمی جو بولنے سے معذور ہو اور خاص اشاروں سے اپنا مطلب ادا کر سکتا ہو تو اس کے اشارے بولنے کے قائم مقام متصور ہوں گے۔

وصیت کنندہ کے لئے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے لہذا کافر مسلمان کے حق میں وصیت کرے تو درست ہے بشرطیکہ وصیت ایسی چیز کی بابت نہ ہو جو مسلمان پر حرام ہے جیسے شراب، جوا، سورا وغیرہ۔

موصیٰ لہ سے تعلق رکھنے والی شرطیں ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا وارث نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے بھائی کے حق میں وصیت کی جو بیٹے کی موجودگی کے باعث وارث نہ تھا تو یہ وصیت درست ہوگی اب اگر وہ بیٹا باپ سے پہلے مر گیا اور بھائی وارث ہو گیا تو وصیت باطل متصور ہوگی تاہم اگر دوسرے در ثار کسی کے حق میں وصیت کی اجازت دیدیں (بشرطیکہ ہر وارث عاقل، بالغ اور صحت مند ہو) تو وہ وصیت لاگو ہوگی۔ لیکن اگر بھائی کے حق میں وصیت کی اور وہ اس کا وارث بھی تھا تو اگر موصیٰ کی موت کے وقت تک وہ وارث ہی ہے تو وصیت پر عمل درآمد نہیں ہوگا لیکن اگر موت کے وقت وہ وارث نہیں رہا مثلاً، وصیت کرنے والے کا بیٹا پیدا ہو گیا جس نے چچا کو وراثت سے محروم کر دیا تو وصیت کا نفاذ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ مالک ہونے کا اہل ہو۔ جو مالک بننے کا اہل نہ ہو اس کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ اگر یوں کہا کہ میں اس بھوسے کی وصیت فلاں شخص کے

کے جانوروں کے حق میں کرتا ہوں اس کے معنی یہ ہوتے کہ اُس نے جانوروں کو بھوسے کا مالک بنا دیا تو یہ درست نہیں۔ اگر یوں کہا جاتا کہ میں اں بھوسے کی بابت وصیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص کے مویشیوں کو کھلایا جائے تو یہ وصیت درست ہوتی، اس طرح کی وصیتوں میں قبولیت ضروری نہیں جس طرح فقروں اور مسکینوں کے حق میں وصیت کرنے کی صورت میں ضروری نہیں ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ وصیت کے وقت موجود ہو یا موجودگی متوقع ہو لہذا پیٹ کے بچے کے حق میں وصیت کرنا درست ہے جس طرح اُس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے اس کا نام و نشان معلوم ہو یا کم از کم یہ کہ وہ ایک مسکین یا فقیر ہے، ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ نے وصیت کرنے والے کو عمدہ یا خطاؤں سے بچا دیا ہو مثلاً موصیٰ نے جس کے حق میں وصیت کی اُسی کے ہاتھوں اُس نے زخم کھایا اور ہلاک ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی لیکن اگر موصیٰ لہ بچہ یا مجنون ہے تو باطل نہیں ہوگی۔ موصیٰ لہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ کسی ذمی کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ دارالحرہ میں نہ ہو۔ مرتد کے حق میں مسلمان کا وصیت کرنا درست نہیں ہے۔

اگر موصیٰ لہ وصیت قبول کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو اُس کے وارث اُس کے بجائے قبول کریں۔

موصیٰ بہ یعنی مال وصیت کے متعلق بھی چند شرطیں ہیں (۱) مال کی وصیت ایسی چیز ہو جو ملکیت میں

آسکتی ہو خواہ مال ہو یا منفعت (مال میں جائداد، جانور، روپیہ اور قیمتی اشیاء شمار ہوتی ہیں اور منفعت میں کرایہ داری کے ذریعہ استفادہ یا مکان اور جانوروں کو استعمال کا حق شامل ہے۔

(۲) ایسی چیز جو سردست موجود نہیں لیکن موجود ہونے کی توقع ہے جیسے باغ کے پھل کی بابت کسی شخص کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے۔

(۳) جس شے کی بابت وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا صرف ایک تہائی مال ہو،

ایک تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ تمام ورثاء بالغ ہوں اور وہ اس بات کی اجازت دیدیں لیکن یہ اجازت وصیت کنندہ کی وفات

بعد مفید ہو سکے گی، اگر زندگی میں اجازت دے بھی دی تو انھیں اس سے رجوع کا حق ہوگا۔
اگر ایک شخص نے اپنے تمام مال کے بارے میں کسی کے لئے وصیت کی اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کی وصیت پر عمل ہوگا، اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی کے نام یا بیوی نے شوہر کے نام اپنے سارے مال کی وصیت کی اور ان دونوں کا کوئی وارث نہیں ہو تو وصیت درست ہوگی۔

عملِ وصیت کی شرعی حیثیت
عملِ وصیت کی شرعی حیثیت حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ کبھی تو وصیت واجب ہوتی ہے

کبھی مستحب اور کبھی حرام ہو جاتی ہے۔ فقہائے احناف نے وصیت کی چار قسمیں بیان کی ہیں: (۱) واجب (۲) مستحب (۳) مباح اور (۴) مکروہ، اور امام شافعیؒ کے مسلک میں پانچویں قسم بھی ہے یعنی "وصیتِ حرام"

وصیت واجب وہ ہے جو حقداروں کو حقوق کی ادائیگی کے لئے کی جائے، اس میں امانتوں اور قرضوں کی واپسی شامل ہے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو جس کا بار اس کے اوپر رہ جائے اور وہ گناہ گار ہو۔

وصیتِ مستحب وہ ہے جو حقوق اللہ کی ادائیگی مثلاً کفارہ، زکوٰۃ، روزہ، نماز کا فدیہ، حج اور امور مستوجب ثواب کے لئے کی جائے جیسے فقیروں مسکینوں کے حق میں یا کسی دیندار صالح کے حق میں جو وارث نہ ہو۔

وصیتِ مباح وہ وصیت ہے جو خوش حال رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا لِّوَالِدَيْهِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا
عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾

(بقرہ، آیت، ۱۸۰)

یعنی "جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور تر کے میں مال ہو تو تم پر لازم ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں نیک سلوک کی وصیت کر جاؤ، یہ خدا نے ڈرنے والوں پر ضروری ہے"

یہ وہ حکم تھا جو آیت میراث کے نازل ہونے اور حقوق وراثت کا نظام مقرر ہونے سے پہلے ماں باپ اور قرابت داروں کو مال متروکہ سے دینے کے لئے تھا جو وراثت کے احکام نازل ہونے کے بعد ختم ہو گیا لیکن وصیت کا مستحب ہونا بہر حال باقی ہے اور شریعت نے اُسے اُس کے اندر محدود کر دیا ہے، اس طرح وراثت کا حصہ بھی محفوظ ہو گیا اور کار خیر میں امداد کا حق بھی باقی رہا۔

وصیتِ مکروہ وہ وصیت ہے جو ناسقوں، گناہ کا کام کرنے والوں، گمراہی اور بُری باتوں میں پڑے ہوئے لوگوں کے حق میں کی جائے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تنہائی مال سے زیادہ کے لئے یا کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا بھی مکروہ ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر مال تھوڑا ہو اور اُس کا وارث موجود ہو تو بھی وصیت کرنا مکروہ ہے۔

وصیتِ حرام۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی سرکش فسادی کے حق میں وصیت کرنا ہے کیونکہ ایسا شخص ترکہ سے حصہ پا کر فساد ہی پھیلائے گا، مالکی فقہار کے نزدیک وصیت حرام وہ ہے جو کسی امر حرام کے لئے کی جائے مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لئے وصیت کرنا وغیرہ۔

حج کرانے اور قرآن خوانی کے لئے وصیت اگر کسی شخص پر حج واجب ہے تو مستحب یہ ہے کہ اپنی طرف سے حج (یا حج بدل)

کی وصیت کر جائے۔ وصیت کو پورا کرنے کے لئے ایک ثلث سے زیادہ مال وراثت کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ اگر سفر کا آغاز گھر سے کرنے کے لئے مال کافی نہ ہو تو جس جگہ سے سفر کرنے کے لئے مال مکتفی ہو وہیں سے کسی آدمی کے ذریعے حج کرادیا جائے۔ پیدل چل کر حج بدل کرنا درست نہیں۔ حج اسی شخص پر واجب ہوتا ہے جسے سواری پر جا کر حج کرتے کا مقدور ہو یہی حکم اُس کے قائم مقام کے لئے بھی ہے۔

قبروں پر یا مقررہ مقامات پر قرآن خوانی کی بابت وصیت کرنا فقہائے احناف کے نزدیک یہ ایسی وصیت ہے جس پر عمل کرنا فضول ہے لیکن اگر ایسی وصیت کسی خاص شخص کے بارے میں ہو مثلاً یہ کہ میں اپنے مال میں سے اس قدر مال کی بابت فلاں قاری کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ میری قبر پر قرآن پڑھنے کے لئے دیا جائے تو اصحاب نے اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ بطور حُسن

سلوک کے متصور ہوگا، قرآن پڑھنے کی اجرت کے طور پر نہ ہوگا۔

اگر کسی نے وصیت کی کہ موت کے بعد اس کو کسی خاص مقام پر لے جا کر دفن کیا جائے تو اس وصیت پر بھی عمل کرنا ضروری نہیں، وصی نے اگر میت کو دوسری جگہ لے جانے کا بندوبست کیا تو اس کے مصارف کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی، البتہ اگر متوفی کے ورثہ اس کے چھوٹے ہوئے مال سے خرچ کرنے کی اجازت دیدیں تو ایسا کرنا صحیح ہوگا۔

اگر قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کی گئی تو وہ متفقہ طور پر باطل ہوگی کیونکہ اس کی مانعت ارشاد رسولؐ سے ثابت ہے، ہاں اگر یہ وصیت ہے کہ قبر پر مٹی یا چونے وغیرہ کا پوچا پھیر دیا جائے تو اگر مقصود قبر کو وحشی جانوروں سے محفوظ رکھنا یا قبر کو خراب ہونے نہ دینا ہے تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

جو چیزیں شریعت میں ناجائز یا مکروہ یا غیر ضروری فضول خرچی کی ہیں مثلاً کسی نے وصیت کی کہ مجھے قیمتی کپڑے کا یا ٹیری کاٹ کا کفن دیا جائے، میری قبر نچتہ بنائی جائے۔ یا خوب دھوم دھام سے چہلم یا تیجہ کیا جائے تو یہ وصیتیں پوری نہیں کی جائیں گی کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا یا ورثہ کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ اسی طرح اگر قرض ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے تو وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہنچانے والی وصیتیں جس طرح ناجائز وصیتیں کرنا گناہ ہے اسی طرح

جس وصیت سے کسی وارث کی حق تلفی ہوتی ہو یا نقصان پہنچتا ہو وہ بھی گناہ ہے، قرآن میں وصیت اور قرض کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا ہے۔

فِي بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُؤْصِي بِهَا أَوْ دِينَ غَيْرِ مَضَائِرِ

(میراث کی تقسیم، وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے، یہ وصیت اور قرض وراثہ کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کتنے مرد و عورت ایسے ہوتے ہیں کہ پوری عمر ساتھ برس تک خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں اور جب موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اپنی وصیت کے ذریعے ورتہ کو نقصان پہنچا جاتے ہیں یا مستحقین کو وصیت نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق بن جاتے ہیں" (ابوداؤد)؛

نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً:

- ۱۔ اکثر ثلث مال سے زیادہ وصیت کرنے کا نتیجہ ورتہ کی حق تلفی ہو جاتا ہے۔
- ۲۔ وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ کہنا کہ میرے ذمہ فلاں کا اتنا قرض ہے یا اتنی رقم امانت ہے وہ ادا کر دی جائے حالانکہ واقعہً ایسا نہ ہو تو یہ وصیت گناہ ہے۔
- ۳۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کو قرض دیا یا اپنی کوئی قیمتی چیز کسی کے یہاں امانت رکھوائی لیکن اقرار یہ کر لیا کہ میں قرض یا امانت پاچکا ہوں تو وہ سخت گنہگار ہو گا کیونکہ وہ مستحقین کا حق مار کر غیر مستحق کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

وصیت سے رجوع کر لینا موصی جب تک زندہ ہے اس کو اپنی وصیت سے رجوع کر لینے کا حق رہتا ہے مثلاً کسی نے ایک مکان کسی کو دینے کی وصیت کی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس نے کہا کہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں تو اسے اس کا حق ہے۔ اگر زبان سے نہیں کہا مگر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا تو بھی وصیت کا عدم ہو جائے گی۔ مثلاً اپنی کوئی زمین کسی کو دینے کی وصیت کی پھر اس میں مکان بنا لیا یا اسے فروخت کر دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا۔

وصی کا بیان وصی مجاز وہ ہے جس کو ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنا نائب بنایا ہو کہ وہ اس کے مال میں تصرف کرے اور اس کے مژدروں کو سمجھ وارثوں کی بہتری کا خیال رکھے۔ وصی۔ وصیت کرنے والی کی زندگی میں ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے لیکن اس کی موت کے بعد علیحدہ ہونے کا حق نہیں ہے۔

وصی کے بارے میں جو احکام ہیں ان کا ذکر "حجر" کے بیان میں بھی کیا گیا ہے یہاں کچھ

اور مسائل بیان کئے جاتے ہیں، جس شخص کو وصی بنایا جائے اُس کے لئے چند شرائط ہیں۔
 ۱۔ بالغ ہونا۔ اگر کسی نے ایک بچے کو اپنے بعد وصی مقرر کیا تو وہ بالغ ہونے پر وصی مانا جائے گا جب تک وہ بچہ ہے حاکم شرع پر لازم ہوگا کہ اس کے بجائے کسی اور کو وصی بنا دے اور اُسے برطرف کر دے۔ حاکم کے نابالغ وصی کو برطرف کرنے سے پہلے اگر اس نے مال میں کوئی تصرف کر لیا تو اُسے درست مانا جائے گا کیونکہ بلوغ کی شرط وصی بننے رہنے کے لیے ہے، وصیت کے درست ہونے کی شرط نہیں ہے، لہذا اگر ہٹائے جانے سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو بدستور وہ وصی رہے گا۔

۲۔ مسلمان ہونا۔ اگر اُس نے کسی کافر کو وصی بنایا تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کی بجائے کسی مسلمان کو وصی بنا دے لیکن ہٹائے جانے سے پہلے اس نے مال میں کچھ تصرف کیا تو وہ صحیح تسلیم کیا جائے گا کیونکہ وصیت اس کے حق میں بھی درست تھی یا اگر وہ مسلمان ہو گیا تو وصی کے منصب پر برقرار رہے گا۔

۳۔ عادل (نکو کار) ہونا۔ کسی بدکار کو وصی بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی نابالغ کو وصی بنانا اُس کو وصی کے فرائض سے ہٹانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مالی معاملات میں بدنام ہو، اگر وہ مالی امور میں بے ضرر ہو تو اسے برطرف کرنا درست نہیں۔

۴۔ دیانت دار ہونا۔ اگر اس کی بددیانتی ثابت ہو جائے تو حاکم شرع پر لازم ہے کہ اُسے وصی کے فرائض سے برطرف کر دے۔

۵۔ امور وصیت انجام دینے کی قابلیت ہونا۔ اگر وہ بعض امور انجام نہ دے سکتا ہو تو حاکم شرع اُس کے ساتھ کسی اور شخص کو لگائے گا جو ان کاموں کا انجام دے سکے یا اگر وہ بالکل کام سے عاجز ثابت ہو تو کسی اور کو وصی بنا دے گا لیکن محض شکایت پر اُس و ذوق کو توڑا نہیں جائے گا جو وصیت کرنے والے کو اپنے وصی پر تھا۔

دو اشخاص کو وصی مقرر کرنا
 اگر دو شخصوں کو وصی بنایا جائے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔
 ہاں اگر وصیت کنندہ نے یہ تصریح کر دی ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بطور خود تصرف کا حق

ہوگا تو دونوں کا منفرد تصرف صحیح مانا جائے گا۔ چند امور ایسے ہیں جنہیں دونوں وصیوں میں سے ہر ایک بغیر اختلاف فقہیہ کیلئے انجام دے سکتا ہے جیسے وصیت کنندہ کی وفات کے بعد اُس کی تجہیز و تکفین۔ حقوق کے بارے میں دعویٰ۔ بچے کی ابتدائی ضروریات کو فراہم کرنا۔ امانت کو واپس کرنا۔ وصیت کو پورا کرنا۔ ایسی اشیاء کو فروخت کر دینا جن کے ضائع ہونے کا

اندیشہ ہو۔ جو مال تلف ہو رہا ہو اُس کو محفوظ رکھنے کا بند و بست کرنا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وصی مسلمان اگر مرتد ہو جائے تو اُسے فرائض سے برطرف کر دیا جائے گا یا تصرف کی قابلیت رکھتا ہو لیکن بعد میں معذور ہو جائے تو بھی برطرف کر دیا جائے گا۔

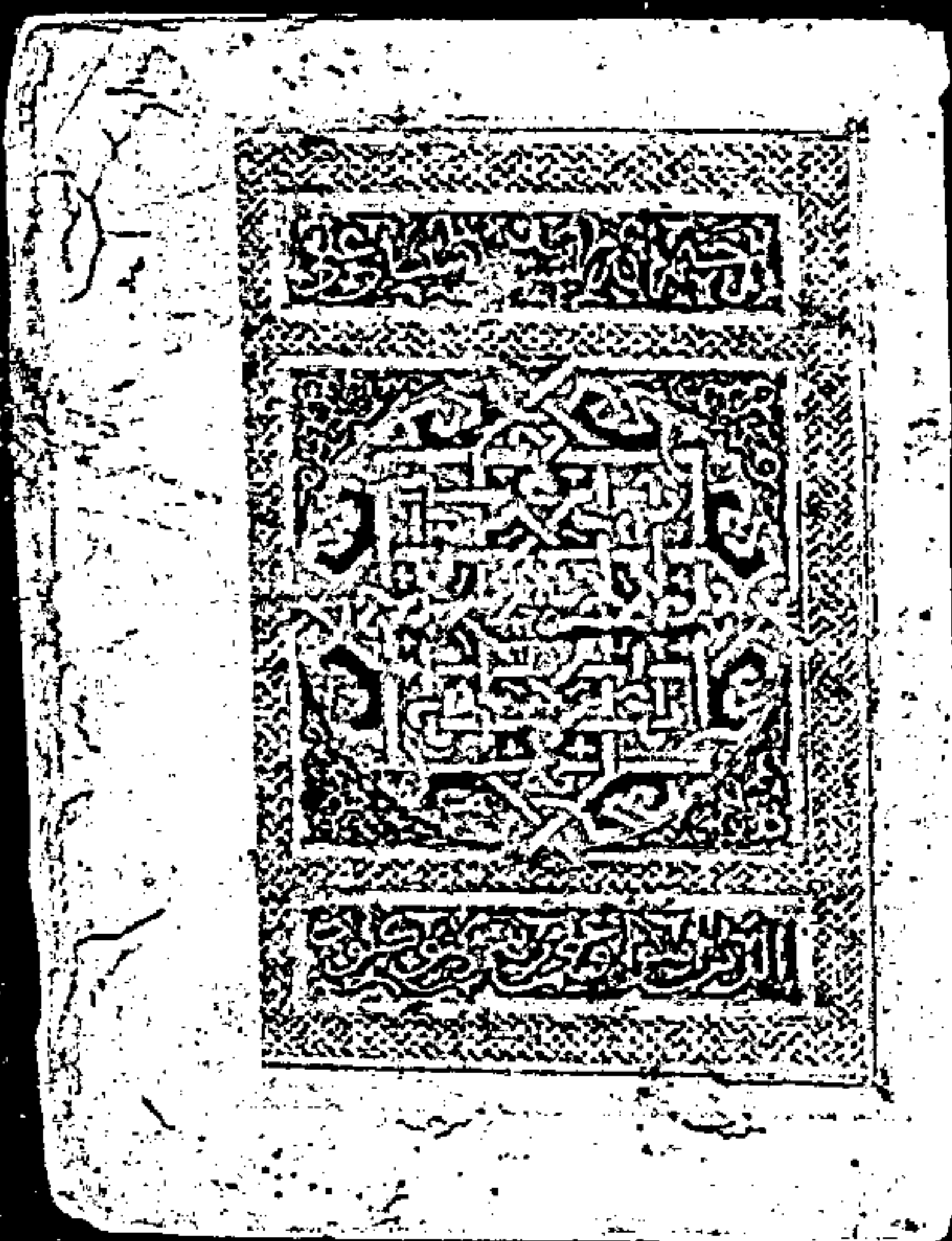
مُسلم گھرانوں کے لیے لازمی کتاب

اسلامی فقہ

کا

انسائیکلو پیڈیا

تقریباً 2000 مسائل کے شرعی جوابات



مولانا منہاج الدین مینائی